خطباتِ ناصر

خطباتِ جمعہ

از نومبر ۱۹۶۵ء تا دسمبر ۱۹۶۷ء

فرمودہ

سیدنا حضرت حافظ مرزا ناصر احمد

خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ

جلد اوّل

خطباتِ ناصر

خطبات جمعہ، خطبات عیدین، خطبات نکاح
ارشاد فرمودہ حضرت مرزا ناصر احمد خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ
(جلد اوّل)

Khutbaat-e-Nasir — Volume 1
Friday, Eid and Nikah Sermons delivered by
Hazrat Mirza Nasir Ahmad, Khalifatul-Masih III,
may Allah have mercy on him.

(Complete Set — Volume 1-10)

First edition published between 2005-2009
Present revised edition published in the UK, 2023

Published by:
Islam International Publications Ltd
Unit 3, Bourne Mill Business Park,
Guildford Road, Farnham, Surrey UK, GU9 9PS

Printed in Turkey at:

For further information, please visit www.alislam.org

ISBN: 978-1-84880-701-3 (Vol. 1-10)

بسم اللہ الرحمن الرحیم   نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

عرضِ حال

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کے بیان فرمودہ خطباتِ جمعہ و عیدین اور خطباتِ نکاح کچھ عرصہ قبل شائع کئے گئے تھے۔ یہ مجموعہ دس جلدوں پر مشتمل تھا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں اس مجموعہ کے دوسرے ایڈیشن کے دوبارہ شائع کرنے کی درخواست کی گئی اور عرض کیا گیا بعض خطبات ایسے ہیں جو قبل ازیں شاملِ اشاعت نہیں ہو سکے تھے۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے ایڈیشن کی اجازت فرمائی اور ہدایت فرمائی کہ جو خطبات پہلے شاملِ اشاعت نہیں ہو سکے ان کو بھی شائع کر دیا جائے۔

تعمیل ارشاد میں میسّر ریکارڈ کا تفصیلی جائزہ لیا گیا چنانچہ ۵۰ خطبات دستیاب ہوئے جو پہلے مجموعہ میں شامل نہیں ہیں۔ اسی طرح بعض خطبات کا خلاصہ شائع ہوا اور اب ان کا مکمل متن مل گیا ہے ان خطبات کو زمانی ترتیب کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی اپنی جگہ درج کر دیا گیا۔

نیز آیاتِ قرآنیہ کے حوالہ جات متن میں دیئے گئے اور خطبات کے مآخذ کا خطبہ کے آخر پر حوالہ درج کر دیا گیا ہے اور خطبات میں درج احادیث اور عربی تفاسیر کے حوالہ جات کو کتاب کے آخر پر درج کر دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کو ہر لحاظ سے بابرکت فرمائے۔ اس کی تیاری میں جن احباب کو شریکِ کار ہو کر خدمت کا موقع میسّر ہوا اور سعادت پائی۔ اللہ تعالیٰ انہیں اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ آمین۔

منیر الدین شمس
ایڈیشنل وکیل التصنیف
اپریل ۲۰۲۳ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ وَعَلٰی عَبۡدِہِ الۡمَسِیۡحِ الۡمَوۡعُوۡدِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھُوَالنَّاصِرُ

پیش لفظ

نظارتِ اشاعت پہلی مرتبہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے خطبات کتابی صورت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہی ہے۔ آپ کا دورِ خلافت نومبر ۱۹۶۵ء سے لے کر جون ۱۹۸۲ء تک کے عرصہ پر محیط رہا، یہ وہ زمانہ تھا کہ جب دنیا دو بڑی جنگوں کے بعد اب تیسری عالمگیر جنگ کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اس نسلی اور قومی منافرت کے دور میں عالمگیر جماعت احمدیہ کے تیسرے امام نے دنیا میں امن وآشتی کی تعلیم پر مشتمل قرآن کا پیغام دیا جو کہ محبت اور پیار کا پیغام تھا۔ ایک موقع پر آپ نے فرمایا:۔

”میں نے اپنی عمر میں سینکڑوں مرتبہ قرآن کریم کا نہایت تدبر سے مطالعہ کیا ہے اس میں ایک آیت بھی ایسی نہیں ہے جو کہ دنیاوی معاملات میں ایک مسلم اور ایک غیر مسلم میں تفریق کی تعلیم دیتی ہو۔ شریعتِ اسلامی بنی نوع انسان کے لئے خالصتاً باعث رحمت ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ نے لوگوں کے دلوں کو محبت پیار اور ہمدردی سے جیتا تھا۔ اگر ہم بھی لوگوں کے دلوں کو فتح کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں بھی ان کے نقش قدم پر چلنا ہوگا۔ قرآن کی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے

”محبت سب کے لئے نفرت کسی سے نہیں“

LOVE FOR ALL HATRED FOR NONE

یہی طریق ہے دلوں کو جیتنے کا۔اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ نہیں۔‘‘

(خطاب جلسہ سالانہ برطانیہ اکتوبر 1980ء بحوالہ دورۂ مغرب صفحہ ۵۳۳، ۵۳۴)

’’آپ محبت کا سفیر بن کر ملک ملک اور قوم قوم کو محبت اور پیار کا سبق دیتے رہے۔ آپ کو اپنی جماعت سے بہت ہی پیار تھا جس کا اظہار بعض اوقات ان الفاظ میں بھی کیا کرتے تھے کہ

’’جماعت اور خلیفۂ وقت ایک ہی وجود کے دو نام ہیں۔‘‘

آپ کے پیار کا دامن اپنوں سے لے کر غیروں اور دشمنوں تک پھیلا ہوا تھا۔آپ معاندین کے دکھوں کے جواب میں مسکرا دیا کرتے تھے اور اپنی جماعت کو نصیحت کے رنگ میں فرماتے تھے۔

’’دنیا تیوریاں چڑھا کے اور سرخ آنکھیں کر کے تمہاری طرف دیکھ رہی ہے تم مسکراتے چہروں سے دنیا کو دیکھو۔‘‘

آپ نے فرمایا:۔

’’ہمیشہ یاد رکھو کہ ایک احمدی کسی سے دشمنی نہیں کرتا اور نہ کر سکتا ہے کیونکہ اس کے خدا نے اسے پیار کرنے کے لئے اور خدمت کرنے کے لئے پیدا کیا ہے۔‘‘

(بحوالہ حیات ناصر جلد اول صفحہ ۸)

ہمارے پیارے امام کے دل میں جماعت کے لئے کتنا درد ہوتا ہے اس کا اظہار ایک مرتبہ حضرت مصلح موعود نے اس طرح فرمایا تھا کہ

’’دیکھنے والوں کو تو یہ عجیب بات معلوم ہوتی ہوگی کہ کئی لاکھ کی جماعت پر حکومت مل گئی۔مگر خدارا غور کرو کیا تمہاری آزادی میں پہلے کی نسبت کچھ فرق پڑ گیا ہے۔کیا کوئی تم سے غلامی کرواتا ہے یا تم پر حکومت کرتا ہے یا تم سے ماتحتوں، غلاموں اور قیدیوں کی طرح سلوک کرتا ہے۔کیا تم میں اور ان میں جنہوں نے خلافت سے روگردانی کی ہے کوئی فرق ہے۔کوئی بھی فرق نہیں۔لیکن نہیں ایک بہت بڑا فرق بھی ہے اور وہ یہ کہ تمہارے لئے ایک شخص تمہارا درد رکھنے والا، تمہاری محبت رکھنے والا، تمہارے دکھ کو اپنا دکھ سمجھنے والا،

تمہاری تکلیف کو اپنی تکلیف جاننے والا، تمہارے لئے خدا کے حضور دعائیں کرنے والا ہے۔ مگر ان کے لئے نہیں ہے۔ تمہارا اسے فکر ہے، درد ہے اور وہ تمہارے لئے اپنے مولیٰ کے حضور تڑپتا رہتا ہے لیکن ان کے لئے ایسا کوئی نہیں ہے۔ کسی کا اگر ایک بیمار ہو تو اس کو چین نہیں آتا۔ لیکن کیا تم ایسے انسان کی حالت کا اندازہ کر سکتے ہو جس کے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں بیمار ہوں۔ پس تمہاری آزادی میں تو کوئی فرق نہیں آیا ہاں تمہارے لئے ایک تم جیسے ہی آزاد پر بڑی ذمہ داریاں عائد ہو گئی ہیں'' (انوار العلوم جلد ۲ صفحہ ۱۵۸)

یہ نظارہ انفرادی طور پر تو ہر آن جماعت محسوس کرتی ہے اور مشاہدہ بھی کرتی ہے۔ لیکن ۱۹۷۴ء میں اجتماعی طور پر جب جماعت پر ابتلا کا دور آیا تو ساری جماعت کا درد اس ایک دل میں جو جمع ہوا تو اس کیفیت کا اظہار کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:۔

''دنیوی لحاظ سے وہ تلخیاں جو دوستوں نے انفرادی طور پر محسوس کیں وہ ساری تلخیاں میرے سینے میں جمع ہوئی تھیں۔ ان دنوں مجھ پر ایسی راتیں بھی آئیں خدا کے فضل اور رحم سے ساری ساری رات ایک منٹ سوئے بغیر دوستوں کے لئے دعائیں کرتا رہا...... میرا خیال ہے کہ دو مہینے میں بالکل سو نہیں سکا تھا۔ کئی مہینے دعاؤں میں گزرے تھے۔''

(بحوالہ حیات ناصر جلد اول صفحہ ۴۰۱)

آپ کا دورِ خلافت ایک تاریخی دور تھا، جماعت نے کئی سنگِ میل اس میں عبور کئے، حضرت مصلح موعود کی وہ پیشگوئی آپ کے دور ہی میں پوری ہوئی تھی کہ اگر حکومتیں بھی اس سے ٹکرلیں گی تو پاش پاش ہو جائیں گی۔ جماعت نے یہ نظارہ دیکھا اور بڑی شان سے اس پیشگوئی کو پورے ہوتے ہوئے دیکھا۔ جماعت کے ہاتھوں میں کشکول تھمانے والے خود اپنے ہاتھوں میں کشکول پکڑ کر اپنی زندگیوں کی بھیک مانگنے پر مجبور ہو گئے لیکن جماعت اللہ کے فضل سے بڑھتی ہی چلی گئی۔ کیا تعداد میں اور کیا ایمان میں۔ ایمان و عرفان کی دولت ہو یا مادی دولت، جماعت کی اس ترقی کا گراف حیرت انگیز طور پر بڑھتا اور بڑھتا ہی چلا گیا۔ آپؒ کو اس ترقی کا یقین تھا اور اعتماد تھا کہ ہماری ساری کوششیں اور سارے منصوبے کامیاب ہوں گے۔ آپ نے فرمایا تھا:۔

''ہمیں یقین ہے کہ ہماری یہ جدوجہد کامیاب ہو گی اور ساری دنیا اکٹھی ہو کر بھی

اللہ تعالیٰ کے اس منصوبے کو ناکام کرنے کی کوشش کرے تو خود ناکام ہو جائے گی۔
خدا تعالیٰ کا منصوبہ ناکام نہیں ہوگا......'' (بحوالہ حیات ناصر جلد اول صفحہ ۵۷۸)

آپ کے دورِ خلافت پر لکھنا آسان نہیں، سمندر کو کوزے میں بند کرنے کے مترادف ہے، آپ کے دور پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک خطبہ جمعہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:۔

''پھر خلافت ثالثہ کا دور آیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی وفات کے بعد پھر اندرونی اور بیرونی دشمن تیز ہوا۔ لیکن کیا ہوا؟ کیا جماعت میں کوئی کمی ہوئی؟ نہیں، بلکہ خدا تعالیٰ نے اپنے وعدوں کے مطابق پہلے سے بڑھ کر ترقیات کے دروازے کھولے۔ مشنوں میں مزید توسیع ہوئی۔ افریقہ میں بھی، یورپ میں بھی اور پھر افریقہ کے دورے کے دوران حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ نے نصرت جہاں سکیم کا اجراء فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق، ایک رؤیا کے مطابق۔ ہسپتال کھولے گئے۔ سکول کھولے گئے، ہسپتالوں میں اب تک اللہ تعالیٰ کے فضل سے لاکھوں مریض شفا پا چکے ہیں۔ گورنمنٹ کے بڑے بڑے ہسپتالوں کو چھوڑ کر ہمارے چھوٹے چھوٹے دور دراز کے دیہاتی ہسپتالوں میں لوگ اپنا علاج کرانے آتے ہیں۔ بلکہ سرکاری افسران بھی اس طرف آتے ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ ہمارے ہسپتالوں میں جو واقفینِ زندگی ڈاکٹرز کام کر رہے ہیں وہ ایک جذبے کے ساتھ کام کر رہے ہیں اور ان کے پیچھے خلیفۂ وقت کی دعاؤں کا بھی حصہ ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے خلیفہ کی لاج رکھنے کے لئے ان دعاؤں کو سنتا ہے اور جہاں بھی کوئی کارکن اس جذبے سے کام کر رہا ہو کہ میں دین کی خدمت کر رہا ہوں اور میرے پیچھے خلیفۂ وقت کی دعائیں ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی اس میں بے انتہا برکت ڈالتا ہے۔ پھر سکولوں میں ہزاروں لاکھوں طلباء اب تک پڑھ چکے ہیں۔

بڑی بڑی پوسٹ پر قائم ہیں۔ ہمارے گھانا کے ڈپٹی منسٹر آف انرجی جو ہیں انہوں نے احمدیہ سکول میں شروع میں کچھ سال تعلیم حاصل کی۔ پھر ایک سکول سے دوسرے سکول میں چلے گئے وہ بھی احمدیہ سکول ہی تھا اور آج ان کو اللہ تعالیٰ نے بڑا رتبہ دیا ہوا ہے۔ اسی طرح اور بہت سارے لوگ ہیں۔ افریقن ملکوں میں جائیں تو دیکھ کر پتہ لگتا ہے۔ یہ سب جو فیض ہیں اس وجہ سے ہیں کہ ڈاکٹر ہوں یا ٹیچر، ایک جذبے کے تحت کام کر رہے ہیں اور یہ سوچ ان کے پیچھے ہوتی ہے کہ ہم جو بھی کام کر رہے ہیں ایک تو ہم نے دعا کرنی ہے، خود اللہ تعالیٰ سے فضل مانگنا ہے اور پھر خلیفۃ المسیح کو لکھتے چلے جانا ہے تا کہ ان کی دعاؤں سے بھی ہم حصہ پاتے رہیں اور یہ جو افریقن ممالک میں ہمارے سکول اور کالج ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل سے تبلیغ کا بھی ذریعہ بنے ہوئے ہیں۔ کل ہی سیرالیون کی رہنے والی ایک خاتون بچوں کے ساتھ مجھے ملنے آئیں۔ وہ کہتی ہیں کہ ہمارے ہاں تو خاندان میں اسلام کا پتہ ہی کچھ نہیں تھا۔ احمدیہ سکول میں میں نے تعلیم حاصل کی اور وہیں سے مجھے احمدیت کا پتہ لگا اور بڑے اخلاص اور وفا کا اظہار کر رہی تھیں۔ وہ بڑی مخلص احمدی خاتون ہیں۔ اسی طرح اور بہت سے ہزاروں، لاکھوں کی تعداد میں لوگ ہیں جو ہمارے ان سکولوں سے تعلیم حاصل کر کے اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت میں شامل ہوئے اور اس کی برکات سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ پھر خلافتِ ثالثہ میں ہی آپ دیکھ لیں، ۷۴ء کا فساد ہوا اس وقت ان کا خیال تھا کہ اب تو احمدیت ختم ہوئی کہ ہوئی، ایک قانون پاس کر دیا کہ ہم ان کو غیر مسلم قرار دے دیں گے تو پتہ نہیں کیا ہو جائے گا۔ کئی شہید کئے گئے، جانی نقصان کے ساتھ ساتھ مالی نقصان بھی پہنچایا گیا۔ کاروبار لوٹے گئے، گھروں کو آگیں لگا دی گئیں، دکانوں کو آگیں لگا دی گئیں، کارخانوں کو آگیں لگا دی گئیں۔ لیکن ہوا کیا؟ کیا احمدیت ختم ہو گئی؟ پہلے سے بڑھ کر اس کا قدم اور تیز ہو گیا، باپ کو بیٹے کے سامنے قتل

کیا گیا، بیٹے کو باپ کے سامنے قتل کیا تو کیا خاندان کے باقی افراد نے احمدیت چھوڑ دی؟ ان میں اور زیادہ ثبات قدم پیدا ہوا، ان میں اور زیادہ اخلاص پیدا ہوا۔ ان میں اور زیادہ جماعت کے ساتھ تعلق پیدا ہوا۔ دشمن کی کوئی بھی تدبیر کبھی بھی کارگر نہیں ہوئی اور کبھی کسی کے ایمان میں لغزش نہیں آئی اور پھر اب دیکھیں کہ ان نیکیوں پہ قائم رہنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو جو جانی نقصان ہوا یا جن خاندانوں کو اپنے پیاروں کا جانی نقصان برداشت کرنا پڑا، اگلے جہان میں تو اللہ تعالیٰ نے جزا دینی ہے، اللہ نے اُن کو اِس دنیا میں بھی ان کو بے انتہا نوازا ہے۔ مالی لحاظ سے بھی اور ایمان کے لحاظ سے بھی۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۱ رمئی ۲۰۰۴ء بحوالہ خطباتِ مسرور جلد ۲ صفحہ ۳۴۷، ۳۴۸)

آپ کے خطبات جو کہ قرآنی معارف اور علم وعرفان کے خزانے اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں جماعت کے زرّیں عہد کی روشن تاریخ کا بنیادی ماخذ بھی ہیں۔ ان خطبات یعنی 'خطباتِ ناصر' کی جلد اوّل احباب جماعت کی خدمت میں پیش ہے، اس جلد میں نومبر ۱۹۶۵ء سے دسمبر ۱۹۶۷ء کے خطبات شامل کئے گئے ہیں۔ بعض خطبات تو ابھی تک غیر مطبوعہ تھے وہ پہلی مرتبہ اس کتاب میں شامل کئے جارہے ہیں، اس کے لئے مکرم محمد صادق صاحب انچارج خلافت لائبریری شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے اس کام کے لئے ہر ممکن تعاون کیا۔ اسی طرح اس پہلی جلد کی تیاری میں کام کرنے والے مکرم مقصود احمد قمر صاحب، مکرم فضل کریم تبسم صاحب اور مکرم حبیب الرحمان زیروی صاحب کی خدمات بھی قابل ذکر ہیں نیز دیگر کام کرنے والوں کے لئے بھی دعا کی درخواست ہے اللہ تعالیٰ تمام کام کرنے والوں کو جزائے خیر سے نوازے۔ فَجَزَاهُمُ اللّٰهُ اَحۡسَنَ الۡجَزَآء

خاکسار

ناظر اشاعت

۱۵-۰۸-۲۰۰۵

فہرست خطباتِ جمعہ

خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت سے جماعت کو ہر طرح متحد اور متفق رکھا اور اسے پھر ایک ہاتھ پر جمع کر دیا

خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۲؍نومبر ۱۹۶۵ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا:۔

میرا ارادہ تو ایک اور مضمون کے متعلق کچھ کہنے کا تھا لیکن گزشتہ رات میں ''الفضل'' کا ایک پرانا فائل ۱۹۱۴ء کا دیکھ رہا تھا تو میری توجہ اللہ تعالیٰ نے حضرت خلیفہ ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک تقریر کے اقتباس کی طرف مبذول کی جس میں میں نے ایک زبردست پیشگوئی کو دیکھا جو ان گذشتہ چند دنوں میں پوری ہوئی۔ تب مَیں نے ارادہ کیا کہ اس مضمون کو چھوڑ کر میں اس پیشگوئی کے متعلق اپنے دوستوں کے سامنے کچھ بیان کروں۔ لیکن اس پیشگوئی کو سمجھنے کے لئے اس پس منظر کو جس میں یہ پیشگوئی کی گئی تھی سمجھنا ضروری ہے۔ اس لئے مختصر طور پر میں ۱۹۱۴ء کے کچھ حالات بیان کروں گا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد بعض احمدیوں کی مرضی یا پسندیدگی کے خلاف جماعت احمدیہ ایک ہاتھ پر متفق اور متحد ہوگئی اور مجبوراً ان لوگوں کو بھی جن کی طرف میرا اشارہ ہے اور آپ بھی سمجھتے ہیں کہ احبابِ جماعت کی اکثریت کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا پڑا اور انہوں نے حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی۔

یہ پہلی خلافت تھی جو جماعت احمدیہ میں قائم ہوئی ۔ یہ تھوڑا سا زمانہ جو پہلی خلافت کا تھا اس کو کسی نہ کسی طرح اس گروہ نے گزار دیا۔لیکن جب حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا تو ان کے نزدیک یہ وہ موقعہ تھا جب وہ اپنی رائے کو جس طرح بھی ہو جماعت میں قائم کرنے کا امکان پاتے تھے۔اس وقت اس گروہ نے یکے بعد دیگرے تین موقف اختیار کئے۔

پہلے تو یہ کہا کہ جماعت احمدیہ میں خلیفہ کا وجود ہی ضروری نہیں ۔ خلافت ہونی ہی نہیں چاہیے۔ان کے مقابلہ میں جماعت کی اکثریت کو (ایسی اکثریت جس میں یہ اکابر کہلانے والے یا اپنے کو اکابر سمجھنے والے شامل نہ تھے) اور حضرت خلیفہ ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک بے قراری، ایک بے چینی لاحق تھی اور ایک موت کی سی کیفیت نظر آتی ہے کہ یا اللہ! یہ کیا ہونے والا ہے۔تو نے مسلمانوں کو خلافت کا وعدہ دیا اور ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ جب تک قرونِ اُولیٰ میں خلافت قائم رہی مسلمان ترقی پر ترقی کرتے چلے گئے اور جب ان کی کمزوریوں اور کوتاہیوں اور غفلتوں کی وجہ سے خلافت کا انعام ان سے چھین لیا گیا تو اس کے بعد جو اسلام کی بادشاہت قائم ہوئی۔ وہ اس خلافت کے مقابلہ میں کوئی چیز نہ تھی۔محض ہیچ تھی۔اب پھر ہم پر اے خدا! تو نے انعام کیا تھا۔تو نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو منہاجِ نبوت پر مبعوث فرمایا جس کے متعلق تو نے خود فرمایا تھا کہ ان کے وجود میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود میں ایک کامل مماثلت پائی جاتی ہے اور جو ایسا نہیں سمجھتا خود اس کی سمجھ کا قصور ہے۔اس وجود کے بعد سلسلہ احمدیہ میں خلافت قائم ہوئی۔لیکن ابھی چھ سال نہیں گزرے کہ ایک گروہ کھڑا ہو گیا ہے اور کہتا ہے کہ خلافت کی ضرورت ہی نہیں۔

آپ (حضرت خلیفہ ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے کہا جا سکتا ہے کہ ان لوگوں کی خوشامدیں کیں، بہتیرا سمجھایا کہ خدا کے لئے خلافت کی برکت کو مت ٹھکراؤ تم میں سے کوئی خلیفہ منتخب ہو جائے میں ذمّہ لیتا ہوں کہ میں اور میرے دوسرے دوست اور رشتہ دار جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ وہ سب اس کی بیعت کر لیں گے اور پوری پوری اطاعت کریں گے۔

اس وقت حضور کے دل میں یہ لگن تھی کہ خلافت جماعت احمدیہ کے ہاتھ سے نہیں نکلنی چاہیے۔

کوئی فرق نہیں پڑتا اس سے کہ کون خلیفہ بنتا ہے اور کون نہیں بنتا۔ لیکن خلافت کو مضبوطی سے پکڑنا چاہیے۔ کیونکہ اس کے بغیر نہ ہی جماعت ترقی کر سکتی ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے فضلوں کی وارث بن سکتی ہے۔ لیکن کسی طرح بھی یہ لوگ اس طرف نہ آئے۔ جب آئے تو انہوں نے یہ مؤقف اختیار کیا کہ اچھا کوئی شخص خلیفہ مقرر ہو جائے لیکن اس کی بیعت جماعت پر لازمی قرار نہ دی جائے۔ یہ دوسرا مؤقف تھا جو انہوں نے اختیار کیا۔ خدائے تعالیٰ کا تصرف ایسا تھا کہ اس قسم کی باتیں یہ لوگ خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کی زندگی میں بھی کیا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت خلیفہ اوّل ؓ کے منہ سے ہی ان کو جواب دے دیا تھا۔ چنانچہ ایک موقع پر اسی قسم کا اعتراض کیا گیا تو حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ نے جو جواب دیا وہ اخبار بدر ۳؍مارچ ۱۹۱۰ء میں چھپ چکا ہے۔

''ایک صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت میں لکھا کہ کیا آپ کی بیعت لازم اور فرض ہے؟ فرمایا کہ جو حکم اصل بیعت کا ہے وہی فرع کا حکم ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام ؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دفن کرنے سے پہلے اس بات کو مقدم سمجھا اور کیا کہ خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کریں۔''

اسی طرح ۹؍جولائی ۱۹۰۸ء کے اخبار بدر میں جو ڈائری شائع ہوئی ہے اس میں ہمیں یہ ملتا ہے کہ آپ نے یہ فرمایا کہ

''کوئی یہ نہ سمجھے کہ جب ہم حضرت میرزا غلام احمد صاحبؑ کو مسیح موعود اور مہدی مسعود مانتے ہیں تو اب علّامہ نورالدین کی بیعت کی کیا ضرورت ہے...... ہر شخص اپنی ذات کے لئے خود ذمہ دار ہے...... ہر ایک کو بیعت کے لئے خط لکھنا چاہیے تا وہ اس فیض سے حصہ لے جو یَدُ اللّٰہِ عَلَی الْجَمَاعَةِ میں مذکور ہیں۔''

مطلب واضح ہے کہ اگر تم خلافت کی بیعت نہیں کرو گے اور ویسے ہی اپنی چالاکیوں اور ہشیاریوں میں پڑے رہو گے تو پھر تمہیں وہ فضل حاصل نہیں ہو سکتا۔ جو یَدُ اللّٰہِ عَلَی الْجَمَاعَةِ کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے یعنی خدا تعالیٰ اپنی رحمت کا ہاتھ، خدا تعالیٰ اپنی حفاظت کا ہاتھ، خدا تعالیٰ اپنی امان کا ہاتھ، خدا تعالیٰ اپنی برکتوں کا ہاتھ تمہارے سر پر سے اُٹھا لے گا۔ اگر تم خدا تعالیٰ کی

رحمتیں حاصل کرنا چاہتے ہو۔ اگر تم اس بات کے خواہش مند ہو کہ خدا تعالیٰ کی رحمتوں اور اس کے فضلوں اور اس کی برکتوں اور اس کی حفاظت اور اس کی امان کا ہاتھ تمہارے سروں پر رہے تو تمہارے لئے ضروری ہے کہ تم ایک ہاتھ پر بیعت کر کے جمع ہو جاؤ۔

جب انہوں نے دیکھا کہ اس مسئلہ میں بھی اکثریت ہماری رائے کے خلاف، صداقت پر مضبوطی سے قائم ہے تو پھر انہوں نے تیسرا مؤقف اختیار کیا۔ اور وہ یہ کہ بے شک خلیفہ کا انتخاب کرو اور خلیفہ بنا لو۔ بے شک اس کی بیعت کو بھی لازمی قرار دے لو ہم بیعت کر لیں گے لیکن وہ خلیفہ صدر انجمن کا حاکم نہیں ہوگا بلکہ اگر تم نے خلیفہ بنانا ہی ہے تو صدر انجمن احمدیہ کے ماتحت خلیفہ مقرر کرو۔

یہ اس قدر مضحکہ خیز بات تھی کہ کوئی سمجھدار انسان اس کو اختیار کرنے کے لئے تیار ہی نہ تھا۔ اس وقت جس تڑپ کے ساتھ، جس درد کے ساتھ، جس عاجزی اور انکسار کے ساتھ، جس علم و فراست کے ساتھ اس محاذ پر حضرت خلیفہ ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ جنگ لڑی اسے دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک زبردست بشارت آپؓ کو دی اور وہ یہ تھی کہ ہم تمہیں یہ توفیق دیں گے کہ تم خلافت کو جماعت احمدیہ میں اس قدر مستحکم کر دو گے کہ آئندہ اس قسم کا فتنہ جو مارچ ۱۹۱۴ء میں جماعت میں پیدا ہوا پھر کبھی پیدا نہ ہوگا۔ ۱۹۱۴ء میں آپ کو کچھ معلوم نہیں کہ کتنی زندگی ہے۔ دس سال بیس سال پچاس سال باون سال کتنی دیر خلافت کرنی ہے۔ اس کے بعد کیا حالات ہوں گے۔ اپنے حالات کا بھی کوئی پتہ نہیں۔ اور پھر اس کے بعد جو خلیفہ ہوگا وہ جب مرے گا تو اس کے بعد کیا حالات ہوں گے یہ بھی نہیں جانتے۔ یہ انسان کا کام نہیں۔ جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم نہ دیا جائے۔ اس کے باوجود ۱۹۱۴ء میں حضرت خلیفہ ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ لکھا ذرا غور سے سنیں۔

''اس وقت دشمن خوش ہے کہ احمدیوں میں اب تفرقہ پڑ گیا ہے''۔

یہ جنگ ہو رہی تھی۔ یہ جھگڑا تھا کہ خلیفہ ہونا چاہیے یا نہیں ہونا چاہیے۔ حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے کہ خلیفہ ہونا چاہیے۔ اور ان لوگوں نے تو وقت سے پہلے ہی خلافت کے خلاف ٹریکٹ چھپوا

کر رکھے ہوئے تھے جن کی اشاعت بعد میں کی۔ اس چیز کو دیکھ کر کہ یہ شماتتِ اعداء کا موجب ہے۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا دعویٰ تو یہ تھا کہ میں اسلام کو تمام دنیا پر غالب کروں گا اور یہ غلبہ تین صدیوں کے اندر اندر تمہیں نظر آ جائے گا۔ لیکن ہو یہ رہا ہے کہ حضورؑ کی وفات کے بعد ابھی چھ سال نہیں گزرتے کہ جماعت میں شدید تفرقہ پڑ گیا ہے۔ حتیٰ کہ کوئی شخص ظاہری سامانوں کو دیکھتے ہوئے یہ نہیں کہہ سکتا کہ جماعت زندہ بچ نکلے گی۔ تو آپؓ فرماتے ہیں کہ

”اس وقت دشمن خوش ہے کہ احمدیوں میں اب تفرقہ پڑ گیا ہے اور یہ جلد تباہ ہو جائیں گے اور اس وقت ہمارے ساتھ زُلۡزِلُوۡا زِلۡزَالًا شَدِیۡدًا (الاحزاب: ۱۲) والا معاملہ ہے یہ ایک آخری ابتلا ہے۔ جیسے کہ احزاب کے موقعہ کے بعد پھر دشمن میں یہ جرأت نہ تھی کہ مسلمانوں پر حملہ کرے ایسے ہی ہم پر یہ آخری موقعہ اور دشمن کا حملہ ہے۔ خدا تعالیٰ چاہے ہم کامیاب ہوں تو انشاء اللہ پھر دشمن ہم پر حملہ نہ کرے گا۔ بلکہ ہم دشمن پر حملہ کریں گے۔ نبی کریم صلعم نے احزاب پر فرمایا تھا کہ اب ہم ہی دشمن پر حملہ کریں گے اور اسے شکست دیں گے اور دشمن اب ہم پر کبھی حملہ آور نہ ہوگا۔ یہ آخری ابتلا ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے۔ تو دشمن کو پھر کبھی خوشی کا موقعہ نہ ملے گا۔“

پہلے آپ نے فرمایا کہ دشمن اس لئے خوش ہے کہ احمدیوں میں تفرقہ پڑ گیا ہے۔ یہ جلد تباہ ہو جائیں گے۔ اب آپ فرماتے ہیں۔ کہ دشمن کو پھر کبھی خوشی کا موقع نہ ملے گا۔ یعنی دشمن کو کبھی یہ دیکھنا نصیب نہ ہوگا۔ کہ احمدیوں میں تفرقہ پڑ گیا ہے۔ اور ان کی تباہی کا امکان پیدا ہو گیا ہے۔ پھر آپ فرماتے ہیں:۔

”جنگیں تو احزاب کے بعد میں بھی ہوتی رہی ہیں لیکن پھر دشمن کو یہ حوصلہ نہیں ہوا کہ مسلمانوں پر حملہ آور ہو۔ اسی طرح یہ آخری فتنہ ہے۔ پس تم دعا میں لگ جاؤ۔ یہ فتنہ احزاب والا ہے جس طرح وہاں صحابہ رضوان اللہ علیہم کی حالت تھی وہی اب یہاں ہماری حالت ہے۔ اور جو اس وقت دشمن کی حالت ہوئی۔ وہی اب دشمن کے ساتھ ہوگی۔ تمہیں چاہیے کہ تم آگے بڑھو۔ دعاؤں میں لگ جاؤ۔“[1]

آپ نے یہ پیشگوئی ۱۹۱۴ء میں کی تھی۔ کہ اس وقت ہمیں جماعت میں شدید تفرقہ نظر آتا ہے۔ اور شماتتِ اعداء کا باعث بن رہا ہے۔ اور دشمن خوش ہیں اور خوشی سے بغلیں بجا رہے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تمام دعاوی اور جماعت احمدیہ کی ترقی کی تمام پیشگوئیاں غلط ہوتی نظر آ رہی ہیں۔ جو جماعت اس طرح متفرق ہو جائے اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔ اور آپس میں اختلاف کرنے لگ جائے۔ اور پراگندہ ہو جائے وہ کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔

لیکن حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی وقت یہ بھی فرما دیا تھا، کہ تم دعاؤں میں لگ جاؤ اور میں تمہیں بتاتا ہوں کہ یہ خوشی دشمن صرف ایک دفعہ دیکھ سکتا تھا اور وہ اس نے دیکھ لی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ایسے حالات پیدا کرے گا کہ دشمن تھوڑا بہت حملہ تو کرے گا۔ شاید تھوڑا بہت نقصان بھی پہنچا دے احمدیوں کو تکلیفیں بھی دے سکتا ہے ان سے ایثار اور قربانی کے مطالبے بھی اس کے مقابلہ میں کئے جاویں گے لیکن یہ تم کبھی نہ دیکھو گے کہ ۱۴؍مارچ ۱۹۱۴ء والا تفرقہ اور پراگندگی جماعت میں دشمن کو پھر نظر آئے۔

اب جب خود آپؓ کا وصال ہوا۔ تو ہم اس کے بعد کے دنوں کے حالات کو دیکھتے ہیں۔ ہر احمدی ایک موت کی سی حالت دیکھتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک احمدی کے دل میں حضرت خلیفہ ثانی رضی اللہ عنہ کی اتنی محبت پیدا کی تھی اور پھر آپ کو احباب جماعت پر اس کثرت اور وسعت کے ساتھ احسان کرنے کی، ان کے غموں میں شریک ہونے کی، ان کی خوشیوں میں شامل ہونے کی، ان کی ترقیات کے سامان پیدا کرنے کی کوشش کرنے کی اس قدر توفیق دی تھی کہ ہر شخص سمجھتا تھا کہ گویا آج میری ہی موت کا دن ہے۔ بعض احمدی حضور کی اس بیماری کے دوران اپنی کم علمی کی وجہ سے، بعض نادانی کی وجہ سے، بعض کمزوری کی وجہ سے اور شاید بعض شرارت کی وجہ سے بھی اس قسم کی باتیں کیا کرتے تھے جو ہمارے کانوں میں بھی پڑتی تھیں کہ گویا جماعت میں بڑا تفرقہ پیدا ہو چکا ہے لیکن یہ باتیں اس وقت سے پہلے تھیں۔ جب اس موہومہ تفرقہ نے اپنا چہرہ دنیا کے سامنے دکھانا تھا جب وہ وقت آیا تو وہ لوگ جو یہاں تھے وہ گواہ ہیں اور ان میں سے ہر ایک شخص شاہد ہے اس بات کا کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے فرشتوں کی

فوج بھیجی ہے اور اس نے جماعت احمدیہ پر قبضہ کر لیا ہے اور جس طرح گڈریا بھیڑوں کو گھیر لیتا ہے۔ اسی طرح اس فوج نے ہم سب کو گھیرے میں لے لیا ہے اور کہا کہ ہمیں اس لئے بھیجا گیا ہے۔ کہ ہم تمہیں بھٹکنے نہ دیں۔ اس وقت کسی کے دماغ میں یہ خیال نہ تھا کہ کون خلیفہ منتخب ہوتا ہے یا کون نہیں۔ لیکن ہر دل یہ جانتا تھا۔ کہ خلافت قائم رہے گی اور خلیفہ منتخب ہوگا اور خلافت کی برکات ہم میں جاری وساری رہیں گی۔

چند دن پہلے ہماری ایک احمدی بہن نے خواب دیکھی۔ غالباً حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات سے دو دن یا تین دن پہلے کی بات ہے۔ یعنی اس شام سے پہلی رات جب یہاں اجتماعی دعا ہوئی ہے اس بہن نے خواب یہ دیکھی کہ مسجد مبارک میں بہت سے احمدی جمع ہیں اور بڑی گریہ وزاری کے ساتھ دعا کر رہے ہیں۔ وہ کہتی ہے کہ جب میں نے مغرب کی طرف نگاہ کی تو میں نے دیکھا کہ سینکڑوں، ہزاروں فرشتے سفید لباس میں ملبوس بڑی تیزی کے ساتھ دوڑتے چلے آ رہے ہیں اور وہ دعا کرنے والے انسانوں کے ساتھ شامل ہو گئے ہیں اور اس طرح اپنے ربّ کے حضور گریہ وزاری کے ساتھ دعائیں کرنے لگ گئے ہیں۔

اس دن تو ہم نے یہ خیال کیا کہ اگر خدا چاہے۔ اور ہماری دعاؤں کو قبول فرمائے تو وہ حضور کو صحت عطا کر سکتا ہے۔ وہ بڑی طاقتوں اور قدرتوں والا ہے۔ چنانچہ یہاں اجتماعی دعا کا انتظام کیا گیا۔ اور بڑی گریہ وزاری کے ساتھ دعا کی گئی۔

لیکن اب میں سمجھتا ہوں کہ جو نظارہ اس دن اس کو دکھایا گیا۔ وہ اس اجتماعی دعا کے وقت کا نظارہ نہ تھا۔ بلکہ اس شام کا نظارہ تھا۔ (مغرب کے بعد کا) جس شام کو مجلس انتخاب کے ممبر مسجد مبارک کے اندر مشورہ کر رہے تھے اور بوجہ ممبر ہونے کے میں اور خاندان کے بعض دوسرے افراد بھی اس میں شامل تھے۔ لیکن خدا شاہد ہے کہ اس کارروائی کا بیسواں حصہ بھی میرے کان میں نہیں پڑا۔ کیونکہ ہم لوگ پیچھے بیٹھے یہ دعا کر رہے تھے کہ اے خدا! جماعت کو مضبوط اور مستحکم بنا اور خلافت کو قائم رکھ! اور دل میں یہ عہد کیا تھا کہ جو بھی خلیفہ منتخب ہوگا۔ ہم اس سے کامل اتباع اور اطاعت کا حلف اٹھائیں گے اور جماعتی اتحاد اور خدا تعالیٰ کے فضلوں کو دیکھ دیکھ کر خوشی خوشی ہم

واپس جائیں گے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جماعت میں تفرقہ پیدا نہیں ہوا اور ہمارا جو فرض تھا آرام کے ساتھ ہم اس سے سبکدوش ہو گئے۔

اس مسجد میں جو لوگ بھی اس اجلاس میں شامل تھے۔ میرا یہی احساس تھا کہ ان میں سے کوئی شخص بھی وہ نہ رہا تھا جو پہلے تھا۔ یعنی اس کے دماغ پر بھی اللہ تعالیٰ کا تصرف تھا۔ اس کی زبان پر بھی خدا تعالیٰ کا تصرف تھا نہ کوئی بحث ہوئی اور نہ ہی کوئی جھگڑا۔ سب ایک نتیجہ پر پہنچ گئے اور اللہ تعالیٰ نے اس طرح پر یہ پیشگوئی پوری کی کہ یہ آخری ابتلا ہے۔ دشمن اس قسم کی خوشی پھر نہ دیکھے گا۔

چنانچہ بعض غیر مبائع اکابر کو یہ کہتے بھی سنا گیا ہے کہ سچی بات یہی ہے کہ خلافت کے بغیر جماعت ترقی نہیں کر سکتی اور اگر حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ انتخاب خلافت کے متعلق اس قسم کے قواعد بنا جاتے جو حضرت خلیفہ ثانی رضی اللہ عنہ نے جماعت پر احسان کرتے ہوئے بنائے تو پھر ۱۹۱۴ء والا تفرقہ پیدا ہی نہ ہوتا۔

تو حضرت خلیفہ ثانی رضی اللہ عنہ کو جو اللہ تعالیٰ نے بتایا وہ ایک زبردست پیشگوئی تھی کہ ہم تجھے توفیق دیں گے۔ کہ تم جماعت کی تربیت ایسے رنگ میں کر سکو کہ جب تمہیں ہمارا بلاوا آوے تو تمہیں یہ غم اور فکر نہ ہو کہ جب میں اس گھر میں داخل ہوا تھا۔ تو اس وقت بھی ایک فتنہ تھا اور جب میں اس گھر سے جا رہا ہوں تو اس وقت بھی ایک فتنہ چھوڑ کے جا رہا ہوں۔ بلکہ خدا تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی تھی۔ کہ جب تم اس دنیا کو چھوڑو گے تو یہ فتنہ کبھی پیدا نہ ہو گا۔ جس کو تم نے شروع میں دیکھا تھا۔ چنانچہ خدا تعالیٰ کی قدرتوں نے اپنا کام دکھایا۔ اور جماعت کو اس طرح متحد اور متفق کر دیا۔ کہ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک مصرعہ کہا ہے۔

ہر سینہ شک سے دھو دیا ہر دل بدل دیا

یہ وہ نظارہ تھا۔ جو ہمیں اس وقت نظر آ رہا تھا۔ مسجد کے اندر بیٹھے ہوئے لوگوں میں بھی اور باہر بیٹھے لوگوں میں بھی۔ ہر آدمی کی اپنی طبیعت، اپنا خیال، اپنی سوچ و بچار، اپنا فکر و تدبر ہوتا ہے لیکن

وقتِ انتخاب وہ اپنا وجود کلیۃً کھو بیٹھے تھے اور کسی اور کی گرفت میں تھے اور وہی کچھ کر رہے تھے جو خدا ان سے کروانا چاہتا تھا۔

تو اس طرح آپ دوستوں نے خدا تعالیٰ کے حضور یہ سفارش کی کہ اس عاجز بندے (خاکسار ناصر احمد) کو وہ اگر پسند کرے تو آپ کا ایک خادم بنا دے اور خدا تعالیٰ نے آپ کی درخواست کو قبول کیا اور مجھے آپ کا خادم بنا دیا۔

اس معنی میں خادم کہ جس طرح باپ اپنے بچوں کی خدمت کرتا ہے یا جس طرح ماں اپنے بچوں کی خدمت کرتی ہے۔ ایک ماں اپنے بچے کے گُوہ کے پوتڑے بھی دھوتی ہے لیکن کوئی شخص نہیں کہہ سکتا کہ وہ چوہڑی اور حلال خور ہے۔ ایک باپ اپنے بچے کو کندھے سے لگا کر جب اس کے پیٹ میں تکلیف ہو ساری رات ٹہلتا رہتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ اسے سکون حاصل ہو اور وہ آرام سے سو جائے لیکن کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ ایک مزدور ہے۔

تو آپ بھی دعا کریں۔ میں بھی دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ایک باپ سے بڑھ کر مجھے آپ کی خدمت کی توفیق دے۔ ایک ماں سے بڑھ کر آپ کی خدمت کرنے کی مجھے توفیق دے اور خدا تعالیٰ کی قسم! میں آپ سے اس کے بدلہ میں کسی چیز کی توقع نہیں رکھتا مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ (یونس: ۷۳) میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ جن دینی کاموں میں آپ کا تعاون ضروری ہے ان کاموں میں آپ میرے ساتھ پورا پورا تعاون کریں اور اپنی دعاؤں میں ہمیشہ مجھے یاد رکھیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ ہمیشہ یہ دعا کرتے رہیں گے کہ جب میں دنیا کو چھوڑ کر اپنے ربّ کے حضور جاؤں تو وہ مجھ سے ناراض نہ ہو بلکہ خدا تعالیٰ ایسے سامان پیدا کر دے کہ میں سرخرو ہو کر اس کے حضور پہنچوں اور اللہ تعالیٰ مجھے توفیق دے کہ میں آپ کی زیادہ سے زیادہ خدمت کر سکوں اللہ تعالیٰ مجھے توفیق دے کہ میں آپ کے دکھوں اور غموں کو اپنی دعاؤں سے دور کر سکوں۔ میں تو انتخاب کے وقت سے ہی خاص طور پر یہ دعا کر رہا ہوں کہ اے خدا میری دعاؤں کو قبول کر!

چونکہ میں جانتا ہوں کہ آپ میں سے ہزاروں ایسے ہوں گے کہ چھوٹی یا بڑی تکالیف میں

مجھے لکھیں گے اور کہیں گے کہ ہمارے لئے دعا کریں۔تو میری دعا یہ ہے کہ ایسے موقع پر میرا خدا مجھے شرمندہ نہ کرے۔ بلکہ اس ذمہ داری کے نبھانے کے لئے قبولیت دعا کی جو ضرورت ہے وہ قبولیت دعا کا نشان مجھے عطا کرے اس لئے نہیں کہ میں اس ذریعہ سے دنیا کے مال و اسباب حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ بلکہ اس لئے کہ میں آپ کے دکھوں اور دردوں اور تکلیفوں کو دور کر سکوں اور آپ کی ترقیات کی جو خواہش میرے دل میں پیدا کی گئی ہے خدا تعالیٰ کے فضل سے اس کے سامان پیدا ہو جائیں اور خدا کرے ہمارا یہ قافلہ اسی اتحاد اور اتفاق کے ساتھ دنیا کے تمام ملکوں میں، دنیا کے تمام شہروں میں اور ان شہروں کے ہر گلی کوچہ میں بڑھتا چلا جائے اور خدا تعالیٰ کا یہ منشا پورا ہو کہ اسلام دنیا پر پھر غالب آ جائے گا۔

اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہمیں اس کی توفیق دیتا رہے۔آمین

(روزنامہ الفضل ربوہ ۱۸؍نومبر ۱۹۶۵ء صفحہ ۱ تا ۴)

جلسہ کے ایام کو نیکی کی باتیں سننے اور اپنے ربّ کے حضور عجز و انکسار سے دُعائیں کرنے میں گزاریں

خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۶؍نومبر ۱۹۶۵ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہّد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

آج میں احباب جماعت کو جلسہ سالانہ کے فوائد اس کی برکات اور اس کے متعلق ذمہ داریوں کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔

اس جلسے کا ایک پس منظر ہے آج میں اس پس منظر پر اور جو جلسے اس وقت تک ہو چکے ہیں ان پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے کچھ بیان کرنا چاہتا ہوں۔

اس کا پس منظر یہ ہے کہ انیسویں صدی کی دوسری چوتھائی میں ہندوستان میں ایک بچہ پیدا ہوا اور اس نے ایک ایسے ماحول میں پرورش پائی۔ جو ماحول مذہبی اور دینی نہ تھا لیکن اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت ایک موجیں مارنے والے سمندر کی طرح جوش مار رہی تھی اور ایک جلا دینے والی آگ کی طرح اس کے دل میں بھڑک رہی تھی۔ مگر دنیا اس سے واقف نہ تھی۔ اس کا خاندان (جو ایک رئیس خاندان تھا) اسے دنیوی لحاظ سے ایک نکما وجود سمجھتا تھا۔ ان کے نزدیک نہ یہ دنیا کو کوئی فائدہ پہنچا سکتا تھا اور نہ خاندان کی عزت قائم رکھ سکتا تھا۔ اس لئے وہ اس سے کلیۃً لاپرواہی برتا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ دستر خوان کے بچے کھچے ٹکڑے اس کے کھانے کے لئے رکھ

دیئے جاتے تھے جیسا کہ خود اس پاک وجودؑ نے فرمایا:۔

ع　لُفَاظَاتُ الْمَوَائِدِ کَانَ اُکُلِیْ

کہ اس زمانہ میں دسترخوان کے بچے ہوئے ٹکڑے مجھے کھانے کے لئے دیئے جاتے تھے۔ پس گھر والے بھی اس کو نہ پہچانتے تھے۔ وہ وجود اپنے خاندان سے بھی اوجھل اور پوشیدہ تھا۔ پھر جب ہم علاقہ کو دیکھتے ہیں تو اس میں اس مقدس وجود کا خاندان ایک رئیس خاندان تھا جو رؤسا اس پاک وجود کے والد کی ملاقات کے لئے آتے اور ان سے دوستانہ تعلقات رکھتے تھے وہ بھی نہیں جانتے تھے کہ ان کا کوئی صاحبزادہ مرزا غلام احمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے نام سے بھی موسوم ہے۔ وہ ان کا متعارف نہیں تھا اور وہ اس سے متعارف نہیں تھے۔

پھر جس قصبہ میں وہ پاک وجود پیدا ہوا وہ قصبہ بھی غیر معروف تھا۔ اس قصبہ میں دنیا کو کوئی خوبی نظر نہ آتی تھی۔ دور کی دنیا تو کیا خود اس ملک کی نگاہ سے بھی قادیان اوجھل اور چھپا ہوا تھا۔

ع　کوئی نہ جانتا تھا کہ ہے قادیاں کدھر

اس پس منظر میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک دن اللہ تعالیٰ نے ان ہزاروں لاکھوں خدمت گزاروں میں سے جو آستانہء الوہیت پر پڑے رہتے تھے اس پاک وجود کو غلبہء اسلام کے لئے اور اپنی قدرت کی زندہ تجلیات کے لئے چنا اور علاوہ اور بشارتوں کے اسے ایک یہ بشارت بھی دی کہ ہم تجھے کثیر جماعت دیں گے، دنیا تیری مخالفت کرے گی، تجھے مٹانے کے درپے ہو جائے گی۔ ہر تدبیر اور ہر حربہ اختیار کیا جائے گا کہ تو مغلوب ہو جائے ناکام رہے۔ لیکن ہم تجھ سے یہ وعدہ کرتے ہیں اور تجھے بشارت دیتے ہیں کہ غلبہ آخرکار تجھ ہی کو حاصل ہوگا اور مخلصین اور فدائیوں کی ایک کثیر جماعت تجھے عطا کی جائے گی۔

ان بشارتوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر پورا توکّل اور بھروسہ رکھتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وہ کام شروع کیا۔ جو اللہ تعالیٰ نے ان کے سپرد کیا تھا اور چونکہ خدا تعالیٰ ایک بڑی باوفا ہستی ہے۔ اس لئے اس نے بھی اُسی طرح آپ سے وفا کی جس طرح آپ اس سے وفا کر رہے تھے۔ یہ کثیر اور ہر دم بڑھتی ہوئی جماعت جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

کو دی گئی۔اس کے معلوم کرنے کا ایک پیمانہ ہمارا جلسہ سالانہ ہے۔جس کی ابتدا یوں ہوتی ہے کہ ۱۸۹۱ء میں بعض دینی امور کے متعلق مشورہ کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بعض احباب جماعت کو قادیان بلایا۔ اس طرح اس جلسۂ مشاورت میں ۷۵ احباب شامل ہوئے۔ لیکن اس مشاورتی مجلس کے دوران ہی اس جلسہ سالانہ کی بنیاد رکھ دی گئی اور ابتدا کر دی گئی جو جلسہ کہ ہم ہر سال اپنے مرکز میں ہوتا دیکھتے ہیں۔ چنانچہ اس مجلسِ مشاورت کے تین دن بعد یعنی ۳۰ر دسمبر ۱۸۹۱ء کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک اشتہار اطلاع شائع فرمایا (جو حضور علیہ السلام کی کتاب آسمانی فیصلہ کے آخر میں بھی درج ہے) اس میں حضور علیہ السلام نے جلسہ سالانہ کا ان الفاظ میں اشتہار دیا۔

فرمایا:۔

تمام مخلصین داخلین سلسلہ بیعت اس عاجز پر ظاہر ہو کہ بیعت کرنے سے غرض یہ ہے کہ تا دنیا کی محبت ٹھنڈی ہو اور مولیٰ کریم اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دل پر غالب آجائے اور ایسی حالت انقطاع پیدا ہو جائے جس سے سفر آخرت مکروہ معلوم نہ ہو۔ لیکن اس غرض کے حصول کے لئے صحبت میں رہنا اور ایک حصہ اپنی عمر کا اس راہ میں خرچ کرنا ضروری ہے۔تا اگر خدا چاہے تو کسی برہان یقینی کے مشاہدہ سے کمزوری اور ضعف اور کسل دور ہو اور یقین کامل پیدا ہو۔ذوق اور شوق اور ولولۂ عشق پیدا ہو جائے سو اس بات کے لئے ہمیشہ فکر رکھنا چاہیے اور دعا کرنا چاہیے کہ خدا تعالیٰ یہ توفیق بخشے اور جب تک یہ توفیق حاصل نہ ہو کبھی کبھی ضرور ملنا چاہیے کیونکہ سلسلہ بیعت میں داخل ہو کر پھر ملاقات کی پرواہ نہ رکھنا ایسی بیعت سراسر بے برکت اور صرف ایک رسم کے طور پر ہوگی اور چونکہ ہر ایک کے لئے بباعثِ ضعفِ فطرت یا کمیٔ مقدرت یا بُعد مسافت یہ میسر نہیں آسکتا کہ وہ صحبت میں آکر رہے یا چند دفعہ سال میں تکلیف اٹھا کر ملاقات کے لئے آئے۔ کیونکہ اکثر دلوں میں ابھی ایسا اشتعالِ شوق نہیں کہ ملاقات کے لئے بڑی بڑی تکالیف اور بڑے بڑے حرجوں کو اپنے پر روا رکھ سکیں۔لہٰذا قرین مصلحت معلوم ہوتا ہے کہ سال میں

تین روز ایسے جلسہ کے لئے مقرر کئے جائیں جس میں تمام مخلصین اگر خدا تعالیٰ چاہے بشرط صحت وفرصت وعدم موانع قویہ تاریخ مقررہ پر حاضر ہوسکیں۔ سو میرے خیال میں بہتر ہے کہ وہ تاریخ ۲۷؍دسمبر سے ۲۹؍دسمبر تک قرار پائے۔ یعنی آج کے دن کے بعد جو تیس دسمبر ۱۸۹۱ء ہے۔ آئندہ اگر ہماری زندگی میں ۲۷؍دسمبر کی تاریخ آجائے توحتی الوسع تمام دوستوں کو محض للہ ربانی باتوں کے سننے کے لئے اور دعا میں شریک ہونے کے لئے اس تاریخ پر آجانا چاہیے اور اس جلسہ میں ایسے حقائق ومعارف کے سنانے کا شغل رہے گا اور ایمان اور یقین اور معرفت کو ترقی دینے کے لئے ضروری ہیں اور نیز ان دوستوں کے لئے خاص دعائیں اور خاص توجہ ہوگی۔ اور حتی الوسع بدرگاہ رب اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ کوشش کی جائے گی کہ خدا تعالیٰ اپنی طرف ان کو کھینچے اور اپنے لئے قبول کرے اور پاک تبدیلی انہیں بخشے اور ایک عارضی فائدہ ان جلسوں میں یہ بھی ہوگا کہ ہر ایک نئے سال جس قدر نئے بھائی اس جماعت میں داخل ہوں گے وہ تاریخ مقررہ پر حاضر ہوکر اپنے پہلے بھائیوں کے منہ دیکھ لیں گے اور روشناسی اور رشتہء تودّد وتعارف ترقی پذیر ہوتا رہے گا اور جو بھائی اس عرصہ میں اس سرائے فانی سے انتقال کر جائے گا۔ اس جلسہ میں اس کے لئے دعائے مغفرت کی جائے گی اور تمام بھائیوں کو روحانی طور پر ایک کرنے کے لئے اور ان کی خشکی اور اجنبیت اور نفاق کو درمیان سے اٹھا دینے کے لئے بدرگاہ حضرت عزت جل شانہٗ کوشش کی جائے گی۔ اور اس روحانی جلسہ میں اور بھی کئی روحانی فوائد اور منافع ہوں گے جو انشاءاللہ القدیر وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتے رہیں گے اور کم مقدرت احباب کے لئے مناسب ہوگا کہ پہلے ہی سے اس جلسہ میں حاضر ہونے کا فکر رکھیں۔ اور اگر تدبیر اور قناعت شعاری سے تھوڑا تھوڑا سرمایہ خرچ سفر کے لئے ہر روز یا ماہ بماہ جمع کرتے جائیں اور الگ رکھتے جائیں تو بلا دقت سرمایہء سفر میسر آجائے گا۔ گویا یہ سفر مفت میسر ہو جائے گا اور بہتر ہوگا کہ جو صاحب احباب میں سے اس تجویز کو منظور کریں وہ مجھ کو ابھی بذریعہ اپنی تحریر خاص کے اطلاع دیں تا کہ ایک علیحدہ فہرست میں ان تمام احباب کے نام محفوظ رہیں کہ جو حتی الوسع والطاقت

تاریخِ مقررہ پر حاضر ہونے کے لئے اپنی آئندہ زندگی کے لئے عہد کر لیں اور بدل و جان پختہ عزم سے حاضر ہو جایا کریں بجز ایسی صورت کے کہ ایسے موانع پیش آ جائیں۔ جن میں سفر کرنا اپنی حدِّ اختیار سے باہر ہو جائے اور اب جو ۲۷ ردسمبر ۱۸۹۱ء کو دینی مشورہ کے لئے جلسہ کیا گیا اس جلسہ پر جس قدر احباب محض للہ تکلیف سفر اٹھا کر حاضر ہوئے۔ خدا تعالیٰ ان کو جزائے خیر بخشے اور ان کے ہر ایک قدم کا ثواب ان کو عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

پھر جب جلسہ کے ایام قریب آئے تو دسمبر ۱۸۹۲ء کے شروع میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے احباب جماعت کو ان الفاظ میں توجہ دلائی۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ　　نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ بعد ہذا بخدمت جمیع احباب مخلصین التماس ہے کہ ۲۷ ردسمبر ۱۸۹۲ء کو مقام قادیان میں اس عاجز کے محبوں اور مخلصوں کا ایک جلسہ منعقد ہو گا اس جلسہ کے اغراض میں سے بڑی غرض تو یہ ہے کہ تا ہر ایک مخلص کو بالمواجہ دینی فائدہ اُٹھانے کا موقعہ ملے اور ان کے معلومات وسیع ہوں اور خدا تعالیٰ کے فضل و توفیق سے ان کی معرفت ترقی پذیر ہو۔ پھر اس کے ضمن میں یہ بھی فوائد ہیں کہ اس ملاقات سے تمام بھائیوں کا تعارف بڑھے گا اور اس جماعت کے تعلقات اخوت استحکام پذیر ہوں گے۔ ماسوا اس کے کہ اس جلسہ میں یہ بھی ضروریات میں سے ہے کہ یورپ اور امریکہ کی دینی ہمدردی کے لئے تدابیرِ حسنہ پیش کی جائیں کیونکہ اب یہ ثابت شدہ امر ہے کہ یورپ اور امریکہ کے سعید لوگ اسلام کے قبول کرنے کے لئے تیار ہو رہے ہیں اور اسلام کے تفرقہ مذاہب سے بہت لرزاں اور ہراساں ہیں چنانچہ انہی دنوں میں ایک انگریز کی میرے نام چِٹھی آئی جس میں لکھا تھا کہ آپ تمام جانداروں پر رحم رکھتے ہیں۔ اور ہم بھی انسان ہیں اور مستحق رحم، کیونکہ دین اسلام قبول کر چکے اور اسلام کی سچی اور صحیح تعلیم سے اب تک بے خبر ہیں۔

سو بھائیو! یقیناً سمجھو کہ یہ ہمارے لئے ہی جماعت تیار ہونے والی ہے۔ خدا تعالیٰ کسی صادق

کو بے جماعت نہیں چھوڑتا۔ انشاء اللہ القدیر سچائی کی برکت ان سب کو اس طرف کھینچ لائے گی۔ خدا تعالیٰ نے آسمان پر یہی چاہا ہے اور کوئی نہیں کہ اس کو بدل سکے۔

سو لازم ہے کہ اس جلسہ پر جو کئی بابرکت مصالح پر مشتمل ہے ہر ایک ایسے صاحب ضرور تشریف لاویں جو زادراہ کی استطاعت رکھتے ہوں اور اپنا سرمائی بستر لحاف وغیرہ بھی بقدر ضرورت ساتھ لاویں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی راہ میں ادنیٰ ادنیٰ حرجوں کی پرواہ نہ کریں۔ خدا تعالیٰ مخلصوں کو ہر ایک قدم پر ثواب دیتا ہے اور اس کی راہ میں کوئی محنت اور صعوبت ضائع نہیں ہوتی اور مکرر لکھا جاتا ہے کہ اس جلسہ کو معمولی انسانی جلسوں کی طرح خیال نہ کریں۔ یہ وہ امر ہے جس کی خالص تائید حق اور اعلائے کلمۂ اسلام پر بنیاد ہے۔ اس سلسلہ کی بنیادی اینٹ خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے رکھی ہے اور اس کے لئے قومیں تیار کی ہیں جو عنقریب اس میں آملیں گی کیونکہ یہ اس قادر کا فعل ہے جس کے آگے کوئی بات انہونی نہیں۔ عنقریب وہ وقت آتا ہے بلکہ نزدیک ہے کہ اس مذہب میں نہ نیچریت کا نشان رہے گا اور نہ نیچر کی تفریط پسند اور اوہام پرست مخالفوں کا، نہ خوارق کے انکار کرنے والے باقی رہیں گے اور نہ ان میں بیہودہ اور بے اصل اور مخالف قرآنی روایتوں کو ملانے والے اور خدا تعالیٰ اس اُمت وسط کے لئے بین بین کی راہ زمین پر قائم کر دے گا۔ وہی راہ جس کو قرآن لایا تھا، وہی راہ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو سکھلائی تھی، وہی ہدایت جو ابتدا سے صدیق اور شہید اور صلحاء پاتے رہے۔ یہی ہوگا ضرور یہی ہوگا۔ جس کے کان سننے کے ہوں سنے۔ مبارک وہ لوگ جن پر سیدھی راہ کھولی جائے۔ بالآخر میں دعا پر ختم کرتا ہوں کہ ہر ایک صاحب جو اس للّٰہی جلسہ کے لئے سفر اختیار کریں۔ خدا تعالیٰ ان کے ساتھ ہو اور ان کو اجر عظیم بخشے اور ان پر رحم کرے اور ان کی مشکلات اور اضطراب کے حالات ان پر آسان کر دیوے اور ان کے ہمّ و غم دور فرمائے اور ان کو ہر ایک تکلیف سے مخلصی عنایت کرے اور ان کی مرادات کی راہیں ان پر کھول دے اور روز آخرت میں اپنے ان بندوں کے ساتھ ان کو اٹھاوے جن پر اس کا فضل و رحم ہے اور تا اختتام سفر ان کے بعد ان کا خلیفہ ہو۔ اے خدا!!! اے ذوالمجد والعطاء!!! اور رحیم اور مشکل کشا!!! یہ تمام دعائیں قبول کر اور

ہمیں ہمارے مخالفوں پر روشن نشانوں کے ساتھ غلبہ عطا فرما کہ ہر ایک قوت اور طاقت تجھ ہی کو ہے۔ آمین ثم آمین

وَالسَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی

الراقم خاکسار غلام احمد از قادیان

ان مبارک اور دعاؤں بھرے الفاظ کے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس جلسہ کی ابتدا کی اور خدا تعالیٰ کا فعل یہ گواہی دیتا ہے کہ اس نے جو کچھ بتایا تھا وہ اپنے وقت پر پورا ہوا اور جب ہم گذشتہ جلسوں کی حاضری پر طائرانہ نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ سوائے ایک ابتلا کے سال کے کوئی جلسہ ایسا نہیں گزرا جس میں، آنے والوں کی تعداد۔ حضرت مسیح موعودؑ کی آواز پر لبیک کہنے والوں کی تعداد، ان برکتوں اور رحمتوں اور فضلوں سے حصہ پانے والوں کی تعداد جو فضل اور رحمت اور برکت اللہ تعالیٰ نے جلسہ میں شمولیت کرنے والوں کے لئے مقدر کر رکھی ہے بڑھتی نہ چلی گئی ہو۔

البتہ میں نے بتایا ہے کہ ایک سال چھوٹے سے ابتلا کا دور جماعت پر ضرور آیا۔ اس سے بھی آج ہمیں سبق لینے کی ضرورت ہے۔

دیکھئے پہلے جلسہ میں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مشاورت کے لئے منعقد فرمایا تھا ۷۵ احباب شریک ہوئے اور پھر یہ تعداد ان تمام مخالفتوں کے باوجود اور ان تمام کوششوں کے باوجود جو جماعت احمدیہ کو مٹانے کے لئے مخالف کرتے رہے سال بسال بڑھتی ہی چلی گئی۔ حتیٰ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں جو آخری جلسہ ۱۹۰۷ء میں ہوا اس میں بدر ۹؍جنوری ۱۹۰۸ء کے مطابق حاضرین کی تعداد تین ہزار تھی۔

اب اگلے جلسہ سے ابتلا کا دور شروع ہوا کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد ۱۹۰۸ء میں جو پہلا جلسہ ہوا۔ یا یوں کہیے کہ خلافت اُولیٰ کے زمانہ کا پہلا جلسہ اس میں یہ تعداد گر کر دو ہزار پانچ سَو (۲۵۰۰) پر آ گئی۔ کچھ تو شاید اس وجہ سے کمی ہوئی کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال پر بہت سے لوگ دیوانہ وار قادیان کی طرف

دوڑے۔ ممکن ہے انہوں نے یہ سمجھ لیا ہو کہ ہم نے اس سال قادیان کی زیارت تو کر ہی لی ہے دوبارہ جانے کی ضرورت نہیں۔

کچھ شاید اس لئے کمی ہوئی ہو کہ بعض لوگ دوبارہ سفر کرنے کی استطاعت نہ رکھتے ہوں۔

میں سمجھتا ہوں کہ اس کمی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ بعض لوگوں نے جماعت کے ایک حصہ میں یہ خیال پیدا کر دیا تھا کہ مرکز کے ساتھ وابستگی (چونکہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام زندہ نہیں رہے صرف خلافت ہی ہے) ضروری نہیں رہی۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ کو اپنی خلافت کے سارے عرصہ میں استحکام جماعت کی طرف ہی ساری توجہ دینی پڑی کیونکہ جماعت کو سنبھالنا بہت ضروری تھا۔ جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عرب میں ارتداد کا ایک سیلاب اُمڈ آیا تھا اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت میں بھی بعض کمزوریاں ظاہر ہونے لگی تھیں۔ پس حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ساری توجہ اور کوشش اور ساری جدو جہد یہی رہی کہ جماعت کو سنبھالا جائے اور جماعت کا استحکام مضبوط کیا جائے اور اس امر کا ثبوت ہمیں جلسوں کی تعداد سے ملتا ہے۔ چنانچہ حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جو آخری جلسہ ۱۹۱۳ء میں ہوا اس میں الفضل ۳۱ر دسمبر ۱۹۱۳ء کے مطابق حاضرین کی تعداد پھر تین ہزار تک پہنچ گئی گویا حضور رضی اللہ عنہ، نے جو استحکامِ جماعت کی طرف توجہ دی اس کا نتیجہ ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت کے آخری جلسہ میں بھی حاضری ۱۹۰۷ء کے جلسہ کی تعداد تک پہنچ گئی۔ گویا وہ کمزوریاں اور خامیاں جو اس وقت حضور رضی اللہ عنہ کی دور بین اور باریک بین نگاہ دیکھ رہی تھی انہیں حضور (حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ) دور کرنے میں کامیاب ہو گئے اور جماعت کو پھر سے مستحکم بنیادوں پر کھڑا کر دیا اور پھر جلسہ میں حاضری کی تعداد تین ہزار تک پہنچ گئی۔

اس کے بعد خدا تعالیٰ کی برکات اور اس کے فضلوں کا ایک دھارا تھا جو ۱۹۱۴ء سے بہنا شروع ہوا اور جماعت کو کہیں سے اٹھا کر کہیں تک لے گیا۔ چنانچہ ۱۹۱۴ء کا جلسہ جو خلافت ثانیہ کا

پہلا جلسہ تھا اس میں حاضری کی تعداد گری نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے فضل سے بڑھی حالانکہ یہ جلسہ ایسے وقت میں منعقد ہوا جبکہ ایک گروہ جماعت سے علیحدہ ہو گیا تھا، خلافت کا منکر ہو چکا تھا۔ یہ جلسہ ایسے وقت میں ہوا جبکہ سینکڑوں آدمی خلافت سے منحرف ہو کر خلافت کی تنظیم سے باہر نکل چکے تھے۔

بظاہر ۱۹۱۴ء کے جلسہ کی حاضری کم ہو جانی چاہیے تھی لیکن خدا تعالیٰ نے ایسا فضل کیا کہ یہ تعداد گری نہیں بلکہ بڑھی۔ چنانچہ الفضل ۳۱؍دسمبر ۱۹۱۴ء کی رپورٹ کے مطابق اس جلسہ میں ۳۲۵۰ مہمان باہر سے شامل ہوئے۔ اس طرح اڑھائی سَو کی حاضری زیادہ ہوئی۔ اڑھائی سَو کی اس زیادتی کا مطلب یہ ہے کہ ان نامساعد حالات میں بھی ۹ فیصدی کا اضافہ ہوا اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے زمانہ کے آخری جلسہ ۱۹۶۴ء میں حاضری کا اندازہ ۸۰ ہزار اور ایک لاکھ کے درمیان کا ہے۔ یعنی بعض لوگوں کا تو خیال ہے کہ اس جلسہ پر حاضری ایک لاکھ تھی اور غالباً اخبار میں بھی یہی چھپا ہے لیکن بعض لوگ جو کنزرویٹو خیال کے ہیں یعنی بہت محتاط اندازہ لگانے والے ہیں، وہ مردوں اور عورتوں کی حاضری کا اندازہ ۸۰ ہزار بتاتے ہیں۔

پس خلافت ثانیہ کے زمانہ میں جماعت نے جو ترقی کی اس سے وہ بشارتیں پوری ہوئیں جو خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دی تھیں۔ ایک سرسری اور طائرانہ نظر آپ تمام گزشتہ جلسوں پر ڈالیں تو آپ کے سامنے گراف کی شکل میں ایک تصویر آ جاتی ہے کہ کس طرح یہ جماعت چھوٹی سی بلندی سے تیزی کے ساتھ آسمان کی طرف چڑھتی گئی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے اندازہ کے مطابق حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی وفات کے موقع پر ۳۵ ہزار اور ۴۵ ہزار کے درمیان دوست باہر سے ربوہ تشریف لائے تاکہ حضور رضی اللہ عنہ کا دیدار کر سکیں اور جنازے میں شامل ہو سکیں۔ اس طرح ایک بڑا مالی بار جماعت کے کندھوں پر پڑا ہے لیکن خدا تعالیٰ کی رضا کی خاطر، مسیح موعودؑ کے مشن کی کامیابی کی خاطر اور الٰہی برکات کے حصول کی خاطر جن کے ہمیں وعدے دئے گئے ہیں ہمیں اپنے مالوں کو بہرحال قربان کرنا پڑے گا کیونکہ مومن اپنے کو خدا کے فضلوں سے محروم کرنا ہرگز پسند نہیں کرتا۔

اس لئے میں تمام احباب جماعت کو درد بھرے دل کے ساتھ، نہایت محبت اور پیار کے ساتھ اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ آپ آئندہ جلسہ سالانہ پر پہلے کی نسبت زیادہ تعداد میں آئیں تا دنیا بھی یہ دیکھے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیش کردہ بشارات کے پورا ہونے میں کوئی وقفہ نہیں ہوا اور یہ جماعت خدا تعالیٰ کے ہاتھ نے کچھ اس طرح تیار کی ہے کہ وہ ہرگز گوارا نہیں کرتی کہ اس کی زندگی کا ایک منٹ بھی ایسا گزرے جس میں اس نے خدا تعالیٰ کے فضلوں اور رحمتوں کو جذب نہ کیا ہو اور تا دنیا مشاہدہ کرے کہ ہر قسم کی رحمتیں، ہر قسم کے فضل اور ہر قسم کی بشارتیں، دین کے لئے اور دنیا کے لئے اس جماعت کو دی گئی ہیں۔ پس ہماری یہ کوشش ہونی چاہیے کہ ان میں سے ہر ایک بشارت سے ہم وافر حصہ لینے والے ہوں اور اس میں شک نہیں کہ اس کے لئے آپ کو اس سال زیادہ مالی قربانی دینی پڑے گی لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ مالی قربانی کئے بغیر آپ ان فضلوں کے وارث بھی نہیں بن سکتے جن فضلوں کا وارث آپ کو خدا تعالیٰ بنانا چاہتا ہے۔ وہ دن قریب ہیں کہ اللہ تعالیٰ جماعت کو خارق عادت طور پر ترقی بخشے گا اور لاکھوں کی تعداد میں لوگ اس میں شامل ہوں گے لیکن ان دنوں کو قریب تر لانے کے لئے ہمیں بھی بہت کچھ قربانیاں دینی ہوں گی۔

جب قربانی کا لفظ منہ سے نکلتا ہے تو شرم محسوس ہوتی ہے کیونکہ جو کچھ خدا سے ہمیں ملا اس میں سے ایک حصہ کو پھر اسی کی طرف واپس لوٹا دینے کو ہم کس منہ سے قربانی کہہ سکتے ہیں؟

بہرحال جو کچھ اس نے ہمیں دیا ہمیں ہر وقت تیار رہنا چاہیے کہ اس کے حضور ہم واپس کر دیں اور اس کی رضا کی خاطر اس کی راہ میں خرچ کر دیں۔ اپنے اوقات عزیزہ کو بھی، اپنے مالوں کو بھی، اپنی دلچسپیوں اور خواہشات کو بھی اور اپنے آراموں کو بھی۔ تاہم اس کے فضلوں کے زیادہ سے زیادہ وارث بنیں۔ اوّل تو تمام جماعت کو جو اکناف عالم میں پھیلی ہوئی ہے آج میں یہ پیغام دیتا ہوں کہ خدا کے فضلوں کو جذب کرنے کے لئے آپ اپنے سالانہ جلسہ پر ضرور آئیں۔ جہاں تک ممکن ہو اور جہاں تک اللہ تعالیٰ آپ کو طاقت اور استطاعت بخشے آپ اس میں شمولیت کی کوشش کریں۔

دوسرے میں ان احباب جماعت کی خدمت میں جو ربوہ سے باہر رہتے ہیں یہ کہنا چاہتا

ہوں کہ اب جلسہ کے ایام میں مہمانوں کی کثرت کی وجہ سے کام اتنا بڑھ جاتا ہے کہ صرف ربوہ کے رضا کار اس تمام کام کو خوش اسلوبی سے سرانجام نہیں دے سکتے۔

اس لئے اے نوجوانانِ احمدیت! اے خدام الاحمدیہ!! جلسہ کے کام کے لئے اپنی خدمات پیش کرو اور بطور رضا کار حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مہمانوں کی خدمت کرو۔ ان دنوں میں دراصل کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کون میزبان اور کون مہمان ہے۔ کیونکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو ہم سب ہی مہمان ہیں اور ہمارا میزبان خدا کا وہ مسیحؑ ہے جس نے اس لنگر کو جاری کیا جہاں خدا کے فرشتوں کی لائی ہوئی روٹی تقسیم ہوتی ہے۔

اہالیان ربوہ کو میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ میں سے کوئی شخص بھی ایسا نہ رہے جو طاقت رکھتے ہوئے بھی اپنی خدمات کو رضا کارانہ طور پر پیش نہ کرے۔ بے شک بعض مجبوریاں بھی ہوتی ہیں۔ پس جہاں تک جائز مجبوریوں اور ضرورتوں کا تعلق ہے کوئی قابل اعتراض بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو معاف کرے اور باوجودیکہ آپ ان مجبوریوں کی وجہ سے اس خدمت سے محروم ہو جائیں پھر بھی وہ اپنے فضلوں میں آپ کو برابر کا شریک ٹھہرا لے۔ لیکن جن کو کوئی مجبوری نہیں ان میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ وہ جلسہ کے لئے اپنی خدمات کو پیش کرے۔

اپنی جماعت میں جذبۂ خدمت کے ایسے نظارے میں بچپن سے دیکھتا آیا ہوں کہ دنیا میں کم نظر آتے ہیں اور ہر احمدی کے لئے قابل فخر ہیں ان میں سے اس وقت میں ایک بیان کر دیتا ہوں۔ میں ابھی بچہ ہی تھا اور افسر جلسہ سالانہ کے دفتر میں بطور معاون کام کر رہا تھا۔ ایک دن عشاء کے بعد حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ نے جو افسر جلسہ سالانہ تھے مجھے فرمایا کہ مدرسہ احمدیہ کے کمروں میں جہاں جہاں مہمان ٹھہرے ہوئے تھے جا کر دیکھو کہ کوئی مہمان بھوکا تو نہیں رہا۔ چنانچہ میں نے چکر لگایا اور ایک کمرے کا دروازہ کھولا۔ ابھی وہ دروازہ تھوڑا سا ہی کھلا تھا کہ میں نے اندر ایک عجیب واقعہ ہوتے دیکھا۔

بات یہ تھی کہ اس شام کو معاونین جلسہ کے لئے چائے تقسیم کی گئی تھی۔ اس کمرے کا معاون ایک آبخورے میں چائے لے کر جب اس کمرے میں پہنچا تھا تو اس کمرے میں ایک مہمان بیمار

پڑے تھے اور ان کو سردی لگ رہی تھی۔ ان کو یہ علم نہ تھا کہ یہ معاون اپنے لئے چائے لایا ہے چونکہ وہ بیمار تھے اور اُنہیں سردی لگ رہی تھی انہوں نے دیکھتے ہی اس لڑکے کو کہا کہ یہ چائے کیا تم میرے لئے لائے ہو؟؟ وہ لڑکا چھوٹا ہی تھا شاید مدرسہ احمدیہ کی پہلی جماعت میں پڑھتا تھا لیکن اس لڑکے کے چہرہ پر ذرہ بھر ایسا اثر نہ تھا۔ جو اس مہمان کو شرمندہ کرنے والا ہو۔ وہ آگے بڑھا اور اس نے کہا ہاں آپ کو سردی لگ رہی ہے یہ چائے آپ کے لئے ہے۔

تو اس قسم کا جذبہ بڑا قابل قدر اور قیمتی ہوتا ہے۔ چائے کا ایک آبخورہ دے دینا کوئی چیز نہیں۔ لیکن جس رنگ میں اس نے اس آبخورے کو پیش کیا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کو ایسا پیارا لگا اور پسند آیا کہ وہ بچہ خدا تعالیٰ کی محبت کا وارث ٹھہر گیا۔ حالانکہ اس کا یہ فعل بظاہر ایک معمولی سا فعل تھا۔ لیکن اس نے صرف وہ چائے پیش نہیں کی بلکہ ایسے خوبصورت رنگ میں پیش کی کہ مہمان کو محسوس بھی نہیں ہوا کہ یہ چائے دراصل اس کی ہے اور وہ مجھے دے رہا ہے۔

ہزاروں ایسے واقعات جلسہ سالانہ کے دنوں میں ہوتے ہیں اور اس طرح ہزاروں برکتیں ہیں جو ہم اس جلسہ کے دنوں میں حاصل کرتے ہیں اور ہزاروں فضل ہیں جو اللہ تعالیٰ ان ایام میں ہم پر نازل فرماتا ہے۔ تو ربوہ کے رہنے والوں میں سے کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہونا چاہیے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مہمانوں کی خدمت کے لئے اپنی خدمات پیش نہ کرے۔

پھر جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مہمانوں کے بکثرت آنے کی بشارت ملی اور خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تمہیں ایک کثیر جماعت عطا کروں گا اور جماعت کو اتنی برکت دوں گا کہ وہ تمام دنیا پر چھا جائے گی اور انسانوں کی بھاری اکثریت احمدیت میں داخل ہو جائے گی اور جو باہر رہیں گے ان کی حالت ویسی ہی ہوگی جیسے کہ ان قوموں کی ہے۔ جو یونہی پھرتی نظر آتی ہیں اور بنی نوع انسان ان کی کچھ قدر نہیں کرتے، کوئی عزت نہیں کرتے، یعنی روئے زمین پر احمدی ہی احمدی ہوں گے اور بہت کم لوگ محروم رہیں گے۔

ان بشارات میں دو چیزوں کی طرف صاف طور پر اشارہ کیا گیا ہے جو ہمارے ایمان کو ترقی دینے والی ہیں۔ اوّل تو یہ فرمایا يَأْتُوْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ کہ لوگ اتنی کثرت سے آئیں گے

کہ راستوں میں گڑھے پڑ جائیں گے یعنی مرکز احمدیت کے گرد جو سڑکیں ہوں گی وہ ہمیشہ بمپی (Bumpy) رہیں گی، جھٹکے دیا کریں گی کثرتِ ہجوم کی وجہ سے وہ کبھی ایک حالت پر نہ رکھی جاسکیں گی اور دوسری یہ کہ جو لوگ آئیں گے۔ آخر انہوں نے کہیں ٹھہرنا بھی ہے۔ تو ایک مستقل حکم یہ بھی دیا وَسِّعْ مَكَانَكَ کہ اپنے گھروں میں فراخی پیدا کرو انہیں بڑھاؤ بلکہ زیادہ گھر بناؤ۔ اور جن کو خدا تعالیٰ توفیق دے وہ زیادہ کمرے بنوائیں۔

اب یہ ہماری مرضی پر منحصر ہے کہ اگر ہم چاہیں تو گھر بناتے وقت یہ نیت کر لیں کہ ہم اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے یہ گھر بنا رہے ہیں اور اگر ہم چاہیں تو اپنے ربّ سے یہ کہیں کہ اے خدا!!! ہماری ضرورتوں کا کیا ہے وہ تو بے گھر رہ کر بھی ہم پوری کر سکتے ہیں۔ ہم یہ گھر صرف اس نیت سے بنا رہے ہیں کہ تیرے مسیح کے مہمانوں نے یہاں آنا ہے۔ اور تیرا یہ حکم ہے۔ وَسِّعْ مَكَانَكَ اس طرح کہنے سے آپ کا مکان بھی بن جائے گا۔ اور ساتھ ہی آپ خدا کے فضل کے وارث بھی بن جائیں گے اور جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ وہ گھر بھی برکتوں والے بن جائیں گے۔ وہ برکت ان میں اسی لئے ڈالی جائے گی کہ وہ وَسِّعْ مَكَانَكَ کے حکم کے مطابق بنائے جائیں گے۔ صرف اپنے دنیوی آرام کی خاطر نہیں بنائے جائیں گے۔ اگر ہم اس نیت سے مکان بناتے ہیں تو میں اپنے بھائیوں سے کہوں گا کہ اپنی ضروریات اور اپنے ذاتی مہمانوں کی ضروریات سے کچھ حصہ بچا کر جلسہ کے لئے منتظمین کو دیدیں کیونکہ اس کے بغیر خدا کے مسیح کے مہمانوں کو تکلیف پہنچے گی۔

پھر میں یہاں کے رہنے والوں اور باہر سے آنے والوں کی خدمت میں یہ بھی عرض کروں گا کہ ہم جس پاک وجود کی طرف منسوب ہوتے ہیں خدا تعالیٰ نے اسے یہ بھی فرمایا تھا کہ تو وہ ہے جس کا وقت ضائع نہیں کیا جائے گا۔ سو ویسے تو یہ ہماری زندگی کا شعار ہونا چاہیے لیکن جلسہ کے دنوں میں ہمیں خاص طور پر اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ ہم اپنے اوقات کو ضائع کرنے والے نہ ہوں اور ہمارا ایک لحظہ بھی ضائع نہ ہو۔ نیکی کی باتیں غور سے سنیں۔ دعاؤں میں مشغول رہیں اپنے ربّ کے حضور جھکتے ہوئے عجز و انکساری سے ان ایام کو گزاریں۔ اپنے لئے اپنوں کے لئے

دنیا میں بسنے والے احمدیوں کے لئے اور اس انسانیت کے لئے جو احمدیت سے محروم ہے۔ دعائیں کریں کہ اللہ تعالیٰ سب پر رحم فرمائے اور اپنے قرب کی راہیں ہم سب کے لئے کھول دے تا وہ جو ابھی اس نعمت سے محروم ہیں اس کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانیں اور اس کے مسیحؑ کو شناخت کریں۔ جو اس زمانہ میں انسانیت کو شیطان اور ابلیس کے حملوں سے بچانے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ تا تمام دنیا آستانہ الٰہی پر جھکنے والی بن جائے ہر دل سے خدا کی حمد کے ترانے نکلیں اور ہر زبان پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے درود جاری ہو اور ہر آنکھ سے ہر دیکھنے والے کو مسیح موعود علیہ السلام کی شناخت کی برکت نظر آئے اور ہر چہرہ پر اثرات سجود چمکتے ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۸؍دسمبر ۱۹۶۵ء صفحہ ۱ تا ۵)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ خواہش اور تڑپ تھی کہ ہر احمدی نور الدین ؓ بن جائے

خطبہ جمعہ فرمودہ ۳؍دسمبر ۱۹۶۵ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور حکم دیا کہ اُٹھ اور ساری دنیا میں میری توحید کو قائم کر اور دنیا کے تمام ادیان پر اسلام کے غلبہ کو ثابت کرنے کے لئے کوشش میں لگ جا اور دنیا کے ہر ملک اور قوم تک اسلام کا پیغام پہنچا تو اس اہم اور وسیع ذمہ داری کو مدِّنظر رکھتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے ربّ کے حضور جھکے اور بڑے عجز اور گریہ وزاری کے ساتھ آپ نے اپنے ربّ کو پکارا اور کہا کہ اتنا اہم اور اتنا وسیع کام اکیلے مجھ سے تو نہ ہو سکے گا۔ اس لئے میری درخواست ہے کہ تو اپنی طرف سے مجھے انصار دے تا تیری شریعت اور احکام کو اس دنیا میں قائم رکھا جا سکے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو وعدہ دیا۔

يَنْصُرُكَ رِجَالٌ نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِنَ السَّمَآءِ

کہ ہم تمہیں ایسے مددگار عطا کریں گے۔ جنہیں ہم آسمان سے وحی کریں گے کہ اٹھو اور میرے اس بندہ کے مددگار بنو اور انصار کی حیثیت سے اس کے ساتھ شامل ہو جاؤ۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ’’آئینہ کمالاتِ اسلام‘‘ کے عربی حصہ میں اپنی اس گریہ وزاری اور دعا کا

ذکر جن الفاظ میں کیا ہے ان کا ترجمہ یہ ہے:۔

اور میں رات دن اللہ تعالیٰ کے حضور چلاتا رہا اور کہتا رہا یَارَبِّ مَنْ اَنْصَارِیْ یَارَبِّ مَنْ اَنْصَارِیْ کہ اے میرے ربّ میرے انصار کون ہیں؟ مجھے مددگار دے تا کہ تیرے کام خیر وخوبی کے ساتھ چلائے جا سکیں۔

پھر حضور فرماتے ہیں کہ

میں گریہ وزاری کے ساتھ اپنے ربّ کے حضور جھکتا رہا۔ اور دعا کرتا رہا کہ اے میرے ربّ! میں تنہا ہوں اور دنیا مجھے نہیں پہچانتی اور مجھے ذلیل اور بے یارو مددگار سمجھتی ہے۔ پس جب دعا کا ہاتھ پے در پے اٹھا اور آسمانوں کی فضا میری دعا سے بھر گئی تو اللہ تعالیٰ نے میری دعا کو قبول کیا اور رَحْمَۃٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ کی دعا نے جوش مارا اور مجھے ایک مخلص صدیق عطا فرمایا جو میرے مددگاروں کی آنکھ اور میرے مخلصین کا خلاصہ اور نچوڑ ہے۔ اس کا نام اس کی نورانی صفات کی طرح نورالدین ہے۔

پھر آپ نے حمامۃ البشریٰ میں فرمایا کہ

میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے ایسا اعلیٰ درجہ کا صدیق دیا جو راستباز اور جلیل القدر فاضل ہے اور باریک بین اور نکتہ رس بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے مجاہدہ کرنے والا اور کمال اخلاص سے اس کے لئے اعلیٰ درجہ کی محبت رکھنے والا ہے کہ کوئی مُحِب ایسا نہیں جو اس سے سبقت لے گیا ہو۔

گویا جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان مخلصین انصار کی جماعت کا سردار بنا کر حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ مولوی نورالدین صاحب کو وحی کی کہ جا میرے اس بندہ کی مدد کر۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو صفات اپنے اس مخلص ترین مرید کے اندر دیکھیں اور یہاں ان کو بیان کیا ہے وہ یہ ہیں۔ وہ صدیق ہیں ان کو قدم صدق عطا کیا گیا ہے اور راستبازی اور صداقت کو انہوں نے اس مضبوطی سے پکڑا ہے کہ میرے مریدوں میں سے کوئی ان کا

مقابلہ نہیں کرسکتا اور اللہ تعالیٰ نے اخلاص کے نتیجہ میں ان کو ایک ایسا نور عطا کیا کہ وہ باریک بین اور نکتہ رس بن گئے۔ وہ خدا تعالیٰ کی راہ میں اس کے قرب کے حصول کے لئے بڑے مجاہدات کرنے والے ہیں اور ہمیشہ اس کی رضا کے لئے متلاشی رہتے ہیں اور خدا اور اس کے رسول اور اس کے مسیحؑ سے بے انتہا محبت کرنے والے ہیں۔

لیکن اس کام کے لئے صرف ایک ایسا شخص کافی نہ ہوسکتا تھا حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کی صفات کو دیکھ کر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ کاش ہر ایک احمدی نور الدین بن جائے چنانچہ اپنے ایک فارسی کے شعر میں فرماتے ہیں:۔

؎ چہ خوش بودے اگر ہر یک ز امت نور دیں بودے
ہمیں بودے اگر ہر دل پر از نور یقیں بودے

کہ کاش میری جماعت کا ہر فرد نور دین ہوجائے اور فرماتے ہیں کہ میں تمہیں ایک گر بتاتا ہوں اور تمہیں ایک نسخہ دیتا ہوں۔ اگر تم اس پر عمل کرو گے۔ تو تم بھی ایسے ہی بن جاؤ گے اور وہ یہ ہے کہ اپنے دلوں کو نور یقین سے بھر لو۔ یقین اس بات پر کہ خدا ہے اور هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وہ ایک ہے۔ یقین اس بات پر کہ خدائے تعالیٰ کی باتوں کو مان لینا عین سعادت ہے۔

یقین اس بات پر کہ اس کی باتوں سے انکار کرنا اور اس کی آواز پر لبیک نہ کہنا اس کے قہر کا مورد بنا دیتا ہے۔

یقین اس بات پر کہ وہ کامل طاقتوں اور قوتوں والا ہے۔ کوئی اس سے فرار حاصل نہیں کرسکتا۔ اور کوئی انسان اس کی محبت جیسی محبت اور کہیں نہیں پاسکتا۔ بشرطیکہ وہ اپنے کو اس کی محبت کا مستحق بنائے۔

یقین اس بات پر کہ جو اس کے وعدے ہیں وہ سچے ہوتے ہیں۔

یقین اس بات پر کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کے سچے مامور ہیں اور ان پر ایمان لانا ہمارے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے۔

یقین اس بات پر کہ آج وہ تمام فضل اور رحمتیں جو اسلام سے وابستہ ہیں صرف حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ ہی حاصل کی جاسکتی ہیں اور آپ کی جماعت سے باہر رہ کر انسان

ان کا وارث نہیں ہوسکتا۔

یقین اس بات پر کہ اس سلسلہ کے لئے قربانیاں دینا اور اوقات عزیزہ کو صرف کرنا اور اموال کو خرچ کرنا ایک ایسی توفیق ہے کہ خدا تعالیٰ کے فضل کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی۔

یقین اس بات پر کہ احمدیت (حقیقی اسلام) کے غلبہ کے لئے جو بشارتیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دی گئی ہیں وہ ضرور پوری ہو کر رہیں گی۔

جب دل نورِ یقین سے بھر جائے اور اس کے تمام لوازم بھی متحقق ہو جائیں اور جب بندہ اپنے نفس کو کھو کر اور لاشی ءِ محض کی حیثیت سے اس کے آستانہ پر گر جائے۔ تب خدا تعالیٰ اس بندے کو اُٹھاتا اور کہتا ہے کہ ایک نور دین نہیں بلکہ بہت سے نور دین میں اس جماعت کو دوں گا۔ مگر جو پہلے ہے وہ پہلے ہی ہے۔ اور جو ذمہ داریاں ان کے وجود کے ساتھ تعلق رکھتی تھیں وہ قیامت تک ہم پر بھی قائم رہیں گی۔ ان میں سے ایک اہم ذمہ داری یہ ہے کہ ہم جماعت احمدیہ کے تمام افراد، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود بھیجنے کے ساتھ ساتھ اپنے اس محبوب آقا (نور الدین) کو بھی کبھی نہ بھلائیں۔

اگرچہ مامور ایک ہی ہوتا ہے مگر مامور کے ساتھ دنیا میں ایسے وجود بھی پیدا ہوتے رہتے ہیں جنہیں خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں ثَانِیَ اثۡنَیۡنِ قرار دیا ہے یعنی دو میں سے ایک گویا وہ شخص اس مامور سے اتنا قریب ہوتا ہے کہ کوئی تیسرا ان کے درمیان نہیں ہوتا۔

یہ وہ مقام تھا جو حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ملا تھا اور یہ اس محبت اور عشق کا نتیجہ تھا۔ جو آپ کے دل میں خدا تعالیٰ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے تھی اور یہ اس عزم کا نتیجہ تھا جو آپ کے دل میں گڑا ہوا تھا کہ خدا تعالیٰ نے ہمیں ایک امام اپنی طرف سے عطا کیا ہے۔ اس کی آواز پر لبیک کہنا ہمارا فرض ہے۔

آپ کی زندگی میں بے شمار مثالیں ایسی ملتی ہیں جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ جو اطاعت آپ میں پائی جاتی تھی اس زمانہ میں دنیا میں اس کی نظیر کہیں نہیں ملتی۔ آپ کا حال یہ تھا کہ مسیح موعود علیہ السلام کی آواز کان میں پڑی اور آپ ہر کام چھوڑ کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ہماری روایات میں ہے کہ

جب آپ درس دینے کے لئے تشریف لے جاتے تو ایک شخص کو مقرر کر جاتے کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام گھر سے باہر تشریف لائیں۔ تو مجھے فوراً اطلاع دی جائے۔ کیوں؟ تا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی معیت سے محروم نہ رہیں۔ کہنے والے کہتے ہیں کہ جس وقت وہ خادم حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کو اطلاع دیتا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سیر کے لئے باہر تشریف لے آئے ہیں تو جو لفظ منہ میں ہوتا اس کے سوا اگلا لفظ آپ منہ سے نہ نکالتے اس جملہ کو ادھورا ہی چھوڑ دیتے، اپنے عمامہ کو سنبھالتے اور اپنی جوتیوں کو گھسیٹتے ہوئے پہنتے، گویا اتنا وقت بھی دیر نہ لگاتے کہ آرام سے جوتی ہی پہن لیں۔ دیوانہ وار حضور علیہ السلام کی طرف دوڑ پڑتے تا کہ حضور علیہ السلام کی معیت سے ایک لحظہ کے لئے محروم نہ رہیں۔

یہ ثَانِیَ اثْنَیْنِ والا مقام تھا جو آپ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا تھا۔ آپ کو مثیل ابوبکر (رضی اللہ عنہ) ہونے کا مقام حاصل تھا کیونکہ جیسا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصال کے بعد توحید کا نعرہ لگایا تھا اور کہا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بے شک خاتم النبیّین تھے، تمام نبیوں کے سردار تھے، انسانوں میں سے بلند تر مقام پر پہنچے ہوئے تھے، لیکن آخر انسان ہی تھے اور آخر ایک دن انہیں فوت ہونا ہی تھا سو فوت ہو گئے۔ اگر آج تم میں سے کسی طرح بھی کوئی کمزوری دکھائے گا تو میں اس کمزوری کو دور کرنے اور اُمّتِ مسلمہ میں استحکام کا ذریعہ بننے کے لئے کھڑا کیا گیا ہوں۔ پھر خدا تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ اُمّتِ مسلمہ میں اتنا استحکام اور مضبوطی پیدا کی کہ بعد میں آنے والے خلفاء کے لئے ان کے کام نسبتاً آسان ہو گئے۔

اسی طرح حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ کا حال ہے۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے بعد آپ نے جماعت احمدیہ میں بعض کمزوریاں دیکھیں اور آپ نے ایسے لوگوں کو دیکھا جو یہ بھی نہیں سمجھتے تھے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام خدا تعالیٰ کے ایک مامور ہیں اور ان کی اطاعت درحقیقت خدا کی اطاعت ہے۔ تو آپ نے حتی الوسع دعاؤں کے ساتھ اور تدبیر کے ساتھ جماعت کے استحکام کے لئے وہ کام کیا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پہلے زمانہ میں کیا تھا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی خُلَفَائِہٖ۔

پس جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس شعر سے ظاہر ہوتا ہے آپ کی یہ خواہش تھی کہ جماعت احمدیہ کا ہر فرد اس مقام کو حاصل کرے جو مقام کہ نور دین (خلیفۃ المسیح اوّلؓ) نے حاصل کیا تھا۔ چونکہ ہمارے زمانہ کے مرسل، مسیح موعود، ہمارے امام علیہ السلام کی یہ شدید خواہش تھی۔ جسے آپ نے اپنے اس شعر میں بیان فرمایا ہے۔ اس لئے میں اپنے بھائیوں اور بہنوں کو اس طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ حضور علیہ السلام کی اس خواہش کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھیں اور دعاؤں کے ساتھ اور مجاہدات کے ساتھ یہ کوشش کرتے رہیں کہ ہم میں سے ہر ایک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس خواہش کو پورا کرنے والا بن جائے۔ دراصل اسے پورا کرنا اور اس کے مطابق اپنی زندگی گزارنا خدا تعالیٰ کی توفیق کے بغیر ممکن نہیں۔

پس میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ کو بھی توفیق دے کہ ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ خواہش اور دیگر خواہشات جو حضور علیہ السلام ہمارے لئے اپنے دل میں رکھتے ہیں پوری کر سکیں تا ہم ان انعاموں کے مستحق ٹھہریں جن کی بشارات ہمیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ خدا تعالیٰ نے دی ہیں۔ اَللّٰھُمَّ آمِیْن۔

دوسرے خطبہ میں فرمایا:۔

آج میں بعض جنازے بھی پڑھاؤں گا ان میں سے ایک جنازہ محمد عباس صاحب کرنال کی والدہ صاحبہ کا ہے وہ یہاں لایا گیا ہے۔ عبداللطیف صاحب بٹ کی والدہ صاحبہ مسماۃ فاطمہ بی بی، بابو محمد اسماعیل صاحب فوق، حاجی عبداللہ صاحب چک نمبر ۱۳۳ محترم سید بشارت احمد صاحب وکیل حیدر آباد دکن جو صحابی تھے فوت ہو گئے ہیں ان کا جنازہ غائب بھی پڑھاؤں گا۔

ان تمام بھائیوں اور بہنوں کو آپ اپنے ذہن میں رکھیں اور دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان سب کے درجات بلند کرے اور مغفرت کی چادر سے انہیں ڈھانکے اور مسیح موعود علیہ السلام کی معیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب میں ان کو جگہ دے اور ان تمام فضلوں اور رحمتوں سے ان کو حصہ دے جو ہر آن اللہ تعالیٰ ہمارے محبوب، ہمارے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کرتا رہتا ہے۔

(روزنامہ الفضل ربوہ سالانہ نمبر ۱۹۶۵ء۔ ۱۹؍دسمبر ۱۹۶۵ء صفحہ ۴ تا ۶)

جماعتِ احمدیہ کے لئے آئندہ پچیس تیس سال نہایت اہم ہیں

خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۰؍دسمبر ۱۹۶۵ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے سورۃ المدثر کی پہلی یہ آیات تلاوت فرمائیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۔ قُمْ فَاَنْذِرْ ۔ وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ ۔ وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۔ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۔ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۔ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۔

(المدّثر: ۱تا۸)

پھر فرمایا:۔

میرے دل میں بڑے زور کے ساتھ یہ ڈالا گیا ہے کہ جماعت احمدیہ تربیت کے جس مقام پر اس وقت کھڑی ہے۔ اس مقام کے ساتھ سورۃ الْمُدَّثِّر کی جو آیات میں نے پڑھی ہیں ان کا بڑا گہرا تعلق ہے اور اس میں ایک اہم پیغام ہے جماعت کے نام۔ میں اس وقت اسے دوستوں کے سامنے بیان کرنا چاہتا ہوں لیکن اس سے پہلے میں ان آیات کی عام تفسیر بیان کردوں گا۔ تا دوستوں کو خدا تعالیٰ کی اس آواز کو سمجھنے میں آسانی اور سہولت ہو۔ مُدَّثِّر کے عربی میں یہ معنی ہیں وہ شخص جس نے وہ کپڑے پہن لئے ہوں جو کام کرنے کے لئے پہنے جاتے ہیں۔ عام طور پر یہ

طریق ہے خصوصاً پڑھی لکھی اور تعلیم یافتہ اقوام کا کہ گھر میں وہ کچھ اور قسم کے کپڑے پہنے ہوتے ہیں۔لیکن جب کام کے لئے باہر نکلتے ہیں تو اور کپڑے پہن لیتے ہیں۔مثلاً ہمارے ملک میں اور خصوصاً حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سنت پر عمل کرنے والے افراد خاندان میں یہ طریق جاری ہے کہ باہر نکلتے وقت سر کا لباس اور کوٹ ضرور پہنا جاتا ہے۔ یا مثلاً کارخانوں میں کام کرنے والے کام کی غرض سے ایک خاص قسم کا لباس پہنتے ہیں۔

تو مُدَّثِّر میں اسی قسم کا لباس پہننے کی طرف اشارہ ہے یعنی ایسا شخص جو کام کے لئے تیار ہوتا ہے اور وہ کپڑے زیب تن کرتا ہے جو اس کام کے لئے مناسب حال ہوتے ہیں۔مثلاً فوج اپنی ڈیوٹی پر جاتے وقت فوجی وردی میں ہوتی ہے۔گھر میں اس وردی میں نہیں ہوتے۔ پس یہاں فرمایا اے مدثر! یعنی اے وہ شخص جس نے وہ کپڑے پہن رکھے ہیں جو کام کرنے کے لئے پہنا کرتا ہے۔

الْمُدَّثِّر کے یہ معنی بھی ہیں کہ وہ شخص جو مستعدی کے ساتھ اپنے گھوڑے کے پاس کھڑا ہے اور حکم کا منتظر ہے۔کہ کب حکم ملے اور میں چھلانگ لگا کر گھوڑے پر سوار ہو جاؤں اور اس کام میں مشغول ہو جاؤں جس کا مجھے حکم دیا جائے۔

قرآن کریم میں تمام احکام کے پہلے مخاطب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی ہیں اور پھر اُمت محمدیہ کا ہر فرد اس کا مخاطب ہوتا ہے۔اسی طرح اس آیت میں بھی سب سے پہلے مخاطب ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تھے۔اس صورت میں الْمُدَّثِّر کا مطلب یہ ہوگا کہ اے وہ شخص جس کو ہم نے پوری طرح تقویٰ کے لباس میں ملبوس کر دیا ہے۔

لِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ (الاعراف:۲۷)

اور اندر اور باہر تقویٰ کا لباس زیب تن کئے ہوئے ہے اُٹھ اور ہمارے حکم کے مطابق اس مشن کو پورا کر جو تیرے سپرد کیا جا رہا ہے اور وہ یہ ہے قُمْ فَاَنْذِرْ کہ تو مستعدی سے کھڑا ہو جا اور دوام اور ثبات کے ساتھ اپنے مشن میں لگ جا اور لوگوں کو پکار کہ خدا تعالیٰ تمہیں اپنی واحدانیت کی طرف بلاتا ہے خدا تمہیں اپنی شریعت کے قیام کا حکم دیتا ہے۔خدا کی اس آواز کو غور سے سنو۔

اور اس پر لبیک کہو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اس کے غضب اور قہر کا مورد بن جاؤ گے۔

پھر فرمایا وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ کہ اپنے ربّ کی عظمت اور اس کے جلال کو قائم کر۔ یہی وہ پیغام ہے جو اسلام دنیا کے لئے لے کر آیا ہے کہ خدا تعالیٰ کی توحید اور اس کی عظمت اور اس کے جلال کو دنیا میں قائم کیا جائے۔

پھر فرمایا وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ایک ماحول پیدا ہو اور وہ ماحول ہو بھی پاکیزہ۔ وہ ماحول ان لوگوں کا ہو۔ جن کے متعلق خود خدا تعالیٰ فرماتا ہے رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا (التوبۃ:۱۰۸) یعنی جو جسمانی، اخلاقی اور روحانی گندگی اور نجاست سے بچتے ہیں۔

پس اس کے لئے ہم تجھے حکم دیتے ہیں کہ پہلے اپنے ماحول کو صاف کرنے کی کوشش کرو۔ انہیں تبلیغ کرو انہیں اسلام کی طرف بلاؤ۔ ان کے سامنے خدا تعالیٰ کی صفات کو بیان کرو ان کو خدا تعالیٰ کا جلوہ دکھاؤ ان کو بتاؤ کہ تمہارا ربّ کتنا پیار کرنے والا ہے لیکن اگر تم اس کی طرف متوجہ نہیں ہو گے تو سنو کہ پھر اس کا غضب بھی بڑا خطرناک ہوا کرتا ہے۔ تو وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ میں جسمانی، اخلاقی اور روحانی پاکیزہ ماحول کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ۔ رِجْزٌ کے معنی گندگی کے بھی ہیں۔ رجز کے معنی عذاب کے بھی ہیں۔ رجز کے معنی شرک کے بھی ہیں۔ فَاهْجُرْ میں حکم ہے کہ ان سے دور رہو۔ گویا حکم دیا کہ ہر قسم کی گندگی سے دور رہو اور ایسا سامان پیدا کرنے کی کوشش کرو کہ دنیا خدا کے عذاب سے محفوظ ہو جائے۔ یعنی ان کو اعمال صالحہ کی طرف بلاؤ، انہیں اصلاح نفس کی دعوت دو اور کوشش کرو کہ انسانی بتوں کو سجدہ کرنے کی بجائے اپنے پیدا کرنے والے کی طرف جھکے اور اسی کی پرستش کرے۔

پھر فرمایا وَ لَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ۔ مَنَّ کے ایک معنی تو ہیں کاٹ دینے کے۔ دوسرے معنی ہیں احسان کے بوجھ تلے دبا دینے کے۔ تَسْتَكْثِرُ کہ تا لوگ اس وجہ سے اسلام میں داخل ہوں اور اسلام کو کثرت تعداد نصیب ہو جائے۔

دونوں مذکورہ بالا معنی یہاں چسپاں ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ دنیوی لالچ کے ذریعہ کسی کو اسلام کی طرف مت بلاؤ کیونکہ کسی پر اسلام کا محض لیبل لگ جانا کافی نہیں ہے۔ اسلام کی طرف

محض منسوب ہو جانا کافی نہیں ہے جب تک کہ دلوں کے اندر وہ پاک تبدیلی پیدا نہ ہو جو پاک تبدیلی کہ خدا تعالیٰ اپنے بندوں کے دلوں میں دیکھنا چاہتا ہے۔

دوسرے مَنَّ کے معنی قطع کرنے کے ہیں یعنی ان پر مختلف پابندیاں لگا کر یا ظلم سے یا جبر کر کے یا دباؤ ڈال کر ان کے لئے ایسا ماحول پیدا نہ کرو کہ وہ اپنے کو مجبور پا کر ظاہری طور پر اسلام میں داخل ہو جائیں حالانکہ ان کے دلوں میں اسلام داخل نہ ہوا ہو۔

پھر فرمایا وَ لِرَبِّكَ فَاصْبِرْ یعنی اس بات سے مت ڈرو کہ مخالف اپنی مخالفت سے ہمیں اِیذا پہنچا رہے ہیں کیونکہ تمہیں اپنے ربّ کی خوشنودی کے لئے ہر حالت میں صبر کرنا پڑے گا۔

اس میں شروع دن سے ہی مسلمانوں کو ایک بشارت دی گئی تھی کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے ایسے سامان پیدا کرے گا کہ باوجود اس وقت انتہائی کمزور ہونے کے تم فاتح ہو جاؤ گے اور بدلہ لینے پر اور انتقام لینے پر اور اگر تم صراطِ مستقیم سے ہٹ جاؤ تو ظلم کرنے پر بھی قادر ہو جاؤ گے لیکن ہم تمہیں نصیحت کرتے ہیں کہ تمہیں ظلم کرنا کسی صورت میں روا نہیں۔ بلکہ قدرت رکھتے ہوئے بھی مخالف کی اِیذا دہی پر تمہیں صبر سے کام لینا ہوگا۔

یہ عام معنی ہیں ان آیات کے! لیکن جیسا کہ میں نے بتایا ہے میرے دل میں یہ ڈالا گیا ہے کہ میں جماعت کو یہ بتاؤں کہ آج ہم جس مقام پر کھڑے ہیں اس مقام کا ان آیات کے ساتھ بڑا گہرا تعلق ہے۔ یعنی ان آیات میں ایک نہایت اہم نصیحت ہے جو ہمیں کی گئی ہے اور ہمارے لئے کچھ پیشگوئیاں ہیں جن کی طرف ان آیات میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے ان آیات میں خدا تعالیٰ ہمیں مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ اے جماعت احمدیہ! جس کی تخم ریزی اللہ تعالیٰ نے مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ سے کی تھی جس کے استحکام کے لئے خلافتِ اُولیٰ کو کھڑا کیا گیا تھا جس کی تربیت کے لئے حضرت مصلح موعود کی زندگی کا ہر لمحہ اور آپ کے خون کا ہر قطرہ وقف رہا۔ اب تم الْمُدَّثِّر کی حیثیت اختیار کر چکے ہو۔ تم اپنی بلوغت کو پہنچ چکے ہو اور تقویٰ کے جن لباسوں کی ضرورت تھی۔ وہ تمہیں مہیا کر دیئے گئے ہیں۔ پس تمہیں بالغ نظری اور بالغ عملی سے کام لینا ہوگا۔ اس حالت میں کہ ہم نے تمہیں اپنی رحمت اور اپنے فضل سے تربیت کے اس مقام

تک پہنچا دیا ہے۔ ہماری اس آواز کو سنو۔ قُمْ فَاَنْذِرْ کہ کھڑے ہو جاؤ۔ اور ثابت قدمی کے ساتھ قریہ قریہ اور ملک ملک میں پھیل جاؤ اور اقوامِ عالم کو یہ بتاؤ کہ اگر خدا کے مسیح کی آواز پر انہوں نے لبیک نہ کہا تو خدا کا قہر ان پر نازل ہوگا۔

دنیا بظاہر امن میں ہے۔ دنیا والے اس وہم میں مبتلا ہیں کہ ہم اپنی کوششوں سے دنیا میں امن قائم کر دیں گے۔ لیکن خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ دنیا میں کوئی یو۔ این۔ او یا کوئی دوسری کانفرنسز جو امن کے قیام کے لئے بنائی گئی ہیں ہرگز نتیجہ خیز نہیں ہوں گی۔ کیونکہ آسمان اس سے متفق نہیں۔ اور خدا تعالیٰ کی نظر سے انسان گر چکا ہے۔

پس ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم دنیا والوں کو یہ بتائیں کہ اگر تم اپنے لئے اور اپنی نسلوں کے لئے زندگی، امن اور سلامتی چاہتے ہو تو خدا تعالیٰ کی آواز پر لبیک کہو اور اس کے مسیحؑ پر ایمان لاؤ۔ خدا کی شریعت کو ردمت کرو۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہنسی اور ٹھٹھا مت کرو۔ اس کے جوئے کے نیچے اپنی گردنیں رکھ دو تب تم امن سے اپنی زندگیاں گزار سکتے ہو۔ اور تمہاری نسلیں سلامتی کے ساتھ اس دنیا میں رہ سکتی ہیں ورنہ نہیں۔

پس قُمْ فَاَنْذِرْ میں یہی حکم ہے اور ہم نے اس کی تعمیل کرنی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ اور خدا تعالیٰ کی اس آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنی زندگی کے آخری سانس تک تبلیغِ اسلام کے لئے ہر ممکن جدوجہد اور کوشش کرتے چلے جانا ہے۔

وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ میں فرمایا کہ انذار کی ڈیوٹی تمہارے ذمہ اس لئے لگائی گئی ہے اور یہ حکم تمہیں اس لئے دیا گیا ہے کہ اپنے ربّ کی عظمت اور اس کے جلال کو دنیا میں قائم کرو اور اس میں بشارت کا بھی ایک پہلو ہے۔ کیونکہ ہم نے دیکھا ہے کہ جب کبھی کوئی فتح کسی مسلمان کو نصیب ہوتی ہے تو بے ساختہ اس کے منہ سے نکلتا ہے۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے اس وقت تک مسلمان کا یہی شعار اور یہی طریق رہا ہے کہ الٰہی نصرتوں کو دیکھ کر ان کے دل کی گہرائیوں سے ایک آواز نکلتی ہے جو ان کی زبانوں سے بلند ہوتی ہے اور فضاؤں میں گونجتی ہے اور وہ آواز اللہ اکبر کی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اشارۃً ہمیں یہ بھی بتا دیا کہ ہم نے تمہارے لئے فتوحات کے دروازے کھولنے کا ارادہ کر لیا ہے اور ہم نے ایسے سامان پیدا کر دئے ہیں کہ تم وقتاً فوقتاً اللہ اکبر کے نعرے لگایا کرو گے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ۔ فرمایا کہ تمہارے کپڑے پاکیزہ ہیں۔ کیونکہ لباسِ تقویٰ تمہیں پہنا دیا گیا ہے لیکن مقام خوف ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ شیطانی وساوس دخل دیں اور ان تقویٰ کے لباسوں پر ناپاکی اور گناہ کے سیاہ نقطے لگنے لگ جائیں جیسا کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی شخص گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے۔ دوسرا گناہ کرتا ہے تو دوسرا نقطہ پڑ جاتا ہے۔ پھر تیسرا گناہ کرتا ہے تو تیسرا سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے اور اگر وہ استغفار، دعا، عجز وانکساری سے ان سیاہ نقطوں کو مٹانے کی کوشش نہ کرے تو وہ نقطے قائم رہتے ہیں بلکہ بڑھتے چلے جاتے ہیں حتی کہ سارا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ تو اسی کی طرف اشارہ ہے وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ میں کہ لباسِ تقویٰ کی پاکیزگی کو بچانا تمہارا فرض ہے۔ یعنی تربیت کے جس مقام پر تم کھڑے ہو اس مقام سے کبھی نہ گرنا بلکہ کوشش کرنا کہ اس سے بھی بلند تر مقام پر پہنچو اور ہمیشہ بلند سے بلند تر ہوتے چلے جاؤ۔ اس آیت میں ہمیں یہ گُر بھی بتایا گیا ہے کہ ضروری ہے کہ تم اپنے ماحول کا جائزہ لیتے رہو۔ وہ ماحول جو کپڑے کی طرح تمہارے ساتھ چمٹا ہوا ہے۔ تم اس کے اندر کسی گندگی کے گھسنے کو کبھی برداشت نہ کرو۔ بلکہ جب کبھی تمہیں کوئی رخنہ نظر آئے تو فوراً اسے بند کر دو۔ یا کہیں تمہیں کوئی جسمانی، اخلاقی، روحانی نجاست نظر پڑے تو اسے دور کرنے کی کوشش میں فوراً لگ جاؤ۔ اگر تم چوکس ہو کر اپنے ماحول کو پاک رکھو گے تو اللہ تعالیٰ بھی تمہیں اپنی برکتوں سے نوازے گا۔

پھر فرمایا وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ اور گندگی کو دنیا سے بالکل مٹا دو کیونکہ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وضاحت سے بیان فرمایا ہے دنیا تباہی کی طرف جا رہی ہے اور امن کا ایک ہی ذریعہ ہے۔ وہ یہ کہ دنیا امن کے شہزادہ کے جھنڈے تلے جمع ہو جائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لے آئے۔ وہ آپؑ کو مانیں اور آپؑ کی ہدایات کے مطابق اس اسلام پر عمل کریں جو خالص اسلام ہے اور جسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کی بہتری اور بہبودی

کے لئے لے کر آئے تھے۔

پس وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ کے معنی یہ ہوئے کہ تو دنیا کی ایسے رنگ میں اصلاح کر۔ اپنے اخلاق سے اپنے دلائل سے اپنی قبولیت دعا کے نشان سے اور ان نشاناتِ آسمانی سے جو خدا تعالیٰ تمہارے لئے مقدر کرے کہ وہ اپنے ربّ کو پہچاننے لگیں اور اس عذاب میں مبتلا نہ ہوں جو دوسری صورت میں ان کے لئے مقدر ہو چکا ہے۔

وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ کے تیسرے معنی یہ ہیں کہ شرک سے بچو۔ ایک شرک تو ظاہری ہے وہ یوں کہ بتوں کی پرستش کی جائے۔ اس شرک میں سوائے نہایت ہی جاہل شخص یا جاہل قوم کے اور کون مبتلا ہو سکتا ہے۔

لیکن شرک کی بہت باریک راہیں بھی ہیں ان سے بچتے رہنا بھی نہایت ضروری ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ جب تک ہم لاشئے محض ہو کر کلیۃً خدا تعالیٰ کے آستانہ پر نہ جھک جائیں اور اس کے حضور نہ گرے رہیں اس وقت تک ہم توحید کے حقیقی مقام پر کھڑے نہیں ہو سکتے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ شرک کی باریک راہوں سے بھی بچو اور اس کے مقابل تقویٰ کی باریک راہوں پر گامزن رہو۔ تمہارے خیالات ہر قسم کے شرک سے پاک ہوں۔ تمہارا دل ہر قسم کے شرک کی نجاست سے مطہّر ہو۔ اور تمہاری آنکھوں میں توحید کی چمک۔ اس کی ضیاء اور اس کا نور ہو اور تمہارے اعمال توحید کی طرف بلانے والے ہوں اور تمہارے اندر سے ایسا نور نکلے کہ جس ماحول میں بھی تم چلے جاؤ اس ماحول کے لوگ تمہاری طرف اس لئے کھچے آئیں کہ تم ان لوگوں کو خدا تعالیٰ سے متعارف کرنے والے ہو۔

پس ہر حالت میں ہر قسم کے شرک کو چھوٹا ہو یا بڑا باطنی شرک ہو یا ظاہری شرک اسے مٹانے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر آج دنیا کی نجات ممکن نہیں۔

وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ فرمایا کہ ہم ایسے حالات پیدا کر رہے ہیں۔ معجزات کے ذریعہ، نشانات کے ذریعہ، دعاؤں کی قبولیت کے ذریعہ اور ملائکہ کے نزول کے ذریعہ جو دنیا میں انتشار روحانی پیدا کر رہے ہیں اور لوگوں کے دلوں کو خدا تعالیٰ کی طرف، خدا کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف،

مسیح محمدی کی طرف اور جماعت احمدیہ کی طرف پھیر رہے ہیں۔ پس ایسے حالات پیدا ہو رہے ہیں کہ دنیا کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ احمدیت اور اسلام ایک ایسی صداقت ہے کہ جو انہیں اپنی بقا کی خاطر ہر قیمت پر قبول کرنی چاہیے۔ پھر تمہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تفسیر کے ذریعہ اور حضرت مصلح موعودؓ کی تفسیر کے ذریعہ ایسے دلائل مل چکے ہیں کہ دنیا کی کوئی عقل انہیں رد نہیں کرسکتی۔

جب تمہیں ہر قسم کے نشان اور دلائل دے دیئے گئے ہیں تو گویا کامیابی کی کنجی اور فتح کی کلید تمہارے ہاتھ میں پکڑا دی گئی ہے اس لئے تمہیں ہرگز ضرورت نہیں کہ کسی کو خوشامد، لالچ یا جبر کے ذریعہ مسلمان بناؤ۔

تو وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ میں آزادیٔ مذہب کو، آزادیٔ فکر کو، اس خوبی اور حسن کے ساتھ تسلیم کیا گیا ہے اور اس کو قائم کرنے کی ہدایت کی گئی ہے کہ اس کی مثال کہیں نہیں ملتی۔ فرمایا۔ احسان کرنا اس نیت سے کہ کوئی شخص ہمارے احسان کے دباؤ سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھ لے جائز نہیں۔ اسی طرح جبر کرنا بھی جائز نہیں کہ ایسے حالات پیدا کر دئے جائیں کہ کسی شخص کو سوائے کلمہ پڑھنے کے کوئی جائے فرار نظر نہ آتی ہو جیسا کہ آج کل کی خبروں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوؤں نے کشمیر میں مسلمانوں کو شدھ کرنے کی مہم بھی شروع کر دی ہے۔ ہر قسم کے ظلم ڈھائے جا رہے ہیں۔ خاوندوں کو قتل کر کے عورتوں پر دباؤ ڈالا جا رہا ہے۔ بچوں کو شہید کر کے والدین کو مجبور کیا جا رہا ہے کہ وہ ہندو مذہب کو اختیار کر لیں۔

اسلام اسے ہرگز پسند نہیں کرتا بلکہ اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اسلام اس کی مذمت کرتا ہے اور ایسا کرنے والوں کو خدا کے غضب اور قہر کا مورد قرار دیتا ہے۔

تو فرماتا ہے وَلَا تَمْنُنْ کہ کسی پر کسی قسم کا جبر نہ کرنا۔ اس غرض سے کہ تمہاری تعداد بڑھ جائے اور تمہیں کثرت حاصل ہو جائے۔

وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے جماعت احمدیہ! ہم ایسے حالات پیدا کرنے والے ہیں کہ تم ظالموں سے انتقام لینے کے قابل ہو جاؤ گے لیکن ہم تمہیں نصیحت کرتے ہیں کہ انتقام بھی نہ لینا اور لِرَبِّكَ فَاصْبِرْ اپنے ربّ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے صبر سے کام لینا۔

میں جماعت کو یہ بھی بتانا چاہتا ہوں کہ آئندہ پچیس تیس سال جماعت احمدیہ کے لئے نہایت ہی اہم ہیں کیونکہ دنیا میں ایک روحانی انقلاب عظیم پیدا ہونے والا ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ کون سی خوش بخت قومیں ہوں گی جو ساری کی ساری یا ان کی اکثریت احمدیت میں داخل ہوں گی وہ افریقہ میں ہوں گی یا جزائر میں یا دوسرے علاقوں میں لیکن میں پورے وثوق اور یقین کے ساتھ آپ کو کہہ سکتا ہوں کہ وہ دن دور نہیں جب دنیا میں ایسے ممالک اور علاقے پائے جائیں گے جہاں کی اکثریت احمدیت کو قبول کر لے گی اور وہاں کی حکومت احمدیت کے ہاتھ میں ہوگی۔ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میں تمہیں ان نعمتوں سے نوازوں تو تمہارا فرض ہوگا کہ تم بنی نوع انسان سے نرمی اور محبت کا سلوک کرو اور ان کی ایذا دہی کو خدا کی خاطر سہہ لو۔ اگر ان کے منہ سے سخت کلمات نکلیں۔ اگر وہ بے ہودہ حرکتیں کریں اگر وہ تمہیں چڑائیں تو باوجود اس کے کہ تم انہیں اپنی طاقت سے خاموش کرا سکتے ہو اور انہیں بے ہودہ حرکتوں سے باز رکھ سکتے ہو ہم تمہیں یہی کہتے ہیں کہ ہماری رضا کی خاطر صبر سے کام لینا اور ان پر سختی نہ کرنا۔

پس اپنے ربّ کو خوش کرنے کے لئے اس کی برکات کے حصول کے لئے اس کی رحمتوں کو جذب کرنے کے لئے ضروری ہے کہ تم صبر سے کام لو۔ ٹھٹھے کے مقابلہ میں ٹھٹھا اور ہنسی کے مقابلہ میں ہنسی اور ظلم کے مقابلہ میں ظلم نہ کرو۔

وہ زمانہ چونکہ قریب ہے اس لئے میں آپ کو پھر تاکید سے کہتا ہوں کہ جب کسی قوم پر اس قسم کی عظیم نعمتیں نازل ہو رہی ہوں تو اس قوم کو بھی ایک عظیم قربانی دینی پڑتی ہے۔ پس اپنے نفسوں کو اس قربانی کے لئے تیار کرو۔ اپنی طبیعتوں کو اس طرف مائل کرو کہ ہم احمدیت کے لئے اسلام کے لئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دلوں میں گاڑنے کے لئے خدائے قادر وتوانا کے جلال اور عظمت کو دنیا میں قائم کرنے کے لئے کسی قربانی سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔

ہماری جانیں، ہمارے مال اور ہماری عزتیں سب خدا کے لئے ہیں اور خدا کی راہ میں قربان ہونے کے لئے تیار ہیں۔

اگر ہماری جماعت ایثار اور فدائیت کا یہ نمونہ دکھائے تو اللہ تعالیٰ اس جماعت کو دین و دنیا

کی حسنات سے کچھ اس طرح نوازے گا کہ دنیا کے لئے قرونِ اُولیٰ کی یاد تازہ ہو جائے گی۔

ابھی ابھی مجھے مولوی غلام رسول صاحب راجیکیؓ کا وہ کشف یاد آ گیا جس میں ان کو دو تین سَو سال بعد کا نظارہ دکھایا گیا۔ کشف میں انہوں نے دیکھا کہ بعد میں آنے والے لوگ آپس میں باتیں کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ کس قدر احمق تھے وہ لوگ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں پیدا ہوئے اور انہوں نے آپؑ کو قبول نہ کیا۔

اتنی بڑی صداقت اتنے روشن اور واضح دلائل خدا کی نصرت کے اتنے نمایاں نمونے دیکھنے کے بعد کیا وجہ ہو سکتی تھی کہ انہوں نے مسیحؑ محمدی کے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ مطلب یہ کہ آنے والی نسلیں نہ ماننے والوں کو بڑی تعجب کی نگاہ سے دیکھ رہی تھیں۔

ایسا ہی ہوگا یہ ایک حقیقت ہے جس کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ اور وہ وقت قریب آ رہا ہے جب دنیا انکارِ مہدی معہود کو حیرت و استعجاب سے دیکھے گی۔ اگرچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی فتح، نصرت اور کامیابی کا انتہائی زمانہ تین سَو سال تک بتایا ہے لیکن حضورؑ کے بعض کشوف اور الہامات یہ بتاتے ہیں کہ وہ آخری فتح جس میں اسلام دنیا پر غالب آ جائے گا۔ شاید کچھ دیر چاہتی ہو لیکن ان آنے والے پچیس تیس سالوں میں بعض ممالک اور علاقوں میں احمدیت کو کثرت حاصل ہو جائے گی (انشاء اللہ) اور وہاں کے رہنے والے اپنی زندگیاں تعلیم احمدیت یعنی حقیقی اسلام کے مطابق گزارنے والے ہوں گے۔ مگر اس انقلاب عظیم کے لئے جو دروازہ پر کھڑا ہے کتنی ہی قربانیاں ہیں جو آپ کو دینی ہوں گی۔ پس آپ کو وہ قربانیاں پیش کرنے کے لئے تیار رہنا چاہیے۔ خدا تعالیٰ اپنے فضلوں کی بارش آپ پر کرنا تو چاہتا ہے لیکن پہلے وہ یہ دیکھے گا کہ آپ ان فضلوں کے مستحق بھی ہیں یا نہیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کو بھی اور مجھ کو بھی ایسا بنا دے کہ ہم اس کی نظر میں ہر قسم کے انعاموں اور فضلوں کے مستحق ٹھہریں اور خدا تعالیٰ کے وعدے جلد ہی ہماری زندگیوں میں پورے ہوں اور ہم اپنی آنکھوں سے دیکھیں کہ وہ جو دنیا کی نگاہ میں دھتکارا گیا تھا وہی دنیا میں مقبول ٹھہرا۔ اَللّٰھُمَّ آمِیْن

(روزنامہ الفضل ربوہ ۹ر جنوری ۱۹۶۶ء صفحہ ۲ تا ۴)

خدا تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیں تاکیدی حکم ہے کہ مسکینوں، یتیموں اور اسیروں کو کھانا کھلایا جائے

خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۷ر دسمبر ۱۹۶۵ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے سورۃ الدھر کی مندرجہ ذیل آیات تلاوت فرمائیں۔

وَ يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا۔ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّ لَا شُكُوْرًا۔ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا۔ فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَ لَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّ سُرُوْرًا۔ (الدّھر: ۹ تا ۱۲)

پھر فرمایا:۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہمارے اس حکم کو سن کر ہمارے نیک بندے ہماری رضا کے متلاشی بندے، ہمارے قرب کے خواہاں بندے، اس طرح عمل کرتے ہیں۔ وَ يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ کہ وہ ہماری محبت کی خاطر اور ہماری خوشنودی کے حصول کے لئے کھانا کھلاتے ہیں کس کو؟ مسکین کو یتیم کو اسیر کو۔ عربی زبان میں مسکین کے معنی ہیں ایسا شخص جس کے پاس اتنا مال نہ ہو کہ وہ بخوبی گزارہ کر سکے اور اس کا گھرانہ اس روپے سے پرورش پا سکے۔ اور یتیم کے معنی ہیں ایسا شخص جس کا والد یا مربی نہ ہو اور ابھی اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں ہوسکتا۔

اور اَسِيْر کے لفظی معنی تو قیدی کے ہیں۔ لیکن اس کے یہ معنی بھی کئے جا سکتے ہیں وہ شخص جو اپنے حالات سے مجبور ہو کر بطور قیدی کے ہو جائے۔

پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جن لوگوں کو پوری غذا میسر نہیں اور ان کو ضرورت ہے کہ ان کی مدد کی جائے۔ جس کے بغیر وہ اپنی ضرورتوں کو پورا نہیں کر سکتے۔ ان لوگوں کو ہمارے ابرار بندے کھانا کھلاتے ہیں اور کھانا کھلاتے ہوئے ان کے دل کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ وہ زبان حال سے یہ کہہ رہے ہوتے ہیں۔ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ کہ ہم خدا کی توجہ کو اپنی طرف کھینچنے کے لئے اور اس کی عنایات کو حاصل کرنے کے لئے تمہیں کھانا کھلا رہے ہیں اور لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ہم اس نیت سے تمہیں نہیں کھلا رہے کہ کبھی تم ہمیں اس کا بدلہ دو اور نہ یہ کہ تم ہمارا شکریہ ادا کرو۔ ہم تم سے کچھ نہیں چاہتے نہ بدلہ چاہتے ہیں نہ ہی شکریہ کے خواہاں ہیں۔ ہم محض یہ چاہتے ہیں کہ ہمارا ربّ ہم سے خوش ہو جائے اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا پھر وہ کہتے ہیں کہ ہم ڈرتے ہیں اس دن سے جس میں ڈر کے مارے تیوریاں چڑھی ہوئی ہوں گی اور لوگوں کو گھبراہٹ لاحق ہوگی۔ (یہ دن قیامت کا ہے اور کبھی ایسا دن اس دنیا میں بھی آجاتا ہے) کہ کہیں ہم بھی اس دن خدا کے عذاب اور اس کے قہر کے مورد نہ بن جائیں۔ اسی لئے ہم یہ نیک کام بجا لا رہے ہیں۔

''اس دنیا میں'' کے الفاظ میں نے اس لئے کہے ہیں کہ بھوک کا مسئلہ ایک ایسا مسئلہ ہے۔ جس کی طرف جب قومیں توجہ نہیں دیتیں تو ان قوموں میں بڑے بڑے انقلاب برپا ہو جاتے ہیں۔ جیسے کہ روس میں ریوولیوشن (انقلاب) اور دوسرے بہت سے ممالک میں انقلاب اسی لئے برپا ہوئے کہ وہاں اکثر لوگوں کی زندگی کی ضروریات خصوصاً کھانے کا خیال نہیں رکھا گیا۔

اس کے ایک معنی یہ بھی ہیں اور ان آیات سے مستنبط ہوتا ہے کہ اس دنیا میں جب بھائی بھائی کا خیال نہیں رکھتا اور ایک قوم کی اکثریت اس مرض میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ تو اس قوم پر ایک دن انقلاب کا بھی چڑھ آتا ہے۔ جس میں بہت سے بڑے اور امیر لوگ چھوٹے اور غریب کر دیئے جاتے ہیں۔ وہ دن ان کے پچھتانے کا ہوتا ہے۔ جس قوم کے ہر فرد کو اس کی ضروریات میسر آتی رہیں

اور ان کے دل مطمئن اور تسلی یافتہ ہوں۔ اس قوم میں اس قسم کا انقلاب بپا نہیں ہوا کرتا۔ انقلابات اور ریوولیوشنز انہی ملکوں اور قوموں میں ہوتی ہیں۔جن کے ایک بڑے حصہ کو دھتکارا جاتا ہے اوران کی ضروریات کا خیال نہیں رکھا جاتا۔ دیکھو خدا تعالیٰ نے ایک ضرورت مند کو اور اس کے ساتھ نیکی کرنے کو کتنا بڑا مقام دیا ہے آخرت کے دن خدا تعالیٰ فرمائے گا۔ میں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا کھلایا یا بعض دوسروں سے کہے گا کہ میں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا نہ کھلایا۔

پہلے فریق کو وہ فرمائے گا کہ میں تم سے خوش ہوں اور تمہیں اپنی رضا کے عطر سے ممسوح کرتا ہوں اور دوسروں کو کہے گا کہ میں بھوکا تھا تم نے میرا خیال نہیں کیا۔اس لئے میں تمہیں جہنم میں دھکیلتا ہوں۔

کتنے زور اور تاکید سے ہمیں توجہ دلائی گئی ہے کہ ہم بھوکے کو کھانا کھلائیں اور ضرورت مند کو ضروریات زندگی مہیا کریں۔کافروں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗۤ ۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۔(یٰسٓ:۴۸) کہ جب انہیں کہا جاتا ہے کہ ضرورت مندوں کو کھانا کھلاؤ اوران کی غذائی ضرورتوں کو پورا کرو تو کافر لوگ کہتے ہیں کہ کیا ہم ان لوگوں کو کھانا کھلائیں۔ اگر خدا چاہتا تو جیسا اس نے ہمیں دیا تھا انہیں بھی وہ کھانے کو دے دیتا تم تو خدائی فعل کے خلاف ہمیں تعلیم دے رہے ہو اور اس وجہ سے ہم تمہیں کھلی گمراہی میں پاتے ہیں۔

بجائے اس کے کہ وہ یہ سمجھتے کہ خدا تعالیٰ نے بعض انسانوں کے لئے بعض نیکیوں کے مواقع بہم پہنچانے ہوتے ہیں۔ اس لئے اس نے انسانی معاشرہ کو اس طرح بنایا ہے کہ ہر ایک شخص نیکیوں سے حصہ وافر لے سکے۔انہوں نے اس سے الٹا نتیجہ نکالا حالانکہ بعض نیکیاں ایسی ہیں جن کے کرنے کا موقع زیادہ تر غرباء کو ہی ملتا ہے۔ مثلاً اپنے حالات پر صبر کرنا، قناعت سے کام لینا وغیرہ وغیرہ۔جن لوگوں کو خدا تعالیٰ نے رزقِ کثیر دیا ہوتا ہے اورانہیں مالی تنگی کا سامنا نہیں ہوتا وہ اس قسم کے صبر کا ثواب حاصل نہیں کر سکتے جو صبر ایک غریب آدمی تنگی ترشی کے زمانہ میں دکھاتا ہے۔

خدا تعالیٰ نے ہمارے معاشرہ میں اونچے نیچے، امیر غریب، عالم، جاہل وغیرہ وغیرہ ہر قسم

کے طبقات بنا دئے ہیں تا کہ ہم اپنے اپنے مقام کے لحاظ سے ہر قسم کی نیکیاں کرتے چلے جائیں۔ اگر ہر شخص اتنا امیر ہوتا کہ اس کو دنیا کی کوئی ضرورت پیش ہی نہ آتی۔ اگر ہر شخص اتنا عالم ہوتا کہ کسی استاد کے پاس جانے کی اسے ضرورت ہی نہ رہتی اور اگر ہر شخص ہر فن میں اتنا کمال رکھتا کہ ڈسٹری بیوشن آف لیبر جس پر ہماری انسانی اقتصادیات کی بنیاد ہے کی ضرورت ہی پیدا نہ ہوتی۔ وغیرہ۔ تو ثواب کا کون سا موقع باقی رہ جاتا؟؟؟

اللہ تعالیٰ بے شک اس بات پر قادر ہے کہ ہر انسان کو ایسا بنا دے لیکن اس نے اسے ایسا نہیں بنایا۔ اس لئے کہ اس نے انسان کے لئے صرف اسی دنیا کی زندگی ہی نہیں بلکہ مرنے کے بعد ایک اور زندگی بھی مقدر کی ہوئی ہے اور اُخروی زندگی کے پیش نظر ایسا معاشرہ انسان کے لئے مقرر فرمایا کہ ہر طبقہ کے لوگ اس معاشرہ کے اندر رہ کر زیادہ سے زیادہ ثواب حاصل کرتے چلے جائیں اور اس طرح اس کی خوشنودی کو پوری طرح پاسکیں لیکن کافر لوگ ان باتوں کو نہیں سمجھتے اس لئے جب ان کو کہا جاتا ہے کہ ضرورت مندوں کی ضرورتوں کو پورا کرو اور محتاجوں کے لئے روزمرہ زندگی کی ضروریات مہیا کرو تو وہ کہتے ہیں کہ جب خدا تعالیٰ نے انہیں کھانے کو نہیں دیا تو تم ہم سے کیسے توقع رکھتے ہو کہ ہم خدائی فعل کے خلاف ان کو کھانے کے لئے دیں۔ ان کا کافرانہ دماغ عجیب بہانہ تراشتا ہے۔

میرا یہ احساس ہے کہ جماعت کو اس حکم کی طرف پوری طرح توجہ نہیں ہے۔ کوئی احمدی رات کو بھوکا نہیں سونا چاہیے۔ سب سے پہلے یہ ذمہ داری افراد پر عائد ہوتی ہے اس کے بعد جماعتی تنظیم اور حکومت کی باری آتی ہے کیونکہ سب سے پہلے یہ ذمہ داری اس ماحول پر پڑتی ہے جس ماحول میں وہ محتاج اپنی زندگی کے دن گزار رہا ہے۔ پھر ہماری جماعت کی تنظیم کے مطابق بڑے شہروں میں پریذیڈنٹ ہیں، امراء ہیں پھر شہر مختلف محلوں اور حلقوں میں تقسیم ہوتے ہیں جن میں ہمارے کارکن مقرر ہوتے ہیں۔ اتنے کارکنان کی موجودگی میں آپ میں سے ہر احمدی رات کو اس اطمینان کے ساتھ سوتا ہے کہ اس کا کوئی بھائی آج بھوکا نہیں سو رہا۔ یا وہ بغیر سوچے سمجھے یہ تصور کر لیتا ہے کہ اس کے سب بھائیوں نے کھانا کھا لیا ہوگا۔

جہاں تک میرا احساس ہے میں سمجھتا ہوں کہ اس معاملہ میں پوری طرح محاسبہ نہیں کیا جاتا۔
اس میں کوئی شک نہیں کہ اس جماعت پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے اور شاید ہی کوئی ایسے محتاج دوست ہوں جن کی غذائی ضروریات پوری نہ کی جاتی ہوں لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر ایک احمدی بھی ایسا ہے جس کی غذائی ضروریات پورا کرنے میں ہم غفلت برت رہے ہوں، تو ہمیں بحیثیت جماعت خدا تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہونا پڑے گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بڑے ہی پیار کرنے والے وجود تھے۔ بڑی ہی شفقت کی باتیں آپؐ کے منہ سے نکلی ہیں۔ چنانچہ آپؐ نے ہمیں ایسا گُر سکھایا ہے کہ جس کو اگر ہم اپنے سامنے رکھیں اور اس پر عمل کریں۔ تو ایک دھیلا زائد خرچ کئے بغیر ہم اپنے ضرورت مند بھائیوں کی غذائی ضرورت کو پورا کرسکتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اور یہ ارشاد بخاری میں موجود ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّهٗ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَعَامُ الْاِثْنَيْنِ كَافٍ لِثَلَاثَةٍ وَّطَعَامُ الثَّلَاثَةِ كَافٍ لِاَرْبَعٍ۔

کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو آدمیوں کا کھانا تین آدمیوں کو پورا ہوجاتا ہے اور تین کا کھانا چار کو پورا ہوجاتا ہے۔

ایک اور حدیث جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور ترمذی میں درج ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔ طَعَامُ الْوَاحِدِ يَكْفِى الْاِثْنَيْنِ وَطَعَامُ الْاِثْنَيْنِ يَكْفِى الْاَرْبَعَةَ وَطَعَامُ الْاَرْبَعَةِ يَكْفِى الثَّمَانِيَةَ۔

کہ ایک کا کھانا دو کے لئے کافی ہوجاتا ہے اور دو آدمی کا کھانا چار کے لئے اور چار کا کھانا آٹھ آدمی کے لئے کافی ہوجاتا ہے۔

پس ایک حدیث میں تو یہ ہے کہ ایک کا کھانا دو کے لئے اور دو کا کھانا تین کس کے لئے اور تین کا کھانا چار کے لئے کافی ہوسکتا ہے۔ لیکن دوسری حدیث میں دگنا کرتے چلے گئے۔

دراصل بات یہ ہے کہ بعض گھرانے ایسے ہوتے ہیں جو اچھے کھاتے پیتے ہیں وہاں اگر

ایک کس کا کھانا پکے تو دو کے لئے کافی ہو جاتا ہے اور اگر چھ کس کا پکے تو بارہ کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔ لیکن ان کے مقابل بعض ایسے گھرانے ہوتے ہیں جہاں دو کے لئے کھانا پکے تو صرف تین کس کے لئے کافی ہو سکے گا اور بعض گھرانے ان کی نسبت بھی زیادہ غریب ہوتے ہیں۔ اگر وہاں تین آدمیوں کا کھانا پکایا جائے گا تو صرف چار کے لئے کافی ہوگا اور بعض گھرانے ایسے بھی ہو سکتے ہیں کہ جن میں آٹھ کا کھانا پکے تو نو کو ہی کافی ہو۔

ہمارے آقا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ کھانا کھلاؤ اور میں تمہیں بتاتا ہوں کہ کوئی زائد خرچ کئے بغیر تم خدا تعالیٰ کے اس حکم کی کس طرح تعمیل کر سکتے ہو۔ تم جس طبقہ سے تعلق رکھتے ہو۔ یا تو وہ ایسا ہوگا جس میں ایک کا کھانا دو آدمی کے لئے اور دو آدمی کا کھانا چار کے لئے اور چار آدمی کا کھانا آٹھ آدمی کے لئے کافی ہوگا۔

یا وہ ایسا طبقہ ہوگا جس میں دو آدمی کا کھانا تین کے لئے اور تین کا چار کے لئے کافی ہوگا۔ یا جس میں کہ چار آدمی کا کھانا پانچ آدمی کے لئے کافی ہوگا۔ مثلاً ایک عام مزدور کے گھرانے میں چار افراد ہیں اور ان میں سے ہر شخص تین روٹیاں کھاتا ہے تو گویا اس کے گھر میں بارہ روٹیاں پکیں گی۔ اگر ان چار میں سے ہر ایک تین کی بجائے اڑھائی روٹیاں کھالے تو دو روٹیاں مستحق کے لئے نکل سکیں گی اس طرح کوئی زائد خرچ نہ ہوا اور ایک ضرورت مند کی ضرورت بھی پوری ہوگئی۔

تین کی بجائے اڑھائی روٹی کھانے سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا اور نہ ہی آدھی روٹی کم کھانے کے نتیجہ میں کوئی عارضہ یا تکلیف یا دکھ لاحق ہو سکتا ہے کیونکہ عادتاً ہم لوگ ضرورت سے زیادہ ہی کھاتے ہیں۔

اس طرح نہ ہمیں کوئی زائد خرچ کرنا پڑتا ہے اور نہ ہمیں کوئی تکلیف لاحق ہوتی ہے لیکن ایک آدمی کا کھانا بھی ہم نکال لیتے ہیں۔

لیکن آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ کون ہے وہ حاجت مند جسے ہم نے کھانا دینا ہے۔ اس کے لئے آپس میں تعلقات اور آپس میں پیار کے بڑھانے کی ضرورت ہے اور اپنی تنظیم کو اس طرح اخوت کی بنیادوں پر مضبوط کرنے کی ضرورت ہے کہ محلہ والوں کو معلوم ہو کہ آج فلاں گھرانہ کسی

وجہ سے کھانا نہیں پکا سکا۔

اکثر گھرانے مزدوروں کے ہوتے ہیں جو روزانہ کماتے ہیں اور جو کماتے ہیں وہی کھاتے ہیں۔ اتفاقاً کسی گھرانے کا ذمہ دار شخص ایک یا دو دن کے لئے بیمار ہو جاتا ہے تو اگر محلے والے اس سے پوری طرح واقف ہوں۔ تو ان کو معلوم ہوگا کہ آج فلاں شخص مسجد میں نظر نہیں آیا اس لئے وہ اسے دیکھنے جائیں گے۔ بیمار ہوگا تو اس کی عیادت کریں گے۔ اس طرح ان کو ثواب بھی مل جائے گا۔ پھر ان کو خود ہی خیال ہوگا کہ یہ بیمار ہے اسے اور اس کے گھر والوں کو کھانے کی ضرورت ہے۔

ان کے لئے کھانا مہیا کرنا چاہیے پریذیڈنٹ محلہ یا سیکرٹری یا جس کی ڈیوٹی لگائی جائے وہ دو تین گھروں میں جا کر کہہ سکتا ہے کہ جو کچھ توفیق ہے اپنے بھائی کی مدد کے لئے دیدو۔ اسی طرح وہ گھرانہ بھوکا بھی نہیں رہے گا اور آپ کا بھی کوئی زائد خرچ نہیں ہوگا اور پھر خدا کی نگاہ میں آپ کتنے بڑے ثواب کے مستحق ہو جائیں گے۔

فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں ایسے لوگوں کو اس دن کے شر سے محفوظ رکھوں گا اور نجات دوں گا اپنی رحمت سے نوازوں گا اور اپنی مغفرت کی چادر سے ان کو ڈھانپ لوں گا۔

پس ہمارے خدا نے ایک حکم دیا ہے ہمارے پیارے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے کہ محتاجوں کو کھانا کھلاؤ اور ہم نے اس تاکیدی ارشاد پر عمل کرنا ہے۔

جیسا کہ میں نے کہا ہے۔ احمدیوں میں عام طور پر یہ احساس پایا جاتا ہے کہ کوئی احمدی بھوکا نہ رہے لیکن میرا احساس یہ ہے کہ ابھی اس حکم پر کما حقہ عمل نہیں ہو رہا۔ اس لئے آج میں ہر ایک کو جو ہماری کسی جماعت کا عہدیدار ہے متنبہ کرنا چاہتا ہوں کہ وہ ذمہ دار ہے۔ اس بات کا کہ اس کے علاقہ میں کوئی احمدی بھوکا نہیں سوتا۔ دیکھو میں یہ کہہ کر اپنے فرض سے سبکدوش ہوتا ہوں کہ آپ کو خدا کے سامنے جوابدہ ہونا پڑے گا۔

اگر کسی وجہ سے آپ کا محلہ یا جماعت اس محتاج کی مدد کرنے کے قابل نہ ہو تو آپ کا فرض

ہے کہ مجھے اطلاع دیں میں اپنے ربّ سے امید رکھتا ہوں کہ وہ مجھے توفیق دے گا کہ میں ایسے ضرورت مندوں کی ضرورتیں پوری کر دوں۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

یہ ایک بڑی اہم ذمہ داری ہے آپ کا فرض ہے کہ آپ اس کو ہر وقت یاد رکھیں اور اس کے متعلق ہر وقت سوچتے رہیں کیونکہ یہ ایک ایسی بات ہے جس پر عمل کرنے سے بڑے خوشکن نتائج پیدا ہو سکتے ہیں۔ وہ قوم جس کے ہر فرد کو معلوم ہو کہ میری ذمہ داری ساری قوم نے اپنے سر پر اٹھائی ہوئی ہے۔ اس کے دل میں کتنا سکون اور کتنا اطمینان ہو گا اور اپنے ربّ کی حمد کے کتنے گہرے جذبات اس کے دل میں موجزن ہوں گے اور اپنے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کتنی محبت جوش میں آئے گی؟؟؟؟ ایک پُر امن، پُرسکون، اخوت والا، محبت والا، پیار والا معاشرہ قائم ہو جائے گا جس پر دنیا رشک کرنے لگے گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق دے۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۱۰؍مارچ ۱۹۶۶ء صفحہ ۲ تا ۴)

رمضان کے مہینہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بہت سی برکتیں اور حکمتیں وابستہ ہیں

خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۴؍دسمبر ۱۹۶۵ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور پُرنور نے مندرجہ ذیل آیات تلاوت فرمائیں۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ؕ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۫ وَ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۔ وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ۔

(البقرۃ:۱۸۶، ۱۸۷)

پھر فرمایا:۔

ان دو آیات میں جو میں نے ابھی تلاوت کی ہیں اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزے رکھنے کے فوائد اور جن طریقوں سے وہ فوائد حاصل کئے جا سکتے ہیں ان کے متعلق ہمیں ایک حسین رنگ میں تعلیم دی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے شَهْرُ رَمَضَانَ اس مہینے کا نام اسلام سے قبل ناتق تھا اسلام نے اس مہینے کو رمضان کا نام دیا ہے اور اس نام کے اندر اتنے وسیع معانی ہمیں نظر آتے ہیں کہ دل انہیں معلوم کر کے خدا تعالیٰ کے کمال قدرت کو دیکھ کر اس کی حمد کے جذبہ سے بھر جاتا ہے۔

رمضان کا لفظ رَمَض سے نکلا ہے اور جب ہم رَمَض کے مختلف معانی پر غور کرتے ہیں تو اس کے بہت سے معنی ایسے ہیں جن کا ماہ رمضان سے تعلق واضح ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جب عربی میں اَرْمَضَ الشَّیْءَ کہا جائے تو اس کے معنی ہوتے ہیں اَحْرَقَهٗ اسے جلا دیا۔ اس لفظ میں سوزش کا تصور پایا جاتا ہے۔ اگر کہا جائے اَرْمَضَ الرَّجُلَ تو اس کے معنی ہوتے ہیں اَوْجَعَهٗ اس کو دکھ پہنچایا۔ تکلیف دی۔ جب ہم ان دو معانی پر غور کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ان کا ماہِ مضان سے تعلق ہے۔ اس طرح پر کہ وہ لوگ جو دین اسلام کے منکر ہیں یا اسلام میں تو داخل ہیں لیکن ان کے اندر روحانی کمزوری ہے۔ وہ اس مہینہ کو محض دکھ اور درد، بھوک اور پیاس اور بے خوابی کا مہینہ سمجھتے ہیں۔ انہیں اس میں کوئی فائدہ نظر نہیں آتا اور نہ ہی اس کی برکات سے وہ کوئی حصہ لیتے ہیں لیکن خدا تعالیٰ کے جو نیک اور مومن بندے ہیں وہ اس مہینہ کی تکلیف کو تکلیف نہیں سمجھتے۔ رَمَضَ النَّصْلَ کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ تیر کے پھل کو، یا نیزے کے پھل کو یا چھری کے پھل کو پتھر پر رگڑ کر تیز کیا۔ مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے مومن بندے اس مہینہ کے اندر اپنے سہام اللیل یعنی رات کے تیروں کو جو دعاؤں کی صورت میں آسمان کی طرف چلا رہے ہوتے ہیں تیز کرتے ہیں اس طرح ان تیروں کا اثر اس ماہ میں بڑھ جاتا ہے۔ اور ان کی کاٹ تیز ہو جاتی ہے اور جن اغراض کے لئے ان تیروں کو استعمال کیا جاتا ہے وہ اغراض اس ماہ میں بطریقِ احسن حاصل ہو جاتی ہیں۔

پھر لغت میں تَرَمَّضَ الصَّیْدَ کا محاورہ بھی لکھا ہے۔ یعنی جنونی شکاری شدت گرما کی پرواہ نہ کرتے ہوئے۔ گرمی کے وقت اپنے شکار کی تلاش میں نکلا۔ گویا اللہ تعالیٰ کا مومن بندہ بھوک اور پیاس اور دوسری سختیوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے مطلوب کی تلاش میں نکلتا ہے۔ گرمی کی شدت یا تکلیف، یا بھوک اور پیاس، یا بے خوابی وغیرہ اس کے راستہ میں روک نہیں بن سکتیں۔

اور وہ جو کچھ تلاش کرتا ہے اس کا مفہوم بھی ہمیں اسی لفظ سے ہی سمجھ میں آ سکتا ہے کہ اس کا مطلوب ہرن اور تیتر کا شکار نہیں ہوتا چنانچہ اَلرَّمْضُ کے ایک اور معنی عربی میں اَلْمَطَرُ يَأْتِيْ قَبْلَ الْخَرِيْفِ فَيَجِدُ الْاَرْضَ حَارَّةً مُحْتَرِقَةً [۲] ہیں یعنی وہ بارش جو گرمی کی شدت کے بعد اور موسم خزاں سے پہلے آسمان سے نازل ہوتی ہے اور جب وہ نازل ہوتی ہے تو زمین پوری طرح تپی ہوئی اور جلی ہوئی ہوتی ہے لیکن جب وہ بارش نازل ہوتی ہے تو اس تپش کو دور کر دیتی ہے۔ اس جلن کو مٹا دیتی ہے اور سکون کے حالات پیدا کر دیتی ہے۔

تو یہاں سے واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کا ایک مومن بندہ رمضان کے مہینے میں جنونی شکاری کی طرح بھوک اور پیاس اور دوسری تکالیف کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے جس مطلوب کی تلاش میں نکلتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی بارش ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس رحمت کی بارش کے بغیر میرے دل کی جلن دور نہیں ہو سکتی میرے اندر جو آگ لگی ہوئی ہے وہ بجھ نہیں سکتی جب تک کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کی بارش نازل نہ ہو پس یہ تمام مفہوم لفظ رمضان کے اندر ہی پایا جاتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ ایک ایسا مہینہ ہے کہ میرے بندوں کو چاہیے کہ وہ راتوں کے تیروں (دعاؤں) کو تیز کریں اور جنونی شکاری کے جنوں سے بھی زیادہ جنوں رکھتے ہوئے میری رحمت کی تلاش میں نکل پڑیں تب میری رحمت کی تسکین بخش بارش ان پر نازل ہو گی اور میرے قرب کی راہیں ان پر کھولی جائیں گی۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ۔ فرمایا یہ ایک ایسا مہینہ ہے جو بہت ہی برکتوں والا ہے۔ کیونکہ یہ وہ مہینہ ہے جس میں قرآن کریم نازل کیا گیا یا جس کے بارے میں قرآن کریم نے تعلیم دی یا جس میں قرآن کریم نازل ہونا شروع ہوا۔

اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ کے اندر تین باتیں بیان کی گئی ہیں:۔

اوّل یہ کہ یہ وہ مہینہ ہے جس میں نزول قرآن کریم کی ابتداء ہوئی۔ احادیث اور دوسری کتب (تاریخ) سے پتہ چلتا ہے کہ رمضان کے آخری حصہ میں قرآن کریم نازل ہونا شروع ہوا تھا۔ تو مہینے کا انتخاب اور پھر رمضان کے آخری حصہ کا انتخاب جو خدائے تعالیٰ نے کیا وہ بغیر کسی

حکمت اور وجہ کے نہیں ہوسکتا۔

دوسرے اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ کے یہ معنی بھی ہیں کہ اس کے بارے میں قرآن کریم نے تاکیدی اور تفصیلی احکام نازل کئے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں کوئی حکم تاکید کے ساتھ نازل فرماتا ہے تو اس لئے نازل فرماتا ہے کہ اس حکم کو بجالا کر بندہ اپنے ربّ کی بہت سی برکتوں کو حاصل کر سکے۔

تیسرے معنی اس کے یہ ہیں کہ یہ وہ مہینہ ہے جس میں کہ بار بار سارا قرآن کریم نازل ہوتا رہا۔ کیونکہ احادیث میں یہ امر بڑی وضاحت سے بیان ہوا ہے کہ ہر رمضان کی پہلی رات سے آخری رات تک حضرت جبریل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول فرماتے اور اس وقت تک جتنا قرآن کریم نازل ہو چکا ہوتا۔ آپؐ سے مل کر اس کا دَور کرتے۔ اس طرح وہ نازل شدہ قرآن آپؐ پر پھر ایک دفعہ بذریعہ وحی نازل ہوتا اور ہر سال ایسا ہوتا تھا۔

بخاری میں یہ حدیث یوں درج ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَجْوَدَ النَّاسِ وَکَانَ اَجْوَدُ مَایَکُوْنُ فِی رَمَضَانَ حِیْنَ یَلْقَاہُ جِبْرِیْلُ وَکَانَ یَلْقَاہُ فِیْ کُلِّ لَیْلَۃٍ مِنْ رَمَضَانَ فَیُدَارِسُہُ الْقُرْاٰنَ۔

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے۔ آپؐ کی جود وسخا کو کوئی شخص نہیں پہنچ سکتا تھا نہ پہنچا اور نہ ہی آئندہ بھی پہنچے گا۔ لیکن آپؐ کی یہ سخاوت رمضان شریف کے مہینہ میں اور بھی بڑھ جاتی اور وہ اس لئے کہ رمضان میں جبریل علیہ السلام نازل ہوتے فَیُدَارِسُہُ الْقُرْاٰنَ اور آپؐ سے مل کر قرآن مجید کا دَور کرتے۔

ان دنوں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آسمان سے اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کو بارش کی طرح اترتے دیکھتے تو آپؐ کی سخاوت اور جود وکرم میں بھی ایک تیزی پیدا ہو جاتی اور آپ ان ہواؤں کی نسبت بھی جو موسلا دھار بارش لاتی ہیں زیادہ سخی نظر آتے۔

اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ فرما کر گویا یوں کہا کہ اے میرے بندو! دیکھو یہ رمضان وہ ہے کہ جب

قرآن کریم نازل ہونا شروع ہوا تو اسی مہینہ میں شروع ہوا۔ دوسرے گیارہ مہینے بھی تو تھے ان میں بھی نازل کیا جا سکتا تھا مگر خدا تعالیٰ نے اپنی بالغ حکمت اور اپنے کامل علم کی بِنا پر نزول قرآن کریم کے لئے اسی مہینہ کو چنا اور اسی میں اس کے نزول کی ابتدا ہوئی۔

پھر کتنی تاکید کے ساتھ، کتنی حکمتیں بیان کرنے کے بعد اور کتنے دلائل دے کر اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ حکم دیا کہ رمضان کے مہینے میں روزے رکھو اور عبادات پر زور دو تا الٰہی فضلوں کے تم وارث بنو۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میری نگاہ میں اس مہینے کی اتنی قدر ہے کہ میں ہر سال اس مہینہ میں جبرئیل کو بھیجتا ہوں تا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مل کر قرآن کریم کا دَور کرے۔

پس ان باتوں کو مدّنظر رکھتے ہوئے تم خود اندازہ کر سکتے ہو کہ کتنی برکتیں ہیں جن کا تعلق اس مہینہ سے ہے اور تمہیں کس قدر کوشش کرنی چاہیے کہ تم ان برکات سے زیادہ سے زیادہ فیض حاصل کرسکو۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ قرآن جو رمضان کے مہینہ میں اترنا شروع ہوا اور پھر بار بار اس میں نازل ہوتا رہا۔ یہ کوئی معمولی کتاب نہیں جس کے لئے اس مہینہ کو چنا گیا ہے۔ بلکہ هُدًى لِّلنَّاسِ یہ وہ پہلی کامل شریعت ہے جو تمام بنی نوع انسان کے لئے بطور ہدایت بھیجی گئی ہے۔

ھدایة کے ایک معنی اس الٰہی شریعت کے ہیں جو انبیاء اللہ اپنے ساتھ لے کر دنیا کی طرف آتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ کتاب رمضان کے مہینہ میں اُتری ہے۔ هُدًى لِّلنَّاسِ یہ تمام بنی نوع انسان کو قیامت تک بحیثیت ایک شریعتِ کاملہ فائدہ اور برکت پہنچاتی رہے گی۔

ایک معنی ھدایة کے یہ بھی ہیں کہ یہ کتاب بنی نوع انسان پر ٹھونسی نہیں گئی بلکہ اس میں انسانی صلاحیتوں اور استعدادوں کے مطابق لوگوں کو عبادات اور اعمالِ صالحہ بجالانے کا طریق بتایا گیا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ یہ شریعت جو انسان کے لئے نازل کی گئی ہے وہ اس کی استعدادوں، صلاحیتوں اور قابلیتوں کو مدّنظر رکھ کر نازل کی گئی ہے اور قیامت تک انسان میں جو جو نئی سے نئی قابلیتیں پیدا ہوتی رہیں گی وہ بھی ہم سے پوشیدہ نہیں۔ کیونکہ ہم عالم الغیب ہیں۔

اس لئے آج کے انسان سے لے کر اس آخری انسان تک جو اس دنیا میں پیدا ہوگا اور مُلکِ عرب سے لے کر تمام ان ملکوں کی اقوام تک جو اکنافِ عالم میں آج موجود نہیں یا آئندہ پیدا ہوں گی ان سب کی صلاحیتوں اور استعدادوں کو مدِّنظر رکھتے ہوئے ہم نے یہ عظیم الشان کتاب بنی نوع انسان کے ہاتھ میں دی ہے۔

تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ وہ قرآن ہے۔ اتنا عظیم الشان قرآن کہ جس کا تعلق ہم نے ماہِ رمضان کے ساتھ بڑی مضبوطی سے قائم کر دیا ہے۔

پھر هُدًى لِّلنَّاسِ میں یہ بھی فرمایا کہ قرآن کریم صرف انسانی صلاحیتوں اور استعدادوں کے مطابق ہی نہیں بلکہ اس میں ایک یہ بھی خوبی پائی جاتی ہے کہ بندے کی ہدایت کو درجہ بدرجہ بڑھاتا چلا جاتا ہے کیونکہ جس طرح ایک طالب علم پہلی جماعت کا نصاب ختم کرنے کے بعد اس قابل ہو جاتا ہے کہ وہ دوسری جماعت میں بیٹھے اور دوسری جماعت کا نصاب ختم کرنے کے بعد وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ تیسری جماعت میں بیٹھے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کے جو نیک بندے ہیں جب وہ ہدایت کے ایک درجہ پر پہنچتے ہیں اور الٰہی احکام کو بجالاتے ہوئے اپنے آپ کو اس قابل بنا لیتے ہیں کہ اس درجہ کی ہدایات سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکیں تو اللہ تعالیٰ ان کے درجہ کو اور بلند کر دیتا ہے اور ہدایت کی نئی راہیں ان پر کھولتا ہے۔ تو ہدایت کے معنوں میں یہ بات بھی شامل ہے کہ مزید ہدایت کی جو خواہش یا استعداد پیدا ہو جاتی ہے اس کے مطابق مزید ہدایت کے سامان بھی اس میں موجود ہیں۔

پس فرمایا کہ یہ کوئی معمولی کتاب نہیں بلکہ ایسی عظیم الشان کتاب ہے کہ صرف ایک دفعہ ہدایت دے کر پھر پیچھے ہٹ کر کھڑی نہیں ہو جاتی بلکہ ہمیشہ تمہیں اس کی ضرورت رہتی ہے۔ جتنی جتنی تم ایمان اور عرفان میں ترقی کرتے جاتے ہو۔ قرآن کریم تمہیں اس سے آگے ہی راستہ دکھاتا چلا جاتا ہے اور کہتا ہے کہ تمہاری انتہائی منزل ابھی نہیں آئی۔ آؤ میں تمہیں اس سے بھی آگے لے جاؤں۔ پھر وہ تمہارا ہاتھ پکڑتا ہے اور اگلی ہدایات کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور اپنے قرب کی نئی راہیں تم پر کھولتا ہے۔

تو فرمایا کہ اتنی عظیم الشان کتاب کو ہم نے رمضان شریف میں نازل فرمایا ہے۔ هُدًى لِّلنَّاسِ میں ایک بڑا زبردست دعویٰ پیش کیا گیا ہے۔ فرمایا کہ اب یہی ایک کتاب ہے جس پر عمل کر کے تمہارا انجام بخیر ہوسکتا ہے اور تم جنت موعودہ کو پا سکتے ہو۔

دنیا کی دوسری تعلیمیں فلسفیانہ ہوں یا مذہبی، ان کے اندر کچھ ایسی باتیں تو ضرور پائی جاتی ہیں کہ جن پر عمل کر کے ہم اس دنیا میں ترقی کر سکتے ہیں لیکن یہاں فرمایا کہ قرآن کریم کے علاوہ دنیا میں ایسی کوئی کتاب موجود نہیں جو انسان کی ضرورتوں کو اس طور پر پورا کر سکے کہ اس کی اخروی زندگی بھی اس کے لئے جنت بن جائے۔ یہ صرف قرآن کریم ہی ہے جس کے ذریعہ انسان کا انجام بخیر ہوتا ہے اور اس کو جنت نصیب ہوتی ہے۔

پھر فرمایا وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى یعنی جب قیامت تک تمام بنی نوع انسان کے لئے یہ قرآن مجید ہدایت ہے۔ اور دوسری جگہ ہمیں اسلامی تعلیم میں یہ بھی ملتا ہے کہ انسان اس دنیا میں نسلاً بعد نسلٍ ہر لحاظ سے ترقی کرتا چلا جائے گا۔ اس کا علم بھی، اس کی عقل بھی اور اس کا اندازِ فکر بھی ترقی کی راہ پر چلتا چلا جائے گا۔ تو آخر ایسا زمانہ آ جائے گا کہ جب انسان یا انسانوں میں سے اکثر حصہ محض دین العجائز پر قانع نہیں رہے گا بلکہ وہ کہے گا کہ ہم نے مان لیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور کہ اس پر ہمیں عمل بھی کرنا ہے لیکن ہمیں تسلی نہیں جب تک کہ ہمیں اس حکم کی حکمتیں نہ بتائی جائیں اور دلائل نہ سمجھائے جائیں وغیرہ وغیرہ گویا اس میں ایک پیشگوئی بھی مضمر تھی۔

تو فرماتا ہے کہ اس تعلیم میں جہاں جہاں دعویٰ پیش کیا گیا ہے اس کے عقلی دلائل بھی پیش کر دیئے گئے ہیں جہاں کہیں حکم دیا گیا ہے ساتھ ہی اس کی حکمتیں بھی بیان کر دی گئی ہیں۔ انسانی دماغ خواہ ترقی کی کتنی منازل طے کرتا چلا جائے خواہ کتنے ہی بلند مقام پر پہنچ جائے۔ بہرحال وہ قرآن کریم کا محتاج رہے گا۔

وَ الْفُرْقَانِ اور اس قرآن میں ایسے نشانات اور دلائل رکھے گئے ہیں جو حق اور باطل کے درمیان امتیاز قائم کر دیتے ہیں حتی کہ کوئی اشتباہ باقی نہیں رہتا جیسا کہ خود انہی آیات میں اللہ تعالیٰ نے قبولیت دعا کا ذکر کیا ہے یہ ایک ایسی چیز ہے کہ اس کے سامنے باطل ٹھہر ہی نہیں سکتا۔

الغرض اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ رمضان میں روزے اس لئے فرض کئے گئے ہیں کہ تم سہامُ اللیل (دعاؤں) کے پھلوں کو تیز کرو اور اپنے مطلوب (رضاءِ الٰہی) کی تلاش میں نکلو۔ پیاس اور بھوک کو برداشت کرو اور بے خوابی کو خدا تعالیٰ کا فضل سمجھو۔ کیونکہ یہ ایسا برکتوں والا مہینہ ہے کہ جس میں قرآن کریم جیسا کلام الٰہی نازل کیا گیا ہے۔ اس لئے فَمَنۡ شَهِدَ مِنۡكُمُ الشَّهۡرَ فَلۡيَصُمۡهُ تم میں سے جو شخص بھی بلوغت، صحت اور حضر میں یہ ماہ پائے وہ اس کے روزے رکھے۔

شَهِدَ کے ایک معنی ہیں عَايَنَهٗ وَاطَّلَعَ عَلَيۡهِ کہ اس کا معائنہ کیا اور اس پر اطلاع پائے۔ یعنی ہم نے جو اس روزہ کی حکمتیں بیان کی ہیں۔ اگر تم ان کا اچھی طرح مطالعہ کرو اور ان پر اطلاع پاؤ تو پھر تمہیں اس ماہ کے روزے پوری طرح اور مقرر کردہ شرائط کے مطابق رکھنے چاہئیں بلکہ تم خود بخود اس کے روزے رکھو گے سوائے اس کے کہ کوئی روحانی کمزوری تم میں موجود ہو۔

آگے فرمایا يُرِيۡدُ اللّٰهُ بِكُمُ الۡيُسۡرَ وَلَا يُرِيۡدُ بِكُمُ الۡعُسۡرَ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے تنگی نہیں چاہتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ جو تنگیاں تمہیں نظر آتی ہیں کہ صبح سے شام تک کھانا پینا چھوڑنا جس کی وجہ سے بھوک اور پیاس لگتی ہے۔ پھر سخت گرمی کے موسم میں اور سخت سردی کے موسم میں کچھ اور تکالیف پیش آتی ہیں۔ فرمایا یہ جو تکالیف تمہیں پیش آتی ہیں یہ محض عارضی اور وقتی ہیں۔

اتنا پیارا خدا اتنا پیارا ربّ جس نے قرآن کریم جیسی اعلیٰ تعلیم تم پر نازل کی اور بے شمار دنیوی نعمتوں سے تمہیں محض اپنے فضل سے نوازا، وہ ہرگز پسند نہیں کرے گا کہ وہ تمہیں ان تکالیف میں اس لئے مبتلا کرے کہ تا تمہیں دکھ پہنچائے۔ نہیں بلکہ وہ تو تمہارے لئے آسانی پیدا کرنا چاہتا ہے کیونکہ اگر تم ان خفیف سی وقتی تکالیف کو برداشت کر لو گے تو ان کے بدلے میں وہ تمہیں وہ انعام اور اکرام بخشے گا کہ انہیں پا کر تمہیں یہ دکھ، دکھ ہی نظر نہ آئے گا۔ پھر فرمایا وَلِتُكۡمِلُوا الۡعِدَّةَ اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ ہم نے تم پر روزے فرض کئے تو یہ حکم بھی دیا کہ

سارے رمضان کے روزے رکھو تا کہ تم اس کی گنتی کو پورا کرو۔ اگر صرف یہ حکم ہوتا کہ روزے رکھو تو کوئی بیس دن کے روزے رکھتا۔ کوئی دس دن کے، کوئی رمضان کے مہینے میں رکھتا کوئی دوسرے مہینوں میں۔

پس ہم نے رمضان میں روزے رکھنے کا اس لئے حکم دیا تا کہ اُمت مسلمہ ساری کی ساری اس سارے مہینے میں روزے رکھے اور ان اجتماعی برکات سے فائدہ اٹھائے جو اجتماعی عبادات سے تعلق رکھتی ہیں۔

دوسرے اس کے معنی یہ ہیں اور یہ زیادہ لطیف ہیں کہ جو زندگی تمہیں دی گئی ہے اسے تم پورا کرو۔ اس کا کمال تمہیں حاصل ہو۔ اس میں اشارۃً ہمیں بتایا کہ اگر کسی شخص کے پاس مثلاً سَو روپیہ ہے۔ اگر اس میں سے بیس روپے گم ہو جائیں یا چوری ہو جائیں اور باقی وہ خرچ کرے تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس نے تمام سَو روپیہ خرچ کیا ہے کیونکہ اس کے پاس خرچ کرنے کے لئے تو صرف اسّی روپے رہ گئے تھے سَو کا سَو روپیہ وہی خرچ کرتا ہے جس کے پاس وہ سَو کا سو روپیہ موجود بھی ہو۔

فرماتا ہے کہ تم میں سے ہر ایک کو ہم نے ایک پیمانہ کے مطابق عمر دی ہے اور ہم نے تم پر دینی فرائض اس لئے واجب کئے ہیں تا کہ تم اپنی عمر کو پوری طرح گزار سکو اور اس کا کوئی لمحہ ضائع نہ ہو۔ ایک شخص کی عمر سَو سال ہو اس میں سے ۲۰ سال اس نے دنیا کی لہو ولعب میں ضائع کر دیئے ہوں تو حقیقتاً اس نے سَو سال کی زندگی نہیں گزاری کیونکہ بیس سال اس نے مردہ ہونے کی حالت میں گزارے ہیں۔ سَو سال کی عمر پانے والا سَو سال کی زندگی اسی صورت میں صحیح طور پر گزارتا ہے جس صورت میں کہ اس نے ساری زندگی اپنے اللہ کی اطاعت میں گزاری ہو۔ جس شخص نے اپنی زندگی کے چند لمحات یا زیادہ وقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے پہلو تہی کرتے ہوئے، اس سے منہ موڑتے ہوئے، نیک نیتی اور اخلاص کو بالائے طاق رکھتے ہوئے گزارا ہو اس کی عمر کا وہ حصہ ضائع ہو گیا اور نہیں کہہ سکتے کہ اس نے اپنی پوری عمر جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا کی تھی وہ حقیقتاً اس نے اس دنیا میں گزاری کیونکہ یہاں کی پیدائش کا ایک مقصد ہے اور جو حصہ عمر اس مقصد

کے خلاف خرچ ہوتا ہے وہ عمر ضائع جاتی ہے۔

پس فرمایا کہ اگر تم ماہ رمضان کی برکات سے پوری طرح فائدہ اٹھانا چاہتے ہو اور اس کے لئے اپنی عمر کو خرچ کرتے ہو تو دیگر برکات کے علاوہ تمہیں ایک یہ برکت بھی حاصل ہوگی کہ تمہیں اللہ تعالیٰ دوسری نیکیاں کرنے کی بھی توفیق دے گا اور اس مہینہ کے بعد جو گیارہ ماہ اور تمہاری زندگی میں آنے والے ہیں وہ بھی حقیقی معنی میں تم خدا کی راہ پر خرچ کرنے والے ہوگے۔

تو جو شخص رمضان شریف کو نیک نیتی اور اخلاص کے ساتھ گزارتا ہے تو بقیہ سال کے گیارہ مہینوں میں بھی وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کی توفیق پاتا ہے اور اس طرح اس کی ساری زندگی نیکیوں میں گزرتی ہے اور کہا جاسکتا ہے کہ اس نے اپنی ساری عمر اس مقصد کے لئے گزاری جس کے لئے اسے پیدا کیا گیا تھا۔

وَ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس مہینہ میں مَیں تم پر اتنی روحانی نعمتیں اور برکتیں نازل کروں گا کہ تم اپنے آپ کو مجبور پاؤ گے کہ اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا اعلان کرتے پھرو اور پھر تم قربانی کے ہر موقع کو تکلیف اور دکھ نہیں سمجھو گے بلکہ فضل الٰہی جانو گے وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ اور یہ فضل تم پر اس لئے بھی نازل ہوں گے کہ تمہارے دل اس کے شکر سے بھر جائیں اور جس مومن کا دل اس کے شکر سے بھر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے فضلوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ اور دَور اس کے لئے شروع ہو جاتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ خود فرماتا ہے لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ (ابراھیم: ۸) یعنی میرا شکر کرو گے تو میں تمہیں اور زیادہ دوں گا۔

پس جب اللہ تعالیٰ کا انعام نازل ہوا اس لئے کہ اس نے ہماری حقیر سی کوشش کو قبول فرمالیا تو اس کے نتیجہ میں ہمارے دل میں شکر کے جذبات پیدا ہوئے فرمایا لَاَزِيْدَنَّكُمْ کہ میں تمہیں اور نیکیوں کی توفیق بخشوں گا۔ پھر اس کی وجہ سے اور شکر کے جذبات پیدا ہوں گے۔ گویا اس طرح ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ اسی تسلسل اور مخلصانہ نیت کی وجہ سے اُخروی زندگی محدود اعمال کے باوجود ابدی زندگی ہو جائے گی۔

پھر فرمایا وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ کہ جب میں نے اپنے بندوں کو یہ بتایا

کہ تم پر بڑے انعامات نازل ہوں گے بڑا فضل نازل ہوگا اور تم خدا کے مقرب بن جاؤ گے تو اس پر میرے بندے کہیں گے کہ ہمارا ربّ تو محض کبریائی ہے۔ محض پاکیزگی ہے۔ رفیع الدرجات ہے۔ تمام صفاتِ حسنہ سے متصف ہے کمال تام اسی کو حاصل ہے اور وہ اتنا اَرفع اور اعلیٰ ہے کہ اس کی رفعتوں تک ہمارا تخیل بھی نہیں پہنچ سکتا اور نہ ہی اس کی رفعتوں کی کوئی انتہا ہے۔ لیکن جب ہم اپنے کو دیکھتے ہیں تو اپنے کو خطا کار، گنہگار اور نہایت ضعیف پاتے ہیں۔ اس طرح ہمارے درمیان اور ہمارے ربّ کے درمیان لامتناہی فاصلے پائے جاتے ہیں۔ کیا ہماری حقیر کوششوں کے نتیجہ میں ہمیں اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوسکتا ہے؟

فرمایا۔ جب میرے بندے تجھ سے اس معاملہ کے متعلق سوال کریں تو تم انہیں کہہ دو کہ بے شک تم کمزور بھی ہو۔ تم گنہگار بھی ہو۔ تم خطا کار بھی ہو۔ میں تمام بلندیوں کا مالک اور تمام رفعتیں میری طرف ہی منسوب ہوتی ہیں لیکن میری ایک اور صفت بھی ہے اور وہ یہ کہ اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا (الزّمر: ۵۴) کہ اگر میں چاہوں تو مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ہونے کی وجہ سے اپنے بندوں کے تمام گناہوں کو بخش بھی دیا کرتا ہوں اور جب گناہ میری مغفرت کی چادر کے نیچے چھپ جائیں تو پھر میرے اور تمہارے درمیان جو گناہوں کے فاصلے ہوں گے وہ مٹ جائیں گے اور میں خود آسمانوں سے اتروں گا اور تمہارے قریب آ جاؤں گا اور تمہیں اپنا مقرب بنا لوں گا۔ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ اور اس کی علامت یہ ہوگی کہ تم دعا کرو گے تو میں اسے قبول کر لوں گا تا کہ دنیا یہ نہ کہہ سکے کہ تمہارا یہ دعویٰ کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کا جو قرب حاصل ہے وہ اسلام کی تعلیم پر عمل کرنے کی برکت سے حاصل ہوا ہے یہ محض تمہارے منہ کی باتیں ہیں۔ اس قرب کی دلیل مہیا کرنے کے لئے میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا تا کہ دنیا یقین کر لے کہ تمہارا یہ دعویٰ کہ تم اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے وارث ہو۔ واقعی سچا ہے۔ اگر تم گریہ وزاری اور عجز وانکسار اور تذلّل کے ساتھ میرے سامنے جھکتے رہو گے تو دنیا اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ کے نظارے بھی دیکھتی چلی جائے گی۔

دعا اور قبولیت دعا کے متعلق ہمیں یہ یاد رکھنا بھی ضروری ہے کہ ہمارا ربّ ہماری دعائیں

قبول تو کرتا ہے لیکن اپنے فضل اور اپنی مرضی سے۔ بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ گویا خدا تعالیٰ ہمارا غلام ہے (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ) اس کا فرض ہے کہ ہماری دعا کو اس رنگ میں قبول کرے جس رنگ میں کہ ہم چاہتے ہیں۔ لیکن یہ خیال بالکل غلط ہے کیونکہ وہ تو تمام طاقتوں کا مالک ہے اور وہ محض اپنے فضل سے نہ کہ ہماری کسی خوبی کی وجہ سے ہمارے لئے قرب کی راہیں کھولتا ہے اور ہماری دعاؤں کو قبول کرتا ہے۔ چونکہ وہ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ہے۔ ہم نہیں جانتے مگر وہ جانتا ہے کہ جو دعا ہم اپنے لئے جس رنگ میں مانگ رہے ہیں وہ ہمارے لئے اچھی بھی ہے یا نہیں۔ تب بعض دفعہ وہ ہماری دعاؤں کو قبول کرتے ہوئے ہمارے لئے خیر کی راہیں اس طرح کھول دیتا ہے کہ جو ہم نے مانگا تھا وہ نہیں دیتا اور جو ہم نے نہیں مانگا تھا وہ ہمیں دے دیتا ہے۔

پھر وہ ہمارے اخلاص اور محبت کے دعویٰ کی آزمائش بھی کرتا ہے کہ کیا ہم اپنے دعویٰ میں سچے بھی ہیں یا نہیں۔ پھر بسا اوقات ہماری دعا اور قبولیت دعا کے درمیان بڑا زمانہ گزرتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے براہین احمدیہ میں اس کے متعلق ایک بڑا لطیف نوٹ دیا ہے۔

فرمایا:۔

> ’’غرض ایسا ہوتا ہے کہ دعا اور اس کی قبولیت کے درمیانی اوقات میں بسا اوقات ابتلا پر ابتلا آتے ہیں اور ایسے ابتلا بھی آ جاتے ہیں جو کمر توڑ دیتے ہیں مگر مستقل مزاج، سعید الفطرت ان ابتلاؤں اور مشکلات میں بھی اپنے ربّ کی عنایتوں کی خوشبو سونگھتا ہے اور فراست کی نظر سے دیکھتا ہے تو اس کے بعد نصرت آتی ہے اور ان ابتلاؤں کے آنے میں پھر یہ ہوتا ہے کہ دعا کے لئے جوش بڑھتا ہے‘‘۔

پھر فرمایا فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ کہ دعا کا نشان دیکھ کر مومن بندوں کو یقین کر لینا چاہیے کہ میں نے جو احکام بھی ان کے لئے آسمان سے نازل کئے ہیں وہ ان کی بہتری کے لئے ہی ہیں۔ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ چاہیے کہ وہ میری توحید پر ایمان لائیں اور میری صفات کی معرفت حاصل کریں اور تخلق باخلاق اللہ کی طرف وہ متوجہ ہوں اور اس کی توفیق انہیں صرف اسی صورت میں مل سکتی ہے۔

لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ کہ وہ ہدایت پر استقامت سے قائم ہو جائیں۔

رُشْد کے معنی ہیں نیکیوں پر دوام اور یہ بڑی ضروری چیز ہے جو شخص چند روزہ نیکیوں کے بعد پھر اپنی زندگی کا ایک حصہ اللہ تعالیٰ کی بغاوت میں گزارتا ہے وہ اس کے فضلوں کو کبھی حاصل نہیں کر سکتا۔ اس کے فضلوں کو حاصل کرنے کے لئے رُشْد کی ضرورت ہے اور رُشْد کے معنی عربی زبان میں یہ ہیں کہ ہدایت پا گیا اور اس پر قائم رہا۔

پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے تمہارے لئے ہدایت کے سامان بھی مہیا فرمائے ہیں اور پھر تم ماہ رمضان میں قبولیت دعا کے نمونے بھی دیکھتے ہو لیکن اگر تم مستقل طور پر میری اطاعت کو اختیار نہیں کرو گے تو میرے فضل بھی تم پر مستقل طور پر نازل نہیں ہوں گے اور نہ ہی تمہارا انجام بخیر ہوگا۔ انجام بخیر اسی کا ہوتا ہے جو اپنی زندگی کے آخری سانس تک اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا جؤا اپنی گردن پر رکھے۔

الغرض اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان دو چھوٹی سی آیات میں جو حکمت اور ہدایت کی باتیں بتائی ہیں اس سے جو نتیجے نکلتے ہیں ان میں سے اوّل تو یہ ہے کہ رمضان شریف کا قرآن مجید کے ساتھ بڑا گہرا تعلق ہے اس لئے رمضان شریف میں تلاوت قرآن مجید بڑی کثرت سے کرنی چاہیے۔ ہمارے بعض بزرگ تو ایسے بھی گزرے ہیں جنہوں نے اپنی ساری عمریں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے جمع کرنے میں گزار دیں۔ لیکن جب رمضان آتا تو وہ حدیث کا سارا کام بستوں میں لپیٹ دیتے اور کہتے کہ اب یہ قرآن مجید پڑھنے کا مہینہ ہے۔ حتی کہ ان میں سے کئی ایک تو ایک ایک دن میں قرآن کریم کا دور ختم کرتے یعنی رمضان شریف کے ایک مہینے کے اندر وہ تیس دفعہ قرآن کریم کو پڑھتے۔

دوسری بات یہ کہ جب قرآن هُدًى لِلنَّاسِ ہے۔ اور اس میں بَيِّنَاتِ ہدایت بھی درج ہیں اور پھر وہ اَلْفُرْقَان بھی ہے تو ہمارا فرض ہے کہ ہم تلاوت کرتے ہوئے قرآن کریم کی آیات پر غور کریں اور فکر اور تدبّر سے کام لیں اور ساتھ ہی دعا بھی کریں کہ اے اللہ! ہمیں علمِ قرآن عطا کر اور اس کے حقیقی معنی سمجھا۔

تیسری بات جو بیان ہوئی ہے۔ وہ فَلْيَصُمْهُ ہے کہ اس مہینے کے روزے رکھے۔ یہ ایک حکم ہے۔ کسی کو سمجھ آئے یا نہ آئے اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ مسلمان کا اتنا تو ایمان ضرور ہوتا ہے کہ قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے۔ اور اس میں روزے رکھنے کا حکم ہے۔ اس لئے روزے رکھنے چاہئیں۔

چوتھی بات یہ کہ جو شخص سفر پر ہو یا بیمار ہو تو وہ اتنے دن کے روزے بعد میں رکھے۔ یہاں یہ نہیں فرمایا کہ جو سفر پر ہو یا بیمار ہو اور وہ روزے نہ رکھ سکے تب وہ ان روزوں کو پورا کرے۔ تو ان الفاظ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص غلطی سے بیماری میں روزہ رکھ لیتا ہے یا سفر میں روزہ رکھ لیتا ہے تو قرآن کریم کی اس آیت پر تبھی وہ کاربند رہ سکتا ہے کہ ان روزوں کے باوجود کسی اور وقت میں روزے رکھے۔ کیونکہ قرآن کریم نے تو یہ کہا ہی نہیں کہ روزے چھوٹیں تب اور وقت میں روزے رکھو۔ قرآن کریم نے تو صرف یہ فرمایا ہے کہ جو دن رمضان کے ایسے آئیں جن میں تم بیمار ہو یا سفر میں ہو تو ان دنوں کے روزے تم نے دوسرے دنوں میں رکھنے ہیں۔ مگر بہانہ جُو بھی نہیں بننا چاہیے بات یہ ہے کہ سفر کے متعلق بعض لوگ کہہ دیتے ہیں ''جی اَج کل دے سفر دا کی اے۔ بڑا آرام ہے ریل وچ بیٹھے ایتھوں اوتھے پہنچ گئے'' لیکن اگر روزہ رکھنا عبادت ہے۔ تو عبادت خواہ جونسی بھی ہو۔ اسے ہم نے اس کی پوری شرائط کے مطابق ادا کرنا ہے۔ مثلاً قرآن کریم کا پڑھنا، نوافل ادا کرنا، رات کو جاگنا، دن کو بھوکے اور پیاسے رہنا۔ پھر بری عادتوں کو چھوڑنا اور کئی نیکیوں کے کرنے کا اپنے ربّ سے وعدہ کرنا وغیرہ کئی چیزیں ہیں جن کا تعلق رمضان کے مہینے سے ہے۔ سو اگر رمضان کی عبادت کما حقہ ہم نے ادا کرنی ہے تو یقینی بات ہے کہ چاہے ریل کا سفر ہو۔ یا ہوائی جہاز کا ہم اس عبادت کو سفر میں یا بیماری میں کماحقہٗ ادا نہیں کر سکتے۔ ایک شخص بیماری کی وجہ سے مثلاً نوافل ادا نہیں کر سکتا اور نہ ہی رات کو دعا کرنے کا موقع پاتا ہے۔ تو ایک طرح اس نے اس عبادت سے پوری طرح فائدہ نہ اٹھایا صرف بھوکا پیاسا رہنا ہی تو روزے کا مقصد نہیں کہ صبح صبح کسی کو اس کے گھر والے اٹھائیں۔ یا سوئے سوئے اس کے منہ دودھ کا پیالہ یا ہارلکس کا ایک گلاس ڈال دیں اور پھر وہ لیٹ جائے اور سارا دن سوتا رہے اور پھر

شام کے وقت اس کو افطاری کے لئے اٹھا دیا جائے۔

یہ کوئی روزہ نہیں نہ یہ رمضان کی عبادت کہلائے گی بہر حال بہانہ بھی نہیں کرنا چاہیے کہ کسی طرح روزے کو چھوڑ دیا جائے۔ بیماری کے متعلق تو بہانہ بنانا آسان ہے اس لئے بڑی احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے یہ صرف ڈاکٹر ہی فیصلہ دے سکتا ہے کہ یہ بیماری ایسی ہے کہ جس کی وجہ سے روزہ چھوڑا جائے۔ بعض بیمار ایسے ہوتے ہیں کہ بظاہر چنگے بھلے معلوم ہوتے ہیں چلتے پھرتے بھی ہیں لیکن ڈاکٹر یہ فیصلہ دے دیتا ہے کہ وہ روزہ نہ رکھیں۔ مثلاً ایک شخص بلڈ پریشر کا بیمار ہے۔ اور ڈاکٹر کے نزدیک اس کا روزہ رکھنا اس کے لئے خطرناک ثابت ہو حالانکہ وہ چلتا پھرتا ہوگا۔ باتیں بھی کرتا ہوگا۔

اسی طرح بعض ایسی بیماریاں بھی ہوسکتی ہیں کہ ڈاکٹر یہ فیصلہ دے کہ اس بیماری میں روزہ رکھنا مضر نہیں بلکہ مفید ہوگا۔

پس ہمیں بہانہ بنا کر روزہ نہ چھوڑنا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ سے تو کوئی چیز مخفی نہیں اور نہ کسی کی حالت چھپی ہوئی ہے۔ ہم اس کے ساتھ فریب یا چالاکی سے کام نہیں لے سکتے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں رمضان سے جو کل شروع ہوگا اور اس کی برکات سے زیادہ سے زیادہ حصہ لینے کی توفیق بخشے اور جب اس کی رحمت جوش میں آئے۔ تو ہمارے گناہوں کی طرف وہ نہ دیکھے۔ بلکہ اپنی رحمت کے جوش میں ہم پر رحمت کے بعد رحمت فضل کے بعد فضل اور برکت کے بعد برکت نازل کرتا چلا جائے اور وہ ہمیں توفیق دے کہ ہم اس کی عبادت پر استقامت کے ساتھ قائم رہیں اور ہمیں ثباتِ قدم عطا فرمائے اور ایک دفعہ ہمارے دلوں میں اپنی محبت کی چنگاری جگا کر پھر اسے کبھی نہ بجھنے دے بلکہ یہ آگ بڑھتی ہی چلی جائے۔ اے اللہ! ایسا ہی کر! آمین۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۱۹؍جنوری ۱۹۶۶ء صفحہ ۲ تا ۵)

روزوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ سبق دیا ہے کہ ہماری زندگیاں اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تابع ہونی چاہئیں

خطبہ جمعہ فرمودہ ۳۱؍دسمبر ۱۹۶۵ء بمقام بیت مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا۔ آج میں ماہ رمضان کی عبادات فرائض اور نوافل کے متعلق کچھ بیان کروں گا۔ اللہ تعالیٰ سورۃ البقرہ میں فرماتا ہے۔

اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلٰى نِسَآئِكُمْ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَ عَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَ ابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۠ وَ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۠ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ وَ لَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَ اَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِي الْمَسٰجِدِ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۔ (البقرۃ:۱۸۸)

اس آیہ کریمہ میں روزہ کے متعلق ایک بڑے حسین پیرایہ میں ہمیں یہ بتایا ہے کہ خدا تعالیٰ کی نگاہ میں صوم (روزہ) کسے کہتے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر یہ ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہیں روزہ رکھنے کی راتوں میں اپنی بیویوں کے پاس جانے کی اجازت ہے۔

عرب کے دستور کے مطابق اور ان کے خیال کی رو سے روزے کے دنوں میں ایسا فعل رات کو بھی جائز نہیں خیال کیا جاتا تھا فرمایا وہ تمہارے لئے ایک قسم کا لباس ہیں۔ یعنی تقویٰ کا ایک پیرہن تم ان کے ذریعہ حاصل کرتے ہو۔ اسی طرح تم بھی ان کے لئے تقویٰ کا پیرہن ہو۔ گویا تم ایک دوسرے کے لئے تقویٰ اللہ کے بعض تقاضوں کے پورا کرنے کا ذریعہ بنتے ہو۔

اس کے بعد فرمایا عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ الاٰیۃ کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ تم اپنے نفسوں کی حق تلفی کرتے تھے یہ حق تلفی کرنے کے معنی نئے ہیں۔ کیونکہ پہلی بار غالباً حضرت مصلح موعود (رضی اللہ عنہ) نے تفسیر صغیر میں یہ معنی بیان فرمائے ہیں۔ ورنہ پہلے مفسر اس کا کچھ اور ہی ترجمہ و تفسیر کیا کرتے تھے۔

تو فرمایا مجھے معلوم ہے کہ تم اپنے نفسوں کی حق تلفی کرتے تھے اور جہاں تک تسکین نفس کی تمہیں اجازت دی گئی ہے۔ تم اس سے بھی پرہیز کرتے تھے۔ یہ دیکھ کر اس نے اپنے فضل سے اپنا یہ حکم تمہارے لئے کھول کر بیان کر دیا۔ اور عَفَا عَنْكُمْ اس طرح تمہاری حالت کی اصلاح کر دی اور تمہاری عزت کے سامان کر دیئے۔

یہاں خدا تعالیٰ نے ایک بنیادی اصول کی طرف بھی متوجہ کیا ہے۔ اور وہ یہ کہ خدا تعالیٰ کی رضا کی راہوں کی تعیین اگر بندہ اپنے طور پر کرنے لگے۔ تو وہ اپنے حقوق بھی تلف کر جاتا ہے اور دوسروں کے حقوق کا تو کہنا ہی کیا۔ اس لئے دین کے معاملہ میں یہ ضروری تھا کہ قرب کی راہوں اور شریعت کے اصول کی تعیین آسمان سے وحی الٰہی کے ذریعہ کی جائے۔ ورنہ انسان غلطیاں کرے گا اور اپنے بھی اور دوسروں کے حقوق بھی تلف کر دے گا۔

تو فرمایا فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ اسی لئے ہم نے تمہارے حقوق کی حفاظت کے لئے اس شریعت کو نازل کیا ہے اور تمہارے فائدے کے لئے ہی سب احکام اُتارے گئے ہیں۔ پس اب تم بلاخوف لَوْمَةٌ وَلَآئِمٍ اپنی بیویوں کے پاس جاؤ۔ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مقدر کیا ہے۔ اس کی جستجو کرو۔

وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ کے دو اور معنی بھی ہیں۔ اوّل بغی کے معنی طلب کرنے کے

ہوتے ہیں اور کتاب ان فرائض کے مجموعہ کو کہتے ہیں جو وحی کے ذریعہ بطور شریعت انسان کو دیا جاتا ہے۔

فرمایا کہ تم روزے اس نیت سے رکھو۔ یا یہ کہ ہم نے روزوں کو تم پر اس لئے فرض کیا ہے کہ تا تم یہ سبق سیکھو کہ کتاب اللہ (یعنی آسمانی شریعت) کو اور اس کے تمام احکام کو اپنا مطلوب بنانا ہے۔ گویا وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ کے معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرائض تمہارے لئے مقرر کئے ہیں۔ ان کو اپنا مطلوب اور مقصود بناؤ۔ (اس کی قدرے زیادہ تفصیل میں آئندہ جا کر بیان کروں گا۔ جہاں روزہ کی حکمت بیان کی جائے گی)۔

تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ روزے کے دو حصے ہیں۔ ان دونوں کے درمیان اس بنیادی اصل کو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمادیا۔ کہ ہم نے روزے کو اس لئے فرض کیا ہے تا تم یہ سمجھ لو اور خوب پہچان جاؤ کہ تمہاری ترقیات کے لئے یہ ضروری ہے کہ تم سب فرائض کو اپنی زندگی کا مقصود اور مطلوب ٹھہراؤ۔ ابتغاء کا ایک اور مفہوم بھی چسپاں ہوسکتا ہے۔ وہ مفہوم ہے تجاوز کر جانا۔

یہ تجاوز کبھی بُرا ہوتا ہے کبھی اچھا یہ دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے تو یہاں فرمایا وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ کہ اگر تم مقامِ محمود کو حاصل کرنا چاہتے ہو تو فرائض تک ہی نہ ٹھہر جانا بلکہ اس سے بھی آگے بڑھنا اور نوافل کے ذریعہ مقامِ محمود کو حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔ اسی لئے رمضان کے روزوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے بہت سے نوافل جیسا کہ میں بعد میں بتاؤں گا بیان فرمادیئے ہیں۔

تو وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ کے تیسرے معنی یہ ہیں کہ تم فرائض کے علاوہ نوافل کی طرف بھی متوجہ رہنا۔ اس کے بغیر تمہیں مقامِ محمود حاصل نہیں ہوسکتا۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کھاؤ اور پیئو یہاں تک کہ تمہیں صبح کی سفید دھاری رات کی سیاہ دھاری سے الگ نظر آنے لگے اس کے بعد صبح سے رات تک روزوں کی تکمیل کرو۔

ماہ رمضان کے ساتھ جو فرض تعلق رکھتا ہے وہ ہے روزہ رکھنا۔ اب یہاں ہمیں یہ بتایا کہ روزہ صبح سے لے کر شام تک رکھنا ہوگا اور اس روزے کے وقت میں جہاں کھانے پینے سے رُکنا ہوگا وہاں جنسی تعلقات سے بھی احتراز ضروری ہوگا۔

ہر مومن بالغ اور عاقل کے لئے ضروری ہے کہ وہ روزہ رکھے اگر وہ بغیر جائز عذر شرعی روزہ نہیں رکھے گا تو وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک گنہگار ٹھہرے گا۔

یہاں میں یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سحری کے کھانے کو آخری وقت میں زیادہ پسند فرماتے تھے اور افطاری کو پہلے وقت میں۔ زید بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ تَسَحَّرْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ قُلْتُ كَمْ كَانَ بَيْنَ الْاَذَانِ وَالسَّحُوْرِ قَالَ قَدْرُ خَمْسِيْنَ اٰيَةً۔

رمضان کے مہینے میں ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سحری کا کھانا کھایا۔ اس کے بعد آپ نماز فجر کے لئے باہر تشریف لے گئے۔ ان سے پوچھا گیا کہ سحری کے کھانے اور نماز صبح کے درمیان کتنا فاصلہ تھا؟؟ انہوں نے کہا بس اتنا ہی جس میں قرآن کریم کی پچاس آیات پڑھی جا سکتی ہوں (یہ بھی ایک بڑا پیارا طریق بیان ہے کہ وقت کو منٹوں کی بجائے قرآن کریم کی آیات کی تلاوت کے ساتھ بیان کیا جائے۔ یہ بات بتاتی ہے کہ ان لوگوں کے دلوں میں قرآن کریم کا کتنا عشق تھا؟)

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت بلال محتاط قسم کے آدمی ہیں ابھی پو نہیں پھوٹتی کہ اذان دینے کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں اس لئے جب بلال اذان دے رہا ہو تو کھانا پینا نہ چھوڑا کرو اور انتظار کیا کرو کہ حضرت ابن اُمّ مکتوم (جو ایک نابینا صحابی تھے) اذان دیں وہ اسی وقت اذان دیتے تھے جب انہیں چاروں طرف سے آوازیں آتیں کہ فجر ہو گئی ہے۔ اذان دو۔ ان کی اذان کی آواز جب کان میں پڑے تو پھر سحری چھوڑ دو۔

کسی پوچھنے والے نے پوچھا کہ ان دونوں اذانوں میں کتنا فرق تھا اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اتنا ہی فرق تھا کہ بلال اذان بند کرتے اور ابن اُمّ مکتوم اذان شروع کرتے۔

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ سحری کا کھانا بالکل آخری وقت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھا۔

افطاری کے متعلق آپ کا یہ ارشاد ہے کہ بالکل پہلے وقت میں کر لینی چاہیے۔ چنانچہ بخاری شریف میں روایت ہے۔عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَا عَجَّلُوا الْفِطْرَ۔

کہ میری اُمت کے لوگ بھلائی کو اس وقت تک حاصل کرتے رہیں گے جب تک کہ وہ افطاری پہلے وقت میں کیا کریں گے۔

اس کے ایک لطیف معنی شارحین حدیث نے یہ کئے ہیں کہ حضور علیہ السلام کا مطلب یہ تھا کہ جب تک لوگ میری سنت پر عمل کرتے رہیں گے ان کا بھلا ہوگا۔ میں پہلے وقت میں افطاری کرتا ہوں اور جب تک میری امت میری سنت کی تابع رہے گی اور میری سنت پر عمل کرے گی اس وقت اللہ تعالیٰ کی بڑی برکتیں بھی اسے حاصل ہوتی رہیں گی۔

پس اوّل وقت میں افطاری اور آخری وقت میں سحری کھانا بڑی برکت کا موجب ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ہمیں اس کے مطابق عمل کرنا چاہیے تا اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی برکات سے نوازتا چلا جائے۔

پھر روزے کی عبادت کے متعلق جب ہم مزید غور سے کام لیتے ہیں تو ہمیں ایک اور لطیف بات معلوم ہوتی ہے۔ اس عبادت میں ہمیں کھانے پینے سے روکا گیا ہے اور کھانے پینے پر ایک فرد کی بقا کا انحصار ہے کیونکہ کوئی شخص کھائے پیئے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔

پھر ہمیں جنسی تعلقات سے بھی روکا گیا ہے اور جنسی تعلقات پر نسل کی بقا کا انحصار ہے۔ اس کے بغیر نسل انسانی جاری نہیں رہ سکتی۔اگر دنیا کے سارے لوگ وہ کیفیت اپنے پر وارد کر لیں جو روزہ کے وقت ایک روزہ دار کی ہوتی ہے تو یقیناً یہ دنیا اسی نسل میں ختم ہو جائے۔

تو بنیادی چیز جس کا اقرار اللہ تعالیٰ نے روزہ کے ذریعہ ہم سے لیا ہے وہ یہ ہے کہ ہم اپنی زندگی اور اپنی نسل کی زندگی۔ اے خدا! تیرے حوالے کرتے ہیں۔ کیونکہ ہمیں ان چیزوں سے بھی روکا گیا ہے جن پر ہماری زندگی کی بقا کا انحصار ہے اور اس چیز سے بھی روکا گیا ہے جس پر ہماری نسل کی بقا کا انحصار ہے گویا ہم سے خدا تعالیٰ یہ اقرار کرواتا ہے کہ ہمارا سب کچھ تیرا ہو گیا۔

تو اگر کہے تو ہم بھوکے پیاسے مرنے کے لئے تیار ہیں۔ اور تو اگر چاہے اور تیری رضا اسی میں ہو تو ہماری نسلیں بھی تجھ پر قربان۔

پس یہ ایک بنیادی منشا ہے جس کے گرد قرآن کریم اور اسلامی شریعت کے تمام احکام چکر لگاتے ہیں اسی وجہ سے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ باقی عبادتوں کا تو اپنا اپنا ثواب ہے۔ لیکن روزہ میرے لئے ہے اور میں خود روزے دار کی جزاء ہوں۔ اس میں بھی اسی طرف اشارہ ہے۔

غرض ماہ رمضان کے روزے جو ہم پر فرض کئے گئے ہیں ان کے ذریعہ دراصل ہم سے عملاً یہ اقرار لیا جاتا ہے کہ ہماری زندگی بھی تیری راہ میں قربان اور ہماری نسل بھی تیری راہ میں قربان اور اسی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ جس شخص نے روزہ کی اس روح کو نہیں پایا اسے یاد رکھنا چاہیے کہ خدا تعالیٰ تمہیں بھوکا پیاسا نہیں رکھنا چاہتا۔ نہ اسے اس سے کوئی فائدہ ہے اور نہ کوئی غرض۔

پس اس روزے کے پیچھے جو روح ہے اسے پیدا کرو۔ آپؐ نے فرمایا:۔

مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِيْ اَنْ يَدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ۔

کہ جو شخص کذب (جھوٹ) کو نہیں چھوڑتا تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کو کوئی ضرورت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑے۔ زُوْر کے ایک معنی ’’حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف مائل ہو جانا‘‘ کے بھی ہیں۔

تو اس حدیث کے یہ معنی ہوں گے کہ جو شخص جھوٹ کو نہیں چھوڑتا اور حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف میلان رکھتا ہے اور شریعتِ حقہ کے تقاضوں کی بجائے باطل کے شیطانی تقاضوں کو پورا کرنے کی طرف مائل ہوتا ہے تو اسے روزہ رکھنے سے کیا فائدہ؟ خدا کو تو کوئی ضرورت نہیں کہ وہ کھانا پینا چھوڑ دے۔ دراصل ترک طعام اور ترک شہوت کے پیچھے جو روح ہے اس کے تقاضوں کو پورا کرنا ایک مومن کا فرض ہے۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلصِّیَامُ جُنَّۃٌ فَلَا یَرْفُثْ وَلَا یَجْھَلْ (یہ چھوٹا سا ٹکڑا ہے ایک لمبی حدیث کا) فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے روزہ کو تمہارے لئے ڈھال بنایا ہے اور تمہاری نجات کا راز اور تمہاری نسلوں کی بقا کا سر اس بات میں ہے کہ تم اپنی زندگیوں کو اور اپنی نسلوں کی تربیت کو اپنے مولا کی مرضی کے تابع بناؤ۔ (فَلَا یَرْفُثْ) اور اپنے منہ سے جاہلیت کی زبان باہر نکال پھینکو اور اپنے جوارح کو زمانۂ جاہلیت کی بداعمالیوں سے پاک کرو۔ (وَلَا یَجْھَلْ) اور آنے والی نسلوں کے لئے نیک نمونہ قائم کرو۔ اگر تم روزے کو اپنے لئے ڈھال نہیں بناؤ گے تو اللہ تعالیٰ کے غضب سے کبھی بچ نہیں سکو گے۔

پس محض روزہ رکھنا کافی نہیں بلکہ اتنی دعاؤں کے ساتھ، اتنی نیک نیتی اور اخلاص کے ساتھ اور اتنی بے نفسی اور فنا کی حالت میں روزہ رکھنا چاہیے کہ ہمارا روزہ اللہ تعالیٰ کے حضور قبولیت حاصل کر لے۔ اگر ہمارا روزہ خدا کے حضور قبولیت حاصل نہ کرے تو پھر یہ درحقیقت وہ روزہ نہیں جس کا حکم خدا تعالیٰ نے دیا تھا بلکہ محض بھوک اور پیاس برداشت کرنا ہے۔

پس روزہ کی حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنی گردن اور اپنی نسل کی گردن خدا کی آخری اور کامل شریعت قرآن کریم کے جوئے کے نیچے رکھ دے۔ اسی لئے نفلی عبادت جو رمضان سے خاص طور پر تعلق رکھتی ہے۔ وہ تلاوت قرآن کریم کی کثرت ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فعل اس پر شاہد ہے کہ اس ماہ میں قرآن کریم کو کثرت سے پڑھنا چاہیے حضرت جبرئیل رمضان کے مہینے میں ہر رات زمین پر نزول فرماتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مل کر قرآن کریم کا دور کرتے اور ہر رمضان میں ایسا ہوتا رہا۔ تا اُمّتِ مسلمہ جان لے کہ رمضان شریف میں قرآن کریم بکثرت پڑھنا چاہیے۔ پھر چونکہ روزے کی حکمت اور اصل غرض یہ ہے کہ انسان کو یہ تعلیم دی جائے کہ وہ اپنی گردن خدا کی مرضی کے جوئے تلے رکھ دے اور خدا کی مرضی کا علم ہمیں قرآن کریم کے سوا ہو نہیں سکتا تھا۔ اس لئے ضروری ہوا کہ قرآن کو پڑھا جائے اور پڑھنے سے مراد صرف الفاظ ہی کی تلاوت نہیں بلکہ جسے خدا توفیق بخشے اور علم و فراست عطا فرمائے اس کا فرض ہے کہ وہ اس کے مطالب پر غور کرے اور وہ پڑھے تو اس نیت سے پڑھے کہ اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اگر نیت

یہ ہو کہ محض الفاظ کو دہرا دینا ہے عمل ضروری نہیں تو ایسا شخص قرآن کریم سے کوئی برکت حاصل نہیں کر سکتا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جب لوگوں میں بعض کمزوریاں دیکھیں تو فرمایا کہ قرآن کریم تو اس لئے نازل ہوا تھا کہ اس پر عمل کیا جائے مگر بعض لوگوں نے اس کی تلاوت کو ہی سارا عمل سمجھ لیا ہے یعنی سمجھتے ہیں کہ صرف یہ کافی ہے کہ قرآن کریم کو پڑھ لیا جائے اور یہ ضروری نہیں سمجھتے کہ جو احکام قرآن کریم نے ہمیں بطور اوامر یا نواہی دیئے ہیں ان پر عمل بھی کیا جائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ حدیث بھی منسوب ہوتی ہے کہ آپؐ نے فرمایا تھا اَفْضَلُ عِبَادَةِ اُمَّتِیْ تِلَاوَةُ الْقُرْاٰنِ کہ میری اُمت کی سب سے بڑی فضیلت رکھنے والی عبادت تلاوت قرآن ہے۔

مذکورہ حدیث کے یہی معنی ہیں کہ قرآن کریم کو پڑھا جائے پھر اس کو سمجھا جائے اور پھر سمجھ، طاقت اور استعداد کے مطابق اس پر عمل بھی کیا جائے۔

بہرحال یہ ایک نفلی عبادت ہے جس کا رمضان کے ساتھ خاص تعلق ہے۔

ایک اور نفلی عبادت جس کا رمضان سے تعلق ہے وہ رمضان میں رات کو اٹھنا اور نماز تہجد ادا کرنا ہے۔ بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّ اِحْتِسَابًا غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ

کہ جو شخص بھی رمضان کی راتوں میں اُٹھتا اور نوافل ادا کرتا ہے اور اپنے ربّ کے حضور عاجزی کے ساتھ جھکتا اور اخلاص اور تضرع کے ساتھ اس سے یہ دعا مانگتا ہے کہ وہ خدائے غفور و رحیم اس کی خطاؤں کو معاف کرے اور روحانی ترقیات کے دروازے اس پر کھول دے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اس کے سارے پچھلے گناہ جو اس نے اس وقت تک کئے ہوں معاف کر دیئے جائیں گے۔

یہاں میں مختصراً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تہجد کے متعلق کچھ بتا دینا چاہتا ہوں۔

کیونکہ بہت سے نوجوان ایسے ہیں جو ان تفاصیل کا علم نہیں رکھتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عموماً باقاعدگی کے ساتھ گیارہ رکعت بمع وتر پڑھا کرتے تھے پھر احادیث میں اختلاف ہے۔ بعض میں ہے کہ آپؐ دو دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرتے اور آخر میں ایک رکعت پڑھ لیتے۔

لیکن بعض روایات میں ہے کہ چار چار رکعتوں کے بعد سلام پھیرتے۔ پھر تین رکعتیں پڑھ لیتے (وتر کی) اور بعض روایات میں گیارہ سے کم رکعتیں پڑھنے کا ذکر بھی ہے۔ تو میں ’’عام طور پر گیارہ رکعتیں‘‘ اس لئے کہہ رہا ہوں کہ بعض روایات میں جو اختلاف ہے وہ وقت کے تقاضوں کی وجہ سے ہوسکتا ہے لیکن عام روایت یہی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ نوافل رات کے پچھلے حصہ میں پڑھا کرتے تھے۔ آپ دوست جانتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رہائش ان حجروں میں تھی جن کے دروازے مسجد میں کھلتے تھے۔ ایک دفعہ آپؐ پچھلی رات نمازِ تہجد کے لئے مسجد میں تشریف لے آئے کچھ لوگوں نے جو حضورؐ کو دیکھا تو انہوں نے بھی حضورؐ کے پیچھے نماز شروع کر دی۔ اگلے روز کچھ اور لوگوں کو پتہ چلا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رات کو نمازِ تہجد مسجد میں ادا کرتے ہیں۔ تو وہ بھی آ گئے۔ تیسری یا چوتھی رات مجمع اور بھی بڑھ گیا۔ یہاں تک کہ کہتے ہیں کہ مسجد کھچا کھچ بھر گئی۔ اس رات آپؐ باہر نہ نکلے اور اپنے حجرے میں نماز ادا کر لی اور صبح فرمایا کہ اگر اس طرح روایت اور سنت بن جاتی کہ تہجد کے وقت نماز باجماعت ادا کی جائے تو میری اُمت کے بہت سے لوگوں کے لئے یہ مصیبت ہو جاتی۔ کیونکہ فرائض میں سے شمار کی جانے لگتی۔ (کس قدر ہمارا خیال رکھنے والی تھی وہ مقدس روح؟؟ اللہ تعالیٰ کے ہزاروں لاکھوں بلکہ کروڑوں سلام ہوں اس پر!!!) فرمایا آج میں اس لئے نہیں آیا کیونکہ یہ نوافل ہیں فرائض میں سے نہیں۔ چنانچہ بعد میں اسی پر عمل ہوتا رہا۔ حتیٰ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا زمانہ بھی گزر گیا اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ کا بھی ایک حصہ گزر گیا۔

ایک رات حضرت عمر رضی اللہ عنہ چکر لگا رہے تھے آپ نے عشاء کے بعد دیکھا کہ کوئی شخص

اکیلے نماز نفل ادا کر رہا ہے اور ایک جگہ چار پانچ آدمی اکٹھے ہو کر ایک قاری کے پیچھے نماز ادا کر رہے۔ کچھ اور لوگ بیس منٹ آدھ گھنٹہ پیچھے آئے اور انہوں نے علیحدہ نماز شروع کر دی۔ یہ دیکھ کر آپ نے خیال فرمایا کہ یہ لوگ مختلف ٹولیوں میں پہلے وقت جو نماز ادا کر رہے ہیں تو کیوں نہ میں انہیں ایک قاری کے پیچھے جمع کر دوں؟ چنانچہ آپ نے ایک قاری کو امام مقرر کیا اور فرمایا کہ اگر تم نے اصل وقت چھوڑ کر ہی یہ نوافل ادا کرنے ہیں تو اپنی اجتماعی روح کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس قاری کے پیچھے آکر نماز ادا کر لیا کرو اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ بہتر وقت وہی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ نوافل ادا فرمایا کرتے تھے یعنی رات کا پچھلا پہر۔

تو پہلے تہجد کی نماز رات کے پچھلے حصہ میں پڑھی جاتی لیکن جائز ہے کہ رات کے پہلے حصہ میں بھی یہ نوافل ادا کر لئے جائیں اور اصل یہی ہے کہ انسان نوافل کو علیحدہ تنہائی میں ادا کرے کیونکہ نوافل کی بہت سی برکات کا تعلق خاموشی تنہائی اور پوشیدگی سے ہے اور جو شخص واقعی اللہ تعالیٰ سے پیار کرنے والا ہو وہ اپنے اس پیار کا اظہار لوگوں کے سامنے نہیں کیا کرتا۔

اس لئے یہ نماز گھر میں تنہائی میں پڑھنی چاہیے۔ لیکن اگر کوئی شخص اس میں دقت محسوس کرے تو پورے ثواب سے محروم ہونے کی بجائے یہ بہتر ہے کہ وہ عشاء کے بعد ان نوافل کو ادا کرے اس طرح ایک حد تک اسے بھی ثواب حاصل ہو جائے گا۔

ایک اور چیز جس کا تعلق ماہ رمضان سے ہے وہ لیلۃ القدر کی تلاش ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ کہ رمضان کی آخری دس راتوں میں لیلۃ القدر کو تلاش کرو۔ اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ شَدَّ مِئْزَرَهٗ وَاَحْيٰى لَيْلَهٗ وَاَيْقَظَ اَهْلَهٗ کہ جب رمضان کا آخری عشرہ آجاتا تو آپ اپنی کمر کس لیتے یعنی معمول سے زیادہ مجاہدات کے لئے مستعد اور تیار ہو جاتے۔ گو ویسے بھی آپؐ بڑے اہتمام سے رات کو نوافل ادا کیا کرتے لیکن جب رمضان کے آخری دس روز شروع ہو جاتے تو آپؐ مجاہدات کا اور زیادہ اہتمام فرماتے۔

وَاَحْیٰی لَیْلَہٗ اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں رات کو زندہ رکھتے۔اس میں ہمیں اشارۃً یہ بتایا گیا ہے کہ زندگی کی وہی گھڑیاں زندگی کہلانے کی مستحق ہیں جو خدا تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت میں گزریں۔ جو زندگی اس کی اطاعت میں نہ گزرے بلکہ اس سے بغاوت میں گزرے وہ تو موت سے بھی بدتر ہے۔

لَیْلَۃُ الْقَدْرِ کے متعلق یاد رکھنا چاہیے کہ علماء نے اس کے بہت سے معنی بیان کئے ہیں میں اس وقت تفصیل میں نہیں جا سکتا بہر حال وہ ایک رات ہے جس میں خدائے تعالیٰ نے ایک ایسی گھڑی مقدر کی ہے کہ جس میں اگر کسی کو صحیح رنگ میں دعا کرنے کی توفیق مل جائے اس کی نیت بھی خالص ہو اور محض خدا تعالیٰ کی رضا مطلوب ہو اور دعا قبول بھی ہو جائے تو وہ گھڑی اتنی عظیم الشان ہے کہ خدائے تعالیٰ کی تقدیروں کو بھی بدل دیتی ہے۔

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رمضان کی جو آخری دس راتیں ہیں ان میں اس گھڑی کی تلاش کرو۔ اَوراَور امور سے توجہ ہٹا کر معمول سے زیادہ خدائے تعالیٰ کی عبادت میں لگ جاؤ تا خدا کے فضل سے تمہیں لیلۃ القدر کی یہ گھڑی نصیب ہو۔

ایک اور نفلی عبادت جس کا تعلق رمضان سے ہے وہ صدقہ وخیرات ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بخاری میں یہ ذکر ہے کہ آپؐ بڑے سخی تھے اور بڑی سخاوت سے کام لیتے تھے۔ دراصل جس وجود کا سارا بھروسہ اور توکل اپنے اس ربّ پر ہو جس کے خزانے میں کبھی کوئی کمی نہیں آتی اس کو اس بات کا فکر نہیں ہوتا کہ میرے گھر میں کوئی چیز ہے یا نہیں۔ کیونکہ اس کی تمام ضروریات کا کفیل تو خود اس کا خدا ہوتا ہے۔ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کَانَ اَجْوَدُ مَا یَکُوْنُ فِیْ رَمَضَانَ کہ ماہ رمضان میں حضورؐ اپنے معمول سے بھی زیادہ سخاوت برتا کرتے تھے۔

پس ہمیں بھی رمضان میں صدقہ وخیرات کی طرف زیادہ توجہ دینی چاہیے۔ فی الحقیقت یہ سبق ہمیں خود رمضان کے ذریعہ دیا جاتا ہے کہ ہمارے جو بھائی بھوکے اور پیاسے ہیں ان کا ہم پر حق ہے کہ ان کی مدد کریں اور ان کی طرف توجہ کریں اور زیادہ سے زیادہ صدقہ دیں۔

نیز دعاؤں پر بھی بہت زور دینا چاہیے اور قرآن شریف کی تلاوت کثرت سے کرنی چاہیے اور یہ بھی کوشش کرنی چاہیے کہ ہمیں رمضان کی آخری دس راتوں میں لَيْلَةُ الْقَدْرِ کی خاص گھڑی میسر آجائے اور خدا کرے کہ ہم اس گھڑی میں صرف اپنی ذات کے لئے ہی نہیں بلکہ اس کے دین کے لئے بھی اس سے مانگیں اور اس گھڑی میں ہمارے منہ سے یہ الفاظ نکل رہے ہوں کہ اے خدا! اسلام کا غلبہ تو مقدر ہو چکا ہے لیکن تو ہم پر یہ فضل فرما کہ ہم اپنی زندگیوں میں اپنی آنکھوں سے اسلام کو ساری دنیا پر غالب ہوتا دیکھ لیں۔ آمین۔

خطبہ ثانیہ کے بعد نماز شروع ہونے سے قبل فرمایا۔

دوست یہ یاد رکھیں کہ پاکستان کے استحکام کا جو تعلق دعاؤں کے ساتھ ہے اس کی ذمہ داری ہم پر ڈالی گئی ہے۔ اس وقت ایسے آثار ظاہر ہو رہے ہیں کہ خدانخواستہ کہیں ہمارے ملک میں قحط نہ پڑ جائے۔ کیونکہ بڑی دیر سے بارشیں نہیں ہو رہیں جمعہ میں قبولیت دعا کی ایک گھڑی کی بشارت ہمیں دی گئی ہے۔ سو دوست کثرت سے نماز میں دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم پر، ہمارے ملک پر رحم کرے اور ہمیں قحط کے خطرہ سے محفوظ رکھے اور ہر رنگ میں رحمتوں کی بارش ہم پر نازل کرے اور ہماری زمینوں کو یہ قوت بخشے کہ اس بارش کو قبول کرے۔ بہترین کھیتیاں ہمارے لئے اُگائے۔ میں دوسری رکعت کے پہلے سجدہ میں خاص طور پر بارش کے لئے دعا کروں گا۔ آپ دوست بھی میرے ساتھ اس دعا میں شامل ہو جائیں۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۶؍جنوری ۱۹۶۶ء صفحہ ۲ تا ۴)

جماعت کے تمام اداروں کو چاہیے کہ وہ اپنی جدو جہد کو منظم کریں

خطبہ جمعہ فرمودہ ۷؍جنوری ۱۹۶۶ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

عزیزو! یہ سالِ نو کا پہلا جمعہ ہے جس میں مَیں آپ سے مخاطب ہو رہا ہوں۔ میری طرف سے سالِ نو کی مبارک باد قبول کریں۔ آپ بھی جو اس وقت میرے سامنے بیٹھے ہیں اور وہ تمام احمدی احباب بھی جو اکنافِ عالم میں پھیلے ہوئے ہیں اور قریہ قریہ میں رہائش اختیار کئے ہوئے ہیں۔ میری یہ مبارک باد رسمی طور پر نہیں۔ یہ تکلیف دہ خیال میرے دل کی گہرائیوں میں یکم جنوری سے ہی موجزن رہا ہے کہ گزشتہ سال جو گزرا ہے۔ وہ ہم پر بڑا ہی سخت سال تھا۔ اس نے ہمارے دلوں کو بُری طرح زخمی کیا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے ہمارے زخمی دلوں پر تسکین کا پھایہ رکھا اور اس نے ہمیں محض اپنے فضل سے اس صبر کی توفیق عطا فرمائی۔ جس سے وہ راضی اور خوش ہو جایا کرتا ہے۔ اس لئے میری یہ مبارک باد رسمی طور پر نہیں بلکہ میں یہ مبارک باد اپنے دل کی گہرائیوں سے پیش کرتا ہوں اور پھر برکت کے ہر معنی کے لحاظ سے پیش کرتا ہوں جب ہم کسی دن۔ کسی زمانہ یا کسی سال کو مبارک کہتے ہیں تو اس سے ہمارا یہ مطلب ہوتا ہے کہ ان تمام معانی میں جن میں یہ لفظ اچھے طور پر بولا اور اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے۔ وہ دن اور وہ

زمانہ اور وہ سال ہم سب کے لئے برکتوں والا ہو۔

برکت کے ایک معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھلائی کے جو سامان اس کے بندوں کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ ان کو دوام اور قیام حاصل ہو جائے۔ پس میری ’’مبارک ہو‘‘ کی دعا یوں ہوئی کہ خدا تعالیٰ کرے کہ وہ تمام برکتیں (خیر اور بھلائی کی چیزیں) نعمتیں اور رحمتیں جو اس نے جماعت احمدیہ کے لئے مقدر کر رکھی ہیں۔ اس سالِ نو میں ہم ان کے نظارے ہر آن دیکھتے رہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب اللہ تعالیٰ نے ایک مصلح موعود کی بشارت عطا فرمائی تھی تو اس نے اس پیشگوئی کے اندر جماعت احمدیہ کو بھی بہت سی بشارتیں دی تھیں۔

سو اللہ تعالیٰ نے اس پیشگوئی میں جماعت احمدیہ سے جو وعدے کئے تھے۔ ان کو مدِّنظر رکھتے ہوئے یہ دعا کی جا سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سال کو ان معنوں میں بھی بابرکت کرے کہ وہ آپ کے نفوس اور اموال میں برکت ڈالے اور آپ سے ہر آن خوش رہے وہ آپ کو بھولے نہیں۔ وہ آپ کو فراموش نہ کرے۔ بلکہ اس کی یاد میں آپ ہمیشہ حاضر رہیں اور جس طرح ایک دوست دوسرے دوست کو محبت کے ساتھ یاد کرتا ہے۔ اسی طرح ہمارا آقا اور ہمارا مالک محض اپنے فضل سے ہمارے ساتھ دوستانہ معاملات کرتا چلا جائے۔

برکت کے دوسرے معنوں کی رو سے ہم اس دعا میں یہ زیادتی بھی کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی ان عنایات میں زیادتی کرتا چلا جائے۔ کیونکہ برکت کے ایک معنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں غیر محسوس طور پر زیادتی کے بھی ہیں۔

برکت کے تیسرے معنوں کے رو سے یہ دعا یوں بھی ہوگی کہ خدا کرے کہ آپ اور میں ان نیکیوں پر ثابت قدم رہیں جو خدا تعالیٰ کو محبوب اور پیاری ہیں اور روحانی جہاد کے اس میدان میں جس کا دروازہ اللہ تعالیٰ نے آج ہمارے لئے کھولا ہے اور جس میدان میں اس نے ہمیں لا کھڑا کیا ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت کرنے اور آپ کی اطاعت کا دعویٰ کرنے کے بعد ہم پیٹھ نہ دکھائیں اور ہمیشہ ثابت قدمی کے ساتھ شیطان کا مقابلہ کرتے چلے جائیں۔ پس یہ ’’سالِ نو‘‘ مبارک ہو آپ کے لئے بھی اور میرے لئے بھی ان معنوں میں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان

اعمالِ صالحہ کے بجالانے کی توفیق دیتا چلا جائے کہ جن کے نتیجہ میں (اگر اور جب وہ انہیں قبول کر لیتا ہے تو) اس کی نعمتیں آسمان سے نازل ہوتی ہیں۔ یہ اعمالِ صالحہ (یا خدا تعالیٰ کو محبوب اور مرغوب اعمال) دو قسم کے ہیں۔

ایک اعمالِ صالحہ تو وہ ہیں جو ہم انفرادی طور پر خدا تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے بجا لاتے ہیں۔ ہم نمازوں کو ادا کرتے ہیں۔ ہم رات کی تنہائی اور خاموشی میں اپنے رب کے حضور عجز اور انکسار کے ساتھ جھکتے ہیں اور اس سے اپنے مطالب کے حصول کے لئے دعائیں مانگتے ہیں۔ اسی طرح سینکڑوں اور اعمال ہیں جن کا ہماری ذات کے ساتھ تعلق ہے ہم تقویٰ کی باریک راہوں کی تلاش میں بعض کام کرتے ہیں یا بعض کو چھوڑ دیتے ہیں ایسے اعمالِ صالحہ ایک فرد کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں لیکن کچھ اعمالِ صالحہ اجتماعی حیثیت کے ہوتے ہیں۔ یعنی تمام جماعت کو کچھ کوششیں ایسی کرنی پڑتی ہیں کہ جن کے بغیر الٰہی جماعتیں اور الٰہی سلسلے اپنے مطالب اور مقاصد کو حاصل نہیں کر سکتے۔ یہ ساری جدوجہد بنیادی طور پر شیطان اس کے وسوسوں اور اس کے پھیلائے ہوئے باطل عقائد کے خلاف ہوتی ہے لیکن اس دنیا میں وہ مختلف شکلیں اختیار کرتی اور مختلف رنگوں میں ظاہر ہوتی ہے۔ اسی وقت شیطان دجل کی شکل میں حق کے خلاف نبرد آزما ہے اور جماعت احمدیہ جو روحانی جنگ لڑ رہی ہے وہ شیطان کے مقابلہ میں ہی لڑی جا رہی ہے۔ اس جنگ کو الٰہی نوشتوں میں حق و باطل کی آخری جنگ قرار دیا گیا ہے اور اس میں فتح حاصل کر لینے کے بعد اسلام ساری دنیا پر غالب آجائے گا اور اللہ تعالیٰ کی توحید تمام بنی نوع انسان میں پھیل جائے گی اور دنیا کے تمام ملک اور اقوام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے سرشار ہو جائیں گی۔ غرض یہ میدان ہے جس میں ہماری جدوجہد جاری ہے لیکن ہمارے وسائل اور اسباب بہت محدود ہیں اور ہمارے مقابلہ میں دنیا کے اسباب اور طاغوتی طاقتیں بہت زیادہ اور دنیوی نقطہ نگاہ سے بہت بھاری ہیں ہاں اللہ تعالیٰ نے ہماری حقیر کوششوں میں جہاں اپنے فضل سے پہلے ہی برکت رکھ دی ہے وہاں اس نے ہمیں یہ گُر بھی سکھایا ہے کہ اگر کسی طاقت کو جو کمزور ہے صحیح طور پر کام میں لایا جائے۔ پھر کوشش میں ایک تنظیم ہو اور جدوجہد منظم رنگ رکھتی ہے اور کسی منصوبہ بندی اور

پلان (Plan) کے مطابق ہورہی ہو تو خدا تعالیٰ کے فضل سے اس کے نتائج ان اعمال کے مقابلہ میں بہت اچھے نکلتے ہیں جو غیر منظم طور پر اور بغیر کسی منصوبہ بندی کے کئے جاتے ہیں۔

میرے ایک پیارے عزیز نے میری توجہ حضرت مصلح موعود (رضی اللہ عنہ) کے ۱۹۵۲ء کے پہلے خطبہ جمعہ کی طرف مبذول کرائی ہے جس میں حضور نے جماعت اور جماعتی اداروں کو ایک منظم جدوجہد اور منصوبہ بندی کی طرف متوجہ فرمایا ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ کسی منصوبہ بندی کے بغیر اور اپنی کوششوں کو منظم کرنے کے بغیر ہم اپنی کامیابیوں کی رفتار کو تیز سے تیز تر نہیں کر سکتے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے کاموں کو اس طرح منظم کرنے کی کوشش کریں کہ جماعت کی طاقت کا ایک ذرہ بھی ضائع نہ ہو بلکہ ہمارے سامنے ایک وقتی مقصد اور اوبجیکٹ (Object) ہو جسے ہم معین وقت میں حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ لمبے وقت کے لئے تو یہ صحیح ہے کہ ہمارا مقصد حیات اور سلسلہ احمدیہ کے قیام کی غرض ہی یہ ہے کہ طاغوتی اور شیطانی طاقتوں پر غلبہ حاصل کیا جائے اس غرض کے لئے ایک لمبے عرصہ تک جدوجہد کی ضرورت ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس میں ۸۰ سال لگ جائیں۔ ۱۰۰ سال لگ جائیں۔ ۱۵۰ سال لگ جائیں۔ دوسَو سال لگ جائیں یا خدا جانے کتنا عرصہ لگ جائے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انسانی عقل و دماغ اور تصور اس لمبے زمانہ کو چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کر لیتے ہیں اور اپنے مقصد کے حصول کے لئے بعض چھوٹے چھوٹے منصوبے بنا لیتے ہیں۔ یعنی وہ تجویز کر لیتے ہیں کہ مثلاً اس سال میں ہم اپنے مقصد کا اتنا حصہ ضرور حاصل کر لیں گے اور پھر اس کے حصول کے لئے وہ اپنی پوری کوشش صرف کر دیتے ہیں اور پھر اس سال جس حد تک وہ اپنے مقصد کے حصول میں کامیابی حاصل کر لیں اگلے سال وہ زیادہ تیزی کے ساتھ آگے قدم بڑھانے کے قابل ہو جاتے ہیں اور جیسا کہ میں نے بتایا ہے حضرت مصلح موعودؓ نے ۱۹۵۲ء میں بھی اور اس کے علاوہ اور مواقع پر بھی جماعت کو بار بار نصیحت فرمائی ہے کہ وہ اپنے کاموں میں تنظیم پیدا کرے۔ انہیں منظم شکل دے اور انہیں کسی منصوبہ بندی اور پلاننگ (Planning) کے مطابق کرے ورنہ ہماری رفتار ترقی کبھی تیز نہیں ہو سکتی سو حضور کی اس تاکیدی نصیحت کے ساتھ آج میں اپنے بھائیوں کو سالِ نو کی مبارک باد دیتا ہوں

اور ان کی توجہ اس طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ برکت کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ خدا تعالیٰ کے فضل ہم پر پہلے سے زیادہ نازل ہوں اور اس میدانِ مجاہدہ میں اور میدانِ جہاد میں جس میں ہم قدم رکھ چکے ہیں۔ ہمارے قدم آگے ہی بڑھتے چلے جائیں وہ پیچھے کی طرف کبھی نہ اٹھیں اور اس کے لئے ضروری ہے کہ ہماری کوششوں میں تنظیم پائی جائے اور ہم ایک منصوبہ بندی اور پلان (PLAN) کے ماتحت اپنی جدوجہد کو جاری رکھنے والے ہوں۔ اس اصول کے مطابق میں جماعت کے تمام اداروں سے یہ کہتا ہوں کہ آئندہ چند ہفتوں کے اندر اندر وہ سالِ نو میں کام کرنے کا ایک منصوبہ تیار کریں اور اسے میرے سامنے رکھیں جسے میں سال کے دوران حسبِ ضرورت جماعت کے دوستوں کے سامنے پیش کرتا رہوں گا اور اسے پورا کرنے کی طرف ان کی توجہ مبذول کراتا رہوں گا لیکن چونکہ حضرت مصلح موعودؓ کے ارشادات پر ایک لمبا عرصہ گزر چکا ہے اور حضور کے وصال سے پہلے ایک لمبا عرصہ جماعت پر ایسا بھی گزرا ہے جس میں حضور اپنی بیماری کی وجہ سے ان تفاصیل میں جماعت کی پوری نگرانی نہیں کر سکے اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ میرا فرض ہے کہ میں مختلف اداروں کو ان کے بعض کاموں کی طرف مختصراً توجہ دلا دوں۔ تفاصیل وہ اپنے طور پر طے کر لیں۔

تحریک جدید کو میں اس طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ دس پندرہ روز سے یا یوں سمجھ لو کہ جلسہ سالانہ کے آخری دن سے میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا ہے اور میں نے اس پر کافی غور کیا ہے اور معلومات بھی حاصل کی ہیں اور میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اس وقت افریقہ میں دو ملک ایسے پائے جاتے ہیں کہ جن کے رہنے والے لوگوں کے دلوں میں خدا تعالیٰ کے فرشتوں نے اسلام اور احمدیت کی قبولیت کے لئے ایک جذبہ اور تڑپ پیدا کر دی ہے اور ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کی روحانی پیاس کو بجھانے کے لئے ان میں زیادہ سے زیادہ مبلّغ، ڈاکٹر اور استاد بھجوائیں اور اپنی کتب اور رسالے ان تک پہنچائیں مجھے امید ہے کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے بڑی جلدی ان ملکوں میں اسلام اور احمدیت مضبوطی سے قائم ہو جائیں گے انشاء اللہ میں نے ایک دوست کو بلا کر تحریک جدید کو پہلے بھی پیغام بھجوایا ہے اور اب جماعت کے احباب کو آگاہ کرنے کے لئے خطبہ

میں بھی بتا رہا ہوں کہ افریقہ میں علاوہ اور سکیموں اور منصوبوں کے کہ جو وہاں اس وقت نافذ کئے جانے ضروری ہیں۔ ہمیں ان دونوں ملکوں کی طرف فوری توجہ کی ضرورت ہے اور خدا تعالیٰ نے چاہا تو ہم بہت جلدی وہاں اچھے نتائج نکلنے کی امید کرتے ہیں۔ پس جہاں تحریک جدید سالِ نو کے لئے ایک منصوبہ تیار کرے گی وہاں میں جماعت کو بھی آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ کاغذی منصوبہ بندی کوئی اچھا نتیجہ پیدا نہیں کیا کرتی۔ اگر ہم نے غور کرنے کے بعد یہ سمجھا کہ ان دو ملکوں میں بیس یا تیس مبلّغ، ڈاکٹر اور استاد بھجوانے ضروری ہیں تو آپ کا فرض ہوگا کہ ہمیں اتنی تعداد میں مناسب آدمی مہیا کریں۔ میں نے جلسہ سالانہ کے موقع پر وقف کی ایک عام تحریک کی تھی اور خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ دوست مختلف رنگوں میں بڑی کثرت سے زندگیاں وقف کر رہے ہیں اور بعض دوستوں نے مجھے اس سلسلہ میں بڑے ضروری اور مفید مشورے بھی دیئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزاء دے بہر حال ہمیں عنقریب کام کرنے والوں کی ایک کثیر تعداد کی ضرورت پڑنے والی ہے اور جماعت کے مستعد، مخلص اور خوش قسمت نوجوانوں کو اپنی اپنی جگہ اس پیشکش کے لئے تیار رہنا چاہیے تا جب ہم ضرورت پڑنے پر آواز دیں تو یہ نہ ہو کہ دنیا کی نگاہ میں بھی اور اپنے دلوں میں بھی ہم ایک مضحکہ خیز حرکت کرنے والے ثابت ہوں اور دنیا یہ خیال کرے کہ ہم کاغذی منصوبے بنا رہے ہیں اور قوم وہ قربانیاں دینے کے لئے تیار نہیں جو ان منصوبہ بندیوں کے نتیجہ میں اسے دینی ضروری ہیں۔ غرض اس وقت بہت جلد افریقہ میں اسلام کی جڑوں کو مضبوط کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ آئندہ زمانہ میں اس نے بین الاقوامی سیاست میں بھی ایک اہم کردار ادا کرنا ہے۔ اس وقت مسلم ممالک میں یا اسلام کی طرف منسوب ہونے والی مختلف حکومتوں میں بسنے والے لوگوں پر اکثر جگہ جو مظالم ہو رہے ہیں ان کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بین الاقوامی سیاست میں اسلام کی آواز میں اتنی طاقت نہیں رہی جو مسلمانوں کو ان مظالم سے بچانے اور انصاف کے حصول کے لئے ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر رحم کرے۔ ان کی آنکھیں کھولے اور ان کی ان راستوں کی طرف رہنمائی کرے جن پر چلے بغیر وہ اپنے مستقبل کو روشن نہیں کر سکتے کیونکہ محض اسلام کا لیبل لگا لینا ہی کافی نہیں۔ بلکہ ضروری ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی اس آواز پر جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

نے تمام مسلمانوں کو بالخصوص اور تمام بنی نوع انسان کو بالعموم مخاطب کر کے بلند کی تھی ۔ لبیک کہتے ہوئے جماعت احمدیہ میں داخل ہو جائیں اور وہ قربانیاں پیش کریں جو خدا تعالیٰ ان سے اس وقت لینا چاہتا ہے۔ صدر انجمن احمدیہ کے مختلف اداروں کو بھی اپنے کاموں کی طرف توجہ کرنی چاہیے مثلاً اصلاح وارشاد کا کام ہے۔ تربیت کا کام ہے ہم ان کاموں میں ایک حد تک لکیر کے فقیر بن چکے ہیں حالانکہ وہ قومیں جو اپنے انقلابی زمانہ میں سے گزر رہی ہوتی ہیں وہ لکیر کے فقیر نہیں بنا کرتیں اور نہ وہ لکیر کے فقیر بن کر کبھی کامیاب ہوئی ہیں۔ ہمیں ہر وقت بیدار اور چوکس رہنا چاہیے اور ہر شہر، ہر علاقہ اور ہر جگہ کے متعلق پہلے یہ جائزہ لیتے رہنا چاہیے کہ وہاں کس قسم کے اصلاح وارشاد کے کام کی ضرورت ہے اور پھر وہاں اس کے مطابق کام کرنا چاہیے۔ اسی طرح اور بہت سی باتیں ہیں جن کی طرف نظارت اصلاح وارشاد کو توجہ کرنی چاہیے۔

نظارت تعلیم اور نظارت امور عامہ کو بھی باہم مل کر ایک ضروری کام کرنا ہے اور اس کے متعلق منصوبہ بندی کرنا ہے اور وہ ضروری کام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے احمدی بچوں کے دماغوں میں جلاء پیدا کی ہے اور جب مختلف تعلیمی یونیورسٹیوں کے نتائج نکلتے ہیں تو احمدی نوجوان اپنی نسبت کے مقابل بہت زیادہ تعداد میں اعلیٰ نمبر حاصل کرنے والے ہمیں نظر آتے ہیں۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی دَین ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے جس میں ہماری کوششوں کا کوئی دخل نہیں۔ اگر ہم اپنی غفلت کے نتیجہ میں اچھے دماغوں کو ضائع کر دیں تو اس سے بڑھ کر اور کوئی ظلم نہیں ہوگا۔ پس جو طلباء ہونہار اور ذہین ہیں ان کو بچپن سے ہی اپنی نگرانی میں لے لینا اور انہیں کامیاب انجام تک پہنچانا جماعت کا فرض ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ بعض نہایت ذہین بچے تربیت کے نقص کی وجہ سے سکول کے پرائمری اور مڈل کے حصوں میں ہی ضائع ہو جاتے ہیں۔ ان میں آوارگی اور بعض دیگر بُری عادتیں پیدا ہو جاتی ہیں جن کی وجہ سے نہ صرف وہ خود بلکہ جماعت بحیثیت جماعت خدا تعالیٰ کے فضلوں اور نعمتوں کا وہ پھل نہیں کھا سکتی جو اچھے دماغ پیدا کر کے خدا تعالیٰ نے ہمارے لئے مقدر کیا ہے کیونکہ ہم ان دماغوں کو بوجہ عدمِ توجہ سنبھالتے نہیں بلکہ ضائع کر دیتے ہیں اور اس طرح بعد میں نقصان اٹھاتے ہیں اسی طرح

بعض اچھے دماغ محض اس وجہ سے ضائع ہو جاتے ہیں کہ وہ غریب خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کی مالی حالت اتنی اچھی نہیں ہوتی کہ وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کر سکیں اور جماعت بھی ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتی ۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم ناشکری کرتے ہوئے ان قابل ذہنوں کو ضائع کر دیتے ہیں ۔ پس ہر اچھا دماغ رکھنے والے طالب علم کو جو جائزہ لینے کے بعد اس قابل معلوم ہو کہ اگر اسے اعلیٰ تعلیم دلائی جائے تو اسلام اور احمدیت کا نام روشن کرنے والا ثابت ہو سکتا ہے سنبھالنا جماعت کا فرض ہے ۔ جماعت کو اس پر نہ صرف روپیہ خرچ کرنا چاہیے بلکہ اس کے لئے دعائیں کرنی چاہئیں کہ اللہ تعالیٰ اسے راہِ راست پر قائم رکھے اور اس کے دماغ میں پہلے سے بھی زیادہ جلاء پیدا کرتا چلا جائے اور اسے الہام کے ذریعہ نئے نئے مسائل کے حل کرنے کی توفیق عطا فرماتا چلا جائے ۔ پھر بعض اچھے دماغ اس وجہ سے بھی ضائع ہو جاتے ہیں کہ جب وہ اپنی تعلیم ختم کر لیتے ہیں تو انہیں سمجھ نہیں آتی کہ اپنی آئندہ زندگی میں کس راستہ کو اختیار کریں اس لئے جماعت کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ اپنے نوجوانوں کی ان کی آئندہ زندگی کے پروگرام بنانے میں مدد کرے ۔ بہت اچھے دماغ ، اچھے دماغ ، درمیانے دماغ اور نسبتاً کمزور دماغ سارے ہی اس بات کے حقدار ہیں کہ جماعت ان کی راہ نمائی کرے اور جہاں جہاں وہ زندگی کے کاموں میں لگ سکتے ہیں وہاں انہیں لگوانے میں مدد کرے کیونکہ ہر وہ نوجوان جو تعلیم حاصل کرنے کے بعد اس قابل ہو جاتا ہے کہ وہ کوئی کام کرے اگر وہ بروقت کام پر نہیں لگتا اور جماعت بھی اسے کسی کام پر لگوانے میں مدد نہیں دیتی تو گویا ہم اسے خود پکڑ کر شیطان کی گود میں لا بٹھاتے ہیں ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ بیکار رہنے والے لوگوں پر شیطان حملہ کرتا ہے اور انہیں اپنا آلہء کار بنا لیتا ہے ۔ پھر ایسا نوجوان جو تعلیم حاصل کر لینے کے بعد کام پر نہیں لگتا اور بیکار رہتا ہے نہ صرف اپنے خاندان کے لئے ایک مصیبت بن جاتا ہے بلکہ اس کی بیکاری سے جماعت بھی خاطر خواہ فائدہ نہیں اٹھا سکتی ۔ کیونکہ جو نوجوان تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد جلد ہی کام پر لگ جاتا ہے وہ کمائی کرنا شروع کر دیتا ہے اور اپنی اس کمائی میں سے غلبہء اسلام کی جدوجہد میں کنٹری بیوٹ (Contribute) کر رہا ہوتا ہے ۔ پھر جب وہ کام پر لگتا ہے تو اس کا ایک ماحول بنتا

ہے اوراس کے اس ماحول میں اس کا کرداراوراس کے اخلاق اثر انداز ہو رہے ہوتے ہیں اوراس طرح وہ خاموشی کے ساتھ اپنا نمونہ دکھا کر یا گفتگو کے ذریعہ احمدیت کا اثر اورنفوذ بڑھانے والا ہوتا ہے۔

غرض وہ بچے جو تعلیم سے فارغ ہوکر کام پر نہیں لگتے اور بیکار پھرتے رہتے ہیں وہ نہ صرف یہ کہ جماعتی کاموں میں حصہ لینے کے قابل نہیں رہتے بلکہ یہ بھی خطرہ ہوتا ہے کہ ان کے دماغ میں آوارگی آجائے اور وہ شیطان کا آلہء کار بن جائیں۔ پس جماعت کے نوجوانوں کی اخلاقی، اقتصادی اور دینی حالت کی حفاظت کرنا نظارت امور عامہ کا کام ہے۔ اس کے متعلق اسے پوری اطلاعات رکھنی چاہئیں اور ایسا منصوبہ بنانا چاہیے کہ مختلف دماغ جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کئے ہیں وہ اپنے مخصوص راستوں پر چل کر آئندہ زندگی میں کامیاب ہوں۔ اگر نظارت کو ان راستوں کا علم نہیں جو ہماری قومی ترقیات کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں تو وہ جماعت کے نوجوانوں کی مناسب راہ نمائی نہیں کرسکتی۔ مثلاً بہت سے دماغ ایسے ہوں گے جو مثال کے طور پر ب۔ج۔د۔ شعبوں میں جاسکتے ہیں اوران شعبوں کے متعلق نظارت کو معلومات حاصل نہیں اس لئے وہ انہیں ا۔و۔ی شعبوں میں کام کرنے کا مشورہ دیتی ہیں جن شعبوں سے وہ دماغ کوئی مناسبت ہی نہیں رکھتے تو اس کا یہ مشورہ غلط ہوگا۔ پس نظارت امور عامہ کو ہر شعبہء زندگی کے متعلق معلومات حاصل کرنی چاہئیں اور اسے اپنے آپ کو علیٰ وجہ البصیرت اس قابل بنانا چاہیے کہ وہ جماعت کے نوجوانوں کو صحیح مشورہ دے سکے تا وہ اس دنیا میں ہر لحاظ سے کامیاب زندگی گزار سکیں۔

غرض صدر انجمن احمدیہ کی ساری نظارتوں کو اس سال کے لئے جو شروع ہوا ہے پوری سوچ و بچار کے بعد اور زیادہ وقت لئے بغیر منصوبہ تیار کرنا چاہیے اور یہ کام بہر حال مجلس شوریٰ کے انعقاد سے پہلے ہو جانا چاہیے تا کہ اس کے بعد میں خود، مجلس شوریٰ اور ساری جماعت اس بات کا جائزہ لیتے رہیں کہ جماعت کے ذمہ دار ادارے اپنے اپنے منصوبہ کے مطابق پوری جدوجہد اور کوشش کررہے ہیں یا نہیں۔

وقف جدید انجمن احمدیہ کا کام بھی نہایت اہمیت رکھتا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ علاقہ کے لحاظ سے ان کی معلومات ابھی ناقص ہیں اس لئے انہیں اور زیادہ مطالعہ کی ضرورت ہے۔ اس

وقت میں جیسا کہ میں بتا چکا ہوں صرف کچھ اشارے کر رہا ہوں تفاصیل میں اداروں کو خود جانا چاہیے۔ مثلاً وقف جدید انجمن احمدیہ نے مختلف جگہوں پر تربیت کی غرض سے اپنے معلّم بٹھائے ہوئے ہیں اور وہ کام بھی کر رہے ہیں لیکن بعض رپورٹوں سے جو مجھے ملی ہیں معلوم ہوا ہے کہ ان کے اندر بھی لکیر کے فقیر ہونے کی عادت پیدا ہو رہی ہے اس لئے کہ کام چلانے کے لئے بعض قواعد وضع کرنے پڑتے ہیں اور ان کی وجہ سے کام میں سہولت پیدا ہو جاتی ہے لیکن بعد میں ان قواعد کو اصل کام سمجھ لیا جاتا ہے حالانکہ قواعد ہمارے ماتحت ہیں ہم قواعد کے ماتحت نہیں۔ اگر قواعد کے اندر لچک نہ ہو تو ہوسکتا ہے کہ وہ ہمیں فائدہ پہنچانے کی بجائے بعض جگہ نقصان بھی پہنچا دیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں عقل عطا کی ہے تا ہم اپنے وضع کردہ قواعد سے نقصان نہ اٹھائیں۔ ہمیں فراست سے کام لینا چاہیے اور ضرورت کے مطابق اپنا منصوبہ بنانا چاہیے۔ پھر منصوبہ صرف آئیڈیل (Ideal) نہیں ہونا چاہیے۔ یعنی اگر اب ہم ایک ارب کا منصوبہ بنالیں تو اس منصوبہ اور ہماری آمد کے درمیان اتنا تفاوت ہوگا کہ کوئی عقل اسے صحیح تسلیم نہیں کرے گی اور یہ ایک ہنسی کی بات بن جائے گی لیکن اگر ہماری آمد ۵۰ لاکھ روپیہ ہے اور ہم ساٹھ لاکھ روپیہ کا منصوبہ بنا لیتے ہیں تو یہ کوئی اتنا بڑا فرق نہیں جسے عقل تسلیم نہ کرے۔ ہاں اس کے لئے ہمیں جدوجہد کرنا پڑے گی اور منصوبہ کا مطلب ہی یہ ہے کہ موجودہ وقت میں جو طاقت اور وسائل ہمیں حاصل ہیں اس سے زیادہ ہم چاہتے ہیں اور اس ’’زیادہ‘‘ کو مدِّنظر رکھ کر ہم اپنی عقل سمجھ اور حالات کے مطابق ایک سکیم بناتے ہیں اور اس کے پورا کرنے کے لئے کوشش کرتے ہیں لیکن اگر ہم اگلے سال کے لئے بھی پچاس لاکھ روپیہ کا منصوبہ بناتے ہیں تو گویا ہم رک گئے اور رک جانا قوم کے لئے نہایت مہلک ہے۔

بہرحال وقفِ جدید انجمن احمدیہ کو سینکڑوں معلم اَور چاہئیں اس لئے ہمیں سینکڑوں نوجوان جو وقفِ جدید کے معلم ہونے کی اہلیت رکھتے ہیں، ملنے چاہئیں اور جلد تر ملنے چاہئیں۔ یہ صحیح ہے کہ بعض جگہ وقفِ جدید کے معلمین کا کام تسلی بخش نہیں لیکن بعض جگہوں پر انہوں نے بہت اچھا کام کیا ہے۔ اس لئے یہ تو کام دیکھ کر ہی بتایا جا سکتا ہے کہ کون سا معلّم اہل ہے اور کون سا

نااہل، جو اہل ہو اسے رکھ لیا جائے اور جو نااہل ثابت ہو اسے فارغ کر دیا جائے اور اس کی جگہ اَور رکھ لیا جائے اور ہمیں اس وقت تک ایسا ہی کرنا پڑے گا جب تک کہ ہماری ضرورت پوری نہ ہو جائے۔

پھر جماعت کی ذیلی تنظیموں انصار اللہ، خدام الاحمدیہ اور لجنہ اماء اللہ کو بھی اپنے منصوبے اور پلان (Plan) ریوائز (Revise) کرنے چاہئیں انہیں مزید غور کے بعد ان میں کچھ تبدیلیاں کر لینی چاہئیں اور اس اصول کو مدِّنظر رکھنا چاہیے کہ وہ ایسے کاموں کی طرف توجہ نہ دیں۔ جو ان کے سپرد نہیں کئے گئے اور ان کاموں کو نظر انداز نہ کریں جو ان کے سپرد کئے گئے ہیں۔ کیونکہ فرائض کو چھوڑ کر نوافل کی طرف متوجہ ہونا کوئی نیکی نہیں اور نہ اس کے اچھے نتائج ہی نکلتے ہیں۔

پس جماعت کی ان ذیلی تنظیموں کو اپنے مفوضہ فرائض احسن طور پر بجالانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ان کے کاموں میں برکت دے کہ وہ جماعت کی مضبوطی کے لئے قائم کی گئی ہیں اور اگر یہ تنظیمیں اپنے فرائض کو پوری طرح ادا کریں تو یہ جماعت کے لئے بہت برکت کا موجب بن سکتی ہیں اور خدا تعالیٰ کی رحمتوں کو جذب کر سکتی ہیں اللہ تعالیٰ انہیں ایسا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

آخر میں مَیں پھر آپ سب دوستوں کو جو احمدیت کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ انہیں بھی جو یہاں میرے سامنے بیٹھے ہیں اور انہیں بھی جو دنیا کے مختلف ممالک میں رہتے ہیں اپنے دل کی گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتا ہوں اس معنی میں بھی کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ آپ پر اپنا فضل نازل کرتا رہے اور اس سال جواب شروع ہوا ہے۔ خدا تعالیٰ کے فضل، اس کی رحمتیں اور برکتیں پچھلے سالوں سے زیادہ آپ پر نازل ہوں اور اس معنی میں بھی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو روحانی میدانِ جنگ میں ثباتِ قدم عطا فرمائے اور آپ طاغوتی طاقتوں کو دنیا کے کناروں تک دھکیلتے ہوئے جہنم میں جلد تر پھینکنے والے بن جائیں اور پھر میں آپ کو اس معنی میں بھی مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی برکتیں زیادہ سے زیادہ نازل کرے اور آپ کو اور مجھے

اس بات کی توفیق عطا فرمائے کہ جو وسائل اور اسباب اس نے ہمیں دیئے ہیں۔ ہم ان کا استعمال بہترین طور پر اور کسی منصوبہ بندی کے ماتحت اور منظم طریقہ سے کریں۔ آمین۔

وَمَا تَوْفِيْقُنَآ اِلَّا بِاللّٰهِ

(روزنامہ الفضل ربوہ ۱۵؍جنوری ۱۹۶۶ء صفحہ ۲ تا ۵)

معتکفین کو حقیقی اور انتہائی خلوت میسر آنی چاہیے تاکہ وہ اپنا وقت عبادت اور دعاؤں میں گزار سکیں

خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۴؍جنوری ۱۹۶۶ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

اسلام نے رہبانیت کی اجازت نہیں دی اسلام یہ بات جائز قرار نہیں دیتا کہ کوئی شخص دنیوی تعلقات کو کلّیۃً قطع کر کے محض خدا تعالیٰ کی عبادت کی خاطر اپنی ساری زندگی تنہائی میں گزار دے اور ان فرائض کی طرف توجہ نہ دے جو اس پر اللہ تعالیٰ نے بحیثیت ایک انسان ہونے کے عائد کئے ہیں۔ رہبانیت مختلف شکلوں میں دنیا میں پائی جاتی تھی اور اب بھی پائی جاتی ہے۔ عیسائیت نے یہ شکل اختیار کی کہ بعض عیسائیوں نے جو راہب بنے، اپنی زندگیاں چرچ اور عیسائیت کے لئے وقف کر دیں اور اس شکل میں وقف کر دیں کہ ساری زندگی انہوں نے شادی نہیں کی۔ عورتوں نے اپنے سر بھی منڈوا دیئے اور مختلف عبادت گاہوں میں انہوں نے اپنی زندگی کے دن گزار دیئے۔ ان کی اپنی بعض مشکلات اور الجھنیں تھیں جن سے دنیا بہت کم واقف ہے لیکن جن کی وضاحت خود عیسائیوں میں سے بعض دلیر مصنّفین نے کی ہے انہوں نے لکھا ہے کہ رہبانیت اختیار کرنے والوں کی زندگیاں بداخلاقیوں سے بھری پڑی تھیں کیونکہ اس قسم کی زندگی انسان کی فطرت کے خلاف ہے پھر بعض مذاہب یا بعض اقوام اور ممالک میں رہبانیت کا خیال یا

دنیا سے قطع تعلق کر لینے کا خیال اس حد تک آگے پہنچا کہ انہوں نے کہا کہ ہمارا جسم بھی مادی دنیا سے تعلق رکھتا ہے ہم اسے کلیۃً تو فنا نہیں کرتے۔ ہاں اس کے کچھ حصہ کو ہم نمونۃً قتل کر دیتے ہیں تا کہ ہمارا ربّ (ان کے اپنے زعم میں) یہ سمجھے کہ ہم نے اس کی راہ میں اپنے جسموں کو بھی قربان کر دیا ہے۔ جیسے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں بعض سادھو اپنی ایک یا دونوں بانہوں کو یا اپنی ایک ٹانگ یا دونوں ٹانگوں کو بعض خاص ریاضتوں کے ذریعہ بالکل مفلوج یا مردہ کی طرح کر دیتے ہیں۔ وہ اپنی بانہوں کو ایک لمبے عرصہ تک اور متواتر آسمان کی طرف بلند کئے رکھتے ہیں اور انہیں حرکت نہیں دیتے۔ یہاں تک کہ ان میں دورانِ خون بند ہو جاتا ہے اور وہ سوکھ جاتی ہیں۔ غرض بعض لوگ اپنے جسم کے بعض حصوں کو بعض خاص ریاضتوں کے ذریعہ بالکل مفلوج ناکارہ یا مردہ کی طرح کر دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس طرح وہ اپنے ربّ کو خوش کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ بعض انسان اس سے بھی آگے بڑھے اور انہوں نے سمجھا کہ وہ خودکشی کر کے اپنے ربّ کو راضی کر سکتے ہیں جب کہ چند ماہ پہلے بعض علاقوں سے یہ خبریں آئیں اور اخباروں میں چھپیں کہ بدھ مذہب کے بعض پیروؤں نے اپنے مذہبی حقوق منوانے کے لئے اپنے جسموں کو آگ لگا دی۔

غرض انسان اپنی اس زندگی کی جو خدا تعالیٰ نے اسے عطا کی ہے قدر نہ کرتے ہوئے اور بعض غلط خیالات میں الجھنے کی وجہ سے رہبانیت کو مختلف شکلوں میں اختیار کرتا رہا ہے۔ اسلام نے اس کی اجازت نہیں دی بلکہ اسلام جس قسم کی زندگی ہمیں گزارنے کو کہتا ہے وہ یہ ہے کہ ظاہری طور پر دنیا کا ایک حصہ ہوتے ہوئے دنیا کی کشمکش میں شریک ہوتے ہوئے اور وہ سارے فرائض ادا کرنے کے باوجود جو خدا تعالیٰ نے ہم پر عائد کئے ہیں ہم ایک طرح کے راہب ہی ہوں۔ دنیا سے قطع تعلق کرنے والے ہی ہوں۔ دنیا سے بے رغبتی کرنے والے ہی ہوں۔

اسلام نے ہر شعبۂ زندگی کے متعلق ہمیں کچھ احکام دیئے ہیں اس نے ہمیں بعض باتوں کے کرنے کا حکم دیا ہے اور بعض باتوں سے منع فرمایا ہے اور وہ ہم سے یہ چاہتا ہے کہ اس دنیا کے ہر شعبۂ زندگی میں ایک مسلمان کی حیثیت سے داخل ہوں اور پھر دنیا کو یہ بتائیں کہ اس مادی دنیا

کا ایک فعال حصہ ہونے کے باوجود ہم صرف خدا تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی کے حصول کے لئے ایک قسم کی راہبانہ زندگی گزار رہے ہیں اور در حقیقت اگر سوچا جائے تو دنیا سے قطع تعلق کر لینے کے نتیجہ میں انسان اپنے ربّ کا کامل مطیع ہو بھی نہیں سکتا کیونکہ اس طرح اس نے اپنی زندگی کے بعض پہلوؤں میں تو شائد اپنے ربّ کی اطاعت کی۔ لیکن بعض پہلوؤں میں اس نے اطاعت سے گریز کیا اور یہ موقعہ آنے ہی نہیں دیا کہ وہ اپنے ربّ کی اطاعت کرتا۔ غرض اسلام ہمیں حکم دیتا ہے کہ تم بھرپور زندگی گزارو لیکن جہاں تمہاری زندگیاں دنیوی لحاظ سے بھرپور ہوں وہاں روحانی لحاظ سے بھی بھرپور ہوں۔ تم راہب نہ ہوتے ہوئے بھی راہبانہ زندگی اختیار کرو دنیا کے جائز مشاغل میں حصہ لو، بیاہ شادی بھی کرو تم پر تمہارے والدین کے بھی بعض حقوق ہیں، تمہاری بیوی اور اولاد کے بھی بعض حقوق ہیں، تمہاے رشتہ داروں کے بھی بعض حقوق ہیں، تمہارے اسلامی بھائیوں اور دوسرے بنی نوع انسان کے بھی بعض حقوق ہیں۔ خدا تعالیٰ کی دوسری مخلوق کے بھی بعض حقوق ہیں، ان حقوق کو ادا کرنے کے ساتھ ساتھ ہم تم سے یہ خواہش رکھتے ہیں کہ تم خدا تعالیٰ کے ایک حقیقی عبد اور سچے مطیع کی حیثیت سے اپنی زندگیاں گزارو بالکل اسی طرح جس طرح ایک راہب اپنی زندگی گزارتا ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اسلام نے ایک طرف رہبانیت سے منع کیا اور دوسری طرف دنیا کے سب مشاغل کے باوجود کامل انقطاع الی اللہ کی تلقین کی تو ہمیں اس بات کا کیسے علم ہوگا کہ ایک ''راہب'' کی زندگی کیسی ہوتی ہے۔ سو اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ علم دینے کے لئے کہ وہ کس قسم کے انقطاع عن الدنیا اور اِنابت الی اللہ کو پسند کرتا ہے۔ ہمارے لئے اعتکاف کی نفلی عبادت مقرر فرمائی۔ یہ نفلی عبادت یعنی اعتکاف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے پہلے دس دنوں میں بجا لائے پھر آپ رمضان کے درمیانی دس دنوں میں بھی اعتکاف بیٹھے اور آپ یہ عبادت رمضان کے آخری عشرہ میں بھی بجا لائے ہیں۔ غرض آپ رمضان کے تینوں عشروں میں اعتکاف بیٹھے ہیں اور اسے آخری شکل آپ نے یہ دی کہ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کی عبادت بجا لائی جائے اب رمضان کا آخری عشرہ بڑا ہی محدود زمانہ ہے۔ دس دن ہی تو ہیں۔ پھر لوگوں کی تو ایک محدود تعداد اعتکاف بیٹھتی ہے لیکن اس

سے ہم سب کو کم سے کم یہ علم ضرور حاصل ہو جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ کس قسم کی زندگی گزارنے کی ہم سے امید کرتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف کے لئے خلوت اور تنہائی کو پسند فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ روایات میں آتا ہے کہ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتکاف کا ارادہ فرمایا اور حضرت عائشہؓ نے آپؐ کے لئے مسجد میں کپڑوں کی دیواروں کا ایک حجرہ بنا دیا۔ اور ساتھ ہی آپ نے یہ بھی عرض کیا کہ یا رسول اللہ اگر آپؐ اجازت عطا فرمائیں تو میں بھی اعتکاف بیٹھ جاؤں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اجازت دے دی۔ چنانچہ آپ نے اپنے لئے بھی مسجد میں ایک حجرہ بنا لیا۔ بعض دوسری ازواجِ مطہرات کو علم ہوا تو انہوں نے سوچا کہ ہم کیوں پیچھے رہیں۔ چنانچہ پہلے ان میں سے ایک نے اپنے لئے حجرہ بنایا۔ پھر دوسری نے بنایا۔ پھر تیسری نے بنایا اور اس طرح بعض دوسری ازواج کے حجرے بھی تیار ہو گئے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف کے ارادہ سے مسجد میں تشریف لائے تو آپؐ نے کئی حجرے دیکھے اس پر آپؐ نے فرمایا کہ یہ حجرے کیوں؟ کس لئے؟ اور کس کے لئے بنائے گئے ہیں؟ آپؐ کی خدمت میں عرض کیا گیا یا رسول اللہ! حضرت عائشہؓ کو دیکھ کر بعض دوسری ازواج نے بھی اپنے اپنے حجرے بنا لئے ہیں۔ اس پر آپؐ نے فرمایا کیا تم اس بات میں نیکی اور تقویٰ تلاش کرتی ہو کہ تم دوسرے کی نقل کرو اور ایک دوسرے پر فخر و مباہات کرو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ بڑی دور بین تھی۔ آپؐ چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی نظر رکھتے تھے آپؐ نے فرمایا تمہاری اس حرکت کو دیکھ کر دنیا یہ سمجھے گی کہ تم خلوصِ نیت سے کام کرنے کو نیکی نہیں سمجھتیں بلکہ دکھاوے کی عبادت کو نیکی سمجھتی ہو اور دیکھا دیکھی عبادت بجا لانا اور دکھاوے کی عبادت کرنا کوئی نیکی نہیں اس کے بعد آپؐ مسجد سے باہر تشریف لے گئے اور فرمایا میں بھی اس سال اعتکاف نہیں بیٹھوں گا۔ غرض اعتکاف بیٹھنے والے کو حقیقی اور انتہائی تنہائی اور خلوت میسر آنی چاہیے تا وہ اپنا زیادہ تر وقت خدا تعالیٰ کی عبادت اور دعاؤں میں گزار سکے۔ ان چیزوں کو دیکھ کر حضرت امام احمد بن حنبل کی جو بڑے پایہ کے امام ہیں۔ رائے ہے کہ اعتکاف کی حالت میں قرآن کریم کی تدریس اور اس کا سبقاً پڑھنا پڑھانا بھی جائز نہیں کیونکہ یہ وقت سیکھنے اور

سکھانے کا نہیں بلکہ خلوت میں اپنے ربّ کو یاد کرنے کا ہے۔لیکن بعض چھوٹی چھوٹی بدعتیں پیدا ہو جاتی ہیں جن کا دور کرنا ضروری ہے۔ ہماری اس مسجد میں اور ممکن ہے دوسری مساجد میں بھی، بعض لوگ **معتکفین** کی خلوت میں خلل انداز ہونے کی کوشش کرتے ہوں۔

انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اسے پسند نہیں کرتا میرے ایک عزیز معتکف نے دو تین سال ہوئے مجھے بتایا کہ ہم لوگ دعاؤں میں مشغول ہوتے ہیں کہ ہمارے حجرہ میں کوئی شخص ہاتھ بڑھا کر مٹھائی کی ایک چھوٹی سی تھیلی رکھ دیتا ہے پھر دوسرا آدمی آجاتا ہے اور کہتا ہے میرے لئے بھی دعا کرنا وغیرہ وغیرہ۔ یہ سلسلہ جاری رہتا ہے جس کی وجہ سے دعا کے لئے تنہائی میسر نہیں آتی یہ درست نہیں معتکف کو دعا کے لئے کہنا ہی ہے تو اعتکاف بیٹھنے سے پہلے کہہ دیں یا اس کے لئے کوئی ایسا طریق اختیار کریں جو معتکف کی عبادت اور دعا میں خلل نہ ڈالے اس دفعہ ہماری مسجد میں ۸۰ کے قریب افراد اعتکاف بیٹھے ہیں اگر ربوہ کے دس ہزار باشندے باری باری ان کے پاس آنا اور دعا کے لئے کہنا شروع کر دیں تو ان کا سارا وقت تو دعا کی درخواستیں سننے میں لگ جائے گا پھر وہ دعا کب کریں گے۔تم اس چیز کو جسے ان کے خدا اور رسولؐ نے اور تمہارے خدا اور رسولؐ نے ان کے لئے پسند کیا ہے یعنی خالص تنہائی اور خلوت ان سے چھین لیتے ہو۔ یہ کپڑے کی عارضی دیواریں اس بات کی علامت ہیں کہ ان لوگوں کو خلوت میسر آنی چاہیے اور یہ کہ دنیا کی نظر سے جو انہیں پریشان کرتی ہے اور ان کے وقت کو ضائع کرتی ہے یہ لوگ آزاد اور محفوظ رہنا چاہتے ہیں یہ دیواریں حدود اللہ کو قائم رکھنے والی چیزیں ہیں اور آنے والے کو خبردار کرتی ہیں کہ آگے نہ جائیں کیونکہ خدا تعالیٰ کا ایک بندہ اپنے ربّ کو یاد کر رہا ہے اور تم جرأت کر کے ایک آدھ لڈو یا کچھ مٹھائی اور دعا کے لئے پیغام پہنچانے کے لئے ان کے اوقات کو ضائع کر رہے ہو حقیقت یہ ہے کہ اگر اعتکاف سے بڑی عبادت نہ ہوتی جو بطور فرض کے ہے تو مساجد کے اندر اعتکاف بیٹھنے سے منع کر دیا جاتا۔ اسلام نے اجتماعی عبادتوں کو انفرادی عبادات پر ترجیح اور اہمیت دی ہے۔ مثلاً نماز باجماعت ہے جمعہ کی نماز ہے ان عبادات کو انفرادی اور نفلی عبادت پر فوقیت حاصل ہے اگر مسجد سے باہر اعتکاف بیٹھنے کا حکم دیا جاتا تو معتکف اعتکاف کے دنوں میں نہ نماز باجماعت ادا کر سکتا

اور نہ جمعہ کی نماز میں شریک ہوسکتا اور نماز باجماعت اور نماز جمعہ فرائض میں سے ہیں اور انہیں اعتکاف پر جو ایک نفلی عبادت ہے بڑی فوقیت حاصل ہے۔ صرف ان عبادات کو بجالانے کے لئے اعتکاف کے لئے مسجد کو منتخب کیا گیا ہے اور آپ محض دعا کی درخواست کرنے اور تھوڑی سی مٹھائی دینے کی خاطر معتکف بھائیوں کو ناجائز طور پر تنگ کرتے ہیں۔

معتکفین کی عبادت اور ان کی دعاؤں میں خلل انداز ہونا ثواب کا کام نہیں اس سے اجتناب کرنا ضروری ہے اگر ضروری طور پر دعا کی درخواست کرنا ہی ہے تو اجتماعی طور پر دعا کی درخواست کر دی جائے یا اعتکاف بیٹھنے سے پہلے دعا کی درخواست کر دی جائے یا اس کام کے لئے کوئی ایسا وقت تلاش کیا جائے جس میں ان کی عبادت اور دعا میں خلل واقع نہ ہو۔ گو مجھے ان دنوں میں کوئی وقت ایسا نظر نہیں آتا جو دعا اور عبادت سے خالی ہو۔ دعا کا دروازہ آپ سب کے لئے کھلا ہے جہاں ان دنوں میں معتکف بھائی دعا کرتے ہیں آپ بھی دعا کر سکتے ہیں پھر دعا اور صدقہ خیرات کے اور کئی مواقع ہیں۔ ان سے فائدہ اُٹھایا جائے۔

معتکف کو اس کے حال پر چھوڑ دیں بعض چھوٹی چھوٹی باتیں جو ہمیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نظر نہیں آتیں اور جنہیں نہ آپؐ نے پسند فرمایا ہے اور نہ اصولی طور پر ہماری طبیعت ہی انہیں پسند کرتی ہے ان سے بچنا چاہیے معتکف کو مسجد میں صرف اس لئے بٹھایا گیا ہے کہ اس کی نماز جمعہ ضائع نہ ہو اور وہ نماز باجماعت ادا کر سکے اس لئے نہیں کہ جو چاہے اور جب چاہے اس کی کوٹھڑی میں چلا جائے اور اس کی عبادت میں مخل ہو مساجد سے اعتکاف کی عبادت کو لازم کرنے سے اجتماعی دعا اور عبادت کی اہمیت بھی واضح ہوتی ہے۔ ایک دفعہ حضرت عباسؓ سے ایک دوست نے سوال کیا کہ ایک شخص سارا دن عبادت اور روزہ میں گزارتا ہے رات کو بھی وہ ذکر الٰہی اور نوافل پڑھنے میں خرچ کرتا ہے لیکن وہ نماز باجماعت سے غافل ہے اور جمعہ کی نماز میں بھی نہیں آتا اس کے متعلق آپؐ کا کیا خیال ہے حضرت ابن عباسؓ نے نہایت آرام سے جواب دیا هُوَ فِي النَّارِ وہ شخص آگ میں جائے گا۔ پس ہمیں فرائض کی طرف بہر حال پہلے متوجہ ہونا چاہیے اور نوافل تو ایک زائد عبادت ہے جس کا بجالانا بہت سی برکتوں کا موجب تو ضرور ہے اور فرائض کی

ادائیگی میں جو کمزوری اور رخنے باقی رہ جاتے ہیں ان کو دور کرنے کا ذریعہ بھی ہیں لیکن فرائض کے بغیر نوافل کوئی چیز نہیں اور جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ وہ فرائض کو چھوڑ کر نوافل کے ذریعہ خدا تعالیٰ کے قرب کو حاصل کر لے گا وہ غلطی پر ہے۔ موٹی بات ہے کہ جو سامان مرمت کرنے کے لئے ہے اسے اس مکان میں جو ابھی تعمیر ہی نہیں ہوا کیسے خرچ کیا جا سکتا ہے۔ جب تک آپ فرائض کی ادائیگی کے نتیجہ میں جنت میں اپنا مکان تعمیر نہیں کر لیتے۔ اس کے رخنے دور کرنے اور اس کی خوبصورتی اور تزئین کا سامان مہیا کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پس پہلے آپ فرائض کو کما حقہ ادا کر کے جنت میں اپنا مکان تعمیر کریں۔ پھر اس کو خوبصورت بنانے، اسے سجانے اور اس کی زیبائش کے لئے نوافل کی طرف متوجہ ہوں اور جو لوگ نوافل کی طرف متوجہ ہوں آپ ان کے نوافل اور عبادات میں مخل نہ ہوں۔

رمضان کے ان آخری دنوں میں جن میں ہم اعتکاف بیٹھتے ہیں ایک وہ رات بھی آتی ہے جو لیلۃ القدر کے نام سے موسوم ہے۔ لیلۃ القدر کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ وہ رات جس میں اگر انسان چاہے اور پھر اس کا ربّ فضل کرے تو وہ اپنی اور اپنی قوم کی تقدیر کو اپنے ربّ سے بدلوا سکتا ہے یعنی لیلۃ القدر وہ رات ہے جس میں تقدیریں بھی بدل سکتی ہیں لیکن اکثر تقدیریں جو متضرعانہ دعا کے نتیجہ میں بدل دی جاتی ہیں ہمارے علم میں نہیں آسکتیں۔ مثلاً ایک دفعہ ہماری موٹر کا ایک حادثہ ہو گیا اور وہ حادثہ اس نوعیت کا تھا کہ اگر ایک منٹ پہلے یا ایک منٹ بعد ہماری کار جائے حادثہ پر پہنچتی تو حادثہ پیش نہ آتا اور پھر یہ فضل بھی ہوا کہ جو شخص اس حادثہ کا بُری طرح شکار ہوا تھا اسے خدا تعالیٰ نے معجزانہ طور پر بچا لیا اس وقت میرے دل میں اپنے ربّ کے لئے بہت حمد پیدا ہوئی اور میں نے سوچا کہ اللہ تعالیٰ ہزاروں آفتیں اور حوادث ہم سے ٹال رہا ہے لیکن ہمیں ان کا علم بھی نہیں اور مجھے میری زندگی میں اللہ تعالیٰ نے یہ نظارہ دکھا دیا ہے تا مجھے یقین اور وثوق ہو جائے کہ خدا تعالیٰ اپنے بندوں سے کس قدر محبت رکھتا ہے۔ پس جو تقدیر نظر آتی ہے اس پر بھی خدا تعالیٰ کی حمد کرنی چاہیے اور جو تقدیر نظر نہیں آتی اس پر بھی انسان کا دل خدا تعالیٰ کی حمد سے بھر جانا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰۤی اَمۡرِہٖ وَلٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ (یوسف:۲۲) اللہ تعالیٰ

تقدیر بدل سکتا ہے اور بدلتا ہے ہاں جو تقدیر پردۂ غیب میں ہے اور پردۂ غیب میں ہی بدل دی جاتی ہے اس کے متعلق اکثر لوگ اس بات کا خیال نہیں کرتے کہ خدا تعالیٰ اپنے فضل سے ہماری دعا کو قبول فرما کر بہت سی دکھ دینے والی چیزوں کو بدل دیتا ہے اور ہمارے دل اس کی حمد سے بھر جانے چاہئیں۔ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ اکثر لوگ غیب کی ان باتوں کی طرف مومنانہ فراست سے متوجہ نہیں ہوتے اور ان کے دل حمد سے خالی رہتے ہیں۔

پس ان آخری دنوں میں اعتکاف بیٹھنے کی ایک غرض یہ بھی ہے کہ لیلۃ القدر کی تلاش کی جائے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس رات کی تلاش کے لئے ان دنوں میں اعتکاف بیٹھا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ جس کو یہ رات دکھا دے اور جس خوش قسمت کو وہ گھڑی نصیب ہو جائے جس میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی دعائیں بڑی کثرت سے سنتا ہے تو اسے اس سے پورا پورا فائدہ اُٹھانا چاہیے اور اس رات کی تلاش سے پہلے اسے یہ سوچ لینا چاہیے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اسے قبولیت دعا کی یہ گھڑی نصیب کر دی تو وہ اس میں کون کون سی دعا کرے گا۔ احادیث میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ میں نوافل بھی پڑھوں گی اور دعائیں بھی کروں گی لیکن آپ مجھے یہ بتائیں کہ اگر مجھے لیلۃ القدر کی گھڑی نصیب ہو جائے تو اس میں میں کون سی دعا کروں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس گھڑی میں تم اپنے گناہوں کی مغفرت چاہو۔ پس استغفار ایک بنیادی دعا ہے اس کے بغیر حقیقتاً ہماری زندگی زندگی ہی نہیں رہتی نہ دنیوی زندگی باقی رہ سکتی ہے اور نہ اُخروی زندگی۔ نہ مادی زندگی باقی رہ سکتی ہے اور نہ روحانی زندگی۔ اس دنیا میں جو مختصر زندگی ہمیں ملتی ہے اس میں ہم اس قدر غلطیاں کرتے ہیں اتنی کوتاہیاں ہم سے سرزد ہوتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور عفو نہ ہو اور وہ اس دنیا میں یا اگلی دنیا میں ہمیں پکڑنا چاہے تو ہمارے لئے راہِ نجات ممکن ہی نہیں۔

لیلۃ القدر کی گھڑی میں جو دعائیں مانگنی چاہئیں ان میں سے دو بنیادی اور انفرادی دعائیں استغفار اور خاتمہ بالخیر کی دعا کرنا ہے۔ استغفار یعنی اپنے گناہوں کی مغفرت چاہنا اور اپنی کوتاہیوں اور غلطیوں پر پردہ پوشی کی درخواست کرنا اور خاتمہ بالخیر ہو جائے تو پھر پچھلی غلطیاں

شمار نہیں ہوتیں۔ وہ سب معاف ہو جاتی ہیں۔ اس لئے دعا کرنی چاہیے کہ خدا تعالیٰ خاتمہ بالخیر کرے اور اپنی رضا کی جنت ہمیں نصیب کرے۔ کوئی شخص اپنی زندگی میں کتنا ہی کام کرتا رہے اگر وہ خدا تعالیٰ کی درگاہ میں قبول نہیں ہوتا تو اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ انسان سینکڑوں نہیں ہزاروں نوافل پڑھے اگر ان کا کوئی نتیجہ نہیں نکلتا تو وہ بالکل بے فائدہ ہیں۔ غرض یہ دونوں دعائیں یعنی استغفار اور خدا تعالیٰ کی رضاء کی جنت کے ملنے اور خاتمہ بالخیر کی دعا بڑی کثرت سے کرنی چاہئیں اور ان دنوں میں ان پر خاص زور دینا چاہیے یعنی خدا تعالیٰ سے اس کا عفو اور مغفرت بھی طلب کرنی چاہیے اور اس کی بارگاہ میں یہ بھی عرض کرنا چاہیے کہ یاالٰہی ہم کمزور ہیں ہمارے ہر اس فعل میں جسے ہم نے عملِ صالح سمجھ کر کیا ہے بہت سی کوتاہیاں اور غفلتیں رہ گئی ہیں تو ہمیں معاف فرما۔ تو بڑا عفو کرنے والا ہے اور تیرے عفو کے مقابلہ میں ہماری کوتاہیاں اور غفلتیں کوئی چیز نہیں تو ہماری کمزوریوں کی طرف نگاہ نہ فرما بلکہ اپنی صفت عفو کی طرف نگاہ کر۔ تو بڑا بخشنے والا اور معاف کرنے والا ہے۔ اپنی اس صفت کے صدقے تو ہماری خطائیں معاف کر۔ گناہ بخش اور ہمارا انجام بخیر کرتے ہوئے ہمیں اپنی جنت میں داخل فرما۔ اس کے علاوہ اگر قبولیت دعا کی گھڑی یعنی لیلۃ القدر میسر آجائے تو اجتماعی دعا یہ کرنی چاہیے کہ اے خدا دنیا تجھ سے دور ہوگئی ہے وہ تجھے پہچانتی نہیں۔ تیرے احسانوں کی وہ قدر نہیں کرتی۔ اے خدا! تو ایسے سامان پیدا کر دے کہ تیری عظمت تیری کبریائی، تیری توحید، تیرا اجلال اور تیری محبت سب انسانوں کے دلوں میں پیدا ہو جائے۔ اے خدا! دنیا نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھا بلکہ اس نے سرکشی کرتے ہوئے آپؐ کو دھتکار دیا ہے۔ اے خدا تو ایسے سامان پیدا فرما کہ جن سے اسلام ہماری زندگی میں ہی تمام دنیا پر غالب آجائے اور ہم آپؐ کے جھنڈے کو ہر ملک کے بلند پولوں (Poles) سے لہراتا ہوا دیکھیں۔ بہرحال ان دنوں اپنے لئے خدا تعالیٰ کی مغفرت اور اس کی جنت کے حصول کی دعائیں کرنی چاہئیں اور اجتماعی لحاظ سے خدا تعالیٰ کی عظمت، کبریائی، توحید اور جلال کے قیام اور اسلام کے غلبہ کے لئے بڑی کثرت سے دعائیں کرنی چاہئیں۔ خدا کرے کہ وہ ہمارے اعمال کو قبول فرمالے۔ کیونکہ کوئی عمل چاہے ظاہر میں کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو۔ کتنا ہی

حسین کیوں نہ ہو۔ کتنا ہی صالح کیوں نہ ہو۔ کتنا ہی نیک اور عمدہ کیوں نہ ہو۔ اگر خدا تعالیٰ اسے قبول نہیں کرتا اور نفرت سے اسے دور پھینک دیتا ہے تو وہ بالکل بے فائدہ ہے۔ پس خدا کرے کہ ہمارے اعمال اس کی نگاہ میں پسندیدہ ہوں اور وہ انہیں نہ صرف قبول فرمالے بلکہ قبولیت کے بعد ہمیں ان سے مزید فائدہ اُٹھانے کی توفیق عطا کرے۔ پھر وہ ہمیشہ ہمیں اپنی حفاظت اور امان میں رکھے۔ ہمارے دل میں اس کی توحید کے قیام اور غلبۂ اسلام کے لئے خواہش اور تڑپ بڑی شدت سے ہمیشہ موجود رہے۔ پھر ہم ان دونوں اغراض کے لئے باقاعدہ جدوجہد بھی کریں اور وہ ہماری اس جدوجہد کو قبول فرمالے اور ہماری زندگیوں میں ہی اسلام کے غلبہ اور اپنی توحید کے قیام کا سامان پیدا کر دے اور ہمیں یقین ہے کہ ایسے سامان ضرور پیدا ہوں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آسمان پر فیصلہ کر لیا ہے ہمیں یہ دعا کرنی چاہیے کہ خدا تعالیٰ ہماری زندگیوں میں ہی ایسے سامان پیدا کر دے کہ جس ملک میں بھی ہم جائیں اس کے رہنے والوں کی زندگیوں میں اسلام کی حکومت مشاہدہ کریں۔ پھر ہم یہ دیکھیں کہ وہ لوگ اسلام کے پیرو اور اس کی اطاعت کرنے والے ہیں۔ وہ اپنے ربّ کے ممنون ہیں کہ اس نے اسلام کی نعمت سے انہیں نوازا اور وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے والے ہیں کہ آپ ان کے لئے آسمان سے قرآن کریم جیسی عظیم الشان کتاب لے کر آئے۔ آمین اَللّٰھُمَّ آمین

(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۱؍جنوری ۱۹۶۶ء صفحہ ۲ تا ۴)

اگر تم خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا چاہتے ہو تو اپنے اعمال پر کبھی بھروسہ نہ کرو

خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۱ ؍جنوری ۱۹۶۶ء بمقام مسجد مبارک ۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

آج کا جمعہ جو ماہِ رمضان کا آخری جمعہ ہے اور جمعۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے، اس کے متعلق مسلمانوں کا ایک گروہ (میں یہاں فرقہ کا لفظ ارادۃً استعمال نہیں کر رہا، بلکہ گروہ کا لفظ استعمال کر رہا ہوں، کیونکہ اس کے معنی فرقہ کے معنوں سے مختلف ہیں) یہ سمجھنے لگ گیا ہے کہ لیلۃ القدر اور جمعۃ الوداع جو رمضان کا آخری جمعہ ہے۔ اپنے اندر بعض ایسی طلسمی خصوصیات رکھتے ہیں جو دوسرے دنوں میں نہیں پائی جاتیں۔ وہ سمجھتا ہے کہ جس نے جمعۃ الوداع کی عبادت بجالائی، یعنی جمعہ کی نماز باجماعت ادا کر لی۔ اس کے تمام اگلے اور پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور چونکہ وہ سمجھتا ہے کہ ہم نے اس جمعہ کے موقعہ پر اپنے سارے گناہ زبردستی معاف کروا ہی لینے ہیں، اس لئے باقی دنوں میں ہمیں اللہ تعالیٰ کی عبادت بجالانے اور ان فرائض کی طرف متوجہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جو اس نے ہم پر عائد کئے ہیں اور یہ ایک نہایت مہلک بڑا ہی باطل اور فاسد خیال ہے اور جیسا کہ میں نے اپنے ابتدائی فقروں میں اس طرف اشارہ کیا ہے۔ جہاں تک میرا علم ہے اس تخیل کو اسلام کے کسی فرقہ نے بھی نہیں اپنایا۔ اس کے باوجود چونکہ انسانی طبیعت

آرام اور سہولت کی طرف مائل ہونا پسند کرتی ہے، اس لئے شیطان نے مسلمانوں کے ایک گروہ کے دلوں میں یہ وسوسہ پیدا کر دیا ہے، کہ جمعۃ الوداع کی عبادت میں شامل ہو جاؤ تو تم پر خدا تعالیٰ اور اس کے بندوں کے کوئی حقوق باقی نہیں رہتے اور تمہارے اگلے اور پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ اس کے برعکس اسلام نے جو ہمیں تعلیم دی ہے وہ یہ ہے کہ انسان اگر اپنی ساری عمر خدا تعالیٰ کی عبادت کرتا رہے اور یہ عبادت وہ اپنی طرف سے نیک نیتی اور اخلاص کے ساتھ ہی کیوں نہ بجالائے۔ اس کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے اپنی عبادت کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کو حاصل کر لیا ہے۔ اسلام نے ہمیں بتایا ہے کہ جہاں تک عبادت کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ کے خزائن پہلے ہی بھرے ہوئے ہیں۔ انسان ان خزائن میں اپنی عبادتوں میں سے کچھ مزید شامل کرے یا نہ کرے وہاں پہلے ہی اتنی عبادتیں ہیں کہ اس کی عبادتوں سے ان خزائن میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ سورۃ بنی اسرائیل میں فرماتا ہے۔

وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَ لٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا۔ (بنی اسرآءیل: ۴۵)

یعنی دنیا کی ہر چیز اس کی تعریف کرتی ہوئی اس کی تسبیح کرتی ہے لیکن تم ان اشیاء کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔ وہ یقیناً پردہ پوشی کرنے والا اور بہت ہی بخشنے والا ہے۔

گویا خدا تعالیٰ کی مخلوقات میں سے ہر چیز ہر آن اور ہر لحظہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور تسبیح و تحمید میں مشغول ہے آپ خود ہی اندازہ لگائیں کہ صرف ہمارے جسموں میں ہی (مادی ذرات کے علاوہ) کروڑوں جاندار چیزیں پائی جاتی ہیں اور وہ ساری جاندار چیزیں جو ہمارے جسموں میں پائی جاتی ہیں، اس آیہ کریمہ کے مطابق ہر وقت یعنی دن اور رات کے ۲۴ گھنٹے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی تسبیح و تحمید میں لگی ہوئی ہیں۔ اب ان ہمارے جسموں کے اندر رہنے والی کروڑوں جاندار چیزوں کی عبادت کے مقابلہ میں ہمارے اکیلے کی عبادت کیا حیثیت رکھتی ہے۔ ہماری عبادت ان جاندار اشیاء کی عبادت کے کروڑویں حصہ تک بھی نہیں پہنچتی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ متعدد دوسری آیات میں یہ بات ہمارے ذہن نشین کراتا ہے اور ہر چیز جاندار اور بے جان

جو میں نے پیدا کی ہے وہ میری عبادت میں لگی ہوئی ہے، وہ میری تسبیح اور تحمید بیان کر رہی ہے۔ وہ میری کبریائی، عظمت اور جلال کا اعلان کر رہی ہے اور پھر وہ ہر چیز میرے تصرف میں ہے اور میرے کہنے پر چل رہی ہے، میں جو کہتا ہوں وہ کرتی ہے اور جس چیز سے میں منع کرتا ہوں وہ چھوڑ دیتی ہے۔ مثلاً آگ کو خدا تعالیٰ نے کہا ہے کہ تم نے پانی کا کام نہیں کرنا۔ اب تم نے کبھی دیکھا ہے کہ آگ نے پانی کا کام کیا ہو اور پھر یہ بتانے کے لئے کہ آگ خدا تعالیٰ کے سامنے سجدہ کرتی ہوئی اس کی اطاعت میں جلانے کا یہ فعل کر رہی ہے۔ وہ بعض اوقات خود ہی اسے حکم دے دیتا ہے کہ تم پانی کا کام بھی کرو، مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دشمنوں نے آگ میں ڈالا تو اس آگ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے بَرْدًا وَّ سَلٰمًا (الانبیآء: ۷۰) بن جانے کا حکم مل گیا۔ یعنی آگ میں جلانے کی خاصیت تھی پانی کی خاصیات اس میں نہیں پائی جاتی تھیں، لیکن خدا تعالیٰ دنیا کو یہ بتانا چاہتا تھا کہ آگ اگر جلانے کا کام کر رہی ہے تو محض میری اطاعت کر رہی ہے ورنہ اس کے اندر جلانے کی کوئی ذاتی قابلیت نہیں پائی جاتی۔ میں جو کچھ اسے کہتا ہوں وہ وہی کرتی ہے۔ اسی طرح اس کے علاوہ بھی ہر چیز میرا حکم بجالاتی ہے، ورنہ اس میں کوئی ذاتی خاصیت اور قابلیت نہیں پائی جاتی۔ لیکن ایک فلسفی کہہ سکتا تھا کہ یہ محض ایک دعویٰ ہے جس کی کوئی دلیل نہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ اس قسم کی عملی اور معجزانہ دلیلیں مہیا کرتا ہے۔ مثلاً وہ آگ کو جس میں جلانے کی خاصیت پائی جاتی ہے بعض اوقات یہ حکم دے دیتا ہے کہ تم بَرْدًا وَّ سَلٰمًا ہو جاؤ یعنی پانی کا کام کرو۔ اب آگ نے نہ کبھی پہلے پانی کا کام کیا ہوتا ہے اور نہ بعد میں اسے یہ کام کرنا ہوتا ہے، لیکن خدا تعالیٰ اس سے بعض خاص مواقع پر پانی کا کام لے لیتا ہے اور اس سے اللہ کا یہ بتانا مقصود ہوتا ہے کہ وہ جو چاہے کر سکتا ہے اور ہر چیز سے جو چاہے کام لے سکتا ہے کیونکہ ہر چیز اس کے تابع فرمان ہے وہ اس کے خلاف مرضی کوئی حرکت نہیں کرتی۔ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں ڈالے گئے تو اللہ تعالیٰ نے آگ کی جلانے کی خاصیت اس سے چھین لی اور اسے پانی کا کام کرنے کا حکم دے دیا اور اس طرح بتا دیا کہ وہ آگ چوبیس گھنٹے جلانے کا کام کرتی ہے تو صرف اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایسا کرتی ہے اس میں یہ قابلیت ذاتی طور پر نہیں پائی جاتی۔ اسی طرح دوسری مخلوق کا

حال ہے۔ پس جہاں تک عبادت کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ کے خزائن بھرے پڑے ہیں۔ خدا تعالیٰ کو ہماری عبادت کی نہ خواہش ہے اور نہ اسے اس کی کوئی ضرورت پیش آ سکتی ہے کیونکہ اس نے ہمیں بتایا ہے کہ اس نے اربوں ارب مخلوقات کو ہر وقت اپنی عبادت، تسبیح اور تحمید میں لگایا ہوا ہے۔ اس کی ہر مخلوق اس کے حکم کے مطابق اس کی عبادت اور اطاعت میں اپنی زندگی کے دن گزار رہی ہے۔ اس لئے اسے نہ تمہاری عبادت کی پرواہ ہے اور نہ اسے اس کی ضرورت ہے لیکن ہمیں اپنی جسمانی اور روحانی حیات کے لئے اس کی اطاعت اور عبادت کی ضرورت ہے۔

ہماری کتب میں ایک واقعہ حضرت ابو یزید بسطامیؒ کے متعلق آتا ہے اس سے ہمیں بڑا اچھا سبق ملتا ہے۔ حضرت ابو یزید بسطامیؒ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے نفس کو ہر تکلیف میں ڈالا اور دن اور رات خدا تعالیٰ کی عبادت میں گزارے اور یہ سلسلہ ۳۰ سال تک چلتا چلا گیا۔ ان تیس سالوں میں مَیں نے دن کی گھڑیوں کو بھی خدا تعالیٰ کی عبادت میں گزارا اور رات کو بھی اسی کے لئے قیام کیا۔ میں نے اس کی خاطر اپنے نفس کو ہر مشقت میں ڈالا۔ یعنی میں بہت ہی کم سویا اور بہت ہی کم خوراک استعمال کی اور ہر قسم کی ریاضت کی، لیکن ان تیس سال کی عبادت کے بعد ایک دن ایک وجود میرے سامنے آیا اور اس نے مجھے کہا، اے ابو یزید! اللہ تعالیٰ کے خزانے عبادت سے بھرے پڑے ہیں۔ ان میں اگر تمہاری عبادت شامل نہ بھی ہو تب بھی ان میں کوئی فرق نہیں پڑتا، تم محض ان عبادتوں کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کے قرب اور اس کی رضا کو حاصل نہیں کر سکتے۔ فَاِنْ اَرَدْتَّ الْوُصُوْلَ اِلَيْهِ اگر تم اس تک پہنچنا چاہتے ہو تو فَعَلَيْكَ بِالذِّلَّةِ وَالْاِحْتِقَارِ وَالْاِخْلَاصِ فِي الْعَمَلِ تمہیں اپنے اندر عاجزی، ذلت، تواضع اور اپنے آپ کو حقیر سمجھنے کی ذہنیت پیدا کرنی چاہیے۔ تمہیں خدا تعالیٰ کے قرب اور اس کی رضا کے حصول کے لئے بہر حال یہ رستہ اختیار کرنا پڑے گا اور پھر اپنے اعمال میں اخلاص پیدا کرنا ہوگا اور اسلامی اصطلاح کی رو سے اخلاص کے لفظ کے معنی ہی یہ ہیں کہ ہم عبادت کریں اور سمجھیں کہ اس کے نتیجہ میں بھی اگر اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا تو ہم اس کی خوشنودی اور اس کی رضا کی جنت حاصل کریں گے، محض اپنی عبادتوں اور کوششوں کے نتیجہ میں ہم نہ اس کی خوشنودی حاصل کر سکتے ہیں نہ اس کی رضا کی جنت کو پا سکتے ہیں

اور نہ اس کے قرب کی راہیں ہم پر کھل سکتی ہیں۔ بہر حال حضرت ابو یزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ ۳۰ سالہ عبادت کے بعد بھی خدا تعالیٰ کے منشا کے مطابق انہیں ایک کہنے والے نے کہا تو یہی کہا کہ تم نے اگر ۳۰ سال دن اور رات عبادت کی ہے تو یہ ایک قابل تعریف فعل ہے لیکن یہ کبھی نہ سمجھنا کہ تم محض اس عبادت کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضاء حاصل کر سکتے ہو۔ بلکہ اگر تم خدا تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا حاصل کرنا چاہتے ہو تو اپنے اعمال پر بھروسہ نہ کرو، بلکہ اپنے آپ کو ذلیل اور حقیر سمجھو اور ہمیشہ ڈرتے رہو کہ کہیں تمہارے اعمال خدا تعالیٰ کی نگاہ میں ناپسندیدہ نہ ٹھہریں اور وہ اس کے حضور قبولیت کا شرف حاصل نہ کر سکیں۔ پس اگر ساری عمر نہایت اخلاص سے عبادت بجا لانے کے بعد بھی خدا تعالیٰ کا ایک مخلص بندہ اپنی نجات کے متعلق مطمئن نہیں ہو سکتا تو ایک دن کی عبادت سے وہ کس طرح خوش ہو سکتا ہے؟ پس میں یہ نہیں کہتا کہ جمعۃ الوداع کی عبادت میں لوگ زیادہ شوق سے حصہ نہ لیں کیونکہ جو شخص خدا تعالیٰ کی عبادت کے لئے شوق سے ایک دن کے لئے بھی آتا ہے میرا کام نہیں کہ میں اس کے رستہ میں روک بنوں۔ لیکن میں یہ ضرور کہوں گا کہ محض اس طرح پر آپ اللہ تعالیٰ کی رضاء اور اس کا قرب حاصل نہیں کر سکتے، اگر تم نے ایک دن یعنی جمعۃ الوداع کو خدا تعالیٰ کی عبادت کی ہے تو تم نے اپنی عمر کا ایک حصہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت میں گزارا ہے گویا تم نے اپنے فرض کا کچھ حصہ ادا کیا ہے اور یہ بڑی اچھی بات ہے لیکن یہ کبھی نہ سمجھنا کہ جمعۃ الوداع یا رمضان کی آخری راتوں کا قیام تمہیں تمہارے دوسرے فرائض سے جو تم پر حقوق اللہ اور حقوق العباد کے بارہ میں عائد ہوتے ہیں آزاد کر دیتا ہے، ایسا ہرگز نہیں۔ بلکہ ساری عمر کی ریاضتوں اور عبادتوں کے بعد بھی تم ہمیشہ یہ دعا کرتے رہو کہ اے خدا! ہم نے اپنی حقیر کوششیں تیرے قدموں میں لا کر رکھ دی ہیں۔ اگر تو چاہے تو انہیں اپنے پاؤں کی ٹھوکر سے پرے پھینک دے، لیکن تو بڑا فضل کرنے والا اور رحمٰن و رحیم خدا ہے ہمیں تجھ سے امید ہے کہ تو ایسا ہرگز نہیں کرے گا، بلکہ محض اپنے فضل سے ہماری ان حقیر کوششوں کو قبول کرے گا اور اپنے قرب اور رضا کی راہیں ہم پر کھول دے گا۔

آخر میں مَیں ایک وصیت پڑھ کر سنانا چاہتا ہوں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ

کو کی ۔ دوست اسے غور سے سنیں اور میں سمجھتا ہوں کہ اس وصیت کو سننے کے بعد کوئی انسان مرتے دم تک اپنے کسی عمل سے کسی صورت میں بھی مطمئن نہیں ہو سکتا ۔ یہ وصیت بڑی لمبی ہے اس لئے میں اس کے الفاظ نہیں پڑھوں گا بلکہ ان کا صرف ترجمہ بیان کروں گا ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن حضرت معاذؓ سے فرمایا یَا مُعَاذُ اِنِّیْ مُحَدِّثُكَ بِحَدِيْثٍ اِنْ اَنْتَ حَفِظْتَهٗ نَفَعَكَ اے معاذ! میں تجھے ایک بات بتا تا ہوں ، اگر تو نے اسے یاد رکھا تو یہ تمہیں نفع پہنچائے گی اور اگر تم اسے بھول گئے تو اِنْقَطَعَتْ حُجَّتُكَ عِنْدَ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کا فضل تم حاصل نہیں کر سکو گے اور تمہارے پاس نجات حاصل کرنے کے بارہ میں اطمینان کے لئے کوئی دلیل باقی نہیں رہے گی ۔ یَا مُعَاذُ اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰی خَلَقَ سَبْعَةَ اَمْلَاكٍ قَبْلَ اَنْ يَّخْلُقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اے معاذ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے سے پہلے سات دربان فرشتوں کو پیدا کیا (اور جیسا کہ اس حدیث کے مفہوم سے پتہ لگتا ہے یہاں آسمانوں سے مراد روحانی آسمان ہیں جن میں روحانی لوگ اپنے اپنے درجہ کے مطابق رکھے جاتے ہیں) اور ان فرشتوں میں سے ایک ایک کو ہر آسمان پر بطور بوّاب یعنی دربان کے مقرر کر دیا ۔ ان کی ڈیوٹی تھی کہ تم اپنی اپنی جگہ پر رہو اور صرف ان لوگوں کے اعمال کو یہاں سے گزرنے دو جن کے گزرنے کی ہم اجازت دیں ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ فرشتے جو انسان کے اعمال کی حفاظت کرتے ہیں اور ان کا روز نامچہ لکھتے ہیں ، خدا کے ایک بندے کے اعمال لے کر جو اس نے صبح سے شام تک کیے تھے آسمان کی طرف بلند ہوئے اور ان اعمال کو ان فرشتوں نے بھی پاکیزہ سمجھا تھا اور انہیں بہت زیادہ خیال کیا تھا ۔ لیکن جب وہ اعمال لے کر پہلے آسمان پر پہنچے تو انہوں نے دربان فرشتے سے کہا کہ ہم خدا تعالیٰ کے حضور ایک بندے کے اعمال پیش کرنے آئے ہیں ۔ یہ اعمال بہت پاکیزہ ہیں ، تو اس فرشتے نے انہیں کہا ٹھہر جاؤ تمہیں آگے جانے کی اجازت نہیں ، تم واپس لوٹو اور جس شخص کے یہ اعمال ہیں انہیں اس کے منہ پر مارو ۔ خدا تعالیٰ نے مجھے یہاں یہ ہدایت دے کر کھڑا کیا ہے کہ میں کسی غیبت کرنے والے بندہ کے اعمال کو اس دروازہ میں سے نہ گزرنے دوں اور یہ شخص جس کے اعمال تم خدا تعالیٰ کے حضور پیش

کرنے آئے ہو ہر وقت غیبت کرتا رہتا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کچھ اور فرشتے ایک اور بندہ کے اعمال لے کر آسمان کی طرف چڑھے۔ تُزَکِّیْهِ وَ تُکَثِّرُہٗ وہ فرشتے آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ یہ اعمال بڑے پاکیزہ ہیں اور پھر یہ بندہ انہیں بڑی کثرت سے بجالایا ہے اور چونکہ ان اعمال میں غیبت کا کوئی شائبہ نہیں تھا اس لئے پہلے آسمان کے دربان اور حاجب فرشتے نے انہیں آگے گزرنے دیا۔ لیکن جب وہ دوسرے آسمان پر پہنچے تو اس کے دربان فرشتے نے انہیں پکارا، ٹھہر جاؤ، واپس لوٹو اور ان اعمال کو ان کے بجالانے والے کے منہ پر مارو۔ میں فخر ومباہات کا فرشتہ ہوں اور خدا تعالیٰ نے مجھے یہاں اس لئے مقرر کیا ہے کہ میں کسی بندے کے ایسے اعمال کو یہاں سے نہ گزرنے دوں جن میں فخر ومباہات کا بھی کوئی حصہ ہو اور وہ اپنی مجالس میں بیٹھ کر بڑے فخر سے اپنی نیکی کو بیان کرنے والا ہو۔ یہ شخص جس کے اعمال لے کر تم یہاں آئے ہو۔ لوگوں کی مجالس میں بیٹھ کر اپنے ان اعمال پر فخر ومباہات کا اظہار کیا کرتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فرشتوں کا ایک اور گروہ ایک اور بندے کے اعمال لے کر آسمان کی طرف بلند ہوا اور وہ ان فرشتوں کی نگاہ میں بھی کامل نور تھے۔ ان اعمال میں صدقہ وخیرات بھی تھا، روزے بھی تھے، نمازیں بھی تھیں اور وہ محافظ فرشتے تعجب کرتے تھے کہ خدا تعالیٰ کا یہ بندہ کس طرح اپنے ربّ کی رضا کی خاطر محنت کرتا رہا ہے اور چونکہ ان اعمال میں غیبت کا کوئی حصہ نہیں تھا اور ان میں فخر ومباہات کا بھی کوئی حصہ نہیں تھا۔ اس لئے پہلے اور دوسرے آسمان کے دربان فرشتوں نے انہیں گزرنے دیا، لیکن جب وہ تیسرے آسمان کے دروازہ پر پہنچے تو اس کے دربان فرشتہ نے کہا ٹھہر جاؤ۔ اِضْرِبُوْا بِهٰذَا الْعَمَلِ وَجْهَ صَاحِبِهٖ کہ جس شخص کے اعمال تم خدا تعالیٰ کے حضور پیش کرنے کے لئے لے جا رہے ہو اس کے پاس واپس جاؤ اور ان اعمال کو اس کے منہ پر مارو۔ میں تکبر کا فرشتہ ہوں، مجھے تیسرے آسمان کے دروازہ پر اللہ تعالیٰ نے یہ ہدایت دے کر کھڑا کیا ہے کہ اس دروازہ سے کوئی ایسا عمل آگے نہ گزرے جس کے اندر تکبر کا کوئی حصہ ہو اور یہ شخص جس کے اعمال تم اپنے ساتھ لائے ہو بڑا متکبر تھا، وہ اپنے آپ

کو ہی سب کچھ سمجھتا تھا اور دوسروں کو حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا اور ان سے تکبر اور اباء کا سلوک کیا کرتا تھا اور وہ اپنی مجالس میں گردن اونچی کر کے بیٹھنے والا تھا۔ اس کے اعمال گو تمہاری نظر میں اچھے نظر آ رہے ہیں لیکن وہ خدا تعالیٰ کی نظر میں مقبول نہیں۔

آپؐ نے فرمایا فرشتوں کا ایک چوتھا گروہ ایک اور بندے کے اعمال لے کر آسمان کی طرف بلند ہوا۔ یَزْهُوْ كَمَا يَزْهُوَ الْكَوْكَبُ الدُّرِّيُّ وہ اعمال ان فرشتوں کو کوکب الدرّی کی طرح خوبصورت معلوم ہوتے تھے۔ ان میں نمازیں بھی تھیں، تسبیح بھی تھی، حج بھی تھا، عمرہ بھی تھا۔ وہ فرشتے یہ اعمال لے کر آسمان کے بعد آسمان اور دروازہ کے بعد دروازہ سے گزرتے ہوئے چوتھے آسمان کے دروازہ پر پہنچے تو اس کے دربان فرشتے نے انہیں کہا ٹھہر جاؤ۔ تم یہ اعمال ان کے بجالانے والے کے پاس واپس لے جاؤ اور اس کے منہ پر دے مارو۔ میں خود پسندی کا فرشتہ ہوں اور اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں اس شخص کے اعمال کو جس کے اندر عجب پایا جائے۔ گویا وہ اپنے نفس کو خدا تعالیٰ کا شریک سمجھتا ہو اور خود پسندی کا احساس اس کے اندر پایا جائے اور اس میں خدا تعالیٰ کی بندگی کا احساس نہ پایا جاتا ہو۔ اس چوتھے آسمان کے دروازہ سے نہ گزرنے دوں۔ میرے ربّ کا مجھے یہی حکم ہے۔ اِنَّهٗ كَانَ اِذَا عَمِلَ عَمَلًا اَدْخَلَ الْعُجْبَ فِيْهِ یہ شخص جب کوئی کام کرتا تھا خود پسندی کو اس کا ایک حصہ بنا دیتا تھا۔ اس کے اعمال اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں مقبول نہیں ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، فرشتوں کا ایک پانچواں گروہ ایک اور بندے کے اعمال لے کر آسمانوں کی طرف بلند ہوا۔ ان اعمال کے متعلق ان فرشتوں کا خیال تھا کہ كَاَنَّهُ الْعُرُوْسُ الْمَزْفُوْفَةِ اِلٰى اَهْلِهَا۔ وہ ایک سجی سجائی سولہ سنگھار سے آراستہ خوشبو پھیلاتی دلہن کی طرح ہیں جو رخصتانہ کی رات کو اپنے دولہا کے سامنے پیش کی جاتی ہے، لیکن جب وہ چاروں آسمانوں پر سے گزرتے ہوئے پانچویں آسمان پر پہنچے تو اس کے دربان فرشتے نے کہا قِفُوْا ٹھہر جاؤ وَاضْرِبُوْا لِهٰذَا الْعَمَلَ وَجْهَ صَاحِبِهٖ ان اعمال کو واپس لے جاؤ اور اس شخص کے منہ پر مارو اور اسے کہہ دو کہ تمہارا خدا ان اعمال کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اَنَا مَلِكُ الْحَسَدِ میں

حسد کا فرشتہ ہوں اور میرے خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ ہر وہ شخص جس کو حسد کرنے کی عادت ہو۔ اس کے اعمال پانچویں آسمان کے دروازہ میں سے نہ گزرنے دوں۔ یہ شخص ہر علم حاصل کرنے والے اور نیک اعمال بجالانے والے پر حسد کیا کرتا تھا۔ میں اس کے اعمال کو اس دروازہ میں سے نہیں گزرنے دوں گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّ حَفِظَۃً فرشتوں کا ایک چھٹا گروہ ایک اور بندہ کے اعمال لے کر آسمانوں کی طرف بلند ہوا اور پہلے پانچ دروازوں میں سے گزرتا ہوا چھٹے آسمان تک پہنچ گیا۔ یہ اعمال ایسے تھے جن میں روزہ بھی تھا، نماز بھی تھی، زکوٰۃ بھی تھی، حج اور عمرہ بھی تھے اور فرشتوں نے یہ سمجھا کہ یہ سارے اعمال خدا تعالیٰ کے حضور میں بڑے مقبول ہونے والے ہیں۔ لیکن جب وہ چھٹے آسمان پر پہنچے تو وہاں کے دربان فرشتے نے کہا ٹھہر جاؤ۔ آگے مت جاؤ۔ اِنَّہٗ کَانَ لَا یَرْحَمُ اِنْسَانًا مِنْ عِبَادِ اللّٰہِ قَطُّ یہ شخص خدا تعالیٰ کے بندوں میں سے کسی بندہ پر کبھی رحم نہیں کرتا تھا اور خدا تعالیٰ نے مجھے یہاں اس لئے کھڑا کیا ہے کہ جن اعمال میں بے رحمی کی آمیزش ہو، میں انہیں اس دروازہ سے نہ گزرنے دوں۔ تم واپس لوٹو اور ان اعمال کو اس شخص کے منہ پر یہ کہہ کر مارو کہ تمہارا اپنی زندگی میں یہ طریق ہے کہ تم خدا تعالیٰ کے بندوں پر رحم کرنے کی بجائے ظلم کرتے ہو۔ خدا تعالیٰ تم پر رحم کرتے ہوئے تمہارے یہ اعمال کیسے قبول کرے؟

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کچھ اور فرشتے ایک بندے کے اعمال لے کر آسمان کے بعد آسمان اور دروازہ کے بعد دروازہ سے گزرتے ہوئے ساتویں آسمان پر پہنچ گئے۔ ان اعمال میں نماز بھی تھی، روزے بھی تھے، فقہ اور اجتہاد بھی تھا اور ورع بھی تھا لَھَا دَوِیٌّ کَدَوِیِّ النَّحْلِ وَضَوْءٌ کَضَوْءِ الشَّمْسِ ان اعمال سے شہد کی مکھیوں کی آواز ایسی آواز آتی تھی یعنی وہ فرشتے گنگنا رہے تھے کہ ہم بڑی اچھی چیزیں خدا تعالیٰ کے حضور میں پیش کرنے کے لئے لے جا رہے ہیں اور وہ اعمال سورج کی روشنی کی طرح چمک رہے تھے ان کے ساتھ تین ہزار فرشتے تھے گویا وہ اعمال اتنے زیادہ اور بھاری تھے کہ تین ہزار فرشتے ان کے خوان کو اُٹھائے ہوئے تھے۔ جب وہ ساتویں آسمان کے دروازہ پر پہنچے تو دربان فرشتہ نے جو وہاں مقرر تھا کہا ٹھہرو، تم آگے نہیں

جا سکتے ۔تم واپس جاؤ اور ان اعمال کو اس شخص کے منہ پر مارو اور اس کے دل پر تالا لگا دو کیونکہ مجھے خدا تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ میں اس کے حضور ایسے اعمال پیش نہ کروں جن سے خالصتاً خدا تعالیٰ کی رضا مطلوب نہ ہو اور ان میں کوئی آمیزش ہو۔ اس شخص نے یہ اعمال غیر اللہ کی خاطر کئے ہیں اَرَادَ بِهٖ رِفْعَةً عِنْدَ الْفُقَهَآءِ یہ شخص فقیہوں کی مجالس میں بیٹھ کر اور فخر سے گردن اونچی کر کے تَفَقُّه اور اجتہاد کی باتیں کرتا ہے تا ان کے اندر اسے ایک بلند مرتبہ اور شان حاصل ہو۔ اس نے یہ اعمال میری رضا کی خاطر نہیں کیے بلکہ محض لاف زنی کے لئے کئے ہیں ۔وَذِكْرًا عِنْدَالْعُلَمَآءِ وَصِيِّتًا فِي الْمَدَآئِنِ اس کی غرض یہ تھی کہ وہ دنیا میں ایک بڑے بزرگ کی حیثیت سے مشہور ہو جائے ۔علماء کی مجالس میں اس کا ذکر ہو۔ اَمَرَنِيْ رَبِّيْ اَنْ لَّا اَدَعَ عَمَلَهٗ يُجَاوِزُنِيْ اِلٰى غَيْرِيْ وَ كُلُّ عَمَلٍ لَّمْ يَكُنْ لِلّٰهِ تَعَالٰى خَالِصًا فَهُوَ رِيَآءٌ ۔ وہ کام جو خالصاً خدا تعالیٰ کے لئے نہ ہو اور اس میں ریاء کی ملونی ہو وہ خدا تعالیٰ کے حضور مقبول نہیں اور مجھے حکم ملا ہے کہ میں ایسے اعمال کو آگے نہ گزرنے دوں ۔تم واپس جاؤ اور ان اعمال کو اس شخص کے منہ پر دے مارو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کچھ اور فرشتے ایک اور بندے کے اعمال لے کر آسمانوں کی طرف بلند ہوئے اور ساتوں آسمانوں کے دربان فرشتوں نے انہیں گزرنے دیا۔ انہیں ان اعمال پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ ان اعمال میں زکوٰۃ بھی تھی ، روزے بھی تھے، نماز بھی تھی ، حج بھی تھا، عمرہ بھی تھا ، اچھے اخلاق بھی تھے ۔ ذکر الٰہی بھی تھا اور جب وہ فرشتے ان اعمال کو خدا تعالیٰ کے حضور میں لے جانے کے لئے روانہ ہوئے تو آسمانوں کے فرشتے ان کے ساتھ ہو لئے اور وہ تمام دروازوں میں سے گزرتے ہوئے خدا تعالیٰ کے دربار میں پہنچ گئے ۔ وہ فرشتے خدا تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو گئے لِيَشْهَدُوْا لَهٗ بِالْعَمَلِ الصَّالِحِ الْمُخْلَصِ لِلّٰهِ اور کہا اے ہمارے ربّ ! تیرا یہ بندہ ہر وقت تیری عبادت میں مصروف رہتا ہے، وہ بڑی نیکیاں کرتا ہے اور اپنے تمام اوقات عزیزہ کو تیری اطاعت میں خرچ کر دیتا ہے ۔ وہ بڑا ہی مخلص بندہ ہے ۔ اس میں کوئی عیب نہیں ۔غرض انہوں نے اس شخص کی بڑی تعریف کی ۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا اَنْتُمُ الْحَفَظَةُ عَلٰى عَمَلِ عَبْدِيْ کہ تمہیں تو میں نے اعمال کی حفاظت اور انہیں تحریر کرنے کے لئے مقرر کیا ہے ۔تم

صرف انسان کے ظاہری اعمال کو دیکھتے ہو اور انہیں لکھ لیتے ہو۔ وَاَنَا الرَّقِيْبُ عَلٰى قَلْبِهٖ اور میں اپنے بندہ کے دل کو دیکھتا ہوں۔ اِنَّهٗ لَمْ يُرِدْنِيْ لِهٰذَا الْعَمَلِ اس بندہ نے یہ اعمال بجالا کر میری رضا نہیں چاہی تھی، بلکہ اس کی نیت اور ارادہ کچھ اور ہی تھا۔ اَرَادَ بِهٖ غَيْرِيْ وہ میرے علاوہ کسی اور کو خوش کرنا چاہتا تھا فَعَلَيْهِ لَعْنَتِيْ اس پر میری لعنت ہے۔ فَتَقُوْلُ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ تو تمام فرشتے پکار اٹھیں گے عَلَيْهِ لَعْنَتُكَ وَ لَعْنَتُنَا اے ہمارے ربّ اس پر تیری بھی لعنت ہے اور ہماری بھی لعنت ہے فَتَلْعَنُهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَ مَنْ فِيْهِنَّ اور اس پر ساتوں آسمان اور ان میں رہنے والی ساری مخلوق اس پر لعنت کرنی شروع کر دے گی۔

حضرت معاذؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وصیت کو سنا تو آپ کا دل کانپ اُٹھا آپ نے فرمایا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ لِيْ بِالنَّجَاةِ وَالْخُلُوْصِ یارسول اللہ! اگر ہمارے اعمال کا یہ حال ہے تو مجھے نجات کیسے حاصل ہوگی؟ اور میں اپنے ربّ کے قہر اور غضب سے کیسے نجات پاؤں گا؟ آپؐ نے فرمایا اِقْتَدِبِيْ تم میری سنت پر عمل کرو۔ وَعَلَيْكَ بِالْيَقِيْنِ وَ اِنْ كَانَ فِيْ عَمَلِكَ تَقْصِيْرٌ اور اس بات پر یقین رکھو کہ خدا تعالیٰ کا ایک بندہ خواہ کتنے ہی اچھے عمل کیوں نہ کر رہا ہو اس میں ضرور بعض خامیاں رہ جاتی ہیں اس لئے تم اپنے اعمال پر ناز نہ کرو، بلکہ یہ یقین رکھو کہ ہمارا خدا اور ہمارا مولیٰ ایسا ہے کہ وہ ان خامیوں کے باوجود بھی اپنے بندوں کو معاف کر دیا کرتا ہے۔ وَحَافِظْ عَلٰى لِسَانِكَ اور دیکھو اپنی زبان کی حفاظت کرو اور اس سے کسی کو دکھ نہ پہنچاؤ۔ کوئی بُری بات اس سے نہ نکالو۔ وَلَا تُزَكِّ نَفْسَكَ عَلَيْهِمْ اور اپنے آپ کو دوسروں سے زیادہ متقی اور پرہیزگار نہ سمجھو اور نہ اپنی پرہیزگاری کا اعلان کرو۔ وَ لَا تُدْخِلْ عَمَلَ الدُّنْيَا بِعَمَلِ الْاٰخِرَةِ اور جو عمل تم خدا تعالیٰ کی رضا اور اُخروی زندگی میں فائدہ حاصل کرنے کے لئے کرتے ہو اس میں دنیا کی آمیزش نہ کرو۔ وَلَا تُمَزِّقِ النَّاسَ فَيُمَزِّقُكَ كِلَابُ النَّارِ اور لوگوں میں فتنہ وفساد پیدا کرنے اور انہیں پھاڑنے کی کوشش نہ کرو اگر تم ایسا کرو گے تو قیامت کے دن جہنم کے کتے تمہیں پھاڑ دیں گے۔ وَلَا تُرَاءِ بِعَمَلِكَ النَّاسَ اور اپنے عمل ریاء کے طور پر دنیا کے سامنے پیش نہ کیا کرو۔ ۳

یہ ساری باتیں اِقْتَدِہْ کی تشریح اور تفسیر ہیں اور ان کا خلاصہ یہی ہے کہ جس طرح عجز کے ساتھ۔ دنیا سے کلیۃً منہ موڑ کر اور خالصۃً اپنے ربّ کے حضور حاضر رہ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی گزاری ہے اور جس طرح آپؐ بنی نوع انسان کے لئے محض شفقت اور محض رحمت تھے۔ اسی طرح کی زندگی اگر ہم بھی گزارنے کی کوشش کریں یعنی ایک طرف ہم حقوق اللہ کو ادا کرنے کی طرف کوشش کریں اور دوسری طرف خدا تعالیٰ کے بندوں کے حقوق کا بھی لحاظ رکھنے والے ہوں اور ان پر شفقت اور رحم کرنے والے ہوں۔ ان سے پیار کرنے والے ہوں، ان کے کام آنے والے ہوں اور اپنی دعا اور تدبیر کے ساتھ ان کے دکھوں کو دور کرنے والے ہوں، وہ ہمارے بھائیوں سے زیادہ ہمیں عزیز اور ہم بھائیوں سے زیادہ ان پر شفقت کرنے والے ہوں۔ تب اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل کے ساتھ، محض اپنے فضل کے ساتھ، محض اپنے فضل کے ساتھ، ہمیں اٹھا کر اپنی گود میں بٹھا لے گا۔ کیونکہ اس کے فضل کے بغیر ہماری نجات ممکن نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو کون پیارا ہوسکتا ہے۔ حضرت ابو ہریرۃؓ روایت فرماتے ہیں کہ صحابہؓ نے آپؐ سے عرض کیا، یا رسول اللہ! کیا آپ کی نجات بھی آپ کے اعمال کے نتیجہ میں نہیں ہوگی بلکہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ہوگی؟ تو آپ نے فرمایا ہاں! میری نجات بھی محض اللہ تعالیٰ کے فضل پر موقوف ہے۔ میرے عمل کے نتیجہ میں نہیں ہوگی۔ [۴]

غرض جب تک ہم اپنے تمام کاموں میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر نہ چلیں اور آپ کی اقتداء نہ کریں اس وقت تک ہمیں تسلی نہیں ہوسکتی اور یہ تو خدا تعالیٰ کو ہی علم ہے کہ ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق اپنی زندگی بسر کرتے ہیں یا نہیں، اس لئے ہمیں اپنی زندگیوں کے آخری سانس تک خدا تعالیٰ سے دعا کرتے رہنا چاہیے، کہ اے خدا ہم نے کچھ کیا یا نہیں کیا۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ اگر ہم سب کچھ بھی کر دیں تب بھی ہمارے اعمال میں بہت سی کمزوریاں ہوں گی اور وہ اس قابل نہیں ہوں گے کہ تو انہیں قبول کرے۔ اس لئے ہم یہ نہیں کہتے کہ تو ہمارے عمل کو قبول کر، بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ تو اپنے فضل سے ہمیں قبول کر لے اور اپنے قرب

اور رضا کی راہیں ہم پر کھول دے، تا اس دنیا میں بھی ہم اس تیری جنت کے وارث بنیں اور آنے والی دنیا میں بھی ہم تیری جنت کے وارث بننے والے ہوں۔ اَللّٰھُمَّ آمِیْن

(روزنامہ الفضل ربوہ ۹؍فروری ۱۹۶۶ء صفحہ ۲ تا ۵)

مومن ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہتا ہے لیکن اس کے دل میں مایوسی پیدا نہیں ہوتی

خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۸؍جنوری ۱۹۶۶ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا۔

پچھلے دو دن میری طبیعت کچھ خراب رہی ہے مجھے گرمی لگ جانے یعنی ہیٹ سٹروک کی تکلیف ہو گئی تھی پرسوں رات قریباً ساری رات ہی میں نے جاگ کر گزاری ہے اسی تکلیف کے نتیجہ میں ساری رات پلپی ٹیشن (Palpitation) یعنی دل کی دھڑکن کی رفتار ڈیڑھ سَو سے اوپر رہی اور ضعف بھی بہت محسوس ہوتا رہا۔ آج گو پہلے کی نسبت بہت آفاقہ محسوس ہو رہا ہے اور دل کی دھڑکن کی رفتار ۹۰ کے قریب آ گئی ہے۔ (گو یہ رفتار بھی کچھ زیادہ ہے) لیکن ضعف بہت محسوس ہو رہا تھا۔ میں نے خیال کیا کہ اگر اس ضعف کی وجہ سے میں خطبہ جمعہ کے لئے مسجد میں حاضر نہ ہوا تو کہیں میرا ربّ مجھ سے ناراض نہ ہو جائے اور وہ یہ نہ کہے کہ ہم نے جماعت میں تمہاری اتنی محبت اور پیار پیدا کیا ہے اور تم اس کی ملاقات سے بھی محروم ہو رہے ہو۔ اس خوف کی وجہ سے باوجود ضعف کے میں حاضر ہو گیا ہوں اور اسی مقام خوف کی طرف میں نے پچھلے جمعہ کے خطبہ میں لوگوں کو متوجہ بھی کیا تھا اور بتایا تھا کہ مومن کا مقام خوف اور رَجا کے درمیان ہوتا ہے ایک طرف اللہ تعالیٰ کا بندہ اس سے ڈرتا رہتا ہے اور اسے اس بات کا خوف ہوتا ہے کہ کہیں اس کے کسی

ظاہری یا باطنی گناہ کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ اس سے ناراض نہ ہو جائے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شان اس قدر بلند ہے کہ میں نہیں کہہ سکتا کہ میں اسے اپنے اعمال کے نتیجہ میں خوش کر سکتا ہوں۔ پس خدا کا بندہ اپنے اعمال پر کبھی بھروسہ نہیں کرتا۔ وہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی سمجھتا ہے کہ اس نے کچھ نہیں کیا کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ ممکن ہے اس کے اعمال میں کوئی ظاہری یا باطنی نقص رہ گیا ہو اور خدا تعالیٰ انہیں ردّ کر دے اور اس مضمون پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث بھی جو گزشتہ جمعہ میں نے دوستوں کو سنائی تھی۔ بڑی وضاحت سے دلالت کرتی ہے لیکن اس خوف کے نتیجہ میں ایک مومن کے دل میں مایوسی نہیں پیدا ہونی چاہیے کیونکہ اس شخص کو جو خدا تعالیٰ سے ڈرتے ڈرتے زندگی گزار دیتا ہے خدا تعالیٰ نے بہت بڑی بشارت دی ہے۔ خدا تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ (الرّحمٰن: ۴۷)

یعنی وہ شخص جو اپنے دل میں خدا تعالیٰ کی بلند شان کو مدّنظر رکھتے ہوئے ہر وقت اس کے خوف کا احساس اپنے دل میں رکھتا ہے۔ اور سمجھتا ہے کہ میں اپنے عمل کا ایک تحفہ اپنے خدا کے حضور تو پیش کر رہا ہوں۔ آگے اس کی مرضی ہے کہ وہ اسے قبول کرے یا نہ کرے۔ خدا تعالیٰ کہتا ہے ہم ایسے شخص کو یہ بشارت دیتے ہیں کہ ہم اسے دو جنتیں دیں گے۔ ان میں سے ایک جنت وہ ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کو اس دنیا میں عطا کرتا ہے اور دوسری جنت وہ ہے جو اُخروی زندگی میں یعنی اس دنیا سے کوچ کر جانے کے بعد محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے مومن کو نصیب ہوتی ہے۔ غرض اس خوف کی وجہ سے جس کی تلقین خدا تعالیٰ کرتا ہے۔ ہمارے دلوں میں مایوسی پیدا نہیں ہوتی اور نہ اسے پیدا ہونا چاہیے کیونکہ خوف اپنی جگہ پر قائم ہے اور امید ہے، اپنی جگہ پر قائم ہے۔ گو ہمیں ڈرتے ڈرتے زندگی کے دن گزارنے چاہئیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی زندگی کے کسی لمحہ میں بھی ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہیے کیونکہ مایوسی مومن کی علامت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسے کافر کی علامت قرار دیا ہے۔ جیسا کہ وہ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

اِنَّهٗ لَا يَايْــَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ (یوسف: ۸۸)

اصل بات یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کافر لوگوں کے سوا کوئی انسان ناامید نہیں ہوتا۔غرض خوف اور مایوسی میں بڑا فرق ہے اور ہمیں اس فرق کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ نے جو یہ کہا ہے کہ وہ شخص یا قوم جو خوف کے مقام کو اختیار کرتی ہے اور اپنے ربّ سے ڈرتے ڈرتے اپنی زندگی گزارتی ہے۔ وہ اسے دو جنتیں دیتا ہے ایک جنت اسے اس ورلی زندگی میں عطا ہوتی ہے اور ایک جنت اُخروی زندگی میں اسے ملتی ہے ورلی زندگی کی جنت کا اس حدیث میں بڑی وضاحت کے ساتھ ذکر آیا ہے جو میں نے پچھلے جمعہ کے خطبہ میں سنائی تھی۔ کیونکہ جس معاشرہ میں غیبت نہ ہو۔جس معاشرہ میں فخر ومباہات نہ کیا جائے۔جس معاشرہ میں کوئی شخص بھی اپنے بھائی سے تکبر کے ساتھ پیش نہ آئے اس میں عجب اور خود پسندی کا مظاہرہ نہ ہو کوئی ایک دوسرے پر حسد نہ کر رہا ہو۔ بلکہ سارے ہی ایک دوسرے پر رحم کرنے والے ہوں جس معاشرہ میں خدا تعالیٰ کی عبادت ریاء کے طور پر نہ ہو بلکہ اخلاص کے ساتھ ہو یعنی ہر ایک شخص مخلصانہ دل کے ساتھ اپنے ربّ کو یاد کر رہا ہو۔تمام لوگ اپنے تمام اعمال محض خدا تعالیٰ کی رضا کی خاطر بجا لاتے ہوں۔تو ایسا معاشرہ یقیناً جنت کا معاشرہ ہے۔جس میں کوئی شخص کسی دوسرے کو دکھ دینے کا باعث نہیں بنتا۔ ہر شخص کو جسمانی اور روحانی دونوں قسم کا سکون حاصل ہوتا ہے۔

خوف کے علاوہ دوسری چیز جس کا ایک مومن بندے کے اندر پایا جانا ضروری ہے۔ مایوسی کا نہ ہونا ہے ایک مومن بندے کو اپنے ربّ پر کامل یقین ہونا چاہیے اور اس کا دل اس امید سے بھرا رہنا چاہیے کہ وہ ہماری خطاؤں کو اپنی مغفرت کی چادر سے ڈھانپ دے گا اور وہ محض احسان کے طور پر اور اپنی رحمانیت کی صفت کے ماتحت ہم سے سلوک کرے گا اور ہمیں اپنی رضا کی جنت میں داخل کرے گا یہ مومن بندہ کی دوسری شان ہے اور مومن بندہ ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:۔

قُلْ يٰعِبَادِىَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۔وَ اَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَ اَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۔(الزُّمر : ۵۴، ۵۵)

اے محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) تو ان تمام بندوں کو جو تجھ پر اور مجھ پر ایمان لائے ہیں۔ میرا یہ پیغام پہنچا دو کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور وہ گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں ان کے اعمال میں کچھ تقصیر بھی ہے اور گناہ کی آمیزش بھی ہے اور بعض لغزشیں بھی ان سے سرزد ہوئی ہیں۔تم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کبھی مایوس نہ ہونا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ سب گناہ بخش دیتا ہے وہ بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے اگر تم سے بار بار تقصیریں اور گناہ سرزد ہوں تب بھی تم مایوس نہ ہو کیونکہ وہ بار بار رحم کرنے والا ہے اور تم سب اپنے ربّ کی طرف جھکو اور اس کے پورے پورے فرماں بردار بن جاؤ اس کے ارشاد اور ہدایت کے مطابق اچھے اعمال بجالاؤ اور اس کی رضاء کو حاصل کرنے کی خاطر ان باتوں سے بچو جن سے بچنے کی اس نے تمہیں تلقین کی ہے۔

اور مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ۔ پیشتر اس کے کہ ایسا عذاب نازل ہو جس کے نزول کے بعد تمہاری مدد کو کوئی نہ پہنچ سکے۔یعنی اپنی زندگی میں اور موت سے پہلے اگر تم فرماں بردار بننے کی کوشش کرتے رہو گے۔تو اللہ تعالیٰ یقیناً بخشنے والا ہے۔

وہ تمہارے گناہ بخش دے گا لیکن اگر تم اپنی زندگی میں اور جب تک تمہارے ہوش وحواس قائم رہتے ہیں خدا تعالیٰ کی طرف توجہ نہ کرو اور اس کی پرواہ نہ کرو۔تم دین و دنیا کے ابتلاؤں کو اپنے لئے ایک مصیبت جانو اور بدعملی ریاء اور استکبار میں اپنی زندگی گزار دو تو موت کے وقت تمہارا پچھتانا تمہیں کوئی کام نہ دے گا بلکہ تمہیں ایسا عذاب ملے گا۔ اس سے بچنا ممکن نہ ہوگا اور اس وقت تمہارا کوئی مددگار نہیں ہوگا یعنی اس وقت خدائے رحمان بھی تمہاری مدد کو نہیں پہنچے گا۔ پس اگر تم اللہ تعالیٰ کی نصرت، اس کی مدد، اس کی مغفرت اور رحمت کے متلاشی ہو تو اسی دنیا میں اپنی نیتوں کو خالص کر کے تمام اعمال محض للہ بجالاؤ پھر اگر بشر ہونے اور ایک کمزور مخلوق ہونے کی وجہ سے تمہارے اعمال میں کوئی کوتاہی رہ جائے تو ہم بڑے ہی بخشنے والے ہیں۔ہم تمہیں بخش دیں گے۔غرض اللہ تعالیٰ ہمیں مایوسی سے روکتا ہے اور اپنی رحمت کی طرف متوجہ کرتا ہے اور ہمیں اپنے فضل وکرم کی بڑی امید دلاتا ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہے کہ اگر تم میرا قرب، میرا وصال اور میری رضاء چاہتے ہو تو ضروری ہے کہ تم میرے کہنے کے مطابق اعمال بجالاتے رہو اور

تمہاری ہمت اور کوشش یہی ہو۔ تمہاری مخلصانہ نیت یہی ہو کہ تم جو نیک کام بھی کرو گے وہ اپنے ربّ کو خوش کرنے کے لئے کرو گے اور اگر بوجہ بشر اور کمزور مخلوق ہونے کے تم سے غلطیاں سرزد ہوئیں۔ تو میں ان غلطیوں کو معاف کر دوں گا اور معاف کرنے کے یہ معنی ہیں کہ جب خدا تعالیٰ اس پر مہربان ہو گا اور اس کی غلطیوں اور کوتاہیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی مغفرت کی چادر اس کو اوڑھا دے گا۔ تو وہ ایسا ہی ہو جائے گا جیسے اس نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نیک انسان کے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ قرآن و حدیث میں ایک طریق کا ذکر آتا ہے کہ اس کے گناہوں اور نیکیوں کا موازنہ ہو گا۔

مثال کے طور پر یوں سمجھ لو کہ اچھے اور بُرے اعمال کو ایک دوسرے کے مقابلہ میں رکھا جائے گا بُرے اعمال اچھے اعمال کو کینسل (Cancel) کرتے جائیں گے یعنی ان کے اوپر خط تنسیخ کھینچتے چلے جائیں گے۔ اگر آخر میں نیک عمل رہ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں لے جائے گا۔ لیکن اگر کسی کی بداعمالیاں اس کے نیک اعمال سے زیادہ ہوں گی تو وہ اللہ تعالیٰ کے قہر کا مورد بن جائے گا۔ لیکن جس شخص کے بُرے اعمال تھے تو زیادہ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی مغفرت کی چادر ان پر ڈال دی اور وہ سب معاف کر دئے۔ تو اس شخص کے صرف اچھے اعمال ہی باقی رہ گئے۔ تو جتنا بدلہ ان اعمال کا الٰہی قانون کے مطابق مل سکتا ہے وہ اسے مل جائے گا۔ پھر اس سے زائد بھی ملے گا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی رحمت بے حد و حساب ہے۔ میں نے عید کے خطبہ میں بتایا تھا کہ رحمت کے لفظ میں مغفرت اور احسان دونوں معنی پائے جاتے ہیں۔ پس خدا تعالیٰ اس کے گناہوں کو بھی معاف کر دے گا اور پھر اچھے اعمال کا اپنے قانون کے مطابق بدلہ بھی دے گا اور پھر اپنی رحمت کے نتیجہ میں اس کو زائد بھی دے گا۔ اسی لئے تو اُخروی زندگی میں مومن کو ملنے والی جنت ابدی جنت بن جاتی ہے۔ کیونکہ اگر انسان کو محض اس کے اعمال کا ہی بدلہ ملتا تو چاہے وہ اعمال کتنے ہی زیادہ ہوتے بہرحال انہوں نے ایک وقت ختم ہو جانا تھا اور ان محدود اعمال کا بدلہ محدود ہی ملنا تھا اور ایک حد پر آ کر ختم ہو جانا تھا لیکن خدا تعالیٰ نے ہم سے رحمت اور احسان کا سلوک کرنا ہے اس لئے اس نے ہمارے لئے ایک ابدی جنت مقدر کر رکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم

میں فرماتا ہے۔

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا۔ (الکہف:۱۱۱)

یعنی جو شخص ہمارا وصال چاہتا ہے اسے چاہیے کہ نیک اور مناسبِ حال اور ہمارے احکام کے مطابق اعمال بجالائے اور کوشش کرے کہ ظاہری اور باطنی دونوں قسم کے شرکوں سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کو پاک رکھے۔ اس میں کسی قسم کی آمیزش اور ملاوٹ نہ ہونے دے غرض ایسا شخص جو عبادت کے وقت صرف خدا تعالیٰ کی ہی عبادت کرتا ہے اور کسی اور کے سامنے سر نیاز خم نہیں کرتا اور خدا تعالیٰ کے احکام بجالانے کی ہر وقت کوشش کرتا رہتا ہے۔ وہی امید رکھ سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا قرب اسے حاصل ہو جائے گا اللہ تعالیٰ اسے مل جائے گا اور جس شخص کو خدا تعالیٰ مل جائے اسے نہ اس جہان کی جنت کی ضرورت رہتی ہے اور نہ اگلے جہان کی جنت اسے درکار ہے دونوں جہانوں کی جنتوں کا منبع جو اسے حاصل ہو گیا۔ غرض خوف اپنی جگہ پر ہے اور امید و رجاء اپنی جگہ پر ہے۔ اسلام نے ہمیں کسی صورت میں بھی ناامید نہیں کیا ہمیں ڈرایا ضرور ہے۔ تنبیہ ضرور کی ہے کہ تم ڈرتے ڈرتے اپنی زندگی گزارو اور ان احکام پر عمل کرو جو ہم نے تمہارے لئے نازل کئے ہیں۔ ان بداخلاقیوں اور بداعمالیوں سے بچتے رہو جن سے بچنے کی ہم تمہیں تلقین کرتے رہتے ہیں اور ہمیں بشارت دی ہے کہ اگر تم ایسا کرو تو میں تمہارے لئے اس دنیا میں بھی جنت کا ماحول پیدا کر دوں گا۔ لیکن تم اپنے عمل پر کبھی بھروسہ نہ کرو۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی ذات اتنی ارفع، اتنی اعلیٰ، اتنی شان اور اتنی طاقت والی ہے کہ اگر کسی انسان کے دماغ میں معمولی عقل بھی ہے تو وہ ایک لحظہ کے لئے بھی یہ نہیں سوچ سکتا کہ میں اس کی رضا کی جنت کو زورِ بازو سے حاصل کرلوں گا اور میں اسے اپنے اعمال کے زور پر خوش کرلوں گا۔ اگر ہمارے اعمال خدا تعالیٰ کے ان احسانات کے مقابلہ میں رکھے جائیں جو اس نے ہم پر ہمارے پیدائش کے وقت سے لے کر موت تک کئے ہیں۔ تو ہمارے اعمال ان احسانوں کے مقابلہ میں بطور شکر کے بھی کافی نہیں۔ تو جب انسان نے پہلے قرضے ہی ادا نہیں کئے اور نہ وہ ادا کر سکتا ہے تو اپنے اعمال کی جزا کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ جب تک کہ خدا تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت اس کے شامل حال نہ ہو۔

غرض جب تک اللہ تعالیٰ انسان کو اپنے فضل اور رحمت سے نہ نوازے اس وقت تک نہ تو اسے جنت مل سکتی ہے اور نہ خدا تعالیٰ کی رضا حاصل ہو سکتی ہے۔ پس ایک طرف ہمیں یہ کہا گیا ہے کہ ڈرتے ڈرتے اپنی زندگی کے لمحات گزارو اور دوسری طرف یہ کہا گیا ہے کہ کبھی مایوس نہ ہونا کیونکہ مایوسی کفر کی علامت ہے اور وہ اسی دل میں پیدا ہوتی ہے جو خدا تعالیٰ کے احکام کا منکر اور اس کے احسانوں کا ناشکر گزار ہو جو شخص خدا تعالیٰ کے ان احسانوں کو جو ہر آن اس پر ہو رہے ہیں۔ یاد کرنے والا ہو وہ اپنے اس احسان کرنے والے ربّ سے کس طرح مایوس ہو سکتا ہے۔ غرض ہم نے زندگی کے یہ دن جو ہمیں عطا ہوئے ہیں ڈرتے ڈرتے گزارنے ہیں لیکن ہم نے خدا تعالیٰ سے کبھی مایوس نہیں ہونا۔ کیونکہ وہ بڑا فضل کرنے والا بڑا رحم کرنے والا اور بڑا احسان کرنے والا ہے اور پھر ہمیں ہمیشہ اس سے یہ دعا کرتے رہنا چاہیے کہ اے خدا ہم تو نیستی محض ہیں ہم اور ہمارے اعمال کچھ بھی نہیں لیکن ہم تیری ذات پر کامل اور پوری امید رکھتے ہیں کہ تو ہم سے احسان، فضل اور رحمت کا معاملہ کرے گا۔ ہماری خطاؤں کو معاف کر دے گا ہمیں اپنی رضا کی جنت میں داخل کرے گا اور ہمیں توفیق دے گا کہ ہم تیرے شکر گزار اور حمد کرنے والے بندے بنے رہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے بندوں کے اس زُمرہ میں شامل کرے جن سے وہ خوش ہوتا ہے اور اپنی رحمت سے انہیں نوازتا ہے۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۱۶؍فروری ۱۹۶۶ء صفحہ ۲ تا ۴)

قرآن کے سیکھنے اور سکھانے کے لئے ہمیں غیر معمولی توجہ اور خاص جدوجہد کرنی چاہیے

خطبہ جمعہ فرمودہ ۴؍فروری ۱۹۶۶ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں نے دنیوی اور روحانی ترقیات حاصل کی تھیں تو اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے قرآن کریم کو وہ عظمت دی تھی جس کا اسے حق حاصل تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے ایک کامل کتاب نازل کی تھی اور انہوں نے اس کی قدر کی۔ انہوں نے اسے پڑھا اور ان میں سے بہتوں نے اسے حفظ کیا اور اسے سمجھنے کی کوشش کی اور نہ صرف کوشش کی بلکہ اس کے سمجھنے کے لئے ہر ممکن تدبیر کے علاوہ دعاؤں کا سہارا اور اس طرح انہوں نے قرآن کریم کے علوم اپنے ربّ سے سیکھے اور اس نیت سے سیکھے کہ اس کے نتیجہ میں وہ خدا تعالیٰ کے فضلوں کے وارث ہوں۔ انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ خدا تعالیٰ کی یہ کتاب اس لئے نازل کی گئی ہے کہ وہ اس پر عمل کریں اور انہیں یقین تھا کہ اگر وہ اس پر عمل کریں گے تو اس دنیا میں بھی وہ خدا تعالیٰ کے افضال اور اس کی رحمتیں حاصل کریں گے اور اُخروی زندگی میں بھی وہ ان کے وارث ہوں گے اور جب انہوں نے قرآن کریم کی پاک تعلیم سیکھنے کے بعد اس پر عمل کیا تو قرآن کریم کے طفیل جو بڑی عظمت والی کتاب ہے انہیں اس دنیا میں بھی بڑی عظمت حاصل ہوئی اپنے تو اپنے ہی تھے غیر بھی اس بات کو

تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے کہ فی الواقعہ یہ قوم بڑی عظمت والی ہے انہوں نے قرآن کریم کی تعلیم پر عمل کیا اور اس کے نتیجہ میں قرآن کریم کی رفعتوں کے طفیل اس قوم کو بھی رفعتیں حاصل ہوئیں اور اس قدر رفعتیں انہیں نصیب ہوئیں کہ آسمان کے ستاروں کی رفعتیں بھی ان کے مقابلہ میں ہیچ نظر آنے لگیں اور وہ ان بلندیوں پر پہنچ گئی۔ جن تک دنیوی عقل کو رسائی حاصل نہیں اور انہوں نے وہ کچھ حاصل کر لیا جو انسان اپنی کوشش اپنی جدوجہد اپنی عقل اور اپنی فراست سے حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ اسلام کی پہلی تین صدیوں میں ہمیں یہی نظارہ نظر آتا ہے کہ قرآن کریم پر عمل کرنے والے دنیوی زندگی کے ہر شعبہ میں قائد سمجھے جاتے تھے وہ اسی کی برکت سے دنیا کے لیڈر بنے وہ اسی کے طفیل دنیا کے استاد بنے، دنیا کے محبوب بنے، اس لئے کہ قرآن کریم نے ان کی طبائع کو اسی طرح بدل دیا تھا کہ دنیا ان سے پیار اور محبت کرنے پر مجبور ہو گئی۔ لیکن تین صدیوں کے بعد مسلمانوں نے یہ سمجھ لیا کہ انہوں نے قرآن کریم سے جو کچھ حاصل کرنا تھا کر لیا ہے۔ جو کچھ قرآن کریم سے انہوں نے پانا تھا پا لیا ہے اب انہیں نہ قرآن کریم پڑھنے کی ضرورت ہے اور نہ اسے سمجھنے کی حاجت ہے وہ خام عقل اور دنیوی فراست جو انہیں محض اس لئے دی گئی تھی کہ وہ اس الٰہی پیغام کو سمجھنے میں ممد اور معاون بنے۔ الٹا قرآن کریم کو چھوڑ کر انہوں نے صرف اس پر انحصار کر لیا۔ تب خدا تعالیٰ نے یہ نظارہ بھی دکھایا کہ وہ قوم جو دنیا پر ہر طرح سے چھا گئی تھی اور اس نے اقوامِ عالم سے اپنی برتری کا سکہ منوا لیا تھا قعر مذلت میں گر پڑی اور اس نے اس قدر ذلتیں اور رسوائیاں اُٹھائیں کہ اَلْاَمَان وَالْحَفِیْظ۔

اب اللہ تعالیٰ نے پھر محض اپنے فضل سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مبعوث فرما کر ہمیں قرآن کریم سے متعارف کرایا ہے۔ آپؑ نے ہمیں ان تمام خوبیوں کا علم پہنچایا ہے جو قرآن کریم میں پائی جاتی تھیں اور ہمیں ان کی طرف متوجہ کیا ہے۔ چنانچہ آپؑ فرماتے ہیں۔

؎ جمال و حسنِ قرآں نورِ جان ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

کہ قرآن کریم کے حسن، اس کی خوبصورتی اور اس کی دل کو موہ لینے والی تعلیم سے ایک

مسلمان اپنی زندگی کا نور حاصل کرتا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ جس طرف بھی ہم جائیں گے جب تک قرآن کریم کی مشعل ہمارے ہاتھ میں نہ ہوگی جب تک اس کا نور ہماری راہ نمائی نہ کر رہا ہوگا ہم صداقت اور بلندیوں کی راہوں پر گامزن نہیں ہو سکتے۔ ہمارے لئے ایک لمبے عرصہ کے بعد قرآن کریم کی کھڑکیاں دوبارہ کھولی گئی ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بیش بہا اور قیمتی لعل و جواہر قرآن کریم سے نکال کر ہمارے سامنے پیش کئے ہیں۔ اگر ہم اب بھی ان کی قدر نہ کریں تو ہم جیسی بد بخت قوم اور کوئی نہیں ہوسکتی۔

پس ہمارے لئے ضروری ہے کہ قرآن کریم کے علوم نہ صرف ہم خود سیکھیں بلکہ دوسروں کو بھی سکھائیں (دوسرے لوگوں میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو نو احمدی ہیں اور وہ لوگ بھی شامل ہیں جو ہماری نئی نسل کے طور پر ہم میں شامل ہوئے ہیں) اگر ہم قرآن کریم کو مضبوطی سے پکڑے رکھیں اور اس بات پر یقین رکھیں کہ اس کے علوم کا خزانہ نہ ختم ہونے والا ہے تو جتنا زیادہ فکر اور تدبر ہم اس میں کریں گے اور شرائط کے ساتھ اور صحیح رنگ میں جتنی ہم دعا کریں گے، جتنی عاجزی اور انکسار کے ساتھ ہم خدا تعالیٰ کے سامنے جھکیں گے اور اس سے مدد چاہیں گے، اتنے ہی زیادہ علوم ہمیں قرآن کریم سے حاصل ہوں گے اور ہوتے رہیں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ ہمارا یہ فرض ہے کہ اب ہم اس نعمت عظمیٰ کو ضائع نہ ہونے دیں تا وہ اندھیری راتیں جو پچھلے زمانہ میں اسلام پر گزری ہیں وہ آئندہ تا قیامت اسلام پر نہ آئیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے ہمیں بار بار اس طرف متوجہ کیا تھا اور بڑے دکھ کے ساتھ آپ نے اس بات کا اظہار کیا تھا کہ ہم قرآن کریم سیکھنے اور سکھانے کی طرف کما حقہ توجہ نہیں دے رہے۔ میں بھی آپ لوگوں کو اس بات کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ قرآن سیکھو اور اس کے علوم حاصل کرو پھر اپنے بچوں کو بھی قرآن پڑھاؤ تا یہ نعمت ہماری ایک نسل سے دوسری نسل کی طرف منتقل ہوتی چلی جائے اور وہ بلندیاں جو ہماری ایک نسل حاصل کرے۔ ہماری آئندہ آنے والی نسلیں ان سے بھی بلند تر ہوتی چلی جائیں اور قرآن کریم کے علوم انہیں زیادہ سے زیادہ حاصل ہوتے چلے جائیں۔ قرآن کریم سے اتنا پیار کرو کہ اتنا پیار تمہیں دنیا کی کسی اور چیز سے نہ

ہو۔لیکن میں دیکھتا ہوں کہ جماعت اس طرف پوری طرح متوجہ نہیں ہو رہی ۔ پہلے بھی وہ سستی کی مرتکب ہوتی رہی ہے اور اب بھی وہ ایک حد تک غفلت کا شکار ہو رہی ہے ۔اس لئے ہمیں اس بارہ میں کوئی عملی قدم اٹھانا چاہیے میں نے سوچا ہے کہ ہم ایک منصوبہ کے ماتحت جماعت کے بچوں اور اس کے نوجوانوں کو قرآن کریم ناظرہ پڑھائیں اور پھر اس کا ترجمہ اور اس کے معانی ان کو سکھا دیں۔

قرآن کریم پڑھنے اور پڑھانے کے سلسلہ میں بڑی اور شہری جماعتوں میں غفلت پائی جاتی ہے اور دیہاتی جماعتوں میں بھی شاید اکثر ایسی ہوں جو اس طرف سے بے توجہی برت رہی ہیں ۔ چنانچہ پچھلے دنوں جماعت احمدیہ لاہور کے ایک دوست مجھے ملے اور انہوں نے مجھے بتایا کہ ہمارے حلقہ کی جماعت میں بہت سے ایسے احمدی بچے ہیں جو قرآن کریم ناظرہ پڑھنا بھی نہیں جانتے اور یہ بڑے افسوس کی بات ہے ۔ہمیں اس کیفیت کو جلد تر بدل دینا چاہیے ایسا کرنا ہمارا اوّلین فرض ہے۔

اس سلسلہ میں جو ابتدائی منصوبہ میں جماعت کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ جماعت احمدیہ لاہور کے تمام بچوں کو قرآن کریم ناظرہ پڑھانے کا کام مجلس خدام الاحمدیہ کرے ۔ اور کراچی کی جماعت کے بچوں کو قرآن کریم ناظرہ پڑھانے کا کام میں مجلس انصاراللہ کے سپرد کرتا ہوں ۔ضلع سیالکوٹ کی دیہاتی جماعتوں میں یہ کام مجلس خدام الاحمدیہ کرے، ضلع جھنگ میں جو جماعتیں ہیں ان کے بچوں کو قرآن کریم ناظرہ پڑھانے کا کام مجلس انصاراللہ کے سپرد کیا جاتا ہے ان کے علاوہ جو جماعتیں ہیں ان میں اس اہم کام کی طرف نظارت اصلاح وارشاد کو خصوصی توجہ دینی چاہیے ۔ ہماری یہ کوشش ہونی چاہیے کہ دو تین سال کے اندر ہمارا کوئی بچہ ایسا نہ رہے جسے قرآن کریم ناظرہ پڑھنا نہ آتا ہو ۔اس میں کوئی شک نہیں کہ جماعت کو اس طرف بڑی توجہ دینی پڑے گی اور اس کے لئے بڑی کوشش درکار ہو گی ہم بڑی جدوجہد کے بعد ہی اس کام میں کامیابی حاصل کر سکتے ہیں لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اس منصوبہ کو کامیاب بنانا نہایت ضروری ہے ۔اگر ہم نے الٰہی سلسلہ کے طور پر ان نعمتوں کو اپنے اندر قائم رکھنا ہے ۔ جو اللہ تعالیٰ

نے محض رحمانیت کے ماتحت ہمیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل عطا کی ہیں تو ہمیں اپنے اس منصوبہ کو کامیاب بنانے میں اپنے آپ کو پورے طور پر لگا دینا ہوگا۔

اس منصوبہ کی تفاصیل متعلقہ محکمے تیار کریں اور ایک ہفتہ کے اندر اندر مجھے پہنچائیں۔ یعنی جو حلقے مجلس خدام الاحمدیہ کو دیئے گئے ہیں اور جو جماعتیں مجلس انصاراللہ کے سپرد کی گئی ہیں اور باقی جماعتیں جو اصلاح وارشاد کے صیغہ کے سپرد کی گئی ہیں ان میں انہوں نے کس کس رنگ میں کام کرنا ہے اس کے متعلق وہ اپنا اپنا منصوبہ تیار کریں اور اس منصوبہ کی تفاصیل ایک ہفتہ کے اندر اندر مجھے پہنچائیں ان سب محکموں کو یہ بات مدِّنظر رکھنا چاہیے کہ وہ پہلے ہی سال اس کام میں سو فیصدی نہیں تو ۹۰ فیصدی کامیابی ضرور حاصل کر لیں۔ کیونکہ جو ذہین بچے ہیں وہ تو چھ ماہ کے اندر بلکہ بعض بچے اس سے بھی کم عرصہ میں قرآن کریم ناظرہ پڑھ لیں گے قاعدہ یسرنا القرآن اگر صحیح طور پر پڑھا دیا جائے تو بچہ کے لئے قرآن کریم ناظرہ پڑھنا مشکل نہیں ہوتا۔

مجھے یہ سن کر بہت تعجب ہوا ہے کہ ہمارے کالج کے بہت سے طلباء بھی قرآن کریم نہیں پڑھ سکتے اور اگر یہ بات درست ہے کہ ان میں سے ایک تعداد قرآن کریم ناظرہ پڑھنا بھی نہیں جانتی یا ان میں سے بہت سے لڑکے قرآن کریم کا ترجمہ نہیں جانتے تو انہیں یہ سوچنا چاہیے کہ اگر انہیں قرآن کریم سے وابستگی نہیں اگر انہیں قرآن کریم سے کوئی تعلق نہیں اور انہیں قرآنی علوم حاصل نہیں تو انہوں نے دنیوی علوم حاصل کر کے کیا لینا ہے۔ دنیا کے ہزاروں لاکھوں بلکہ کروڑوں دہریہ لوگ دنیا کے ان علوم کو حاصل کر رہے ہیں۔ وہ دیکھیں کہ یہ علوم دنیا کو کس طرف لے جا رہے ہیں۔ اُخروی زندگی کو تو چھوڑو وہ دنیا کو بھی تباہی کی طرف لے جا رہے ہیں وہ دیکھیں کہ آخر دنیا کو ان دنیوی علوم سے کون سی خیر و برکت حاصل ہو رہی ہے۔ آج دنیا کے ہر طبقہ کو اس بات کا احساس ہو چکا ہے کہ جس طرح ہم نے دنیوی علوم سیکھے ہیں اور جس طور پر ہم نے انہیں استعمال کیا ہے وہ انسانیت کو بھلائی کی طرف نہیں بلکہ تباہی کی طرف لے جا رہے ہیں۔ غرض ہمارے کالج کا طالب علم ہو اور پھر وہ قرآن کریم سے ناواقف ہو یہ بڑی شرم کی بات ہے۔

بہرحال ہم نے یہ کام کرنا ہے اور واضح بات ہے کہ اتنے بڑے کام کے لئے چند مربی یا

معلم یا مجالس خدام الاحمدیہ اور انصار اللہ کے بعض عہدیدار کافی نہیں ۔ یہ تھوڑے سے لوگ اس عظیم کام کو پوری طرح نہیں کر سکتے ۔ اس کے لئے ہمیں اساتذہ درکار ہیں ہمیں سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں ایسے رضا کار چاہئیں جو اپنے اوقات میں سے ایک حصہ قرآن کریم ناظرہ پڑھانے کے لئے یا جہاں ترجمہ سکھانے کی ضرورت ہو وہاں قرآن کریم کا ترجمہ سکھانے کے لئے دیں تا یہ اہم کام جلدی اور خوش اسلوبی سے کیا جا سکے۔

میں جماعت کو پھر توجہ دلاتا ہوں کہ وہ نعمت جو قرآن کریم کی شکل میں آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل دوبارہ ملی ہے اگر وہ ورثہ کے طور پر آپ کے بچوں کو نہیں ملتی تو آپ اپنی زندگی کے دن پورے کر کے خوشی سے اس دنیا سے رخصت نہیں ہوں گے۔ جب آپ کو یہ نظر آرہا ہوگا کہ خدا تعالیٰ کے فضلوں کا خزانہ یعنی قرآن کریم جو آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل حاصل کیا تھا اس سے آپ کے بچے کلیۃً ناواقف ہیں تو موت کے وقت آپ کو کیا خوشی حاصل ہوگی ۔ آپ ان جذبات کے ساتھ اس دنیا کو چھوڑ رہے ہوں گے کہ کاش آپ کی آئندہ نسل بھی ان نعمتوں کی وارث ہوتی جن کو آپ نے اپنی زندگی میں حاصل کیا تھا پس تم اپنی جانوں پر رحم کرو۔ اپنی نسلوں پر رحم کرو۔ اپنے خاندانوں پر رحم کرو اور پھر ان گھروں پر رحم کرو جن میں تم سکونت پذیر ہو کیونکہ قرآن کریم کے بغیر آپ کے گھر بھی بے برکت رہیں گے۔

ہر احمدی کا گھر ایسا ہونا چاہیے کہ اس میں رہنے والا ہر فرد جو اس عمر کا ہے کہ وہ قرآن کریم پڑھ سکتا ہو صبح کے وقت اس کی تلاوت کر رہا ہو۔ لیکن اگر مثال کے طور پر آپ کے گھر میں دس افراد ہیں اور ان میں سے صرف ایک فرد قرآن کریم پڑھنا جانتا ہے باقی نو افراد قرآن کریم پڑھنا نہیں جانتے تو گویا آپ نے اس نعمت کا ۱۰/۱ حصہ حاصل کیا لیکن دنیوی لحاظ سے آپ ساری کی ساری چیز کو حاصل کرنا چاہتے ہیں ۔ مثلاً جو تنخواہ آپ کی مقرر کی گئی ہے آپ کبھی پسند نہیں کرتے کہ آپ کو اس کا ۱۰/۱ حصہ ملے اسی طرح دوسری چیزیں ہیں غرض آپ جس کام میں بھی ہاتھ ڈالتے ہیں اس میں آپ سَو فیصدی کامیاب ہونے کی خواہش رکھتے ہیں سوائے مجنون کے آپ کو کوئی انسان ایسا نہیں ملے گا جو کام تو کر رہا ہو لیکن اس کے دل میں محض یہ خواہش ہو کہ میں اس میں

سو فیصدی کامیابی حاصل نہ کروں بلکہ دس فیصدی کامیابی حاصل کروں اور ۹۰ فیصدی مجھے ناکامی ہو اور جب دنیا میں کسی عقلمند انسان کے دل میں یہ خواہش پیدا نہیں ہوتی کہ وہ اپنے کام میں محض دس فیصدی کامیاب ہو ۹۰ فیصدی ناکام ہو تو آپ روحانی لحاظ سے یہ بات کس طرح برداشت کر سکتے ہیں کہ آپ کے گھر میں قرآن کریم کی برکات میں سے صرف دس فیصد نازل ہو اور نوے فیصدی برکات سے آپ ہمیشہ کے لئے محروم رہیں۔ پس آپ اپنی جانوں، اپنی نسلوں اور اپنے گھروں پر رحم کرتے ہوئے جلد سے جلد اس طرف متوجہ ہوں اور اپنے آپ کو رضا کارانہ طور پر اس اہم کام کے لئے پیش کریں اور کوشش کریں کہ ہر جماعت چاہے وہ شہری ہو یا دیہاتی ایک سال کے اندر اندر اس کام کا بیشتر حصہ تکمیل تک پہنچا دے اور دو یا تین سال تک ہمیں یہ نظارہ نظر آئے کہ کوئی احمدی ایسا نہ رہے جو قرآن کریم ناظرہ نہ پڑھ سکتا ہو اور کثرت سے ایسے احمدی ہوں جو قرآن کریم کا ترجمہ بھی جانتے ہوں جب تک ہم اس کام میں کامیاب نہیں ہو جاتے اس وقت تک نہ ہمیں کوئی دنیوی ترقی حاصل ہو سکتی ہے اور نہ روحانی لحاظ سے ہم سرخرو ہو سکتے ہیں کیونکہ فیوض آسمانی کا سرچشمہ ہم نے اپنے لئے بند کر لیا ہے۔ پھر ہم وہ آبِ بقا کہاں سے حاصل کریں گے۔ جو صرف قرآن کریم سے حاصل ہو سکتا ہے پس قرآن کریم کی قدر کریں اور اس کی عظمت کو اپنے دلوں اور اپنے ماحول میں قائم کریں۔ اس کی بلندیوں تک پہنچنے کا اپنے آپ کو اہل بنائیں اگر آپ ایسا کر لیں گے تو آپ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی طرح ستاروں سے بھی بلند تر ہوتے چلے جائیں گے آپ خدا تعالیٰ کی خوشنودی کو حاصل کرنے والے ہوں گے۔ خدا تعالیٰ کے قرب کے دروازے آپ کے لئے کھولے جائیں گے اس کی رضا کی جنت آپ کو حاصل ہوگی۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم سے پیار کرنے کے نتیجہ میں آپ سے پیار کرنے لگ جائے گا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جب ہم محبت کا دعویٰ کرتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ہم آپ کے پیار کو دوسری تمام چیزوں کے پیار پر ترجیح دیتے ہیں ہم آپ کی لائی ہوئی تعلیم کے ہر حصہ کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس پر عمل کرنے کی اپنی طرف سے پوری کوشش کرتے ہیں۔ اگر ہم ایسا نہیں کرتے تو ہمارا آپؐ سے محبت کا دعویٰ محض کھوکھلا دعویٰ ہوگا ہم منہ سے تو آپؐ کی محبت کا دعویٰ

کریں گے لیکن عملی طور پر آپ کی کسی ہدایت پر عمل کرنے کے لئے تیار نہیں۔ نہ دنیا ہمارے اس دعویٰ کو تسلیم کرنے کے لئے تیار ہو گی اور نہ خدا تعالیٰ کی نگاہ میں ہمارا دعویٰ مقبول ہو گا کیونکہ آپ سے محبت کے دعویٰ کا مطلب ہی یہ ہے کہ ہم آپؐ کے ہر اشارہ پر اپنی جان دینے کے لئے ہر دم تیار رہیں۔ جہاں بھی آپ کی کوئی خواہش نظر آئے ہم اسے پورا کرنے کے لئے تیار ہوں۔ ہمیں اس بات کی ضرورت نہ ہو کہ اس کی حکمت ہماری سمجھ میں آ جائے یا اس کا فلسفہ ہمارے سامنے رکھا جائے۔ اس کے منافع ہمیں بتائے جائیں یا اس کے مضرات سے بچنے کی وجوہات کی طرف ہمیں متوجہ کیا جائے۔

ہمارے لئے صرف اسی قدر کافی ہو کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش ہے اور ہم اس خواہش کو پورا کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہیں چاہے اس رستہ میں ہمیں جان بھی قربان کرنی پڑے کیونکہ محبت کا تقاضا ہی یہی ہے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت تو کرتا ہے لیکن وہ آپؐ کی کوئی بات ماننے کے لئے تیار نہیں تو آپ اُسے پاگل کہیں گے۔ دنیا اس کی محبت کے دعویٰ کو تسلیم نہیں کرے گی۔ کیونکہ آپؐ سے محبت کے دعویٰ کا مطلب ہی یہ ہے کہ ہم آپؐ کی ہر خواہش پر اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار رہیں۔ پس جب ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں تو ہمیں آپؐ کی ہر خواہش کو پورا کرنا ہو گا۔ آپؐ نے ہم سے کس بات کی خواہش کی ہے؟ آپؐ نے ہم سے یہ خواہش کی ہے کہ ہم قرآن کریم پر اسی طرح عمل کریں جس طرح آپؐ نے عمل کر کے دکھایا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جب سوال کیا گیا کہ آپؐ کے اخلاق کیسے تھے۔ آپ نے فرمایا:۔

كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰنُ [۵]

آپؐ کے اخلاق کو دیکھنا ہو تو قرآن کریم کو پڑھ لو۔ آپ کی ساری زندگی قرآن کریم کی ہی عملی تصویر ہے جو کچھ قرآن کریم نے کہا وہ آپؐ نے کر دکھایا گویا آپؐ نے اپنے الفاظ میں بھی ہدایت دے دی اور اپنے عمل سے بھی ہدایت دے دی۔ غرض آپؐ کی ساری زندگی کے سانچہ میں اپنی زندگیوں کو ڈھالنا آپؐ کی محبت کا تقاضا ہے جس کا ہم آپؐ کی ذات مبارک کے متعلق دعویٰ

کرتے ہیں۔ پس اگر آپ اپنے اس دعویٔ محبت میں سچے ہیں اور آپ اپنے نفسوں کو اور خدا تعالیٰ کو دھوکا نہیں دے رہے ہیں تو آپ کے لئے ضروری ہے کہ قرآن کریم کو خود بھی سمجھیں اور اس پر عمل کریں اور اپنے بچوں اور دوسرے ان لوگوں کو بھی جن کی ذمہ داری آپ پر ہے قرآن کریم پڑھائیں اور ان کو اس قابل بنا دیں کہ وہ قرآن کریم کے معانی سمجھ سکیں اور ان کی تربیت اس رنگ میں کریں کہ جب بھی قرآن کریم کی آواز ان کے کان میں پڑے تو دنیا کی کوئی طاقت اس پر لبیک کہنے سے انہیں نہ روک سکے۔ اگر ہم اپنے اس فرض کو پوری طرح اور خوش اسلوبی سے انجام دینے میں کامیاب ہو جائیں گے تو خدا تعالیٰ کے افضال اور اس کی رحمتیں جہاں ہم پر نازل ہوں گی وہاں وہ ہماری آئندہ نسل پر بھی نازل ہوں گی اور اگر ہمارے بعد آنے والی نسل بھی اپنی ذمہ داریوں کو اسی طرح سمجھے جس طرح ہمیں سمجھنا چاہیے اور وہ انہیں اسی طرح نبھائے جس طرح ہمیں نبھانا چاہیے تو پھر اللہ تعالیٰ کے افضال، اس کی رحمتیں اور اس کی نعمتیں نسلاً بعد نسلٍ احمدیت میں جاری اور ساری رہیں گی۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو اور خدا کرے کہ ہمارے دلوں میں قرآن کریم کی عظمت قائم ہو جائے اور پھر ایسے رنگ میں قائم ہو جائے کہ ہم خود بھی اس پر عمل کرنے والے ہوں اور اپنی نسلوں کی بھی اس رنگ میں تربیت کرنے والے ہوں کہ وہ بھی قرآن کریم کی عاشق اور فدائی ہوں۔ اس پر اپنی جانیں نچھاور کرنے والی ہوں اور اس کی ہدایت کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالنے والی ہوں۔ آمین۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۱۹؍فروری ۱۹۶۶ء صفحہ ۲ تا ۴)

بچوں کو قرآن کریم پڑھانے کے اصل ذمہ دار ان کے والدین ہیں

خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۱؍فروری ۱۹۶۶ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ[۶]
تم میں سے خیر وہ ہے جو اپنے اہل کے لئے بھی خیر ثابت ہو۔ خیر کا لفظ عربی زبان میں اسم کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے اور صفت کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے جب یہ لفظ اسم کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ تو اس کے ایک معنی یہ ہوتے ہیں کہ حُصُوْلُ الشَّیْءِ بِکَمَالَاتِہٖ کسی چیز کا اپنے تمام کمالات کے ساتھ حاصل ہو جانا۔ امام راغبؒ نے اپنی کتاب مفردات میں لکھا ہے کہ

اَلْخَیْرُ مَا یَرْغَبُ فِیْہِ الْکُلُّ کَالْعَقْلِ مَثَلًا وَّالْعَدْلِ وَالْفَضْلِ وَالشَّیْءِ النَّافِعِ وَضِدُّہٗ اَلشَّرُّ۔

یعنی خیر اس چیز کو کہتے ہیں جس کے حصول کا سارے کے سارے لوگ بلا استثناء ارادہ کریں۔ پھر رغبت کے معنوں میں ارادہ اور محبت ہر دو مفہوم پائے جاتے ہیں اس لئے خیر کے معنی ہوں گے۔ وہ چیز جو تمام بنی نوع انسان کی محبوب ہو جیسے مثلاً عقل ہے۔ اب دنیا میں کوئی انسان یہ نہیں کہے گا کہ مجھے عقل نہیں چاہیے میں تو بیوقوف اور احمق بننا چاہتا ہوں پھر انصاف ہے دنیا کا

کوئی انسان یہ نہیں کہے گا کہ میں انصاف کو پسند نہیں کرتا پھر اس کے معنی نفع دینے والی چیز کے ہیں آپ کو کوئی انسان ایسا نہیں ملے گا جو کہے مجھے وہ اشیاء درکار نہیں جو نفع دینے والی ہیں بلکہ مجھے ان اشیاء کی ضرورت ہے جو نقصان دینے والی ہوں۔ پس خیر ہر اس چیز کو کہیں گے جس میں تمام بنی نوع انسان رغبت اور اس کے حصول کی خواہش رکھتے ہوں اور پھر وہ چیز انہیں محبوب اور پیاری ہو پھر صرف یہ نہیں کہ وہ چیز بنی نوع انسان کو پیاری ہو بلکہ ہر حال میں پیاری ہو۔ چنانچہ امام راغب نے لکھا ہے کہ وَهُوَ اَنْ يَّكُوْنَ مَرْغُوْبًا فِيْهِ بِكُلِّ حَالٍ وَّ عِنْدَ كُلِّ اَمْرٍ۔

یعنی وہ چیز انسان کو ہر حال میں مرغوب ہو اور اگر غور سے دیکھا جائے تو وہ چیزیں جو ہمیں بطور انسان کے مرغوب اور محبوب ہیں اور ہم ان سے پیار کرتے ہیں وہی ہیں جن کا تقاضا ہماری فطرتِ صحیحہ کی مختلف صفات کر رہی ہوتی ہیں۔ جو چیزیں ہماری فطرتِ صحیحہ کے خلاف ہوں اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم میں سے بعض افراد ان سے دلچسپی لے سکتے ہیں اور انہیں اچھا سمجھ سکتے ہیں لیکن سارے کے سارے بنی نوع انسان اس میں رغبت نہیں رکھتے اور نہ ان سے محبت کرتے ہیں۔ پس ایسی اشیاء جو اس تعریف کے ماتحت آتی ہیں۔ وہ صرف وہی چیزیں ہو سکتی ہیں۔ جن کا مطالبہ انسان کی فطرتِ صحیحہ کی مختلف صفات نے کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا پھر اس کی فطرت میں کچھ صفات رکھیں پھر ہر صفت پر جو اس میں رکھی اپنی صفت کا ایک ٹھپہ لگا دیا اس پر اپنی صفت کی مہر لگا دی۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی وہ تمام صفات عطا کیں جن کا تعلق اس کی دنیوی زندگی سے تھا خدا تعالیٰ کی صفات تو غیر محدود ہیں۔ لیکن ایک محدود انسانی زندگی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی جن صفات کا تعلق تھا ان میں سے ہر ایک صفت خدا تعالیٰ نے انسان کو عطا کی اور پھر اس پر اپنی اسی صفت کا ٹھپہ اور مہر لگا دی اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک اور چیز بھی عطا کی اور وہ انسان کی طبیعت ثانیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی صفات میں کامل اور غیر محدود ہے اور وہ اپنی ان صفات کے غیر محدود مظاہرے ہر آن کرنے والا ہے۔ لیکن انسان محدود تھا اس لئے ان صفات کے مل جانے کے بعد اختلافی طور پر ایک چیز باقی رہ جاتی تھی اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی صفات کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرتا ہے۔ جیسے

فرمایا یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ (اٰلِ عمران:۴۱) عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (البقرۃ:۲۱) یعنی ہر چیز جسے وہ چاہے کرتا ہے وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ پھر فرمایا خدا تعالیٰ غَالِبٌ عَلٰٓی اَمْرِہٖ (یوسف:۲۲) ہے یعنی کوئی چیز اسے کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر مجبور نہیں کر سکتی اب اگر خدا تعالیٰ انسان کو اپنی صفات عطا کر کے چھوڑ دیتا اور اسے طبیعتِ ثانیہ عطا نہ کرتا تو اس رنگ میں یہ بنیادی اختلاف پیدا ہو جاتا کہ وہ آزاد نہ رہا بلکہ ان صفات کے مطابق عمل کرنے پر مجبور ہو گیا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ خدا تعالیٰ نے انسان کو اپنی بعض صفات عطا کر کے کہا میں اب تمہیں آزادی بھی دیتا ہوں اور اس آزادی کے لئے ایک متوازی طبیعتِ ثانیہ کی ضرورت تھی۔ خدا تعالیٰ نے انسان کو کہا میں نے تمہیں اپنی صفات تو دے دی ہیں لیکن تم ان کے مطابق عمل کرنے پر مجبور نہیں ہو میں تمہیں یہ اجازت بھی دیتا ہوں کہ اگر تم چاہو تو ان صفات کی قدر نہ کرو اور ان وساوس میں مبتلا ہو جاؤ جو شیطان تمہارے دل کے اندر پیدا کرتا ہے۔ تم میرے حکم کی تعمیل کی بجائے شیطان کی پیروی کرنے لگ جاؤ اور میری صفات کا مظہر بننے کی بجائے شیطانی صفات کے مظہر بن جاؤ تمہیں آزادی ہے تم جو چاہو کرو اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو فطرتِ صحیحہ کے ساتھ ساتھ ایک طبیعت ثانیہ بھی عطا کی اور اس کی وجہ سے انسان بعض دفعہ شیطان کی بات مان کر خدا تعالیٰ کے مقابلہ پر کھڑا ہو جاتا ہے حالانکہ انسان کی فطرتِ صحیحہ اسے ایسا کرنے سے منع کرتی ہے۔ اسی چیز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:۔

یٰٓاَیُّھَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ ۔ الَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۔ فِیْٓ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ۔ (الانفطار:۷ تا ۹)

یعنی اے انسان تجھے کس نے تیرے ربّ کے بارے میں مغرور بنایا ہے۔ مَا غَرَّكَ بِفُلَانٍ کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ تجھے اس کے مقابلہ میں دلیری اور جرأت کے ساتھ کھڑے ہو جانے پر کس نے آمادہ کیا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے انسان ہم نے تجھے پیدا کیا پھر تیری فطرتِ صحیحہ میں اپنی بعض صفات رکھیں اور پھر تجھے اپنی صفات کا مظہر بنایا۔ فَسَوّٰىكَ پھر تیری ان صفات کو تیرے مناسب حال درست کیا اور پھر تجھے خالی صفات ہی نہیں دیں بلکہ تجھے ان صفات کے

مطابق اعمال بجالانے کی قوت بھی عطا کی خدا تعالیٰ تو خیر قادر مطلق ذات ہے۔ اس کی صفات اور اس کی قدرتیں پہلو بہ پہلو چل رہی ہوتی ہیں اس کے لئے نہ اس دنیا میں کوئی روک ہے اور نہ اگلی دنیا میں کوئی روک ہے۔ وہ مٰلِكُ كُلِّ شَيْءٍ ہے وہ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ہے وہ قَادِرٌ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ ہے لیکن انسان ایسا نہیں۔ اس کو اگر اللہ تعالیٰ نے محض اپنی بعض صفات دی ہوتیں لیکن ان کے مطابق اعمال بجالانے کی طاقت اسے حاصل نہ ہوتی تو یہ سب صفات اس کے کسی کام کی نہ ہوتیں وہ محض ایک بیکار شے ہوتیں مثلاً صفت رحم ہے اگر اللہ تعالیٰ انسان کو صفت رحم تو عطا کرتا لیکن رحم کرنے کے لئے جن اسباب اور ذرائع کی ضرورت ہوتی ہے وہ اسے عطا نہ کئے جاتے تو یہ صفت انسان کے لئے بیکار شے بن کر رہ جاتی۔ پس جہاں تک انسان کا تعلق ہے ضروری ہے کہ ہر صفت کے مطابق اسے اعمال بجالانے کے لئے مناسب ذرائع سامان اور اسباب بھی عطا کئے جائیں ورنہ وہ صفت انسان کے کسی کام کی نہیں رہتی تو فرمایا فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ہم نے تجھے تیری صفات کے مطابق ایسی قوتیں دی ہیں اور ایسے اسباب پیدا کر دئے ہیں کہ یہ صفات ناکارہ نہ بن جائیں بلکہ تو ان کے مطابق اپنی عملی زندگی گزار سکے ہم نے تجھے اپنی صفات کا مظہر بنایا ہے اور ان کے مطابق عمل بجالانے یا نہ بجالانے میں آزاد رکھا ہے پھر فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ اس کے بعد خدا تعالیٰ نے جو صورت پسند کی اس میں تجھے ڈھالا اس آیت میں اس طرف بھی لطیف اشارہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے مجبور پیدا نہیں کیا بلکہ تجھے تیری فطرتِ صحیحہ کے ساتھ ساتھ طبیعتِ ثانیہ بھی عطا کی ہے اور تجھے اجازت دی ہے کہ اگر تو چاہے تو خدا تعالیٰ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اس کی صفاتِ حسنہ کا حقیقی مظہر بنے اور اگر تو چاہے تو خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں اباء اور استکبار کا رویہ اختیار کرتے ہوئے بغاوت اختیار کرلے اور شیطان کے گروہ میں شامل ہو جائے اور خدا تعالیٰ کا انسان کو یہ آزادی دینا بھی دراصل اسے مظہرِ صفاتِ باری بنانے کے لئے ضروری تھا۔ ورنہ اگر جبر کا طریق اختیار کیا جاتا تو اس میں اور خدا تعالیٰ کی دوسری مخلوقات میں کوئی فرق نہ رہتا اور انسان کو دوسری مخلوقات پر کوئی فضلیت حاصل نہ ہوتی کیونکہ خدا تعالیٰ کی ساری مخلوقات ہی اس کی اطاعت میں لگی ہوئی ہے اور وہ اس کے احکام کے بجالانے سے انکار نہیں کرسکتی۔ دیکھو

خدا تعالیٰ بھی محنت کا پھل دیتا ہے اور آم کا درخت بھی خدا تعالیٰ کے اِذن کے ساتھ محنت کا پھل دیتا ہے یعنی انسان آم کے درخت پر محنت کرے تو خدا تعالیٰ کے اِذن کے ساتھ اسے محنت کا پھل مل جاتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ وہ محنت تو کرے اس لئے کہ اسے اس درخت سے آم ملیں لیکن اسے اس درخت سے کھٹی گلگل حاصل ہو کیونکہ اس درخت نے خدا تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کرنی ہے، خدا تعالیٰ کا اسے حکم ہے کہ اگر کوئی انسان اس کی پرورش کرے تو وہ بڑا ہو کر اسے آم ایسا میٹھا پھل دے لیکن اس آم میں خدا تعالیٰ کے صفات کا مظہر بننے کی اہلیت نہیں کیونکہ جہاں جبری اطاعت ہو وہاں کامل مظہریت پیدا نہیں ہوتی جیسے اللہ تعالیٰ پر کسی اور ہستی کا زور نہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو بھی اس کے ایک محدود دائرہ کے اندر آزادی دے دی (بڑے دائرہ کے اندر تو وہ بھی بہت سی پابندیوں میں جکڑا ہوا ہوتا ہے) یعنی اس کو ایسی قوتیں عطا کر دیں کہ وہ بھی خدا تعالیٰ کی ان صفات کو جو اسے عطا کی گئی ہیں ایک محدود دائرہ کے اندر اپنی مرضی سے استعمال کر سکے اور اگر چاہے تو وہ راستہ بھی اختیار کر لے جو اس کی فطرت صحیحہ کے مطابق نہیں۔

غرض خیر کے معنی جیسا کہ میں نے بتایا ہے اس چیز کے ہیں جسے انسان ہر حالت میں پسند کرتا ہے۔ وہ اس میں رغبت رکھتا ہے اور اسے حاصل کرنے کا ارادہ کرتا ہے اور اگر تدبر اور فکر سے کام لیا جائے تو ایسی اشیاء صرف وہی ہو سکتی ہیں جن کا مطالبہ ہماری فطرت صحیحہ کر رہی ہو کیونکہ جو چیز ہماری فطرت صحیحہ کے مطابق اور مناسبِ حال نہیں اسے تمام بنی نوع انسان پسند نہیں کر سکتے۔ اس کو وہ محبوب نہیں رکھ سکتے۔ وہ ان کی مرغوب نہیں ہو سکتی۔ انسان کو مرغوب اور محبوب وہی چیز ہو سکتی ہے جس کا اس کی فطرتِ صحیحہ تقاضا کر رہی ہو۔ پس جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ

تو آپؐ کی اس سے یہی مراد تھی کہ تم میں سے سب سے زیادہ صاحبِ خیر یعنی ان چیزوں کو جن کا اس کی فطرتِ صحیحہ مطالبہ کرتی ہے اور خواہش رکھتی ہے۔ سارے کمالات کے ساتھ حاصل کرنے والا وہ شخص ہے جو ان سب بھلائیوں کو اپنے اہل کے لئے بھی منتخب کرتا ہے کیونکہ اگر کوئی

شخص حقیقتاً یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر بن کر میں نے ان تمام خوبیوں کو اپنے نفس کے اندر جمع کرنا ہے اور تمام دنیوی اور روحانی مدارج ارتقاء کو طے کرتے ہوئے فطرت کے سارے تقاضوں کو بہ کمال حاصل کرنا ہے یعنی خدا تعالیٰ کا بندۂ کامل بن جانا ہے۔تو وہ یہ ہرگز برداشت نہیں کرسکتا کہ وہ تمام بھلائیاں جو اسے حاصل ہیں۔اس کے بیوی بچوں اور دوسرے عزیزوں کو حاصل نہ ہوں۔مثلاً اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر اپنی ایک صفت ربوبیت بھی رکھی ہے۔اب انسان ان تمام صفات کا جو خدا تعالیٰ نے اس کے اندر رکھی ہیں اپنے کمالات کے ساتھ مظہر بن ہی نہیں سکتا جب تک کہ وہ ربوبیت کی صفت کا مظہر نہ ہو یعنی وہ اس خیر کو جو اس کے اندر پائی جاتی ہے اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں تک نہ پہنچائے۔تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ کہہ کر اس طرف توجہ دلائی ہے کہ ہم میں سے ہر اس شخص کے لئے جو خدا تعالیٰ کی عطا کردہ صفات کو بروئے کار لاتا ہے اور خدا تعالیٰ کی صفات میں اس کا مظہرِ کامل بنتا ہے۔ضروری ہے کہ وہ اپنی اولاد کی فکر کرے اور وہ ان کی صحیح رنگ میں تربیت کرنے والا ہو کیونکہ جو شخص اپنی اولاد اپنے رشتہ داروں اور اپنے خاندان (اھل میں یہ سب شامل ہیں) کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔وہ خود اپنے عمل سے اس پر مہر لگا دیتا ہے کہ وہ ان تمام صفاتِ حسنہ کو کام میں نہیں لگا رہا جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا کی ہیں بلکہ وہ ان میں سے بعض صفات کو نظرانداز کر رہا ہے۔پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جب تک تم اپنی اولاد اپنے رشتہ داروں اور اپنے خاندان کی صحیح تربیت کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔تم اس مقام کو حاصل نہیں کر سکتے جس کے حصول کے لئے انسان کی پیدائش کی گئی ہے۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان خیر کیسے بن سکتا ہے یا ہم کن راہوں پر چل کر خیر کو حاصل کر سکتے ہیں یا ہمیں خیر کہاں سے مل سکتی ہے اس کا سادہ جواب یہی ہے کہ یہ چیز قرآن کریم سے حاصل ہوتی ہے۔قرآن کریم کا ایک لفظی خلاصہ خود قرآن کریم میں ''خیر'' کہا گیا ہے۔قرآن کریم میں ہے مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ (النحل:۳۱) جب مسلمانوں سے سوال کیا جاتا ہے کہ تمہارے ربّ نے کیا اُتارا۔قَالُوْا خَيْرًا (النحل:۳۱) وہ کہتے ہیں خیر۔گویا ''خیر'' کے لفظ میں قرآن کریم کا

خلاصہ ہے قرآن کریم کا ایک اجمالی خلاصہ خدا تعالیٰ نے اس کے شروع میں سورۃ فاتحہ کی شکل میں بیان کر دیا ہے اور اس کی آخری تین سورتیں بھی اس کا خلاصہ ہیں اور پھر اس کا ایک لفظی خلاصہ ''خیر'' بھی ہے اب دیکھو کتنی عجیب بات ہے کہ خدا تعالیٰ نے سارے قرآن کریم کا خلاصہ صرف ایک لفظ میں بیان کر دیا ہے اور وہ لفظ ''خیر'' ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے الہاماً بتایا کہ

اَلْخَيْرُ كُلُّهٗ فِى الْقُرْاٰنِ ؎

کہ اگر تم خیر (اس کا مفہوم جیسا کہ میں نے بتایا ہے بڑا وسیع ہے) کے حصول کا طریق جاننا چاہتے ہو اگر تم اس کے حصول کے ذرائع سمجھنا چاہتے ہو۔ یا تم سمجھتے ہو کہ اس کے حصول کے سلسلہ میں تمہیں کسی مدد اور معاون کی ضرورت ہے تو تمہیں قرآن کریم کی طرف رجوع کرنا پڑے گا کیونکہ اَلْخَيْرُ كُلُّهٗ فِى الْقُرْاٰنِ۔ خیر سب کی سب قرآن کریم میں ہے۔ اسی لئے میں نے اپنے پچھلے خطبہ میں جماعت کو اپنے بچوں کو قرآن کریم ناظرہ پڑھانے اور پھر اس کا ترجمہ پڑھانے کی طرف توجہ دلائی تھی۔ اس وقت تک اس سلسلہ میں جو رپورٹیں مجھے ملی ہیں۔ ان میں ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جماعت کے بعض افراد باوجود اس کے کہ وہ اپنے بچوں کو قرآن کریم پڑھا سکتے ہیں اس کی طرف توجہ نہیں کرتے اور باوجود اس کے کہ انہیں اس امر کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ انہوں نے اس کا خیال نہیں کیا۔ ایسے احباب کو یاد رکھنا چاہیے کہ اگر وہ اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے خیر کا حصول چاہتے ہیں اور اپنے خدا کی نظر میں خیر بننا چاہتے ہیں تو ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ قرآن کریم کے پڑھنے پڑھانے کی طرف رجوع کریں اور اس سے خیر حاصل کریں اور پھر اپنی اولاد کو بھی اس طرف لگائیں کہ ہر قسم کی خیر قرآن کریم سے ہی مل سکتی ہے اور اگر تم یا تمہاری اولاد قرآن کریم کی طرف پیٹھ کر کے آگے بڑھو گے تو یاد رکھو وہ رستہ جس کی طرف تم جا رہے ہو گے جنت کا رستہ نہیں ہوگا بلکہ جہنم کا رستہ ہوگا غرض اَلْخَيْرُ كُلُّهٗ فِى الْقُرْاٰنِ ہر وہ چیز جو ہماری فطرت کو سیٹسفائی (Satisfy) کر سکتی ہے اسے تسلی اور اطمینان دلا سکتی ہے اس کی ضرورتوں کو پورا کر سکتی ہے اور پھر وہ غرض جس کے لئے انسان کو پیدا کیا گیا ہے صرف قرآن کریم

کے پڑھنے سمجھنے اس سے فیض حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوسکتی ہے۔

اولاد کی تربیت اور اس کو قرآن کریم پڑھانے کی اصل ذمہ داری والدین پر ہے انہیں اس کے لئے خدا تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہونا پڑے گا۔ ان سے سوال کیا جائے گا کہ انہوں نے اپنی اولاد کو اس نعمت یعنی قرآن کریم سے جو انہیں حاصل تھی کیوں محروم کر دیا۔ حالانکہ وہ اس نعمت کو اپنی اولاد تک پہنچانے کی اہلیت رکھتے تھے جماعتی نظام کا یہ کام ہے کہ وہ انہیں اس طرف متوجہ کرے جماعتی نظام کا یہ کام ہے کہ وہ اس کام کے لئے بعض سہولتیں مہیا کر دے کیونکہ جب تک جماعتی نظام اس کا ممد و معاون نہ ہو۔ انسان اپنی ذاتی الجھنوں کو حل نہیں کرسکتا اور جماعتی نظام تمہاری اس مدد کے لئے تیار ہے وہ تمہیں یہ کہے گا کہ تم پریشان نہ ہو اگر تم اپنی اولاد کو اپنے اوقات میں سے صرف نصف گھنٹہ اور دے دیا کرو اور انہیں قرآن کریم پڑھا دیا کرو تو تمہاری یہ پریشانی دور ہو جائے گی کہ تمہاری اولاد قرآن کریم سے بے بہرہ ہے پھر جماعتی نظام کا یہ کام ہے کہ وہ افراد جو فی الواقعہ اور فی الحقیقت اس قابل نہیں کہ اپنے بچوں کو قرآن کریم پڑھا سکیں ان کے بچوں کو قرآن کریم پڑھانے کا مناسب انتظام کرے مثلاً ایک غریب خاندان ہے بدقسمتی سے والدین اپنے بچپن میں قرآن کریم ناظرہ نہیں پڑھ سکے اور بدقسمتی سے ان کے قرب و جوار میں کوئی ایسا احمدی دوست بھی نہیں رہتا جو قرآن کریم پڑھانے کے قابل ہو ان کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ باتنخواہ استاد رکھیں اور بچوں کو قرآن کریم پڑھوائیں لیکن ان کے پاس روپیہ نہیں جو اس انتظام پر خرچ کرسکیں ایسی استثنائی حالتوں میں جماعتی نظام کا فرض ہے کہ وہ ایسے بچوں کو قرآن کریم پڑھانے کا انتظام کرے چاہے اس پر رقم خرچ کرنی پڑے ورنہ اصل ذمہ داری اور فرض والدین کا ہے اگر ماں پڑھی ہوئی ہے یا باپ قرآن کریم ناظرہ جانتا ہے تو ان کا فرض ہے کہ وہ اپنے بچوں کو بھی قرآن کریم پڑھائیں اور ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم انہیں اس طرف توجہ دلائیں ان پر اخلاقی دباؤ ڈالیں۔ انہیں غیرت دلائیں اور انہیں سمجھائیں کہ خدا تعالیٰ نے تمہیں قرآن کریم جیسی نعمت عطا کی ہے تم اپنے چند کھوٹے پیسوں کو تو بطور ورثہ اپنی اولاد میں چلانا چاہتے ہو لیکن قرآن کریم ایسی بڑی نعمت کو اپنے پاس مہیا رکھتے ہوئے یہ کیسے برداشت کر سکتے ہو

کہ وہ تمہاری اولاد تک نہ پہنچے۔ غرض افراد کو ہر طرح سمجھانا۔ انہیں تلقین کرنا اور یاد دلانا ہمارا کام ہے اور اگر کوئی شخص مجبور ہے، معذور ہے تو اس کی ہر ممکن مدد کرنا بھی ہمارا کام ہے لیکن اگر جماعت میں کوئی ایسا آدمی موجود ہے کہ وہ خود اپنے بچوں کو قرآن کریم پڑھا سکتا ہے اور وہ باوجود سمجھانے کے اپنے بچوں کو قرآن کریم پڑھانے کی طرف متوجہ نہیں ہوتا یا وہ مالدار ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے اس قدر توفیق دے رکھی ہے کہ وہ استاد رکھ کر اپنے بچوں کو قرآن کریم پڑھا سکتا ہے لیکن وہ اس طرف توجہ نہیں کرتا۔ تو ایسا شخص ہمارے لئے انتہائی بے عزتی کا باعث ہے ایسے شخص کو سمجھ لینا چاہیے کہ جماعت اس کی اس حرکت کو کبھی برداشت نہیں کرے گی جماعت کا یہ فرض ہے کہ جب تک ایسا شخص جماعت کے ساتھ منسلک ہے اسے اپنے بچوں کو وقت دے کر یا رقم خرچ کر کے قرآن کریم پڑھوانے کے لئے مجبور کرے۔

میں نے قرآن کریم کے پڑھانے کی جو سکیم جماعت کے سامنے رکھی تھی اس پر عمل کرنے کے لئے میرے نزدیک کسی بجٹ کی ضرورت نہیں صرف انتظام کی ضرورت ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر وہ لوگ جن کے سپرد یہ کام ہے اس کی طرف پوری توجہ کریں تو ہمیں اس کام کے لئے روپیہ کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جماعت کو قرآن کریم پڑھنے اور پڑھانے والے دوست کثرت سے دیئے ہیں اور میں کامل یقین رکھتا ہوں۔ جب جماعت سے اپیل کی جائے گی کہ بچوں کو قرآن کریم پڑھانے کے لئے رضا کاروں کی ضرورت ہے تو جماعت کی عورتیں اور مرد ضرورت سے زیادہ اپنے نام پیش کر دیں گے انشاء اللہ لیکن منتظمین کو بھی اس نہج اور طریق پر سوچنا اور کام کرنا چاہیے کہ پیسہ خرچ کرنے کی طرف ان کو توجہ نہ ہو اور اس یقینِ کامل کے ساتھ انہیں کام کرنا چاہیے کہ ہم پیسہ بھی خرچ نہیں کریں گے اور ہمارا کام بھی ہو جائے گا۔ قرآن کریم ایک ایسی نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں محض اپنے فضل سے عطا کی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں فطرتِ صحیحہ عطا کر دیتا اور پھر ہمیں اپنی ان صفات کا بھی مظہر بنا دیتا جو اس مادی دنیا سے تعلق رکھتی ہیں جس میں ہم نے اپنی زندگی گزارنی ہے لیکن ان صفات کے صحیح استعمال کا ہمیں علم نہ دیتا ان صفات سے ہمیں صحیح طریق پر کام لینے کا علم نہ دیتا وہ ان راہوں کی نشان دہی نہ کرتا جن پر چل کر ہم

مدارج ارتقاء طے کرتے ہوئے خدا تعالیٰ کے قریب سے قریب تر ہوتے چلے جائیں تو پھر ان صفات کا ہماری فطرت میں رکھا جانا مفید نہ ہوتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک طرف ہمیں فطرتِ صحیحہ عطا کی ہے اور دوسری طرف قرآن کریم جیسی تعلیم دے کر، اس فطرتِ صحیحہ کے صحیح نشوونما کے سامان کر دئے ہیں کیونکہ قرآن کریم کے بغیر انسان اپنی زندگی کا مقصد حاصل نہیں کر سکتا اس وقت میں دوستوں کو اس سلسلہ میں کہ قرآن کریم سے ہمیں کس قدر پیار کرنا چاہیے (اور پھر اگر فی الواقع پیار ہو جائے تو انسان ایک لحظہ کے لئے بھی یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ اتنی اچھی، حسین، خوبصورت، دل کو موہ لینے والی اور دل و دماغ اور سینہ کو معطر کر دینے والی چیز ہمیں ملی ہو اور ہم اپنی اولاد اور اپنے رشتہ داروں کو اس سے محروم رکھیں) حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب میں سے دو اقتباسات سنانا چاہتا ہوں۔

آپؑ فرماتے ہیں:۔

''حقیقی اور کامل نجات کی راہیں قرآن نے کھولیں اور باقی سب اس کے ظل تھے۔ سو تم قرآن کو تدبر سے پڑھو اور اس سے بہت ہی پیار کرو۔ ایسا پیار کہ تم نے کسی سے نہ کیا ہو۔ کیونکہ جیسا کہ خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ اَلْخَیْرُ کُلُّهٗ فِی الْقُرْاٰنِ کہ تمام قسم کی بھلائیاں قرآن میں ہیں یہی بات سچ ہے۔ افسوس ان لوگوں پر جو کسی اور چیز کو اس پر مقدم رکھتے ہیں۔ تمہاری تمام فلاح اور نجات کا سرچشمہ قرآن میں ہے۔ کوئی بھی تمہاری ایسی دینی ضرورت نہیں جو قرآن میں نہیں پائی جاتی۔ تمہارے ایمان کا مصدق یا مکذب قیامت کے دن قرآن ہے اور بجز قرآن کے آسمان کے نیچے اور کوئی کتاب نہیں جو بلا واسطہ قرآن تمہیں ہدایت دے سکے۔ خدا نے تم پر بہت احسان کیا ہے جو قرآن جیسی کتاب تمہیں عنایت کی۔ میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ کتاب جو تم پر پڑھی گئی اگر عیسائیوں پر پڑھی جاتی تو وہ ہلاک نہ ہوتے اور یہ نعمت اور ہدایت جو تمہیں دی گئی۔ اگر بجائے توریت کے یہودیوں کو دی جاتی تو بعض فرقے ان کے قیامت سے منکر نہ ہوتے۔ پس اس نعمت کی قدر کرو جو تمہیں دی گئی یہ نہایت پیاری نعمت ہے یہ بڑی دولت ہے۔ اگر

قرآن نہ آتا تو تمام دنیا ایک گندے مُضْغَہ کی طرح تھی ۔قرآن وہ کتاب ہے جس کے مقابل پر تمام ہدایتیں ہیچ ہیں ۔‘‘[۸]

اسی طرح حضور علیہ السلام ازالہ اوہام میں فرماتے ہیں:۔

’’بلاشبہ جن لوگوں کو راہِ راست سے مناسبت اور ایک قسم کا رشتہ ہے ان کا دل قرآن شریف کی طرف کھنچا چلا جاتا ہے اور خدائے کریم نے ان کے دل ہی اس طرح کے بنا رکھے ہیں کہ وہ عاشق کی طرح اپنے اس محبوب کی طرف جھکتے ہیں اور بغیر اس کے کسی جگہ قرار نہیں پکڑتے اور اس سے ایک صاف اور صریح بات سن کر پھر کسی دوسرے کی نہیں سنتے اس کی ہر یک صداقت کو خوشی سے اور دوڑ کر قبول کر لیتے ہیں اور آخر وہی ہے جو موجب اشراق اور روشن ضمیری کا ہو جاتا ہے اور عجیب در عجیب انکشافات کا ذریعہ ٹھہرتا ہے اور ہر یک کو حسبِ استعداد معراجِ ترقی پر پہنچاتا ہے راست بازوں کو قرآن کریم کے انوار کے نیچے چلنے کی ہمیشہ حاجت رہی ہے اور جب کبھی کسی حالتِ جدیدہ زمانہ نے اسلام کو کسی دوسرے مذہب کے ساتھ ٹکرا دیا ہے تو وہ تیز اور کارگر ہتھیار جو فی الفور کام آیا ہے قرآن کریم ہی ہے ایسا ہی جب کہیں فلسفی خیالات مخالفانہ طور پر شائع ہوتے رہے تو اس خبیث پودہ کی بیخ کنی آخر قرآن کریم ہی نے کی اور ایسا اس کو حقیر اور ذلیل کر کے دکھلا دیا کہ ناظرین کے آگے آئینہ رکھ دیا کہ سچا فلسفہ یہ ہے نہ وہ ۔حال کے زمانہ میں بھی جب اوّل عیسائی واعظوں نے سر اُٹھایا اور بدفہم اور نادان لوگوں کو توحید سے کھینچ کر ایک عاجز بندہ کا پرستار بنانا چاہا اور اپنے مغشوش طریق کو سوفسطائی تقریروں سے آراستہ کر کے ان کے آگے رکھ دیا اور ایک طوفان مُلکِ ہند میں برپا کر دیا ۔آخر قرآن کریم ہی تھا جس نے انہیں پسپا کیا کہ اب وہ لوگ کسی باخبر آدمی کو منہ بھی نہیں دکھلا سکتے ۔اور ان کے لمبے چوڑے عذرات کو یوں الگ کر کے رکھ دیا ۔جس طرح کوئی کاغذ کا تختہ لپیٹے ۔‘‘[۹]

غرض قرآن کریم ایک ایسی کتاب ہے جس سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان اور خود ہماری اپنی عقل کے مطالبہ اور تقاضا کے مطابق ہمیں اتنا پیار کرنا چاہیے کہ کسی اور چیز

سے ہم اتنا پیار نہ کرنے والے ہوں اور وہ ہمیں اتنا محبوب ہونا چاہیے کہ ہم ایک لمحہ کے لئے بھی برداشت نہ کریں کہ یہ نعمت جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا کی ہے اس سے ہماری نسلیں محروم رہ جائیں۔ پس ایک احمدی ہونے کی حیثیت سے آپ کا پہلا اور آخری فرض یہ ہے کہ آپ اپنی اولاد کو پہلے قرآن ناظرہ پڑھائیں اور پھر اس کا ترجمہ سکھائیں اور پھر ان کے لئے ایسا ماحول پیدا کریں کہ قرآن کریم کی محبت اور عشق ان کے دلوں میں پیدا ہو جائے اور وہ قرآن کریم کے نئے نئے معارف حاصل کرنے کے لئے ساری عمر کوشش کرتے چلے جائیں اور وہ اس حقیقی مقصد کو پورا کرنے کے لئے جس کی خاطر انسان کی پیدائش کی گئی ہے صحیح معنوں میں اور حقیقی رنگ میں خدا تعالیٰ کی صفات کے مظہر بننے والے ہوں اور خدا تعالیٰ کی اس کتاب سے روشنی، نور اور راہ نمائی حاصل کر کے خدا تعالیٰ کے قرب کی راہوں پر تیزی سے گامزن رہنے والے ہوں اور اس کی رضا کو زیادہ سے زیادہ اور جلد سے جلد تر حاصل کرنے والے ہوں۔ خدا تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۳ر فروری ۱۹۶۶ء صفحہ ۲ تا ۵)

خدام الاحمدیہ کوشش کریں کہ کوئی احمدی نوجوان ایسا نہ رہے جس نے تحریکِ جدید میں حصہ نہ لیا ہو

خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۸ رفروری ۱۹۶۶ء بمقام مسجد مبارک ۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

وکالتِ مال تحریکِ جدید نے مجھے اس طرف توجہ دلائی ہے کہ سالِ رواں کے وعدوں کی رفتار تسلی بخش نہیں اور ان کا تاثر یہ ہے کہ پہلے حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ سال کے شروع ہی میں اپنے دو ایک خطبوں میں جماعت کے افراد کو اس طرف توجہ دلا دیتے تھے۔ آپ تحریکِ جدید کی اہمیت اور اس کی برکات کی وضاحت فرما دیتے اور خدا تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی وجہ سے انسان کو جو دینی اور دنیوی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ وہ دوستوں کے سامنے رکھ دیتے۔ اس طرح جماعت کے دوست بڑی جلدی اپنے وعدے لکھوا دیتے اور دفاتر کی پریشانی دور ہو جاتی تھی۔ لیکن اپنی بیماری کے آخری سالوں میں چونکہ حضور اس طرف اپنے خطبات میں جماعت کو توجہ نہیں دلا سکے اس لئے جماعت میں آہستہ آہستہ یہ سستی پیدا ہو گئی ہے کہ اگرچہ احباب اب بھی پہلے کی نسبت اضافہ کے ساتھ وعدے لکھواتے ہیں اور رقوم جو وصول ہوتی ہیں وہ بھی زیادہ ہوتی ہیں لیکن وہ اس طرف فوری طور پر توجہ نہیں کرتے۔ اس لئے مرکز کو کئی ماہ تک پریشانی میں رہنا پڑتا ہے انہوں نے مجھے یہ بھی بتایا ہے کہ گزشتہ سال گو پہلے کی نسبت وعدوں میں

زیادتی ہوئی ہے لیکن جون کے آخر تک وعدے آتے رہے۔ حالانکہ وعدوں کی آخری تاریخ اس سے کہیں پہلے ختم ہو چکی تھی۔ اس سال بھی وعدوں کی وصولی کی تاریخ ۲۸؍فروری ہے لیکن بہت سے افراد اور بہت سی جماعتیں ایسی ہیں جن کی طرف سے ابھی وعدے وصول نہیں ہوئے موٹی موٹی جماعتیں جن کی طرف سے وعدے وصول ہونے میں اس سال تاخیر ہوئی ہے اور غالباً یہ نام بطور مثال کے ہیں۔ یہ ہیں ان میں پہلی جماعت ربوہ ہے۔ گزشتہ سال یعنی تحریک جدید دفتر اوّل کے اکتیسویں اور دفتر دوم کے اکیسویں سال میں جماعت ربوہ کے وعدے اکسٹھ ہزار روپے کے تھے اور سالِ رواں میں یعنی تحریک جدید دفتر اوّل کے بتیسویں سال اور دفتر دوم کے بائیسویں سال کے وعدے صرف ۴۰ ہزار کے وصول ہوئے ہیں گویا ان میں ابھی اکیس ہزار کی کمی ہے اسی طرح سیالکوٹ ضلع کی جماعتوں کے وعدوں میں دس ہزار کی کمی ہے سرگودھا کی جماعتوں کے وعدوں میں پانچ ہزار کی کمی ہے لائل پور ضلع کی جماعتوں کے وعدوں میں چھ ہزار کی کمی ہے گجرات ضلع کی جماعتوں کی طرف سے ابھی تک چھ ہزار کے وعدے کم وصول ہوئے ہیں ملتان ضلع کی جماعتوں کے وعدوں میں ابھی پانچ ہزار کی کمی ہے اور حیدرآباد ڈویژن کی جماعتوں کے وعدے بھی ابھی ساڑھے پانچ ہزار کم وصول ہوئے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ میں امید رکھتا ہوں کہ اس سال گزشتہ سال کی نسبت وعدے بھی زیادہ ہوں گے اور وصولی بھی زیادہ ہوگی لیکن جو دوست وعدے لکھوانے میں سستی سے کام لیتے ہیں وہ اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں اور وہ اس طرح کہ اسلام نے ہمیں بتایا ہے اللہ تعالیٰ مومن کی نیت پر بھی ثواب دیتا ہے لیکن اس نے ہمیں کہیں نہیں بتایا کہ انسان کی خالی خواہشات پر ثواب ملتا ہے اور جہاں تک تحریک جدید کے وعدوں اور ان کی وصولی کا سوال ہے نیت اس وقت سے شروع ہوتی ہے جب کوئی شخص اپنا وعدہ لکھوا دیتا ہے اور پھر دل میں پختہ عہد کر لیتا ہے کہ وہ موعودہ رقم تحریک جدید میں دے گا لیکن جو دوست وعدے لکھوانے میں پندرہ دن، ایک ماہ یا دو ماہ سستی سے کام لیتے ہیں وہ اس عرصہ میں اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے فضل کے ایک حصہ سے محروم کر رہے ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کا جو فضل وہ پندرہ دن ایک ماہ یا دو ماہ بعد میں لینا شروع کرتے ہیں اس فضل

کے وارث وہ پندرہ دن، ایک ماہ یا دو پہلے کیوں نہیں بنتے پس اگر وہ اس طرف توجہ نہیں کرتے تو وہ اپنا ہی نقصان کرتے ہیں۔

پھر اپنا دوسرا نقصان وہ یہ کرتے ہیں کہ انسان کی زندگی کا کوئی اعتبار نہیں اسے کوئی پتہ نہیں ہوتا کہ اس نے کب اس دنیا سے رخصت ہو جانا ہے زندگی اور موت کا مسئلہ خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے بعض اوقات ایک انسان چنگا بھلا ہوتا ہے وہ ہنستا کھیلتا ہوتا ہے لیکن ایک سیکنڈ کے بعد وفات پا جاتا ہے۔ اگر آپ تحریک جدید کے وعدے لکھوانے میں سستی سے کام لیتے ہیں تو کتنا خطرہ مول لے رہے ہیں آپ کو کیا معلوم کہ اس عرصہ میں آپ نے زندہ رہنا ہے یا وفات پا جانا ہے اگر آپ اس عرصہ میں وفات پا گئے تو اُخروی زندگی میں جو ثواب اس چندہ کے دینے کی نیت سے حاصل ہو سکتا ہے اس سے محروم ہو گئے۔

تیسرا نقصان جو وعدے جلد نہ لکھوانے کی وجہ سے آپ کو پہنچتا ہے یہ ہے کہ اگر اس سال مثلاً وعدے لکھوانے کی تاریخ ۲۸؍فروری ہو اور اس تاریخ تک جیسا کہ دفتر کا معمول ہے دفتر والے خطوط کے ذریعہ پھر رسالوں اور اخباروں میں مضامین لکھ کر یا گشتی چٹھیوں کے ذریعہ آپ کو اس طرف متوجہ کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود جو دوست اس تاریخ تک اپنے وعدے نہیں لکھواتے انہیں یاد دہانی کرانے پر دفتر جو زائد اخراجات برداشت کرے گا وہ بہر حال ناواجب ہوں گے اور ایسے اخراجات کی ذمہ داری ان لوگوں پر ہوگی جنہوں نے مقررہ تاریخ تک اپنے وعدے نہیں لکھوائے فرض کرو یہ زائد خرچ کل وعدوں کا دو فیصدی ہے تو اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ سَو روپے کے ثواب کی بجائے وعدہ دیر سے لکھوانے والے کو دو کم سو کا ثواب نہ دے کیونکہ دو روپے کا زائد خرچ محض اس کی سستی کی وجہ سے مرکز نے برداشت کیا ہے شاید اللہ تعالیٰ یہ کہے کہ تمہاری وجہ سے سلسلہ کو دو روپے کا نقصان ہوا ہے اس لئے ہم تمہارے ثواب سے اسی قدر کم کر دیتے ہیں غرض دفتر کو جو زائد اخراجات برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ وہ محض آپ کی سستی کی وجہ سے برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ اگر آپ وقت مقررہ میں وعدے لکھوا دیں اور پھر جلد رقم ادا کر دیں تو دفتر ان زائد اخراجات سے بچ جاتا ہے۔

چوتھا نقصان آپ کو اور سلسلہ کو یہ اُٹھانا پڑتا ہے کہ اگر آپ وعدہ لکھوانے میں سست ہیں تو چاہے بعد میں آپ اپنا وعدہ لکھوا بھی دیں اور اس میں زیادتی بھی کر دیں تب بھی ان مزید اخراجات کی وجہ سے جو دفتر برداشت کرے گا بہت سے ضروری کاموں میں زائد اور ناواجب اخراجات کسی حد تک ہوں کمی کرنی پڑتی ہے کیونکہ آپ نے کُل رقم میں سے جس سے یہ کام کئے جانے تھے کچھ روپیہ زبردستی نکال لیا اور ڈاک اور یاددہانی کے دوسرے ذرائع پر ضائع کر دیا۔ اس نقصان کے آپ ذمہ دار ہیں۔

اور ’’آپ‘‘ سے مراد میری ان لوگوں سے ہے جو وعدہ بھی لکھواتے ہیں اور رقوم بھی ادا کرتے ہیں اور بڑی بشاشت کے ساتھ ادا کرتے ہیں (اللہ تعالیٰ انہیں اس کا ثواب عطا فرمائے) لیکن اپنی سستی کی وجہ سے وہ نقصان اُٹھا لیتے ہیں اور میرا فرض ہے کہ میں اس قسم کے لوگوں کو ان کی سستیوں کی طرف توجہ دلاؤں تا ثواب کے سلسلہ میں انہیں ایک دھیلے کا گھاٹا بھی نہ اُٹھانا پڑے۔

پانچواں نقصان جو جماعت اور سلسلہ کو محض آپ کی سستی کی وجہ سے برداشت کرنا پڑتا ہے وہ یہ ہے کہ وکالت مال کو مثلاً ۲۸ ؍فروری تک وعدے لکھوانے کے لئے کوشش اور جدوجہد کرنی پڑے گی اور جماعتوں کو اس طرف توجہ دلانی پڑے گی۔ اب اگر ۲۸ ؍فروری تک اس کی تگ و دو اور کوشش کے نتیجہ میں سارے دوست اپنے اپنے وعدے لکھوا دیں تو اس تاریخ کے بعد وکالت مال دوسرے کاموں کی طرف متوجہ ہو سکے گی اور اسے کوئی پریشانی نہیں ہوگی لیکن اگر آپ مقررہ میعاد کے اندر اپنے وعدے نہیں لکھوائیں گے تو آپ کی سستی کے نتیجہ میں کام کرنے والوں کو پریشانی ہوگی اور آپ میں سے کوئی بھی یہ پسند نہیں کرے گا کہ اس کی وجہ سے ان واقفین زندگی کو جو مرکز میں بیٹھ کر خدمت دین بجا لا رہے ہیں کسی قسم کی پریشانی اُٹھانا پڑے اور میں نے آپ کو بتایا ہے کہ آپ لوگوں کی سستی کی وجہ سے مرکز میں کام کرنے والوں کو بہرحال پریشانی اُٹھانا پڑتی ہے آپ انہیں اس پریشانی سے بچالیں اور اپنے وعدے مقررہ تاریخ کے اندر لکھوا دیں پھر جماعتوں کا فرض ہے کہ وہ ان وعدوں سے دفتر کو جلد اطلاع دیں میرے خیال میں وعدوں کے لکھوانے میں کچھ سستی تو افراد کرتے ہیں لیکن کسی حد تک اس کی ذمہ داری جماعتوں پر بھی ہے ممکن ہے

بعض ایسی جماعتیں ہوں جہاں افراد نے وعدے تو لکھوا دیئے ہوں لیکن جماعت کے عہدیداروں نے وہ وعدے دفتر کو نہ بھجوائے ہوں۔ اگر کوئی ایسی جماعت ہے جس کے افراد نے وعدے لکھوا دیئے ہوں لیکن وہ وعدے دفتر کو نہیں بھجوائے گئے تو ایسی جماعت کو چاہیے کہ وہ جلد سے جلد اپنے وعدے دفتر کو بھجوا دے۔

مجھے دفتر وکالت مال کی طرف سے یہ مشورہ دیا گیا ہے کہ میں وعدوں کی وصولی کی تاریخ ۲۸؍فروری کی بجائے ۲۵؍مارچ کر دوں لیکن میں اپنے بھائیوں پر بدظنی نہیں کرنا چاہتا اس لئے میں وعدوں کی وصولی کی تاریخ ایک ہفتہ سے زیادہ نہیں بڑھانا چاہتا۔

جہاں تک ربوہ کا سوال ہے دوست اگر اس طرف توجہ کریں تو وہ مقررہ میعاد کے اندر اندر اپنے وعدے لکھوا سکتے ہیں اس لئے جہاں تک ربوہ کا سوال ہے میں وعدوں کی وصولی کی تاریخ ۲۸؍فروری سے ایک دن بھی نہیں بڑھاتا وہ بہرحال اپنے وعدے ۲۸؍فروری سے پہلے پہلے لکھوا دیں لیکن جہاں تک باہر کی جماعتوں کا سوال ہے ان تک میری آواز پہنچنے میں دیر لگے گی اس لئے میں انہیں ایک ہفتہ اور دیتا ہوں اس عرصہ میں تمام جماعتیں اپنے وعدے مرکز میں ضرور پہنچا دیں ورنہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں ثواب کے ایک حصہ سے وہ محروم نہ ہو جائیں۔

دوسری بات جس کی طرف میں اس خطبہ میں جماعت کو توجہ دلانا چاہتا ہوں یہ ہے کہ ایک موقع پر حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خدام کو تحریکِ جدید کے سلسلہ میں ایک نصیحت فرمائی تھی اور ارشاد فرمایا تھا کہ

’’میں نے صدر مجلس خدام الاحمدیہ کا بار اسی لئے اُٹھایا ہے (ایک زمانہ میں حضور صدر مجلس خدام الاحمدیہ کے فرائض خود انجام دیتے رہے ہیں) تا جماعت کے نوجوانوں کو دین کی طرف توجہ دلاؤں۔ سو میں سب سے پہلے ان کے سپرد یہ کام کرتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ وہ اپنے ایمان کا ثبوت دیں گے اور آگے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیں گے اور کوئی نوجوان ایسا نہیں رہے گا جو دفتر دوم میں شامل نہ ہو اور کوشش کریں کہ ساری کی ساری رقم وصول ہو جائے۔‘‘

اسی طرح فرمایا:۔

’’امید کرتا ہوں کہ دوست اپنے بقائے بھی ادا کریں گے اور پہلے سے زیادہ وعدے بھی لکھوائیں گے اور خدام الاحمدیہ کوشش کریں کہ کوئی نوجوان ایسا نہ رہے جس نے تحریکِ جدید دفتر دوم میں حصہ نہ لیا ہو اور پھر کوئی رقم ایسی نہ رہے جو وصول نہ ہو۔‘‘ ۱۰

میں امید کرتا ہوں کہ جماعت کے نوجوان جو اپنے آپ کو خدام الاحمدیہ کہتے ہیں حضرت مصلح موعودؓ کے اس ارشاد پر کان دھریں گے اور اپنے عمل سے ثابت کر دیں گے کہ حضور نے جو امید ان سے وابستہ کی تھی وہ اسے پورا کرنے والے ہیں۔ اس سلسلہ میں مجھے دو ہفتہ کے بعد رپورٹ آ جانی چاہیے میں انہیں رپورٹ تیار کرنے کے لئے ایک ہفتہ کی مہلت مزید دیتا ہوں لیکن کام کے لئے زیادہ وقت نہیں دے سکتا۔

تیسری بات جس کی طرف میں جماعت کو توجہ دلانا چاہتا ہوں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو اموال خرچ کئے جاتے ہیں ان پر خرچ کا لفظ بولنا حقیقتاً درست اور صحیح نہیں خرچ وہ رقم ہوتی ہے جو آپ کے ہاتھ سے نکل جائے اور ختم ہو جائے لیکن جو اموال اللہ تعالیٰ کی راہ میں دیئے جاتے ہیں وہ نہ تو کسی کے ہاتھ سے نکلتے ہیں اور نہ ختم ہوتے ہیں بلکہ وہ ہر آن اور ہر لحظہ بڑھتے چلے جاتے ہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ایک فارسی شعر میں اس مسئلہ کی طرف نہایت لطیف پیرایہ میں متوجہ کیا ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں۔

زبذلِ مال در راہش کسے مفلس نمے گردد
خدا خود مے شود ناصر اگر ہمت شود پیدا

یعنی اللہ تعالیٰ اپنی راہ میں خرچ کرنے والے کو مفلس نہیں رہنے دیتا وہ اسے بھوکا نہیں مارتا اگر وہ اپنے مال کا ایک بڑا حصہ بھی اس کی راہ میں دے دیتا ہے بلکہ اگر وہ سارے کا سارا مال بھی اس کی راہ میں دے دیتا ہے تب بھی وہ اسے بھوکا نہیں رہنے دیتا۔ کئی مواقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے کھانے پینے کے تمام سامان لے لئے جنگوں کے سلسلہ میں بعض دفعہ آپ ہر شخص سے جو کچھ کھانے پینے کے لئے اس کے پاس ہوتا لے لیتے ان مواقع میں سے کسی موقع پر بھی

ہمارے کسی مسلمان بھائی نے ایسا کرنے میں ایک لحظہ بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اس نے اپنا سارا راشن قومی خزانہ میں جمع کرادیا، اور اس کے بعد اسے ذاتی استعمال کے لئے اس میں سے جو کچھ واپس ملا اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے اور اس کی حمد کے ترانے گاتے ہوئے لے لیا اور ہم دیکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے اسے بھوکا نہیں مارا سیری صرف پیٹ میں کھانے کی ایک مقدار کے چلے جانے کا نام نہیں بلکہ سیری کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جسم کی ضرورت پوری ہو جائے اور ہماری (احمدی) تاریخ کا ایک واقعہ ہے کہ ہمارے ایک بزرگ کو جب وہ حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے شدید بھوک لگی اور اس کی وجہ سے انہیں بہت تکلیف ہو رہی تھی لیکن وہ حضور کی مجلس سے اٹھنا بھی نہیں چاہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں کشف میں ہی کھانا کھلا دیا بھوک کی وجہ سے ان کے جسم میں جو کمزوری اور ضعف محسوس ہو رہا تھا وہ دور ہو گیا اور پیٹ بھی بھر گیا اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی قدرت کے یہ جلوے اس لئے دکھائے ہیں کہ تا ہم یقین کریں کہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا سارا مال بھی دے دیتا ہے تو وہ اسے بھوکا نہیں مرنے دیتا وہ اس کی سیری کے غیب سے سامان پیدا کر دیتا ہے اب اگر کسی کی جسمانی کمزوری جو کھانا نہ کھانے کی وجہ سے ہوتی ہے دور ہو جائے اس کے جسم کو طاقت اور توانائی حاصل ہو جائے اسے بھوک کا احساس نہ رہے اور وہ راحت اور سکون محسوس کرنے لگے تو کھانے کا مقصد حاصل ہو گیا۔ اب اگر وہ مادی کھانا نہ بھی کھائے تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے غرض حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔

زبذلِ مال در راہش کسے مفلس نمے گردد

یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے اموال دینے والا کبھی مفلس نہیں ہوتا اور آگے جا کر آپ اس کی بڑی عجیب دلیل دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

خدا خود مے شود ناصر اگر ہمت شود پیدا

ہمت کا لفظ فارسی زبان میں کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے ان میں سے تین معانی (۱) بلند ارادہ (۲) جرأت اور (۳) دعا کے ہیں۔ پس اس مصرعہ کے یہ معنی ہوئے کہ اگر تم نیک نیتی کے ساتھ

خدا کی راہ میں مال خرچ کرنے کا ارادہ کرو گے اور جرأت اور بہادری کے ساتھ اپنی اس پاک نیت کو عملی جامہ پہناؤ گے اور ساتھ ہی عاجزی اور تذلّل کے ساتھ دعا کرتے رہو گے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اس ہدیہ کو قبول کرے تو خدا تعالیٰ تمہاری مدد کو آئے گا اور اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ (اٰلِ عمران:۱۶۱)۔

جب خدا تعالیٰ تمہاری مدد کو آجائے گا اور تمہارا ناصر بن جائے گا تو افلاس یا کوئی اور شیطانی حربہ تم پر غالب نہیں آسکے گا اور تمہیں مغلوب نہیں کر سکے گا کیونکہ تم نیک ارادہ، نیک عمل اور عاجزانہ دعاؤں کے ساتھ اپنا مال خدا تعالیٰ کی راہ میں پیش کرتے ہو اور اس سے یہ امید رکھتے ہو کہ وہ اسے قبول کرے گا اس لئے وہ اسے رد نہیں کرے گا اور جس مال کو خدا تعالیٰ قبولیت کا شرف بخش دیتا ہے وہ مال ضائع نہیں ہوتا اس میں ہمیشہ بڑھوتی ہی ہوتی رہتی ہے۔ دراصل یہ شعر قرآن کریم کی ایک آیت کے مفہوم کو بیان کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ؕ وَ اللّٰهُ يَقْبِضُ وَ يَبْصُۜطُ ۠ وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۔ (البقرۃ:۲۴۶)

کیا کوئی ہے جو اللہ تعالیٰ کو اپنے مال کا ایک اچھا ٹکڑا کاٹ کر بطور قرض دے تا کہ وہ اس مال کو اس کے لئے بہت بڑھائے اور اللہ ہی ہے جو بندہ کے مال میں تنگی یا فراخی پیدا کرتا ہے اور آخر تمہیں اس کی طرف لوٹا یا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کے حضور تم جو مال بھی پیش کرتے ہو وہ اسی کا ہے اسی سے تم نے لیا اور اسی کو پیش کر دیا۔ اپنے پاس سے تو تم نے کچھ نہیں دیا۔ نہ تمہارا مال اپنا، نہ تمہاری جان اپنی، نہ عزت اپنی، نہ وقت اپنا، اور نہ عمر اپنی، غرض تمہارا اپنا کچھ بھی نہیں۔ محض خدا تعالیٰ کی دَین تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ہی یہ سب کچھ تمہیں دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے تم پر یہ فضل کیا جیسا کہ وہ اس آیت میں فرماتا ہے کہ اگر تم میری دَین اور میری عطاء میں سے کچھ مجھے دو گے تو میں تمہیں اس کا ثواب دوں گا دراصل غور کے ساتھ دیکھا جائے تو ہماری سب عبادتیں اللہ تعالیٰ کی سابقہ عطاؤں پر بطور شکر کے ہوتی ہیں۔ یہ محض اس کا فضل ہے کہ وہ ادائے شکر پر مزید احسان کرتا ہے اس طرح شکر اور عطائے الٰہی کا

ایک دور اور تسلسل قائم ہو جاتا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس طرف توجہ دلائی ہے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں کچھ دیتے ہو تو وہ اسے بطور قرض کے لیتا ہے اور قرض دی ہوئی رقم خرچ نہیں سمجھی جاتی دیکھو اس دنیا میں بھی ایک بھائی دوسرے بھائی کو قرض دیتا ہے مثلاً ایک شخص کے پاس دس ہزار روپیہ ہے اس کا بھائی اسے کہتا ہے بھائی مجھے اس میں سے تین ہزار روپیہ بطور قرضِ حسنہ دے دو۔ میں چند ماہ کے بعد اسے واپس کر دوں گا تو اب یہ تین ہزار روپے خرچ تو نہیں ہوئے اس کے پاس دس کا دس ہزار ہی رہا۔ کیونکہ یہ تین ہزار بھی کچھ عرصہ کے بعد اسے واپس مل جائیں گے۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو کچھ تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں دیتے ہو وہ خرچ نہیں ہوتا۔ نہ وہ ضائع ہوتا ہے کیونکہ وہ خدا تعالیٰ نے قرض کے طور پر لیا ہے وہ اسے واپس کرے گا اور پھر اس شان سے واپس کرے گا جو ایک قادر اور رزاق خدا کے شایانِ شان ہے۔

وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَ يَبْصُۜطُ وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ میں اللہ تعالیٰ نے تین بڑے لطیف مضامین بیان کئے ہیں۔ يَقْبِضُ وَ يَبْصُۜطُ کے ایک معنی ہیں۔ يَسْلُبُ قَوْمًا وَيُعْطِيْ قَوْمًا یعنی جسے چاہے غریب کر دیتا ہے اور اس کا مال لے کر دوسرے کو دیتا اور اسے امیر کر دیتا ہے۔ دوسرے معنی یہ ہیں۔ يَسْلُبُ تَارَةً وَيُعْطِيْ تَارَةً یعنی جب چاہے ایک شخص کا مال چھین لیتا ہے اور جب چاہے پھر اسے اموال عطا کر دیتا ہے۔ تیسرے معنی قبض کے یہ ہیں۔ تَنَاوُلُ الشَّيْءِ بِجَمِيْعِ الْكَفِّ گویا اس آیت میں يَقْبِضُ وَ يَبْسُطُ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت بیان کی گئی ہے اور پہلے معنی کی رو سے اللہ تعالیٰ کی اس صفت کا اظہار ایک بنیادی اقتصادی مسئلہ کے ساتھ تعلق رکھتا ہے جسے اقتصادیات میں تقسیم پیداوار کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے یعنی ملک کی پیداوار آگے مختلف افراد کے ہاتھوں میں کس طرح پہنچے گی اور ملکی پیداوار کی تقسیم کے متعلق آزاد اقتصادیات میں بھی اور ایک حد تک بندھی ہوئی اور مقید اقتصادیات میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ ایک وقت تک ایک شخص جس چیز کو بھی ہاتھ لگاتا ہے سونا بن جاتی ہے لیکن پھر بغیر کسی ظاہری سبب اور وجہ کے اس شخص پر فراخی کی بجائے تنگی آجاتی ہے وہی شخص ہوتا ہے وہی سرمایہ ہوتا ہے۔ وہی حالات ہوتے ہیں وہی کاروبار ہوتا ہے

لیکن اللہ تعالیٰ اس سے برکت چھین لیتا ہے وہ جہاں بھی ہاتھ ڈالتا ہے اسے نقصان ہی نقصان ہوتا ہے اس کی مالی حالت تباہ ہو جاتی ہے اور وہ مفلس و قلاش ہو جاتا ہے ابھی چند دن ہوئے ایک دوست مجھے ملنے کے لئے آئے۔ وہ تاجر ہیں انہوں نے مجھے بتایا کہ ایک وقت تھا اللہ تعالیٰ نے میرے اموال اور میرے کاروبار میں برکت ڈال دی تھی اس نے مجھے وافر رزق دیا تھا اور اس قسم کے حالات پیدا کر دیئے تھے کہ میں جو بھی کام کرتا رہا اس کے نتیجہ میں مجھے مال میں فراخی نصیب ہوئی لیکن اب اس قسم کے حالات پیدا ہو گئے ہیں کہ گو کام میں اب بھی وہی کرتا ہوں جو پہلے کرتا تھا لیکن اب مجھے وہ نفع نہیں ہوتا جو پہلے ہوتا تھا۔ غرض اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اصل قادر ذات جو اپنے ارادہ کے ساتھ اس دنیا میں تصرف کر رہی ہے وہ میری ہی ذات ہے اور کوئی نہیں میں ہی ہوں جو تقسیم پیداوار کے سلسلہ میں ایسی تاریں ہلا دیتا ہوں کہ ایک شخص کے پاس وہی کاروبار ہوتا ہے وہی سرمایہ ہوتا ہے لیکن اس قسم کے حالات پیدا ہو جاتے ہیں کہ پہلے وہ بہت کما رہا ہوتا ہے اور اب وہ کم کمانے لگ جاتا ہے۔ اس کی برکت اللہ تعالیٰ کسی دوسرے کو دے دیتا ہے اور اس کو حاصل ہونے والا نفع اب دوسرے کو ملنا شروع ہو جاتا ہے۔ لاہور میں ہم کچھ عرصہ رہے ہیں وہاں ہم نے دیکھا کہ کبھی کوئی ریسٹورنٹ مقبول ہو جاتا تھا اور کبھی کوئی ایک ریسٹورنٹ کی مینجمنٹ (Management) اور انتظام بھی وہی ہوتا تھا۔ عمارت بھی وہی ہوتی تھی۔ فرنیچر بھی وہی ہوتا تھا باقی سہولتیں بھی وہی ہوتی تھیں۔ اس کے کھانا پکانے والے بھی وہی ہوتے تھے اور ایک عرصہ تک وہ ہوٹل اپنے مالکوں کے لئے بہت زیادہ آمد کا موجب بنا ہوا تھا لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی طرف سے یکدم کوئی ایسی تبدیلی پیدا ہو جاتی جو انسان کے اختیار اور سمجھ سے باہر ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ اس کی مقبولیت جاتی رہی۔ لوگوں نے وہاں جانا چھوڑ دیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ مالک کو وہ ہوٹل بند کرنا پڑا اگر انسان اپنے ماحول پر گہری نظر ڈالے اور فکر و تدبر سے کام لے تو اسے اس قسم کی سینکڑوں مثالیں مل سکتی ہیں کوئی ظاہری سبب نظر نہیں آتا لیکن یکدم برکت چھن جاتی ہے۔ اسی طرح بعض اوقات اموال اور کاروبار میں برکت دے دی جاتی ہے اور اس کا کوئی ظاہری سبب نہیں ہوتا۔ ایک انسان عرصہ تک ابتلا اور مصائب میں مارا مارا پھرتا ہے

اور بڑی تکلیف میں زندگی گزارتا ہے ایک دن اللہ تعالیٰ اس پر رحم کر دیتا ہے اور اس کے اموال اور اس کے کاروبار میں برکت ڈال دیتا ہے اور اس کے نتیجہ میں اس پر فراخی اور کشائش کا دور آجاتا ہے ابھی چند دن ہوئے مجھے اس قسم کی بھی ایک مثال ملی ہے ایک دوست مجھے ملنے کے لئے آئے انہوں نے مجھے بتایا کہ میں ایک غریب گھرانہ کا فرد ہوں میری آمد بہت کم تھی اور گزارہ مشکل سے ہوتا تھا لیکن ایک دن اللہ تعالیٰ نے کچھ اس قسم کی تبدیلی پیدا کر دی کہ اب میرے کاروبار میں برکت ہی برکت ہے اور خدا تعالیٰ بہت کچھ دے رہا ہے میری غربت اور افلاس کی حالت دور ہوگئی ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے رزق میں فراخی پیدا ہوگئی ہے۔

غرض اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مال کو روک رکھنا کہ وہ کسی خاص فرد کو نہ ملے یا مال کو حکم دینا کہ فلاں کے پاس چلے جاؤ۔ یہ صرف میرا کام ہے اور کسی کا نہیں اور اگر یہ میرا کام ہے تو جب بھی کوئی شخص میری راہ میں خرچ کرے گا تو اسے امید رکھنی چاہیے کہ میں جس نے اپنی قدرت کی تاریں ساری دنیا میں پھیلا رکھی ہیں اسے مایوس نہیں کروں گا بلکہ اس کے مالوں میں اور اس کی زندگی میں زیادہ سے زیادہ برکت ڈالتا چلا جاؤں گا۔

دوسرے معنی يَقْبِضُ وَ يَبْصُطُ کے یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ کسی ملک یا کسی خاندان یا کسی فرد کے سرمایہ یا جائیداد کی پیداوار میں اضافہ کر دیتا ہے یا کمی کر دیتا ہے اور یہ نہیں ہوتا کہ مال یہاں سے لیا اور وہاں رکھ دیا اس سے لیا اور اسے دے دیا۔ پہلے معنوں کی رو سے تو یہ تھا کہ مال کسی سے لیا اور دوسرے کو دے دیا ایک کے کاروبار میں بے برکتی ڈالی اور دوسرے میں برکت ڈال دی۔ لیکن ان معنوں کی رو سے یہ شکل ہوگی کہ اللہ تعالیٰ بغیر اس کے کہ کسی کے کاروبار اور اموال میں بے برکتی ڈالے۔ وہ دوسرے کے کاروبار اور اموال میں زیادتی اور افزائش پیدا کر دیتا ہے یا دوسرے کے کاروبار اور اموال میں زیادتی کئے بغیر اس کے اموال اور کاروبار کو کم کر دیتا ہے مثلاً ایک زمیندار ہے اس کی زمین بنجر تھی اس میں کوئی پیداوار نہیں ہوتی تھی یا اگر ہوتی تھی تو بہت کم۔ اللہ تعالیٰ نے سمندروں سے پانی کو بادلوں کے ذریعہ اُٹھایا پھر وہ بادل ایسی جگہ برسے کہ بعض دریاؤں میں طغیانی آگئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس طغیانی کے پانی کو اس شخص کی بنجر زمین میں پھیل

جانے کا حکم دیا یہ پانی اپنے ساتھ پہاڑوں سے پیداوار بڑھانے والی مٹی کے اجزا لے آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان ذرات ارضی کو حکم دیا کہ اس شخص کی زمین میں ٹھہر جاؤ۔ تمہارا سفر ختم ہو چکا چنانچہ وہ ذرات ارضی اس کی بنجر زمین میں ٹھہر گئے اور اس طرح جس ایکڑ سے وہ شخص بمشکل دو تین من گندم سالانہ پیدا کرتا تھا اور ادھی پچدھی کھا کر گزارا کرتا تھا اسی زمین میں اتنی طاقت اور زندگی پیدا ہوگئی کہ اب اس میں پندرہ پندرہ من گندم سالانہ پیدا ہونے لگی۔ اسی طرح ایک اور زمیندار ہے اس کی زمین بڑی اچھی ہے اس میں بہت زیادہ پیداوار ہوتی ہے اور اس کی زرخیزی مالک کی آمد میں بہت اضافہ کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جو آسمان سے حکم بھیج کر غریب اور مفلس لوگوں کو مالدار بنا دیتا ہے اور مالداروں کو مفلس اور قلاش بنا دیتا ہے اس زرخیز زمین میں تھور اور سیم پیدا کر کے اسے بنجر بنا دیتا ہے اور اس طرح اس کی آمد کم ہو جاتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے کہ کسی مالدار کو مفلس اور قلاش بنا دینا یا کسی غریب اور مفلس کو مالدار اور غنی بنا دینا میرے اختیار میں ہے اس لئے اگر تم مجھ سے کوئی سودا کرو گے تو اس میں تمہیں کوئی گھاٹا نہیں ہوگا۔ کیونکہ میں قادر مطلق اور رزاق ہوں۔

پھر قبض کے معنی مضبوطی سے پکڑ لینے کے بھی ہوتے ہیں اور مضبوطی سے اس شئے کو پکڑا جاتا ہے جس کے متعلق فیصلہ ہو کہ اسے چھوڑ نا نہیں۔ کیونکہ اگر اسے چھوڑا تو نقصان ہوگا۔ ان معنوں کے رو سے اللہ تعالیٰ اس آیت میں یہ بیان فرماتا ہے کہ جو مال تم میرے سامنے بطور ہدیہ پیش کرو گے میں اسے مضبوطی سے پکڑ لوں گا یعنی اسے ضائع نہیں ہونے دوں گا یہ میرا تمہارے ساتھ وعدہ ہے جسے میں بہر حال پورا کروں گا ان معنوں کی رو سے اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندے کو بڑی امید دلاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ غنی ہے اور اسے تمہارے اموال کی حاجت نہیں لیکن تمہاری پاک نیتوں اور محبت اور فنا فی اللّٰہی کو دیکھتے ہوئے وہ اپنی رحمت سے تمہیں نوازتا ہے اور شکر اور پیار کے ساتھ تمہاری مالی قربانیوں کو قبول کرتا ہے اور مضبوطی کے ساتھ انہیں پکڑ لیتا ہے اور انہیں ضائع نہیں ہونے دیتا بلکہ وَ يَبْصُۜطُ اپنی بے پایاں عطا بھی اس میں شامل کرتا ہے اور انہیں بڑھا کر اور وسعت دے کر کہیں سے کہیں لے جاتا ہے اور وہ تمہیں اس دنیا میں بھی اپنی عطائے کثیر کا

حقدار بنا دیتا ہے اور جب تم لوٹ کر اس کی طرف جاؤ گے تو وہ بڑے پیار سے تمہیں کہے گا یہ لو اپنے مال جو تم نے میری راہ میں خرچ کئے تھے دیکھو میں نے تمہارے لئے انہیں کس قدر بڑھایا اور ان میں کس قدر کثرت اور وسعت بخشی۔ پس خوش ہو کر اپنے رب کے ساتھ کبھی کوئی گھاٹے کا سودا نہیں کرتا۔

غرض دوستوں کو یہ نکتہ سمجھنا چاہیے اور اسے ہر دم اپنے مدِّنظر رکھنا چاہیے کہ دین اور سلسلہ کے لئے جب بھی ان کے مالوں کی ضرورت پیش آئے۔ انہیں وہ اموال بغیر کسی خوف اور بغیر کسی خطرہ کے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کر دینے چاہئیں کیونکہ وہ جو خدا تعالیٰ سے سودا کرتا ہے ہمیشہ نفع میں ہی رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہمیشہ نفع مند سودوں کی توفیق عطا فرمائے۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۷؍فروری ۱۹۶۶ء صفحہ ۲ تا ۵)

اگر ہم قربانیوں میں حصہ لیتے رہیں گے تو اللہ تعالیٰ ہمارے قلوب میں بشاشت اور تسکین پیدا کرے گا

خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۵؍فروری ۱۹۶۶ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

وَ اٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّ اٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۔(التّوبة:۱۰۲، ۱۰۳)

یعنی کچھ اور لوگ ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کیا۔ انہوں نے نیک عملوں کو کچھ اور عملوں سے جو بُرے تھے ملا دیا۔ انہوں نے اپنے ربّ سے یہ امید رکھی کہ وہ ان کی توبہ قبول کرے گا۔ اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔ اے رسولؐ اور وہ جو اس دنیا میں بطور اس کے اظلال کے پیدا ہوتے رہیں گے۔ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے تا کہ تو انہیں پاک کرے اور ان کی ترقی کے سامان پیدا کرے اور ان کے لئے دعائیں بھی کرتا رہ۔ کیونکہ تیری دعا ان کی تسکین کا موجب ہے اور اللہ تعالیٰ تیری دعاؤں کو بہت سننے والا اور حالات کو جاننے والا ہے۔ ان آیات سے پہلے منافقوں کا ذکر ہے جن سے بظاہر کچھ نیک کام بھی سرزد

ہوتے ہیں اور بہت سی منافقانہ حرکتیں بھی ان سے ہوتی رہتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق یہ فرمایا ہے کہ وہ بدیاں کرنے اور منافقانہ چالیں چلنے کے بعد اپنے دل میں ندامت کا احساس پیدا نہیں کرتے بلکہ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ (التّوبة:۱۰۱) وہ اصرار کے ساتھ اپنے نفاق پر قائم رہتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کا معاملہ ان سے جداگانہ ہوگا اور ان کے وہ اعمال جو دنیا کی نگاہ میں بظاہر نیک ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حضور قبولیت کا درجہ حاصل نہ کرسکیں گے ان سے ملتے جلتے کچھ اور لوگ بھی ہیں جو حقیقی مومن ہیں وہ بہت سے اچھے نیک اور پاکیزہ اعمال بجالاتے ہیں لیکن ان کے ساتھ ہی ان سے بعض خطائیں بھی سرزد ہوتی ہیں غفلتیں بھی ہوتی ہیں ان سے بھول چوک بھی ہو جاتی ہے اور ان کے اعمال صالحہ کے ساتھ ساتھ ایسے اعمال بھی شامل رہتے ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے وَاٰخَرَ سَيِّئًا کے الفاظ سے یاد کیا ہے لیکن چونکہ ان کے دل میں نفاق نہیں ہوتا بلکہ ان کے دلوں میں حقیقی ایمان پایا جاتا ہے۔ اس لئے بدی کے ارتکاب کے بعد ان کے دلوں میں احساس ندامت پیدا ہوتا ہے اور وہ امید رکھتے ہیں کہ اگر وہ توبہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرے گا اور اسی امید، توقع اور یقین کی بِنا پر جب بھی ان سے کوئی غلطی سرزد ہوتی ہے اور جب بھی وہ کسی گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں وہ اپنے ربّ کی طرف لوٹتے ہیں، اس کی طرف رجوع کرتے ہیں اور توبہ کے ذریعہ اس ربّ غفور کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی توبہ کو قبول کرتا اور ان کے گناہوں کو معاف کر دیتا اور ان کی خطاؤں کو مغفرت کی چادر کے نیچے چھپا لیتا ہے۔

یہاں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ تھوڑے ہی لوگ ہوتے ہیں جنہیں کامل اور تام تزکیۂ نفس حاصل ہوتا ہے۔ اور یہ بڑے پایہ کے اولیاء قطب اور غوث کہلاتے ہیں۔ لیکن نیکوں کی اکثریت ایسے ہی لوگوں پر مشتمل ہوتی ہے جو بشری کمزوری کے سبب اپنے اندر کچھ نہ کچھ خرابی رکھتے ہیں اور ان کے دین میں دنیا کی ملونی بھی ہوتی ہے۔ اس اکثریت کے متعلق ہی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے کہ بے شک بندہ کمزور ہے بے شک یہ حقیقت ہے کہ ہم نے بندوں کے ساتھ شیطان بھی لگا یا ہوا ہے جو انہیں ہر وقت ورغلاتا رہتا ہے اور باوجود ایمان کے وہ بعض دفعہ اس کے

پھندے میں پھنس جاتے ہیں اور اس کی بات کو مان لیتے ہیں۔لیکن جونہی انہیں ہوش آتا ہے ان کے دل میں ندامت کا شدید احساس پیدا ہوتا ہے اور وہ اپنی غلطی کو دیکھ کر تڑپ اٹھتے ہیں وہ اپنے ربّ کے حضور جھکتے اور کہتے ہیں اے ہمارے ربّ! ہم تیرے بندے ہیں لیکن شیطان کے بہکانے میں آ گئے تھے اور ہم سے کچھ گناہ سرزد ہو گئے ہیں۔ ہم تجھ سے امید رکھتے ہیں کہ تو ہمارے ان گناہوں کو معاف کر دے گا اور پھر نئے سرے سے ہمیں عبودیت کے اس مقام پر کھڑا کر دے گا جس مقام کے لئے تو نے ہمیں پیدا کیا ہے۔گناہ کے متعلق یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ پیدا ہی اس وقت ہوتا ہے جب دل کے اندر شیطان کے وسوسہ ڈالنے کی وجہ سے غیر اللہ کی محبت پیدا ہو جاتی ہے اور غیر اللہ کی محبت دنیا میں ہزاروں شکلوں میں ظاہر ہوتی ہے کبھی بچوں کی محبت غلو اختیار کر جاتی ہے، کبھی اموال کی محبت اپنی حدود کے اندر نہیں رہتی، کبھی رشتہ داری کی پچ ہوتی ہے، کبھی قومی فخر نیکیوں کے رستہ میں حائل ہو جاتا ہے اور کبھی انسان اپنی بُری عادتوں کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتا یہ سب چیزیں ایک ایسی محبت سے تعلق رکھتی ہیں جو خدا تعالیٰ کی محبت نہیں کہلاتی۔ بلکہ غیر اللہ کی محبت کے نام سے اسے یاد کیا جا سکتا ہے اور یہ غیر اللہ کی محبت آہستہ آہستہ دلوں پر قبضہ کر لیتی ہے۔ پہلے ایک غلطی ہوتی ہے پھر دوسری پھر تیسری اسی طرح ایک کے بعد دوسری غلطی ان سے ہوتی رہتی ہے اور وہ دل جو خدا تعالیٰ کی محبت کے لئے بنایا گیا تھا اور وہ دماغ جس میں خدا تعالیٰ کی محبت کے سوا کسی اور کی محبت کی کوئی جگہ نہیں ہونی چاہیے تھی وہ غیر اللہ کی محبت میں بُری طرح پھنس جاتا ہے اس طرح ان لوگوں کے دل و دماغ اور فطرت صحیح استقامت کے مقام سے ہٹ جاتی اور دور ہو جاتی ہے لیکن استقامت اور ثباتِ قدم، ایمان اور روحانی مدارج کے حصول کے لئے نہایت ضروری ہے۔استقامت کے معنی ہیں کسی چیز کو اس کے عین محل اور مقام پر رکھنا گویا وَضْعُ الشَّيْءِ فِيْ مَحَلِّهٖ کا نام ہی استقامت ہے یا یوں کہا جا سکتا ہے کہ ہیئت طبعی کا نام استقامت ہے یعنی جس شکل اور جس رنگ میں اور پھر جس طور پر اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کو پیدا کیا ہے اگر وہ طبعی حالت پر قائم رہے تو کہا جائے گا یہ چیز استقامت رکھتی ہے یا یہ چیز مستقیم ہے لیکن جب وہ چیز اپنی طبیعت اور فطرت کے تقاضوں سے دور چلی جائے یا وہ انہیں پورا نہ کر رہی ہو تو وہ چیز استقامت سے ہٹ

جاتی ہے اور اسے مستقیم نہیں کہا جا سکتا اور جب تک وہ چیز اپنی فطرت پر قائم نہ رہے یا وہ اپنی بناوٹ اور طبعی حالت کو قائم نہ رکھے۔ وہ اپنے اندر کمالات پیدا نہیں کر سکتی اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو ایک حد تک درجہ کمال حاصل کرنے کے لئے پیدا کیا ہے۔ وہ جب پیدا ہوتی ہے کمال کے حصول کی قوتیں اس کے اندر موجود ہوتی ہیں لیکن اس میں کمال پایا نہیں جاتا۔ دنیا کی کسی چیز کو لے لو وہ ایک خاص زمانہ گزرنے کے بعد ایک خاص ماحول میں سے گزرنے کے بعد اور پھر ایک خاص تربیت کے بعد اپنے کمال کو پہنچتی ہے۔ درختوں کو ہی لے لو ایک درخت لگایا جاتا ہے تو اسے لگانے سے پہلے اس کے لئے زمین تیار کی جاتی ہے۔ اس درخت کے اندر اللہ تعالیٰ نے نشوونما کی قوتیں تو رکھ دی ہیں مگر جب تک ان قوتوں کو بروئے کار نہ لایا جائے وہ اپنے کمال کو نہیں پہنچ سکتا اور ان قوتوں کو بروئے کار لانے کے لئے ہمیں اس کے لئے زمین کو تیار کرنا پڑتا ہے۔ پھر یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ کوئی غیر چیز زمین کی اس قوت کو کھینچ کر نہ لے جائے۔ جسے اس درخت نے حاصل کرنا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک اچھا باغبان درخت کی جڑوں کے پاس سے ہمیشہ جڑی بوٹیاں اور گھاس نکالتا رہتا ہے اور نلائی کرتا رہتا ہے پھر اس درخت کے لئے ضروری ہے کہ اسے وقت کے اندر پانی دیا جائے اور اگر کوئی درخت زمین سے نشوونما حاصل کر چکا ہوتا ہے اور اب اس میں مزید طاقت باقی نہیں رہتی جو وہ اس درخت کو پہنچائے تو باہر سے کھاد ڈالی جاتی ہے تا وہ درخت اپنے کمال کو پہنچ جائے اسی طرح انسانی فطرت اسی وقت کمالات حاصل کرتی ہے اور کر سکتی ہے جب اس کا ماحول اور اس فطرت کا رکھنے والا اپنی توجہ کو اس طرف رکھے کہ جس رنگ میں میرے ربّ نے میری فطرتِ صحیحہ کو پیدا کیا ہے اسی رنگ میں میں اسے رکھوں اور جو چیزیں اور جو باتیں اللہ تعالیٰ نے فطرتِ صحیحہ کی نشوونما کے لئے ضروری قرار دی ہیں ان کا خیال رکھوں اور استقامت کے مقام سے پرے نہ ہٹوں بلکہ جو چیز ہے وہ اسی طرح رہے جس طرح وہ بنائی گئی ہے یعنی خدا تعالیٰ کی آواز پر لبیک کہنے والی فطرت شیطانی وسوسوں کی طرف متوجہ نہ ہو اور وہ خدا تعالیٰ کی ہر آواز پر لبیک کہتی رہے اور اس کے حضور ہمیشہ جھکی رہے۔ تب وہ فطرت جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات کا مظہر بنانے اور اسے عبودیت کا بلند مقام عطا کرنے کے لئے پیدا کیا ہے اپنے کمالات کو

پہنچ سکتی ہے لیکن جیسا کہ میں نے ابھی بتایا ہے کہ اکثر لوگ بعض اوقات نیکی کے رستہ سے ہٹ جاتے ہیں اور وہ نیک اعمال کے ساتھ ساتھ کچھ بدیوں کے بھی مرتکب ہو جاتے ہیں۔ پس سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایسے مومن کے لئے نجات کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا جاتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ ہرگز نہیں۔ ایسے مومن کے لئے اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل اور رحمانیت سے یہ دروازہ کھولا ہے کہ جب بھی اس سے کوئی غلطی ہو وہ اس کا اقرار کرے اور پھر پختہ نیت کے ساتھ یہ عہد کرے کہ آئندہ وہ اس غلطی کا مرتکب نہیں ہوگا اور پھر پوری کوشش کرے کہ وہ مستقبل میں بھی ایسی غلطیوں سے بچتا رہے۔ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ اگر اس خلوصِ نیت کے ساتھ تم توبہ کر کے میرے سامنے آؤ گے تو چونکہ میں غفور ہوں اس لئے تمہارے تمام گناہ معاف کر دوں گا اور جتنا اور جس قدر تم استقامت کے مقام سے ہٹ گئے تھے۔ میں تمہیں پھر اسی مقام کی طرف لوٹا کر لے آؤں گا کیونکہ جب گناہ معاف ہو گئے تو گناہ گار پوری طرح نیک بن گیا۔ گناہ نے اسے استقامت کے مقام سے پرے ہٹایا تھا۔ لیکن خدا تعالیٰ نے اسے اٹھا کر پھر صحیح مقام پر کھڑا کر دیا۔ غرض اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات غفور اور تواب کی وجہ سے اور پھر انسان پر رحم کرتے ہوئے اس کے لئے توبہ کا دروازہ کھلا رکھا ہے اور وہ اپنے بندہ سے کہتا ہے اے میرے بندے! تم سے جب بھی کوئی غلطی ہو تم اس کا اعتراف کرتے ہوئے توبہ کرو پھر ندامت کا احساس دل میں پیدا کرو میرے حضور تضرع اور تذلل سے جھکو اور مجھ سے یہ امید رکھو۔ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ کہ میں تمہاری توبہ قبول کروں گا۔

جب خدا تعالیٰ کے لئے عَسٰی کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں تم یہ امید رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری توبہ کو قبول کرے گا یعنی یہ لفظ انسان کی امید پر دلالت کرتا ہے۔ پس عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ خدا تعالیٰ کہتا ہے اگر تم اس ذہنیت اور اس نیت کے ساتھ میرے سامنے آؤ گے تو میں تمہاری توبہ کو قبول کر لوں گا اور تمہیں صراط مستقیم پر لا کھڑا کروں گا۔ تمہاری جو فطری اور طبعی حالت ہے وہ تمہیں حاصل ہو جائے گی اور اس طرح تم ان بلندیوں اور کمالات کو حاصل کر سکو گے جن کے حصول کے لئے میں نے تمہیں پیدا کیا ہے لیکن بلندیوں کا حصول محض ترکِ گناہ یا گناہوں

کے معاف کر دیئے جانے کی وجہ سے نہیں ہو سکتا۔ ترک معاصی اور چیز ہے اور اعمالِ صالحہ بجالانا بالکل اور چیز ہے۔ پس ترک معاصی یا گناہوں کے معاف کر دیئے جانے کی وجہ سے انسان ایسا ہو جاتا ہے کہ گویا وہ گنہ گار نہ رہا، عاصی نہ رہا اور یہ پہلا زینہ ہے روحانی ترقیات کا لیکن روحانی ترقیات کے حصول کے لئے عملاً نیک کاموں کا بجالانا اور خدا تعالیٰ کی راہ میں ہر قسم کی قربانیاں پیش کرنا ضروری ہے اسی طرح جہاں اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت میں اپنی صفات غفور، توّاب اور رحیم کو پیش کر کے انسان کو گناہوں کے بخش دینے کا یقین دلایا۔ وہاں اس کے ساتھ ہی فرمایا خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تو ان کے اموال میں سے صدقہ لے اور ان دونوں آیات کو آگے پیچھے لانے سے اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ روحانی ترقیات کے لئے ترکِ معاصی کافی نہیں۔ اس لئے کہ مثلاً دنیا میں ہزاروں قسم کے جانور ایسے ہیں جن میں سے کسی کے متعلق بھی ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ گنہ گار ہے۔ زمیندار اپنے گھروں میں بھیڑ بکریاں بھی رکھتے ہیں، گائے اور بیل بھی رکھتے ہیں، بھینسیں اور بھینسے بھی رکھتے ہیں اونٹ بھی رکھتے ہیں۔ غرض مختلف قسم کے جانور ان کے پاس ہوتے ہیں۔ مگر کبھی کسی زمیندار نے باوجود اس کے کہ جانور گناہ کے مرتکب نہیں ہوتے یہ نہیں کہا کہ میرا فلاں جانور (ان معنوں میں جن میں انسان کو گنہ گار کہا جاتا ہے) گنہ گار ہے یا فلاں جانور گنہ گار نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جانوروں کے لئے قانون ہی ایسا بنایا ہے کہ انہیں گناہ کرنے کی آزادی دی ہی نہیں۔ وہ جو خدا تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا جاتا ہے، کرتے ہیں گناہ نہیں کرتے۔ پس جہاں تک ترکِ معاصی کا سوال ہے یہ کمال ہر جانور کے اندر پایا جاتا ہے لیکن اس کے باوجود ہم یہ نہیں کہتے اور نہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ بہت بڑا اور بلند روحانی کمال رکھنے والے ہیں۔ کسی گائے یا بھینس کو یا کسی بکری اور بھیڑ کے لئے یہ نہیں کہا جاتا کہ اس میں بڑی روحانیت ہے کیونکہ اس سے کبھی کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا۔ پس اگر انسان صرف اسی مقام پر ٹھہر جائے کہ میں نے ساری عمر کوئی گناہ نہیں کیا تو وہ یہ دعویٰ تو کر سکتا ہے کہ میں اس مقام پر پہنچ گیا ہوں جہاں تک دنیا کے لاکھوں اور کروڑوں اونٹ گدھے بیل گھوڑے بھیڑ اور بکریاں اور دوسرے جانور پہنچے ہوئے ہیں۔ اس سے زیادہ دعویٰ کا وہ سزاوار نہیں۔ غرض روحانی مدارج کے حصول کے لئے گناہوں کو

ترک کرنے کے علاوہ انسان کو بہت سے نیک کام بھی کرنے پڑتے ہیں اور ان نیک اعمال کو بجا لانے کے بعد ہی انسان اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کر سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے گناہوں کی بخشش کا ذکر کرنے کے ساتھ ہی یہ کہہ دیا کہ اے رسولؐ تو ان مومنوں کے اموال میں سے صدقہ لے اموال مال کی جمع ہے عام طور پر اس کے معنی روپیہ اور پیسہ کے کئے جاتے ہیں۔ لیکن عربی زبان میں اس کے معنی ملکیت یعنی ہر اس چیز کے ہوتے ہیں جو کسی کے مِلک میں ہو۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے اسلام کو دنیا میں اس لئے قائم کیا ہے کہ انسان اپنے مقصود کو حاصل کر لے اور اپنے محبوب اور مطلوب کے ساتھ اس کا رشتہ پختگی کے ساتھ قائم ہو جائے اور وہ خدا تعالیٰ کی رضا کو پانے والا اور حاصل کرنے والا ہو اور اس کے لئے اے رسولؐ ہم تمہیں حکم دیتے ہیں کہ تم مومنوں کے لئے ہمیشہ قربانی کے منصوبے بناتے رہا کرو۔ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً صدقہ اس مال کو کہتے ہیں جو خدا تعالیٰ کی راہ میں اس نیت اور اس امید کے ساتھ خرچ کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ اسے قبول کرے گا اور اس کی وجہ سے قرب کی راہیں اس پر کھول دے گا۔ پس فرمایا۔ اے رسولؐ تم ان مومنوں کے اموال میں سے صدقہ لو یعنی ان کی روحانی اور دنیوی ترقیات کے لئے ہمیشہ قربانی کے منصوبے بناتے رہا کرو تُزَكِّيْهِمْ تا کہ یہ بڑھیں اور ان کے اندر طاقت قوت اور کثرت پیدا ہو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے اس حکم کے ماتحت حسبِ ضرورت اور ان حالات میں جو اللہ تعالیٰ انسان اور اسلام کی ترقی کے لئے پیدا کرتا تھا مسلمانوں کے لئے قربانی کی ایک سکیم اور منصوبہ تیار کرتے تھے اور انہیں بتایا کرتے تھے کہ اگر ہم اس کام کو مل کر کریں گے تو اسلام کو قوت اور طاقت حاصل ہوگی اور ہمیں اس کے نتیجہ میں روحانی مدارج ملیں گے۔ پس جنگوں کے حالات جو پیدا ہوئے یا اس کے علاوہ جو دوسرے حالات خدا تعالیٰ نے اسلام کی ترقی کے لئے پیدا کئے ہر بار رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانیوں کا ایک منصوبہ بنایا اور مسلمانوں کو کہا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کو تمہارے اموال کی ضرورت ہے یا اس وقت اللہ تعالیٰ کو تمہارے اوقات کی ضرورت ہے یا اس وقت اللہ تعالیٰ کو تمہاری جانوں کی ضرورت ہے آؤ آگے بڑھو اور خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنے اموال، اپنے اوقات اور اپنی جانیں

پیش کرو۔ تا تم اس مقصد کو حاصل کر سکو۔ جس کے لئے انسان کو پیدا کیا گیا ہے اور جس کے حصول میں مدد دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسلام جیسے خوبصورت، حسین، کامل اور مکمل مذہب کو دنیا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ بھیجا ہے۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً میں خُذْ امر کا صیغہ ہے اور اس کے پہلے مخاطب خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لیکن ہم یقین رکھتے ہیں کہ آپؐ قیامت تک کے لئے ایک زندہ وجود ہیں اور وہ اس طرح کہ خدا تعالیٰ قیامت تک اپنی حکمت بالغہ سے آپؐ کے ایسے اظلال پیدا کرتا رہے گا۔ (جیسا کہ وہ آج تک پیدا کرتا چلا آیا ہے) جو آپؐ کی کامل اطاعت، کامل محبت اور آپؐ میں کامل فنا ہونے کی وجہ سے گویا ایک طرح آپ کا ہی وجود بن جاتے ہیں۔ پس اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اظلال کو بھی جو آئندہ پیدا ہونے والے تھے (اور ان میں مجددین، اولیاءِ امت اور خلفائے راشدین بھی شامل ہیں اللہ تعالیٰ نے ایسا انتظام کیا ہوا ہے کہ اُمّتِ مسلمہ میں ہر وقت ایسے لوگ موجود رہتے ہیں جو آپؐ کی کامل متابعت اور فنا فی الرسول ہونے کی وجہ سے آپؐ کا ظل ہونے کی اہلیت رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں بھی وہ آپؐ کے ظل ہیں) مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تم اُمت مسلمہ کی ترقی کے لئے اور مومنوں کو روحانی بلندیوں تک پہنچانے کے لئے قربانیوں اور ایثار کے منصوبے تیار کرتے رہو اور ان کی ملکیتوں میں سے ایک حصہ لے کر خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا ہمیشہ انتظام کرتے رہو تا وہ ان روحانی مدارج تک پہنچتے رہیں جن تک وہ اسلام کی اتباع اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے نتیجہ میں پہنچ سکتے ہیں۔

پھر خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً میں ایک بشارت بھی ہے اور وہ یہ کہ اسلام نے آزادیٔ ضمیر پر بڑا زور دیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے بڑی وضاحت سے اور بار بار ہمیں فرمایا ہے کہ جبر سے حاصل کردہ اموال یا مجبور ہو کر دی جانے والی قربانیاں خدا تعالیٰ کی نظر میں کوئی قدر نہیں رکھتیں۔ نہ وہ انہیں قبول کرتا ہے، اور نہ ان کے نتیجہ میں روحانی فیوض حاصل ہوتے ہیں۔ پس اس آیت میں یہ بشارت دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور پھر ایک حد تک آپؐ کے اظلال

کو بھی ایسی جماعتیں عطا کرتا رہے گا جو بشاشت اور خوشی کے ساتھ خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنے اموال قربان کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہیں گی اور اس بشارت کو ہم ہر صدی اور ہر زمانہ میں پورا ہوتے دیکھ رہے ہیں۔ ہماری جماعت کو ہی دیکھ لو۔ اس کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قائم کیا تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل ظل تھے۔ اسی لئے آپؑ نے فرمایا ہے جو شخص مجھ میں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں فرق کرتا ہے اس نے دراصل مجھے پہچانا ہی نہیں۔ کیونکہ جس طرح ایک شخص کی تصویر لی جاتی ہے یا کسی تصویر کا چربہ اتارا جاتا ہے، اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان تمام صفات کو اپنے اندر سمیٹ لیا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں پائی جاتی تھیں اور اپنا سارا وجود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود میں کلیتاً فنا کر دیا تھا اور کوئی بینا آنکھ ان دو وجودوں میں فرق نہیں کر سکتی۔ بالکل اسی طرح جس طرح وہ آگ اور اس لوہے میں فرق نہیں کر سکتی جو آگ میں پڑ کر خود آگ بن جاتا ہے حالانکہ وہ آگ نہیں ہوتا لوہا ہی ہوتا ہے لیکن اس میں آگ کی تمام خوبیاں اور صفات پیدا ہو جاتی ہیں اور دیکھنے والی آنکھ اسے آگ کا شعلہ ہی خیال کرتی ہے لیکن حقیقت اس کے سوا ہوتی ہے وہ آگ کا شعلہ نہیں لوہے کا ایک ٹکڑا ہوتا ہے بالکل اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے نفس پر کامل اور مکمل فنا طاری کی اور اپنے وجود کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود میں مدغم کر دیا۔ پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل ظل ہونے کی وجہ سے خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً کے ماتحت آپ نے بھی جماعت کے لئے مالی قربانیوں کے منصوبے تیار کئے۔ آپ نے بھی جماعت سے قربانیاں لیں اور اس کی ایسے رنگ میں تربیت کی کہ وہ ہر موقع پر بشاشت کے ساتھ قربانیاں دیتی چلی آئی۔ پھر آپؑ کے وصال کے بعد جو لوگ مقامِ خلافت پر فائز ہوئے ان کے زمانہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس بشارت کو نمایاں طور پر پورا کیا۔ حضرت مصلح موعودؓ کے زمانہ کو دیکھ لو آپ نے مختلف اوقات میں باوجود اس کے کہ جماعت پہلے مالی قربانیاں پیش کر رہی تھی۔ اس کے سامنے کئی نئی سکیمیں رکھیں اور ان سے مطالبہ کیا کہ وہ انہیں پورا کرے اور ہم نے دیکھا کہ جماعت بشاشت اور خوشی کے ساتھ چھلانگیں لگاتی ہوئی آپ کی طرف دوڑی اور ہنستے ہوئے

اس نے اپنے مزید اموال خدا تعالیٰ کی راہ میں پیش کر دیئے۔ وصیت کا چندہ دینے والوں نے تحریکِ جدید کے چندہ میں بھی بشاشت اور خوشی کے ساتھ حصہ لیا۔ تحریکِ جدید کا چندہ دینے والوں نے وقفِ جدید کے چندوں میں بھی خوشی اور بشاشت کے ساتھ حصہ لیا پھر تحریکِ جدید اور وقفِ جدید کے سوا دوسرے لازمی چندے دینے والوں نے ان چندوں میں بھی بڑی بشاشت سے حصہ لیا جو محض وقتی نوعیت کے تھے۔ مثلاً باہر کے ملکوں میں مساجد کی تعمیر ہے۔ مساجد کی تعمیر کے سلسلہ میں ہماری بہنوں نے ہی دنیا کو بڑا اچھا نمونہ دکھایا ہے اور رہتی دنیا تک ایک مومن کے دل میں ان کا نام بڑے فخر کے ساتھ یاد رہے گا اور مومنوں کی دعائیں انہیں ہمیشہ حاصل ہوتی رہیں گی ابھی پچھلے جمعہ میں نے اس طرف توجہ دلائی تھی کہ اگرچہ جماعت قربانیوں میں ہر سال پہلے کی نسبت ترقی کرتی ہے لیکن وعدے لکھوانے میں بعض دفعہ سستی کرتی ہے اور اس طرح نہ صرف خود نقصان اٹھاتی ہے بلکہ مرکز کو بھی پریشان کرتی ہے۔ چنانچہ اس سال بھی اس نے تحریکِ جدید کے وعدے لکھوانے میں سستی کی ہے جس سے مرکز پریشانی کا شکار ہو رہا ہے۔ میں نے جماعت سے کہا تھا کہ وہ اس طرف فوری توجہ دے وعدوں کی آخری میعاد جلد ختم ہو رہی تھی لیکن میں نے کہا تھا کہ میں اہلِ ربوہ کو وعدوں کے لکھوانے کے لئے مزید مہلت نہیں دوں گا۔ باہر چونکہ میری آواز دیر میں پہنچے گی اس لئے باہر کی جماعتوں کو میں ایک ہفتہ کی مہلت دوں گا۔ آج جب مجھے یہ رپورٹ ملی کہ اہلِ ربوہ نے ان چند دنوں میں اپنے تحریکِ جدید کے وعدے پچھلے سال سے کچھ اوپر کر دیئے ہیں اور ابھی وعدے لکھوائے جا رہے ہیں تو میرے دل میں خدا تعالیٰ کی بڑی حمد پیدا ہوئی انشاء اللہ امید ہے کہ اہلِ ربوہ ابھی وعدوں کے سلسلہ میں اور آگے بڑھ جائیں گے اسی طرح راولپنڈی سے بھی آج صبح ہی رپورٹ ملی ہے کہ وہاں کی جماعت نے پچھلے سال سے زائد رقم کے وعدے بھجوا دیئے ہیں اور ابھی وعدے لئے جا رہے ہیں تا پچھلے سال کی نسبت ان کی قربانیاں زیادہ ہوں اور وہ اللہ تعالیٰ کے فضلوں کو پہلے کی نسبت زیادہ حاصل کر سکیں۔ اس چیز کو دیکھ کر دل میں اللہ تعالیٰ کی بڑی ہی حمد پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف ہم پر یہ فضل کیا کہ ہم پہلے کی نسبت اس کی راہ میں زیادہ اموال خرچ کرنے کی توفیق پا رہے ہیں

بلکہ وہ ان بشارتوں کو جو اس نے چودہ سَو سال قبل سے دے رکھی تھیں۔ انہیں ہماری زندگی میں ہی پورا کر رہا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی جتنی بھی حمد کی جائے وہ کم ہے۔

پھر اس آیت میں اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (اور ان کے ان اظلال کو بھی جو آپؐ کے بعد ہونے والے تھے) مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ قربانی کرنے والوں کے لئے دعا بھی کر کیونکہ تیری دعا ان کے لئے تسکین کا موجب ہوگی میں سمجھتا ہوں کہ مومنوں کے لئے اس میں بہت بڑی بشارت ہے اور وہ بشارت یہ ہے۔ کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربانیاں دو گے۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی وہ چیزیں پیش کرو گے جن کے تم حقیقی مالک ہو اور خدا تعالیٰ کی عطا میں سے وہ تمہارے لئے ہی مخصوص کی گئی ہیں اور پھر تم انہیں بڑی خوشی اور بشاشت سے پیش کرو گے۔ تو خدا تعالیٰ تمہاری ان قربانیوں کو قبول کر لے گا اور نہ صرف وہ تمہاری قربانیوں کو قبول کرے گا بلکہ اس نے تمہارے لئے دعاؤں کا ہمیشہ بہنے والا اور کبھی بھی خشک نہ ہونے والا دریا جاری کر دیا ہے کیونکہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے۔ کہ تم مومنوں کے لئے ہمیشہ دعا کرتے رہو کہ اللہ تعالیٰ ان کی قربانیوں کا صرف بدلہ ہی نہ دے بلکہ اپنی رحمانیت کی صفت کے ماتحت ان کے ثواب میں ہر آن اور ہر لحظہ زیادتی کرتا چلا جائے اور اپنے قرب کی راہیں ان پر ہر وقت کھولتا رہے اور ان دعاؤں کے نتیجہ میں وہ انہیں بلند سے بلند تر مقام کی طرف لے جاتا چلا جائے۔ پس یہ کتنی بڑی بشارت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا کی ہے اس نے خود فرمایا ہے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربانیاں پیش کرو گے تو وہ نہ صرف انہیں قبول کرے گا بلکہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کام پر لگا دیا ہے کہ آپ ہمارے لئے دعائیں کریں۔ اللہ آپ کی دعاؤں کو قبول کر کے اپنی رحمانیت کے تحت ہر وقت ان کے ثواب میں بڑھوتی کرتا چلا جائے گا۔

پھر جیسا کہ میں نے بتایا ہے کہ قیامت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اظلال نے بھی ہمیشہ اور ہر وقت موجود رہنا ہے اس لئے ان کو بھی یہ حکم ہے۔ کہ تم جس جماعت پر مقرر کئے گئے ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظل ہونے کی وجہ سے ان کے لئے ہمیشہ دعائیں کرتے رہو۔ چنانچہ اس حکم کے ماتحت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین مجددین اور

اولیائے اُمت اپنے لئے اتنی دعائیں نہ کرتے تھے۔جتنی دعائیں انہوں نے اُمّتِ مسلمہ کے لئے کیں اور اب جماعت احمدیہ کے خلفاء بھی اپنے لئے اتنی دعائیں نہیں کرتے (یا نہیں کرتے رہے) جتنی دعائیں وہ احمدی بھائیوں کے لئے کرتے ہیں اور کرتے رہے ہیں اور اس امید اور یقین سے دعا کرتے اور کرتے رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی ان دعاؤں کے نتیجہ میں مومنوں کے دلوں میں تسکین پیدا کرے گا پھر ہمارا دل خدا تعالیٰ کی حمد سے بھر جاتا ہے۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری حقیر دعاؤں کے نتیجہ میں واقعہ میں مومنوں کے دلوں میں تسکین پیدا ہو جاتی ہے اور جماعت کے افراد کے سینکڑوں خطوط اس بات کی شہادت دے رہے ہیں۔کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ کو ہر آن پورا کر رہا ہے۔کبھی وہ ہماری دعاؤں کو قبول کر کے مومنوں کے دلوں میں تسکین کے سامان پیدا کرتا ہے اور کبھی وہ مومنوں کو قوت برداشت عطا کر کے ان کے لئے تسکین کے سامان مہیا کرتا ہے بہر حال وہ ان کے دلوں میں تسکین کے سامان پیدا کر دیتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے۔

پس ان آیات میں جن باتوں کی طرف اللہ تعالیٰ نے ہمیں توجہ دلائی ہے وہ باتیں ہمیں ہر وقت یاد رکھنی چاہئیں۔پہلی بات جو خدا تعالیٰ نے ہمیں ان آیات میں بتائی ہے یہ ہے کہ مومن اور منافق میں یہ فرق ہے کہ منافق بھی غلطی کرتا ہے اور مومن بھی غلطی کرتا ہے لیکن منافق غلطی کرتا ہے تو اس پر اصرار کرتا ہے۔جیسا کہ فرمایا مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ وہ نفاق کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتے اس کے لئے ان کے دل میں ندامت کا احساس پیدا نہیں ہوتا۔لیکن اس کے مقابلہ میں جب مومن کوئی غلطی کرتا ہے تو اس کے دل میں ندامت پیدا ہوتی ہے اور وہ توبہ کے ذریعہ اپنی غلطی معاف کروانے کی کوشش کرتا ہے۔تب اللہ تعالیٰ اس کو اس معصوم بچے کی طرح بنا دیتا ہے جو ابھی ابھی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو۔کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ توبہ کرنے والا توبہ کرنے کے بعد (اگر اس کی توبہ قبول ہو جائے) ایسا ہی ہے جیسے اس نے کبھی کوئی گناہ کیا ہی نہیں۔اس سے کوئی غلطی سرزد ہی نہیں ہوئی۔پس وہ شخص جو توبہ کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول کر لیتا ہے وہ ویسا ہی معصوم بن جاتا ہے جیسا کہ ایک نوزائیدہ بچہ۔غرض مومن کو

توبہ کا دروازہ ہمیشہ کھٹکھٹاتے رہنا چاہیے اور خدا تعالیٰ کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مومن کے دل میں رجاء ہوتی ہے وہ یہ امید اور توقع رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول کرے گا۔

دوسرے اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ہمیں یہ بتایا ہے کہ محض ترکِ معاصی کافی نہیں اگر تم میری رضا کو حاصل کرنا چاہتے ہو یا تمہیں میرے قرب کی تلاش ہے۔تو تمہیں نیکی کی راہیں اختیار کرنا پڑیں گی اور خلوص نیت کے ساتھ اعمالِ صالحہ بجالانے پڑیں گے اور یہی ایک طریق ہے جس کے ذریعہ تم میری بلندیوں کی طرف پرواز کرنے کے قابل ہو سکتے ہو۔

پھر ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بشارت بھی دی ہے۔ کہ اگر تم نیک نیتی اور اخلاص کے ساتھ (نفاق کے ساتھ نہیں) میرے قائم کردہ سلسلہ اور جماعت میں رہتے ہوئے ان تحریکوں میں جو میں جاری کروں، شامل ہو گے تو نہ صرف میری طرف سے تمہارے دلوں میں بشاشت پیدا کی جائے گی اور تمہارے لئے یہ قربانیاں دوبھر محسوس نہیں ہوں گی۔ بلکہ تم بڑی بشاشت کے ساتھ اور ہنسی خوشی ان قربانیوں کو کرو گے اور اس کے بدلہ میں تمہیں دو چیزیں ملیں گی۔ ایک تو میں تمہاری قربانیوں کو قبول کرکے اپنی رضا تمہیں دوں گا۔ دوسرے میں نے اپنے بعض بندوں کو تمہارے لئے دعا کرنے کے لئے مقرر کر چھوڑا ہے میں ان کی دعا کو قبول کرکے اپنی رضا کو تمہارے لئے ہر دم اور ہر لحظہ بڑھاتا چلا جاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس تعلیم پر عمل کرنے اور اسے یاد کرنے کی توفیق عطا فرمائے جو ان آیاتِ قرآنیہ میں بیان کی گئی ہے اور پھر سارے قرآن کریم پر عمل کرنے کی توفیق عطا کرے۔ اگر وہ لوگ تعداد میں بہت تھوڑے ہیں جو کلی طور پر تزکیہ نفس حاصل کرتے ہیں اور کلی طور پر اپنے وجود کو فنا کر دیتے ہیں لیکن ہمیں دعا کرتے رہنا چاہیے اور پھر یہ کوشش کرتے رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ان بندوں میں ہمیں بھی شامل کرلے۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقُ

(روزنامہ الفضل ربوہ ۳۰؍مارچ ۱۹۶۶ء صفحہ ۲ تا ۵)

اللہ تعالیٰ کو جو چیزیں پسند ہیں انہیں اختیار کرو اور اُسے جو امور ناپسند ہیں ان سے بچنے کی کوشش کرو

خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۱؍ مارچ ۱۹۶۶ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ سورہ بنی اسرائیل میں فرماتا ہے۔

قُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ۔ (بنی اسرآءیل: ۵۴)

یعنی ان لوگوں کو جو خدائے واحد کی خلوص اور تذلل کے ساتھ اطاعت کرنے والے اور صفاتِ الٰہیہ کے مظہر بننے کے خواہشمند ہیں میرا پیغام پہنچا دو کہ وہ وہی بات کہا کریں جو سب سے زیادہ اچھی ہے اب کسی بات کا اچھا اور بُرا ہونا مختلف پہلوؤں سے ہوسکتا ہے۔ بعض باتیں بعض لوگوں کے نزدیک اچھی ہوتی ہیں لیکن وہی باتیں بعض دوسروں کے نزدیک بُری ہوسکتی ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ’’عِبَادِيْ‘‘ میں بندوں کو اپنی طرف منسوب فرمایا ہے اور اس طرح اس سوال کا جو یہاں پیدا ہونا تھا خود ہی جواب دے دیا ہے اور وہ جواب یہ ہے جو میری نگاہ میں بھی احسن ہو اور اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں کون سی چیزیں احسن ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں وہی چیزیں احسن ہیں جو اسے اچھی لگتی ہیں جنہیں وہ پسند کرتا ہے۔ جن کو دیکھتے ہوئے اور اپنے بندوں پر رحم اور فضل

کرتے ہوئے وہ اپنی قرب کی راہیں اور اپنی رضا کے طریق انہیں سمجھاتا ہے اور ثواب کے دروازے ان پر کھولتا ہے۔ پس یہی وہ چیزیں ہیں جو خدا تعالیٰ کی نظر میں پسندیدہ ہیں اور ان کا ذکر ہمیں قرآن کریم میں ملتا ہے اور قرآن کریم میں ہی مل سکتا ہے۔

غرض اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہاں اس امر کی طرف متوجہ کیا ہے کہ تمہاری زبان تمہیں دوزخ کی طرف بھی لے جاسکتی ہے اور تمہاری زبان تمہیں میری رضا کی جنت کی طرف بھی لے جاسکتی ہے۔ اس لئے تم اپنے قول اپنی باتوں اور اپنی نگاہ پر قابو رکھو اور اپنی زبان کو آزاد نہ چھوڑو بلکہ اگر تم میرے بندے بننا چاہتے ہو اگر تم میری اطاعت تذلل کے ساتھ کرنا چاہتے ہو، اگر تم میری وحدانیت کے قیام کی طرف متوجہ ہو، اگر تم میری صفات کے مظہر بننا چاہتے ہو، تو اپنی زبان پر وہی باتیں لاؤ جن کے زبان پر لانے کا قرآن کریم نے ارشاد فرمایا ہے۔ قرآن کریم ایسی باتوں سے جو زبان پر لانی مناسب ہیں، بھرا پڑا ہے میں اس وقت ان کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتا۔ ہاں مثال کے طور پر یہ ضرور بیان کروں گا کہ مثلاً قرآن کریم نے فرمایا ہے یَأۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ (اٰلِ عمران: ۱۰۵) یعنی میرے بندے معروف کا حکم دیتے ہیں نیز قرآن کریم فرماتا ہے کہ میرے بندے قولِ صادق پر ہی نہیں قولِ سدید پر کاربند ہوتے ہیں اور اس قسم کی سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں باتیں قرآن کریم میں ہیں جن کے متعلق خدا تعالیٰ کہتا ہے تم اس طرح کہو اور بہت سی ایسی باتیں بھی ہیں جن کے متعلق وہ کہتا ہے ایسا نہ کہو کیونکہ یہ باتیں شیطان اور اس کی ذریت ہی کہا کرتی ہے اللہ تعالیٰ کے بندے ایسی باتیں نہیں کہا کرتے۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کے بعد ایک چھوٹے سے فقرہ میں نفی والے حصہ کو بڑے حسین پیرایہ میں بیان کر دیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتا ہے۔

اِنَّ الشَّیۡطٰنَ یَنۡزَغُ بَیۡنَہُمۡ ایک شیطان تو معروف ہستی ہے یعنی ایک نظر نہ آنے والا وجود جو دلوں میں وسوسہ پیدا کر کے انسانوں کو خدا سے دور لے جاتا ہے انہیں غیر اللہ کی طرف بلاتا ہے اور ایک قسم شیطان کی وہ ہے جس کی ذریت انسان کی شکل میں دنیا میں بستی ہے اور شیطان کے

معنی ہیں حسد اور تعصب کی آگ میں جلنے والا اور اس کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ سے سرکشی کرنے والا۔ اپنی حدود سے آگے بڑھ جانے والا اور اس طرح پر نہ صرف خود حق سے دور ہو جانے والا بلکہ لوگوں کو حق سے دور کرنے کی کوشش کرنے والا اور یہاں اللہ تعالیٰ اِنَّ الشَّیۡطٰنَ یَنۡزَغُ بَیۡنَھُمۡ کہہ کر انسان کو ہدایت کرتا ہے کہ اس بات کا خیال رکھنا کہ ہمارا حکم ہے۔

قولِ احسن کہا کرو اس حکم کے راستہ میں کچھ وجود روک بننے کی کوشش کریں گے اور وہ اس طرح کہ وہ حسد یا تعصب سے کام لیتے ہوئے سرکشی عدم اطاعت اور بغاوت اختیار کریں گے اور حق سے دور ہو جائیں گے، اور ساتھ ہی یہ کوشش بھی کریں گے کہ تم بھی حق سے دور ہو جاؤ۔ اس طرح ہمیں بتایا کہ جو قول حسد کی وجہ سے کہا جاتا ہے وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک احسن نہیں، اسی طرح وہ بات جو تعصب کی پیداوار ہو وہ بھی خدا تعالیٰ کی نظر میں احسن نہیں۔ تعصب کے نتیجہ میں کہی جانے والی باتیں دو قسم کی ہوا کرتی ہیں کیونکہ تعصب بھی دو قسم کا ہوتا ہے ایک وہ تعصب ہوتا ہے جو دوسرے کے خلاف ہوتا ہے اور اس وقت انسان تعصب کے نتیجہ میں دروغ گوئی کر رہا ہوتا ہے۔ دوسرے پر جھوٹا الزام لگا رہا ہوتا ہے جو حقوق اس شخص کو حاصل ہوتے ہیں ان کا انکار ہوتا ہے۔ جس مقام پر اسے رکھنا چاہیے۔ وہ عمل سے بھی اور زبان سے بھی کوشش کر رہا ہوتا ہے وہ مقام اسے حاصل نہ ہو۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ شیطان حسد پیدا کرتا ہے وہ تعصب پیدا کر کے بعض ایسی باتیں تمہارے منہ سے نکلوانے کی کوشش کرتا ہے جو میرے نزدیک احسن قول نہیں اس لئے تمہیں شیطان کے پیدا کردہ وساوس سے بچتے رہنا چاہیے۔

یَنۡزَغُ بَیۡنَھُمۡ ۔ نَزَغَ یَنۡزَغُ کے ایک معنی غیبت کرنے کے ہیں۔ دوسرے معنی بدگوئی کے ہیں اور تیسرے معنی ایسی باتیں کرنے کے ہیں جن کی وجہ سے بھائی بھائی کے درمیان جھگڑا پیدا ہو جائے، تفرقہ اور بگاڑ پیدا ہو جائے۔ پھر اس کے معنی ایسی باتیں کرنے کے بھی ہیں جن کی وجہ سے ایک کو دوسرے کے خلاف برانگیختہ کیا جائے۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یَنۡزَغُ بَیۡنَھُمۡ شیطان تمہیں میرے اس حکم سے کہ تم قولِ احسن کہا کرو، پرے ہٹانے کی کوشش کرے گا۔ وہ شیطان جو

حسد اور تعصب کی آگ میں جلنے والا ہے۔ وہ شیطان جو سرکشی اور تمرد کی راہ کو اختیار کرنے والا ہے۔ وہ شیطان جو خود حق سے دور رہنے والا ہے اور جس کی ہمیشہ یہی کوشش رہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندے بھی حق سے دور ہو جائیں وہ غیبت اور بدگوئی کی راہ سے بھائی بھائی کے درمیان تفرقہ ڈالنے کی کوشش کرے گا اور تمہیں اس بات پر اُکسائے گا کہ تم بھی غیبت کرو، تم بھی بدگوئی کو اختیار کرلو، تم بھی امن سکون اور آشتی کی باتیں کرنے کی بجائے بعض کو بعض کے خلاف بھڑکانے اور ایک کو دوسرے کے خلاف برانگیختہ کرنے کی کوشش کیا کرو اور فساد اور فتنہ پیدا کرنے کی کوشش کرو۔ شیطان پوری کوشش کرے گا کہ تم جادۂ صداقت سے پرے ہٹ جاؤ اور وہ تمہیں حق سے دور کردے لیکن ہم یَنۡزَغُ بَیۡنَهُمۡ کے مختصر الفاظ میں شیطانی حربوں کا ذکر کھول کر بیان کر دیتے ہیں تا تم ان پر نہ چلو تم حسد نہ کرو اور نہ تم کسی پر یا کسی کے خلاف تعصب کی راہ کو اختیار کرو عدمِ اطاعت اور بغاوت کے بول نہ بولو، سرکشی کی باتیں نہ کرو نہ تم خلافِ حق کچھ کہو اور نہ کسی کو خلافِ حق کہنے کی ترغیب دو اگر تم ایسا کرو گے تو تم شیطان کے حملوں سے بچ جاؤ گے اور اگر تم حقیقتاً شیطان کے حملوں سے بچ گئے تو پھر اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں بھی تمہارے اقوال اچھے پسندیدہ اور مرغوب ہوں گے اور تم اس کی نگاہ میں بھی اس کے بندے بن جاؤ گے۔

پھر آگے فرمایا۔ اِنَّ الشَّیۡطٰنَ کَانَ لِلۡاِنۡسَانِ عَدُوًّا مُّبِیۡنًا یعنی شیطان جس کی صفات ہم نے اوپر بیان کی ہیں وہ انسان کے لئے ایسا دشمن ہے جو مبین ہے انسان ایک تو اس مخلوق کو کہتے ہیں جو آدم علیہ السلام کی ذریت ہے لیکن عربی زبان میں اس کے معنی اس ہستی کے ہیں جو اکیلے زندگی بسر نہ کر سکے بلکہ اس کے دل میں دوسرے انسانوں کے ساتھ تعلقات پیدا کرنے کی خواہش پیدا ہوتی ہو۔ اس کی فطرت میں ودیعت کیا گیا ہو کہ وہ ہم جنس لوگوں سے اُنس رکھے اپنے ہم جنس انسانوں کے ساتھ اُلفت اور محبت قائم کرنے والی ہستی اور وہ ہستی جو دوسری طرف اپنے ربّ کے ساتھ بھی تعلق رکھنے کی خواہش رکھتی ہے اس کے اندر یہ ودیعت کیا گیا ہے کہ وہ اپنے پیدا کرنے والے ربّ کے ساتھ تعلق قائم کرے اور اس کی رضا کو حاصل کرے انسان

کہلاتی ہے۔ پس ان دو قسم کے قرب اور تعلق (ایک طرف انسان سے محبت اور دوسری طرف اپنے خالق و مالک سے تعلق) رکھنے والی ہستی کو ہم انسان کہتے ہیں اور اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ ۔ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا میں اللہ تعالیٰ نے انسان کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ حالانکہ یہاں ضمیر بھی استعمال کی جاسکتی تھی اور کہا جاسکتا تھا کہ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لَهُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ۔ لیکن یہاں ضمیر استعمال نہیں کی گئی نہ عباد کا لفظ دہرایا گیا بلکہ انسان کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور اس میں یہ حکمت ہے کہ انسان دو طرفہ تعلق قائم کرنا چاہتا ہے ایک طرف تو وہ اپنے بھائی انسان کے ساتھ تعلق قائم رکھنا چاہتا ہے اور دوسری طرف اپنے خالق ربّ کے ساتھ تعلق جوڑنا چاہتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ انسان کو انسان کہا جاتا ہے۔ بہرکیف یہاں فرمایا شیطان انسان کا دشمن مبین ہے اور مُبِيْنٌ کے لفظ کے معنی اُردو میں کھلے کھلے کے کئے جاتے ہیں جو درست ہیں۔ چنانچہ کہا جاتا ہے اَبَانَ الشَّیْءُ اِتَّضَحَ فَهُوَ مُبِيْنٌ پس اس حصہ آیت کے معنی ہوں گے۔ شیطان انسان کا کھلا کھلا دشمن ہے لیکن عربی زبان میں اس کے اور معانی بھی ہیں مثلاً کہتے ہیں اَبَانَ الشَّیْءَ اَوْضَحَهٗ یعنی جب کسی شَیْء کے متعلق ''اَبَانَ'' کا لفظ استعمال کیا جائے تو اس کے معنی ہوں گے اسے واضح کر دیا اور شیطان جب انسان پر حملہ کرتا ہے تو چونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل دی ہے اس لئے شیطان اس کی عقل کو چکر دینا چاہتا ہے اور اس کے سامنے بعض بُرائیوں کو وضاحت سے خوبصورت بنا کر پیش کرتا ہے کہ تمہیں ان پر عمل کرنا چاہیے۔ حالانکہ وہ چیزیں خدا تعالیٰ سے دور لے جانے والی ہوتی ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ بھی اس نے یہی سلوک کیا تھا اور اس نے کہا تھا اگر تم یہ کام کرو گے تو تم کو ابدی جنت مل جائے گی۔ گویا اس طرح اس نے بظاہر معقول اور روحانی دلیل دے کر آپ کو خدا تعالیٰ کے رستہ سے ہٹانے کی کوشش کی تھی۔ پس ان معنوں کے لحاظ سے اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا کے یہ معنی ہوں گے کہ شیطان انسان کا کھلا کھلا دشمن ہے اور وہ اپنی ان باتوں کو جو خدا تعالیٰ سے دور لے جانے والی ہیں ایسی وضاحت سے بیان کرتا ہے کہ انسانی عقل انہیں صحیح سمجھنے لگ جاتی ہے اور اس میں وہ

بعض اوقات کامیاب ہوجاتا ہے کیونکہ انسان عقل کا جہاں صحیح استعمال کرتا ہے وہاں بسا اوقات وہ اس کا غلط استعمال بھی کرتا ہے پھر اَبَانَ الشَّیْءَ کے ایک معنی قَطَعَهٗ وَ فَصَلَهٗ کے بھی ہیں یعنی اسے قطع کر دیا۔ اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اس لحاظ سے اِنَّ الشَّیْطٰنَ کَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا کے معنی ہوں گے شیطان انسان کا کھلا کھلا دشمن ہے وہ انسان کے دوطرفہ تعلقات (یعنی ایک طرف اس تعلق کو جو انسان کا انسان سے ہوتا ہے اور دوسری طرف اس تعلق کو جو اس کا خدا تعالیٰ سے ہوتا ہے) کو قطع کرنے والا ہے اور اس کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ انسانوں کے درمیان باہم جھگڑا لڑائی فتنہ اور فساد پیدا ہو۔ کبھی تو وہ مذہب کے نام پر انسانوں کے خون بہا دیتا ہے اور کبھی وہ دہریت کی آواز بلند کر کے انسانی جانیں ضائع کرنے کی کوشش کرتا ہے اور فتنہ وفساد پیدا کرتا ہے اور شیطان اس مخفی وجود کا نام بھی ہے جو انسان کے اندر وساوس پیدا کر کے اسے حق سے دور کر دیتا ہے اور اس سے مراد وہ لوگ اور وہ قومیں بھی ہیں جو شیطان کی ذریت اور اس کے ساتھ ہیں۔ غرض اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے کہ شیطان کے جن حربوں کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔ ان کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تمہارے ان تعلقات پر ضرب لگتی ہے جو تمہارے آپس کے ہوں یا خدا تعالیٰ کے ساتھ ہوں۔ پس شیطان کا حملہ بنیادی صداقتوں پر ہوتا ہے نہ وہ اس دنیا میں امن چاہتا ہے اور نہ امن پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے اور نہ اخروی زندگی کے متعلق صلاح کا خواہش مند ہے بلکہ وہ ہمیشہ اس کوشش میں لگا رہتا ہے کہ تمہارے اپنے ربّ سے بھی تعلقات استوار اور مستحکم نہ ہوں۔ تمہارا خدا تعالیٰ سے اتنا مضبوط رشتہ نہ ہوجائے کہ تم اُخروی زندگی میں خدا تعالیٰ کی رضا کی راہوں پر چلتے ہوئے ایک ابدی جنت کے انعام کے وارث بنو وہ تمہارے دونوں تعلقات کو قطع کرتا ہے۔ پس اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے شیطان تمہارا دشمن ہے اور وہ تمہارے اور تمہارے ربّ کے درمیان جو تعلقات ہیں انہیں ہمیشہ قطع کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے اور تمہارے باہمی تعلقات کو بھی بگاڑتا ہے اور اس طرح انسان کو انسان سے علیحدہ کر دیتا ہے۔

اس آیت کے بعد دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ (بنی اسرآءِیل:۵۵)

یعنی تم ہمارے ان احکام کی بظاہر پابندی کرنے کے بعد جو ہم نے تمہیں قول احسن کہنے کے متعلق دیئے ہیں یہ نہ سمجھنا کہ تم کوئی چیز بن گئے ہو اور تمہارا حق ہو گیا ہے کہ تم پر خدا تعالیٰ کی رضا کی راہیں کھلیں اس لئے کہ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ تمہاری بہت سی خطائیں، غفلتیں اور کوتاہیاں ایسی بھی ہوتی ہیں جو خود تم سے بھی پوشیدہ ہوتی ہیں اور ان باطنی خطاؤں، غفلتوں اور کوتاہیوں کا علم صرف خدا تعالیٰ کو ہوتا ہے اور کسی کو نہیں ہوتا۔ اس لئے تمہارا ربّ تمہیں تمہاری نسبت بھی زیادہ جانتا ہے یعنی تم اپنے آپ کو اتنا نہیں جانتے جتنا تمہارا ربّ جانتا ہے۔ اس لئے تم میں سے کسی کے لئے فخر ومباہات کا جواز پیدا نہیں ہوتا۔ اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ (بنی اسر آءِیل:۵۵) اگر وہ تم پر رحم کرے گا تو یہ اس کی اپنی مرضی کا نتیجہ ہوگا وہ اگر چاہے گا تو تم پر رحم کرے گا۔ تم اس کے احکام پر عمل کر کے اس کے رحم کے مستحق نہیں بن جاؤ گے بلکہ اس کے رحم کے وارث ضرور بن جاؤ گے۔ اَوْ اِنْ يَّشَاْ يُعَذِّبْكُمْ (بنی اسر آءِیل:۵۵) پہلے بیان فرمایا تھا۔ تم امید قائم رکھو کیونکہ تمہارا خدا بڑا رحمان، رحیم اور غفور ہے۔ وہ تم سے بڑی محبت کرنے والا اور پیار کرنے والا ہے۔ تم یہ امید رکھو کہ اللہ تعالیٰ تم پر رحم ہی کرے گا۔ لیکن ساتھ ہی دل میں خوف بھی رکھو کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری کسی مخفی خطا یا گناہ کے نتیجہ میں تم پر اس کا عذاب وارد ہو یا وہ تمہارے حق میں عذاب نازل کرنے کا فیصلہ کرے۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا۔ (بنی اسر آءِیل:۵۵)

اے رسولؐ اگرچہ تو خاتم النبیین ہے، افضل المرسلین ہے، مخلوقات کا نچوڑ اور خلاصہ ہے۔ پھر بھی ہم نے تمہیں ان کا ذمہ دار نہیں بنایا۔ تمہاری خوشنودی انہیں جنت میں نہیں لے جاسکتی نہ ان کے متعلق تمہاری اچھی رائے انہیں جنت کا وارث بنا سکتی ہے۔ جیسا کہ احادیث میں آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے دن یہ نظارہ دکھایا جائے گا کہ آپؐ کے بعض صحابہ کو دوزخ کی طرف لے جایا جارہا ہے۔ آپؐ یہ نظارہ دیکھ کر خدا تعالیٰ کے حضور عرض کریں گے کہ اے خدا! یہ تو میرے صحابہ ہیں جہاں تک مجھے علم ہے انہوں نے تیری خاطر اخلاص اور فدائیت کے ساتھ قربانیاں دی ہیں میں تو سمجھتا تھا کہ انہوں نے تیری رضا کو حاصل کر لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے

جواب میں فرمائے گا اے رسول تو نہیں جانتا کہ انہوں نے کیا کچھ کیا ہے۔ ان کے اعمال کا پورا علم مجھے ہے گویا بعض برگزیدہ انسان بھی بعض لوگوں کے متعلق یہ سمجھتے ہوں گے کہ وہ اچھے ہیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کر لیا ہے لیکن حقیقتاً وہ خدا تعالیٰ کی رضا کے وارث نہیں ہوں گے۔ وہ اس کی جنت کے مستحق قرار نہیں دیئے جائیں گے۔ پس فرمایا وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ عَلَيۡهِمۡ وَكِيۡلًا ۔

کہ اے رسولؐ تو نہ تو اس بات کا ذمہ دار ہے کہ لوگ ضرور نیکیاں کریں اور نہ اس بات کا ذمہ دار ہے کہ اگر لوگ بظاہر نیکیاں کریں تو وہ ضرور جنت کے وارث بن جائیں گے۔ کیونکہ اس دنیا میں بھی تمہارے سامنے ایک مثال موجود ہے ایک شخص جنگ میں بظاہر بڑے اخلاص سے حصہ لے رہا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا اسلام پر فدا ہونے کو اس کا جی چاہ رہا ہے۔ وہ مسلمانوں کی طرف سے لڑ رہا تھا اور کافروں پر حملہ آور ہو رہا تھا اور بڑے بڑے صحابہ کی بھی اس کے متعلق یہ رائے تھی کہ وہ بڑا مخلص اور فدائی ہے۔ لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کا ذکر ہوا تو آپؐ نے فرمایا۔ وہ دوزخی ہے۔ صحابہؓ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو سچا ثابت کرنے کے لئے اس شخص کا پیچھا کیا تو انہوں نے دیکھا وہ جنگ میں شدید زخمی ہو گیا ہے اور زخموں کی، تکلیف کی برداشت نہ کرتے ہوئے اس نے خودکشی کر لی ہے۔ اس طرح صحابہؓ کو نظر آ گیا کہ گو اس شخص نے بڑے جوش کے ساتھ جنگ میں حصہ لیا تھا لیکن اس کا ایسا کرنا اخلاص کی بِنا پر نہیں تھا بلکہ بعض اور بواعث تھے جن کی وجہ سے وہ کفار کے خلاف بڑے جوش کے ساتھ لڑا۔ پس یہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے رسولؐ ہم نے تجھے ان کا ذمہ دار نہیں بنایا لیکن بدقسمتی اس اُمت کی یہ ہے کہ اس میں بعض پیر، سجادہ نشین اور علماء ایسے بھی پیدا ہوئے ہیں جو اپنے مریدوں کو کہتے ہیں کہ تم کوئی فکر نہ کرو ہم تمہیں جنت میں پہنچانے کا ذمہ لیتے ہیں۔ حالانکہ جنت میں پہنچنے کے لئے انسان کو بہت کچھ کرنا پڑتا ہے اور پھر بہت کچھ کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے فضل اور احسان کی ضرورت ہوتی ہے۔ غرض جنت میں انسان تبھی جائے گا جب وہ نیک اعمال بجالائے گا اور پھر اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان اسے حاصل ہو جائے گا۔ گویا انسان جنت میں

اس وقت داخل ہوگا جب اللہ تعالیٰ کا ایسا کرنے کا منشا ہو اور وہ ارادہ کر لے کہ اسے جنت میں لے جانا ہے۔

قرآن کریم میں جو احسن قول بتائے گئے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انسان جب کوئی وعدہ کرے تو اسے پورا بھی کرے ہمارے کچھ بنیادی وعدے ہیں جو ہم نے اللہ تعالیٰ کے ایک مامور اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فرزندِ جلیل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کئے ہیں مثلاً ہم نے وعدہ کیا تھا کہ ہم دین کو دنیا پر مقدم رکھیں گے۔ ہم نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپؑ کے خلفاء کو یہ قول بھی دیا تھا کہ ہم سب جنہوں نے وصیت کی ہے اپنی آمد اور اپنی جائیداد کا ۱۰/۱ خدا تعالیٰ کے دین کی خاطر دیں گے۔ اور جن لوگوں نے وصیت نہیں کی انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ ہم اپنی آمد کا ۱۶/۱ حصہ دین کی خاطر چندہ میں دیں گے اور خدا تعالیٰ کی نگاہ میں احسن قول وہ ہے کہ جب وہ وعدہ کے رنگ میں کیا جائے تو اسے پورا بھی کیا جائے۔ قرآنی ارشاد لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ (الصّف: ۳) کے ایک معنی یہ بھی کئے جا سکتے ہیں کہ تم ایسے وعدے کیوں کرتے ہو جو تم نے پورے نہیں کرنے۔ اس وقت تک صدر انجمن احمدیہ کے چندے (چندہ عام چند وصیت اور چندہ جلسہ سالانہ) ۸۳ فیصدی وصول ہو جانے چاہیے تھے لیکن ابھی تک ان کا ۷۳ فیصدی وصول ہوا ہے اور وقت دو ماہ سے کم رہ گیا ہے۔ خصوصاً موصی صاحبان پر مجھے بڑی حیرت ہے کہ انہوں نے اپنے ربّ سے ایک وعدہ کیا تھا اور ان کے ربّ نے انہیں دنیا میں ہی ایک بشارت دی تھی انہوں نے یہ وعدہ کیا تھا کہ علاوہ تقویٰ کی دیگر راہوں کے ہم اپنے مالوں کی بھی قربانی اس رنگ میں دیں گے کہ ان کا دسواں حصہ تیری راہ میں قربان کریں گے اور کرتے رہیں گے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اگر تم اس عہد کو نبھا لو گے تو تمہیں میں بہشتی مقبرہ میں جگہ دوں گا۔ اب دیکھو یہ کتنی بڑی بشارت ہے جو موصی صاحبان کو اس دنیا میں ملی ہے لیکن ان میں سے ایک حصہ اپنے عہد کو نبھانے کی کوشش نہیں کرتا اور اگر آپ سوچیں تو جس طرح میں حیرت میں پڑ جاتا ہوں آپ بھی حیران ہوں گے کہ اتنی حقیر قربانیاں اور ان کے بدلہ میں اتنی عظیم بشارت

اور پھر بھی ہم سے کوتاہی اور غفلت سرزد ہو رہی ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ بعض موصی صاحبان وصیت کا چندہ ادا کرنے میں غفلت برتتے ہیں۔ پس میں موصی صاحبان کو خصوصاً اور دوسرے احمدی بھائیوں سے عموماً کہوں گا کہ وقت تھوڑا رہ گیا ہے سال کے صرف دو ماہ باقی ہیں بلکہ ان میں سے بھی ایک حصہ گزر گیا ہے۔ کوشش کریں کہ اس عرصہ کے اندر اندر اپنی وہ تمام مالی قربانیاں خدا تعالیٰ کے حضور پیش کر دیں جن کا وعدہ آپ نے اپنے ربّ سے کیا تھا تا آپ اس کے ان فضلوں کے بھی وارث ہوں جن کے وعدے اس نے آپ سے کئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا کرے۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۹؍ جون ۱۹۶۶ء صفحہ ۲ تا ۴)

جنہیں اللہ تعالیٰ توفیق دے سال میں دو ہفتہ سے لے کر چھ ہفتہ تک کا عرصہ خدمتِ دین کے لئے وقف کریں

خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۸؍ مارچ ۱۹۶۶ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

ویسے تو منگل کے روز ہی مجھے پیٹ میں کچھ تکلیف محسوس ہوتی تھی لیکن منگل اور بدھ کی درمیانی رات مجھے اسہال شروع ہو گئے جس کی وجہ سے بہت زیادہ کمزوری اور نقاہت پیدا ہوگئی جسم میں درد کی شکایت بھی تھی اور کمرے میں دو چار قدم چلنا بھی میرے لئے مشکل ہو گیا تھا۔لیکن اللہ تعالیٰ نے فضل کیا اور جمعرات کو مجھے کافی افاقہ محسوس ہوا چونکہ بیماری کے دوران کام نہ کرنے کی وجہ سے بھی طبیعت میں پریشانی کا احساس پیدا ہو جاتا ہے۔اس لئے جب میں نے کچھ افاقہ محسوس کیا تو دو تین دن تک جو ڈاک دیکھنے کا مجھے موقعہ نہ ملا تھا۔اسے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے دیکھنے کی توفیق عطا فرمائی۔ چنانچہ گزشتہ رات بارہ ساڑھے بارہ بجے تک مجھے یہ توفیق ملی کہ میں دوستوں کے خطوط پڑھوں اور اس کے ساتھ ساتھ لکھنے والوں کے لئے دعا بھی کروں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ توفیق بھی عطا کی کہ میں اپنی کمزوری ناتوانی اور بے مائیگی کا اعتراف کرتے ہوئے اس سے طاقت مانگوں، ہمت طلب کروں اور توفیق چاہوں تا اس نے جو ذمہ داریاں مجھ پر ڈالی ہیں۔ انہیں صحیح رنگ میں اور احسن طریق پر پورا کرسکوں پھر میں نے جماعت کی ترقی اور احبابِ جماعت

کے لئے بھی دعا کی بہت توفیق پائی صبح جب میری آنکھ کھلی تو میری زبان پر یہ فقرہ تھا کہ

اینا دیواں گا کہ تو رج جاویں گا

چونکہ گزشتہ رات کے پچھلے حصہ میں مَیں نے اپنے لئے بھی دعا کی تھی اور جماعت کے لئے دینی اور روحانی حسنات کے لئے، پھر خلیفۂ وقت کی سیری تو اس وقت ہو سکتی ہے جب جماعت بھی سیر ہو۔ اس لئے میں نے سمجھا کہ اس فقرہ میں جماعت کے لئے بھی بڑی بشارت پائی جاتی ہے۔ سو میں نے یہ فقرہ دوستوں کو بھی سنا دیا ہے تا وہ اسے سن کر خوش بھی ہوں۔ ان کے دل حمد سے بھی بھر جائیں اور انہیں یہ بھی احساس ہو جائے، کہ انہیں اس ربّ سے جو ان سے اتنا پیار کرتا ہے کتنا پیار کرنا چاہیے۔ لَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

اس وقت میں دوستوں کی خدمت میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ خلیفۂ وقت کا سرمایہ اور خزانہ وہ مال ہی نہیں ہوا کرتا جو قومی خزانہ میں موجود ہو بلکہ اللہ تعالیٰ احباب جماعت کے دلوں میں خلیفۂ وقت کے لئے جو محبت اور اخلاص کا جذبہ اور تعاون کی روح پیدا کرتا ہے وہی خلیفۂ وقت کا خزانہ ہوتا ہے اور اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے مجھے اتنا دیا ہے کہ میں وہ الفاظ نہیں پاتا جن سے میں اس کا شکریہ ادا کر سکوں لیکن جہاں احبابِ جماعت مالی قربانیوں میں دن بدن آگے بڑھتے چلے جا رہے ہیں وہاں انہیں اپنے اوقات کی قربانی کی طرف بھی زیادہ متوجہ ہونا چاہیے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جماعت کا ایک حصہ اس وقت بھی وقت کی قربانی میں قابل رشک مقام پر کھڑا ہے۔ میں نے خود باہر کی جماعتوں میں دیکھا ہے کہ بعض جماعتوں کے عہدیداران اپنے مختلف دنیوی کاموں سے فارغ ہونے کے بعد دو دو تین تین بلکہ بعض دفعہ پانچ پانچ چھ چھ گھنٹے روزانہ جماعتی کاموں کے لئے دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا کرے۔ لیکن کسی مقام پر کھڑے ہو جانے سے کسی مذہبی اور روحانی سلسلہ کی تسلی نہیں ہوتی۔ مومن کا دل ہر وقت یہی چاہتا ہے کہ میں ایک دم کے لئے بھی کھڑا نہ ہوں۔ بلکہ آگے ہی آگے بڑھتا چلا جاؤں پھر جماعت کا ایک حصہ ایسا بھی تو ہے جو وقت کی قربانی کی طرف زیادہ متوجہ نہیں۔ غرض وقت کی قربانی کی طرف زیادہ توجہ کی ضرورت ہے اور اس کے لئے میں جماعت میں یہ تحریک کرتا ہوں کہ وہ دوست جن کو اللہ تعالیٰ توفیق دے سال میں

دو ہفتہ سے چھ ہفتہ تک کا عرصہ دین کی خدمت کے لئے وقف کریں، اور انہیں جماعت کے مختلف کاموں کے لئے جس جس جگہ بھجوایا جائے وہاں وہ اپنے خرچ پر جائیں، اور ان کے وقف شدہ عرصہ میں سے جس قدر عرصہ انہیں وہاں رکھا جائے اپنے خرچ پر رہیں، اور جو کام ان کے سپرد کیا جائے انہیں بجالانے کی پوری کوشش کریں۔ میں جانتا ہوں کہ بعض دوست مالی لحاظ سے زیادہ لمبا سفر کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اس لئے جو دوست دو ہفتہ سے چھ ہفتہ تک کا عرصہ میری اس تحریک کے نتیجہ میں وقف کریں۔ وہ ساتھ ہی یہ بھی لکھ دیں کہ ہم مثلاً سَو میل تک اپنے خرچ پر سفر کرنے کے قابل ہیں یا دو سَو میل یا چار سَو میل یا پانچ سو میل اپنے خرچ پر سفر کر سکتے ہیں بہرحال جس قدر بھی ان کی مالی استطاعت ہو وہ ذکر کر دیں تا انہیں اس کے مطابق مناسب جگہوں پر بھجوایا جا سکے۔

بڑے بڑے کام جو ان دوستوں کو کرنے پڑیں گے ان میں سے ایک تو قرآن کریم ناظرہ پڑھنے اور قرآن کریم باترجمہ پڑھنے کی جو مہم جماعت میں جاری کی گئی ہے اس کی انہیں نگرانی کرنا ہوگی اور اسے منظم کرنا ہوگا دوسرے بہت سی جماعتوں کے متعلق ایسی شکایتیں بھی آتی رہتی ہیں کہ ان میں بعض دوست ایمانی لحاظ سے یا جماعتی کاموں کے لحاظ سے اتنے چست نہیں جتنا ایک احمدی کو ہونا چاہیے ان دوستوں سے ایسے احباب کی اصلاح اور تربیت کا کام بھی لیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ وہ ایسی جماعتوں کے سست اور غافل افراد کو چست کرنے کی کوشش کریں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اچھا احمدی ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اچھا شہری بھی ہو لیکن بہت سے دوست چھوٹی چھوٹی باتوں پر آپس میں جھگڑتے اور لڑتے رہتے ہیں اور یہ بات ایک احمدی کے لئے کسی صورت میں بھی مناسب نہیں جب یہ جھگڑے اور لڑائیاں لمبی ہو جاتی ہیں تو جماعت میں کمزوری پیدا ہو جاتی ہے۔ پس جن دوستوں کو اللہ تعالیٰ دو ہفتے سے چھ ہفتہ تک کا عرصہ میری اس تحریک پر وقف کرنے کی توفیق دے انہیں ان باتوں کی طرف بھی توجہ دینا ہوگی اور جماعت کے دوستوں کے باہمی جھگڑوں کو نپٹانے کی ہر ممکن کوشش کرنا ہوگی باہر سے جب دوست کسی جماعت میں جائیں گے تو طبعی طور پر وہاں کے مقامی احمدی خیال کریں گے کہ ہماری غفلتوں اور کوتاہیوں کی وجہ سے ہمیں ایک ایسے دوست کے سامنے شرمندہ ہونا پڑا ہے جو ہماری

مقامی جماعت سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ دور کے علاقہ سے ہمارے پاس آیا ہے اور اس طرح ایک فضا صلح کی پیدا ہو جائے گی۔

پھر بہت سے کام ایسے ہیں جو ایک طرف جماعتی ترقی کا باعث بن سکتے ہیں تو دوسری طرف حکومت وقت کے ساتھ تعاون کا بھی ایک ذریعہ ہوتے ہیں مثلاً آج کل پاکستان کی حکومت زرعی پیداوار بڑھانے کی طرف متوجہ کر رہی ہے تا ہمیں باہر سے غلہ نہ منگوانا پڑے اور ہم اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں۔ پس ایسے دوست جو زراعت کے ان مسائل کا علم رکھتے ہوں یا وہ ان سے واقفیت حاصل کر لیں اور پھر وہ اپنا وقت بھی وقف کریں۔ وہ جن جگہوں پر جائیں گے وہاں زمینداروں کو یہ بھی ترغیب دیں گے کہ وہ زیادہ سے زیادہ غلہ پیدا کریں اور انہیں بتائیں گے کہ وہ اپنی زمینوں سے زیادہ پیداوار کس طرح حاصل کر سکتے ہیں۔ اس طرح حکومتِ وقت کے ساتھ تعاون بھی ہو جائے گا اور جماعتی ترقی کے سامان بھی ہو جائیں گے، کیونکہ جتنا مال اللہ تعالیٰ جماعت کو عطا کرے گا اتنا ہی زیادہ وہ بڑھ چڑھ کر مالی قربانیاں کرنے کی توفیق پائے گی۔ غرض اس قسم کے کام ان دوستوں سے لئے جائیں گے جو میری اس تحریک پر اپنے اوقات وقف کریں گے۔ دوست جلد اس طرف متوجہ ہوں اور اپنے اوقات وقف کریں۔ میں چاہتا ہوں کہ آئندہ مئی کے مہینہ سے یہ کام شروع کر دیا جائے جو دوست گورنمنٹ یا کسی اور ادارہ کے ملازم ہیں ان کو سال میں کچھ عرصہ کی رخصتوں کا حق ہوتا ہے وہ اپنی یہ رخصتیں اپنے لئے یا اپنوں کے لئے لینے کی بجائے اپنے ربّ کے لئے حاصل کریں اور انہیں اس منصوبہ کے ماتحت خرچ کریں۔ اسی طرح کالجوں کے پروفیسر اور لیکچرار، سکولوں کے اساتذہ کالجوں کے سمجھدار طلباء بھی اپنی رخصتوں کے ایام اس منصوبہ کے ماتحت کام کرنے کے لئے پیش کریں۔ سکولوں کے بعض طلباء بھی اس قسم کے بعض کام کر سکتے ہیں، کیونکہ سکولوں کے بعض طلباء ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنی صحت اور عمر کے لحاظ سے اس قابل ہوتے ہیں کہ اس قسم کی ذمہ داریاں ادا کر سکیں۔ ان کو بھی اپنے نام اس تحریک کے سلسلہ میں پیش کر دینے چاہئیں بشرطیکہ وہ اپنا خرچ برداشت کر سکتے ہوں کیونکہ میں اس سکیم کے نتیجہ میں جماعت پر کوئی مالی بار نہیں ڈالنا چاہتا۔ غرض جو دوست اپنے خرچ پر کام کر سکتے ہوں اور

جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے خرچ پر کام کرنے کی توفیق عطا کرے۔ ان کو اس منصوبہ میں رضا کارانہ خدمات کے لئے اپنے نام پیش کر دینے چاہئیں۔ یہ کام بڑا اہم اور ضروری ہے اور اس کی طرف جلد توجہ کی ضرورت ہے کیونکہ بہت سی جماعتیں ایسی ہیں جن میں، یا مجھے یوں کہنا چاہیے کہ ان کے ایک حصہ میں، ایک حد تک کمزوری پیدا ہوگئی ہے اور اس کمزوری کو دور کرنا اور جلد سے جلد دور کرنا ہمارا پہلا فرض ہے اگر ہم تبلیغ کے ذریعہ نئے احمدی تو پیدا کرتے چلے جائیں لیکن تربیت میں بے توجہی کے نتیجہ میں پہلے احمدیوں یا نئی احمدی نسل کو کمزور ہونے دیں تو ہماری طاقت اتنی نہیں بڑھ سکتی جتنی اس صورت میں بڑھ سکتی ہے کہ پیدائشی احمدی، پرانے اور نو احمدی بھی اپنے اخلاص میں ایک اعلیٰ اور بلند مقام پر فائز ہوں پھر ہماری یہ کوشش ہو کہ وہ لوگ جو صداقت سے محروم ہیں ان تک صداقت پہنچے اور ہم دعا کرتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو اس صداقت کے قبول کرنے کی توفیق عطا کرے۔ غرض جو منصوبہ میں نے اس وقت جماعت کے سامنے بڑے مختصر الفاظ میں پیش کیا ہے وہ تربیتی میدان کا منصوبہ ہے، ہمیں اس پر عمل کر کے سب جماعتوں اور سارے احمدیوں کو تدبیر اور دعا کے ذریعہ سے چست کرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ وَمَا التَّوْفِيْقُ اِلَّا بِاللّٰهِ -

(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۳؍ مارچ ۱۹۶۶ء صفحہ ۲ تا ۳)

قرآن مجید کی رُو سے ہماری کامیابی کی صرف یہی صورت ہے کہ ہم صبر اور تدبیر کو انتہا تک پہنچا دیں

خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۵ / مارچ ۱۹۶۶ء بمقام مسجد مبارک ۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جس غرض کے لئے مبعوث فرمایا تھا وہ یہ تھی کہ تمام دنیا میں اسلام کو غالب کیا جائے اور تمام اقوامِ عالم کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے جمع کر دیا جائے سو جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو مامور کر کے دنیا کی طرف مبعوث فرمایا تو آپ نے اعلان فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اس غرض کے لئے بھیجا ہے کون ہے جس کے دل میں اسلام کا درد ہے؟ جس کے دل میں اسلام کا درد ہے وہ میری طرف آئے اور اس کام میں میرا ممد اور معاون ہو۔ تب ہم نے ’’نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ‘‘ کا نعرہ لگاتے ہوئے آپ کی طرف دوڑنا شروع کیا اور آپ کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے اور ہم نے عہد کیا کہ جس غرض اور مقصد کے حصول کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مبعوث ہوئے ہیں۔ اس غرض اور مقصد کے حصول کے لئے آپ کے ساتھ مل کر ہم کوشش کرتے رہیں گے۔

غلبۂ اسلام کے لئے کوشش کرنے کا دعویٰ کرنا یا ایسا عہد کرنا بڑا آسان ہے اور اس سے بھی زیادہ آسانی یہ ہے کہ اس کے بعد انسان غفلت کی نیند سو جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا ہے کہ

ہم غفلت کی نیند سو جائیں۔ شیطان ہم پر اس طرح اثر انداز ہو کہ ہم اپنی ذمہ داریوں کو بھلا دیں اور جو عہد ہم نے اپنے ربّ سے باندھا ہے اسے چھوڑ دیں ہم میں سے تھوڑے ہیں جو اس بات پر غور کرتے ہیں کہ ہم نے درحقیقت خدا تعالیٰ سے کیا عہد باندھا ہے۔ اگر ہم اس عہد کا تجزیہ کریں اور اس پر غور کریں تو ہمارے سامنے یہ نظارہ آتا ہے کہ ایک طرف روس ہے، چین ہے اور دوسرے کمیونسٹ ممالک ہیں دوسری طرف مادہ پرست اقوام ہیں جو دعویٰ تو کرتی ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کو مانتی ہیں لیکن حقیقتاً خدا تعالیٰ پر ان کا کوئی ایمان نہیں ہے۔ مثلاً امریکہ ہے، انگلستان ہے، فرانس ہے اور دیگر بہت سے ممالک ہیں۔ اب ان میں سے اگر ہم ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ لیں تو مثلاً روس ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو دنیوی عقل عطا کی اور اس کو یہ توفیق عطا کی کہ وہ اپنی عقل کو استعمال کر کے دنیوی ترقیات کے میدان میں بہت بلند مقام حاصل کر لے جو اس نے حاصل کر لیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو بڑی کثرت کے ساتھ مادی اسباب دیئے اور اس وقت وہ دنیا کی دیگر بڑی اقوام میں سے چوٹی کی ایک قوم سمجھی جاتی ہے بلکہ وہ اتنی زبردست ہے کہ جب وہ غرّائے تو تمام بنی نوع انسان کے دل دہل جاتے ہیں اس شخص کے دل سے بھی زیادہ جو جنگل میں جا رہا ہو اور اچانک اسے شیر کے غرّانے کی آواز آئے لیکن اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اسے دین کی آنکھ عطا نہیں کی۔ وہ (نعوذ باللہ) خدا تعالیٰ کی ذات اور اس کے نام کا مذاق اُڑاتی ہے بلکہ وہ یہ دعویٰ کرتی ہے کہ وہ تمام دنیا سے خدا تعالیٰ کے نام کو ایک دن مٹا دیں گے۔ پھر اس کے ساتھ ہی وہ اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ کوئی شخص اس کے ملک میں جائے اور خدائے واحد سے انہیں متعارف کرائے۔ حقیقتاً یہ اجازت نہ دینا بھی اللہ تعالیٰ کی ذات کا ایک ثبوت ہے۔ اگر واقعی خدا نہ ہوتا تو انہیں کس بات کا ڈر تھا۔ وہ ہر ایک کو کہتے یہاں آؤ اور جو دلیلیں تمہارے پاس ہیں وہ ہمیں سناؤ ہمیں ان دلیلوں کے سننے میں کوئی عذر نہیں ہوگا کیونکہ ان کے زعم میں خدا تعالیٰ کے نہ ہونے کے جو دلائل ان کے پاس ہیں وہ ان دلائل سے کہیں زیادہ وزن رکھتے ہیں جو ان کے نزدیک خدا تعالیٰ کے وجود کو ثابت کرنے کے لئے دیئے جا سکتے ہیں۔ بہرحال وہ اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ کوئی شخص وہاں جا کر خدائے واحد و یگانہ کی تبلیغ کرے۔ اسلام کی اشاعت کے لئے کوشش

کرے۔ خدا تعالیٰ کی عظمت اس کے جلال اور اس کی کبریائی کو اس ملک کے باشندوں کے دلوں میں بٹھانے کے لئے سعی کرے اور ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ ہم نے اس ملک کو بھی حلقۂ بگوش اسلام کرنا ہے۔

پھر چین کو لو چین کتنا بڑا ملک ہے۔ زمین کے پھیلاؤ کے لحاظ سے بھی اور آبادی کے لحاظ سے بھی اس کی آبادی قریباً ستّر اسّی کروڑ کی ہے۔ اس کے رہنے والے بھی کمیونسٹ ہو گئے ہیں وہ خدا تعالیٰ کو بھول گئے ہیں اپنے پیدا کرنے والے کے خلاف ہو گئے ہیں۔ ابلیس نے تو اللہ تعالیٰ کی ذات کا انکار نہیں کیا تھا اس نے صرف اِباء اور اِستکبار سے کام لیا تھا اس نے خدا تعالیٰ کے وجود کو مانتے ہوئے اس سے یہ درخواست کی تھی کہ مجھے اس بات کی اجازت دی جائے کہ میں تیرے بندوں کو قیامت تک گمراہ کرنے کی کوشش کرتا رہوں مجھے اس بات سے زبردستی نہ روکا جائے اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں آزادیٔ ضمیر اور آزادیٔ مذہب کا نظام انسان کے لئے قائم کرنا تھا اس لئے اس نے اسے اجازت دے دی اور کہا ٹھیک ہے ہم چاہتے ہیں کہ انسان آزادانہ طور پر ہمارا عرفان حاصل کرے۔ ہم سے تعلق پیدا کرے اس لئے تم سے جو ہو سکتا ہے کرو لیکن جو میرے مخلص بندے ہوں گے ان پر تمہارا کوئی اثر نہیں ہوگا۔ غرض شیطان نے خدا تعالیٰ کے وجود کا انکار نہیں کیا تھا لیکن یہ قومیں خدا تعالیٰ کے وجود کا بھی انکار کر رہی ہیں پھر مادی لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ توفیق عطا فرمائی کہ وہ ترقی کرتے چلے جائیں اور مادی سامان اس قدر اکٹھے کر لیں کہ دنیا ان کا مقابلہ نہ کر سکے۔ انہوں نے ان مادّی سامانوں کے مہیا کرنے کے لئے خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ قانون کے مطابق کوششیں کیں اور اس قانون کے مطابق ان کی یہ کوششیں بارآور ہوئیں۔ گو اس کا جو نتیجہ انہوں نے نکالا وہ ہمارے نزدیک صحیح نہیں کیونکہ بجائے اس کے کہ وہ شکر اور حمد کے ساتھ اپنے ربّ کے حضور جھکتے۔ انہوں نے اس کے وجود سے بھی انکار کر دیا۔ پس یہ ملک (یعنی چین) بھی بڑا وسیع ہے۔ بڑا طاقت ور ہے اور پھر خدا تعالیٰ کے وجود سے منکر ہے تو ہم نے یہ عہد کیا ہے کہ ہم اس کے رہنے والوں کو مسلمان بنائیں گے تا وہ اپنے پیدا کرنے والے کو پہچاننے لگیں۔ پھر انگلستان ہے امریکہ ہے ان کے رہنے والوں کی بڑی اکثریت اگرچہ زبان سے خدا تعالیٰ کے وجود کا اقرار کرتی ہے لیکن ساتھ ہی وہ ایک اور لعنت میں گرفتار ہے۔ اس

نے انسان کے ایک بچے کو خدا تسلیم کر لیا ہے اور وہ نہیں سمجھتی کہ وہ ہستی جو ایک عورت کے پیٹ میں ۹ ماہ کے قریب نہایت گندے ماحول میں پرورش پاتی رہی ہو اس کو انسانی عقل خدا کیسے تسلیم کر سکتی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دینی لحاظ سے بالکل اندھے ہیں کوئی معقول دلیل ان کے دماغ میں نہیں۔ بہرحال انہوں نے ایک انسان کی جس کو وہ خدائے یسوع مسیح کہتے ہیں۔ پرستش شروع کی اور اس سے اتنی محبت اور پیار کیا کہ اپنی تمام دنیوی طاقتیں اس گمراہ عقیدہ کے پھیلانے میں خرچ کر دیں اور وہ جوان کا حقیقی ربّ تھا اور وہ جوان کا سچا نجات دہندہ تھا یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ ان کی طرف وہ متوجہ نہ ہوئے۔ انہوں نے اپنی تمام طاقت، اپنا سارا زور، اپنے تمام حیلے اور ہر قسم کا دجل خدا تعالیٰ کی اس سچی تعلیم اور صداقت کے خلاف استعمال کرنا شروع کر دیا جو بنی نوع انسان کی بھلائی کے لئے بھیجی گئی تھی اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے قبل بہت حد تک وہ اس میں کامیاب بھی ہوئے۔ لیکن جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعویٰ فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو دلائلِ حقہ دیئے، معجزات اور روشن نشانات بھی عطا فرمائے تو اس وقت ان کی ترقی دجل کے میدان میں کافی حد تک رُک گئی لیکن ابھی بہت سا کام کرنے والا باقی ہے۔ غرض ہمارا دعویٰ ہے اور اپنے ربّ سے ہمارا عہد ہے کہ ہم ایک دن ان تمام اقوام کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں سرشار کر کے چھوڑیں گے۔

پھر افریقہ کے ممالک ہیں اور دوسری کئی اور آبادیاں ہیں جو ''بدمذہب'' کہلانے کی زیادہ مستحق ہیں کیونکہ ان کے ہاتھ میں کوئی محرفِ الٰہی کتاب بھی نہیں۔ ہاں اُن کے پاس کچھ روایات ہیں جو بڑی پرانی ہیں۔ کچھ تو ہمات ہیں کچھ ڈھکوسلے ہیں جن کو انہوں نے ''مذہب'' کا نام دے رکھا ہے بہرحال وہ ایک قسم کا مذہب رکھتے ہیں اس لئے ہم انہیں لامذہب نہیں کہہ سکتے اور نہ صحیح طور پر ان کے مذہب کو مذہب کہہ سکتے ہیں ان کے مذہب کو بگڑے ہوئے مذہب کا نام بھی نہیں دیا جاسکتا اور بہترین لفظ جو ان کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے وہ ''بدمذہب'' ہے یہ لوگ اپنی رسومات میں اور اپنے توہمات میں اس قدر مست ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کا نام سننے کے لئے بھی تیار نہیں۔ ان کی اِن عادات کو چھڑانا اور بدرسومات سے انہیں بچانا آسان کام نہیں۔ ہم اپنی جماعت میں بھی

دیکھتے ہیں کہ بعض خاندان جو احمدیت میں داخل ہوتے ہیں وہ کچھ بدرسوم بھی اپنے ساتھ لے آتے ہیں اور ہمارے لئے ایک مسئلہ بن جاتے ہیں ہمیں انہیں ان بدرسوم سے ہٹانے کے لئے بڑا زور لگانا پڑتا ہے لیکن ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ ہم ان اقوام میں بھی اسلام کی تبلیغ کر کے اور کامیاب تبلیغ کر کے انہیں اس نور سے متعارف کرائیں گے جو خدا تعالیٰ کا حقیقی نور ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آئینہ میں عکسی رنگ میں چمکا ہے۔ غرض کتنا بڑا دعویٰ ہے جو ہم کرتے ہیں اور کتنا مشکل کام ہے جو ہم نے اپنے ذمہ لیا ہے اور جب ہم اپنے اس دعویٰ اور کام پر اس تفصیل کے ساتھ غور کرتے ہیں جس کی طرف میں نے مختصراً اشارہ کیا ہے تو دل بیٹھنے لگتا ہے اور عقل حیران ہو جاتی ہے کہ یہ کام ہوگا تو کس طرح ہوگا؟ اس کے لئے ہمیں پھر اپنے ربّ کی طرف ہی رجوع کرنا پڑتا ہے ہمیں اس کے کلام کو ہی دیکھنا پڑتا ہے چنانچہ اس معاملہ میں جب مَیں نے غور کیا تو اس مشکل کا حل مجھے سورہ بقرہ کی اس آیت میں نظر آیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۔(البقرۃ:۱۵۴)

یعنی اے میرے مومن بندو! جو اس بات پر ایمان رکھتے ہو کہ میں خدائے قادر و توانا ہوں اور اپنی تمام صفاتِ حسنہ کے ساتھ اپنی تمام قدرتوں کے ساتھ اور اپنے جلال کے ساتھ ہمیشہ زندہ رہنے والا اور زندہ رکھنے والا حي وقیوم خدا ہوں جو اس بات پر ایمان رکھتے ہو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کی تمام اقوام کے لئے اور قیامت تک ہر زمانہ کے لئے نجات دہندہ کی شکل میں بھیجے گئے ہیں جو اس بات پر ایمان رکھتے ہو کہ قرآن کریم انسان کے تمام دینی اور دنیوی مسائل کو حل کرتا ہے جو اس بات پر ایمان لاتے ہو کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے ہی مبعوث فرمایا ہے۔ جو ایمان لاتے ہو کہ جس مقصد کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مبعوث کئے گئے ہیں۔ اس مقصد میں آپ اور آپ کی جماعت ضرور کامیاب ہوگی تمہیں گھبرانے کی ضرورت نہیں بے شک مشکل بڑی ہے اور کام اِس نوعیت کا ہے کہ عقلِ انسانی بظاہر یہ فیصلہ نہیں دے سکتی کہ اس میں ضرور کامیابی حاصل ہوگی لیکن خدا تعالیٰ کا جو وعدہ ہے وہ پورا ہوگا۔ اس لئے

ہم تمہیں ہدایت دیتے ہیں کہ جس وقت یہ دیوار تمہارے سامنے آجائے اور تم کو محسوس ہونے لگے کہ آگے بڑھنے کا راستہ مسدود ہو گیا ہے اور ان اقوام کے دلوں کو فتح کرنا بظاہر ناممکن ہے یاد رکھو کہ اس وقت صبر اور صلوٰۃ کے ساتھ میری مدد اور نصرت کو حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔

صبر کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ انسان استقلال کے ساتھ بُرائیوں سے بچنے کی کوشش کرتا رہے۔ یعنی اُسے اپنے نفس پر اتنا قابو ہو کہ وہ کبھی بے قابو ہو کر گناہ کی طرف مائل نہ ہو دوسرے معنی یہ ہیں کہ انسان نیکی پر ثابت قدم رہے اور دنیا کی کوئی طاقت، دنیا کا کوئی وسوسہ اور دنیا کا کوئی دجل صدق کے مقام سے مومن کا قدم پرے نہ ہٹا سکے اور صبر کے تیسرے معنی یہ ہیں کہ جب کوئی نازک وقت اور مشکل پیش آئے اور دل میں شکوہ پیدا ہو تو وہ اسے خدا تعالیٰ کے سامنے پیش کرے۔

اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ (یوسف:۸۷)

یعنی اگر تم ایسا کرو گے تو وہ تمہاری امداد اور نصرت کے سامان پیدا کرے گا۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس میں شک نہیں کہ ہم نے تمہیں مادی سامان بہت کم دیئے ہیں لیکن جتنا بھی تمہیں ملا ہے مال کے لحاظ سے، طاقت کے لحاظ سے، وقت کے لحاظ سے، عزت کے لحاظ سے (کروڑوں نعمتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا کی ہیں) جو کچھ بھی ہماری نعماء سے تمہیں ملا ہے۔ اگر تم اس کا صحیح استعمال کرو اور قربانی کے ان تقاضوں کو پورا کرو جو تم پر عائد ہوتے ہیں اور کبھی اپنی نگاہ میری ذات سے ہٹا کر کسی اور کی طرف نہ لے جاؤ بلکہ اپنی کمزوری، ناتوانی، بے بضاعتی اور بے بسی کا رونا صرف میرے سامنے ہی روؤ اور خوشی کے ساتھ نیکیوں پر قائم ہو جاؤ اور جو تدابیر بھی تم کر سکتے ہو۔ ان تدابیر کو اپنے کمال تک پہنچاؤ تو میں تمہاری مدد اور نصرت کے سامان کر دوں گا۔

پھر صلوٰۃ ہے اس کے ایک معنی تو اِس نماز کے ہیں جو ہم پنج وقتہ ادا کرتے ہیں پھر کچھ سنتیں ہیں کچھ نوافل ہیں (جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ توفیق دیتا ہے وہ نوافل بھی ادا کرتے ہیں) یہ سارے معنی صلوٰۃ کے لفظ میں آجاتے ہیں۔ پس صلوٰۃ کے ایک معنی اس خاص عبادت کے ہیں جو اسلام میں ایک مسلمان کے لئے لازم کی گئی ہے۔

پھر صلوٰۃ کے ایک معنی رحمت کے ہیں اور ان معنوں میں یہ لفظ خدا تعالیٰ کے لئے استعمال ہوتا ہے ’’صَلَّى اللّٰهُ‘‘ کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے نوازے۔ ہمارے کاموں میں برکت ڈالے۔ ہم پر احسان کرے اور ہمارے گناہوں کو معاف کر دے۔ (استغفار کے معنی بھی صلوٰۃ کے اندر آ جاتے ہیں) پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم ایک طرف اپنی تدبیر کو اپنے کمال تک پہنچا دو اور جو کچھ تم کر سکتے ہو وہ کر گزرو اور پھر ہمارے پاس آ جاؤ اور کہو اے خدا! جو کچھ تو نے ہمیں دیا تھا وہ ہم نے تیری راہ میں قربان کر دیا ہے مگر وہ اتنا کم ہے کہ دنیا کی طاقتوں کے مقابلہ میں اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ ہم اگر اپنا سارا مال بھی تیری راہ میں قربان کر دیں تو بھی ہم امریکہ کی دولت کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اگر ہم میں سے ہر ایک احمدی فرد لنگوٹا کس لے اور بھوکا رہنے کے لئے تیار ہو جائے اور اپنا سب کچھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کر دے تب بھی ہم روس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

پس خدا تعالیٰ نصیحت فرماتا ہے کہ میں تمہیں یہ نہیں کہتا کہ جتنی دولت روس کے پاس ہے اتنی دولت تم میری راہ میں خرچ کرو اور نہ میرا تم سے یہ مطالبہ ہے کہ جتنی دولت امریکہ اور انگلستان کے پاس ہے یا جتنی دولت دوسرے ممالک کے پاس ہے اتنی ہی تم میری راہ میں خرچ کرو میں تم سے صرف یہ مطالبہ کرتا ہوں کہ جتنا کچھ میں نے تمہیں دیا ہے اُسے میری راہ میں خرچ کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہو جب امام وقت کی آواز آئے تو تم اس کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے ہر قسم کی قربانی کرنے کے لئے تیار رہو اور جب تم یہ سب کچھ کر گزرو تو میرے پاس آؤ اور کہو ہم نے تیرے ارشاد کے ماتحت جو کچھ بھی ہمارے پاس تھا تیری راہ میں قربان کر دیا ہے یا قربان کرنے کے لئے تیار ہیں لیکن ہماری یہ قربانیاں ان طاقتوں کے ساتھ تو ٹکر نہیں لے سکتیں جن کو تو نے دنیا میں قائم رہنے کی اجازت دی ہے تو اے ہمارے ربّ! ہم جو کچھ کر سکتے تھے وہ کر دیا ہے۔ ہم انسان ہیں ہم میں کمزوریاں بھی ہیں۔ ہم سے خطائیں بھی سرزد ہوتی ہیں اس لئے ہم تیرے پاس آئے ہیں۔ ہم تیری مغفرت کی چادر کے متلاشی ہیں تو ہمیں اپنی مغفرت کی چادر میں ڈھانپ لے۔ پھر ہم چاہتے ہیں کہ تو ہم پر احسان کرتے ہوئے ہمیں اپنی رحمت سے نوازے ہمارے کاموں میں برکت دے اور ہمیں محض اپنے فضل سے اس مقصد میں کامیابی عطا کرے جس کے لئے تو نے

جماعت کو قائم کیا ہے۔

غرض اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب تم یہ دو باتیں کر لو گے یعنی ایک طرف صبر اور تدبیر کو انتہاء تک پہنچا دو گے اور پھر صرف مجھ پر بھروسہ کرو گے اور اپنے نفس کو کلیۃً میری راہ میں فنا کر کے کامل توحید پر قائم ہو جاؤ گے تو یہ یاد رکھو کہ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ میں تمہاری مدد کے لئے آسمان سے اُتروں گا اور جب میں آسمان سے اپنی تمام صفاتِ حسنہ کے ساتھ اپنی عظمت اور کبریائی کے ساتھ اور اپنے حسن اور جلال کے تمام جلوؤں کے ساتھ تمہاری مدد کے لئے نازل ہوں گا تو اس وقت نہ روس کی طاقت تمہارا مقابلہ کر سکے گی اور نہ ہی تمہارے سامنے چین کی کوئی حیثیت رہے گی۔ امریکہ اور انگلستان کا غرور بھی توڑ دیا جائے گا اور یہ وعدہ پورا ہوگا کہ اسلام دنیا میں غالب آئے گا اور تمام اقوامِ عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں گی۔

لیکن ہمیں بہرحال یہی ارادہ اور نیت رکھنی چاہیے اور دعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ صبر اور صلوٰۃ کی جو تعلیم دیتا ہے ہمیں اس پر عمل کرنے کی بھی توفیق عطا فرمائے۔

آج جمعہ ہے اور شوریٰ بھی شروع ہو رہی ہے اس لئے میں دوستوں سے درخواست کرنا چاہتا ہوں کہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ نمائندگان مجلس مشاورت کو صحیح فکر اور تدبر کی توفیق عطا فرمائے تا وہ صحیح نتائج پر پہنچیں اور شوریٰ میں ایسی تجاویز اور ایسے مسئلے پاس ہوں جن سے اسلام کو قوت ملے اور جن کے نتیجہ میں لوگوں میں اللہ تعالیٰ کا عرفان بڑھنے لگے اور ہمارا قدم کامیابی کی راہ پر آگے ہی آگے بڑھتا چلا جائے اور ہر قسم کی توفیق دینا اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ میں ہے۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۱۵ / جون ۱۹۶۶ء صفحہ ۲ تا ۴)

ہماری بقا، ترقی اور کامیابی کا انحصار تدابیر پر نہیں بلکہ دعا اور محض دُعا پر ہے

خطبہ جمعہ فرمودہ یکم اپریل ۱۹۶۶ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا۔

آج میں اپنے دوستوں کو پھر اس امر کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ ہماری بقا، ہماری ترقی اور ہماری کامیابی کا انحصار تدابیر پر نہیں بلکہ دُعا اور محض دُعا پر ہے عقل بھی اس نتیجہ پر پہنچتی ہے اور قرآنِ کریم کی تعلیم بھی ہمیں یہی سبق دیتی ہے۔

عقلاً یہ بات اس طرح ہے کہ اس وقت ساری دنیا کی آبادی قریباً تین ارب کی ہے اس میں بڑے آباد ملک بھی ہیں مثلاً روس ہے چین ہے امریکہ ہے انگلستان ہے اور یورپ کے دوسرے ممالک ہیں اور ان میں بسنے والی اقوام میں بڑی کثرت سے پڑھے لکھے لوگ موجود ہیں اور کچھ ایسی اقوام بھی ہیں جن میں پڑھے لکھے افراد کی نسبت اپنی آبادی کے لحاظ سے کم ہے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ مجموعی طور پر تیس فیصدی آبادی کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ لکھ پڑھ سکتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ نوے کروڑ انسان لکھنا پڑھنا جانتے ہیں۔ اگر ہم ان میں سے ہر ایک انسان کے ہاتھ میں یہ پیغام پہنچانا چاہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق اُمّتِ محمدیہ میں اپنے مسیح اور مہدی کو مبعوث فرمایا ہے۔ آؤ اور اس کی طرف سے پیش کردہ تعلیم حاصل کرنے کے

لئے اس کے سامنے جھکو اور اس جھنڈے تلے جمع ہو جاؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمام بنی نوع انسان کے لئے اس کے ذریعہ آج گاڑا ہے تا تم اپنی اس زندگی میں بھی کامیاب ہو اور اُخروی زندگی میں بھی اللہ تعالیٰ کے احسانوں اور فضلوں کو پا سکو۔

تو صرف یہی پیغام پہنچانے کے لئے ہمیں ایک دفعہ ۹۰ کروڑ آدمیوں کے لئے ایک ورقہ اشتہار دینا پڑے گا اور اس مختصر اشتہار پر جس کی تعداد ۹۰ کروڑ ہوگی کتابت وطباعت اور کاغذ کے خرچ کے علاوہ صرف پوسٹیج کے لئے (یعنی اس کی ترسیل کے لئے) جو ٹکٹ لگیں گے ہمیں ان کے لئے چھ کروڑ تیس لاکھ روپے کی ضرورت ہوگی۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ان اشتہارات کو ڈاک کے ذریعہ بھیجنے کے لئے چھ کروڑ تیس لاکھ روپیہ ہو تب کہیں جا کر ہم اس بات میں کامیاب ہو سکتے ہیں کہ ہر انسان کے ہاتھ میں صرف یہ پیغام پہنچا دیں کہ خدا تعالیٰ کا ایک مامور مبعوث ہو چکا ہے۔تم دین و دنیا کی فلاح اور حسنات کے حصول کے لئے اس کی آواز پر کان دھرو۔ ظاہر ہے کہ اتنے ذرائع ہمیں میسر نہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس کام کے لئے ہمیں صرف اس رقم کی ہی ضرورت نہیں بلکہ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی دقتیں ہیں جو اس مقصد کے حصول کی راہ میں حائل ہیں مثلاً دنیا کا ایک بڑا حصہ ایسا بھی ہے جو ہماری بات سننے کے لئے تیار نہیں۔ بلکہ جب اسے بات سنائی جائے تو وہ ہماری بات سننے کی بجائے ہمیں گالیاں دینے پر اُتر آتا ہے پھر دنیا کی آبادی کا ایک بڑا حصہ ایسا بھی ہے کہ جو ظاہری اخلاق کا مظاہرہ کر کے ہماری بات تو سن لیتا ہے لیکن اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتا کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ اخلاق کا تقاضا یہ ہے کہ ہم ان کی بات سن لیں۔ انہیں بات کرنے سے منع نہ کریں لیکن ہمیں اس بات کی بھی ضرورت نہیں کہ پوری توجہ سے ان کی بات سنیں پھر جو لوگ ہماری بات کو سنتے ہیں اور توجہ سے بھی سنتے ہیں ان میں سے بھی بڑے حصہ کے دلوں کی کھڑکیاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی صداقت کے قبول کرنے کے لئے ان کی شامتِ اعمال کی وجہ سے کھلتی نہیں۔

غرض ہماری راہ میں بڑی مشکلات ہیں اگر ہم محض اپنی تدابیر پر بھروسہ کریں تو ہماری ناکامی یقینی ہے۔ اس لئے ہماری عقل اس نتیجہ پر پہنچتی ہے کہ کامیابی کے جو وعدے اللہ تعالیٰ نے ہماری

جماعت کو دیئے ہیں وہ محض ہماری تدبیر کی بِنا پر اور محض ہماری کوشش کے نتیجہ میں پورے نہیں ہو سکتے ہمیں اس کے لئے کسی اور چیز کی ضرورت ہے جس کی طرف ہمیں متوجہ ہونا چاہیے۔ پس عقل بھی ہمیں یہی بتاتی ہے کہ تدبیر پر بھروسہ رکھنا ہرگز درست نہیں۔

عقل کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ہمیں جو تعلیم دی ہے اس میں بھی وہ ہمیں یہی بتاتا ہے کہ فلاح اور کامیابی کے حصول کے لئے محض تدبیر کافی نہیں۔

الٰہی سلسلے دعا کے بغیر کوئی کامیابی حاصل نہیں کر سکتے چنانچہ اللہ تعالیٰ سورۂ فرقان کے آخر میں فرماتا ہے قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا (الفرقان:۷۸) اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے رسول تو کہہ دے کہ میرا رب تمہاری پرواہی کیا کرتا ہے اگر تمہاری طرف سے دعا نہ ہو۔ لَوْلَا دُعَآءُكُمْ لغت میں ہے دَعَاهُ نَادَاهُ اس نے اس کو پکارا۔ رَغِبَ اِلَيْهِ اس کی طرف رغبت کی اِسْتِعَانَهٗ اس سے مدد چاہی ان معنوں کی رو سے اس حصہ آیت کے یہ معنی ہوں گے کہ جب تک تم اللہ تعالیٰ کو اپنا مطلوب اپنا مقصود اور اپنا محبوب اس سے امداد حاصل کرنے کے لئے اور اس کی نصرت چاہنے کے لئے اسے نہیں پکارو گے تو مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ اسے تمہاری کیا پرواہ ہوگی وہ يَعْبَؤُا کے مفہوم کے مطابق تم سے سلوک نہیں کرے گا عَبَأَ يَعْبَؤُا کے لغت میں یہ معنی ہیں کہ

مَا عَبَأْتُ بِهٖ أَيْ لَمْ أُبَالِ بِهٖ وأَصْلُهٗ مِنَ الْعَبْءِ أَيِ الثِّقْلِ كَأَنَّهٗ قَالَ مَا أَرٰى لَهٗ وَزْنًا وَقَدْرًا قَالَ: (قُلْ مَا يَعْبَؤُ بِكُمْ رَبِّيْ) وَقِيْلَ أَصْلُهٗ مِنْ عَبَأْتُ الطِّيْبَ كَأَنَّهٗ قِيْلَ مَا يُبْقِيْكُمْ لَوْلَا دُعَاءُكُمْ، وَقِيْلَ عَبَأْتُ الْجَيْشَ وَعَبَّأْتُهٗ هَيَّأْتُهٗ، وَعَبْأَةُ الْجَاهِلِيَّةِ مَاهِيَ مُدَّخَرَةٌ فِيْ اَنْفُسِهِمْ مِنْ حَمِيَّتِهِمُ الْمَذْكُوْرَةِ فِي قَوْلِهٖ: (فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ)۔

ان معانی کی رو سے اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ عَبَأَ کے مفہوم والا سلوک تم سے کرے گا سوائے اس کے کہ تمہاری دعا اس کے جلوہ حسن واحسان کو جذب کر لے۔ اب يَعْبَؤُا کے چار معنی بنتے ہیں۔

اوّل یہ کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جب تک تم میرے حضور عاجزی اور انکسار کے ساتھ نہیں جھکو گے اور مجھ سے مدد طلب نہیں کرو گے اور میری قوتِ کاملہ پر بھروسہ نہیں کرو گے اور یہ یقین پیدا نہیں کرو گے کہ تم میرے فضل کے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتے اس وقت تک میری نظر میں تمہاری کوئی قدر ومنزلت نہیں ہوگی اور تمہارے اعمال میری نظر میں کوئی وزن نہیں رکھیں گے۔

یَعْبَؤُا کے دوسرے معنوں کے مطابق اللہ تعالیٰ اس آیت میں یہ فرماتا ہے کہ جب تم دعا سے کام نہیں لو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری بقا کے سامان نہیں کرے گا مَا يُبْقِيْكُمْ لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ یعنی عاجزانہ دعاؤں کے بغیر تمہارے لئے قیّومیتِ باری کے جلوے ظاہر نہیں ہوں گے۔

تیسرے معنوں کی رو سے قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ کی یہ تفسیر ہوگی کہ تمہیں جان لینا چاہیے کہ تمہاری تیاریاں اس وقت تک تمہیں کامیابی کا منہ نہیں دکھا سکیں گی جب تک کہ آسمان سے ملائکہ کی افواج کا نزول نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں تمہیں بتاتا ہوں کہ اگر تم چاہتے ہو کہ میرے اذن اور حکم سے آسمان سے فرشتے اتریں اور تمہاری مدد کریں تو تمہارے لئے ضروری ہے کہ تم دعا کے ذریعہ میری اس نعمت کو حاصل کرو۔ کیونکہ عَبَأْتُ الْجَيْشَ کے معنی ہیں هَيَّأْتُهٗ یعنی لشکر کو پورے سازوسامان کے ساتھ تیار کر دیا اور اسے حکم دیا کہ جس مقصد کے لئے اسے تیار کیا گیا ہے۔ اس کے حصول کے لئے باہر نکلے۔

چوتھے حمیت کے معنوں کی رو سے اس آیت کا یہ مفہوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے غیرت نہیں رکھے گا اور غیرت نہیں دکھائے گا جب تک کہ تم دعاؤں کے ذریعہ سے اس کی غیرت کو تلاش نہ کرو۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی ایک جگہ فرمایا ہے۔

اب غیروں سے لڑائی کے معنی ہی کیا ہوئے
تم خود ہی غیر بن کے محلِ سزا ہوئے

پس یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس غیریت کے پردہ کو صرف دعا ہی چاک کر سکتی ہے اگر تم دعاؤں کے ذریعہ اور میری محبت کے واسطہ سے میری مدد اور نصرت کے متلاشی ہو گے تو میں

ایسے سامان پیدا کر دوں گا کہ ہمارے درمیان کوئی غیریت باقی نہیں رہے گی۔ تب میری غیرت تمہارے لئے جوش میں آئے گی اور تم اپنے مقاصد کو حاصل کر سکو گے۔

غرض اس مختصر سی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بڑے وسیع مضامین بیان کئے ہیں۔ جن کا اختصار کے ساتھ میں نے ذکر کیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ یعنی تم لوگ دعا کی طرف متوجہ نہیں ہوتے اور اللہ تعالیٰ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اس جماعت میں شامل نہیں ہوتے جو صبح و شام دعاؤں میں مشغول رہنے والی ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم اس بات کو جھٹلا رہے ہو کہ دعا کے بغیر خدا تعالیٰ کی نگاہ میں نہ اعمال کا کوئی وزن ہے اور نہ کسی قوم یا کسی انسان کی کوئی قدر و منزلت ہے تم اس بات سے بھی انکاری ہو کہ تمہاری مدد کے لئے خدائے قیوم کے حکم، منشا اور ارادہ کی ضرورت ہے تم اس بات کو بھی جھٹلا رہے ہو کہ انسان کامیابی صرف اسی صورت میں حاصل کر سکتا ہے جب اس کے مقصد کے حصول کے لئے آسمان سے ملائکہ کی افواج نازل ہوں اور وہ بنی نوع انسان کے دلوں میں ایک پاک تبدیلی پیدا کر دیں تم اس بات کو بھی جھٹلا رہے ہو کہ جب تک تم میں اور خدا تعالیٰ میں غیریت قائم رہے گی خدا تعالیٰ کی مدد نازل نہیں ہوگی۔

فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا چونکہ تم ان صداقتوں کو جھٹلا رہے ہو اس لئے تمہاری اس تکذیب اور انکار کے نتائج تمہارے ساتھ اور تمہاری نسلوں کے ساتھ ثابت اور دائم رہیں گے یعنی تمہیں اور تمہاری نسلوں کو اس کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا۔ جب تک کہ تم اپنی اصلاح نہ کر لو۔

لِزَامٌ کے ایک معنی موت کے بھی ہیں ان معنوں کی رو سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ چونکہ تم اس بنیادی صداقت کو جھٹلاتے ہو اس لئے یاد رکھو فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا کہ جلد ہی تمہیں ہلاکت اور موت کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ پھر لِزَامًا کے معنی اَلْفَصْلُ فِي الْقَضِيَّةِ کے بھی ہیں ان معنوں کی رو سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے دنیا میں اس وقت دو گروہ پیدا ہو گئے ہیں ایک گروہ وہ ہے جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ الٰہی سلسلہ کی طرف منسوب ہونے والا ہے جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا منشا اور ارادہ یہ ہے کہ وہ ساری دنیا پر اسلام کو غالب کرے جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے قرب کے حصول کے لئے اسلام کی تعلیم پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے اور اسلام کی اس تعلیم کو جاننے، اللہ تعالیٰ

کا عرفان حاصل کرنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دلوں میں پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ خدا تعالیٰ کے مامور پر ایمان لایا جاوے جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اسلام باوجود تدابیر کی کمی کے باوجود ذرائع اور وسائل کے فقدان کے دنیا پر غالب آئے گا اور اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت کے ماتحت ہی غالب ہوگا۔

دوسرا گروہ وہ ہے جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ پہلے گروہ کے تمام دعاوی جھوٹے اور غلط ہیں اس گروہ کا ایک حصہ تو یہ کہتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا وجود ہی نہیں اور سارے مذاہب ہی جھوٹے ہیں اور مذہب کے نام پر کئے جانے والے جتنے دعاوی ہیں ہم کسی کو بھی ماننے کے لئے تیار نہیں پھر ایک گروہ اس جماعت کا وہ ہے جو کہتا ہے کہ خدا ہے اور وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ خدا دنیا کی اصلاح کے لئے اپنے انبیاء مبعوث فرماتا رہا ہے لیکن وہ یہ نہیں مانتا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء اور افضل الانبیاء ہیں اور جو شریعت اور ہدایت آپؐ کے ذریعہ بنی نوع انسان کو دی گئی ہے وہ بنی نوع انسان کی قیامت تک کی تمام الجھنوں کو سلجھانے کے لئے کافی ہے اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے پھر اس گروہ کا ایک حصہ وہ ہے جو اپنی زبان سے تو کہتا ہے کہ اسلام خدا تعالیٰ کا سچا مذہب ہے لیکن اپنی کسی باطنی یا ظاہری غفلت یا گناہ کے نتیجہ میں وہ یہ نہیں سمجھ سکتا یا سمجھ نہیں رہا کہ اللہ تعالیٰ نے جماعت احمدیہ کو اس مقصد اور غرض کے لئے کھڑا کیا ہے کہ تمام اکنافِ عالم اور تمام اقوام عالم میں اسلام کو پھیلایا جائے حتی کہ تمام ادیانِ باطلہ پر اس کا غلبہ ہو جائے۔ غرض یہ دو گروہ ہیں ان کے درمیان ایک قضیہ (جھگڑا) ہے اور یہ قضیہ ظاہر ہے۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا۔ اللہ تعالیٰ یہ فیصلہ کرنے والا ہے کہ جماعت احمدیہ کا موقف ہی صحیح اور درست ہے اور یہ کہ یہ چھوٹی سی کمزور اور حقیر سمجھی جانے والی جماعت اموال نہ ہونے کے باوجود ذرائع و وسائل مہیا نہ ہونے کے باوجود اور دنیا میں کسی اقتدار اور وجاہت کے نہ ہونے کے باوجود صرف اس لئے کامیاب ہوگی کہ وہ اپنے رب کریم کی طرف جھکنے والی ہے اور ہر وقت دعاؤں میں مشغول رہنے والی ہے۔ (انشاء اللہ تعالیٰ) غرض اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا میرا یہ فیصلہ ہے اور یہ فیصلہ عنقریب ہی وقت آنے پر تمہارے سامنے ظاہر ہو جائے گا اور جب یہ حقیقت ہے کہ اگر دنیا

کی ساری دولت بھی ہمارے پاس ہوتی، دنیا کے سارے اموال بھی ہمارے پاس ہوتے، دنیا کے اقتدار کے بھی ہم مالک ہوتے، دنیا کی ساری عزتیں اور وجاہتیں بھی ہمارے قدموں میں ہوتیں تب بھی ہم کسی تدبیر کے نتیجہ میں فلاح اور کامیابی کا منہ نہ دیکھ سکتے تھے جب تک کہ ہم عاجزی اور انکسار کے ساتھ اپنے رب کی طرف جھکنے والے نہ ہوتے اس کو اپنا مطلوب مقصود اور محبوب نہ بناتے اور اس سے مدد اور نصرت کے طالب نہ ہوتے اور اس بات پر پختہ یقین نہ رکھتے کہ کامیابی محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کے احسان کے نتیجہ میں نصیب ہوسکتی ہے ہماری تدابیر اور ہمارے اعمال کے نتیجہ میں نہیں۔ پس جب یہ حقیقت ہے تو ہمارے لئے یہ ضروری ہے کہ ہر وقت اور ہر آن اپنے ربّ کے حضور یہ دعائیں کرتے رہیں کہ اے خدا! تو نے ہمیں تدبیر میسر نہیں کی لیکن تو نے ہمیں گداز دل عطا کئے ہیں۔ ہم کو منکسر مزاج دیئے ہیں ہم تیرے حضور جھکتے ہیں تو ہم پر فضل کر، تو ہم پر رحمت کی نگاہ کر، اور اس مقصد کے حصول کے سامان جلد پیدا کر دے جس مقصد کے لئے تو نے ہماری جماعت کو قائم کیا ہے۔

تو ہمیں کامیابی عطا فرما اور پھر اے خدا! تو ہم پر ایسا فضل کر کہ آسمان سے فرشتوں کی افواج نازل ہوں اور بنی نوع انسان کے دلوں پر ان کا تصرف ہو جائے حتیٰ کہ وہ ان دلوں کو تبدیل کر دیں تا تیرا جلال اور کبریائی، تیری عظمت اور تیری توحید دلوں میں پیدا ہو جائے اور وہ جو آج تیرے خلاف باغیانہ خیالات رکھتے ہیں وہ تیرے مطیع بندے بن جائیں اور اے خدا! جیسا کہ تیرا وعدہ ہے غلبہ اسلام کے دن ہمیں جلد دکھا تا ہم تمام اکنافِ عالم میں

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

کی صدا سننے لگیں اور تمام بنی نوع انسان اپنے محسنِ حقیقی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے لگیں۔ خدا کرے کہ اس کے سامان جلد پیدا ہو جائیں۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۱۱ رمئی ۱۹۶۶ء صفحہ ۲ تا ۴)

امرائے جماعت ہر مقام سے یہ رپورٹ حاصل کریں کہ کسی جگہ کوئی احمدی کبھی بھوکا نہ رہے

خطبہ جمعہ فرمودہ ۸؍اپریل ۱۹۶۶ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (الذّٰریٰت:۵۶)

کہ اے خدا کے رسول! (اور پھر وہ جو اس کی قائم مقامی میں ذمہ داری کے عہدے پر کھڑے کئے جاتے ہیں) تو مومنوں کو ان کی ذمہ داریاں یاد دلاتا رہ کیونکہ یہ یاد دلانا مومنوں کو نفع بخشتا ہے۔

اس آیہ کریمہ میں ایک تو باوجود غفلت کے مومن کی عزت کو یہ کہہ کر قائم کیا ہے کہ اگر کبھی وہ اپنی کسی ذمہ داری کی طرف متوجہ نہیں ہوتا تو اس کے یہ معنی نہیں لئے جانے چاہئیں کہ ایمان میں کمزوری پیدا ہو گئی ہے بلکہ انسانی فطرت میں ہی یہ بات پائی جاتی ہے کہ اگر بار بار اس کے سامنے اس کی ذمہ داریاں نہ لائی جائیں تو وہ ان چیزوں کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے جو بار بار اس کے سامنے آتی ہیں اور اس بشری کمزوری کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ نے ذمہ دار افراد کو اس طرف متوجہ کیا ہے کہ حقیقی مومنین کے سامنے ان کی ذمہ داریاں بار بار لایا کرو اور انہیں یاد دلاتے رہا کرو تا کہ وہ اس یاد دہانی سے فائدہ اٹھائیں اور اپنی ذمہ داریوں کو نبھانے کی کوشش کریں۔

اس حکم کے ماتحت آج میں احبابِ جماعت کو ان کی بعض ذمہ داریاں یاد دلانا چاہتا ہوں (۱) پہلی یہ کہ دوست جانتے ہیں کہ ہمارے مالی سال کا یہ آخری مہینہ جارہا ہے تمام احبابِ جماعت کو عموماً اور تمام عہدیدارانِ نظام کو خصوصاً میں اس طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ وہ اپنی پوری کوشش کریں کہ جماعت کا جو بجٹ ہے جسے ہم حصہ آمد (یعنی وصیت کے چندے) یا چندہ عام کہتے ہیں یا جلسہ سالانہ کا چندہ ہے نہ صرف یہ کہ پورا ہو جائے بلکہ جو بجٹ بنایا گیا تھا اس سے زیادہ آمد ہو جائے اور یقیناً آمد زیادہ ہو سکتی ہے۔ کیونکہ جو بجٹ شوریٰ میں پیش ہوتا ہے اور جس کی سفارش کی جاتی ہے اور بعد میں منظوری دی جاتی ہے۔ وہ کئی لاکھ روپیہ اس بجٹ سے کم ہوتا ہے جو فی الواقعہ جماعت کے اوپر ان کی استعداد اور ذمہ داریوں کے پیشِ نظر ڈالا جانا چاہیے اس کی بہت سی وجوہات ہیں اس کی اصلاح کی بھی ضرورت ہے لیکن اس کی اصلاح میں بعض روکیں بھی ہیں۔ انشاء اللہ ان کی اصلاح جلد ہی ہو جائے گی۔

پس جو بجٹ منظور ہو چکا ہے وہ اصل ذمہ داری سے کم درجہ پر ہے اس لئے نہ صرف یہ کوشش ہونی چاہیے کہ وہ بجٹ پورا ہو جائے بلکہ اس کے ساتھ ہی یہ بھی کوشش ہونی چاہیے کہ جو حقیقی اور اصلی بجٹ آمد کا ہے۔ اس کے مطابق ساری جماعتوں کی آمد ہو جائے۔ امید ہے کہ تمام پریذیڈنٹ صاحبان اور مال کے ساتھ تعلق رکھنے والے عہدہ داران اور امراء صاحبان اور امراءِ اضلاع اس امر کی طرف خصوصی توجہ دیں گے کہ اس ماہ کے اندر سالِ رواں کا بجٹ نہ صرف یہ کہ پورا ہو جائے بلکہ آمد بجٹ سے بھی زیادہ ہو جائے۔

(۲) دوسری بات جس کی طرف میں آج جماعت کو توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ میں نے اپنے ایک خطبہ میں جماعت کے سامنے قرآن کریم کی یہ تعلیم رکھی تھی کہ اللہ تعالیٰ ہم سے یہ چاہتا اور مطالبہ کرتا ہے کہ ہم اس بات کا خیال رکھیں کہ ہم میں سے کوئی شخص رات کو بھوکا نہ سوئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک ایسی تعلیم دی ہے کہ ہم کوئی زائد خرچ کئے بغیر خدا تعالیٰ کا یہ حکم پورا کر سکتے ہیں۔

بہت سے دوستوں اور بہت سی جماعتوں نے اس کے بعد مجھے خطوط لکھے ہیں کہ ہم اس کی

طرف توجہ دے رہے ہیں اور ہمارے گاؤں قصبہ یا جماعت میں کوئی احمدی بھوکا نہیں سوتا لیکن جماعتوں کے ایک حصہ کی طرف سے اس اطلاع کا آجانا میری تسلی کا موجب نہیں ہوسکتا اور یقیناً میری تسلی نہ ہوگی جب تک کہ ہر امیر ضلع یہ رپورٹ نہ دے اور آئندہ بھی متواتر ایسی رپورٹ نہ دیتا چلا جائے کہ انہوں نے ایسا انتظام کرلیا ہے اور اس کی تعمیل بھی ہو رہی ہے کہ کوئی احمدی فرد رات کو بھوکا نہیں سوتا بلکہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اور اسی طریق پر جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہم نے یہ انتظام کر دیا ہے کہ اگر پہلے کبھی کوئی شخص نامساعد حالات سے مجبور ہو کر بھوکا رہا ہو تو آئندہ وہ بھوکا نہیں رہے گا۔

اس سلسلہ میں امراء اضلاع سے اور ان بڑی جماعتوں کے امراء سے جن کو بطور امیر ضلع ہی سمجھا جاتا ہے۔ میں یہ توقع رکھتا ہوں کہ ہر دو ماہ کے بعد وہ مجھے اس سلسلہ میں اپنی تفصیلی رپورٹ بھجوایا کریں گے۔ تفصیلی اس معنی میں نہیں کہ کوئی لمبی چوڑی رپورٹ مجھے بھجوائیں۔ تفصیلی اس معنی میں کہ وہ مجھے یہ بتائیں کہ انہوں نے اپنے علاقہ کا تفصیلی جائزہ لیا ہے اور ہر مقام سے یہ رپورٹ حاصل کر لی ہے کہ کسی مقام پر بھی کوئی احمدی بھوکا نہیں رہتا۔

(۳) تیسری بات جس کی طرف میں احبابِ جماعت، عہدیدارانِ جماعت اور خصوصاً امراءِ اضلاع کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ میں نے عارضی وقف کے متعلق جماعت میں تحریک کی تھی اس کے نتیجہ میں بیسیوں افراد نے مجھے براہ راست چٹھیاں لکھیں اور اپنے وقت کے ایک حصہ کو اس سکیم کے مطابق وقف کیا جو دو ہفتہ سے چھ ہفتہ تک کے وقف کے لئے میں نے جماعت کے سامنے رکھی تھی انہوں نے اس عرصہ میں اپنے خرچ پر مقررہ علاقہ میں رہ کر اصلاحی اور تربیتی کام کرنے کے لئے رضا کارانہ طور پر اپنے آپ کو پیش کیا ہے۔

چند جماعتوں کی طرف سے بھی مجھے اس کے متعلق رپورٹ ملی ہے لیکن جماعتوں اور اضلاع کی اکثریت ایسی ہے کہ جن کی طرف سے مجھے اس سلسلہ میں ابھی تک کوئی اطلاع موصول نہیں ہوئی امراءِ اضلاع کو اس طرف فوری توجہ دینی چاہیے کیونکہ اس منصوبہ کے ماتحت میں یکم مئی سے کام شروع کروانا چاہتا ہوں۔ پس بہت تھوڑے دن رہ گئے ہیں اس لئے اس کی طرف فوری

توجہ دی جانی چاہیے۔ امراءِ اضلاع جماعت کے مستعد اور مخلص احباب کو اپنی ذمہ داری کی طرف متوجہ کریں تا زیادہ سے زیادہ احمدی اس مقصد کے پیشِ نظر اور خدمتِ اسلام کے لئے اپنے وقت کا ایک تھوڑا اور حقیر سا حصہ پیش کریں۔ میں امید کرتا ہوں کہ تمام امراءِ اضلاع یکم مئی سے پہلے پہلے اپنی رپورٹ اس سلسلہ میں مجھے بھجوا دیں گے۔

(۴) ایک اور منصوبہ جو میں نے جماعت کے سامنے پیش کیا تھا اور وہ بنیادی اہمیت کا حامل اور بہت ضروری ہے وہ یہ تھا کہ ہم میں سے کوئی شخص بھی ایسا نہ رہے جو قرآن کریم ناظرہ نہ پڑھ سکتا ہو اور اس کے بعد اسے ترجمہ سکھایا جائے۔ حتیٰ کہ ایک وقت ایسا آ جائے کہ کوئی احمدی بھی ایسا نہ رہے جو قرآن کریم کا ترجمہ نہ جانتا ہو۔

اس منصوبہ کے لئے میں نے لاہور کی جماعت اور سیالکوٹ کا ضلع مجلس خدام الاحمدیہ کے سپرد کیا تھا اور کراچی کی جماعت اور جھنگ کا ضلع مجلس انصار اللہ کے سپرد کیا تھا اور باقی تمام جماعت کا کام نظارت اصلاح وارشاد نے کرنا تھا۔

اس سلسلہ میں بھی کچھ کام ہوا ہے لیکن میرے نزدیک ابھی وہ کام تسلی بخش نہیں۔ کوئی جماعت ایسی نہیں رہنی چاہیے کہ جہاں قرآن کریم پڑھانے کا انتظام نہ ہو۔

اس منصوبہ کے ماتحت ایک خوشی جو مجھے پہنچی وہ تو یہ ہے کہ بعض لوگوں نے انفرادی طور پر اس طرف توجہ دی اور انہوں نے اپنے حلقہ میں قریباً سارا وقت ہی قرآن کریم کے پڑھانے کے لئے پیش کر دیا۔ وہ بڑا اچھا کام کر رہے ہیں اور مجھے رپورٹ بھی بھجوا رہے ہیں۔ لیکن اس مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے محض چند افراد کی خوشکن رپورٹیں کافی نہیں بلکہ ساری جماعت کو جماعتی لحاظ سے اس طرف توجہ کرنی چاہیے۔ قرآن کریم ہماری زندگی اور ہماری روح ہے۔ ہماری روحانی بقا کا انحصار قرآن کریم پر ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک جگہ فرمایا ہے (شاید ایک جگہ سے زیادہ ہی جگہوں پر فرمایا ہو) کہ قیامت کے دن قرآن کریم تمہارے حق میں یا تمہارے خلاف گواہی دے گا۔ اگر قرآن کریم کی گواہی تمہارے حق میں ہوئی تو تم اللہ تعالیٰ کی رضاء کو حاصل کر لو گے اور اگر قرآن کریم کی گواہی تمہارے خلاف ہوئی تو تم خدا تعالیٰ کے

غضب کے مورد ہو گے۔

پس قرآن کریم کا ہر ایک حکم واجب العمل ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کرنی ہو اور قرآن کریم کی ہر نہی (ہر وہ بات جس سے قرآن کریم روکتا ہے اس) سے بچنا ضروری ہے۔ اگر ہم رضاءِ الٰہی کو حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

پس یہ کوئی معمولی چیز نہیں ہے جس کی طرف میں جماعت کو متوجہ کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ یہ تیرے لئے بھی ذکر ہے اور تیری قوم کے لئے بھی ذکر ہے۔ یعنی یہ ایک ایسی تعلیم ہے جس کے نتیجہ میں تو بھی اور تیری قوم بھی اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی شرف اور عزت حاصل کر لو گے۔ اس لئے یاد رکھو کہ اگر تم نے اس طرف توجہ نہ کی تو تم سے سوال کیا جائے گا اور تمہارا محاسبہ ہوگا۔

دراصل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا فرمان اس آیت کی تفسیر میں ہے وَ اِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَ لِقَوْمِكَ ۚ وَ سَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ (الزخرف: ۴۵) قرآن کریم کہتا ہے کہ تم سے سوال کیا جائے گا کہ دنیا میں عزت کے حصول کے لئے اور دنیا میں شرف حاصل کرنے کے لئے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے ایک حسین ترین تعلیم ہم نے تمہاری طرف بھیجی تھی۔ بتاؤ تم نے کہاں تک اس پر عمل کیا۔

عمل کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہمیں اس کا علم ہو اور ہمیں اس سے پوری واقفیت ہو۔ اگر ہم قرآن کریم کو نہیں پڑھتے اور اس کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے تو پھر ہم کیسے امید کر سکتے ہیں کہ قرآن کریم قیامت کے روز ہمارے حق میں گواہی دے گا کہ اے میرے رب! تیرے اس بندے نے تیری اس تعلیم کو پڑھا اور سمجھا اور پھر اس کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کی۔

ظاہر ہے کہ ان دو باتوں میں اتنا تضاد اور تناقض ہے۔ ہم ایک لحظہ کے لئے بھی یہ تصور نہیں کر سکتے کہ نہ ہمیں قرآن کریم ناظرہ پڑھنا آتا ہے اور نہ ہمیں اس کا ترجمہ آتا ہے اور نہ ہم اس کے معانی سمجھنے کی کوشش کریں اور نہ اس پر عمل کریں پھر بھی قیامت کے روز خدا تعالیٰ ایسے سامان اور حالات پیدا کر دے گا کہ خدا تعالیٰ کا یہی قرآن ہمارے حق میں گواہی دے۔ اس قسم کا تصور

انسانی عقل میں قطعاً نہیں آ سکتا!!!

اس سلسلہ میں میں یہ کہنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ بعض جگہ سے یہ شکایت موصول ہوئی ہے کہ گو ہماری یہ جماعت خدام الاحمدیہ کے سپرد نہ کی گئی تھی لیکن انہوں نے جماعتی انتظام سے علیحدہ قرآن کریم سکھانے کا اپنے طور پر انتظام کر دیا ہے اور وہ جماعت سے تعاون نہیں کر رہے۔ اگر ایک مقام پر بھی ایسا ہوا ہو تو یہ بہت افسوسناک ہے خدام کو یاد رکھنا چاہیے کہ جو طریق انہوں نے اختیار کیا ہے وہ درست نہیں جن جگہوں میں قرآن کریم کے پڑھانے کا کام خدام الاحمدیہ کے سپرد کیا گیا ہے مثلاً لاہور اور ضلع سیالکوٹ کی جماعتیں۔ وہاں جماعتی نظام سے میں امید رکھتا ہوں کہ وہ مجلس خدام الاحمدیہ سے پورا تعاون کریں گے اور جس جگہ یا علاقہ میں قرآن کریم پڑھانے کا کام مجلس انصار اللہ کے سپرد کیا گیا ہے اس علاقہ کی جماعتوں سے میں امید اور توقع رکھتا ہوں کہ وہ مجلس انصار اللہ سے پورا پورا تعاون کریں گی اور وہ مقامات، جماعتیں یا اضلاع جہاں قرآن کریم کی تعلیم کا کام جماعتی نظام کے سپرد کیا گیا ہے وہاں جہاں تک قرآن کریم پڑھانے کا سوال ہے خدام الاحمدیہ یا انصار اللہ کا کوئی وجود ہی نہیں ہے کیونکہ یہ کام ان کے سپرد کیا ہی نہیں گیا۔

تمام دوستوں کو انصار میں سے ہوں یا خدام میں سے، جوان ہوں یا بڑی عمر کے یہ بنیادی بات یاد رکھنی چاہیے کہ ’’احمدی‘‘ ہونے اور ’’انصار یا خدام کے رکن‘‘ ہونے میں بڑا فرق ہے۔ ایک احمدی پر اللہ تعالیٰ نے بڑی اہم اور بڑی وسیع ذمہ داری ڈالی ہے اور وہ یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وقت میں حضورؑ کے منشا اور ارشاد کے ماتحت اور پھر بعد میں حضورؑ کے خلفاء کے منشا اور ارشاد کے ماتحت تمام دنیا میں اسلام کو غالب کرنے کے لئے جو سکیمیں تیار کی جائیں ہر احمدی اپنا سب کچھ قربان کر کے ان سکیموں کو کامیاب کرنے کی کوشش کرے تا کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ جو آسمان پر ہو چکا ہے کہ وہ اسلام کو اس زمانہ میں جو مسیح موعود علیہ السلام کا زمانہ ہے تمام ادیانِ باطلہ پر غالب کرے گا۔ اس فیصلے کا نفوذ اللہ تعالیٰ کے فضل سے جسے ہماری کوشش جذب کرے اس دنیا میں بھی ہمیں جلد تر نظر آ جائے۔

یہ الٰہی فیصلہ جو آسمان پر ہو چکا ہے زمین پر نافذ ہو کر رہے گا۔ دنیا کی کوئی طاقت اسے روک

نہیں سکتی!!! لیکن اس راہ میں انتہائی قربانی پیش کرنا ہمارا فرض ہے۔ یہ کام جو ایک احمدی کے سپرد ہے احمدی نوجوان کے بھی، احمدی بوڑھے کے بھی، احمدی مرد کے بھی، احمدی عورت کے بھی اور احمدی بچے کے بھی!!! اس وسیع کام کا ایک حصہ جو شاید اس کام کا ہزارواں حصہ بھی نہ ہو۔ مجالس خدام الاحمدیہ، انصاراللہ، لجنہ اماء اللہ اور ناصرات الاحمدیہ کے سپرد کیا گیا ہے تا کہ ان مختلف گروہوں کی تربیت ایسے رنگ میں کی جا سکے۔ یا ان کی تربیت ایسے طور پر قائم رکھی جا سکے کہ وہ اس ذمہ داری کو کما حقہ ادا کر سکیں جو ایک احمدی کی حیثیت سے ان کے کندھوں پر ڈالی گئی ہے۔

پس مجلس خدام الاحمدیہ یا مجلس انصاراللہ کا رکن ہونے کی حیثیت سے تم پر جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے وہ بہت ہی محدود ہے۔ اس محدود ذمہ داری کو ٹھیک طرح نباہ لینے کے بعد اگر کوئی رکن خوش ہو جاتا ہے کہ جتنی ذمہ داری بھی بحیثیت احمدی ہونے کے اس پر ڈالی گئی تھی وہ اس نے پوری کر دی تو وہ غلطی خوردہ ہے۔ کیونکہ جو ذمہ داری اس پر ایک احمدی ہونے کی حیثیت سے ڈالی گئی ہے یہ ذمہ داری اس کے مقابل پر شاید ہزارواں حصہ بھی نہیں۔ اس پر خوش ہو کے بیٹھ جانا بڑی خطرناک بات ہے۔

یہ ہمارے لئے سوچ اور فکر کا مقام ہے اور اس کے لئے خطرہ کا مقام ہے اسی طرح اگر جوانی کے جوش میں یا اپنے تجربہ کے زعم میں وہ اپنے حدود سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے تو بھی وہ اچھا کام نہیں کرتا۔

جو جماعتی نظام کی ذمہ داری ہے وہ جماعتی نظام نے ہی ادا کرنی ہے اور تم نے جماعت کا ایک فرد ہونے کی حیثیت سے اس میں حصہ لینا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ مجالس خدام الاحمدیہ اور مجالس انصاراللہ اتنی زیر الزام نہیں آتیں جتنے کہ جماعتی عہدیدار۔ حضرت مصلح موعود (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے مجالس خدام الاحمدیہ اور مجالس انصاراللہ کے متعلق یہ ارشاد فرمایا تھا کہ میں نے ایک محدود کام محدود دائرہ عمل میں ان تنظیموں کے سپرد کیا ہے۔ جماعتی نظام کو میں یہ حق نہیں دیتا کہ وہ ان کے کاموں میں دخل دے کوئی عہدیدار پریذیڈنٹ ہو یا امیر، امیر ضلع ہو یا امیر علاقائی، اس کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ خدام الاحمدیہ کے کام میں دخل دے یا انہیں حکم دے لیکن میں اجازت دیتا ہوں

کہ اگر وہ ضرورت محسوس کریں تو وہ ان سے درخواست کر سکتے ہیں کہ بحیثیت مجلس خدام الاحمدیہ تم یہ کام کرو۔ درخواست کرنے کی اجازت دینا تو دراصل امراء کو غیرت دلانے کے لئے تھا تا وہ اپنی تنظیم کو اس حد تک بہتر بنالیں کہ ان کو کبھی اس قسم کی درخواست نہ کرنی پڑے لیکن انہوں نے اس اجازت سے ناجائز فائدہ اٹھایا ہے اور جب بھی کوئی جماعتی کام ان کے سامنے آیا تو انہوں نے بجائے اس کے کہ جماعتی نظام سے کام لیتے، آرام سے مجلس خدام الاحمدیہ کے مقامی قائد کو بلایا اور ان سے درخواست کی کہ مہربانی کر کے یہ کام آپ کر دیں اور اس طرح وہ جماعتی نظام کو کمزور کرنے کا موجب ہوئے۔ اس لئے آج سے ان کا یہ حق میں واپس لیتا ہوں جماعت کا کوئی عہدیدار اب اس بات کا مجاز نہیں ہوگا کہ وہ مجالس خدام الاحمدیہ یا مجالس انصاراللہ سے کسی قسم کی کوئی درخواست کرے۔ حکم وہ دے نہیں سکتا وہ پہلے ہی منع ہے۔ ''درخواست'' کی اجازت اب واپس لے لی جاتی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ آئندہ جماعتی کام انہوں نے جماعتی نظام کے ذریعہ سے ہی کروانے ہیں۔ مجلس خدام الاحمدیہ یا انصاراللہ سے کبھی اس قسم کی درخواست نہ کرنا ہوگی۔ فی الحال میں اس ''اجازت'' کو صرف ایک سال کے لئے واپس لیتا ہوں پھر حالات دیکھ کر فیصلہ کر سکوں گا اس کے مطابق جو اللہ تعالیٰ نے مجھے سمجھایا۔

جماعتی عہدیداروں کو بھی اور ان لوگوں کو بھی جو ایک طرف احمدی ہیں اور دوسری طرف احمدی ہونے کی وجہ سے بعض مخصوص و محدود ذمہ داریاں بطور رکن مجلس خدام الاحمدیہ یا بطور رکن مجلس انصاراللہ ان پر عائد ہوتی ہیں۔

میں بڑی وضاحت سے یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ جماعتی کام بہرحال اہم ہیں اگر امیر جماعت یا پریذیڈنٹ بحیثیت احمدی کے انہیں کوئی حکم دے تو ان کا فرض ہے کہ وہ اس حکم کو بجالائیں۔ خواہ اس حکم کی بجا آوری کے نتیجہ میں انہیں مجلس خدام الاحمدیہ کے کسی افسر کی حکم عدولی ہی کیوں نہ کرنی پڑے۔ سرکشی تو کسی صورت میں جائز نہیں لیکن انہیں چاہیے کہ اپنی تنظیم کو اطلاع دے دیں کہ پریذیڈنٹ یا امیر نے میرے ذمہ فلاں کام لگایا ہے اس وقت مجھے وہ کام کرنا ہے۔ اور اس وقت آپ نے ایک دوسرا کام میرے ذمہ لگایا تھا۔ میں خدام الاحمدیہ یا انصاراللہ کا وہ کام اس وقت

نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس سے زیادہ اہم کام مجھے بڑی تنظیم کی طرف سے ملا ہے اس لئے میں جماعتی کام کروں گا اس ذیلی تنظیم کا کام نہیں کر سکوں گا اس طرح وہ معذرت کر دیں لیکن جماعتی تنظیم سے معذرت نہ کر بیٹھیں۔ یہ طریق قطعاً جائز نہیں بہرحال جماعتی کام کو ذیلی تنظیموں کے کام پر مقدم رکھنا ہوگا۔ اور جہاں جہاں مجالس خدام الاحمدیہ نے قرآن کریم کے پڑھانے کا انتظام جماعتی انتظام سے علیحدہ ہو کر اپنے طور پر شروع کر دیا ہے۔ وہ میری آواز پہنچتے ہی اس کام کو بند کر دیں اور اپنی خدمات جماعت کے پریذیڈنٹ یا امیر کو پیش کر دیں اور جماعتی انتظام کے ماتحت اس کام کو کریں۔ قرآن کریم کا سمجھنا، اس کا فہم حاصل کرنا سب سے اہم کام ہے مگر قرآن کریم خود فرماتا ہے کہ جب مجھے سمجھنا ہو تو یاد رکھو کہ اپنے نفس کی اصلاح کے بعد میرے پاس آنا کیونکہ سوائے اس شخص کے جو پاک ہو میں کسی کو ہاتھ نہیں لگانے دیتا اور اگر تم مطہر ہوئے بغیر مجھے ہاتھ لگانا چاہو گے تو مجھے خدا تعالیٰ نے یہ طاقت بخشی ہے کہ وہ ہاتھ مجھے چھونے نہیں پائے گا۔ تمہارا ہاتھ مجھے اس وقت چھو سکے گا جب تم جتنا مجھے جانتے ہو۔ اس پر عمل کرنے والے بھی ہو اور پھر میرے پاس اس نیت کے ساتھ آؤ کہ جو زائد علم تم مجھ سے حاصل کرو اپنی زندگیوں کو اس کے مطابق ڈھالو گے۔

یہ بڑا ہی اہم کام ہے قرآن کریم کا سمجھنا ہمارے لئے نہایت ضروری ہے۔ قرآن کریم کی اشاعت کے لئے ہی ہمیں زندہ کیا گیا ہے اور ہمیں منظم کیا گیا ہے اس الٰہی سلسلہ کو اللہ تعالیٰ نے قائم ہی اسی لئے کیا ہے کہ قرآن کریم کی تعلیم کو دنیا بھر میں اس رنگ میں پھیلائیں کہ دنیا یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائے کہ اگر ہم اس دنیا اور اخروی زندگی کی فلاح چاہتے ہیں تو ہمیں قرآن کریم کی تعلیم پر عمل کرنا ہوگا۔ دنیا میں قرآن کریم کی تعلیم آپ پھیلا کیسے سکتے ہیں جبکہ خود آپ کو ہی اس کا علم حاصل نہ ہو۔ تو جو ہماری پیدائش کی غرض، ہمارے قیام کی غرض اور ہماری زندگی کا مقصود ہے وہ حاصل ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ ہم خود قرآن کریم کو نہ سمجھیں اور اس کے علوم اچھی طرح ہمارے ذہنوں میں مستحضر نہ ہوں۔

پس میں تمام امراءِ اضلاع کو یہ کہنا چاہتا ہوں کہ وہ اپنے ضلع کی ہر جماعت میں قرآن کریم

پڑھانے کا باقاعدہ ایک نظام کے ماتحت انتظام کریں اور ہر دو ماہ کے بعد مجھے اس کی رپورٹ بھجوایا کریں۔

(۵) پھر اس کے علاوہ ایک منصوبہ تربیتی اور اصلاحی دو ورقوں کا کثرت کے ساتھ شائع کرنے کا ہے۔ اس کی تفاصیل میں مَیں اس وقت جانا نہیں چاہتا وہ بھی ایک اہم کام ہے۔ چونکہ بہت سے کام ہیں جن کی طرف قریباً روزانہ ہی توجہ دینی پڑتی ہے اس لئے اس غرض کے لئے کہ نگرانی صحیح طور پر ہو سکے اور کام ٹھیک طرح چلتے رہیں۔ میں نائب ناظر اصلاح وارشاد کی ایک اسامی قائم کرتا ہوں اور فی الحال اس پر مکرم ابوالعطاء صاحب کو مقرر کرتا ہوں وہ براہ راست میرے سامنے ذمہ دار ہوں گے۔

میں چاہتا ہوں کہ بجٹ پر بار ڈالے بغیر ان کاموں کو کیا جائے اِلا ماشاء اللہ۔ اس لئے ان کا عملہ بھی رضا کاروں پر مشتمل ہونا چاہیے اور ربوہ کی جماعت کو اس کے لئے رضا کار پیش کرنے چاہئیں۔

اہلِ ربوہ کو غیرت دلانے کے لئے میں انہیں بتانا چاہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ہماری بیسیوں جماعتیں ایسی ہیں کہ جہاں مستعد اور مخلص احبابِ جماعت کافی تعداد میں دو دو تین تین چار چار پانچ پانچ گھنٹے روزانہ دیتے ہیں۔ کوئی وجہ نہیں کہ آپ ان سے پیچھے رہ جائیں۔

میں امید کرتا ہوں کہ ان کاموں کے لئے ربوہ کی جماعت رضا کار پیش کر دے گی تا وہ اس کام کو خوش اسلوبی سے سرانجام دے سکیں۔

اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے، محض اپنے احسان سے ہمیں اس بات کی توفیق عطا کرے کہ وہ ذمہ داریاں جو اس نے ہم پر عائد کی ہیں اور وہ کام جن کے بغیر وہ ہم سے راضی نہیں ہو سکتا ہم کماحقہٗ انہیں سرانجام دے سکیں کہ اس کے فضل کے بغیر ہم اس کے فضل کو بھی حاصل نہیں کر سکتے۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۱۳؍اپریل ۱۹۶۶ء ۲ تا ۴)

ہم میں سے ہر ایک کو خدا تعالیٰ کی خاطر ہر قسم کی قربانیوں کے لئے ہمیشہ تیار رہنا چاہیے

خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۵ ؍اپریل ۱۹۶۶ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ العنکبوت کی مندرجہ ذیل آیات تلاوت فرمائیں۔

الٓمّٓ ۔ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ یُّتۡرَکُوۡۤا اَنۡ یَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَ ھُمۡ لَا یُفۡتَنُوۡنَ ۔ وَ لَقَدۡ فَتَنَّا الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِھِمۡ فَلَیَعۡلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ صَدَقُوۡا وَ لَیَعۡلَمَنَّ الۡکٰذِبِیۡنَ ۔

(العنکبوت:۲ تا ۴)

پھر فرمایا۔

سورۃ عنکبوت کی ان آیات کا ترجمہ یہ ہے کہ کیا اس زمانہ کے لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ان کا یہ کہہ دینا کہ ہم ایمان لے آئے ہیں کافی ہوگا اور وہ چھوڑ دیئے جائیں گے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا اور فتنہ میں نہ ڈالا جائے گا حالانکہ جو لوگ ان سے پہلے گزر چکے ہیں ان کو ہم نے آزمایا تھا اور اب بھی اللہ تعالیٰ ایسا ہی کرے گا اور وہ ظاہر کر دے گا ان کو جنہوں نے سچ بولا اور اپنی قربانیوں سے اپنی سچائی پر مہر لگائی اور ان کو بھی جنہوں نے جھوٹ بولا جن کی زبان پر ایمان تھا لیکن ان کے دل ایمان سے خالی تھے۔ انہوں نے ایمان کے تقاضوں کو پورا نہ کیا۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب کوئی قوم اللہ تعالیٰ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے

اس کے مامور (رسول اور نبی) پر ایمان لاتی ہے تو اس کا محض زبانی ایمان اللہ تعالیٰ کو مقبول نہیں ہوتا بلکہ اس ایمان کے نتیجہ میں جب تک اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (البقرۃ: ۱۳۲) کا مظاہرہ نہ ہو۔ یعنی اس وقت تک وہ قوم الٰہی انعامات، فضلوں، برکتوں اور رحمتوں کی وارث نہیں بن سکتی۔ جب تک وہ ہر قسم کے فتنوں اور ابتلاؤں اور آزمائشوں میں پوری نہ اترے اور پوری طرح ثابت قدم نہ رہے۔

قرآن کریم کا مطالعہ کرنے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے فتنے اور آزمائشیں تین قسم کی ہیں۔ ان میں سے مومنوں کو گزرنا پڑتا ہے۔ تین قسم کی آگ ہے۔ جس میں اپنے ربّ کی رضا کے لئے انہیں چھلانگ لگانا پڑتی ہے۔ اگر وہ خلوص نیت رکھنے والے ہوں اور ان کا ایمان سچا ہو۔ تو اللہ تعالیٰ ان تینوں قسم کی آگوں کو ان کے لئے بَرْدًا وَّ سَلٰمًا بنا دیتا ہے اور وہ ان آزمائشوں کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے وارث بن جاتے ہیں۔

(۱) پہلا امتحان اور آزمائش (کیونکہ فتنہ کے معنی امتحان اور آزمائش کے ہیں) وہ احکامِ الٰہی یا تعلیمِ الٰہی ہے۔ جو ایک نبی اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر آتا ہے اور جس تعلیم کے نتیجہ میں مومنوں کو کئی قسم کے مجاہدات کرنے پڑتے ہیں۔ اپنے نفسوں کو مارنا پڑتا ہے بعض دفعہ اپنے مالوں کو قربان کرنے سے اور بعض دفعہ اپنی عزتیں اور وجاہتیں اللہ تعالیٰ کے لئے نچھاور کرنے سے۔

قرآن کریم چونکہ آخری شریعت ہے اس لئے اس نے ہمارے لئے کامل ہدایت مہیا کی اور ان کامل مجاہدات کے طریق ہمیں سکھائے جن پر عمل پیرا ہو کر ہم انتہائی عظیم الشان نعمتوں کے وارث بن سکتے ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

وَ نَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَ الْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ وَ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ۔ (الانبیآء: ۳۶) یعنی ہم تمہاری اَلشَّر اور اَلْخَیْر کے ذریعہ آزمائش کریں گے۔ اور آخر ہماری طرف ہی تم کو لوٹا کر لایا جائے گا۔

گویا فرمایا اگر تم اس آزمائش میں پورے اترے جسے ہم اَلْخَیْر کہہ رہے ہیں۔ اس سے تم نے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا اور جسے ہم اَلشَّر کہہ رہے ہیں اس سے تم زیادہ سے زیادہ بچے تو جب تم ہماری طرف لوٹ کر آؤ گے تو اسی کے مطابق ہماری طرف سے تمہیں اچھا بدلہ ملے گا۔

قرآن کریم کے بہت سے بطون ہیں جن کے مطابق ہم اس کی بہت سی تفاسیر کرتے ہیں۔ یہاں اَلْخَيْر کے ایک معنی خود قرآن کریم اور اس کے اوامر ونواہی ہیں جیسا کہ فرمایا۔

وَ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوْا خَيْرًا ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ وَ لَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ۔(النّحل:۳۱)

کہ جب مخالفین اور نہ ماننے والے(ان لوگوں سے جو تقویٰ کی راہوں کو اختیار کرتے ہیں اور اوامر کو بجالاتے اور نواہی سے پرہیز کرتے ہیں) پوچھتے ہیں کہ تمہارے ربّ نے اس قرآن کریم میں کیا اتارا ہے یا تمہارے ربّ نے کیا تعلیم تمہیں دی ہے تو وہ کہتے ہیں خَيْرًا یعنی خیر کو اتارا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ ہدایت جو اَلْخَيْر (کامل خیر) ہے جو لوگ اَلْخَيْر کی راہ اختیار کرتے ہیں (لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ) اس کے احکام کو بجالاتے ہیں اور اس کی نواہی سے بچے رہتے ہیں۔ ان کے لئے اس دنیا میں حَسَنَةٌ (بھلائی) ظاہر ہوگی۔ وَ لَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ۔آخری گھر میں تو کہنا ہی کیا؟؟ اس کی خوبیاں اور اس کے انعامات کی کنہ تو ہمارے تصور میں بھی نہیں آسکتیں۔

پس اس آیت میں قرآنی تعلیم کو خیر کہا گیا ہے اس لئے میں آیۃ وَ نَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً کے یہ معنی کرتا ہوں کہ ’’ہم قرآن کریم کے احکام (اوامر ونواہی) سے تمہاری آزمائش کریں گے۔‘‘ اور اگر ہم غور سے کام لیں تو ہے بھی یہ ایک آزمائش۔ کیونکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو رزق ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے تم ہماری راہ میں خرچ کرو تو یہ ایک بڑی آزمائش ہے۔ غور کیجئے کہ ایک شخص دن رات کی محنت کے بعد کچھ مال حاصل کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اب مجھے اتنا مال مل گیا ہے کہ جس سے میں اور میری بیوی بچے خوشحالی کی زندگی بسر کرسکیں گے تب خدا تعالیٰ کی آواز اس کے کانوں میں پڑتی ہے اور اسے متوجہ کرتی ہے کہ جو مال ہم نے تمہیں عطا کیا ہے اس کے خرچ پر جو پابندیاں ہم نے عائد کی ہوئی ہیں انہیں مت بھولنا پھر وہ اس مال کے متعلق انہیں یہ فرماتا ہے کہ اب میرے دین کو یا میرے بندوں کو تمہارے مال کے ایک حصہ کی ضرورت ہے اسے میری راہ میں خرچ کردو تو یقیناً یہ اس بندے کی آزمائش ہوتی ہے جس میں وہ

ڈالا جاتا ہے۔ پس وہ مومن جو تقویٰ پر قائم ہوتا ہے وہ بشاشت سے خدا تعالیٰ کی اس آواز پر لبیک کہتا ہے اور اپنے مال کو خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر کے وہ اس امتحان میں پورا اُترتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بہت سی نعمتوں میں سے جو ہم نے تمہیں عطا کی ہیں تمہاری زندگی کے لمحات بھی ہیں، عمر بھی ہے، جب ہماری طرف سے اپنی عمر اور وقت کا کچھ حصہ قربانی کرنے کے لئے تمہیں آواز دی جائے تو تمہارا فرض ہے کہ تم اس آزمائش میں بھی پورے اترو تا ہمارے فضلوں کے وارث ٹھہرو۔

اسی طرح عزتیں اور وجاہتیں بھی خدا تعالیٰ کی ہی دی ہوئی ہیں جو ایک مومن کو خدا تعالیٰ کی راہ میں قربان کرنی پڑتی ہیں۔

خدا تعالیٰ کے احکام میں ایک حصہ نواہی کا ہے یعنی بعض باتیں ایسی ہیں جن سے وہ روکتا ہے مثلاً دنیوی رسم و رواج ہیں جن کی وجہ سے بعض لوگ اپنی استطاعت سے زیادہ بچوں کی بیاہ شادی پر خرچ کر دیتے ہیں حالانکہ وہ اسراف ہے جس سے اللہ تعالیٰ منع فرماتا ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم نے رسم و رواج کو پورا کرنے کے لئے خرچ نہ کیا ہمارے رشتہ داروں میں ہماری ناک کٹ جائے گی۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میری خاطر رسم و رواج کو چھوڑ کر اپنی ناک کٹواؤ تب تمہیں میری طرف سے عزت کی ناک عطا کی جائے گی۔

تو اَلْخَیْر جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ مومنوں کو آزماتا ہے۔ وہ قرآن کریم کے احکام ہیں۔ اس کے مقابلہ میں اَلشَّر کا لفظ استعمال فرمایا ہے گویا ہر وہ حکم امر ہو یا نہی جو قرآن کریم کے مخالف اور معارض ہو۔ اسے اَلشَّر کہا گیا ہے کیونکہ شیطان اور اس کے پیروؤں کا یہ کام ہے کہ وہ لوگوں کے کانوں میں قرآن کریم کے خلاف باتیں ڈالتے رہتے ہیں۔ کبھی یہ کہتے ہیں کہ خدا کی راہ میں مال خرچ کرنے کا کیا فائدہ؟ کبھی یہ کہتے ہیں کہ ان مومنوں کی خاطر جو کمزور اور غریب مہاجر ہیں تم اپنے وقتوں اور عزتوں کو کیوں ضائع کرتے ہو۔ دیکھ لیں منافقوں کا وطیرہ اور کفار کا یہی طریق ہے کہ وہ قرآنی احکام کے مقابل معارض باتیں مومنوں کے کانوں میں ڈالتے ہیں اور یہ غلط امید رکھتے ہیں کہ وہ ان کی باتوں پر کان دھریں گے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کے مومن بندوں پر

شیطان کا تسلط نہیں ہوا کرتا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایک طرف احکام قرآنی ہیں جو تمہارے سامنے ہیں اور ایک طرف وساوسِ شیطانی ہیں جو تمہیں ان کی خلاف ورزی پر آمادہ کر رہے ہیں اور ان ہر دو کے ذریعہ سے تمہاری آزمائش کی جارہی ہے۔ اس آزمائش میں پورا اترنے کے لئے ضروری ہے کہ تم یہ یاد رکھو کہ تم ہماری طرف ہی لوٹ کر آنے والے ہو۔

جو شخص آخرت پر حقیقی ایمان رکھتا ہو اور اسے یہ یقینِ کامل حاصل ہو کہ ''اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ'' ایک ایسی حقیقت ہے جس کو جھٹلایا نہیں جا سکتا وہ کسی بھی آزمائش کے وقت کس طرح ٹھوکر کھا سکتا ہے؟ پس ایک قسم کی آزمائش خدا تعالیٰ کے احکام اور شیطانی وساوس کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔

(۲) دوسرا فتنہ یا آزمائش جس سے مومن آزمائے جاتے ہیں وہ قضاء وقدر کی آزمائش ہے کبھی کبھی اللہ تعالیٰ مومنوں کو قضاء وقدر کی آزمائش میں ڈال کر ان کا امتحان لیتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں فرمایا وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَ الْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ (البقرۃ:۱۵۶) کہ ہم اپنی مشیت اور اِذن سے تمہارے ایمان لانے کے بعد تمہارے مالوں میں نقصان کی صورت پیدا کر دیں گے۔

احمدیت میں بھی جو اللہ تعالیٰ کا سچا سلسلہ ہے ہر روز ایسی مثالیں ملتی رہتی ہیں مجھے کئی خطوط آتے رہتے ہیں جن میں لکھا ہوتا ہے کہ ہم احمدی ہوئے تھے مگر بیعت کے بعد ہمیں نقصان ہونا شروع ہو گیا ہے۔ اگر یہ لوگ قرآن کریم کی ذرا بھی سمجھ رکھتے ہوں تو وہ فوراً جان لیں کہ یہ نقصان احمدیت کی صداقت کی دلیل ہے نہ کہ اس کے غلط یا جھوٹا ہونے کی کیونکہ قرآن کریم نے پہلے ہی بوضاحت بتا دیا تھا کہ جب تم ایمان لاؤ گے تو کبھی خدا تعالیٰ تمہارے مالوں میں تنگی پیدا کرے گا اور تمہیں آزمائے گا کہ آیا تم مال کو خدا تعالیٰ پر ترجیح دیتے ہو یا خدا تعالیٰ کی مرضی کو مال پر ترجیح دیتے ہو۔

وَ الْاَنْفُسِ اور کبھی یہ کرے گا کہ اِدھر تم ایمان لائے اُدھر تمہارا بچہ مر گیا یا کوئی دوسرا رشتہ دار فوت ہو گیا۔ اس وقت شیطان آئے گا اور تمہارے دل میں وسوسہ ڈالے گا کہ یہ مذہب جو تم نے

اختیار کیا بڑا منحوس ہے۔ دیکھو ابھی تم ایمان لائے اور تمہارا بچہ فوت ہو گیا یا تمہاری ماں کا انتقال ہو گیا یا تمہارا باپ چلتا بنا وغیرہ وغیرہ لیکن اگر تم قرآن کریم کو جانتے اور سمجھتے ہو گے تو تم اس آیۃ کے ماتحت ایک قسم کی بشاشت محسوس کرو گے کہ کتنا سچا ہے ہمارا خدا اور کتنا مہربان ہے وہ کہ وقت سے پہلے ہی اس نے یہ بتا دیا تھا کہ ہم اس قسم کی آزمائش میں تمہیں ڈالے جائیں گے۔

وَالثَّمَرٰتِ اور کبھی وہ یہ کرے گا کہ دنیا کے حصول کے لئے جو تمہاری کوششیں ہوں گی دنیوی میدان میں اس کا نتیجہ ٹھیک نہیں نکلے گا اور ہم اس کو تمہارے لئے ایک آزمائش بنا دیں گے۔ تو اس قسم کی آزمائشوں کو قضاء وقدر کی آزمائش کہا جاتا ہے یہ دوسری قسم کی آزمائش ہے جس میں سے مومن کو گزرنا پڑتا ہے۔

(۳) تیسرا فتنہ یا آزمائش جس کا ذکر ہمیں قرآن کریم سے ملتا ہے وہ مخالفین کی اِیذارسانی ہے اگر ہم تاریخ انبیاء پر نظر ڈالیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ہر نبی اور مامور کے ماننے والوں کو ان کے مخالفین نے ہر قسم کی ایذائیں پہنچائیں لیکن اس میں سے سب سے زیادہ حصہ اس نبی کے صحابہ کو دیا گیا جو سب انبیاء سے اعلیٰ، ارفع، سب سے زیادہ مقدس اور امام المطہرین تھے یعنی حضرت نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے مکی زندگی میں اور پھر اس کے بعد جہاں جہاں بھی اسلام دنیا میں پھیلتا گیا، اسلام میں داخل ہونے والوں کو تکالیف اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ بھی ایک آزمائش ہے جس میں سے تم میں سے ہر مومن کو گزرنا ہے۔ اگر تمہارے دل میں واقعی میری محبت ہے اور تم واقعی میری رضا کو حاصل کرنا چاہتے ہو تو تمہیں اس آزمائش سے بھی صدق ووفا کے ساتھ گزرنا پڑے گا۔

اس امتحان میں پورا اترنے اور ہمیں اپنے عذاب سے بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک اور تصور بھی ہمارے سامنے پیش فرمایا ہے۔ فرمایا۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّقُوۡلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَاۤ اُوۡذِىَ فِى اللّٰهِ جَعَلَ فِتۡنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ (العنکبوت:۱۱) اور لوگوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے لیکن جب اعلانِ ایمان کے بعد ان پر آزمائش آتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس تیسری قسم کے فتنہ سے ان کا امتحان لینا چاہتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی خاطر اور اس کی وجہ سے

انہیں تکلیف میں ڈالا جاتا ہے۔ کیونکہ لوگ ان کے مخالف ہو جاتے ہیں کبھی وہ انہیں قتل کرنے کے درپے ہوتے ہیں کبھی ان کی بے عزتی کرتے ہیں اور کبھی ان کا بائیکاٹ کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ ہزاروں قسم کے داؤ پیچ ہیں جو مخالف لوگ شیطانی وسوسوں کی وجہ سے اختیار کرتے ہیں۔

تو فرمایا کہ کچھ ایسے لوگ بھی ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کی وجہ سے ان کو تکلیف میں ڈالا جاتا ہے تو وہ لوگوں کے عذاب کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کی طرح سمجھ لیتے ہیں فرمایا کہ اگر تم کمزوری دکھاؤ گے تو تمہیں وہ عذاب بھگتنا پڑے گا جو میں نے تمہارے لئے مقدر کیا ہے اور اگر تم مضبوطی دکھاؤ گے اور اپنے ایمان پر ثابت قدم رہو گے تو تمہیں صرف وہ عذاب جھیلنا پڑے گا جو یہ محدود طاقتوں والے انسان پہنچا سکتے ہیں۔

اب خود اندازہ کر لو کہ ان دو عذابوں میں سے کون سا عذاب زیادہ شدید اور کونسا عذاب زیادہ دیر پا ہے ان دو عذابوں میں سے ایک عذاب تمہیں ضرور ملے گا چاہو تو بندوں کی اِیذا رسانی کو قبول کر کے میرے عذاب سے بچ جاؤ، چاہو تو اس عارضی عذاب سے بچنے کی خاطر میرا وہ عذاب مول لے لو جس کا زمانہ اتنا لمبا ہے کہ تم اس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ محاورہ میں وہ ابدالآباد کا زمانہ بھی کہا جا سکتا ہے اگرچہ وہ ہمیشہ کے لئے نہیں لیکن اس کا زمانہ اتنا لمبا اور اس کی شدت اتنی ہیبت ناک ہے کہ اگر ہم اسے ہمیشہ کا عذاب بھی کہہ دیں تو غلط نہیں ہوگا تو فرماتا ہے کہ جب لوگ تمہیں میری وجہ سے تکلیف پہنچانے لگیں، دکھ دینے لگیں اور تمہارے لئے عذاب کے سامان مہیا کر دیں تو تمہیں میرے عذاب کا تصور بھی کر لینا چاہیے۔ اس تصور سے تم لوگوں کے عذاب پر صبر کرنے کے قابل ہو جاؤ گے اور تمہارے لئے یہ فیصلہ کرنا آسان ہو جائے گا کہ آیا لوگوں کے عذاب کو تم قبول کرو گے یا میرے عذاب کو جو ایک بڑا لمبا اور شدید عذاب ہے۔

سو کوئی عقلمند انسان جو خدا پر ایمان اور یقین رکھتا ہو کبھی یہ نہیں کہہ سکتا اور نہ یہ پسند کر سکتا ہے کہ لوگوں کے عذاب سے بچ جائے اور خدا کے عذاب میں مبتلا ہو۔ ہاں بعض بدقسمت لوگ ایسے ہوتے ہیں جو لوگوں کے عذاب کو دیکھ کر ٹھوکر کھا جاتے اور ارتداد کی راہ اختیار کرتے ہیں۔

پس ایک تیسری قسم کا فتنہ جو ایمان کے اعلان کے بعد مومن کے سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ

منکر اور مخالف لوگ اپنا پورا زور لگاتے ہیں کہ وہ مومنوں کو دکھ اور تکلیف پہنچائیں اور اس وقت ظاہر ہوتا ہے کہ کون اپنے ایمان میں صادق ہے اور کون کاذب ہے۔

فرمایا کہ یاد رکھنا کہ لوگوں کا عذاب تو عارضی ہے وقتی ہے بڑا ہلکا ہے اس کے مقابل پر میرا عذاب بڑا لمبا اور بڑا شدید ہے جو ایک لمحہ کے لئے بھی تمہارے سامنے آجائے تو تم دس ہزار سال تک لوگوں کے عذاب کو قبول کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ الغرض یہ تین قسم کے فتنے یا آزمائشیں یا امتحان ہیں جن میں سے خدا تعالیٰ کے مومن اور متقی بندوں کو گزرنا پڑتا ہے۔ ہم بھی اللہ تعالیٰ کے ایک مامور پر ایمان لائے ہیں اور ہم نے خدا کی آواز پر لبیک کہا ہے اور ہمارے دلوں میں بھی یہ جذبہ اور تڑپ ہے کہ ہم اس ایمان کے جو تقاضے ہیں وہ پورا کرنے والے ہوں اور اس مقصد کو حاصل کرنے والے ہوں جس مقصد کے لئے سلسلہ عالیہ احمدیہ کو قائم کیا گیا ہے یعنی دین اسلام کو تمام ادیان پر غالب کر دینا اور قرآن کریم کی تعلیم کو تمام بنی نوع انسان تک پہنچا کر انہیں قائل کرنا کہ فلاح حقیقی حاصل کرنے کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے جو قرآن کریم کی تعلیم پر عمل پیرا ہونا ہے تو ہمارے لئے بھی ان تینوں فتنوں اور آزمائشوں کا سامنا کرنا ضروری ہے۔ پہلی آزمائش اور امتحان کہ قرآنی احکام پر عمل پیرا ہوں۔ نماز باجماعت ہی کو لے لو۔ ہر دو ایک گھنٹہ کے بعد اپنے کام، اپنے آرام یا مجلس کو چھوڑ کر خدا تعالیٰ کے گھر آنا۔

پھر راتوں کو اُٹھ کر خدا تعالیٰ کو یاد کرنے والے جو ہیں وہ اپنے جسم کی آسائش کو خدا تعالیٰ کے لئے چھوڑتے ہیں۔

اس کے علاوہ مال ہیں ان کے کمانے پر بھی پابندیاں اور ان کے خرچ پر بھی پابندیاں ہیں جہاں مالِ حرام کے ہر طریق سے خدا نے روکا وہاں مالِ حلال کے ہر قسم کے خرچ پر پابندیاں لگا دیں جس کے نتیجہ میں اس کے فضل اور برکتیں حاصل ہو جاتی ہیں اگر سوچا جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے۔ دیکھو بیوی سے محبت کرنا تو بظاہر ایک دنیوی چیز ہے لیکن ہمیں ثواب پہنچانے کی خاطر اسلام یہ کہتا ہے کہ اگر تم اس نیت کے ساتھ کہ خدا تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ اپنے گھروں کے ماحول کو خوشگوار بناؤ اپنی بیوی اور بچوں سے پیار کرو اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ بھی ڈالو گے تو

خدا تعالیٰ تمہیں اس کا بھی اجر دے گا تو خرچ کے متعلق بھی ہدایات دے دیں تا کہ ہمارا ہر خرچ جو بظاہر دنیا سے تعلق رکھتا ہے وہ بھی دین کا حصہ بن جائے اور اس کے نتیجہ میں ہمیں ثواب حاصل ہو۔

یہ تو اس کے فضل اور اس کے احسان ہیں ہم نے تو اس کے شکر گزار بندے بننا ہے اور خدا تعالیٰ کا شکر بجالانے کا بہترین بلکہ ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ یہ کہ ہم اس کے احکام پر کار بند ہوں۔

تو ہم جو جماعت احمدیہ سے تعلق رکھتے ہیں اور مسیح موعود علیہ السلام پر ایمان لائے ہیں۔ ہماری پہلی آزمائش یا پہلا امتحان یہ ہے کہ ہم قرآن کریم کا علم حاصل کریں اور اس نیت کے ساتھ حاصل کریں کہ ہر وہ حکم جو قرآن مجید میں پایا جاتا ہے۔ ہم اس کو بجالائیں گے اور ہر اس چیز سے بچیں گے جس سے بچنے کی ہمیں تلقین کی گئی ہے۔

پھر قضاء وقدر کی آزمائش میں بھی ہمیں نہایت اچھا اور نیک نمونہ دنیا کے سامنے پیش کرنا ہے۔ اس وقت مسلمان کہلانے والوں میں سے ایسے خاندان بھی آپ کو نظر آئیں گے جو گھر میں فوت وموت ہونے کے وقت یا تو خدا تعالیٰ کو گالیاں دینے لگ جاتے ہیں یا پھر اس کا شکوہ شروع کرنے لگتے ہیں۔ وہ اس بشارت کے مستحق نہیں بن سکتے جس کا ذکر خدا تعالیٰ نے ان الفاظ میں فرمایا ہے۔

وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ - الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ -
(البقرۃ:۱۵۶، ۱۵۷)

جس کی چیز تھی اس نے لے لی شکوہ کی گنجائش ہی کہاں ہے لیکن انسان بعض دفعہ بڑی حماقت کی باتیں کرتا ہے اور اپنے ربّ کا بھی شکوہ شروع کر دیتا ہے۔ تو قضاء وقدر کی آزمائش اور امتحان جو ہمارے لئے مقدر ہیں ان میں بھی ہم نے ایسا نمونہ دکھانا ہے کہ خدا تعالیٰ کی بشارتیں ہمیں ملیں اس کا غضب یا ناراضگی ہم پر نہ اترے۔ پھر تیسری قسم کی آزمائش یا لوگوں کا فتنہ ہے۔ چونکہ سلسلہ عالیہ احمدیہ نے خدا تعالیٰ کے جمالی جلوؤں کے ذریعہ اسلام کو دنیا پر غالب کرنا ہے بالفاظ دیگر اللہ تعالیٰ اس زمانہ میں غلبۂ اسلام کے لئے جو جلوے ظاہر کرتا رہا ہے یا کر رہا ہے یا آئندہ کرتا رہے گا اس میں اس کے جمالی جلوؤں کی کثرت اور جلالی جلوؤں کی قلت ہے۔ اس

نسبت کی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سلسلہ عالیہ احمدیہ کی ترقی اور اسلام کے غلبہ کو جمالی جلوؤں کے ساتھ وابستہ کیا ہوا ہے۔ اور جہاں یہ کیفیت ہو وہاں بڑی لمبی قربانیاں کرنی پڑتی ہیں اور آنے والی نسلوں کا بڑے لمبے عرصہ تک خیال رکھنا پڑتا ہے تا کہ وہ صداقت پر قائم رہیں اور اِدھر اُدھر بھٹکیں نہیں۔ اسی طرح جو اِیذا رسانی دشمن کی طرف سے اس وقت ہوتی ہے وہ اس سے کچھ مختلف ہوتی ہے جو خدائے تعالیٰ کے جلالی جلوؤں کے زمانہ میں ہوتی ہے کیونکہ جس وقت اللہ تعالیٰ کا منشا یہ ہو کہ اپنے جلالی اور قہری نشانوں سے دشمن کو مغلوب کرے تو اس وقت وہ دشمن اور مخالف کو بھی چھوڑ دیتا ہے کہ وہ تلوار لے اور اپنے زور بازو سے دین الٰہی کو مٹانے کی کوشش کرے تب وہ دشمن یہ خیال کرتا ہے کہ خدا نے مجھے طاقت اور غلبہ اور وجاہت اور عزت کے ساتھ ساتھ تلواریں اور نیزے اور تیر اس کثرت سے دیئے ہیں کہ ان مٹھی بھر آدمیوں کو میں بڑی آسانی سے مٹا سکتا ہوں اور جب وہ ان کو مٹانے کی کوشش شروع کرتا ہے تو اس وقت خدا تعالیٰ کا قہری نشان ظاہر ہوتا ہے اور ایک لحظہ میں اسے ملیا میٹ کر کے رکھ دیتا ہے۔

لیکن جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے جمال کو ظاہر کرنا ہو اور اپنے جمالی جلوؤں سے دین کو مضبوط اور غالب کرنا ہو وہاں وہ عام طور پر دشمن کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ تلوار اٹھائے بلکہ عام طور پر دوسری قسم کی مخالفت اور اِیذا رسانی ہوتی ہے۔ مثلاً گالیاں دینا، بعض دفعہ منہ پر تھوکنا، تھپڑ لگا دینا وغیرہ بہرحال وہ ان بچوں والی حرکتوں سے اپنا غصہ نکال لیتے ہیں اور بڑے لمبے عرصہ تک مومن کو ان کا یہ غصہ سہنا پڑتا ہے۔ آخر مومن خدا تعالیٰ کے فضلوں اور برکتوں کے وارث ہو جاتے ہیں۔ ایسے زمانہ کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں مخالفین کو مختلف اطراف سے کھرچ کھرچ کر کمزور کرتا چلا جاؤں گا اور مومنوں کو مضبوط کرتا چلا جاؤں گا اور یہ تکلیفیں اور اِیذا رسانیاں دور ہو جائیں گی۔

کسی گاؤں میں کوئی شخص احمدی ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت دیتا ہے تو سارا گاؤں اس کے پیچھے پڑ جاتا ہے۔ ماں باپ تک کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے گھر میں نہ آنا۔ جب وہ یہ اِیذا رسانی بشاشت سے قبول کرتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ وہ حالات بھی بدل دیتا ہے۔

مجھے یاد آیا کہ ایک گاؤں میں ایک نابینا حافظ پر اللہ تعالیٰ نے فضل کیا اور اس نے احمدیت کو قبول کر لیا۔ اس پر اس کے باپ نے اسے کہا کہ اس گاؤں سے نکل جاؤ۔ اس نے کہا، ٹھیک ہے چنانچہ وہ چلا گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے کسی اور جگہ سامان پیدا کر دیا۔ خدا تعالیٰ نے جب دیکھا کہ اس کا یہ بندہ آزمائش میں پورا اترا ہے اور اس نے تمام دکھ بشاشت کے ساتھ برداشت کئے ہیں اور اپنے ماں باپ کی، رشتہ داروں کی بلکہ تمام گاؤں کی جدائی کو اس نے قبول کر لیا لیکن سچائی سے منہ نہ موڑا تو اس نے خود ہی اپنے جمالی جلوؤں کے ساتھ حالات کو بدل دیا۔ اس کے باپ نے اس کو لکھا کہ تم میرے بیٹے ہو واپس آ جاؤ اس پر وہ گاؤں میں آ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بڑا اخلاص دیا ہے۔ وہاں آ کر اس نے جلسہ کروانے کا ارادہ کیا اور ایک قریبی گاؤں کے احمدیوں کو کہا کہ میں یہاں جلسہ کروانا چاہتا ہوں۔ انہوں نے کہا تم پہلے بھی تکلیف برداشت کر چکے ہو۔ اب اور برداشت کرو گے اس نے کہا کوئی نہیں مجھے ایسی تکلیف برداشت کرنی چاہیے میں چاہتا ہوں کہ یہاں جلسہ ہو اور لوگوں کو خدا تعالیٰ کی سچی باتیں سنائی جائیں۔ چنانچہ وہاں جلسہ ہوا۔ ساتھ کے گاؤں میں احمدیوں کی بڑی بھاری تعداد ہے وہاں سے بہت سے لوگ بھی پہنچ گئے کچھ علماء بھی وہاں پہنچ گئے۔ تقاریر ہوئیں ایک چرچا ہو گیا لوگوں نے باتیں سنیں تو کہا کہ قابل غور ہیں۔ غور کرنا چاہیے خواہ مخواہ آنکھیں بند کر کے اور کانوں میں انگلیاں ڈال کر انکار نہیں کرنا چاہیے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب وہاں مذہبی تبادلۂ خیال شروع ہو گیا ہے اور میں امید رکھتا ہوں کہ ان میں سے بہتوں کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے گا۔

سو دیکھئے کہ وہاں ایک آدمی احمدی ہوا کچھ عرصہ تک اللہ تعالیٰ نے اس کی آزمائش کی پھر اس نے دیکھا کہ وہ امتحان میں پورا اترا ہے۔ اس پر اس نے اس پر انعام کیا کہ وہ گاؤں میں پھر واپس آ گیا اور اس نے تبلیغ شروع کر دی۔ نسبتاً آرام سے رہنے لگا۔ تکلیف تو ہر ایک کو پہنچتی ہے ہمیں گھر بیٹھے بھی پہنچتی رہتی ہے دوسرے تیسرے دن نہایت گندی گالیوں پر مشتمل خطوط آ جاتے ہیں خط لکھنے والا اپنی جگہ بڑا خوش ہوتا ہو گا کہ میں نے بڑی گندی گالیاں دی ہیں اور ہم اپنی جگہ خوش ہوتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ہمیں اس قسم کی قربانیوں کے پیش کرنے کی بھی توفیق عطا کر دی

ورنہ مرکز میں رہتے ہوئے اور پھر اپنے مقام کے لحاظ سے مرکزی نقطہ ہوتے ہوئے بھی مشکل سے ایسے تیر ہم تک پہنچ سکتے ہیں۔لیکن الٰہی اِذن سے پہنچ ہی جاتے ہیں اور پھر ہماری خوشی کا باعث ہوتے ہیں۔اس قسم کی تکالیف ہمارے ساتھ لگی ہوئی ہیں اور جب تک ہمارے عروج کا زمانہ نہیں آجاتا وہ لگی ہی رہیں گی۔سو ان آزمائشوں میں ہم نے ضرور گزرنا ہے قضاء وقدر کی آزمائش میں سے بھی اور لوگوں کی اِیذا رسانیوں میں سے بھی۔

بہت سے لوگ اس وقت ہدایت کو سمجھ چکے ہیں لیکن وہ صرف اس ڈر سے ایمان نہیں لاتے کہ لوگ ہمیں دکھ دیں گے اللہ تعالیٰ ان سے کہتا ہے کہ سوچ لو کہ لوگوں کے عذاب میں پڑنا چاہتے ہو یا کہ میرے عذاب میں۔خدا تعالیٰ ان کو سمجھ دے تا وہ سمجھیں کہ انسان کے لئے یہی بہتر ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ رہے کیونکہ اس کا عذاب اتنا شدید ہوگا کہ انسان ایک لمحہ کے لئے بھی اس کی تاب نہیں لاسکتا۔

خلاصہ یہ کہ ہم نے خدا تعالیٰ کے ایک مامور اور مسیح اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فرزندِ جلیل کو قبول کیا ہے آپ کی سچائی پر ایمان لائے ہیں۔ہمیں اپنی زندگی کا ہر لحظہ اور ہر دم اس تیاری میں گزارنا چاہیے کہ

اوّل ہم نے خدا تعالیٰ کے احکام کو بجالانا ہے جن باتوں سے اس نے ہمیں روکا ان سے بچے رہنا ہے۔راتوں کو اٹھنا اور پانچ وقت مسجد میں پہنچنا وغیرہ وغیرہ سینکڑوں احکام کی بجا آوری میں مجاہدات کرنے ہیں۔ان مجاہدات کو خود انسان اپنے پر ڈالتا ہے اور جب وہ اس آزمائش کو خوشی سے، بشاشت سے اور رضا کارانہ طور پر اپنے اوپر گویا نازل کر لیتا ہے تب اس کو ثواب ملتا ہے اگر کسی شخص کو کان پکڑ کر مسجد میں لایا جائے اور وہ لانے والے کو گالیاں دے رہا ہو تو اس کو مسجد میں آنے کا کیا ثواب ملے گا۔

دوسرے دو امتحان اور آزمائشیں انسان کے اپنے اختیار میں نہیں۔ایک تو خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے اور ایک قسم کا امتحان اللہ تعالیٰ کے اِذن سے مخالفوں کی طرف سے آتا ہے تو ان تینوں ابتلاؤں میں پورا اترنا ہر احمدی کا فرض ہے اور ہم میں سے ہر ایک کو ہر قسم کی قربانیوں

کے لئے تیار رہنا چاہیے تاکہ ان وعدوں کے پورا ہونے میں دیر نہ ہو جو عظیم ترقی اعلیٰ کامیابی اور کامل غلبۂ اسلام کے متعلق اس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کئے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر امتحان میں ثابت قدم رکھے اور کامیاب فرمائے۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۰ /اپریل ۱۹۶۶ء صفحہ ۲ تا ۵)

لازمی چندہ جات کے بجٹ میں تمام احمدیوں کو شامل کیا جائے

خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۲؍ اپریل ۱۹۶۶ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

پچھلے دنوں خاکسار کی طبیعت خراب رہی گو اب اللہ تعالیٰ کے فضل سے کافی افاقہ ہے لیکن کمزوری اور سر درد ابھی باقی ہے باوجود دوائی کھانے کے آج بھی سر میں کافی درد محسوس کرتا ہوں لیکن جمعہ ایک ایسا موقع اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے جس سے فائدہ اٹھانا ضروری ہے تا کہ جماعت کو اس کی ذمہ داریوں کی طرف متوجہ کیا جاسکے اس لئے میں بعض باتیں مختصراً دوستوں کے سامنے رکھتا ہوں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ گزشتہ سَو ڈیڑھ سَو سال سے عیسائیت اپنے سارے دجل، سارے فریب، اپنے سب اموال اور اپنی ساری قوتوں اور طاقتوں کے ساتھ اسلام پر حملہ آور رہی ہے اور اب بھی ہر قسم کے حملے کر رہی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فرزندِ جلیل اور اسلام کے ایک طاقتور پہلوان کی شکل میں مبعوث نہ فرماتا، تو عیسائیت اسلام کے خلاف شاید میدان مار چکی ہوتی اور شاید ان بدقسمت مسلمانوں کی خواہش پوری ہوجاتی۔

جنہوں نے قرآن کریم کی تعلیم سے منہ موڑ کر عیسائیت کی آغوش میں دنیا کی آسائشیں اور دنیا کے آرام ڈھونڈے تھے جیسے کہ مولوی عمادالدین جو مسجد (آگرہ) کے امام اور خطیب تھے مسلمانوں سے نکل کر عیسائیوں میں شامل ہو گئے تھے اور ان کا یہ خیال تھا کہ عنقریب ہی وہ وقت آنے والا ہے کہ اگر ہندوستان میں کسی کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوگی کہ وہ کسی مسلمان کو دیکھے تو اس کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکے گی اور ہندوستان میں اسے کوئی مسلمان بھی نظر نہیں آئے گا سب مسلمان عیسائی ہو جائیں گے۔

اس زبردست حملہ اور ان خواہشات کو دیکھ کر جو عیسائی مناد کے دل میں گدگدی لے رہی تھیں۔ اپنے دین کی حفاظت کے لئے اور اپنی توحید کی خاطر غیرت دکھاتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا اور عیسائیت کے خلاف آپ کو اس قدر زبردست دلائل براہین اور نشانات اور معجزات عطا کئے کہ ان کے ذریعہ عیسائیت کا حملہ ہر میدان میں آہستہ آہستہ رکنا شروع ہوا اور جہاں جہاں بھی احمدی پہنچے وہاں نہ صرف یہ کہ عیسائیت کا حملہ رک گیا بلکہ عیسائیت کے خلاف جوابی روحانی حملے شروع ہو گئے کہ عیسائیوں کو مجبوراً آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنا پڑا اور اب تک پیچھے ہٹتے جا رہے ہیں۔

اس روحانی مہم کو تمام اکنافِ عالم میں چلانے کے لئے اللہ تعالیٰ کے منشا اور اس کے اِلقا سے حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نومبر ۱۹۳۴ء سے تحریکِ جدید کا اجرا کیا تھا۔ دوست جانتے ہیں کہ اس تحریک کے ذریعہ دنیا کے بہت سے ممالک میں عیسائیت کا زبردست، خوشکن اور کامیاب مقابلہ کیا جا رہا ہے۔ پس حضور نے نومبر ۱۹۳۴ء میں یہ تحریک جاری فرما کر مالی قربانیوں کا جماعت سے مطالبہ فرمایا۔ پہلا مطالبہ ۲۷ ہزار روپے کا تھا لیکن اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والی اس جماعت نے وقت کی ضروریات کو سمجھتے ہوئے قریباً ۹۸ ہزار روپیہ حضور کی خدمت میں پیش کر دیا۔

اس کے بعد حضور نے دفتر دوم کا اجراء فرمایا اس سے پہلے جن لوگوں نے اس تحریک میں حصہ لیا تھا ان کو دفتر اوّل قرار دیا۔ جو اب تک جاری ہے دفتر اوّل میں حصہ لینے والوں کی تعداد

قریباً پانچ ہزار تھی جو اَب کم ہوتے ہوتے ۲۴ سو تک رہ گئی ہے۔ کیونکہ جو پچاس، ساٹھ اور ستر سالہ احمدی اس وقت دفتر اوّل میں شامل ہوئے تھے۔ ان میں سے بہت سے اپنے مولیٰ کو پیارے ہو گئے۔ اس طرح ان کی تعداد گھٹتی رہی۔ یہ ایک ایسی بات ہے جو واضح تھی اور یہ بھی واضح تھا کہ غلبہ اسلام کی جو مہم تحریکِ جدید کے ذریعہ جاری کی گئی ہے وہ وقتی نہیں بلکہ قیامت تک جاری رہنے والی ہے اس لئے حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دفتر دوم کی بنیاد رکھی۔

جب ۱۹۴۴ء میں دفتر دوم جاری کیا گیا تو پہلے سال اس کی آمد صرف ۲۴۷، ۵۲ روپے تھی اور بیس سال بعد یعنی ۱۹۶۳ء میں اس کی ۰۰۰، ۹۰، ۲ روپے (دو لاکھ نوے ہزار روپے) تک پہنچ گئی۔ کیونکہ شروع میں بہت سے ایسے نوجوان اس میں شامل ہوئے جنہیں صرف جیب خرچ مل رہا تھا اور معمولی چندہ ادا کر کے ثواب حاصل کرنے کی خاطر وہ اس میں شامل ہوئے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر فضل فرمایا وہ تعلیم سے فارغ ہو کر کام پر لگ گئے اور اپنی دنیوی ذمہ داریوں کو نبھانے کے ساتھ ساتھ انہوں نے ایک احمدی کی ذمہ داریوں کو بھی نبھانا شروع کیا۔ اس طرح ترقی کرتے کرتے ۶۳ء میں ان کا چندہ باون ہزار سے دو لاکھ نوے ہزار تک پہنچ گیا۔

جیسا کہ میں بتا چکا ہوں دفتر اوّل میں شریک ہونے والوں کی تعداد پانچ ہزار تھی اور دفتر دوم میں شامل ہونے والوں کی تعداد قریباً بیس ہزار تک پہنچ چکی ہے۔

بہرحال دفتر اوّل کے مقابلہ میں یہ بہت بڑی تعداد ہے۔ اگر دس سال کے بعد ایک اور دفتر کھولا جاتا تو ۱۹۵۴ء میں دفتر سوم کا اجراء ہونا چاہیے تھا لیکن اللہ تعالیٰ کی کسی خاص مشیت یا ارادہ کی وجہ سے حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے ۱۹۵۴ء میں دفتر سوم کا اجراء نہیں فرمایا۔ ۱۹۶۴ء میں دفتر دوم کے بیس سال پورے ہو جاتے ہیں اس وقت حضرت مصلح موعودؓ بیمار تھے اور غالباً بیماری کی وجہ سے ہی حضور کو اس طرف توجہ نہیں ہوئی کیونکہ امام کی بیماری کے ساتھ ایک حد تک نظام بھی بیمار ہو جاتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ تحریکِ جدید کی طرف سے بھی حضور کی خدمت میں اس کے متعلق لکھا نہیں گیا۔ میں چاہتا ہوں کہ اب دفتر سوم کا اجراء کر دیا جائے لیکن اس کا اجراء یکم نومبر ۶۵ء سے شمار کیا جائے گا۔ کیونکہ تحریکِ جدید کا سال یکم نومبر سے شروع ہوتا ہے

اس طرح یکم نومبر ۶۵ ء سے ۳۱؍اکتوبر ۶۶ ء تک ایک سال بنے گا میں اس لئے ایسا کر رہا ہوں تا کہ دفتر سوم بھی حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی خلافت کی طرف منسوب ہو اور چونکہ اللہ تعالیٰ مجھے اس کے اعلان کی توفیق دے رہا ہے اس لئے میں اپنے ربّ سے امید رکھتا ہوں کہ وہ مجھے بھی اپنے فضل سے ثواب عطا کرے گا اور اپنی رضا کی راہیں مجھ پر کھولے گا۔ پس میں چاہتا ہوں کہ دفتر سوم کا اجراء یکم نومبر ۱۹۶۵ء سے ہو۔

دورانِ سال نومبر کے بعد جو نئے لوگ تحریکِ جدید کے دفتر دوم میں شامل ہوئے ہیں ان سب کو دفتر سوم میں منتقل کر دینا چاہیے اور تمام جماعتوں کو ایک با قاعدہ مہم کے ذریعہ نوجوانوں، نئے احمدیوں اور نئے کمانے والوں کو دفتر سوم میں شمولیت کے لئے تیار کرنا چاہیے۔ دوست جانتے ہیں کہ یہاں ہر سال خدا تعالیٰ کے فضل سے جماعت بڑھتی ہے اور نئے احمدی ہوتے ہیں وہاں ہزاروں احمدی بھی ایسے ہوتے ہیں جو نئے نئے کمانا شروع کرتے ہیں یہ ہماری نئی پود ہے اور ان کی تعداد کافی ہے کیونکہ بچے جوان ہوتے ہیں، تعلیم پاتے ہیں اور پھر کمانا شروع کرتے ہیں اور باہر سے بھی ہزاروں کمانے والے احمدیت میں شامل ہو رہے ہیں۔ اس طرح ہمیں کافی تعداد میں ایسے احمدی مل سکتے ہیں جو دفتر سوم میں شامل ہوں۔ ہمارا یہ کام ہے کہ ہم ان کو اس طرف متوجہ کریں تا کہ وہ عملاً دفتر سوم میں شامل ہو جائیں۔

سو یکم نومبر ۱۹۶۵ء سے دفتر سوم کا اجراء کیا جاتا ہے۔ تحریکِ جدید کو چاہیے کہ وہ فوراً اس طرف توجہ دے اور اس کو منظم کرنے کی کوشش کرے۔

دوسری بات میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ چند دن کے بعد یعنی یکم مئی سے ہمارا نیا مالی سال شروع ہو رہا ہے اس کے متعلق جماعتوں کو یاد رکھنا چاہیے۔ کہ تساہل اور خوف سے کام نہ لیں۔ ان ہر دو وجوہ کی بِنا پر ہمارا بجٹ صحیح تشخیص نہیں ہوتا بعض جماعتیں تساہل سے کام لیتی ہیں اس طرح جو نام بجٹ میں آنے چاہئیں وہ نہیں آتے اور بعض جماعتیں اس خوف سے کہ اگر کمزوروں کو بجٹ میں شامل کیا گیا تو ہمارا چندہ اتنے فیصدی وصول نہیں ہوگا جتنے فیصدی چندہ پر گرانٹ ملتی ہے۔ صحیح حالات مرکز کے سامنے نہیں رکھتیں اور اس خوف کی وجہ سے صحیح بجٹ نہیں بناتیں۔

میں تمام جماعتوں کو یقین دلاتا ہوں کہ کمزوروں کی کمزوری کے نتیجہ میں آپ کی گرانٹ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا بشرطیکہ آپ کی غفلت کی وجہ سے پہلے مضبوط لوگ کمزور نہ ہو جائیں آپ اس خیال سے کہ اگر بجٹ صحیح بنا اور آمد پوری نہ ہوئی تو ہماری گرانٹ پر اثر پڑے گا جو خطرناک غلطی کر رہے ہیں آئندہ ہرگز نہ کریں۔ پس بجٹ پورا بنائیں اور حتی الوسع اسے پورا کرنے کی کوشش بھی کریں اگر آپ کا چندہ ان دوستوں کو مدِّنظر رکھتے ہوئے جنہوں نے سالِ گزشتہ میں چندے ادا کئے تھے اس سال بھی پورا ہو جائے گا تو کل چندہ کی فیصدی اگر پوری نہ بھی ہو تو بھی آپ کو گرانٹ مل جائے گی اس لئے بغیر کسی خوف وخطر کے آپ صحیح بجٹ بنائیں۔

دراصل اس وجہ سے کہ صحیح بجٹ نہیں بنتا ہمارے نئے احمدیوں کی تربیت میں نقص واقع ہو جاتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں اسلام کی طرف منسوب ہونے والوں کو یہ توفیق بھی حاصل نہ تھی کہ وہ خدا تعالیٰ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر دو آنے بھی خرچ کریں۔ آپؑ کے ذریعہ ایک حرکت شروع ہوئی اور محبت الٰہی اور محبت رسولؐ جو بظاہر مٹ چکی تھی یا غفلت کے پردوں کے نیچے دبی ہوئی تھی اُبھرنا شروع ہوئی۔ پہلا جلوہ اس روحانی زندگی کا یا روحانی حرکت کا جو ان وجودوں میں نظر آیا وہ یہی ہے کہ کسی نے ایک چونی چندہ دے دیا کسی نے اٹھنی چندہ دے دیا کسی نے روپیہ اور کسی نے دو روپے اور اس وقت کے حالات کے زیرنظر دلوں کی یہ اتنی بڑی تبدیلی تھی کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان لوگوں کے نام اپنی کتب میں درج کر کے ان کے نام کو ہمیشہ کے لئے زندہ کر دیا۔

چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی قوتِ قدسیہ کے نتیجہ میں ایک فعال اور زندہ جماعت پیدا ہو چکی ہے اس لئے جو لوگ نئے نئے آ کر اس میں شامل ہوتے ہیں ان پر پرانے مخلصین کو بعض دفعہ غصہ آتا ہے کہ یہ لوگ چندہ کم کیوں دیتے ہیں۔ حالانکہ وہ یہ نہیں دیکھتے کہ ان کی اپنی حالت یا ان کے باپ اور دادا کی حالت یہ تھی کہ چونی خرچ کر کے قیامت تک کی زندگی حاصل کر لی۔ ٹھیک ہے کہ ہم آپ علیہ السلام کے فیض اور آپ کے خلفاء کی روحانی برکات کے نتیجہ میں زیادہ چست ہو گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہمیں قربانیوں کے لئے زیادہ ہمت دیتا چلا جاتا ہے لیکن

ہماری ابتداء تو دونی اور چونی سے ہوئی تھی نا؟؟

اسی طرح جو نئے آنے والے ہیں انہیں بھی تو تربیت حاصل کرنے کے لئے کچھ وقت دینا چاہیے اور ان کے متعلق غصہ کے اظہار کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ وہ ایسے ماحول سے نکل کر آئے ہیں جس میں خدا کے نام پر ایک دھیلا دینا بھی موت سمجھا جاتا تھا اور ایسے نئے ماحول میں داخل ہوئے ہیں جس میں دنیا کی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی اور خدا اور رسولؐ کے نام پر سب کچھ قربان کیا جاتا ہے۔ اس لئے ان کو تربیت پاتے ہوئے کچھ وقت لگے گا۔ آپ ان کا نام بجٹ میں شامل نہ کر کے انہیں تربیت سے محروم کرتے ہیں اگر بجٹ میں ان کا نام آ جائے تو ہمیں علم ہے کہ یہ نئے دوست ہیں۔ اگر وہ اب چونی بھی دے دیں تو ٹھیک ہے۔ لیکن وہ آئندہ سال بغیر کسی کوشش اور زیادہ دباؤ کے اپنے اندر ایک نیا احساس پائیں گے کیونکہ وہ سال بھر دیکھیں گے کہ مسجد میں جو شخص ان کے دائیں کھڑا ہوتا ہے وہ موصی ہے اور اپنی آمد کا دس فیصدی ادا کرتا ہے۔ تحریکِ جدید اور وقفِ جدید اور دوسری تحریکوں میں بھی حصہ لیتا ہے اور بائیں بھی ایسے ہی لوگ کھڑے ہیں۔ آخر خود بخود ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوگا کہ ہم ان لوگوں سے کیوں پیچھے رہیں؟؟ اس طرح اللہ تعالیٰ ان پر فضل فرمائے گا اور خود بخود ان کے دل میں قربانی کے لئے جوش پیدا ہوتا جائے گا۔

پس جب آپ ایسے لوگوں کو بجٹ میں شامل ہی نہیں کرتے تو وہ تربیت سے محروم رہ جاتے ہیں کیونکہ آپ انہیں چندہ کی تحریک ہی نہیں کرتے۔

اگرچہ اور بھی بہت سی تربیتی سکیمیں ہیں جن کی وجہ سے ہم ایک دوسرے سے ملتے جلتے رہتے ہیں لیکن چندہ بھی ایک اہم سکیم ہے کیونکہ ہر ماہ محصل چندہ کی وصولی کے لئے لوگوں کے پاس جاتا ہے اور تحریک کرتا ہے کہ چندہ دو۔ جب کسی کا نام بجٹ میں شامل ہی نہ کیا جائے گا تو اسے تحریک کیسے کی جائے گی؟؟؟

اسی طرح اس نے تو آپ کے ماحول میں جو اس کے لئے اجنبی تھا خدا تعالیٰ کی رضا کی خاطر چھلانگ لگا دی لیکن اگر آپ نے اس کی طرف توجہ نہ کی تو یقیناً وہ تربیت حاصل نہ کر سکے گا اور آخر پیچھے ہٹ جائے گا تو یہ بڑا ظلم ہوگا ایسے انسان پر!!!

پھر میں سمجھتا ہوں کہ ریسرچ کے لئے بھی یہ ایک بڑا دلچسپ مضمون ہوگا کہ مثلاً زید ۱۹۶۶ء میں احمدی ہوتا ہے اسے قاعدہ کے لحاظ سے پچاس روپے چندہ دینا چاہیے لیکن وہ کہتا ہے کہ میں صرف ایک روپیہ دوں گا ہم اسے کہتے ہیں ٹھیک ہے تم ایک روپیہ ہی دو کیونکہ اس کی تربیت نہیں ہوئی ہوتی لیکن وہ ہمارے ماحول میں رہتے ہوئے اس ایک روپیہ پر قائم نہیں رہ سکتا۔ دوسرے سال وہ ایک روپیہ سے بڑھا کر پانچ، دس پندرہ اور بیس روپیہ کر دے گا اور آخر پچاس روپے کی بجائے وہ ساٹھ روپے ادا کرنے لگے گا اور دو تین سال تک جب اس کی تربیت پختہ ہو جائے گی تو وہ کسی صورت میں آپ سے پیچھے رہنے کے لئے تیار نہیں ہوگا۔ بلکہ اس کی غیرت یہ تقاضا کرے گی کہ وہ دوسرے ساتھیوں سے آگے بڑھ جائے۔ کیونکہ اسے احساس ہوگا کہ میرے ساتھی تو گزشتہ بیس سال سے قربانیاں کر رہے ہیں اور میں وہ بدقسمت انسان ہوں کہ اس بیس سال کے عرصہ میں مَیں ان کی مخالفت کرتا رہا ہوں۔ اب جبکہ خدا تعالیٰ نے مجھ پر صداقت کھول دی ہے۔ مجھے پچھلے دھونے بھی دھونے ہیں اس طرح وہ آگے بڑھنے والوں سے بھی آگے بڑھنے کی کوشش کرے گا۔ ایسی کئی مثالیں ہماری اسلامی تاریخ میں پائی جاتی ہیں۔

پس بجٹ پورا بنائیں اور اس وہم، خوف اور خطرہ کی بِنا پر کہ اگر آپ نے صحیح بجٹ بنایا تو شاید آپ کی گرانٹ میں کمی ہو جائے اپنے کمزور یا نئے احمدیوں پر ظلم نہ ڈھائیں۔ اگر آئندہ سال آپ اپنی آمد سے یہ ثابت کر دیں کہ جو پرانے چندہ دینے والے ہیں انہوں نے پہلے سال کی نسبت کم نہیں دیا تو پھر آپ کو پوری گرانٹ ملے گی۔ مثلاً پچھلے سال ساٹھ ہزار روپیہ کا بجٹ تھا جو آپ نے سارے کمزوروں کو باہر نکال کر بنایا تھا۔ اب ان کمزوروں کو شامل کر کے ایک لاکھ کا بنتا ہے۔ تو اگر آپ کے نئے سال کی آمد ساٹھ ہزار روپے سے اوپر ہوگئی ہے اور کمی واقع نہیں ہوئی تو یقیناً آپ کی گرانٹ میں کمی نہیں کی جائے گی۔

اس لئے سب احمدیوں کو بجٹ میں شامل کریں اس طرح ہم ان کی تربیت کی طرف متوجہ بھی ہوں گے۔ ہم ان کے لئے دعائیں بھی کریں گے اور تدابیر سے بھی انہیں سمجھانے کی کوشش کریں گے اور میں امید رکھتا ہوں کہ ہمارا رب آہستہ آہستہ ان کے دلوں میں ایک نیک تبدیلی پیدا

کرتا چلا جائے گا اور وہ پہلے آنے والوں کی نسبت پیچھے رہنے والے نہیں بنیں گے بلکہ کچھ عرصہ کے بعد شاید وہ ان سے بھی آگے بڑھنے کی کوشش شروع کر دیں۔ وہ اس احساس سے آگے بڑھیں گے کہ ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اس زمین پر جو ایک نور نازل ہوا تھا ہم ایک لمبے عرصہ تک اس نور کو اپنی پھونکوں سے بجھانے کی کوشش کرتے رہے اور بجائے اس کے کہ ہم اس نور سے اپنے سینہ و دل کو منور کرتے ہم نے اس سے منہ پھیر لیا۔ پس یہ نہایت ہی ضروری بات ہے کہ بجٹ پورا بنایا جائے۔ اگر باوجود میری اس تاکید کے ہمارے عہدیداروں نے غفلت برتی تو ان کی غفلت کو دور کرنے کے لئے مجھے مناسب قدم اُٹھانا پڑے گا لیکن میں امید رکھتا ہوں کہ وہ مجھے اس روحانی تکلیف میں نہیں ڈالیں گے۔

تیسری بات جو میں صدر انجمن احمدیہ کے بجٹ کے متعلق کہنا چاہتا ہوں یہ ہے کہ قریباً دو ہفتے ہوئے میں نے جماعت کو متوجہ کیا تھا کہ ہمارا مالی سال قریباً ختم ہو رہا ہے آپ اس ماہ کے اندر اندر اپنا بجٹ پورا کرنے کی کوشش کریں مجھے ایسا کہنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ آپ میں سے اگر سارے نہیں تو بیشتر ایسے ہیں جو اپنا بجٹ ماہ بہ ماہ پورا نہیں کرتے اور انتظار کرتے ہیں کہ سال کے آخری دو ماہ میں بجٹ کو پورا کر دیں گے۔

اس میں شک نہیں کہ دیہاتی جماعتیں ماہانہ چندہ نہیں دیتیں اور نہ ہی دے سکتی ہیں کیونکہ ان کی آمد کا انحصار فصلوں پر ہوتا ہے اور فصلیں ہر ماہ نہیں کاٹی جاتیں۔ سال کے دو موسم ہیں جن میں فصلیں کاٹی جاتی ہیں اور وہی دو موسم ہیں جن میں ہماری دیہاتی جماعتیں اپنے چندے ادا کرتی ہیں۔ پس دیہاتوں میں دو دفعہ چندہ ادا کرنے کا وقت ہوتا ہے۔

لیکن وہ جماعتیں یا جماعتوں کا وہ حصہ جن کی آمد ششماہی نہیں بلکہ ماہانہ ہوتی ہے۔ ان سے چندے ماہوار ہی وصول ہو جانا چاہئیں اس سے نہ صرف یہ فائدہ ہوگا کہ ہمیں آخر سال میں زیادہ کوفت برداشت نہ کرنی پڑے گی بلکہ اس سے بڑھ کر ہمیں یہ فائدہ بھی ہوگا کہ ہماری روحانیت ترقی کرے گی کیونکہ وہ روحانی غذا جو معین وقفہ کے بعد کھائی جائے اس سے روحانیت ترقی کرتی ہے۔ جسمانی غذا کو لیجئے! پانچ دن کے بعد پانچ دن کا کھانا کھا لینے سے انسان کی جسمانی قوت

بڑھتی نہیں بلکہ اکٹھے کھانے کھا لینے سے پیٹ خراب ہو جاتا ہے اسہال شروع ہو جاتے ہیں وغیرہ اور بجائے فائدہ کے نقصان ہو جاتا ہے اسی طرح روحانی قوت کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ روح کو روحانی غذا معین اوقات میں پہنچتی رہے ورنہ جسمانی بیماریوں کی طرح روحانی امراض اور عوارض روح کو لاحق ہو جاتے ہیں۔ مثلاً نماز ہی کو لے لو اگر کوئی شخص صبح کے وقت پانچوں نمازیں اکٹھی ادا کر لے تو وہ یہ نہ سمجھے کہ اس کو پانچوں نمازیں بروقت ادا کرنے سے جو روحانی غذا حاصل ہو سکتی تھی وہ اسے حاصل ہو جائے گی کیونکہ جہاں تک نماز کا تعلق ہے خدا تعالیٰ کے علم کامل میں یہ ہے کہ روح کو پانچ مختلف اور معین وقتوں میں نماز کی صورت میں غذا ملنا ضروری ہے۔ ورنہ روح کمزور ہو جائے گی۔ اگر آپ ان پانچ وقتوں کی بجائے ایک ہی وقت میں پانچ نمازیں ادا کرنا چاہیں تو یہ ایک بیہودہ اور لغو خیال ہوگا۔ ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ اگر ساتویں دن پینتیس نمازیں ادا کرنے سے روح کی قوت قائم رہ سکتی تو یقیناً اللہ تعالیٰ ساتویں دن ہم سے پینتیس نمازیں پڑھواتا اور روزانہ پانچ وقت نماز ادا کرنے کا حکم نہ دیتا۔

تو اللہ تعالیٰ کے علم میں تو یہ ہے کہ روزانہ معین اوقات میں پانچ دفعہ میرے حضور میں حاضر ہو کر اپنی عاجزی، تذلل اور نیستی کا اقرار کر کے انسان کو روحانی غذا حاصل کرنی چاہیے ورنہ اس کی روحانی قوت قائم نہ رہ سکے گی اور وہ کمزور ہو جائے گا۔

اسی طرح حج کرنا ساری عمر میں ایک دفعہ فرض ہے زکوٰۃ کا ہر سال ادا کرنا ضروری ہے اور مختلف عبادتوں کے لئے مختلف اوقات مقرر ہیں اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں دس سال تک زکوٰۃ ادا نہیں کرتا دس سال کے بعد یک دفعہ ہی ادا کر دوں گا تو اس کی روحانی طاقت اور قوت یقیناً قائم نہیں رہ سکے گی۔

پس یہ جو ہمارے چندے ہیں بعض کو ہر ماہ بعد اور بعض کو ہر چھ ماہ بعد ادا کرنے ضروری ہیں اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو خدا تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر قربانیوں کے نتیجہ میں جو برکتیں اور رحمتیں ہمارے لئے مقدر ہیں وہ انہیں نہیں ملیں گی اور ان میں روحانی کمزوری پیدا ہو جائے گی۔

پس عہدیداران کو چاہیے چندے اپنے وقت پر وصول کریں تا سال کے آخر میں نہ انہیں کوفت ہو نہ ہمیں پریشانی لاحق ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق بخشے۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۷؍اپریل ۱۹۶۶ء صفحہ ۲ تا ۴)

کبر وغرور اور خود پسندی وخود نمائی کو چھوڑ کر فروتنی اور بے نفسی کی عاجزانہ راہوں کو اختیار کرنے کی کوشش کرو

خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۹ / اپریل ۱۹۶۶ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ جب تک ہم کبر وغرور، خود پسندی، خود نمائی، تحقیر واستہزاء، نخوت وخودسری کو کلیتاً چھوڑ کر نیستی کا چولہ پہنیں، فروتنی اور بے نفسی کی عاجزانہ راہوں سے اپنے ربّ کی رضا کو حاصل کرنے کی کوشش نہ کریں اس وقت تک قرب ووصالِ الٰہی کی وہ نعمتیں ہم حاصل نہیں کر سکتے جو ایک سچے مسلمان اور حقیقی احمدی کے لئے مقدر ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تکبر سے بچنے پر بہت زور دیا ہے اور بار بار تاکید فرمائی ہے کہ ہمیں تکبر کی باریک در باریک قسموں سے بھی بچتے رہنا چاہیے تا ہم جادۂ عبودیت سے بھٹک نہ جائیں اور اس توحیدِ حقیقی سے دور نہ جا پڑیں جو اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال اور کبریائی کی سچی معرفت سے حاصل ہوتی ہے اور جس کے نتیجہ میں انسان کے نفس پر ایک موت وارد ہو جاتی ہے اور پھر اپنے حي وقیوم خدا کے فیضان اور احسان سے ایک نئی زندگی پا تا ہے۔ پس ضروری ہے کہ ہم ہر قسم کے تکبر سے بچنے والے ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

اے کرم خاک چھوڑ دے کبر و غرور کو
زیبا ہے کبر حضرت ربِّ غیور کو

بد تر بنو ہر ایک سے اپنے خیال میں
شاید اسی سے دخل ہو دارالوصال میں
چھوڑو غرور و کبر کہ تقوے اسی میں ہے
ہو جاؤ خاک، مرضی مولا اسی میں ہے

پھر ایک دوسری جگہ فرمایا:۔

’’میں اپنی جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ تکبر سے بچو کیونکہ تکبر ہمارے خداوند ذوالجلال کی آنکھوں میں سخت مکروہ ہے مگر تم شائد نہیں سمجھو گے کہ تکبر کیا چیز ہے۔ پس مجھ سے سمجھ لو کہ میں خدا کی روح سے بولتا ہوں ہر ایک شخص جو اپنے بھائی کو اس لئے حقیر جانتا ہے کہ وہ اس سے زیادہ عالم یا زیادہ عقل مند یا زیادہ ہنرمند ہے وہ متکبر ہے کیونکہ وہ خدا کو سرچشمہ عقل اور علم کا نہیں سمجھتا اور اپنے تئیں کچھ چیز قرار دیتا ہے۔ کیا خدا قادر نہیں کہ اس کو دیوانہ کر دے اور اس کے اس بھائی کو جس کو وہ چھوٹا سمجھتا ہے۔ اس سے بہتر عقل اور علم اور ہنر دے دے ایسا ہی وہ شخص جو اپنے کسی مال یا جاہ وحشمت کا تصور کر کے اپنے بھائی کو حقیر سمجھتا ہے وہ بھی متکبر ہے کیونکہ وہ اس بات کو بھول گیا ہے کہ یہ جاہ وحشمت خدا نے ہی اس کو دی تھی اور وہ اندھا ہے اور وہ نہیں جانتا کہ وہ خدا قادر ہے کہ اس پر ایک ایسی گردش نازل کرے کہ وہ ایک دم میں اسفل السافلین میں جا پڑے اور اس کے اس بھائی کو جس کو وہ حقیر سمجھتا ہے اس سے بہتر مال و دولت عطا کر دے۔ ایسا ہی وہ شخص جو اپنی صحتِ بدنی پر غرور کرتا ہے یا اپنے حسن اور جمال اور قوت اور طاقت پر نازاں ہے اور اپنے بھائی کا ٹھٹھے اور استہزا سے حقارت آمیز نام رکھتا ہے اور اس کے بدنی عیوب لوگوں کو سناتا ہے وہ بھی متکبر ہے اور وہ اس خدا سے بے خبر ہے۔ کہ ایک دم میں اس پر ایسے بدنی عیوب نازل کرے کہ اس بھائی سے اس کو بدتر کر دے اور وہ جس کی تحقیر کی گئی ہے ایک مدت دراز تک اس کے قویٰ میں برکت دے کہ وہ کم نہ ہوں اور نہ باطل ہوں کیونکہ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ ایسا ہی وہ شخص بھی جو اپنی طاقتوں پر بھروسہ کر کے دعا مانگنے میں

سست ہے وہ متکبر ہے کیونکہ قوتوں اور قدرتوں کے سرچشمہ کو اس نے شناخت نہیں کیا اور اپنے تئیں کچھ چیز سمجھا ہے۔ سو تم اے عزیزو! ان تمام باتوں کو یاد رکھو ایسا نہ ہو کہ تم کسی پہلو سے خدا تعالیٰ کی نظر میں متکبر ٹھہر جاؤ اور تم کو خبر نہ ہو ایک شخص جو اپنے ایک بھائی کے ایک غلط لفظ کی تکبر کے ساتھ تصحیح کرتا ہے اس نے بھی تکبر سے حصہ لیا ہے ایک شخص جو اپنے بھائی کی بات کو تواضع سے سننا نہیں چاہتا اور منہ پھیر لیتا ہے اس نے بھی تکبر سے حصہ لیا ہے ایک غریب بھائی جو اس کے پاس بیٹھا ہے اور وہ کراہت کرتا ہے اس نے بھی تکبر سے حصہ لیا ہے۔ ایک شخص جو دعا کرنے والے کو ٹھٹھے اور ہنسی سے دیکھتا ہے اس نے بھی تکبر سے ایک حصہ لیا ہے اور وہ جو خدا کے ماموراور مرسل کی پورے طور پر اطاعت کرنا نہیں چاہتا اس نے بھی تکبر سے ایک حصہ لیا ہے اور وہ جو خدا کے ماموراور مرسل کی باتوں کو غور سے نہیں سنتا اور اس کی تحریروں کو غور سے نہیں پڑھتا۔ اس نے بھی تکبر سے ایک حصہ لیا ہے سو کوشش کرو کہ کوئی حصہ تکبر کا تم میں نہ ہو، تا کہ ہلاک نہ ہو جاؤ اور تا تم اپنے اہل وعیال سمیت نجات پاؤ خدا کی طرف جھکو اور جس قدر دنیا میں کسی سے محبت ممکن ہے تم اس سے کرو اور جس قدر دنیا میں کسی سے انسان ڈر سکتا ہے تم اپنے خدا سے ڈرو۔ پاک دل ہو جاؤ اور پاک ارادہ اور غریب اور مسکین اور بے شر، تا تم پر رحم ہو۔‘‘ [۱۱]

تکبر کا اظہار بھی کئی طریق سے ہوتا ہے کبھی تکبر آنکھ کی کھڑکی سے سر نکالتا ہے کبھی سر کی جنبش میں اس کا پھریرا لہراتا ہے۔ کبھی ہاتھ، پاؤں اور زبان اس کے آلہ کار بنتے ہیں۔ ان سب سے بچنا ہمارے لئے ضروری ہے تا کہ تکبر کا جن ہمارے نفسوں سے ایسا نکلے کہ پھر دوبارہ داخل ہونے کی سب راہیں اس کے لئے مسدود ہو جائیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس بارے میں فرماتے ہیں:۔

’’تکبر کئی قسم کا ہوتا ہے۔ کبھی یہ آنکھ سے نکلتا ہے جبکہ یہ دوسرے کو گھور کر دیکھتا ہے تو اس کے یہی معنی ہوتے ہیں کہ دوسرے کو حقیر سمجھتا ہے اور اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے کبھی زبان سے نکلتا ہے اور کبھی اس کا اظہار سر سے ہوتا ہے اور کبھی ہاتھ اور پاؤں سے بھی ثابت

ہوتا ہے غرضیکہ تکبر کے کئی چشمے ہیں اور مومن کو چاہیے کہ ان تمام چشموں سے بچتا رہے اور اس کا کوئی عضو ایسا نہ ہو جس سے تکبر کی بو آوے اور وہ تکبر ظاہر کرنے والا ہو۔ صوفی کہتے ہیں کہ انسان کے اندر اخلاقِ رذیلہ کے بہت سے جن ہیں اور جب یہ نکلنے لگتے ہیں تو نکلتے رہتے ہیں مگر سب سے آخری جن تکبر کا ہوتا ہے جو اس میں رہتا ہے اور خدا تعالیٰ کے فضل اور انسان کے سچے مجاہدہ اور دعاؤں سے نکلتا ہے۔ بہت سے آدمی اپنے آپ کو خاکسار سمجھتے ہیں لیکن ان میں بھی کسی نہ کسی نوع کا تکبر ہوتا ہے۔ اس لئے تکبر کی باریک در باریک قسموں سے بچنا چاہیے۔'' [۱۲]

ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ کوئی متکبر انسان قرآنی فیوض اور برکات کا وارث نہیں بن سکتا صرف اور صرف فروتنی کی چابی سے قرآنی علوم کا دروازہ کھولا جا سکتا ہے صرف اور صرف عجز کی رداء اور چادر پر انوارِ قرآنی کا رنگ چڑھ سکتا ہے اور صرف اور صرف منکسرانہ مزاج ہی قرآن کریم کے مزاج سے مطابقت کھاتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

جب تک انسان پوری فروتنی اور انکسار کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے احکام کو نہ اٹھائے اور اس کے جلال و جبروت سے لرزاں ہو کر نیاز مندی کے ساتھ رجوع نہ کرے۔ قرآنی علوم کا دروازہ نہیں کھل سکتا اور روح کے ان خواص اور قویٰ کی پرورش کا سامان اس کو قرآن شریف سے نہیں مل سکتا۔ جس کو پا کر روح میں ایک لذت اور تسلی پیدا ہوتی ہے۔

چونکہ آسمانِ روحانی کی سب رفعتیں قرآن کریم کے فیوض سے ہی حاصل ہو سکتی ہیں اور تکبر کے نتیجہ میں قرآن کریم کے فیوض سے انسان محروم ہو جاتا ہے اس لئے متکبر پر آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے۔ اللہ تعالیٰ سورۂ اعراف میں فرماتا ہے:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ اسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ۔

(الاعراف: ۴۱)

کہ وہ لوگ جو ہمارے نشانات کا انکار کرتے ہیں اور وہ لوگ جو ہمارے احکام سے منہ

موڑتے ہیں اور وہ لوگ جو ہماری تعلیم کی طرف پیٹھ کرتے ہیں اور وہ لوگ جو ہمارے اوامر ونواہی کی پابندی سے گریز کرتے ہیں اور شریعت کا جوا بشاشت کے ساتھ اپنی گردنوں پر رکھنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ اس لئے کہ اسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا ان کے دلوں میں تکبر پایا جاتا ہے۔ انہیں یہ یاد رکھنا چاہیے لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ کہ آسمانِ روحانی کے دروازے ان پر ہرگز نہیں کھولے جائیں گے بلکہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیئے جائیں گے اور وہ زمین کے کیڑے بن کر رہ جائیں گے اور خدا تعالیٰ کی لعنت کا مورد بنیں گے اور شیطان میں ہو کر شیطان بن جائیں گے اور آسمان کی بلندیوں کی بجائے جو انسان کے لئے ہی پیدا کی گئی تھیں۔ اندھیروں کی اتھاہ گہرائیاں ان کے حصہ میں آئیں گی۔

تکبر کے مقابل پر عربی زبان میں تَوَاضُعْ کا لفظ استعمال ہوتا ہے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ جو لوگ تکبر کی وجہ سے ہمارے نشانوں کو جھٹلاتے اور ہمارے احکام سے اعراض کرتے ہیں اور ہماری تعلیم کی طرف متوجہ نہیں ہوتے روحانی رفعتوں کے دروازے ان پر نہیں کھولے جاتے۔

یہاں سوال پیدا ہوتا تھا کہ پھر وہ کن پر کھولے جائیں گے؟ اس کے جواب کے لئے ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد ملتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا:۔

اِذَا تَوَاضَعَ الْعَبْدُ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَى السَّمَآءِ السَّابِعَةِ۔

کہ جب اللہ کا ایک بندہ اپنے مقام عبودیت کو پہچانتے ہوئے اور اپنی حقیقت کو سمجھتے ہوئے اور اپنے لاشئے محض ہونے کا اقرار کرتے ہوئے۔ تکبر کا نہیں بلکہ اس کی ضد (تواضع) کا مظاہرہ کرتا ہے اور انکسار اور عجز کے ساتھ اپنی زندگی گزارتا ہے اور اس کی زبان اور اس کا دل بلکہ اس کے جسم کا ذرہ ذرہ پکار رہا ہوتا ہے۔

ہمچو خاکم بلکہ زاں ہم کمترے

کہ میں تو خاک ہوں بلکہ خاک پا میں بھی شاید کچھ خوبیاں ہوں۔ لیکن مجھے اپنا نفس اور اپنا وجود اس خاک سے بھی کمتر نظر آ رہا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس پر اپنا فضل فرماتا ہے اور فضل فرماتے ہوئے

اس کو ساتویں آسمان تک اُٹھا کر لے جاتا ہے اور عزت کے نہایت بلند مقام پر اسے فائز کر دیتا ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات مختلف انبیاء کو ان کے درجات کے مطابق مختلف آسمانوں میں دیکھا۔ کسی کو پہلے کسی کو دوسرے اور کسی کو تیسرے آسمان پر مذہبی دلائل کی رو سے روحانی آسمان بھی سات ہیں اور سب سے بلند تر ساتواں آسمان ہے پس السَّمَآءِ السَّابِعَةِ کے معنی یہ ہوئے کہ جس قدر بلندی اور رفعت تک پہنچنا کسی انسان کے لئے مقدر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اتنی ہی روحانی رفعتیں تواضع اور فروتنی کے طفیل اسے عطا کر دیتا ہے۔

پس جو شخص تواضع سے کام لیتے ہوئے اپنے آپ کو نہایت ہی حقیر اور عاجز سمجھے گا اور سب قدرتوں اور سب فیوض کا سرچشمہ اور منبع صرف اپنے خدا کو یقین کرے گا اور ایمان رکھے گا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی نصرت اور مدد اس کو سہارا نہ دے تو وہ خاک پا کیا اس سے بھی کم تر ہے۔ تو یقیناً وہ خدا کے فضلوں کا وارث ہوگا اگر ہم نے اللہ تعالیٰ کے ان وعدوں کا وارث بننا ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ ہمیں دیئے گئے ہیں تو ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے مقامِ عبودیت کو ہمیشہ پہچانتے رہیں اور عجز وفروتنی کے ساتھ اپنے کو لاشَئے محض جانتے ہوئے اپنے خیالات اور خواہشات کو مٹا کر، محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر خدمت کرتے چلے جائیں اور اپنے کو اتنا حقیر جانیں کہ کسی اور چیز کو ہم اتنا حقیر نہ سمجھتے ہوں۔

اگر ہم اپنے اس مقام کو پہچاننے لگیں تو پھر ہمارا خدا جو بڑا ’’دیالو‘‘ ہے ہمیں اپنے فضل سے بہت کچھ دے گا۔ انفرادی طور پر بھی اور جماعتی طور پر بھی۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۱۸؍مئی ۱۹۶۶ء صفحہ ۲، ۳)

جماعتوں نے میری تحریک پر نہ صرف اپنے بجٹ کو پورا کیا بلکہ تقریباً ایک لاکھ چالیس ہزار روپیہ کی زائد آمد ہوئی

خطبہ جمعہ فرمودہ ۶ رمئی ۱۹۶۶ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ سورۃ تغابن میں فرماتا ہے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَ اسْمَعُوْا وَ اَطِيْعُوْا وَ اَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ؕ وَ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۔(التّغابن:۱۷)

یعنی جتنا ہو سکے اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو اور اس کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو اور اپنے مال اس کی راہ میں خرچ کرتے رہو۔ وہ تمہاری جانوں کے لئے بہتر ہوگا اور جو لوگ اپنے دل کے بخل سے بچائے جاتے ہیں وہی کامیاب ہونے والے ہیں۔

عربی زبان میں فلاح کا لفظ بڑے وسیع معانی میں استعمال کیا جاتا ہے اور دین اور دنیا کی حسنات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ دنیا کے متعلق فلاح ان باتوں پر بولا جاتا ہے کہ انسان کو صحت والی زندگی حاصل ہو مال میں فراخی ہو اور عزت و وجاہت اور اقتدار اور ثروت سب کچھ اسے میسر ہو۔ آخرۃ کے متعلق فلاح کا لفظ استعمال ہو تو اس کے معنی ہوں گے کہ انسان نے ابدی زندگی پائی جس کے بعد فنا نہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے ایسی روحانی دولت دی گئی جس کے ساتھ کوئی تنگی نہیں

اور خدا تعالیٰ نے اسے عزت کے ایسے مقام تک پہنچا دیا کہ اس کے ساتھ کسی ذلت کا تصور بھی ممکن نہیں اور اسے صفات الٰہیہ کا ایسا عرفان حاصل ہوا کہ جس کے ساتھ کوئی جہالت نہیں ہے۔

تو اس آیت میں فرمایا کہ آؤ اس فلاح کا ایک نسخہ تمہیں بتاؤں اور وہ یہ ہے کہ جو شخص اپنے دل کے بخل سے بچایا جاتا ہے۔ وہی دنیا اور آخرت دونوں میں **مفلح** (فلاح پانے والا) ہوتا ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ دل کے بخل سے نجات کس طرح ہو۔ اس کے جواب کے لئے فرمایا۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَ اسْمَعُوْا وَ اَطِيْعُوْا وَ اَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ کہ جہاں تک ہو سکے اپنی طاقت، قوت اور استعداد کے مطابق تقویٰ کی راہوں پر چلتے رہو اور تقویٰ یہ ہے کہ **وَاسْمَعُوْا وَ اَطِيْعُوْا** کہ اللہ تعالیٰ کی آواز کو سنو اور لبیک کہتے ہوئے اس کی اطاعت کرو۔ اگر تم تقویٰ کی راہوں پر چل کر **سَمْعًا وَّ طَاعَةً** کا نمونہ پیش کرو گے۔ تو تمہیں اللہ تعالیٰ اس بات کی بھی توفیق دے گا کہ تم اپنی جانوں، مالوں اور عزتوں سب کو اس کی راہ میں قربان کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ اس طرح تمہیں دل کے بخل سے محفوظ کر لیا جائے گا۔ یہی کامیابی کا راز ہے۔

اس نسخہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ نے خوب سمجھا اور پھر اس پر خوب عمل کیا دیکھو دنیا میں بھی انہیں ایسی کامیابی نصیب ہوئی کہ کسی اور قوم کو ویسی کامیابی نصیب نہیں ہوئی اور اسی زندگی میں ان کو آئندہ کے متعلق ایسی بشارتیں ملیں کہ کسی اور قوم کو ان کا حقدار قرار نہیں دیا گیا یا پھر اس نسخہ کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت نے سمجھا اور اس کے مطابق عمل کر کے حقیقی کامیابی اور فلاح کے حصول کے لئے جدوجہد کی اور کر رہی ہے اور آئندہ بھی اسی راہ پر گامزن رہے گی۔ انشاء اللہ

آج جس وجہ سے میں نے آیہ مذکورہ پڑھی ہے اور اپنے بھائیوں کو اس کے مضمون کی طرف متوجہ کر رہا ہوں وہ یہ ہے کہ پچھلے ماہ کی ۸ تاریخ کو میں نے ایک خطبہ دیا تھا اور جماعت کو تحریک کی تھی کہ چونکہ ہمارا مالی سال ختم ہو رہا ہے صرف تین ہفتے باقی ہیں۔ اس لئے اپنے بجٹ کو پورا کرنے کی کوشش کریں۔ ۸راپریل کو ہمارے بجٹ کی پوزیشن یہ تھی کہ بجٹ ۲۵,۲۴,۲۸۰ روپے کا تھا اور اس کے مقابل آمد مبلغ ۲۱,۵۷,۸۷۷ روپے تھی یعنی بجٹ کے مقابل قریباً ساڑھے تین لاکھ روپیہ

آمد کم تھی اس کی وجہ سے مجھے بڑی گھبراہٹ اور فکر لاحق تھی۔ ہمارا حقیقی دشمن شیطان ہے اور وہ بڑا چوکس ہے اور اس کی شرارت اور دجل بھی کمال کا ہے۔ اس لئے میں ڈرتا تھا کہ اگر ہمارے سالِ رواں کا بجٹ پورا نہ ہوا تو فوراً بعض دلوں میں شیطان یہ وسوسہ ڈالے گا اور انہیں یہ کہہ کر خوش کرنے کی کوشش کرے گا کہ دیکھو جماعت کا قدم ترقی کی بجائے تنزل کی طرف جانا شروع ہو گیا ہے اور پھر ہمارے مخالف اس سے یہ نتیجہ نکالیں گے کہ جماعت ان رفعتوں کو حاصل نہ کر سکے گی کہ جن کے حصول کا اسے دعویٰ ہے اور جن کے حصول کی خدا تعالیٰ کی طرف سے اسے بشارت بھی مل چکی ہے۔

شیطان اس بات کو لوگوں سے چھپائے گا کہ ستمبر کی جنگ میں ہماری بہت سی جماعتیں جو ضلع سیالکوٹ اور لاہور وغیرہ میں تھیں بُری طرح متاثر ہوئی ہیں اور اپنا سارا مال و متاع چھوڑ کر انہیں اپنے علاقہ سے ہجرت کرنی پڑی اور اس وجہ سے وہ اپنے چندے پوری طرح ادا نہ کر سکیں۔

وہ اس امر کو بھی دنیا سے چھپائے گا کہ جنگ کی وجہ سے جماعت کے بہت سے تاجروں پر بھی بُرا اثر پڑا اور ان کی تجارت کی حالت وہ نہ رہی جو جنگ سے پہلے تھی اور چونکہ ان کی آمدنی کم ہو گئی اس لئے لازماً اسی نسبت سے جماعت کے چندے بھی کم ہو گئے۔

پس مجھے خیال ہوا کہ ان تمام باتوں کو نظر انداز کر کے شیطان بعض لوگوں کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالے گا کہ دیکھو جماعت تنزل کی طرف جھک گئی ہے اور اب یہ وہ ترقیات حاصل نہ کر سکے گی جن کے متعلق اسے دعویٰ ہے کہ انہیں خدا تعالیٰ نے اس کے لئے مقدر کر رکھا ہے اور اس کا یہ دعویٰ پورا نہ ہو گا کہ یہ جماعت تمام اطراف عالم میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا گاڑنے میں کامیاب ہو گی۔

اس گھبراہٹ کے نتیجہ میں ایک طرف تو میں نے اپنے ربّ سے دعا کی اور دوسری طرف اپنے بھائیوں کو ان کی ذمہ داریوں کی طرف متوجہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے میری دعاؤں کو بھی سنا اور اس سے بڑھ کر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور دیگر مقدس ہستیوں کی دعاؤں کو سنا جو وہ دن رات جماعت کی ترقی کے لئے کرتے رہے اور اس نے ہم پر بڑا ہی فضل کیا۔ کیونکہ ۵؍ مئی ۶۶ء کی رپورٹ

کے مطابق ہماری آمدنی تین ہفتوں میں ۷۸۷,۵۷,۲۱ روپے سے بڑھ کر ۷۷,۴,۹۱,۲۵ روپے تک پہنچ گئی ہے گویا ان تین ہفتوں میں مبلغ ۶۹۰,۳۳,۴ روپیہ موصول ہوا اور ابھی یہ سال کی پوری آمد نہیں کیونکہ بہت سی رقمیں منی آرڈر کر دی گئی ہیں لیکن وصول ہو کر خزانہ میں داخل نہیں ہوئیں اور بہت سی رقوم ہیں (مثلاً کراچی کی) جو بنک میں جمع کرا دی گئی ہیں لیکن ان کی ہمیں اطلاع ابھی نہیں آئی اس لئے وہ رقم آمد میں جمع نہیں کی جا سکی۔ میرا اندازہ یہ ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ مزید ساٹھ ستر ہزار روپیہ جو پچھلے سال کی آمد میں محسوب ہے تین چار دن تک یہاں پہنچ جائے گا اس طرح گویا ان تین ہفتوں میں کم وبیش پانچ لاکھ روپے کی آمد ہوئی۔

جب ہم اس آمد کا ۶۶۔۶۵ء کے بجٹ سے مقابلہ کرتے ہیں تو اس کی پوزیشن یہ بنتی ہے ۶۶۔۵۔۵ تک جو اصلی آمد ہوئی وہ ۷۷,۴,۹۱,۲۵ روپیہ ہے۔ حالانکہ بجٹ ۲۸۰,۲۴,۲۵ روپیہ ہے۔

پس مبلغ ۱۹۷,۶۷ (ستاسٹھ ہزار) روپیہ بجٹ سے زیادہ آمد ہوئی اور امید ہے کہ ۶۰ یا ۷۰ ہزار روپیہ کی رقم جو اسی سال میں محسوب ہے جلد ہی وصول ہو جائے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔ اس طرح ۶۶۔۶۵ء کے بجٹ کی نسبت قریباً ایک لاکھ چالیس ہزار روپیہ کی آمدنی زائد ہوگی۔

جب ہم ۶۶۔۶۵ء کی آمد کا ۶۵۔۶۴ء کی آمد سے مقابلہ کرتے ہیں تو پوزیشن یہ بنتی ہے۔

۶۶۔۶۵ء کی آمد ۷۷,۴,۹۱,۲۵ روپیہ اور ۶۵۔۶۴ء کی آمد ۳۳۳,۶۴,۲۴ روپیہ ہوئی۔ اس طرح ۶۵۔۶۴ء کی آمد کی نسبت اس سال اس وقت تک کی آمد مبلغ ۴۴,۱۴,۲۷,۱ روپیہ زیادہ ہوئی ہے اور اگر متوقع آمد ۶۰,۰۰۰ کو اس میں شامل کر لیا جائے تو ۶۶۔۶۵ء کی آمد قریباً ایک لاکھ نوے ہزار روپیہ زیادہ ہوتی ہے۔

اگر ہم ۶۶۔۶۵ء کی آمد کا ۶۵۔۶۴ء کے بجٹ سے مقابلہ کریں تو یہ زیادتی قریباً اڑھائی لاکھ روپیہ (۲۴۶۱۴۷) بنتی ہے۔

جب یہ اعداد و شمار میرے سامنے آئے تو میرا دل خدا کی حمد سے بھر گیا اور میرے تمام احساسات اور جذبات کو اس نے اپنے گھیرے میں لے لیا۔ میرے پاس وہ الفاظ نہیں اور نہ میں

سمجھتا ہوں کہ آپ میں سے کسی کے پاس وہ الفاظ ہوں گے جن سے ہم کما حقہ اپنے ربّ کا شکریہ ادا کر سکیں۔

میں نے یہ بھی سوچا کہ مجھے آپ کے مقابلہ میں کوئی بزرگی یا برتری حاصل نہیں لیکن جس ربّ عظیم نے اس خاکسار نابکار کو خلافت کی کرسی پر بٹھایا ہے اسی قادر وتوانا نے آپ کے دلوں میں میرے لئے محبت پیدا کی میری زبان آپ کے دلوں پر اثر کرتی ہے اور آپ میری آواز کو سن کر اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے مجنونانہ طور پر اپنے دینی کاموں میں لگ جاتے ہیں جیسا کہ باہر سے آنے والی بہت سی رپورٹوں سے ظاہر ہوتا ہے وہ لکھتے ہیں کہ جب آپ کا خطبہ یہاں پہنچا تو تمام عہدیدار مجنونانہ طور پر اپنے کام میں لگ گئے اور کوشش کی کہ بجٹ کے پورا ہونے میں کوئی کمی نہ رہ جائے۔

اسی طرح بعض افراد نے جن کے ذمہ بڑی بڑی رقوم واجب الادا تھیں تنگی برداشت کر کے وہ رقوم ادا کر دیں اس طرح انہوں نے جماعت سے تعاون کیا اور خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کی کوشش کی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سب کو خصوصاً ان عہدیداروں کو جنہوں نے اس عرصہ میں بہت محنت اور بڑی تگ ودو سے کام لیا اور جماعت میں احساس ذمہ داری کو بیدار کیا ہے۔ جزاء خیر دے اور اپنی رضا سے نوازے اور جیسا کہ خدا تعالیٰ نے سورۂ تغابن کی آیات میں بڑی وضاحت سے فرمایا ہے حقیقی اور کامل فلاح انہیں حاصل ہو اور اس دنیا کی حسنات سے بھی انہیں نوازے اور آخرت کی حسنات بھی زیادہ سے زیادہ ان کے حصہ میں آئیں۔

میں نے پہلے بھی دعا کی ہے اور آئندہ بھی کروں گا آپ بھی ایسے سب دوستوں کے لئے دعا کریں جنہوں نے جماعت کے بوجھ کو اُٹھایا کہ اللہ تعالیٰ انہیں بہتر سے بہتر جزاء خیر دے اور جیسا کہ اس نے جماعت کو ان نامساعد حالات میں بھی یہ توفیق دی ہے کہ مالی قربانی کے میدان میں اس کا قدم پیچھے ہٹنے کی بجائے آگے ہی بڑھا ہے۔ آئندہ بھی محض اس کے فضل اور احسان سے دنیا کے ہر ملک اور عمل کے ہر میدان میں ہر چڑھنے والے دن اس کا قدم پہلے کی نسبت آگے ہی

بڑھنے والا ہو۔ آمین ۔

سب توفیق اسی سے حاصل ہوتی ہے۔ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا

(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۵ ؍مئی ۱۹۶۶ء صفحہ ۲، ۳)

شرک کی تمام راہوں سے بچنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ کسی قسم کا تکبر بھی ہمارے دلوں میں پیدا نہ ہو

خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۳؍مئی ۱۹۶۶ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

قرآن کریم نے کلمہ طیبہ کی مثال شجرہ طیبہ سے دی ہے اور شجرہ طیبہ وہ ہوتا ہے جس کے اندر ایسی استعدادیں ہوں کہ وہ اچھی طرح نشوونما پا سکے اور اچھے پھل دے سکے اور پھر اسے لگایا بھی اچھی زمین میں گیا ہو اور اس کی جڑیں مضبوطی کے ساتھ اس زمین میں قائم ہوں اور ہر ممکن غذا وہ زمین سے لے رہا ہو۔ اسی طرح کلمہ طیبہ کی جڑیں بھی فروتنی عاجزی، انکسار اور تواضع کی زمین میں مضبوطی سے قائم ہوتی ہیں۔

یاد رکھنا چاہیے کہ پاک کلام سے پاک اعتقاد پیدا ہوتا ہے اور پاک اعتقاد سے اعمالِ صالحہ جنم لیتے ہیں اور ہر عملِ صالح نیستی کے اقرار کو چاہتا ہے اور عاجزانہ دعاؤں کے ذریعہ اس کا رَفَعَ اِلَی السَّمَآءِ ہوتا ہے اور اپنے بندہ کی عاجزی کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ اس کی بلندی کے سامان پیدا کرتا ہے۔ اگر عاجزی اور انکسار کی بجائے اِباء اور استکبار ہو تو بظاہر اچھے اور نیک اعمال بھی بندہ کے منہ پر مارے جاتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے حضور مقبول نہیں ہوتے اور ایسے درخت کو اللہ تعالیٰ کے فضل اس کی رحمت اور اس کی برکت کے پھل نہیں لگتے اور نہ ہی اس کی شاخیں صفاتِ باری کی بلندیوں

اور رفعتوں سے کچھ غذا حاصل کر کے بندہ کے لئے اس زندگی میں رضائے الٰہی کی جنت کے حصول کا ذریعہ بنتی ہیں بلکہ بداعتقادات بدعملیوں کو جنم دیتے ہیں۔ اور یہ ایک ایسا شجرہ خبیثہ ہوتا ہے۔ جس کی جڑیں فروتنی کی زمین میں قائم ہونے کی بجائے غرور، خود پسندی، اِباء اور استکبار کے ''فوق الارض'' میں لٹکی ہوئی اور معلق ہوتی ہیں اور غضب الٰہی اور قہر خداوندی کے زلازل اسے متزلزل رکھتے ہیں اور اسے کوئی قرار نہیں ہوتا۔ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ (ابراھیم: ۲۷) اور بداعتقاد اور بداعمال انسانوں کے لئے قرب الٰہی کی راہیں اور آسمانوں کے دروازے نہیں کھولے جاتے اور اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ابدی جنتوں کے وہ مستحق نہیں ٹھہرتے اسی لئے اسلام نے فروتنی، تواضع اور عبودیت پر بہت زور دیا ہے اور غرور، خود پسندی اور تکبر سے بڑی سختی سے روکا ہے اور جیسا کہ میں نے اپنے ایک پہلے خطبہ میں بھی احباب کو اس طرف توجہ دلائی تھی۔ غرور اور استکبار کے نتیجہ میں جو گمراہیاں، ضلالتیں، اندھیرے اور ظلم پیدا ہوتے ہیں۔ ان کا قرآن کریم میں تفصیل سے ذکر آتا ہے۔ میں اس وقت ان میں بعض کی طرف احبابِ جماعت کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔

قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شرک کی تمام راہیں تکبر کے چوراہے سے پھٹتی ہیں اور اس شجرہ خبیثہ کی جڑیں استکبار کے فوق الارض میں معلق ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۙ يَسْتَكْبِرُوْنَ ۔ وَ يَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ۔ (الصّٰفّٰت: ۳۶، ۳۷)

یعنی جب کبھی ان سے یہ کہا جاتا تھا کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں صرف وہی پرستش کے لائق ہے انسان کو صرف اسی کے سامنے عاجزی اور انکسار کے ساتھ جھکنا چاہیے۔ وہی تمام فیوض کا منبع ہے صرف اسی سے فیض حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے وہی تمام زندگی اور حیات اور زندگی کے تمام لوازمات کا سرچشمہ ہے کسی قسم کی کوئی زندگی اور حیات اس کے سوا کسی اور جگہ سے حاصل نہیں کی جاسکتی يَسْتَكْبِرُوْنَ تو آگے سے وہ اپنے کو صاحبِ عظمت اور صاحبِ جبروت قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں۔ ہم میں بڑی عظمت پائی جاتی ہے، ہم بڑے لوگ ہیں، ہم صاحبِ جبروت ہیں، ہمیں خدائے واحد کی ضرورت نہیں کیونکہ جو اِلٰہ ہم نے بنائے ہیں وہ

ہمارے ہیں اور ہمارے بنائے ہوئے اِلٰھوں کے مقابلہ میں جس اللہ کو پیش کیا جاتا ہے چونکہ وہ اٰلِھَتِنَا میں شامل نہیں وہ ہمارا بنایا ہوا رب نہیں ہے اس لئے ہم اس کی توحید کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں اور پھر ہم اسے قبول کریں بھی تو ایک شاعر اور مجنون کے کہنے پر جو جھوٹی بات کو خوبصورت پیرایہ اور احسن رنگ میں پیش کر رہا ہے اور اسے کوئی سحر ہو گیا ہے کوئی جن چمٹا ہوا ہے یہ بڑا حقیر انسان ہے جو باتیں کر رہا ہے گو وہ بظاہر دل کو موہ لینے والی ہیں لیکن ایسے حقیر انسان کے منہ سے ایسی باتیں نہیں نکل سکتیں اس لئے معلوم ہوا کہ کوئی جن اس کے ساتھ چمٹا ہوا ہے اور وہ اسے اس قسم کی شاعرانہ باتیں سکھا رہا ہے۔

پس یہاں اللہ تعالیٰ نے شرک کی حقیقی اور اصلی وجہ کی نشاندہی کی ہے اور فرمایا ہے کہ وہ توحید کو اس لئے ٹھکراتے ہیں کہ وہ لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا کے لئے تیار نہیں ہوئے۔ وہ کہتے ہیں کہ اپنے علم پر ہم اس لئے بھروسہ رکھتے ہیں کہ یہ علم ہمارا ہے ہم دنیوی جاہ وجلال پر اس لئے اتنا بھروسہ رکھتے ہیں (جتنا کہ ہمیں خدا تعالیٰ پر بھروسہ رکھنا چاہیے) کہ یہ جاہ وجلال اور یہ عظمتیں ہماری ہیں اور ہماری طرف منسوب ہونے والی ہیں یہ مادی اسباب اور مال ودولت جس کے بل بوتے پر ہم دنیا میں اپنی خدائی قائم کرنا چاہتے ہیں۔ یہ کسی غیر کے نہیں بلکہ ہمارے ہیں۔ ہم اٰلِھَتِنَا یعنی اپنے خداؤں کو چھوڑ کر خدائے واحد کی پرستش کرنے کے لئے تیار نہیں۔

پس یہاں اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتایا ہے کہ اِباء اور استکبار کے نتیجہ میں شرکِ جلی بھی پیدا ہوتا ہے اور شرکِ خفی بھی پیدا ہوتا ہے۔ بعض لوگ تو کھلم کھلا خدائے واحد کو خدائے واحد قرار نہیں دیتے اور نہ اسے تسلیم کرتے ہیں بلکہ وہ اس کے ساتھ سورج یا چاند یا بعض درختوں (ہندو لوگ بڑ کے درخت کی پوجا کرتے ہیں) یا بعض جانداروں (جیسے سانپ) کی پرستش کرتے ہیں یا اپنی دنیوی عزت، وقار اور جاہ وجلال یا اس علم کو جو انہوں نے اپنی قوتوں کے نتیجہ میں حاصل کیا ہوتا ہے سب کچھ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ سب کچھ حقیقتاً اللہ تعالیٰ کی عطا کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے لیکن وہ اس چیز کو سمجھتے نہیں۔ وہ اپنے علم کی وجہ سے خدائے واحد و یگانہ سے منہ پھیرتے ہیں جیسے مثلاً کمیونسٹ ہیں۔ کمیونسٹ ممالک نے علوم اور ایجادات میں بہت ترقی کی ہے اور بجائے اس کے کہ وہ خدا تعالیٰ

کے شکر گزار بندے بنتے، انہوں نے اپنے ہی خالق و مالک کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا ہے اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ اس کرۂ ارض سے خدا تعالیٰ کے نام کو مٹا دیں گے۔ وہ اس کی طاقت تو نہیں رکھتے لیکن تکبر کی وجہ سے اس دعویٰ کا اعلان ضرور کرتے ہیں یا مثلاً عیسائی اقوام کو الٰہی منشا کے مطابق اور اسی کے علم سے دنیا میں ایک برتری حاصل ہوئی اور علم کے میدان میں بھی اور دنیا کی ایجادات کے میدان میں بھی انہوں نے بہت ترقی کی۔ اس ترقی کے بعد بجائے اس کے کہ وہ خدائے واحد و یگانہ کی طرف جھکتے اور حمد کرتے ہوئے اس کے سامنے سجدہ ریز ہوتے۔ انہوں نے اس کے مقابلہ پر اپنا تمام زور، اپنی تمام طاقت اور اپنے تمام اموال، یسوع مسیح کی خدائی کو ثابت کرنے میں لگا دیئے۔

غرض اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے کہ تکبر اس قسم کا گھناؤنا گناہ ہے ایسی بدی ہے کہ شرک کے راستے اسی کے چوراہے سے پھٹتے ہیں اور انسان نے جب بھی اللہ تعالیٰ کے مقابل کسی اور کو شریک قرار دیا تو تکبر ہی اس کی وجہ بنی تھی اور انہوں نے ان چیزوں کو جو ان کی طرف منسوب ہوتی تھیں۔ اس پاک وجود کے مقابلہ میں جو ہر مخلوق کی طرف منسوب ہوتا ہے اور ہر مخلوق اس کی طرف منسوب ہونے والی ہے زیادہ عظمت دے دی۔ پس تکبر ایسا گناہ کبیرہ اور ایسی بدی ہے جس کے مقابلہ میں کسی اور گناہ اور بدی کو بڑا قرار نہیں دیا جا سکتا اور شرک کی بدی تکبر سے ہی پھوٹتی ہے۔ دوسری چیز جو تکبر کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے وہ الٰہی اور آسمانی تعلیم سے محرومی ہے اللہ تعالیٰ سورۃ بقرہ میں فرماتا ہے:۔

اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ (البقرۃ:۸۸)

یعنی جب بھی تمہارے پاس کوئی رسول اس تعلیم کو لے کر آیا جسے تمہارے نفس پسند نہیں کرتے تھے تو تم نے تکبر کا مظاہرہ کیا یعنی اپنی بد عادات، گندی روایات، بد رسوم اور جھوٹے اعتقادات کو اپنے تکبر کی وجہ سے آسمانی تعلیم سے بہتر سمجھا اور آسمانی تعلیم کو اپنے تکبر کی وجہ سے تم نے ٹھکرا دیا۔ اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے کہ جن لوگوں میں تکبر پایا جاتا ہے اور وہ اپنے آپ کو صاحبِ عظمت، صاحبِ رفعت اور صاحبِ طاقت و دولت سمجھتے ہیں اور دوسروں کو

اپنے جیسا نہیں سمجھتے، پھر اس تکبر کے نتیجہ میں ہر وہ رسم ہر وہ عادت ہر وہ خیال اور ہر وہ اعتقاد جو وہ بچپن سے سنتے آئے ہیں قبول کر لیتے ہیں اور جب ان گندی چیزوں کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرماتے ہوئے اور صحیح عقائد ان کے سامنے رکھنے کے لئے اپنے رسول کو بھجواتا ہے اور وہ اس کی لائی ہوئی آسمانی ہدایت کو سنتے ہیں تو بجائے اس کے کہ وہ خدا تعالیٰ کے شکر گزار ہوں اور کہیں کہ ہمارے ربّ نے ہم پر رحم کیا اور ہمارے لئے ہمارے کسی عمل کے بغیر اور ہمارے کسی استحقاق کے بغیر آسمان سے ہدایت کو نازل کیا تا کہ ہم اپنی پیدائش کے مقصد کو حاصل کر سکیں اور خدا تعالیٰ کے قرب کو پا سکیں انہوں نے وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ (الاعراف: ۱۷۷) کے ماتحت اپنی ہی پسند، اپنی ہی خواہش اور اپنی ہی عادتوں کو اللہ تعالیٰ کی ہدایت، اس کی تعلیم اور آسمانی نور کے مقابلہ میں افضل، اعلیٰ اور ارفع سمجھا اور اس طرح وہ الٰہی ہدایت اور آسمانی نور کے قبول کرنے سے محروم ہو گئے۔ سو یہ بھی ایک نہایت ہی بھیانک، بُرا اور مہلک نتیجہ ہے جو تکبر کی وجہ سے نکلتا ہے۔

اس کے علاوہ یہ آیت اس طرف بھی اشارہ کر رہی ہے کہ ایک تو وہ لوگ ہیں جو کافر ہوئے جو منکر ہوئے اور انہوں نے خدا تعالیٰ کے رسول کو نہیں مانا یہ لوگ تو خدا تعالیٰ کی ہدایت اور نور سے محروم تھے ہی لیکن جو لوگ خدا اور اس کے رسول کو ماننے والے ہیں وہ بھی بعض دفعہ اپنے تکبر کی وجہ سے الٰہی ہدایت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ان کا نفس مثلاً پسند نہیں کرتا کہ کوئی شخص ان کے پاس آئے اور ان کو یہ بتائے کہ تمہارے اندر فلاں کمزوری پائی جاتی ہے تم اسے دور کرو۔ وہ کہتے ہیں ہماری بے عزتی ہو گئی یا مثلاً کوئی شخص کسی بڑے مالدار کو یہ کہے کہ دیکھو تم غریبوں پر رحم کیا کرو تو وہ سمجھتا ہے کہ اس شخص نے میری بے عزتی کی ہے اور اس طرح وہ اپنے آپ کو اسلامی حکم سے بالا سمجھنے لگتا ہے اور اپنے آپ کو ان فیوض سے محروم کر لیتا ہے جن فیوض کو وہ اسلامی تعلیم کے ذریعہ حاصل کر سکتا ہے۔

تیسری چیز جس کا ذکر قرآن کریم نے اس ضمن میں کیا ہے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے جو نشانات اور آیات اتارتا ہے ایک متکبر انسان ان کو قبول کرنے کی بجائے، ان سے فائدہ اٹھانے کی بجائے اور ان کے نتیجہ میں اپنے ربّ کا عرفان حاصل کرنے کی بجائے، ان کی تکذیب شروع

کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۔ (الاعراف:۳۷)

یعنی وہ لوگ جو ہماری آیات کا انکار کرتے ہوئے اور تکبر کرتے ہوئے ان سے اعراض کرتے ہیں وہ دوزخی ہیں۔ وہ دوزخ میں ایک لمبے عرصے تک پڑے رہیں گے۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے انسان کی توجہ اس طرف پھیری ہے کہ ہم اپنی رحمت بے پایاں کے نتیجہ میں تمہاری اصلاح کی خاطر اور تمہارے لئے اپنے قرب اور رضا کی راہیں کھولنے کے لئے آسمانی آیات، نشانات اور معجزات اُتارتے ہیں اور اتارتے رہیں گے۔ لیکن تم بھی عجیب ہو کہ جب ہم تم پر اپنے قرب کی راہ کھولنا چاہتے ہیں اور آسمان سے نشانات کو اُتارتے ہیں تو تم اپنے غرور، خود پسندی، اباء اور تکبر کی وجہ سے ان کی طرف توجہ نہیں کرتے اور ان راہوں کو اپنے پر مسدود کر لیتے ہو۔ غرض یہاں اللہ تعالیٰ نے استکبار کا ایک نہایت ہی بدنتیجہ یہ بتایا ہے کہ متکبر انسان اللہ تعالیٰ کے نشانات سے وہ فائدہ نہیں اُٹھاتا یا وہ فائدہ نہیں اُٹھا سکتا جس کے لئے اللہ تعالیٰ آسمان سے ان نشانات کو نازل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو لوگ تکبر کی وجہ سے میری آیات کو جھٹلاتے ہیں وہ میرے غضب کی آگ میں پڑنے والے ہیں اور انہیں ایسا دردناک عذاب پہنچے گا کہ وہ سمجھیں گے کہ یہ عذاب تو ختم ہونے والا نہیں ابدالآباد تک کا ہے۔

پھر اِسی سورۃ (سورۂ اعراف) میں دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ وَ اِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَ اِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَ اِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ كَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ۔ (الاعراف:۱۴۷)

’’یعنی میں جلد ہی ان لوگوں کو جنہوں نے بغیر کسی حق کے دنیا میں تکبر کیا ہے اپنے نشانوں کی شناخت سے محروم کر کے اور اپنے نشانوں سے جو فائدہ انہیں پہنچ سکتا ہے اس فائدہ سے محروم کر کے انہیں اپنے سے دور کر دوں گا اور اگر وہ ہر ممکن نشان بھی دیکھ لیں تو وہ

ان آیات پر ایمان نہیں لائیں گے۔ اگر وہ سیدھا راستہ دیکھ بھی لیں تو اسے کبھی اپنائیں گے نہیں اور اگر وہ گمراہی کا راستہ دیکھیں تو اسے وہ اپنا لیں گے یہ اس لئے ہے کہ انہوں نے ہماری آیات کی (بوجہ تکبر کے) تکذیب کی اور وہ ان سے غفلت برت رہے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ اس آیت میں یہ فرماتا ہے کہ تکبر کے نتیجہ میں جو لوگ میری آیات کو جھٹلاتے ہیں، میں دین میں بھی اور دنیا میں بھی کامیابی کی راہیں ان پر مسدود کر دیتا ہوں۔ تکبر ہمیشہ بغیر حق کے ہوتا ہے سوائے بعض شاذ اور استثنائی مظاہروں کے جو گو تکبر نہیں ہوتے لیکن تکبر سے ملتے جلتے ہیں۔ جیسا کہ جب مسلمان پہلی بار حج کے لئے مکہ گئے تو اس وقت باوجود جسمانی کمزوری کے وہ طواف کے دوران بڑے اکڑ اکڑ کر چلتے تھے تا مکہ والے یہ نہ سمجھیں کہ مسلمان مدینہ جا کر کمزور ہو گئے ہیں۔ ان کی صحتیں خراب ہو گئی ہیں اور اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے اس فضل سے جو صحت اور جسمانی مضبوطی کی صورت میں ان پر تھا محروم ہو گئے ہیں اگر صحابہؓ کے اس مظاہرہ کو تکبر کا نام دیا جائے تو اسے بغیر حق نہیں کہا جا سکتا کیونکہ ان کا ایسا کرنا محض خدا تعالیٰ کے لئے تھا۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ تکبر جو عام طور پر اپنے نفس کی بڑائی کے لئے ہوتا ہے میری کبریائی کے اظہار کے لئے نہیں ہوتا وہ حق کے بغیر ہی ہوتا ہے اور جو لوگ تکبر کی وجہ سے، اپنے آپ کو بڑا سمجھنے کی وجہ سے، اپنے آپ کو کچھ جاننے کی وجہ سے، اپنے آپ کو بڑی عظمت والا، بڑے جبروت والا، بڑی طاقت والا، بڑے مال والا، بڑی وجاہت والا اور بڑے علم والا سمجھنے کی وجہ سے میری آیات کو جھٹلا دیتے ہیں اور ان کی طرف توجہ نہیں کرتے خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۭ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ (البقرۃ: ۸) ان کے اندر ان بدعملیوں کی وجہ سے ایک ایسی تبدیلی پیدا ہو جائے گی کہ وہ حق کے قبول کرنے سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دیئے جائیں گے اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جب بھی رشد و ہدایت اور کامیابی کا کوئی راستہ ان کے سامنے آئے گا وہ اس راستہ پر نہیں چلیں گے یعنی میری آیات کے جھٹلانے کی وجہ سے جو تکبر کے نتیجہ میں ہوگا اللہ تعالیٰ دین میں بھی اور دنیا میں بھی کامیابی کی راہیں ان پر مسدود کر دے گا۔ متکبر انسان کچھ عرصہ کے لئے تو شاید اپنے آپ کو بڑا خوش قسمت سمجھے اور بڑا کامیاب سمجھے لیکن آخر کار اسی دنیا میں انہیں اللہ تعالیٰ

ناکام اور نامراد کرتا ہے وہ کامیابی کا منہ کبھی نہیں دیکھتے اور عاقبت ہمیشہ متقی لوگوں کے لئے ہی ہوتی ہے۔

آخری کامیابی صرف مومنوں کو ہی نصیب ہوتی ہے آخری فتح صرف ان لوگوں کو ہی ملتی ہے جو نہایت عاجزی اور انکسار کے ساتھ اپنے ربّ کی چوکھٹ پر پڑے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان متکبران کو کامیابی کی راہیں کبھی نہیں ملیں گی اور وہ راستے جو ان کے لئے مصیبت بن جائیں گے ان کو وہ خوشی سے قبول کر لیں گے اور نہیں جانیں گے کہ ان کا انجام کیا ہے اور جب وہ اس راستہ پر چل کر اپنے زعم میں خوشی خوشی منزل پر پہنچیں گے تو اس منزل کو نارِ جہنم پائیں گے اور یہ اس لئے ہوگا کہ انہوں نے تکبر کیا ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان سے غفلت برتی۔ یہ ایک نہایت ہی بھیانک سزا ہے جو ان لوگوں کے لئے تجویز کی گئی ہے جو تکبر سے کام لیتے ہیں اور جس کے نتیجہ میں وہ اللہ تعالیٰ کے نشانات سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔

الٰہی سلسلہ میں نشانات اور آیات کا ایک دریا بہہ رہا ہوتا ہے اور جماعت مومنین کا یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ ان آیات اور نشانات کو دیکھے، ان کو سمجھے اور جس غرض کے لئے وہ نشانات ظاہر کئے گئے ہیں اس کو وہ پورا کرے۔ اسی طرح جو فائدہ ممکن طور پر وہ اس سے اٹھا سکتی ہو اس سے اٹھائے اور یہ صرف کافروں کے لئے ہی نہیں، مومنوں کے لئے بھی فرض ہے کہ وہ تکبر کی باریک سے باریک راہوں سے اجتناب کرتے ہوئے آسمانی نشانات اور آیات سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے والے ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا فیضان جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اسلام میں جاری ہوا وہ فیضان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل اب پھر سے ہم جیسے کمزور اور ناتوان اور عاجز بندوں کو ملنا شروع ہو گیا ہے اور اللہ تعالیٰ لاکھوں نشانات جماعت احمدیہ کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد بھی دکھلا چکا ہے۔ اور جب بھی کرائسز (Crisis) یعنی خطرناک حالات پیدا ہو جاتے ہیں آسمان سے نشانات بارش کی طرح نازل ہونے لگتے ہیں۔ ۱۹۵۳ء میں ہم نے آسمان سے بارش کی طرح نشانات کا نزول دیکھا۔ پھر جب فرقان بٹالین محاذ

پڑ گئی تو اس وقت اس بٹالین کے پانچ چھ سَو نو جوانوں نے بارش کی طرح آسمان سے اللہ تعالیٰ کے نشانات اور آیات کو نازل ہوتے دیکھا۔ پھر جہاں اللہ تعالیٰ جماعت احمدیہ کے بزرگ افراد کو انفرادی طور پر اپنے نشانات سے نوازتا ہے وہاں وہ جماعت کو بحیثیت جماعت بھی اپنے نشانات، آیات اور معجزات سے نوازتا رہتا ہے اور جماعت کے افراد کا فرض ہے کہ وہ جب خدا تعالیٰ کے اس احسان کو دیکھیں تو ان کے دل میں رائی کے کروڑویں حصہ کے برابر بھی تکبر پیدا نہ ہو۔ وہ نہایت عاجزی کے ساتھ خدا تعالیٰ کے ان احسانوں کا شکریہ ادا کرنے والے ہوں تا کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کی شکر گزاری کے نتیجہ میں جماعت کو پہلے سے زیادہ نشانات اور آیات دکھاتا چلا جائے۔ اس وقت میں ان تین باتوں کی طرف جو قرآن کریم نے بیان فرمائی ہیں احباب کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔

اوّل یہ کہ اگر شرک کی باریک راہوں سے بچنا ہو تو کسی قسم کا بھی تکبر ہمارے دلوں میں پیدا نہیں ہونا چاہیے۔

دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی تعلیم اور ہدایت کا ہم نے حق ادا کرنا ہو تو پھر بھی ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہمارے دل اور نفس میں کسی قسم کا تکبر پیدا نہ ہو۔

تیسرے اگر ان آیات سے جو اللہ تعالیٰ ہمارے لئے آسمان سے نازل فرما رہا ہو۔ ہم نے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانا ہو اور استفاضہ کرنا ہو تو ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم تکبر سے اس طرح ڈرنے والے اور بچنے والے ہوں جس طرح کہ ہم دہکتی ہوئی آگ میں جان بوجھ کر اپنا ہاتھ ڈالنے سے بچتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

(روزنامہ الفضل ربوہ یکم جون ۱۹۶۶ء صفحہ ۲ تا ۴)

اتنی دعائیں کریں کہ بس مجسم دعا بن جائیں اور غلبۂ اسلام کی خاطر اپنی قربانیوں کو نقطۂ عروج تک پہنچا دیں

خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۰ رمئی ۱۹۶۶ء بمقام مسجد پیدرآباد

تشہد، تعوذ اور تلاوت فاتحہ شریف کے بعد فرمایا:۔

آج میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک عظیم الشان پیشگوئی کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایک سو سال بعد پوری ہوئی۔ یا یوں کہنا بجا ہوگا کہ ایک سو سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسے اس رنگ میں پورا کیا کہ اس کی پہلی چمکار دکھا دی کیونکہ اس پیشگوئی کے ساتھ تعلق رکھنے والی اور بھی بہت سی چمکاریں ہیں جو بعد میں ظاہر ہوں گی اور بڑی شان کے ساتھ جلوہ گر ہوں گی اور دنیا پر ثابت کر دیں گی کہ اللہ تعالیٰ واقعی سب قدرتوں کا مالک اور اپنے وعدوں کا سچا ہے جو کہتا ہے پورا کرتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جس سنہ میں بیعت لی اس سے بھی قریباً بیس اکیس سال پہلے ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نئے نئے مولوی بن کر بٹالہ میں آئے۔ وہاں کے لوگوں نے ان کی بعض باتوں کو قبول نہ کیا بلکہ برا مانا اور ایک صاحب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے خلافِ اسلام باتیں بٹالہ میں پھیلانا شروع کی ہیں اس لئے آپ بٹالہ تشریف لے چلیں اور ان کا

مقابلہ کریں۔ چنانچہ ان کے اصرار پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بٹالہ تشریف لے گئے اور مولوی محمد حسین صاحب کی مسجد میں جا کر ملے۔ جہاں کچھ اور آدمی بھی موجود تھے۔ اور آپس میں کچھ باتیں ہوئیں۔ اس پر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے ایک تقریر کی اس تقریر کو سن کر جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر یہ ظاہر ہوگیا کہ جو باتیں مولوی محمد حسین صاحب نے اپنی تقریر میں کہی ہیں وہ خلاف اسلام نہیں تو آپ نے خدا اور رسول کی خاطر بحث کا ارادہ ترک فرما دیا۔ حالانکہ آپ مولوی صاحب کے مدِّمقابل کی حیثیت سے وہاں گئے تھے اور جن لوگوں نے آپ کو بلایا تھا انہیں آپ نے فرمایا کہ میرے نزدیک مولوی محمد حسین صاحب کی بیان کردہ باتوں میں سے کوئی ایسی بات نہیں جو خلافِ اسلام ہو اس لئے بحث کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

آپ نے خدا تعالیٰ کی خاطر کامل تذلل اور انکسار کو اختیار کیا اور تذلل اور انکسار کے ایسے مقام پر آپ کھڑے ہوئے کہ اُمّتِ محمدیہ میں سے کسی شخص کو انکسار اور تذلل کے اس مقام پر کھڑا ہونے کی توفیق نہ پہلے ملی اور نہ ہی کسی کو یہ توفیق آئندہ ملے گی۔ تب اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اس وعدہ کے مطابق جو اس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا۔ مقامِ تذلل سے اٹھا کر اس رِفعتِ سماوی تک پہنچا دیا کہ جس تک اُمّتِ محمدیہ میں سے کوئی شخص نہ اس سے پہلے کبھی پہنچا اور نہ آئندہ کوئی پہنچے گا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مخاطب کر کے فرمایا کہ

”تیرا خدا تیرے اس فعل سے راضی ہوا اور وہ تجھے بہت برکت دے گا۔ یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔ پھر بعد اس کے عالمِ کشف میں وہ بادشاہ دکھلائے گئے۔ جو گھوڑوں پر سوار تھے۔“

(یہ ۱۸۶۸ یا ۱۸۶۹ کا واقعہ ہے۔ اور بیعت ۱۸۸۹ میں ہوئی)

اس کے آگے حضور فرماتے ہیں کہ

”چونکہ خالصاً خدا اور اس کے رسول کے لئے انکسار و تذلل اختیار کیا گیا۔ اس لئے اس محسنِ مطلق نے نہ چاہا کہ اس کو بغیر اجر کے چھوڑے۔“ [۱۳]

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ الہام کہ میں تجھے برکت دوں گا حتی کہ بادشاہ

تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔ مختلف مواقع پر مختلف الفاظ میں ہوا ہے۔ ان میں سے صرف دو تین حوالے یہاں پیش کرتا ہوں۔

(۱) ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کو آپ نے ایک اشتہار دیا۔ اس میں آپ نے تحریر فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے فرمایا ہے:۔

’’تو مجھ سے ایسا ہے جیسی میری توحید۔ تو مجھ سے اور میں تجھ سے ہوں اور وہ وقت آتا ہے بلکہ قریب ہے کہ خدا بادشاہوں اور امیروں کے دلوں پر تیری محبت ڈالے گا۔ یہاں تک کہ وہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔‘‘ [۱۴]

(۲) اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ الہام ہوا

’’بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں برمنار بلند تر محکم افتاد۔ خدا تیرے سب کام درست کر دے گا اور تیری ساری مرادیں تجھے دے گا۔ میں اپنی چمکار دکھلاؤں گا۔ اپنی قدرت نمائی سے تجھ کو اٹھاؤں گا اور تیری برکتیں پھیلاؤں گا یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔ دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔‘‘ [۱۵]

(۳) پھر حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے لجۃ النور میں تحریر فرمایا ہے:۔

’’ اِنِّیْ رَئَیْتُ فِیْ مُبَشَّرَةٍ اُرِیْتُهَا جَمَاعَةً مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ الْمُخْلَصِیْنَ وَالْمُلُوْكَ الْعَادِلِیْنَ الصَّالِحِیْنَ بَعْضُهُمْ مِّنْ هٰذَا الْمُلْكِ وَ بَعْضُهُمْ مِّنَ الْعَرَبِ وَ بَعْضُهُمْ مِّنْ فَارِسَ وَ بَعْضُهُمْ مِّنْ بِلَادِ الشَّامِ وَ بَعْضُهُمْ مِّنْ اَرْضِ الرُّوْمِ وَ بَعْضُهُمْ مِّنْ بِلَادٍ لَا اَعْرِفُهَا ‘‘ [۱۶]

مفہوم یہ ہے کہ میں نے ایک خواب میں دیکھا کہ ایک مخلصین کی جماعت ہے اور کچھ صالح اور عادل بادشاہ ہیں جو میرے سامنے پیش کئے گئے ہیں۔ ان میں سے بعض بادشاہ اس ملک سے تعلق رکھنے والے ہیں۔ بعض بادشاہ عرب ممالک سے تعلق رکھنے والے ہیں۔ بعض بادشاہ ایران سے تعلق رکھنے والے ہیں۔ بعض بادشاہ شام کی سرزمین سے تعلق رکھنے والے ہیں اور بعض ان میں

سے ارضِ روم سے تعلق رکھنے والے ہیں۔ وَ بَعْضُهُمْ مِّنْ بِلَادٍ لَّا اَعْرِفُهَا اور بعض ان میں سے وہ ہیں جو ان ممالک سے تعلق رکھتے ہیں جن کو میں نہیں جانتا۔''

پھر آپ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بتایا گیا کہ یہ لوگ تجھ پر ایمان لائیں گے اور تیرے لئے دعائیں کریں گے اور میں تجھے بہت سی برکات عطا فرماؤں گا۔ حتیٰ کہ وہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔

اس عبارت میں جو یہ فقرہ ہے مِنْ بِلَادٍ لَّا اَعْرِفُهَا اس کے دو معنی کئے جا سکتے ہیں۔

ایک تو یہ کہ آپ کے زمانہ میں وہ ممالک تو موجود تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی کسی حکمت کے ماتحت آپ کو ان کا علم نہیں دیا گیا اور ایک معنی اس کے یہ بھی کئے جا سکتے ہیں کہ میرے سامنے ایسے بادشاہ لائے گئے جو ان ممالک کے سربراہِ مملکت ہیں جو اس وقت موجود ہی نہ تھے۔ تو مطلب یہ ہوگا کہ میں ان ممالک کو نہیں جانتا کیونکہ جس وقت یہ نظارہ مجھے دکھایا گیا اس وقت نہ وہ ملک موجود تھے اور نہ ہی ان کے سربراہ۔

(۴) اس طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی کتاب تجلیاتِ الٰہیہ (۱۹۰۶ء) میں، اپنی وفات سے کچھ عرصہ قبل تحریر فرمایا کہ

''خدا تعالیٰ نے مجھے بار بار خبر دی ہے کہ وہ مجھے بہت عظمت دے گا اور میری محبت دلوں میں بٹھائے گا۔ اور میرے سلسلہ کو تمام زمین میں پھیلائے گا اور سب فرقوں پر میرے فرقہ کو غالب کرے گا اور میرے فرقہ کے لوگ اس قدر علم اور معرفت میں کمال حاصل کریں گے کہ اپنی سچائی کے نور اور اپنے دلائل اور نشانوں کے رو سے سب کا منہ بند کر دیں گے اور ہر ایک قوم اس چشمہ سے پانی پیئے گی اور یہ سلسلہ زور سے بڑھے گا اور پھولے گا یہاں تک کہ زمین پر محیط ہو جاوے گا۔ بہت سی روکیں پیدا ہوں گی اور ابتلا آئیں گے۔ مگر خدا سب کو درمیان سے اٹھا دے گا اور اپنے وعدہ کو پورا کرے گا اور خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ میں تجھے برکت پر برکت دوں گا یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔

سوا اے سننے والو! ان باتوں کو یاد رکھو اور ان پیش خبریوں کو اپنے صندوقوں میں محفوظ رکھ لو کہ یہ خدا کا کلام ہے جو ایک دن پورا ہوگا‘‘ [۱۷]

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان الہامات اور عبارات سے مندرجہ ذیل باتوں کا پتہ چلتا ہے۔

اول یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو وعدہ عطا فرمایا ہے اس کی دو وجوہات ہیں ایک یہ کہ آپ نے انتہائی عاجزی اور فروتنی اور انکسار اور تذلّل کے مقام کو اختیار کیا تھا تا کہ آپ کا رب آپ سے خوش ہو۔ پھر یہ کہ اللہ تعالیٰ محسنِ مطلق ہے اور اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ بھی فرمایا ہوا تھا کہ اُمّتِ مسلمہ کے افراد جو میری طرف منسوب ہونے والے ہیں اگر تواضع کو اختیار کریں گے تو تواضع کی برکت سے ان کے لئے رفعت کے سامان مہیا کئے جائیں گے۔ یہاں تک کہ بعض ان میں سے ساتویں آسمان تک پہنچ جائیں گے اور رِفعت کا آخری مقام انہیں حاصل ہوگا۔

دوم اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ فرمایا ہے کہ یہ وعدہ اس لئے دیا جارہا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ساری کوشش اور تمام جہد وجہد اس غرض سے ہے کہ خدا تعالیٰ کی توحید دنیا میں قائم ہو۔ گویا یوں فرمایا کہ چونکہ تو اپنی ہر کوشش، اپنے مال کا ہر پیسہ اور توجہ کا ہر لحظہ اور زندگی کا ہر لمحہ دنیا میں خدا تعالیٰ کی توحید کے قیام کے لئے گزارے گا اور اس مقصد کے حصول کے لئے دنیا کی طرف سے ہزارہا لعنتیں اور گالیاں لینے کے لئے تیار ہوگا اس لئے تجھ سے یہ وعدہ کیا جاتا ہے کہ تجھے ہم اتنی برکت دیں گے کہ وہ کپڑا جو تیرے بدن سے چھو جائے گا۔ اس میں بھی برکت رکھی جائے گی اور اس کی حفاظت کی جائے گی۔ اس وقت تک کہ بادشاہوں کے دلوں میں خواہش پیدا ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی برکت کے حصول کے لئے تیرے وہ کپڑے منگوائیں اور ان سے برکت حاصل کریں۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جیسا کہ میں نے ابھی پڑھ کر سنایا ہے۔ ۱۸۸۶ء کو اشتہار میں تحریر فرمایا کہ

’’خدا تعالیٰ نے مجھے الہام کیا ہے کہ تو مجھ سے ایسا ہے جیسے میری توحید اور تو مجھ سے

ہے اور میں تجھ سے ہوں‘‘

اور اس کے بعد فرمایا کہ

’’وقت آتا ہے بلکہ قریب ہے کہ خدا تعالیٰ بادشاہوں اور امیروں کے دلوں میں تیری محبت ڈالے گا‘‘

تو ایک جگہ کمال تذلل کا ذکر ہے۔ اور دوسری جگہ اس تذلل کے نتائج پیدا کرنے کا ذکر ہے یعنی یہ کہ حضور علیہ السلام کے ذریعہ توحید قائم ہوگی۔

یہ ذکر یہاں اس لئے کیا گیا ہے تا کہ خدا تعالیٰ ہمیں یہ بتائے کہ مخالف لوگ یہ اعتراض کریں گے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دنیا میں ایک دوکانداری جاری کی ہوئی ہے اور یہ دنیا میں حاکم بننا چاہتے ہیں اور یہ سارا سلسلہ انہوں نے اپنے ذاتی وقار اور عزت کے قیام کے لئے قائم کیا ہے۔

سو اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی اس اعتراض کا جواب دے دیا ہے۔ فرماتا ہے کہ یہاں اپنی عزت کا کوئی سوال ہی نہیں۔ اس وجود نے اپنی ساری عزتیں میرے لئے قربان کر دی ہیں اور نہ اس کے ذاتی وقار کا کوئی سوال ہے۔ کیونکہ اس کی زندگی کا ہر لحظہ توحید کے قیام کے لئے ہے اسی لئے میں نے وعویٰ کیا ہے کہ اسے برکت پر برکت دی جائے گی۔

پس ان الہامات میں بتایا گیا ہے کہ یہ برکتیں ہم کیوں دے رہے ہیں!!

اور پھر یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ آئندہ مخالفین کی طرف سے جو اعتراض کیا جائے گا وہ غلط ہوگا۔ کیونکہ یہ سب کچھ توحید کے قیام کے لئے کیا گیا ہے۔

اس میں حضور کی کوئی اپنی ذاتی غرض پوشیدہ نہیں ہے۔

پھر ان الہامات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ وقت قریب ہے۔ جب یہ پیشگوئی پوری ہو جائے گی۔ فرمایا:۔

’’وقت آتا ہے بلکہ قریب ہے کہ خدا بادشاہوں اور امیروں کے دلوں میں تیری محبت ڈالے گا‘‘

یہ ’’قریب‘‘ ۱۸۶۸ سے بھی شمار کیا جا سکتا ہے۔اور ۱۸۸۹ سے بھی جو بیعت کا سنہ ہے۔

اس کے ساتھ ہی ایک اور بات بھی ان الہامات سے ثابت ہوتی ہے وہ یہ کہ ان الہامات کے پورا ہونے کا وقت قریب نہیں بلکہ دور ہے کیونکہ تجلیاتِ الٰہیہ میں حضور فرماتے ہیں:۔

’’سو تم ان باتوں کو یاد رکھو ان پیش خبریوں کو اپنے صندوقوں میں محفوظ رکھ لو کیونکہ یہ خدا کا کلام ہے‘‘

تو صندوقوں میں پیشگوئی کو محفوظ رکھنے کا مطلب ہی یہی ہے کہ قریب زمانے میں یہ پیشگوئی پوری نہ ہوگی بلکہ لوگ اعتراض کریں گے کہ بڑا لمبا زمانہ گزر گیا ہے اور یہ پیشگوئی پوری نہ ہوئی۔ اس لئے تم اس کی تاویل کرنا شروع نہ کرنا بلکہ ان پیشگوئیوں کو محفوظ رکھنا کہ یہ خدا کا کلام ہے اور وہ اپنے وعدوں کا سچا ہے۔

جیسے کہ میں نے پہلے بھی بتایا ہے کہ برکت تلاش کرنے والے بعض ایسے بادشاہ بھی ہوں گے جو مِنْ بِلَادٍ لَّا اَعْرِفُهَا۔ ایسے ممالک سے ہوں گے جن کو میں (مسیح موعود) نہیں جانتا۔ تو اگر ان الہامات کے بعد دنیا میں ایسے نئے ممالک نمودار ہو جائیں جو مملکت کی حیثیت اختیار کر لیں اور ان کا سربراہ بھی احمدی ہو پھر اس کے دل میں یہ خواہش بھی پیدا ہو کہ وہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کپڑوں سے برکت حاصل کرے اور پھر وہ خلیفۂ وقت سے درخواست کرے کہ مجھے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کپڑوں کا ایک ٹکڑا بھیجا جائے تا کہ میں اس سے برکت حاصل کر سکوں۔ تو اس کا مطلب یقیناً یہ ہوگا کہ یہ پیشگوئی کئی لحاظ سے ایک خاص شان کے ساتھ پوری ہوئی۔ چنانچہ گیمبیا کے Acting گورنر جنرل الحاج نے مجھ سے درخواست کی ہے کہ میں انہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کپڑے کا ایک ٹکڑا بھجواؤں تا کہ وہ اس سے برکت حاصل کر سکیں خدا تعالیٰ نے یہ پیشگوئی پورا کرنے کے لئے اوّل یہ ملک بنایا اور پھر اسے آزادی دلائی۔ پھر وہاں ایک احمدی کو اس کا سربراہ بنایا پھر اس کے دل میں یہ خواہش پیدا کی کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کپڑا منگوائے۔اور اس سے برکت ڈھونڈے۔

پہلے الہام کا پہلا حصہ تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقامِ تذلل اور انکسار کی

طرف توجہ دلا رہا تھا۔ دوسرے الہام میں یہ بتایا گیا تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ جو سلسلہ جاری کیا گیا ہے اس کی ایک ہی غرض ہے اور خود آپ کی زندگی کا بھی ایک ہی مقصد ہے وہ یہ کہ دنیا میں خدا تعالیٰ کی توحید قائم ہو جائے۔

اس پیشگوئی کے متعلق جو اعتراضات مخالفین کی طرف سے کئے گئے ہیں ان میں سے ایک میں دوستوں کو سنانا چاہتا ہوں۔ وہ اعتراض اخبار آزاد لاہور مورخہ ۲۴ نومبر ۱۹۵۰ صفحہ ۲ کالم ۱ میں شائع ہوا ہے۔ مضمون نگار ایک شخص ابو القاسم رفیق صاحب لاہوری ہیں اور اس مضمون کا عنوان ہے:۔

’’ربع مسکون پر میرزائی حکومت کا خوابِ پریشانی‘‘

یعنی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ دعویٰ کہ خدا تعالیٰ نے مجھ سے یہ وعدہ کیا ہے کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے یہ ان کے نزدیک ایک ’’خوابِ پریشان‘‘ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔

پھر وہ لکھتے ہیں کہ

’’اس بات کا کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ حکیم نور دین صاحب کے دل میں قیامِ سلطنت کا جذبہ از خود پیدا ہوا تھا یا مرزا صاحب نے اس کے لئے تحریک کی تھی۔ مرزا صاحب کو ٹوڈی اور سرکاری نبی بنانے والے حضرات شاید مؤخر الذکر خیال کا مضحکہ اڑائیں گے لیکن حقیقت یہ ہے کہ گو مرزا صاحب نے تقدس کی دکان ابتداءً محض شکم پروری کے لئے کھولی تھی لیکن ترقی کر کے سلطنت پر فائز ہونے کا لائحہ عمل بھی شروع سے ان کے پیشِ نظر تھا اور انہیں آغاز کار سے اس مطلب کے الہام بھی ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ بقول میاں بشیر احمد ایم۔اے (ابن مرزا غلام احمد قادیانی) مرزا صاحب کا پہلا الہام جو ۱۸۶۸ یا ۱۸۶۹ میں ہوا یہ تھا کہ ’’بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔‘‘ (سیرۃ المہدی جلد ۲ ص ۱۵۰) خود مرزا صاحب نے نہ صرف اس الہام کا بڑے طمطراق سے براہین میں تذکرہ فرمایا بلکہ عالمِ کشف میں وہ بادشاہ بھی مرزا صاحب کی ’’مقدس بارگاہ‘‘ میں پیش کر دیئے گئے جو ان

کے بیان بموجب ان کے پیرو ہونے والے تھے۔ چنانچہ براہین میں اپنا ایک الہام لکھتے ہیں۔

خدا تجھے برکت دے گا یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے پھر بعد اس کے وہ بادشاہ دکھلائے گئے جو گھوڑوں پر سوار تھے (براہین ص ۵۲۱) میاں بشیر احمد نے اس الہام پر اتنا اضافہ کیا ہے یہ بادشاہ تعداد میں سات تھے جس میں یہ اشارہ تھا کہ ہفت اقلیم کے فرمانروا تیرے حلقہ بگوشوں میں داخل ہو کر تجھ سے برکتیں پائیں گے۔'' (سیرۃ المہدی جلد ۲ ص ۹۲)

گو بادشاہوں کی متابعت کا کشف یا خواب کبھی پورا نہ ہو لیکن اس سے کم از کم قادیانی صاحب کی ذہنی کیفیت، ان کے خیالات کی بلند پروازی اور ان کی اولوالعزمی کا ضرور پتہ چلتا ہے''

پس اس مضمون کی ابتداء ہے۔''خوابِ پریشانی'' اور نتیجہ ہے کہ ''بادشاہوں کی متابعت کا خواب کبھی پورا نہ ہوا'' اور دعویٰ ان کا یہ ہے کہ یہ سلسلہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے (نعوذ باللہ) شکم پروری کے لئے قائم کیا تا یہ سلسلہ ترقی کرتا ہوا سلطنت پر فائز ہو جائے اور دیگر حکومتیں اس میں شامل ہو جائیں اور حضور اس سے ذاتی فائدہ اٹھائیں۔

اللہ تعالیٰ نے مخالفین کے اعتراضوں کا ایک جواب تو یہ دیا تھا کہ یہ کاروبار اور یہ سلسلہ محض توحیدِ باری تعالیٰ کے قیام کے لئے جاری کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس پیشگوئی کی پہلی چمکار جو ظاہر ہوئی وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے پچاس ساٹھ سال بعد ظاہر ہوئی۔ اس صورت میں حضور کی شکم پروری کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

پھر میری اور آپ کی بھی شکم پروری نہیں ہوتی کیونکہ یہ ملک مرکز سے ہزارہا میل دور ہے بلکہ اس کے برعکس میں خود اور آپ بھی اپنے مالوں کا ایک حصہ اس جدوجہد میں اس لئے لگا رہے ہیں کہ افریقہ کے ان ممالک کو بت پرستی اور لامذہبی سے آزاد کرا کر انہیں توحید کے جھنڈے تلے جمع کریں۔

جس رنگ میں یہ اعتراض کیا گیا اور جس رنگ میں اس الہام کا مضحکہ اڑایا گیا۔ وہ ہمارے لئے قابلِ تعجب بات نہیں۔

اللہ تعالیٰ پر قربان جائیں وہ خود فرماتا ہے یٰحَسۡرَةً عَلَى الۡعِبَادِ ۚ مَا يَاۡتِيۡهِمۡ مِّنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ (یٰسٓ:۳۱) کہ جب کبھی میرا کوئی بندہ آ کر یہ کہتا ہے کہ مجھے خدا نے بھیجا ہے اور خدا تعالیٰ کی توحید کو قائم کرنا میرا اوّلین مقصد ہے تو اس کی قوم اس کو پہچانتی نہیں بلکہ استہزاء اور تحقیر سے کام لیتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ زبردست نشانوں کے ساتھ اس کی سچائی کو ثابت کرتا ہے۔

کتنا زبردست نشان ہے کہ ۶۹۔ ۱۸۶۸ مین حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو قادیان میں بھی جاننے والے بہت کم تھے۔ لیکن حضور کے دل میں فنا فی اللہ کا ایک بیج تھا جسے علام الغیوب خدا دیکھ رہا تھا اور وہ جانتا تھا کہ اس شخص نے اپنی زندگی کا ہر لمحہ اپنے مال کا ہر پیسہ میری راہ میں خرچ کرنا ہے۔ وہ اپنے لئے کچھ نہیں چاہتا کیونکہ اس نے اپنے اوپر کلی فنا وارد کر لی ہے اور میری توحید کے لئے پورے طور پر مر چکا ہے۔

اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تجھے اٹھاؤں گا اور تجھے برکت دوں گا اور اتنی برکت دوں گا کہ سننے والے اسے تسلیم نہ کریں گے اور نہ ہی اس پر ایمان لائیں گے۔

ایک شخص جس کو دنیوی وجاہت بھی حاصل نہیں بلکہ اس کے گھر والے بھی اس کی پرواہ نہیں کرتے اور وہ ایسے حالات میں زندگی گزار رہا ہے کہ گویا وہ ان کے بچے کچے ٹکڑوں پر گزارہ کر رہا ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں تجھے ایسے مقام پر پہنچاؤں گا کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔ کیا یہ ایک عظیم الشان پیشگوئی نہیں؟؟؟

خدا تعالیٰ کے فضل سے اس الہام کی پہلی چمکار اس وقت ظاہر ہوئی ہے۔ ''پہلی چمکار'' اس لئے کہ اس کے کئی اور جلوے بھی ظاہر ہوں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اور یہ پہلی چمکار افریقہ کے ایک ایسے ملک میں ظاہر ہوئی کہ جس کا الہام کے وقت کوئی وجود ہی نہ تھا۔ پہلے خدا تعالیٰ نے وہ ملک بنایا پھر اسے آزادی بخشی پھر ایک احمدی کو اس کا سربراہ بنایا۔ اور پھر اس کے دل میں یہ خواہش پیدا کی کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کوئی تبرک اسے مل جائے۔ اگر چہ وہ

Acting گورنر جنرل ہے لیکن بہر حال سر براہِ مملکت ہے اور جس طرح برسات کی ابتداء پر بڑی دور سے آپ کو چمک نظر آتی ہے۔ پھر چمک بڑھنا شروع ہوتی ہے پھر بادل چھا جاتے ہیں اور آخر خدا کی رحمت (بارش) نازل ہوتی ہے۔ اسی طرح یہ چمکار بھی پہلی چمکار ہے یا یوں کہیے کہ خدائے قادر وتوانا کی انگلی مستقبل کے افق کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ اس پیشگوئی کے پورا ہونے کا وقت آ گیا ہے اس لئے ہمیں چاہیے کہ ہم خدا کی حمد بھی کریں اور اس کی راہ میں ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار رہیں۔

یہ جو فرمایا کہ وقت آتا ہے بلکہ قریب ہے یہ ''قریب'' کا لفظ نسبتی معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دعویٰ ''مثیلِ مسیح'' ہونے کا تھا۔ اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تحریر فرمایا ہے کہ جو نبی جمالی رنگ میں آتے ہیں ان کو انقلابی رنگ کی ترقیات اور فتوحات نہیں ملتیں بلکہ نسلاً بعد نسلٍ ان کو قربانیاں دینی پڑتی ہیں تب ان کی جماعتیں ترقیات کے کمال تک پہنچتی ہیں اور یہ بھی آپ نے فرمایا ہے کہ مسیح ناصری علیہ السلام کی قربانیوں کا زمانہ تین سو سال تک کا تھا۔ اس کے بعد انہیں فتوحات ملنا شروع ہوئیں لیکن یہ بھی فرمایا ہے کہ چونکہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہوں اس لئے جو ترقیات اور فتوحات مجھے نصیب ہوں گی گو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے طریق کے مطابق ہوں گی لیکن اس زمانہ سے ''کم وقت'' میں حاصل ہو جائیں گی۔ چنانچہ یہی ایک مثال ہے جس سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ اس ''کم وقت'' سے کیا مراد ہے۔ جب ہم حضرت مسیح علیہ السلام اور عیسائیت کی تاریخ پر ایک نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والا یہ پہلا سر براہ مملکت ۳۳۷ء میں عیسائی ہوا۔ کیونکہ اس سال میں قسطنطین نے باقاعدہ بپتسمہ لے لیا گو وہ اس سے قبل ہی عیسائیت کی طرف مائل ہو چکا تھا (چنانچہ اس نے ۳۲۵ء میں کلیسیا کی کونسل میں شرکت بھی کی تھی۔)

پس اگر ہم وہ سَن بھی لے لیں جس میں اس نے عیسائیت کو بظاہر قبول کر لیا تھا (یعنی ۳۲۵ء) تب بھی یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ تین سو سال بعد ایک سر براہ مملکت حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لایا تھا۔ اس کے مقابلہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہء بیعت کے صرف

۷۶ سال بعد ایک سربراہِ مملکت کو ایمان لانے کا شرف حاصل ہوا اور یہ ۷۶ سال کا زمانہ یقیناً تین سو سال کے زمانہ کی نسبت بہت کم ہے۔ ایک چوتھائی (۱/۴) وقت بنتا ہے۔ پس یوں تو یہ زمانہ اتنا قریب نہ تھا جیسے کہ پیشگوئی میں واضح کر دیا گیا تھا۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی فتوحات کے مقابلہ میں اس فتح کا زمانہ یقیناً بہت قریب کا زمانہ ہے کیونکہ ۷۶ اور ۳۰۰ کی نسبت ۱/۴ کی ہے اور اگر اس بات کو ملحوظ رکھا جائے کہ حضور نے جو فرمایا تھا کہ ان پیش خبریوں کو محفوظ رکھ لو کہ یہ خدا کا کلام ہے ضرور پورا ہو کر رہے گا۔ یہ ۱۹۰۶ء میں فرمایا تھا اس میں بھی یہی اشارہ تھا کہ ''قریب ہے'' سے مراد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مقابلہ ''نسبتی قریب'' کا زمانہ ہے کیونکہ یہ الفاظ ہی آگاہ کر رہے تھے کہ یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ یہ پیشگوئی فوری طور پر پوری ہو جائے گی اور فوری طور پر ایسے حالات پیدا ہو جائیں گے بلکہ اس میں واضح کر دیا گیا تھا کہ یہ پیشگوئی اپنے وقت پر جا کر پوری ہوگی حتی کہ استہزاء کرنے والوں کو استہزاء اور ہنسی اور ٹھٹھا کرنے کا موقع مل جائے گا لیکن اللہ تعالیٰ سب روکیں دور فرما دے گا اور ابتلا جاتے رہیں گے اور خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ مجھے جب یہ خط ملا تو تین دن تک میری یہ کیفیت تھی کہ میں اپنے آپ کو اپنے میں محسوس ہی نہیں کر رہا تھا بلکہ دن رات اللہ تعالیٰ کی مجسم حمد بنا ہوا تھا۔ خصوصاً اس خیال سے کہ قربانیاں کرنے والے مجھ سے پہلے گزر گئے اور پہلی چمکار میرے وقت میں آ کر ظاہر ہوئی اور گو یہ خط مجھے ۱۵ راپریل کے قریب مل چکا تھا لیکن شدتِ جذبات کی وجہ سے مجھ میں ہمت نہ تھی کہ میں اس کے متعلق جماعت کے سامنے فوراً ہی کچھ بیان کر سکوں۔

اس چمکار کو دیکھنے کے لئے مختلف نسلوں نے قربانیاں دیں۔ پہلے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں ایک نسل نے قربانی دی۔ پھر حضرت خلیفہ اول کے زمانہ میں ایک نسل تھی جس نے قربانی دی۔ پھر حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت کی ابتداء میں ایک نسل تھی جس نے قربانی دی۔ پھر ۱۹۳۴ء میں ایک اور نسل نے تحریکِ جدید کی قربانی دی۔ اس کے بعد ایک اور نسل آئی جس نے دفتر دوم کی شکل میں قربانی دی۔

ان تین چار نسلوں کی قربانیوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے خوشی کا یہ دن دکھایا کہ یہ الہام جس نے

بار بار پورا ہونا ہے اور خدا تعالیٰ کی قدرت کی یہ تجلی جس نے بار بار اپنی چمکار دکھانی ہے اس کی پہلی چمکار ہم نے ۱۹۶۶ء میں دیکھی اور یہ اس طرح کے گیمبیا کے سربراہ الحاج نے مجھے ۴؍اپریل کو خط لکھا کہ یہاں کے مقامی مبلغ نے مجھے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک مملکت کا سربراہ بنایا ہے اور احمدیت (حقیقی اسلام) کے قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ یہ موقع ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کپڑوں میں سے کوئی کپڑا منگوا لو اور اس سے برکت حاصل کرو۔ لیکن یہ ایک بڑی ذمہ داری ہے اس لئے پہلے تمہیں دعا اور مجاہدہ سے کام لینا چاہیے کہ تمہیں جو تبرک ملے اس کی قدر کر سکو۔

تو انہوں نے مجھے لکھا کہ میں نے چالیس دن تک نوافل ادا کئے ہیں اور اپنی روحانی ترقی کے لئے دعا مانگی ہے اور اپنے رب سے درخواست کی ہے کہ اے اللہ! میں تیرا عاجز بندہ ہوں۔ تو نے ہی مجھے توفیق دی کہ میں اسلام اور احمدیت کو قبول کروں اور پھر تو نے مجھے دنیوی وجاہت بھی دی ہے اور اس مقام پر لا کھڑا کیا ہے۔ سو تو مجھے توفیق دے کہ میں مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کپڑوں سے برکت حاصل کروں۔

انہوں نے یہ حال تحریر کر کے پھر مجھ سے درخواست کی کہ آپ مجھے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کپڑے کا ایک ٹکڑا بھجوا دیں تا کہ میں اس سے برکت حاصل کر سکوں۔

پس یہ پہلی چمکار ہے جو تاریخِ احمدیت کے افق پر ہمیں نظر آئی اور اسے دیکھ کر ہر شخص یہ یقین کر سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں متوجہ کر رہا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جو وعدہ کیا گیا تھا کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔ اس وعدہ کے پورا ہونے کے دن قریب آ رہے ہیں۔

اس لئے جتنی بھی توفیق ملے ہمیں دعائیں کرنی چاہئیں اور جتنی قربانیاں بھی ہم دے سکیں وہ دینی چاہئیں تا کہ اللہ تعالیٰ کے وعدے ہماری سستیوں اور غفلتوں کے نتیجہ میں پیچھے نہ ڈال دیئے جائیں۔ عاجزانہ اور متضرعانہ دعاؤں سے اور تذلل اور انکسار کے طریق سے جدوجہد جاری رکھیں تا کہ اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ جلد از جلد وہ دن لائے کہ جس میں تمام وہ بادشاہ جن کے مقدر

میں یہ ہے کہ وہ اس پیشگوئی کو پورا کرنے والے ہوں وہ احمدیت کو قبول کریں اور ان کے دل حقیقی طور پر اس بات کے متمنی ہوں کے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کپڑوں میں سے تبرک حاصل کر کے اپنے لئے اور اپنی نسلوں کے لئے برکت کا باعث بنیں۔

خدا تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم تمام وہ قربانیاں پیش کر سکیں جو خدا تعالیٰ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فدائیوں سے مانگ رہا ہے۔ تا اسلام جلد تر ادیان باطلہ پر غالب ہو جائے۔

(از رجسٹر خطباتِ ناصر غیر مطبوعہ)

کام وہی اچھا ہوتا ہے جس کا انجام اچھا ہو

خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۷ مئی ۱۹۶۶ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

کام وہی اچھا ہوتا ہے جس کا انجام اچھا ہو طبّ اور ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کرنے والا ایک طالب علم اگر اپنی تعلیم کے زمانہ میں پہلے تین سال اوّل آتا رہے اور آخری سال فیل ہو جائے تو پہلے تین سالوں میں اوّل آنے کا اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ ایک شخص جو اپنے بیمار رشتہ دار کو ملنے اپنے گاؤں سے بیس میل دور جانا چاہتا ہے اگر ۱۸ میل کے بعد اسے کوئی ایسی مجبوری یا معذوری پیش آجائے کہ وہ آگے نہ جا سکے تو اس کا سارا سفر ہی بے معنی اور بے نتیجہ ہے۔

اللہ تعالیٰ سورۃ الصافات میں انسانوں کے دو گروہوں کا ذکر فرماتا ہے۔ ایک وہ جو اپنی بداعمالیوں اور اپنے تکبر اور اباء اور خدا تعالیٰ کے انبیاء کے خلاف جدوجہد کرنے کے نتیجہ میں جہنم میں ڈالے گئے اور دوسرا وہ گروہ جنہوں نے فروتنی اور عاجزی سے اپنی زندگی کو گزارا اور خدا تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستہ پر چل کر اعمالِ صالحہ بجا لائے۔ وہاں ایک لمبا مضمون بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اس گروہ کے متعلق جو جنت میں ہے۔ فرماتا ہے۔

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (الصّٰفّٰت:٦١) کہ یہ مومنوں کی حالت بے شک بڑی کامیابی ہے اور ساتھ ہی فرمایا لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ (الصّٰفّٰت:٦٢) کہ کام کرنے والوں کو اس قسم کے کام کرنے چاہئیں کہ جن کا آخری انجام ان کے لئے اچھا اور مفید نکلے۔

یہ زندگی مختلف کاموں پر مشتمل ہوتی ہے۔ بعض کام وقتی اور عارضی نتیجہ پیدا کرنے والے ہوتے ہیں ان میں بھی وہی کام اچھا ہے جس کا انجام اچھا ہو۔

بعض اعمال کا نتیجہ ابدی زندگی سے تعلق رکھتا ہے۔ ان اعمال کا نتیجہ اس دنیا میں نہیں بلکہ اس دنیا سے گزر جانے کے بعد نکلتا ہے۔ یہ انسان کے اعمال کا آخری نتیجہ ہے۔ اگر اس آخری نتیجہ میں ہم کامیاب ہوں اگر اس لحاظ سے ہمارا انجام بخیر ہو تو پھر ہمیں اللہ تعالیٰ کی رضاء کی ٹھنڈی چھاؤں ملتی ہے جس چھاؤں میں بیٹھ کر ہم خدا کی رحمتوں سے ابدی سرور حاصل کرتے ہیں اور یہی وہ کامیابی ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ

اللہ تعالیٰ ہمیں اس قسم کے کاموں کی ہمیشہ توفیق عطا فرماتا رہے تا کہ ہم جب اس دنیا کو چھوڑ کر اس کے حضور حاضر ہوں تو اس کے منہ سے یہ پیارے کلمات ہمارے کان بھی سنیں۔

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۔ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ

اللہ تعالیٰ کے فضل اور احسان سے ہی ایسا ہوسکتا ہے اور اسی پر توکّل رکھتے ہوئے اس کے فضلوں اور احسانوں کی ہم امید رکھتے ہیں۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۲؍جون ۱۹۶۶ء صفحہ ۴)

سلسلہ احمدیہ کے قیام کی غرض اور ہماری زندگی کی غایت یہ ہے کہ تمام اقوامِ عالم حلقہ بگوشِ اسلام ہوں

خطبہ جمعہ فرمودہ ۳؍جون ۱۹۶۶ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

آج میں پھر اپنے بھائیوں کو اس طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ وہ دعاؤں پر بہت زور دیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کا مقصد، سلسلہ عالیہ احمدیہ کے قیام کی غرض اور ہماری زندگی اور وجود کی غایت ہی یہ ہے کہ تمام اقوامِ عالم حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں اور اسلام تمام ادیانِ باطلہ پر غالب آ کر سب دنیا میں پھیل جائے مگر جنہیں ظاہری اور مادی سامان اور اسباب اور ذرائع میسر نہیں جن سے کام لے کر ایسا ممکن ہو۔

حق تو یہ ہے کہ مادی وسائل اور مادی اسباب ہمارے آقا محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بھی میسر نہ تھے فتح و کامرانی کے جو نظارے دنیا نے آپؐ کے ہاتھ پر دیکھے وہ ظاہری سامانوں کے مرہون نہ تھے۔ پھر وہ معجزانہ انقلابِ عظیم کیوں اور کیسے پیدا ہوا کہ پہلے عرب اور پھر معروف دنیا کی سب وحشی اقوام، شیطان کی غلام، یکدم اپنی وحشت اور درندگی کو چھوڑ کر شیطان سے منہ موڑ کر عاجزانہ راہوں کو اختیار کرتے ہوئے اپنے ربّ، اپنے پیدا کرنے والے کے آستانہ پر آ گریں اس کیوں کا جواب دیتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔

’’وہ جو عرب کے بیابانی ملک میں ایک عجیب ماجرا گزرا کہ لاکھوں مردے تھوڑے

دنوں میں زندہ ہو گئے اور پشتوں کے بگڑے ہوئے الٰہی رنگ پکڑ گئے اور آنکھوں کے اندھے بینا ہوئے اور گونگوں کی زبان پر الٰہی معارف جاری ہوئے اور دنیا میں یک دفعہ ایک ایسا انقلاب پیدا ہوا کہ نہ پہلے اس سے کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا۔ کچھ جانتے ہو کہ وہ کیا تھا؟ وہ ایک فانی فی اللہ کی اندھیری راتوں کی دعائیں ہی تھیں جنہوں نے دنیا میں شور مچا دیا اور وہ عجائب باتیں دکھلائیں جو اس اُمی بے کس سے محالات کی طرح نظر آتی تھیں۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ بِعَدَدِ ھَمِّہٖ وَغَمِّہٖ وَحُزْنِہٖ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ وَاَنْزِلْ عَلَیْہِ اَنْوَارَ رَحْمَتِكَ اِلَی الْاَبَدِ‘‘

اس میں شک نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی ہر شان ایک بے مثال مقام رکھتی ہے۔ اور کوئی دوسرا اس تک نہیں پہنچ سکتا آپؐ کے ایک فرزند جلیل مہدی معہود علیہ السلام آپ کے قریب تک پہنچے مگر آپؐ کی شان آپؐ ہی کی شان ہے۔ لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ باوجود اس کے کہ ہر رنگ اور ہر لحاظ سے آپ بے مثال ہیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے ایک اسوۂ حسنہ بنا کر ہمارے سامنے پیش کیا ہے۔ پس ہمارے لئے بھی ضروری ہے کہ اس میدان میں بھی جس کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے۔ اس قسم کا سوز و گداز اور بَاخِعٌ نَّفْسَكَ (الکہف: ۷) والی کیفیت پیدا کریں کہ جو ہمیں آپ کے ساتھ ملتا جلتا بنا دے آپ کا رنگ ہم پر چڑھا ہو۔

اس لئے میں اپنے بھائیوں سے کہوں گا کہ آپ (بشمولیت خاکسار) کامل یقین، کامل امید، کامل توکل، کامل محبت، کامل وفاداری، کامل تذلل اور فروتنی کے ساتھ جھکیں اور نہایت درجہ چوکس اور بیدار ہو کر غفلت، دوری اور غیریت کے ہر پردہ کو چیرتے ہوئے فنا کے میدانوں میں آگے ہی آگے نکلتے چلے جائیں یہاں تک کہ بارگاہِ الوہیت پر پہنچ کر اپنے دل اور دماغ، اپنے جسم اور اپنی روح اس کے حضور پیش کر کے اس سے ان الفاظ میں ملتجی ہوں کہ

’’اے ہمارے قادر و توانا خدا! ہماری عاجزانہ دعائیں سن! اور تمام اقوامِ عالم کے کان، آنکھ اور دل کھول دے کہ وہ تجھے اور تیری تمام صفاتِ کاملہ کو شناخت کرنے لگیں اور توحیدِ حقیقی پر قائم ہو جائیں۔ معبودانِ باطلہ کی پرستش دنیا سے اُٹھ جائے اور زمین پر

اخلاص سے صرف تیری پرستش کی جائے اور زمین تیرے راستباز اور موحد بندوں سے اسی طرح بھر جائے جیسا کہ سمندر پانی سے بھرا ہوا ہے اور تیرے رسول کریم محمد مصطفیٰ کی عظمت اور سچائی دلوں میں بیٹھ جائے آمین۔''

اے ہمارے خدا! ہمیں ہماری زندگیوں میں اقوام عالم میں یہ تبدیلی دکھا، اے سب طاقت اور قوت کے مالک! ہماری عاجزانہ دعاؤں کو سن! اور اسلام کو تمام ادیانِ باطلہ پر غالب کر دے۔ آمین۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۸؍جون ۱۹۶۶ء صفحہ ۲)

حقیقی نیکی وہی ہے جو محض خدا تعالیٰ کی محبت اور اس کی خوشنودی کی خاطر کی جائے

خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۰؍جون ۱۹۶۶ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور پُرنور نے آیت لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَ النَّبِيّٖنَ ۚ وَ اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَ السَّآئِلِيْنَ وَ فِي الرِّقَابِ ۚ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَ الْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَ الصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ حِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۔(البقرۃ:۱۷۸)

تلاوت فرمائی اور پھر فرمایا:۔

سورۂ بقرہ کی اس آیت میں بہت سے وسیع مضامین بیان کئے گئے ہیں۔ مجھے چونکہ کل گرمی لگ جانے کی وجہ سے ضعف کی شکایت ہے اس لئے میں بڑے اختصار کے ساتھ محض چند باتیں بیان کرنے پر اکتفا کروں گا اور ان کی طرف اپنے دوستوں اور بھائیوں کو توجہ دلاؤں گا۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اَلْبِرَّ کا لفظ دو دفعہ مختلف معانی میں استعمال کیا ہے۔ البِرّ کے ایک معنی ہیں اَلطَّاعَةُ، اَلصَّلَاحُ، اَلصِّدْقُ۔

اس لحاظ سے اَلْبِرُّ کے معنی یہاں یہ ہوں گے ہر قسم کے فساد سے پاک ہونا اور ہر قسم کے حقوق اور واجبات پوری اطاعت کے ساتھ ادا کریں۔ پس فرمایا حقیقی نیکی یہ نہیں کہ تم نمازوں کی ادائیگی کے وقت مشرق اور مغرب کی طرف منہ کرو۔ یا ان بشارات کو مدّنظر رکھتے ہوئے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں قرآن مجید میں دی ہیں کہ مشرق ومغرب کے تمام ممالک پر تمہارا قبضہ ہوگا اور وہ اللہ تعالیٰ کے ہو جائیں گے اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (البقرۃ:۱۱۶) کہ جس طرف تم رُخ کرو گے اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت اور اس کے ملائکہ کی فوج کو اپنی امداد کے لئے پاؤ گے۔ تو فرمایا ان پیشگوئیوں کو پورا کرنے کے لئے تم مشارق اور مغارب کی طرف نکلو یا عبادت کی غرض سے تم مشرق یا مغرب کی طرف منہ کرو تو محض یہ بات وہ نیکی نہیں جس کا تمہارا رب تم سے تقاضا کرتا ہے۔ فرمایا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ (اور یہاں البِرّ کا لفظ دوسرے معنی میں استعمال ہوا ہے۔) مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ کہ ہر قسم کے مفاد سے پاک اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پوری اطاعت اور فرمانبرداری سے ادا کرنے والا وہ ہے جو ایمان باللہ کے تمام تقاضوں کو پورا کرنے والا ہو۔ یعنی علیٰ وجہ البصیرۃ خدا تعالیٰ کی وحدانیت پر یقین رکھتا ہو اور اس کی ذات اور صفات میں کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراتا ہو اور یقین رکھتا ہو کہ صحیفۂ فطرتِ صحیحۂ انسانیہ پر اس کی صفات کا انعکاس ہے اور تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ ہی سب نیکی ہے اور اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (البقرۃ:۱۳۲) کا نعرہ لگاتے ہوئے فنا فی اللہ کے سمندر میں اپنی ذات کو غرق کر دینا ہی سچی اور صحیح اور حقیقی اطاعت ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے یہاں نیکی کی ''اصل صفت'' کی طرف اشارہ کیا ہے اور وہ ہے مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ یعنی نیک وہ ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ خدا تعالیٰ ہے اور کہ وہ واحد یگانہ ہے کوئی اس کا شریک نہیں اور وہ یقین رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ کہ اس زندگی کے ساتھ تمہاری حیات ختم نہیں ہوگی بلکہ حشر کے روز پھر تمہیں اکٹھا کیا جائے گا ضرور پورا ہوگا اور اس روز ہم اپنے اعمال کو اپنے سامنے موجود پائیں گے اور وہ بھی یقین رکھتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ملائکہ کو اس کارخانۂ علت ومعلول میں آخری مخلوق علت قرار دیا ہے اور اپنے اور مخلوق کے درمیان بطور واسطہ کے قائم کیا ہے اور وہ یہ بھی ایمان لاتا ہے کہ چونکہ خدا تعالیٰ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ہے اور انسان کی

انفرادی نشوونما اور ارتقاء اور انسان کی اجتماعی نشوونما اور ارتقاء ایک خاص الٰہی منصوبہ کے ماتحت ہی ہے۔ اس لئے اس نے اپنے علمِ کامل کے مطابق ابتدائے پیدائش سے ہی الکتاب قرآن کریم کو ربانی ہدایت مقرر فرمایا ہے بے شک حضرت آدمؑ کے زمانہ سے ہی انبیاء پیدا ہوتے رہے جو انسان کو درجہ بدرجہ پست مقامات سے اُٹھا کر بلند مقامات کی طرف لے جاتے رہے لیکن ان کو جو کچھ بطور شریعت کے ملا وہ کامل اور مکمل شریعت نہ تھی بلکہ نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ (النّسآء:۵۲) اسی کامل کتاب کا ایک حصہ تھا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں عطا ہوا تھا۔ اصل کتاب، اصل شریعت اور ہدایت جو اللہ تعالیٰ کے علمِ کامل میں ہے وہ قرآن کریم میں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کامل نیک جو حقوق اللہ اور حقوق العباد کو صحیح طور پر بجا لاتا ہے اور اپنے رب کی کامل فرمانبرداری اور اطاعت کرتا ہے۔ وہ ہے جو الکتاب پر ایمان لاتا ہے۔ یعنی قرآن کریم کو اس کا حق دیتا ہے اور اس کی قدر کرتا ہے جیسے کہ واقعی قدر کرنی چاہیے کیونکہ یہی وہ کامل کتاب ہے جس کے بعض حصوں نے آدم علیہ السلام کی تربیت کی، بعض حصوں نے نوح علیہ السلام کی تربیت کی، ان کے بعد موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کی تربیت کی اور آخر میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی اصلی اور حقیقی اور کامل اور مکمل شکل میں نازل ہوئی۔ پس کامل تربیت پانے والے صرف حاملِ قرآن ہی ہیں۔

وَالنَّبِيّٖنَ وہ شخص تمام انبیاء اللہ پر بھی ایمان لاتا ہے۔ اِيْمَان بِالنُّبُوَّة کے لئے بھی کامل فرمانبرداری کی ضرورت ہے حتی کہ اس کے اپنے نفس کا کچھ بھی باقی نہ رہے اور انسان اپنا سب کچھ اپنے رب کی راہ میں قربان کرنے کے لئے تیار ہو جائے اپنی عزت بھی، اپنی روایات بھی، اپنے توہمات اور خوش اعتقادیاں بھی۔

انبیاء پر ایمان لانے کا حکم یہودیوں کو بھی تھا۔ اس لئے ان پر فرض تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لائیں آپ کی بعثت کے متعلق بہت سی پیش گوئیاں خود ان کی کتابوں میں پائی

جاتی تھیں لیکن ان کا یہ خیال کہ آنے والا بنی اسرائیل (یہود) میں سے ہوگا ان کے ایمان میں روک بن گیا اور صرف اسی غلط خیال کے نتیجہ میں یہود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے محروم ہو گئے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُمتی اور ظِلّی اور غیر مستقل نبوت کا دعویٰ کیا اور چونکہ بہت سے مسلمانوں میں اَسْلَمْتُ والی کیفیت اور ذہنیت نہیں پائی جاتی تھی بلکہ وہ خدا کی ماننے کی بجائے اپنی منوانا چاہتے تھے۔ اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایمان لانے سے محروم ہو گئے۔

آگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ (البقرۃ:۱۷۸) کہ وہ اپنا مال دیتا ہے۔ رشتہ داروں کو، یتامی، مسکینوں اور مسافروں کو اور مانگنے والوں کو اور غلاموں کے آزاد کرانے کے لئے بھی۔ لیکن یہ نیکی نہیں جب تک ''عَلٰى حُبِّهٖ'' نہ ہو۔

یہ خرچ مومن بھی کرتا ہے اور کافر بھی کرتا ہے کیونکہ بہت سے دنیادار آپ کو نظر آئیں گے۔ جو اپنے رشتہ داروں پر اس لئے خرچ کر رہے ہوں گے کہ اس طرح خاندانی اتحاد اور اتفاق قائم رہے گا اور ان کی عزت اور وجاہت قائم رہے گی وہ اپنے خاندان میں بھی بڑے سمجھے جائیں گے اور دنیا بھی ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھے گی۔

اسی طرح بہت سے دنیادار مختلف اغراض کے پیش نظر یتامی کی پرورش کے لئے خرچ کرتے ہیں اسی طرح مساکین کی حمایت کا دم بھرنے والے دنیادار محض دنیا کی خاطر اپنے مال دیتے ہیں۔ بہت سی پارٹیاں آپ کو انگلستان اور امریکہ میں نظر آئیں گی کہ جنہیں کمزوروں کے ساتھ کوئی محبت اور پیار نہیں ہوتا۔ لیکن اس خیال سے کہ اگر ہم نے ان کو اپنے سینے سے لگایا تو ہمیں سیاسی برتری حاصل ہو جائے گی۔ وہ ان کے لئے دوڑ دھوپ کرتی رہتی ہیں۔

اسی طرح مسافروں پر بھی اپنا پیسہ خرچ کر کے احسان کیا جاتا ہے تا کہ جب وہ اپنے وطن

جائیں تو وہ کہیں کہ زید بڑا اچھا، بڑا خرچ کرنے والا اور بڑا پیار کرنے والا ہے اور مسافروں کا بڑا خیال رکھنے والا ہے ہم اس کے ہاں گئے تو اس نے ہماری بڑی خاطر کی یہی حال اس خرچ کا ہے جو غلاموں کے لئے کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ نیکی نہیں، نیکی یہ ہے کہ انسان اپنے پیسے یا مال کو (مال کے معنی مملوکہ چیز کے ہیں انسان اپنے نفس کا بھی مالک ہے، اپنی عزت کا بھی مالک ہے۔ اپنے پیسے کا بھی مالک ہے۔ وغیرہ) خرچ کرے تو عَلٰی حُبِّہٖ صرف خدا تعالیٰ کی محبت میں خرچ کرے۔ خدا تعالیٰ کی محبت اور اس کی خوشنودی کے سوا کوئی غرض اسے مدِّنظر نہ ہو۔ نہ تو اسے عزت کی خواہش ہو۔ نہ وجاہت کی خواہش ہو نہ دنیوی شہرت کی خواہش اور نہ اس کا ذہن فخر ومباہات کے غبار سے آلودہ ہو بلکہ جب بھی اور جو کچھ بھی وہ خرچ کرے خدا تعالیٰ کی محبت اور اس کے نتیجہ میں اور اس کی خوشنودی کے حصول اور اس کی رضا کے پانے کے لئے خرچ کرے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں وہ نیک شمار نہیں ہوگا اور کسی ثواب کا مستحق نہیں ٹھہرے گا۔

اسی طرح فرمایا کہ عبادت بجالانا خواہ وہ نماز ہو۔ یا مالی فرائض (مثلاً زکوٰۃ) ہوں یہ بھی حقیقی نیکی نہیں بلکہ نماز کو ان شرائط کے ساتھ بجالانا جو اللہ تعالیٰ نے مقرر کی ہیں حقیقی نیکی ہے۔

ان شرائط میں سے بنیادی شرط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہوئے سوائے اس کے اور کوئی غرض نہ ہو کہ اس کی خوشنودی حاصل ہو۔ تب یہ عبادت صحیح عبادت شمار ہوگی۔

اگر کسی نے اپنے نفس کو پالا اور اسے موٹا کیا اور قربانی دینے کے لئے تیار نہ ہوا تو اس کے متعلق یقیناً نہیں کہا جاسکتا۔ وَ اَقَامَ الصَّلٰوۃَ کہ اس نے نماز کو پورے شرائط کے ساتھ ادا کیا۔

وَابْنَ السَّبِيْلِ (مسافر) کے متعلق میں ایک بات بیان کر کے اپنے خطبہ کو بند کر دوں گا۔ (ورنہ اس آیۃ کے مضامین بہت وسیع ہیں) اللہ تعالیٰ نے مسافر کے ساتھ ہمدردی، اخوت کا سلوک کرنے اور اسے مالی امداد دینے پر بڑا زور دیا ہے اور مختلف مقامات میں زور دیا ہے اس لئے ضروری ہے کہ ہم ہر اس شخص سے جو ہمیں اپنے ماحول میں اجنبی نظر آئے واقفیت پیدا کریں ورنہ ہم اس کی خدمت نہیں کر سکیں گے۔

ابھی چند روز ہوئے ایک دوست نے مجھے بتایا کہ میں باہر کی ایک جماعت میں گیا مسجد میں پہنچ کر میں نے اپنا بیگ رکھا اور نماز ادا کی وہ دوست کہتے ہیں کہ مجھے ان لوگوں کی مہمان نوازی کی ضرورت نہ تھی کیونکہ خدا تعالیٰ نے مجھے بہت کچھ دیا ہوا ہے، میری جیب میں پیسے تھے اور مجھے خیال بھی نہ تھا کہ میں کسی کے پاس جا کر کھانا کھاؤں۔ لیکن مجھے یہ احساس ہوا کہ خدا تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ مسافر کا خیال رکھو مگر ہمارے ان دوستوں نے میری طرف کوئی توجہ ہی نہیں کی۔ ہوسکتا ہے کہ میری طرح کوئی اور مسافر یہاں آئے اور وہ ضرورت مند ہو۔ اگر اس سے بھی ایسا ہی بے توجہی کا سلوک ہو تو اس کی ضرورت پوری نہ ہوگی اسی احساس کے ماتحت میں یہ رپورٹ آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں تا کہ آپ دوستوں کو اس طرف متوجہ کریں۔

تو اللہ تعالیٰ نے اِبْنُ السَّبِیْلِ (مسافر) کے متعلق جو فرائض ہم پر عائد کئے ہیں ہمارا فرض ہے کہ ہم انہیں ادا کرنے کی کوشش کریں۔

ہر احمدی کا فرض ہے کہ جب کوئی اجنبی اسے نظر آئے تو وہ اس سے تعلق قائم کرے اور اس کا تعارف حاصل کرے اور اسے پوچھے کہ آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں اور کہاں تشریف لے جائیں گے۔

اگر آپ اس سے ملاپ پیدا کریں گے تو آپ اس کی ضرورت کو بھی پورا کرسکیں گے اس طرح اس کی ضرورت پوری ہو جائے گی اور آپ کو ثواب ملے گا۔ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی حمد اور آپ کی اور سلسلہ کی قدر پیدا ہوگی کیونکہ مسافر کے حالات کچھ ایسے ہوتے ہیں کہ تھوڑی سی بے رُخی بھی اس کے دل پر بڑا گہرا اثر چھوڑتی ہے۔ یہی بھلائی کا حال ہے۔

میں یورپ میں پھرتا رہا ہوں ایک جگہ صرف اتنا ہوا کہ مجھے راستہ کی واقفیت نہ تھی۔ میں نے کسی سے پوچھا تو اس نے یہ نہیں کہا کہ ادھر جائیں یا ادھر جائیں۔ بلکہ کہا کہ آیئے میں آپ کو وہاں تک پہنچا آؤں اس طرح اس نے اپنے وقت سے مجھے صرف چند منٹ ہی دیئے اور گو اس واقعہ کو گزرے قریباً تیس سال کا عرصہ ہو چکا ہے لیکن آج تک وہ واقعہ مجھے یاد ہے کیونکہ جب ایک اجنبی ایک شخص سے ہمدردی، اخوت اور محبت کا سلوک دیکھتا تو اس کے دل پر اس کا بڑا اچھا

اثر پڑتا ہے۔

پس ہر احمدی اور ہر جماعت کے لئے ضروری ہے کہ جب کوئی اجنبی اسے نظر آئے تو وہ اس سے تعلق قائم کرے اور اگر اسے کوئی ضرورت ہو تو اس کو پورا کرے اگر اسے کوئی ضرورت نہ ہوگی تو بھی اس کے دل پر اس کا اچھا اثر پڑے گا اور وہ کہے گا کہ یہ لوگ مسافروں کا خیال رکھتے ہیں۔ مسافر شخص فوراً پہچانا جاتا ہے تو جب احمدی دوست کسی ایسے شخص سے ملیں تو چاہیے کہ وہ احمدی اور اسلامی اخلاق کا نمونہ اس کے سامنے پیش کریں اور ابن السبیل کے لئے اپنے وقت اور اپنے مال کو قربان کرنے کے لئے تیار رہیں۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو خدا تعالیٰ کے فضلوں اور رحمتوں کے وارث ہو جائیں گے۔

دعا ہے کہ اس آیت میں خدا تعالیٰ نے جو ذمہ داریاں ہم پر عائد کی ہیں وہی ہمیں توفیق دے کہ ہم انہیں ایسے طریق سے پورا کرنے والے ہوں کہ وہ ہم سے خوش ہو جائے اور اس کی رضا ہمیں حاصل ہو۔ آمین۔

(روز نامہ الفضل ربوہ ۲۲؍ جون ۱۹۶۶ء صفحہ ۲ تا ۴)

ہر ظلمت جو اُٹھتی ہے اس کا پہلا نشانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے ہیں

خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۷؍جون ۱۹۶۶ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ آلِ عمران کی آیت

لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ۟ وَ لَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ؕ وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۔
(اٰلِ عمران: ۱۸۷)

تلاوت فرمائی اور اس کا ترجمہ فرمایا کہ

”تمہیں تمہاری جانوں اور تمہارے مالوں کے متعلق ضرور آزمایا جائے گا اور تم ضرور ان لوگوں سے جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی اور ان سے بھی جو مشرک ہیں بہت دکھ دینے والا کلام سنو گے۔ اگر تم صبر کرو گے اور تقویٰ اختیار کرو گے۔ تو یہ یقیناً ہمت کے کاموں میں سے ہے۔“

پھر فرمایا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ اس آیت کا ہمارے زمانہ سے بہت گہرا تعلق ہے اور دراصل یہ قرآنی پیشگوئی ہے۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں پوری ہوئی۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

”اہل علم مسلمان اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ قرآن شریف میں آخری زمانہ کے

بارے میں ایک پیشگوئی ہے اور اس کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف سے وصیت کے طور پر ایک حکم ہے جس کو ترک کرنا سچے مسلمان کا کام نہیں ہے اور وہ یہ ہے کہ لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ۚ وَ لَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۭ وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (اٰلِ عمران : ۱۸۷) ترجمہ یہ ہے کہ خدا تمہارے مالوں اور جانوں پر بلا بھیج کر تمہاری آزمایش کرے گا اور تم اہلِ کتاب اور مشرکوں سے بہت سی دکھ دینے والی باتیں سنو گے سو اگر تم صبر کرو گے اور اپنے تئیں ہر ایک ناکردنی امر سے بچاؤ گے تو خدا کے نزدیک اولوالعزم لوگوں میں سے ٹھہرو گے۔ یہ مدنی سورۃ ہے اور یہ اس زمانہ کے لئے مسلمانوں کو وصیت کی گئی ہے کہ جب ایک مذہبی آزادی کا زمانہ ہوگا اور جو کوئی کچھ سخت گوئی کرنا چاہے تو وہ کر سکے گا جیسا کہ یہ زمانہ ہے۔ تو کچھ شک نہیں کہ یہ پیشگوئی اسی زمانہ کے لئے تھی اور اسی زمانہ میں پوری ہوئی۔ کون ثابت کر سکتا ہے کہ جو اس آیت میں اَذًى كَثِيْرًا کا لفظ ایک عظیم الشان اِیذا رسانی کو چاہتا ہے وہ کبھی کسی صدی میں اس سے پہلے اسلام نے دیکھی ہے؟‘‘ [۱۸]

اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں :۔

’’خدا تعالیٰ جو اپنے دین اور اپنے رسول کے لئے ہم سے زیادہ غیرت رکھتا ہے۔ وہ ہمیں رد لکھنے کی جا بجا ترغیب دے کر بدزبانی کے مقابل پر یہ حکم فرماتا ہے کہ ’’جب تم اہلِ کتاب اور مشرکوں سے دکھ دینے والی باتیں سنو اور ضرور ہے کہ تم آخری زمانہ میں بہت سے دلآزار کلمات سنو گے۔ پس اگر تم اس وقت صبر کرو گے تو خدا کے نزدیک اولوالعزم سمجھے جاؤ گے‘‘ دیکھو یہ کیسی نصیحت ہے اور یہ خاص اسی زمانہ کے لئے ہے کیونکہ ایسا موقعہ اور اس درجہ کی تحقیر اور توہین اور گالیاں سننے کا نظارہ اس سے پہلے کبھی مسلمانوں کو دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ یہی زمانہ ہے جس میں کروڑ ہا توہین اور تحقیر کی کتابیں تالیف ہوئیں، یہی زمانہ ہے جس میں ہزار ہا الزام محض افترا کے طور پر ہمارے پیارے نبی، ہمارے سید و مولیٰ ہمارے ہادی و مقتدا جناب حضرت محمد مصطفی احمد مجتبیٰ افضل الرسل

خیرالوریٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر لگائے گئے۔ سو میں حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ قرآن شریف میں یعنی سورہ آل عمران میں یہ حکم ہمیں فرمایا گیا ہے کہ ''تم آخری زمانہ میں نا منصف پادریوں اور مشرکوں سے دکھ دینے والی باتیں سنو گے اور طرح طرح کے دلآزار کلمات سے ستائے جاؤ گے اور ایسے وقت میں خدا تعالیٰ کے نزدیک صبر کرنا بہتر ہوگا''۔ یہی وجہ ہے کہ ہم بار بار صبر کے لئے تاکید کرتے ہیں۔'' [19]

پھر حضورؑ فرماتے ہیں:۔

''ہاں خدا نے ہم پر فرض کر دیا ہے کہ جھوٹے الزامات کو حکمت اور موعظتِ حسنہ کے ساتھ دور کریں اور خدا جانتا ہے کہ کبھی ہم نے جواب کے وقت نرمی اور آہستگی کو ہاتھ سے نہیں دیا اور ہمیشہ نرم اور ملائم الفاظ سے کام لیا ہے۔ بجز اس صورت کے کہ بعض اوقات مخالفوں کی طرف سے نہایت سخت اور فتنہ انگیز تحریریں پا کر کسی قدر سختی مصلحت آمیز اس غرض سے ہم نے اختیار کی کہ تا قوم اس طرح سے اپنا معاوضہ پا کر وحشیانہ جوش کو دبائے رکھے اور یہ سختی نہ کسی نفسانی جوش سے اور نہ کسی اشتعال سے بلکہ محض آیت وَجَادِلْهُمْ بِالْحِكْمَةِ★ پر عمل کر کے ایک حکمتِ عملی کے طور پر استعمال میں لائی گئی اور وہ بھی اس وقت کہ مخالفوں کی توہین اور تحقیر اور بدزبانی انتہاء تک پہنچ گئی اور ہمارے سید و مولیٰ، سرورِ کائنات، فخرِ موجودات کی نسبت ایسے گندے اور پُرشر الفاظ ان لوگوں نے استعمال کئے کہ قریب تھا کہ ان سے نقضِ امن پیدا ہو۔'' [20]

گندہ ذہنی اور دلآزار باتیں تاریک دل اور تاریک زبان سے نکلتی ہیں اور ضرور تھا کہ سب سے زیادہ اس قسم کے حملوں کا نشانہ وہ ذات بنے جو ہر لحاظ سے سب سے زیادہ منور تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ ساری دنیا یہ زمین اور یہ آسمان اور یہ ستارے سب کچھ اس لئے پیدا کیا گیا کہ مخلوقات میں سے ایک ہستی، ایک وجود محمد مصطفیٰ ؐ سا ظاہر ہونے والا تھا۔ حضرت نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

★ یہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام سورۃ النحل کی آیت ۱۲۶ کا حوالہ دے رہے ہیں جو یہ ہے۔ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ۔ (ناشر)

’’فَنَآء فِیْ نُوْرِ رَبِّہٖ‘‘ کا مقام حاصل کیا اور اس نور میں گم ہو کر آپؐ کامل اور مجسم نور بن گئے اور ان عالمین (زمین اور آسمان) میں جہاں بھی جو نور نظر آتا ہے وہ آپؐ کے طفیل ہی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ حقیقی نور اللہ کی ذات ہے اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لیکن یہ بھی درست ہے کہ اس دنیا میں اس نورِ محسن نے اپنے نور کی جو تقسیم کی ہے وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل کی ہے۔ ہر نور جو ہمیں نظر آتا ہے وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ہی نظر آتا ہے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات نہ ہوتی تو دنیا میں کسی مخلوق کو اللہ تعالیٰ کے نور سے حصہ نہ ملتا بلکہ دنیا پیدا ہی نہ ہوتی۔ اس لئے ہر ظلمت جو اٹھتی ہے اس کا پہلا نشانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہوتی ہے اور اس کے بعد وہ لوگ ان اِیذا رسانیوں سے حصہ لیتے ہیں۔ جنہوں نے طفیلی طور پر اور ظلی اور انعکاسی رنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے حصہ لیا ہوتا ہے ایسے پاک وجود جو اُمّتِ محمدیہ میں اس نور سے طفیلی طور پر حصہ لینے والے ہیں وہ طفیلی طور پر ایذاءرسانی سے بھی حصہ لینے والے ہیں۔

اسی لئے ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جہان میں سب سے زیادہ گالیاں دی گئیں سب سے زیادہ تحقیر کے ساتھ آپؐ کا نام لیا گیا، سب سے زیادہ گند آپؐ کے خلاف اچھالا گیا سب سے زیادہ گندی تحریریں اور بدبودار باتیں اس نور مجسم کے خلاف لکھی گئیں، وہاں اُمت محمدیہ کے دوسرے پاک وجودوں کے متعلق بھی بہت زیادہ گند اچھالا گیا۔

چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی نہج پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نور میں گم ہو گئے اور اس میں فنا ہو کر قربِ تام حاصل کر لیا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اگر کسی نے سب سے زیادہ تحقیر آمیز اور گندی باتیں مخالفین سے سنیں تو وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وجود ہے۔ پھر وہ جنہوں نے اپنے اپنے ظرف کے مطابق طفیلی رنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نور حاصل کیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلفاء کو بھی طفیلی رنگ میں اَذًی کَثِیْرًا سننا پڑتا ہے

اور آپؐ کی جماعت کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جو گند اچھالا جاتا ہے برداشت کرنا پڑتا ہے پھر ان پاک وجودوں کے متعلق (جنہوں نے طفیلی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نور حاصل کیا) جو گندہ دھنی کی جاتی ہے وہ بھی جماعت کو سننا پڑتی ہے اور یہ دکھ انہیں سہنا پڑتا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں جماعت احمدیہ کو خاص طور پر تاکیدی حکم دیا ہے اور وصیت کی ہے کہ جب تم اس قسم کی گالیاں سنو اور تحقیر آمیز باتیں تمہارے کانوں میں پڑیں اس وقت تم اس طرف متوجہ ہی نہ ہو بلکہ صبر اور تقویٰ سے کام لیتے ہوئے اعمالِ صالحہ میں مشغول رہو۔ اپنے راستہ پر گامزن رہو۔ ان تیروں کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھو بلکہ اپنی نگاہ اپنے مقصود کی طرف لگائے رکھو۔ تمہارا مقصود صرف خدا تعالیٰ کی رضا کا حصول ہے اس سے نہ ہٹو اور خدا تعالیٰ کے حکم کو یاد رکھو کہ صبر سے کام لو۔ صبر کے ایک معنی یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ کے جو احکام اور اوامر شریعتِ حقہ میں پائے جاتے ہیں اپنے آپ کو ان اوامر پر مضبوطی سے قائم رکھیں اور اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کو بجالا کر اس کی رضا کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

صبر کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ جن نواہی سے اس نے روکا ہے ہم اپنے آپ کو ان کے قریب بھی نہ جانے دیں تا اللہ تعالیٰ کا غضب ہم پر نہ بھڑکے۔ پس اگر اس طرح ہم تقویٰ اختیار کریں گے، اگر ہم خدا کی پناہ میں آجائیں گے، اگر ہم اس کو اپنی ڈھال بنالیں گے تو پھر دشمن کا کوئی وار ہمیں نقصان نہ پہنچا سکے گا۔ جیسے کہ مال اور جان کی قربانی ہمیں دینی ہے، جذبات کی قربانی بھی ہمیں دینی ہوگی۔ یہ خدا تعالیٰ کا امتحان ہے جو وہ لیا کرتا ہے اس سے ہم مومن ہو کر بچ نہیں سکتے ہمیں اموال کی قربانی دینی پڑے گی اور اگر موقع ہوا تو جانوں کی قربانی بھی دینی پڑے گی اور اگر موقع ہوا تو جذبات کی قربانی بھی دینی پڑے گی۔

پس اس زمانہ میں خدا تعالیٰ جذبات کی قربانی بھی لینا چاہتا ہے اور لے رہا ہے یہ ہمارے حملہ آور مخالف جو کبھی ہمارے اموال پر حملہ کرتے ہیں کبھی ہماری جانوں پر حملہ کرتے ہیں اور کبھی ہماری عزتوں پر اور کبھی ہمارے پیاروں کے عزتوں پر حملہ کرتے ہیں۔ اگر ہم خدا تعالیٰ کی پناہ میں نہ ہوں، اگر وہ ہماری ڈھال نہ بنے تو بے شک ہمیں ہر قسم کا نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ پس اگر ہم

اپنے آپ کو خدا کی پناہ میں دے دیں، اگر ہم اسے اپنی ڈھال بنالیں تو خدا تعالیٰ کی مخلوق میں سے کون ہے جو خدا تعالیٰ کی ڈھال پر ضرب لگائے اور چکنا چور نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے ایسے مواقع پر ہمیں صبر اور تقویٰ سے کام لینے کی نصیحت فرمائی ہے اور ہمیں ہمیشہ یہ بات یاد رکھنی چاہیے اور دعا کرتے رہنا چاہیے کہ خدا تعالیٰ ہمیں اس کے احکام پر عمل کرنے کی توفیق عطا کرے تا ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہوں اور تا خدا تعالیٰ کی یہ جماعت جو احمدؑ کی طرف منسوب ہونے والی ہے اور جس کا دعویٰ ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فدائی ہے اور اپنے مولیٰ اور اپنے رب اور اپنے پیدا کرنے والے کی عاشقِ زار ہے۔ اس کے متعلق جب مستقبل کا تاریخ دان تاریخ کے ورق الٹ رہا ہو تو اسے بڑے واضح، روشن اور نمایاں طور پر ان اوراق میں لکھا نظر آئے کہ کتے بھونکتے رہے اور پرستاران و جانثاران حضرت احدیت کا یہ قافلہ صراط مستقیم پر رواں دواں اپنی منزل کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ خدائے قادر و توانا کی رضا کا سایہ ان کے سروں پر تھا اور ملائکہ کی افواج ان کے دائیں بھی تھیں اور بائیں بھی۔ یہاں تک کہ وہ قافلہ اپنے مطلوب، اپنے مولیٰ کو جاملا اور آخری کامیابی اسے حاصل ہوئی۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۶؍جولائی ۱۹۶۶ء صفحہ ۲، ۳)

وہ خدا جس کی رضا میں دائمی خوشحالی ہے قرآن کریم کی اتباع کے بغیر ہمیں ہرگز نہیں مل سکتا

خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۴؍جون ۱۹۶۶ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

آج کل ہمیں ضلالت اور گمراہی کا جو دَور دَورہ نظر آتا ہے اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اکثر لوگوں کی نظر میں قرآن شریف کی عزت اور عظمت باقی نہیں رہی۔ دینی اور دنیوی فلسفوں سے مرعوب ہو کر لوگ کمالاتِ قرآنی سے غافل ہو چکے ہیں اور نہیں جانتے کہ وہ خدا جس کے ہاتھ میں نجات اور جس کی رضا میں انسان کی دائمی خوشحالی ہے وہ قرآن کی اتباع کے بغیر ہرگز نہیں مل سکتا۔

پس آج میں پھر دوستوں کو اس طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ قرآن کریم کا پڑھنا اور اس کا سیکھنا اور اس پر عمل کرنا ہمارے لئے از حد ضروری ہے۔ اس کے متعلق پہلے بھی میں نے جماعت کو متوجہ کیا تھا اور بہت سی جگہوں پر قرآن کریم کے سیکھنے سکھانے کا انتظام انفرادی طور پر بھی اور خاندانی اور جماعتی طور پر بھی کیا گیا ہے اور بہت سی جگہ بڑے خوشکن نتائج بھی نکلے ہیں لیکن ابھی ہم نے اس اہم مقصد کے حصول کی طرف وہ توجہ نہیں دی جو بحیثیت جماعت ہمیں دینی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم کے متعلق سورۂ واقعہ میں فرماتا ہے۔

اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۔ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۔ لَّا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۔ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ

الْعٰلَمِيْنَ ۔ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ۔ وَ تَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ۔

(الواقعۃ: ۷۸ تا ۸۳)

ان میں سے پہلی چار آیات اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۔ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۔ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۔ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ میں سے ہر ایک آیت کا تعلق ان اُمَّھَاتُ الصِّفَات میں سے ایک ایک صفت کے ساتھ ہے جو سورۂ فاتحہ میں بیان کی گئی ہیں ۔ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۔ کریم کا تعلق مالکیت یوم الدین سے ہے ۔ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ کا تعلق رحیمیت کی صفت کے ساتھ ہے اور لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ کا تعلق رَحْمَانِيَّة کی صفت کے ساتھ ہے اور تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ کا تعلق جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمادی ہے ربوبیت عالم سے ہے ۔

اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ فرمایا یہ قرآن ہے ۔ قرآن کے معنی ہیں وہ کتاب جس میں سابقہ کتب کا خلاصہ اور اصولی ہدایتیں جمع ہوں نہ صرف سابقہ کتبِ سماویہ کا خلاصہ بلکہ تمام علومِ حقہ صحیحہ کے اصول اور بنیادی باتیں اور ہدایتیں بھی جس میں جمع کر دی گئی ہوں تو قرآن شریف کی عظمت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس میں تمام کتبِ سابقہ سماویہ کی بنیادی صداقتیں جمع کر دی گئی ہیں نہ صرف یہ بلکہ تمام علومِ صحیحہ حقّہ کے متعلق جو بنیادی باتیں خدا کا ایک بندہ ہونے کی حیثیت سے جاننا ضروری ہیں ان کو بھی اس کتاب میں جمع کر دیا گیا ہے ۔

كَرِيْمٌ کا لفظ جب کسی کتاب کے متعلق بولا جائے تو اس کے معنی ہوتے ہیں وہ کتاب جو اپنے معانی اور فوائد کے لحاظ سے اس خصوصیت کی حامل ہے کہ وہ فطرتِ صحیحہ انسانیہ کی تسلی کا موجب ہوحتی کہ اس کے بعد فطرت کسی اور چیز کی طرف احتیاج محسوس نہ کرے ۔

میں نے بتایا ہے کہ اس آیۃ میں (اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ) کا تعلق صفت مالکیت یوم الدین سے ہے ویسے مالکیت یوم الدین کی صفت اپنی وسیع اور کامل تجلی کے لئے عالم معاد کو چاہتی ہے اس لئے اس کی تجلیٔ عظمٰی دنیا میں اپنی کامل شکل میں ہو ہی نہیں سکتی ۔ اس کے لئے یومِ حشر چاہیے جس دن کہ یہ مادی سامان اور مادی پردے حائل نہ ہوں اور ہر چیز واضح طور پر انسان کے سامنے آسکے ۔ تاہم اس عالم مادی کے دائرہ کے مطابق اس کی تجلی ظاہر ہوتی رہتی ہے ۔ چنانچہ قرآن کریم فرماتا

ہے کہ ہم نے دو جنتیں بنائی ہیں ایک کا تعلق اس دنیا کے ساتھ ہے اور ایک کا تعلق اُخروی زندگی کے ساتھ ہے۔ اسی طرح کافر کے لئے جو اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والا ہے دو جہنم بنائے گئے ہیں۔ ایک وہ جہنم جس کا تعلق اس دنیا کے ساتھ ہے اور ایک وہ جہنم جس کا تعلق اُخروی زندگی کے ساتھ ہے اور جنت اور جہنم میں جانے سے پہلے یومِ حساب کا ہونا ضروری ہے کیونکہ جزا و سزا کے فیصلہ کے بغیر جزاء و سزا کا نفاذ کیسے ہوسکتا ہے۔

اس دنیا میں بھی یومِ حساب ہے چونکہ وہ اس مادی دنیا کے اندر آہستہ آہستہ ظاہر ہوتا ہے اس لئے انسان پر اس کی پوری طرح وضاحت نہیں ہوسکتی۔ اگر انسان اس دنیا میں جنت کی نعماء سے فائدہ اُٹھانا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے کسی حصۂ عمل کے متعلق حساب اور فیصلہ کرے گا اس کو نعمت سے حصہ ملے گا اور اگر اس کو اس دنیا میں جہنم کا مزا چکھایا جانا ہے تو اس کا پہلے حساب ہوگا پھر اسے اس کا مزا چکھایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ۔ اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَ يُعِيْدُ ۔ (البروج: ۱۳، ۱۴)

کہ مالکیت یوم الدین کے تحت غضب اور قہر کی جو تجلی ہے وہ بڑی سخت ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ کی گرفت بڑی کڑی ہوتی ہے۔ وہ دنیا کے عذاب شروع ہونے سے پہلے حساب لیتا ہے اگر کوئی ایک عذاب کی وجہ سے باز نہ آئے تو وہ دنیا پر عذاب کو دُہراتا ہے۔

یومِ معاد میں تو سارے جہانوں کے انسانوں کا حساب شاید سیکنڈ کے کروڑویں حصہ میں ہو جائے بلکہ وہاں وقت کا اطلاق ہی نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ دنیا وقت سے آزاد ہے۔ لیکن یہ دنیا جو زمان اور مکان کی حدود میں بندھی ہوئی ہے اس میں مختلف اوقات میں مختلف قوموں اور افراد کا حساب ہوتا ہے اور وہ اپنے اعمال کے مطابق اس دنیا کے جہنم یا جنت سے حصہ لیتے رہتے ہیں۔

پس قُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ کے معنی ہیں ایسی کتاب کہ جس کے معانی اور فوائد اس قسم کے ہیں کہ اس کے بعد انسانی فطرت کو کسی اور کتاب کی احتیاج اور ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ اس لئے اس سے اچھی کتاب کا تصور ممکن ہی نہیں۔ سب سے اچھی کتاب، سب سے خوبصورت کتاب، سب سے فائدہ مند کتاب اور سب سے زیادہ معانی سے پُر یہ کتاب ہے۔ کیونکہ یہ کتابِ کریم ہے اس لئے

اس کی اتباع کے نتیجہ میں جو بدلہ ہمیں ملے گا وہ بدلہ بھی عقلاً اجرِ کریم ہونا چاہیے اور خدا تعالیٰ نے خود قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ ہم اس کی اِتّباع کے نتیجہ میں اجرِ کریم دیں گے۔ فرمایا۔

تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۚ وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا ۔(الاحزاب:۴۵)

اس آیت سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے۔ آپؐ کے خاتم النبیین ہونے کا ذکر ہے اور بتایا گیا ہے کہ آپؐ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا ذکر دنیا میں بلند ہوگا اور آپؐ کو ایسی جماعت دی جائے گی جو اس کی یاد میں صبح و شام مشغول رہنے والی ہوگی اور قرآن کریم کی پیروی کرنے والی ہوگی اس کا نتیجہ کیا ہوگا ؟ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انہیں اجرِ کریم ملے گا۔

فرمایا کہ جب یہ لوگ اجر دیئے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ اس دنیا میں ان کا حساب کرے گا اور پھر خدا کا تحفہ سلامتی کی شکل میں انہیں ملے گا۔

یہ اجر، اجرِ کریم ہوگا بڑی عزت والا ہوگا اور ایسا بدلہ ہوگا کہ وہ خود بتا رہا ہوگا کہ خدا ان سے راضی ہے اور ان کے دل اور روح پکار رہی ہوگی کہ وہ اس بدلہ سے راضی ہوئے ہیں۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۔(المجادلۃ:۲۳)

پس ان کے لئے قرآن کتاب کریم ہے اس سے بہتر کتاب دنیا میں نہیں ہوسکتی اس لئے اس کی اتباع کے نتیجہ میں جو بدلہ دیا جائے گا وہ بھی اجرِ کریم ہوگا اور جو بدلہ دینے والی ذات ہوگی وہ ''رَبِّ کریم'' ہے۔ اسی طرح فرمایا:۔

اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ ۚ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّ اَجْرٍ كَرِيْمٍ ۔ (یٰسٓ:۱۲)

اَلذِّكْر قرآنی محاورہ میں خود قرآن کریم کو کہا گیا ہے۔ فرمایا جو قرآن کریم کی اتباع کرنے والا ہے اُسے تو اے نبی! مغفرت اور اجرِ کریم کی بشارت دے دے۔ مَغْفِرَةٌ کے معنی دراصل کریم کے اندر پائے جاتے ہیں۔ اس کا جزو لازمی ہے۔ کیونکہ انعام وہاں شروع ہوتا ہے جہاں مَغْفِرَةٌ ختم ہوتی ہے۔ جب تک گناہوں کی معافی نہ ہو انعامات کے حصول کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس واسطے کریم کے لغوی معنوں میں مَغْفِرَةٌ کا مفہوم آجاتا ہے۔ کریم کے معنی ہیں صَفِيْحٌ

اور صَفِیۡحٌ کے معنی ہیں گناہوں کو معاف کرنے والا، درگزر کرنے والا۔

تو فرمایا کہ جو شخص اس اَلذِّکْر یعنی قرآن کریم ایسی کتابِ سماوی کی جو اپنے اندر صفتِ کریم رکھتی ہے اتباع کرتا ہے اس کو میری طرف سے بشارت دے دو مغفرت کی بھی اور ایسے بدلے کی بھی کہ جس کے بعد انہیں کبھی خواہش پیدا نہ ہوگی کہ کاش ہمیں کچھ اور مل جاتا۔ میں نے بتایا ہے کہ بدلہ دینے والی ذات بھی رَبِّ کریم ہے۔ فرمایا۔

يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۔ الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۔ فِيْۤ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ۔ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ۔ (الانفطار: ۷ تا ۱۰)

یعنی اے انسان! تجھے کس نے تیرے ربّ کے بارہ میں مغرور اور دھوکہ خوردہ بنادیا۔ تجھے جرأت کیسے ہوئی؟؟

مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ کے معنی ہیں کہ تیرے اندر اس کے خلاف کھڑا ہونے اور اس کی ہدایت کے خلاف عمل کرنے کی جرأت کیسے پیدا ہوئی حالانکہ تیرا رَب کریم ہے۔ وہ مغفرت کرنے والا بھی ہے اور غیر متناہی انعامات اور احسانات دینے والا بھی ہے سخی ہے اور پھر سخی بھی ایسا کہ جس کی عطا کو حدود کے اندر مقید نہیں کیا جا سکتا۔ فرمایا۔

كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ کہ ربّ کریم کے خلاف تمہارا مغرور ہونا اور اس کے مقابل جرأت کر کے کھڑے ہو جانے کی اصل وجہ یہ ہے کہ تم يَوْمِ الدِّيْنِ، يَوْمِ حِسَابٍ اور يَوْمِ حَشْرٍ پر ایمان نہیں لاتے۔ تو اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ کا جیسا کہ میں نے بتایا ہے مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ سے بڑا گہرا تعلق ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ کتاب جو تمہیں دی گئی ہے اس کے بعد تمہیں کسی اور ہدایت نامہ کی ضرورت نہیں اور وعدہ تم سے یہ کیا گیا کہ اگر تم اس کی اتباع کرو گے تو تمہیں ایسا بدلہ ملے گا کہ تمہاری روحیں خوش ہو جائیں گی اور تمہیں کسی اور چیز کی احتیاج محسوس ہی نہ ہوگی اور جو چاہو گے وہ تمہیں دیا جائے گا۔ پھر انسان کو یقین دلایا کہ دینے والے کی طاقتیں اور ذرائع محدود نہیں بلکہ وہ ربّ ہے جس نے ساری دنیا کو پیدا کیا اور نشو ونما دیا اور سخاوت اس کی صفات کا ایک حصہ ہے۔ وہ بہت زیادہ دینے والا ہے اور اتنا دینے والا ہے کہ لینے والا راضی ہو جائے۔ لیکن باوجود اس

کے تمہارا اس کی ہدایت پر کان نہ دھرنا بتاتا ہے کہ اصل میں تم جزاء وسزا کے دن کے منکر ہو۔ تم سمجھتے ہو کہ اسی دنیا میں تمہاری زندگی کا خاتمہ ہو جائے گا اور تم مرنے کے بعد دوبارہ زندہ نہیں ہو گے اور اُخروی زندگی کوئی چیز ہی نہیں۔ اسی لئے کافروں کے نزدیک اللہ تعالیٰ ربّ نہیں۔ اور اگر وہ کچھ مشتبہ سا تخیل رکھتے بھی ہیں تو وہ اسے کریم نہیں مانتے اور اگر وہ عادتاً خدا تعالیٰ کی بعض صفات کو مانتے بھی ہیں تو اس کی بھی وہ یہ تعبیر کرتے ہیں کہ نہ ہم دوبارہ زندہ کئے جائیں گے اور نہ ہی ربِّ کریم کی ہمیں احتیاج ہے۔ یہی دنیا ہی دنیا ہے۔ یہاں ہی ہم زندہ رہیں گے۔ یہیں ہم مریں گے اور مٹی میں مل جائیں گے اور جو کچھ ہم نے کرنا ہے اپنے وسائل سے، اپنی عقلوں سے، اپنے فکروں سے، اپنی تدبیر اور اپنے فریب سے کرنا ہے، رَبِّ کریم کی ہمیں احتیاج نہیں۔ غرضیکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ چونکہ تم یومِ حشر کے قائل نہیں اس لئے تم رَبِّ کریم کے مقابلہ میں کھڑا ہونے کی جرأت کرتے ہو۔

ان آیات سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ یہ ایک ایسی ہدایت ہے کہ جس میں تمام صداقتیں اور علومِ حقہ کے اصول آ گئے ہیں اس کے بعد نہ کسی آسمانی ہدایت کی ضرورت ہے اور نہ دنیوی علوم سیکھنے کے لئے کسی اور طرف منہ کرنے کی حاجت۔ ہر لحاظ سے کامل اور مکمل اور انسانی فطرت کو تسلی دینے والی ہے اور جو اس کی اتباع کرتے ہیں اُن کو اَجرِ کریم ملتا ہے۔ ایسا اجر جو انسان کو خوش کر دیتا ہے اور وہ جو چاہتا ہے پالیتا ہے۔ اسے کسی اور کی طرف جانے کی احتیاج نہیں رہتی اور دینے والا وہ ہے جو ربِّ کریم ہے اور کریمیت کا تعلق مالک یوم الدین سے بڑا گہرا ہے کیونکہ مالک ہونے کے لحاظ سے اس کی دو تجلیاں ظاہر ہوتی ہیں:۔

ایک غصہ اور قہر کی تجلی اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ (البروج: ۱۳) اور ایک رضا اور خوشنودی کی تجلی اور یہ کریم کی صفت سے ظاہر ہوتی ہے اور وہ اتنا دیتا ہے اتنا دیتا ہے کہ لینے والے کو سیر کر دیتا ہے۔

پس یہاں قرآن شریف کی شان کو قُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ کے الفاظ سے ظاہر کیا گیا ہے یعنی

ساری ہدایتوں اور سارے علوم کا جامع ہے اور اس سے بہتر اور احسن اور خوبصورت کتاب کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ اپنی جنس میں سب سے اکمل کتاب ہے اسی لئے اس کی اتباع کرنے والوں کو اَجرِ کریم ملتا ہے اور ملتا بھی رَبِّ کریم کی طرف سے ہے۔

باوجود ان خوبیوں کے اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ تم اس کلام کے بارے میں منافقانہ رویہ اختیار کرتے ہو اور تم خیال کرتے ہو کہ اگر ہم نے قرآن کریم کو صحیح رنگ میں ان کفار کے سامنے پیش کیا تو ہمیں شرمندہ ہونا پڑے گا؟؟ مداہنت اور منافقت قریباً برابر ہے۔ اور جو بات آیۃ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ (البقرۃ:۱۰) میں بیان ہوئی ہے وہ اِدْهَان اور مُدَاهَنَة ہی ہے۔ اِدْهَان اور مُدَاهَنَة کے ایک ہی معنی ہیں تو فرمایا کہ کیا تم مداہنت سے کام لیتے ہو؟ نفاق سے کام لیتے ہو۔ تمہارے دل میں کچھ اور ہے اور ظاہر کچھ اور کرتے ہو اور پھر اتنے عظیم الشان کلام کے متعلق؟؟؟

فرمایا۔ پھر بعض تم میں سے ایسے ہیں وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ (الواقعۃ:۸۳) کہ تم نے انکار کو اپنا حصہ بنا لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو یہ کتاب اس لئے نازل کی تھی کہ تم اس پر ایمان لا کر ان فوائد اور فیوض کو حاصل کرو جو اس کی اتباع کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والے ہیں۔ مگر تم نے اس کی اتباع سے انکار کیا۔ اس دنیا میں بھی اور اُخروی زندگی میں بھی ربّ کریم کا فیصلہ تمہارے حق میں خوشی اور رضا کا نہیں۔ بلکہ غصہ اور قہر کا فیصلہ ہوگا۔ اس دنیا میں بھی جہنم تمہارے حصہ میں آئے گی اور اُخروی زندگی میں بھی ایک لمبا عرصہ تک تم جہنم میں رہنے والے ہو گے۔

غرضیکہ اس آیت کا تعلق مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کے ساتھ ہے اور بڑا عظیم الشان مضمون اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے متعلق اس آیت میں بیان فرمایا ہے۔ اس کے بعد سوال ہوتا ہے کہ اتنی عظیم الشان کتاب کا علم ہم کیسے حاصل کریں؟ فرمایا خدائے رحیم کے سامنے جھکو جو انسان کی کوشش اور محنت کو بارآور بناتا ہے۔ کیونکہ یہ قرآن فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ پردوں میں چھپی ہوئی محفوظ کتاب کے اندر ہے۔ اس کی ہدایتیں غطاء (پردے) کے اندر ہیں مَكْنُوْنٍ کے معنی ہیں وہ چیز جو ایسے پردے

یا مکان میں رکھی جائے جس میں اس کی پوری حفاظت ہو سکے۔

تو فرمایا کہ چونکہ حفاظت کی غرض سے اس کے معنی اور مطالب کو چھپایا گیا ہے۔ پردہ میں رکھا ہوا ہے ان کو حاصل کرنے کے لئے تمہیں ان پردوں کو اٹھانا پڑے گا، دل کے پردوں کو بھی اور دیگر قسم کے جو ہزاروں حجابات ہیں ان کو بھی۔ اگر تم ان پردوں کو اُٹھاؤ گے کوشش کرو گے، محنت کرو گے تو چھپی ہوئی چیز کو نکال لاؤ گے جیسے کہ کانوں میں چھپے ہوئے جواہر بڑی محنت سے نکالے جاتے ہیں یا سمندر کی تہ میں چھپے ہوئے موتی بڑا گہرا غوطہ لگا کر نکالے جاتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ دیکھو یہ کتاب اور اس کے مطالب اس قابل تھے کہ انہیں ہر لحاظ سے محفوظ رکھا جاتا۔ اس مطلب کی خاطر ہم نے بہت سے پردے اس کے گرد ڈال دیئے ہوئے ہیں۔ اگر تم ان مطالب اور معارف تک پہنچنا چاہتے ہو تو تمہیں مجاہدہ سے کام لینا پڑے گا، کوشش کرنی پڑے گی۔ تب وہ خدائے رحیم تمہاری محنت اور مجاہدہ کا نتیجہ نکالے گا اور ایک حد تک تم قرآن کے حقائق حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ ویسے صفت رحیم اور رحمٰن پہلو بہ پہلو چلتی ہیں ان کو علیحدہ کر کے صحیح تصور ہمارے دماغ میں نہیں آسکتا تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ کتابِ مکنون ہے اس لئے میری صفت رحیمیت سے برکت حاصل کرو اور پوری جدو جہد قرآن کریم کے سیکھنے میں لگا دو اور پوری طرح اس کتاب کریم اور مطہر صحیفہ کی طرف متوجہ ہو۔ اس کے سیکھنے کے بغیر کوئی لمحہ نہ گزارو اور نہ ہی کوئی دقیقہ فروگذاشت کرو، ہر وقت اس کے متعلق سوچتے رہو۔ تب تمہاری کوششوں کا نتیجہ نکلے گا اور رحیمیت اپنے جوش میں آئے گی۔ لیکن خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ خالی رحمیت کافی نہیں۔ خالی مجاہدہ اور کوشش سے کچھ نہیں بنے گا۔ ظاہری کوششوں سے تم صرف چھلکا ہی حاصل کر سکو گے اگر کوئی عیسائی اپنا وقت خرچ کرے اور عربی سیکھنے کی کوشش کرے اور پھر تمام قرآن کریم کی وہ تفاسیر جو عربی زبان میں لکھی گئی ہیں اور وہ تفاسیر جو اُردو زبان میں لکھی گئی ہیں پڑھ کر بظاہر ان کے مضامین پر حاوی ہو جائے، تو اس علم کی وجہ سے وہ خود بھی قرآن کریم کی تفسیر کر سکے گا۔ مثلاً حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کی جو تفسیر براہین احمدیہ میں تحریر فرمائی ہے۔ وہ بھی اسے پڑھ کر بیان کر سکتا ہے۔ لیکن اس کے لئے یہ

صرف ظاہری علم ہے جسے وہ حاصل کرسکتا ہے قرآن کریم کے متعلق صرف ظاہری علم کافی نہیں، قرآن کریم کے علوم، اس کی ہدایات، اس کے معارف اور اس کی حکمتوں سے فائدہ اُٹھانے کے لئے ضروری ہے کہ خدائے تعالیٰ کی صفت رحیمیت کے ساتھ صفت رحمانیت بھی جوش میں آئی ہو۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا خوب فرمایا ہے۔

گر بعلم خشک کارِ دیں بُدے
ہر لیئمے راز دارِ دیں بُدے

پس فرمایا کہ ہم نے ہر طرح سے قرآن کریم کی حفاظت کی ہے اور کوئی خشک یا ظاہری علم اس کے مغز اور روح کو نہیں پہنچ سکتا۔ اس لئے ضروری ہے کہ تم خدائے رحمٰن کا دروازہ کھٹکھٹاؤ کیونکہ جب تک تم اس کی نگاہ میں پاکیزہ نہیں ٹھہرو گے معارف وحقائق قرآنیہ کا بھی تم پر نزول نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ آیت لَا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (الواقعة:۸۰) کا تعلق صفت رحمٰن سے ہے۔

پھر فرمایا تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ (الواقعة:۸۱) قرآن کریم کی تفاسیر بہت سی ہو چکی ہیں۔ میرے خیال میں کئی سو موٹی موٹی تفسیریں لکھی گئی ہیں۔ ان کے علاوہ لاکھوں صفحات تفسیر کے لکھے گئے ہیں۔ ایک عام سمجھ کا انسان ان تفاسیر کے ڈھیر کو دیکھ کر دل میں خیال کرسکتا ہے۔ کہ جو کچھ قرآن مجید میں تھا مفسرین نے اسے باہر نکال لیا ہے۔ اب کوئی شخص کتابِ مکنون سے کوئی نیا مطلب نہیں نکال سکتا۔

اس خیال کی تردید کے لئے فرمایا کہ صحیفۂ قدرت کو دیکھو کتنی کثرت سے بڑی بڑی ایجادیں ہوئیں بعض لوگوں نے صرف ایک مسئلہ کے متعلق نئی تحقیق پیش کی تو دنیا نے اسے بہت سراہا اور کہا کہ اس نے علم کی بڑی خدمت کی ہے اس نے ساری عمر میں گو ایک راز ہی سہی معلوم کرلیا ہے باوجود اتنی کوششوں کے پھر بھی نہیں کہا جا سکتا کہ دنیوی علوم ختم ہو گئے اور کہ انسان صحیفۂ قدرت پر پوری طرح حاوی ہو گیا ہے اور کوئی نئی چیز یا ایجاد دریافت نہیں کی جاسکتی۔

تو فرمایا کہ جس طرح صحیفۂ قدرت میں اللہ تعالیٰ کے غیر محدود اسرار پوشیدہ ہیں اسی طرح قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی غیر محدود حکمتیں اور معارف پوشیدہ ہیں۔ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ

الْعٰلَمِیْنَ (الواقعة:۸۱) اس لئے جس زمانہ میں بھی تم ہو اور جس ملک میں بھی اللہ تعالیٰ تمہیں پیدا کرے اس اصول کو مدِّنظر رکھنا کہ قرآن کریم کا اتارنے والا رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ہے۔ جس کی حکمت تجدید، نشوونماء اور ارتقاء کو چاہتی ہے۔

اس لئے دنیا بھی ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی کہیں کی کہیں پہنچ رہی ہے اور ہر نئی منزل پر اسے نئی الجھنوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ ایسے بندے پیدا کر دیتا ہے جو قرآن کریم کے نئے مطالب، معانی اور نئے معارف اخذ کر کے اس زمانہ کی نئی الجھنوں کو سلجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ چونکہ قرآن کریم کے علوم ختم ہونے والے نہیں قرآنِ کریم غیر محدود حقائق اور غیر متناہی علوم و حقائق اپنے اندر رکھتا ہے۔ اس لئے ہر زمانہ کی حاجت کے مطابق وہ کھلتے جاتے ہیں اور ہر زمانہ کے خاص فاسد خیالات کا مقابلہ کرنے کے لئے وہ علوم ایک مسلح فوج کی طرح کھڑے رہتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خود فرما دیا ہے کہ اس کتاب میں ہر وہ سامان موجود ہے جو کسی زمانہ کے لئے درکار ہے اور ہر ایک زمانہ کی ضرورتِ حقہ کے پورا کرنے کا کامل اور مکمل طور پر متکفل ہے جیسے کہ ہم نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس زمانہ میں خود مشاہدہ کیا ہے۔

غرضیکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کتاب کا تعلق ہماری صفت رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ سے بھی ہے۔ جس طرح عالم ابتدائی دور میں تھے اور پھر ان میں سے ہر ایک آگے ہی آگے بڑھ رہا ہے اسی طرح قرآن کریم کے علوم بھی منزل بہ منزل نئے سے نئے نکلتے چلے آئیں گے اور دنیا یہ نہ کہہ سکے گی کہ ہمیں ایک مسئلہ پیش آیا لیکن قرآن کریم نے ہمارے سامنے اس کا حل پیش نہیں کیا۔ اس لئے اگر کسی جگہ تم رکتے ہو یا اٹکتے ہو تو اس میں تمہارا قصور ہے تم ربوبیتِ عالمین کا دروازہ کھٹکھٹاؤ اور اللہ تعالیٰ کی اس صفت کے دامن کو پکڑو۔ خدا تعالیٰ کے سامنے عاجزانہ طور پر جھکو اور کہو کہ اے خدا! تو نے قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ میں رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ہوں اور یہ کتاب میری طرف سے نازل ہوئی ہے میری اس صفت کے ماتحت جہاں عالمین ارتقائی دَوروں میں سے گزر رہے ہیں وہاں قرآن کریم کے علوم بھی نئے سے نئے دنیا پر کھلتے رہیں گے۔ آج ضرورت بعض مسائل کے حل

کرنے کی ہے تو ہماری عقلوں کو منور فرما اور ہمارے لئے ایسے دروازے کھول جو ہمیں تیرے تک پہنچائیں اوران سے ہمیں قرآن کریم کا وہ نور حاصل ہو جس کی آج دنیا کو ضرورت ہے۔

پس ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی عظمت کو بیان کیا ہے اور قرآن کریم کے معارف کے حصول کے لئے جن صفات سے برکات حاصل کرنے کی ضرورت ہے انہیں بھی بیان فرمایا ہے ہمیں چاہیے کہ انفرادی اور جماعتی طور پر ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی ان صفات سے برکات حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ ہم اپنی کوشش، اپنی جدوجہد اور مجاہدات کو کمال تک پہنچائیں اور جو منصوبہ قرآن کریم کو سیکھنے سکھانے کا جماعت میں جاری کیا گیا ہے اس سے غفلت نہ برتیں۔

اس موقع پر میں اُن عزیزوں اور بھائیوں سے بھی اپیل کرنا چاہتا ہوں جن کا مختلف درسگاہوں سے طالب علم یا استاد کا تعلق ہے کہ اپنی چھٹیوں میں سے اگر آپ دو ہفتے قرآن کریم کو پڑھانے کے لئے وقف کردیں تو یقیناً اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی برکات نازل فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس نیک کام کے سرانجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۷؍اگست ۱۹۶۶ء صفحہ ۳ تا ۵)

ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم قرآن کریم سیکھیں، جانیں اور ہر وقت اس کی اتباع کرنے کی کوشش کریں

خطبہ جمعہ فرمودہ یکم جولائی ۱۹۶۶ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے متعلق یہ دعویٰ فرمایا ہے۔

وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۔(یوسف:۱۰۵)

کہ اے رسول! تو جو ان کفار کو تبلیغ کر رہا ہے اور خدا تعالیٰ کا پیغام انہیں پہنچا رہا ہے اس پر تو ان سے کوئی اجر نہیں مانگتا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ قرآن کریم تمام جہانوں کے لئے سراسر شرف کا موجب ہے۔

اس آیت میں قرآن کریم کے متعلق یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام عالمین کے لئے رحمت ہیں (رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ) اسی طرح قرآن کریم تمام عالمین کے لئے ذِكْرٌ ہے۔

ذِكْرٌ عربی زبان میں مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس جگہ ذِكْرٌ کے چار معنی چسپاں ہوتے ہیں۔

اس کے پہلے معنی اَلْكِتَابُ فِيْهِ تَفْصِيْلُ الدِّيْنِ وَوَضْعُ الْمِلَلِ ایسی کتاب جس میں دین کی تفاصیل اور احکام شریعت کامل طور پر بیان کئے گئے ہیں۔

تو فرمایا کہ قرآن کریم ایک کامل کتابِ شریعت ہے۔ کوئی شرعی حکم ایسا نہیں جو اس میں

بیان ہونے سے رہ گیا ہو اور دین و مذہب کے متعلق جتنی بھی تفصیل انسان کے لئے ضروری ہے۔ وہ ساری کی ساری اس کتاب میں بیان کر دی گئی ہے۔ پس اس کی اتباع اللہ تعالیٰ کی انتہائی خوشنودی کے حصول کا ذریعہ ہے۔

اس کے دوسرے معنی ہیں اَلشَّرَفُ بلند مرتبہ، رفعت اور بزرگی۔ تو فرمایا کہ جو احکامِ شریعت قرآن کریم میں بیان کئے گئے ہیں۔ اگر تم ان کو سیکھو گے سمجھو گے اور ان پر عمل کرو گے۔ تو اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ تمہیں بلند مرتبہ اور رفعت اور بزرگی عطا کرے گا اور اتباعِ قرآن کے ذریعہ آسمانی (روحانی) رفعتوں کے وہ دروازے جو خدا تعالیٰ کے قرب کی راہوں کو ڈھونڈنے والوں کے لئے کھولے جاتے ہیں۔ تم پر کھولے جائیں گے۔

اس کے تیسرے معنی اَلثَّنَآءُ کے ہیں۔ تعریف اور حمد۔ تو خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب اتباعِ قرآن کے نتیجہ میں روحانی رفعتوں کو تم حاصل کر لو گے تو تمہیں تعریف اور ثناء بھی حاصل ہو جائے گی۔ اَلثَّنَآءُ کا لفظ جس قسم کی تعریف کے متعلق بولا جاتا ہے۔ اس میں ایک لطیف اشارہ پایا جاتا ہے۔ وہ یہ کہ کسی دوسرے کامل وجود کا ثانی بننا یعنی اس کے اخلاق کی اتباع کر کے اس کا رنگ اختیار کرنے کی کوشش کرنا۔

پس اس میں توجہ دلائی گئی ہے کہ قرآن کریم نے جو تعلیم تمہارے سامنے رکھی ہے۔ وہ یہی ہے کہ تم تَخَلَّقُوْ بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ حاصل کر سکو۔ اللہ تعالیٰ کے اخلاق کا مظہر بن سکو۔ اور جب تم اللہ تعالیٰ کے اخلاق کا مظہر بن جاؤ گے تو ہر صاحب عقل و بصیرت تمہاری تعریف، تمہاری ثناء اور تمہاری حمد کرنے پر مجبور ہوگا۔

اس کے چوتھے معنی اَلصِّیْتُ یعنی ذکر خیر کے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ احکامِ قرآنی پر عمل کرنے کے نتیجہ میں جو بزرگی اور رفعت حاصل ہوتی ہے اور بندہ خدا تعالیٰ کی صفات کا مظہر بن جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک دنیا ایسے لوگوں سے فائدہ حاصل کرتی ہے۔ صرف ان کی اپنی نسل پر ہی نہیں بلکہ ایسے لوگوں کا احسان آئندہ آنے والی نسلوں پر بھی ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے ان کا ذکرِ خیر باقی رہ جاتا ہے۔ کیونکہ ذکرِ خیر صرف اسی شخص، گروہ یا سلسلہ کا ہی قائم رکھا

جاتا ہے (اور رکھا جانا چاہیے) کہ جس کا احسان آئندہ نسلوں پر ہو اور اس طرح آئندہ نسلیں اس شخص، گروہ یا سلسلہ کو یاد رکھتی ہیں اور سمجھتی ہیں کہ پہلوں نے ہم پر بڑے احسان کئے ہیں اور ہمیں ان احسانوں کو بھولنا نہیں چاہیے۔ مثلاً ہم احادیث کے جمع کرنے والے بزرگوں کا ادب اور احترام اور دعا کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ ان کا ذکرِ خیر اسی وجہ سے قائم ہے کہ ان لوگوں نے اپنی زندگیاں ہمارے فائدے کے لئے صرف کر ڈالیں۔ ان لوگوں نے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کو جمع کیا۔ ان کی چھان بین کی اور انہیں ہم تک پہنچانے کا انتظام کیا۔ اس احسان کے بدلہ میں ان کا ذکرِ خیر نَسْلًا بَعْدَ نَسْلٍ ہم تک چلا آیا اور آئندہ چلتا چلا جائے گا۔

پس اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ فرمایا کہ قرآن کریم ایک ایسی کتاب ہے جو ہر لحاظ سے کامل و مکمل ہونے کے علاوہ یہ خوبی بھی اپنے اندر رکھتی ہے کہ جب کوئی اس پر عمل کرتا ہے تو وہ صرف اسی نسل کو زیر بار احسان نہیں کر رہا ہوتا جس کا وہ ایک فرد ہوتا ہے بلکہ اس ذریعہ سے اللہ تعالیٰ اس سے نیکیوں اور خیر کے وہ کام لیتا ہے جس کے نتیجہ میں آئندہ نسلیں بھی اس کے احسان کے نیچے دبی ہوتی ہیں۔ وہ اس کے اس احسان کو پہچانتی ہیں اور اس کی وجہ سے اس کی شکر گزار ہوتی ہیں۔ اس لحاظ سے یہ قرآن اس کے لئے اَلصِّیْت ذکرِ خیر کے جاری رہنے کا موجب بن جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے متعلق بہت سی تعریفیں خود اس میں بیان فرمائی ہیں۔ اس چھوٹی سی آیت میں بھی بہت کچھ بیان کیا گیا ہے جس کی طرف میں نے اس وقت محض اشارے کئے ہیں لیکن ان اشارات سے بھی ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اگر ہم اس دنیا میں عزت اور شرف حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اگر ہمارے دل میں یہ خواہش ہے کہ ایک طرف ہمارا رب ہم سے راضی ہو جائے اور دوسری طرف آئندہ نسلیں بھی ہمیں نیک نام سے یاد کریں۔ ہمارے لئے دعا کرنے والی ہوں اور خدا کے حضور گڑ گڑانے والی ہوں کہ اے خدا ان لوگوں پر اپنی زیادہ سے زیادہ رحمتیں نازل کرتا چلا جا۔ تو ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم قرآن کریم کو سیکھیں، جانیں اور اس کی اتباع کریں اور اس کو ہر وقت اپنے سامنے رکھیں۔

اسی لئے میں نے قرآن کریم سیکھنے اور سکھانے کی طرف جماعت کو توجہ دلائی تھی۔

خلیفۂ وقت کا سب سے بڑا اور اہم کام یہی ہوتا ہے کہ وہ قرآن کریم کی تعلیم کو رائج کرنے والا ہو اور نگرانی کرنے والا ہو کہ وہ لوگ جو سلسلۂ حقہ کی طرف منسوب ہونے والے ہیں کیا وہ قرآن کریم کا جؤا اپنی گردنوں پر رکھنے والے ہیں؟ اور اس سے منہ پھیرنے والے نہیں بلکہ اس کی پوری پوری اطاعت کرنے والے ہیں۔

میری اس تحریک پر جماعتوں نے توجہ دی۔ بہت سی جماعتوں کی طرف سے تو بہت اچھی رپورٹیں مل رہی ہیں لیکن بعض جماعتیں ابھی ایسی بھی ہیں جہاں ابھی تک یہ کام شروع نہیں ہوا اور بعض جماعتوں کے متعلق یہ اطلاع بھی ملی ہے کہ کام شروع ہونے کے بعد پھر سستی کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں۔

میں پھر تمام جماعتوں کو، تمام عہدیداران خصوصاً امراءِ اضلاع کو اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ قرآن کریم کا سیکھنا، جاننا، اس کے علوم کو حاصل کرنا اور اس کی باریکیوں پر اطلاع پانا اور ان راہوں سے آگاہی حاصل کرنا جو قربِ الٰہی کی خاطر قرآن کریم نے ہمارے لئے کھولی ہیں از بس ضروری ہے۔

اس کے بغیر ہم وہ کام ہرگز سرانجام نہیں دے سکتے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ کو قائم کیا ہے۔ پس میں آپ کو ایک دفعہ پھر آگاہ کرتا ہوں اور متنبہ کرتا ہوں کہ آپ اپنے اصل مقصد کی طرف متوجہ ہوں اور اپنی انتہائی کوشش کریں کہ جماعت کا ایک فرد بھی ایسا نہ رہے نہ بڑا نہ چھوٹا، نہ مرد نہ عورت، نہ جوان نہ بچہ کہ جسے قرآن کریم ناظرہ پڑھنا نہ آتا ہو جس نے اپنے ظرف کے مطابق قرآن کریم کے معارف حاصل کرنے کی کوشش نہ کی ہو۔

اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی ذمہ داریوں کے سمجھنے کی اور پھر انہیں نبھانے کی توفیق دے اور مجھے بھی توفیق دے کہ جب تک آپ اس بنیادی مقصد کو حاصل نہیں کر لیتے، اس رنگ میں آپ کی نگرانی کرتا رہوں جس رنگ میں نگرانی کرنے کی ذمہ داری مجھ پر عائد کی گئی ہے۔

وَمَا تَوْفِيْقُنَا اِلَّا بِاللّٰهِ

(روزنامہ الفضل ربوہ ۷؍جولائی ۱۹۶۶ء صفحہ ۲، ۳)

قرآن کریم کو حرزِ جان بناؤ کہ اس کے بغیر ہم کوئی عزت کوئی بلندی اور کوئی کامیابی حاصل نہیں کر سکتے

خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۵؍ جولائی ۱۹۶۶ء بمقام مسجد نور۔ راولپنڈی

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔

مسلمانوں پہ تب ادبار آیا
کہ جب تعلیمِ قرآں کو بھلایا

اس شعر میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک تاریخی حقیقت بیان فرمائی ہے۔ جب ہم تاریخِ اسلام کی ورق گردانی کرتے ہیں اور مسلم ممالک اور اقوام کے عروج و زوال، ترقی وتنزل اور ان کی تہذیب اور ان کی وحشت کی داستانیں ہمارے سامنے آتی ہیں تو ہم پر یہ بات واضح اور بین ہوجاتی ہے کہ مسلمانوں نے جب بھی عروج وترقی کی۔ تہذیب کی رفعتوں تک پہنچے۔ تو یہ ارفع مقام انہیں اتباعِ قرآن ہی کے نتیجہ میں ملا اور جب کبھی انہوں نے قرآن اور اس کی اعلیٰ وارفع تعلیم کو پس پشت ڈال دیا۔ اس سے منہ موڑ لیا۔ اس سے بے رُخی برتی، اس سے دُوری اور بے تعلقی اختیار کی اور اسے ناقابل عمل سمجھتے ہوئے مہجور قرار دیا تو وہ قعر مذلّت میں جا گرے۔

اس کے برعکس جب انہوں نے قرآن کریم کو حرزِ جان بنایا اور اس کا جُوا اپنی گردنوں پر رکھا قرآن کریم کے نور سے منور ہو کر اور اس کے خادم بن کر میدانِ عمل میں اترے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی ترقیات سے نوازا اور ایسی رفعتیں انہیں عطا کیں کہ دنیا کے وہ معلم اور استاد بھی بنے۔ دنیا کے وہ ہادی اور راہ نما بھی ہوئے۔ دنیا کے وہ محسن بھی ٹھہرے۔ خدائے رزاق سے تعلق پیدا کر کے اَلْحَفِيْظُ اور اَلْعَلِيْمُ کی صفات کا مظہر بنے اور عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ انہیں مقرر کیا گیا اور زمین کی پیداوار کی تقسیم ان کے سپرد کی گئی اور ایک دنیا نے ان سے بھیک مانگی اور ایک جہان کو انہوں نے سیر کیا۔ مگر ان کے دامن دنیاداروں کے سامنے کبھی نہ پھیلے، نہ وہ دنیوی طاقتوں کے سامنے کبھی جھکے، نہ ان سے مرعوب ہوئے اور نہ وہ کبھی ان کے زیرِ احسان آئے۔

لیکن مسلم اقوام نے جب قرآن کریم اور اس کی تعلیم کو طاقِ نسیان کی زینت اور قُرْاٰنًا مَّهْجُوْرًا بنا دیا اور اپنی ناقص اور غافل عقلوں کو آسمانی نور سے بہتر جانا تو نورِ علم، نورِ فراست اور نورِ فطرت ان سے چھین لیا گیا۔ روحانی علوم و انوار کا تو ذکر کیا۔ دنیوی علوم میں بھی انہیں غیروں سے بھیک مانگنی پڑی اور جب رزّاقِ حقیقی سے انہوں نے اپنا رشتہ توڑ لیا تو حسناتِ دنیا بھی ان سے چھین لی گئیں اور ہم نے دیکھا کہ للچائی ہوئی نظروں سے وہ دنیا اور دنیاداروں کو تک رہے تھے۔

پس مسلمانوں کی تاریخ ایسے حقائق سے بھری ہوئی ہے۔ اس تاریخ کے بہت سے باب جہاں سنہری حروف سے لکھے نظر آتے ہیں۔ وہاں وہ باب بھی تو ہمارے سامنے آتے ہیں۔ جنہیں پڑھ کر ہماری گردنیں جھک جاتی ہیں۔ تاریخ کے ان ابواب سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ مسلم اقوام میں سے کس قوم نے کس زمانہ میں قرآن کریم اور اس کی تعلیم کو اس کا حقیقی مقام دیا اور وہ درجہ دیا جو اسے دیا جانا چاہیے تھا اور کس قوم نے کس زمانہ میں قرآن کریم اور اس کی تعلیم کو بھلا دیا اور پھر دنیا میں ان کے لئے عزت اور پناہ کا کوئی مقام بھی باقی نہ رہا۔

پس جماعت احمدیہ کو یاد رکھنا چاہیے کہ محض بیعت کر لینا یا محض احمدیت میں داخل ہونا یا محض احمدیت کا لیبل اپنے اوپر لگا لینا کافی نہیں جب تک ہم پورے کے پورے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں داخل نہیں ہو جاتے۔ جب تک ہم اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کا صحیح نمونہ اپنے خدا اور خدا

کی بنائی ہوئی دنیا کے سامنے پیش نہیں کرتے۔ جب تک ہم قرآن کریم کے تمام اوامر ونواہی کی عزت نہیں کرتے۔ ان کے آگے نہیں جھکتے اور جن باتوں سے ہمیں روکا گیا ہے ان سے باز نہیں آتے اور جن چیزوں کے ہمیں کرنے کی تلقین کی جاتی ہے۔ وہ ہم بجا نہیں لاتے۔ اس وقت تک ہم اللہ تعالیٰ کے ان فضلوں کے وارث نہیں ہو سکتے۔ جن فضلوں کا وارث وہ انسان ہوتا ہے جو قرآن کریم کے نور سے منور ہوتا ہے اور قرآن کریم کے احکام پر عمل کرنے والا ہوتا ہے اور قرآن کریم کا کامل متبع ہوتا ہے اور قرآن کریم کا سچا خدمت گزار ہوتا ہے۔ محض احمدی کہلانا، محض احمدیت کی طرف منسوب ہونا ہمارے لئے کافی نہیں اسی لئے میں اپنے متعدد خطبات میں اس سے پہلے بھی جماعت کو اس طرف متوجہ کر چکا ہوں کہ پوری ہمت کے ساتھ اور پوری توجہ کے ساتھ قرآن کریم کے سیکھنے اور سکھانے اور اس پر عمل کرنے کا انتظام تمام جماعتوں کے اندر کیا جانا چاہیے۔ بہت سی جماعتیں اس طرف پوری طرح متوجہ ہوئی ہیں لیکن بعض ایسی بھی ہیں جنہوں نے اس طرف پوری توجہ نہیں دی۔

قرآن کریم کے بغیر، قرآن کریم کی برکات کو چھوڑ کر، قرآن کریم کے نور سے پیٹھ پھیرتے ہوئے، قرآن کریم کو معزز نہ جان کر اپنے دلوں سے باہر نکال پھینکتے ہوئے، ہم خدا کی نگاہ میں کوئی عزت، کوئی بلندی، کوئی رفعت، کوئی کامیابی، کوئی کامرانی اور کوئی فتح حاصل نہیں کر سکتے۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں متعدد بار اس کی اہمیت کی طرف ہمیں توجہ دلاتا ہے۔ چند آیات کی تفسیر میں نے اس سے پہلے اپنے خطبات میں دوستوں کے سامنے رکھی ہے۔ آج میں قرآن کریم کی دو اور آیتیں دوستوں کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سورۂ زُمر میں فرماتا ہے۔

تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ ۔ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ فَاعۡبُدِ اللّٰہَ مُخۡلِصًا لَّہُ الدِّیۡنَ ۔ (الزّمر: ۲، ۳)

یعنی اس کتاب کا نازل کیا جانا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جو غالب اور سب کام حکمتوں کے ماتحت کرنے والا ہے۔ ہم نے تیری طرف یہ کتاب کامل سچائیوں پر مشتمل اتاری ہے۔ پس تو اطاعت کو اللہ تعالیٰ کے لئے خالص کرتے ہوئے اس کی عبادت کر۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتایا تَنْزِیْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ کہ اس کتاب کو وحی کے ذریعہ محمد رسول اللہ پر اُتارنے والی وہ ذات ہے جسے اللہ کے نام سے اسلام نے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ اَلْكِتَابُ کے لغوی معنی یہ ہیں کہ وہ صحیفۂ آسمانی جس میں تمام ضروری فرائض اور احکام کامل اور مکمل طور پر بیان ہوئے ہوں اور جو اقوامِ عالم کی تقدیر اور قسمت کا فیصلہ کرنے والی ہو۔ اسی لئے سورۂ حٰمٓ السّجدہ میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو بشیر بھی کہا ہے اور نذیر بھی کہا ہے۔ یعنی قرآن کریم ایک ایسی کتاب ہے جو تمام بنی نوع انسان کی قسمت کا فیصلہ کرنے والی ہے۔ قیامت تک تمام جہانوں کی تقدیر قرآن کریم سے وابستہ کر دی گئی ہے اور جو لوگ قرآن کریم کی ہدایات کو سمجھنے اور پہچاننے والے، جو لوگ قرآن کریم کی تعلیم پر عمل کرنے والے اور قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کی ذات کو جن صفات کے ساتھ ہمارے سامنے رکھا ہے۔ اس کا عرفان رکھنے والے اور اپنی تمام زندگی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں گزارنے والے ہیں۔ ان کے لئے قرآن کریم بطور بَشِیْرٌ کے پیش کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اللہ تعالیٰ کے فعل نے ہر زمانہ میں اس بات پر مہر لگا دی ہے کہ قرآن کریم کو جو بَشِیْرٌ کا نام دیا گیا ہے وہ بالکل برحق ہے اس میں کوئی غلطی نہیں کیونکہ یقیناً ہر مقام پر اور ہر زمانہ میں قرآن کریم کے کامل متبعین کو وہ روحانی اور جسمانی، دینی اور دنیوی نعماء ملیں جن کی بشارت قرآن کریم نے اپنے ماننے والوں کو مختلف مقامات پر دی تھی۔

اور وہ لوگ جو قرآن کریم کے مقابل کھڑے ہوئے جنہوں نے اس خدا کو جھٹلایا جسے اس کی کامل صفات کے ساتھ قرآن کریم پیش کرتا ہے۔ ان لوگوں کے متعلق قرآن کریم کے بتائے ہوئے انذار حرف بحرف پورے ہوئے اور قرآن کریم نے اپنی پیشگوئیوں میں کہیں کوئی غلطی نہیں کی۔

جیسا کہ میں نے بتایا ہے تاریخِ اسلام یعنی اللہ تعالیٰ کی فعلی شہادت اس بات پر گواہ ہے کہ قرآنِ کریم بشیر بھی ہے اور نذیر بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا کہ یہ کامل اور مکمل کتاب ہے جس میں فطرتِ انسانی کے لئے، اس فطرتِ انسانی کے لئے جو اپنے عروج اور بلوغت کو پہنچ چکی تھی۔ تمام وہ ہدایات موجود ہیں جن

کی اسے ضرورت تھی کیونکہ اس کتاب کا اُتارنے والا اللہ ہے۔ یعنی وہ ذات جسے اس کی بعض مخصوص صفات کے ساتھ قرآن کریم نے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے اور اس کی دو صفات کا ذکر اس نے اس آیت میں بھی کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اپنی جگہ پر یہ کامل اور مکمل کتاب ہے اور اس کا اتارنے والا اللہ ہے جس کی کئی صفات ہیں لیکن ہم تمہیں اس طرف متوجہ کرتے ہیں کہ وہ **العزیز** بھی ہے اور لغت عربی میں **عزیز** اس ہستی کو کہتے ہیں جو صاحب قدرت اور صاحب قوت ہو اور صاحب عزت ہو اور دنیا کی کوئی طاقت اسے کوئی نقصان نہ پہنچا سکتی ہو۔ وہ اتنا قوت والا ہو کہ دنیا کی کوئی طاقت اور قوت ایسی متصور نہ کی جا سکتی ہو جو اس کی قوت اور طاقت کے مقابلہ میں کامیابی کے ساتھ اس کے برخلاف کوئی مکر اور حیلہ اور فریب کر سکے۔ وہ غالب ہے مغلوب ہو ہی نہیں سکتا اور کوئی چیز اسے عاجز نہیں کر سکتی اور اپنی ان صفات میں وہ بے مثل بھی ہے۔ یعنی اس کی قوت اور اس کی قدرت اور اس کا غلبہ اور اس کی عزت ایسی ہے کہ دنیا کی کسی اور ہستی کی نہ وہ قوت، نہ وہ غلبہ، نہ وہ طاقت، نہ وہ شان، نہ وہ جاہ، نہ وہ جلال، کچھ بھی نہیں۔ اس ہستی کو **عزیز** کہتے ہیں۔ تو اس آیت میں فرمایا کہ یہ کتاب اس اللہ نے نازل کی ہے جو اس قدر قوت اور طاقت اور عزت والا ہے کہ دنیا کا کوئی مکر اور فریب اس کے مقابلہ میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ وہ اس مضبوط اور بلند پہاڑ کی چوٹی پر بنے ہوئے قلعہ کی طرح ہے کہ جس تک چڑھنا کسی اور کے لئے ممکن ہی نہیں۔ مَنِيْعٌ ہے۔ یعنی وہ اتنا محفوظ ہے کہ اس کے خلاف کسی سازش کی کامیابی ممکن ہی نہیں ہو سکتی۔

تو ہمیں اس کتاب میں صفت **عزیز** کا ذکر کر کے یہ بتایا کہ اگر تم اس اَلْکِتَابُ پر عمل کرنے والے ہو گے۔ اگر تم اس کے احکام کی اطاعت کرنے والے ہو گے تو اللہ جو **عزیز** ہے تمہیں عزت کے ایسے مقام پر کھڑا کرے گا کہ دنیا کی کوئی طاقت تمہارا مقابلہ نہ کر سکے گی۔ اگر تمہاری ترقی کے سامنے ہمالیہ کے پہاڑ بھی حائل ہوں گے تو وہ پاش پاش کر دیئے جائیں گے۔

مسلمانوں کی تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ بالکل بے کسی اور بے بسی کے زمانہ میں جب ان کے پاس نہ عزت تھی، نہ طاقت تھی، نہ مال تھا اور نہ کوئی اور ظاہری سامان تھے، صرف قرآن کریم

ہی تھا جو ان کے ہاتھ میں تھا صرف قرآن کریم ہی تھا جو ان کے دل میں تھا، صرف قرآن کریم ہی تھا جو ان کے عمل میں نظر آ رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں غلبہ عطا فرمایا اور ان کے مقابل آنے والی سب طاقتوں کو مٹا دیا اور ایک کم مایہ، بے مایہ، کمزور و ناتواں اور غریب کو تمام دنیا کی طاقتوں کے مقابلہ میں کامیاب وکامران کر دیا۔

اس کی ایک تازہ مثال میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ اس مثال کا میں نے پہلے بھی ذکر کیا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ۱۸۶۸ء میں یہ اعلان فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے الہاماً بتایا ہے کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔ اس وقت آپ کو بھی کوئی نہ جانتا تھا، قادیان کو بھی کوئی نہ جانتا تھا۔ جماعت احمدیہ کو بھی کوئی نہ جانتا تھا بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی نہ جانتے تھے۔ کیونکہ اس وقت اللہ تعالیٰ کے حکم سے جماعت کا قیام نہیں کیا گیا تھا اور بیعت بھی شروع نہ ہوئی تھی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ پیشگوئی کی اور قریباً سو سال تک مخالف کو موقع دیا کہ جتنا چاہو استہزاء کر لو، مذاق کر لو، ٹھٹھا کر لو، طعنے دے لو۔ یہ کلام ہمارا (عزیز خدا کا) کلام ہے جو ایک دن پورا ہو کر رہے گا۔ اس سال اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے وہ سامان پیدا کر دیئے۔ (دو کم سو سال کے بعد) جب اس عرصہ میں ایک نیا ملک بنایا گیا۔ پھر الٰہی تدبیر کے ماتحت اس ملک کو آزادی دلائی گئی۔ پھر الٰہی منشا کے مطابق جب اس ملک کی اپنی حکومت بنی، تو اس کا سربراہ اور اس کا Acting گورنر جنرل اس شخص کو مقرر کیا گیا جو تقرر کے دن سے پہلے جماعت احمدیہ گیمبیا کا پریذیڈنٹ تھا۔ اس طرح جماعتِ احمدیہ کے پریذیڈنٹ کو گورنر جنرل بنا دیا گیا۔

پھر ان کو ہمارے مبلغ نے توجہ دلائی کہ اللہ تعالیٰ کی ایک بشارت ہے کہ ’’بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے‘‘ تم خوش نصیب انسان ہو کہ دنیا کی تاریخ میں تمہیں پہلی دفعہ یہ موقع مل رہا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کپڑوں سے تم برکت حاصل کر سکو مگر یہ کوئی معمولی چیز نہیں۔ اس لئے قبل اس کے کہ تم اس کے متعلق خلیفہء وقت کو اپنی درخواست بھجواؤ چالیس دن تک چلہ کرو۔ یعنی خاص طور پر دعائیں کرو۔ اس قسم کا چلہ نہیں جو صوفیا اور فقراء کیا

کرتے ہیں۔ چالیس دن تک خاص طور پر تہجد میں دعا کرو کہ خدا تعالیٰ تمہیں اس بات کا اہل بنائے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کپڑوں میں سے ایک ٹکڑا تمہیں ملے۔

انہوں نے دعا شروع کی اور پھر مجھے خط لکھا کہ میں دعاؤں میں مشغول ہوں اور اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑا رہا ہوں کہ میں ایک بڑی بھاری ذمہ داری لے رہا ہوں، صرف عزت حاصل نہیں کررہا، صرف تبرک حاصل نہیں کررہا بلکہ بڑی بھاری ذمہ داری بھی لے رہا ہوں۔

ایک شخص جو ہزار ہا میل دور رہتا ہے نہ کبھی ربوہ آیا، نہ ہی تاریخِ احمدیت سے پوری طرح واقف، اس کے دل میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تبرک کی اہمیت جب تک پوری طرح بٹھا نہ دی جاتی میرے نزدیک انہیں تبرک بھجوانا درست نہیں تھا۔ اس لئے میں نے انہیں ایک لمبا سا خط لکھا اور انہیں یہی نکتہ سمجھایا کہ تم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا تبرک مانگ رہے ہو۔ اس میں برکتیں بھی بڑی ہیں مگر یہ بھی نہ بھولو کہ اس کی قیمت اتنی ہے کہ ساری دنیا کے سونے اور ساری دنیا کی چاندی اور ساری دنیا کے ہیرے اور جواہرات بھی اگر اس کے مقابل رکھے جائیں تو ان کی وہ قیمت نہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کپڑوں میں سے ایک ٹکڑا کی قیمت ہے اس لئے تم ایک بڑی ذمہ داری لے رہے ہو۔ ذہنی طور پر، روحانی طور پر اور اخلاقی طور پر اپنے آپ کو اس کا اہل بناؤ۔

یہ مضمون تھا اس خط کا جو میں نے انہیں لکھوایا اور ان سے انتظار کروایا تا کہ جب ان کی یہ روحانی پیاس اور بھڑکے اور ان کے دل میں ذمہ داری کا پورا احساس بیدار ہو جائے اس وقت وہ تبرک ان کو بھیجا جائے۔

پندرہ بیس دن ہوئے وہ تبرک ان کو بھجوایا گیا اور مجھے ابھی گھوڑا گلی میں ان کی تار ملی ہے کہ وہ تبرک مجھے مل گیا ہے۔ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس سے کما حقہ فائدہ اٹھانے کی توفیق بخشے۔

پس خدائے عزیز کے ساتھ تعلق رکھنے والے عزت کے ایسے مقام کو حاصل کرتے ہیں کہ دنیا کی کوئی طاقت ان کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ لیکن قرآن کریم کی طرف منسوب ہونا اور پھر عزت کی بجائے ذلت کے مقام پر کھڑا ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ دعویٰ جھوٹا ہے۔ ایسا شخص زبان پر تو

قرآن کریم کا نام لاتا ہے لیکن دل سے اسے دھتکارنے والا اور پرے کرنے والا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا کہ اس آسمانی کامل اور مکمل صحیفہ کو اُتارنے والا **العزیز** ہے۔ وہ ایسی طاقت کا مالک ہے کہ دنیا کی ساری طاقتیں اکٹھی ہو کر بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ وہ اس کی مخلوق ہیں۔ وہ اندر اور باہر سے ان کو جاننے والا ہے۔ وہ ان کی قوتوں اور استعدادوں کو اس لئے جاننے والا ہے کہ وہ خود اس کی پیدا کردہ ہیں۔تو وہ اس کے مقابلہ میں کیسے کھڑی ہو سکتی ہیں؟

اور ہمیں یہ بتایا کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی اس اَلْكِتَابُ پر پورا عمل کرو گے اور اس کی اطاعت اس طرح کرو گے جیسا کہ اطاعت کا حق ہے تو پھر خدائے عزیز تمہیں عزت کے بلند مقام پر کھڑا کر دے گا۔

پھر فرمایا کہ جس اللہ نے یہ کتاب تمہیں بھجوائی ہے وہ صرف اَلْعَزِيْزُ ہی نہیں۔ اَلْحَكِيْمُ بھی ہے اَلْحَكِيْمُ کے معنی ’’صاحب حکمت‘‘ کے ہیں۔ حِكْمَةٌ عربی زبان میں عدل، علم، حلم، فلسفہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

تو اَلْحَكِيْمُ کے ایک معنی یہ ہوئے کہ وہ علم رکھنے والی ہستی ہے۔ اس سے زیادہ عَلِيْم کوئی نہیں۔ تو اللہ تعالیٰ جس نے یہ قرآن نازل کیا ہے وہ ذات ہے جس کے علم کے مقابلہ میں ساری دنیا کے علوم کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ کامل علم اس کے پاس ہے۔ کوئی چیز اس سے مخفی نہیں۔ دنیا کے ہر ظاہر و باطن پر اس کی نظر ہے۔ ماضی و حال و مستقبل اس کے لئے ایسے ہی ہیں جیسے کہ ایک انسان کے لئے ایک سیکنڈ کا ہزارواں حصہ جو حقیقتاً اس کے لئے حال بنتا ہے۔ پس یہ وہ ذات ہے جو زمانہ سے بھی اَرْفَع ہے۔ جو مکان سے بھی بالا ہے۔ اس کے علم کے مقابلہ میں کوئی علم ٹھہر نہیں سکتا۔ اسی علم کے منبع سے یہ کتاب نازل ہوئی ہے۔ اس لئے اگر تم قرآن کریم کا غور سے مطالعہ کرو گے۔ اس کو سمجھو گے، اس کے علوم کے حصول کے لئے اپنے رب سے دعائیں کرتے رہو گے تو تمہیں وہ علوم عطا کئے جائیں گے کہ دنیا کے سارے عالم تمہارے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکیں گے۔ چنانچہ ابتداءِ زمانہء اسلام میں جو ترقی کا زمانہ ہے۔ ہمیں یہی نظارہ نظر آتا ہے۔ مغرب

کے جتنے بڑے بڑے فلاسفر گزرے ہیں۔ان سب نے اپنی فلاسفی یا ان نظریات میں جو انہوں نے پیش کئے مجھے یقین ہے کہ انہوں نے ان میں سے کسی نہ کسی مسلمان محقق سے بھیک مانگی ہے۔

ایک جرمن فلاسفر کانٹ بہت مشہور فلاسفر ہے جسے صرف جرمنی میں ہی نہیں بلکہ انگلستان اور امریکہ اور دوسری مہذب دنیا میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور اسے بڑے دماغ والا خیال کیا جاتا ہے۔اس کی بہت سی تھیوریز اور نظریے جو اس نے دنیا کے سامنے پیش کئے۔ میں ذاتی علم رکھتا ہوں کہ ان نظریات کو ہمارے مسلمان علماء نے (Kant) کانٹ سے بہتر طریق پر سو دو سو سال پہلے ہی دنیا کے سامنے پیش کیا ہوا ہے۔اس وقت تو ان علماء کی کتب بھی دنیا میں موجود تھیں۔ بعد میں اسلام کے خلاف جو تعصب سے کام لیا گیا۔اس کے نتیجہ میں ہماری بہت سی لائبریریاں جلا دی گئیں۔اور بہت بڑے پایہ کی کتابیں ایسی ہیں جو یا تو اس وقت دنیا سے کلیتاً مفقود ہیں۔ یا ان کی ایک آدھ جلد باقی ہے جو مثلاً روس کی لائبریری میں ہے اور ہماری دسترس سے باہر ہے اور ہم اس سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ یا اگر کہیں چھپی ہوئی ہوں تو کہہ نہیں سکتے۔

اسی طرح طب ہے اور دیگر جتنی سائینسز ہیں اور جتنے دوسرے علوم ہیں ان کے متعلق یہ لوگ اب مجبور ہو کر تسلیم کر رہے ہیں کہ ہم نے ابتداً انہیں مسلمانوں سے سیکھا ہے۔ پس جس وقت مسلمان قرآن کریم کی قدر کرنے والا تھا۔قرآن کے نور سے حصہ پانے والا تھا۔وہ تمام ان اقوام کا استاد تھا۔لیکن پھر انہوں نے اپنے غرور اور نخوت میں عملاً یہ اعلان کر دیا کہ ہمیں قرآن کریم کی ضرورت نہیں۔ ہماری عقل ہی ہمارے لئے کافی ہے۔نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تم نے اپنی ناقص عقل پر ہی بھروسہ کرنا ہے۔تو پھر جاؤ اپنی عقل سے کام لے کر دیکھ لو اور آخر یہ ہوا کہ ہمیں علم کے ہر میدان میں بھیک مانگنی پڑ گئی ہے۔ یہاں تک کہ جو موٹی موٹی باتیں ہیں۔ جو آسانی سے ایک غیر دیندار مسلمان بھی قرآن کریم سے حاصل کر سکتا تھا۔ وہ بھی ہمیں حاصل نہ رہیں کیونکہ قرآن کریم کی طرف ہماری توجہ ہی نہیں۔مثلاً ماڈل فارم ہیں آپ میں سے جو سفر کرنے والے ہیں وہ دیکھتے ہوں گے کہ ہر پانچ دس میل کے فاصلہ پر مختلف آدمیوں کے نام پر ماڈل فارم بنائے گئے ہیں۔ زید کا ماڈل فارم، بکر کا ماڈل فارم وغیرہ یہ جو ماڈل فارمنگ ہو رہی

ہے یہ سب مانگے کی ہے۔ کسی مہذب قوم کے سامنے ہم اپنی آنکھیں اور سر اٹھا نہیں سکتے کیونکہ ہم خود منگتے ہیں اور ہمارا دامن ان کے سامنے پھیلا ہوا ہے۔ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مطابق ''یَدِ سُفْلٰی'' رکھنے والے ہیں۔ ہمارا ہاتھ نیچے ہے اور ان کا ہاتھ اوپر ہے حالانکہ خود قرآن کریم نے ہمیں روحانی باتیں سمجھاتے ہوئے کئی قسم کے ماڈل فارم کی مثالیں ذکر کی ہیں۔ اور ان میں سے بعض ایسے ماڈل فارم بیان ہوئے ہیں کہ جن کے لئے پاکستان کی سالانہ آمد اگر تیس سال تک بھی خرچ کر دی جائے تب بھی وہ ریسرچ پروگرام اتنے کمال تک نہیں پہنچ سکتا۔ جو قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے۔ اتنی زبردست تحقیقی باتیں اس میں بیان کی گئی ہیں۔

بے شک قرآن کریم ہمیں علمِ زراعت سکھانے نہیں آیا۔ لیکن زراعت کو پیدا کرنے والا خدا ہمیں زراعت کی زبان میں روحانی باتیں سکھاتا ہے اور ضمناً ہمیں وہ باتیں بھی بتاتا ہے۔ جو ہماری زراعتی ترقی کے لئے ضروری ہیں۔ میں نے کئی دفعہ اپنے ماہرین زراعت سے کہا ہے کہ تمہیں مانگنے کی عادت ہے، تمہیں شرم کرنی چاہیے۔ ورنہ تم بجائے روس سے لینے کے، بجائے امریکہ سے لینے کے یا چین سے لینے کے کسی بھی غیر ملک سے مانگنے کی بجائے تم قرآن کریم پر غور کر کے اپنے ماڈل فارم کا پروگرام بناتے۔ لیکن میری یہ بات سن کر وہ چپ ہو گئے۔ انہوں نے کبھی خیال بھی نہیں کیا کہ قرآن کریم میں بھی کوئی علم ہے۔ حالانکہ قرآن کریم کا دعویٰ ہے مِنَ اللّٰهِ الْحَكِيْمِ کہ یہ حکیم اللہ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اگر تم اس کی پیروی کرو گے، اس کے نور سے حصہ لو گے تو دنیوی علوم میں بھی کوئی قوم تمہارا مقابلہ نہیں کر سکے گی۔

کئی سَو سال تک کی خدا تعالیٰ کی فعلی شہادت نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ واقعہ میں خدا تعالیٰ نے یہ سچ فرمایا ہے کیونکہ علم کے میدان میں کئی سَو سال تک مسلمانوں کے مقابلہ میں دنیا کی کوئی قوم کھڑی نہیں ہو سکی۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ہم نے کامل سچائیوں کے ساتھ یہ قرآن تیرے پر نازل کیا ہے۔ چونکہ یہ کامل صداقتوں اور کامل حقائق پر مشتمل ہے۔ فَاعْبُدِ اللّٰهَ اس لئے اے مسلمان! تو اپنے اللہ کی عبادت کر۔

اس میں ہمیں یہ بتایا کہ حقیقی اور سچی عبادت جو اللہ تعالیٰ کے فضلوں کو جذب کرنے والی اور کھینچنے والی ہے وہ اسی شخص کی ہو سکتی ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبادت کے کامل اور مکمل اصول بتائے گئے ہوں اور اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی کامل رہبری فرما دی ہو۔

پھر یہ بھی بیان فرما دیا کہ یہ اَلْکِتَابُ پہلی کتب کی طرح نہیں، جن میں کچھ صداقتیں تو بیان کی گئی تھیں۔لیکن ساری صداقتیں بیان نہیں کی گئی تھیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ کے لوگ تمام صداقتوں اور تمام حقائق کو ذہنی طور پر بھی۔ جسمانی نشوونما کے لحاظ سے بھی اور اخلاقی ارتقاء کے لحاظ سے بھی قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ پس ان کی طرف کچھ صداقتیں یا یوں کہیے کہ اَلْکِتَابُ کا ایک حصہ نازل کیا گیا اور اگر یہ سچ ہے اور یقیناً یہی سچ ہے تو پھر ان کی عبادت اور ایک سچے مسلمان کی عبادت میں زمین و آسمان کا فرق ہے کیونکہ ان کی عبادت نتیجہ ہے مثلاً بیس فی صدی ہدایت کا۔ اگر انہیں کامل ہدایت ملی ہوتی تو ہم کہتے کہ ان کی عبادت سو فیصدی کامل ہدایت کے ماتحت ادا کی گئی۔مگر ایسا نہیں۔ کیونکہ پہلی قوموں میں سے بعض کو کامل ہدایت کا مثلاً بیس فی صدی حصہ دیا گیا۔اس کے بعد جو لوگ ترقی کر گئے انہیں تیس فی صدی۔ پھر ان کے بعد آنے والے لوگوں کو چالیس، کسی کو پچاس اور کسی کو ساٹھ فی صدی حصہ عطا کیا گیا۔سَو فیصدی ہدایت صرف اُمّتِ مسلمہ کو عطا کی گئی۔

تو جس شخص کی، جس قوم کی، یا جس نبی کی اُمت کی اللہ تعالیٰ نے صرف بیس یا صرف تیس یا صرف چالیس یا صرف پچاس یا صرف ساٹھ فی صدی راہنمائی کی ہو اور اس راہنمائی کے نتیجہ میں انہوں نے اپنے ربّ کی عبادت کی ہو۔ان کی یہ عبادت اس عبادت کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سو فیصدی راہنمائی کے بعد ایک مسلمان بجا لاتا ہے اور ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ان اُمتوں پر اللہ تعالیٰ کے جو انعام اس دنیا میں نازل ہوئے یا آئندہ اخروی زندگی میں نازل ہوں گے وہ ان انعامات کے مقابلہ میں نہیں رکھے جا سکتے جو ایک حقیقی مسلمان پر اس دنیا میں اور پھر اخروی زندگی میں نازل ہوتے ہیں بلکہ ان انعامات سے ان انعامات کو کوئی نسبت ہی نہیں۔

یہاں ہمیں یہ بتایا کہ چونکہ یہ اَلۡکِتَابُ نازل کی جا چکی ہے۔جس میں کوئی خامی اور نقص نہیں بلکہ اس میں ساری کی ساری خوبیاں جمع کر دی گئی ہیں۔ فِيۡهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ (البيّنة:۴) یہ سب کی سب قرآن کریم کا ہی حصہ تھیں جواب پھر قرآن کریم میں اپنی اپنی جگہ پر رکھ دی گئی ہیں بلکہ بہت کچھ زائد بھی اس میں رکھا گیا ہے۔اس لئے ہم تمہیں حکم دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اگر تم اس ہدایت کے مطابق عمل کرو گے تو تمہاری عبادت کامل اور مکمل ہو گی۔

دوسری بات اس آیت میں ہمیں یہ بتائی گئی ہے فَاعۡبُدِ اللّٰهَ مُخۡلِصًا لَّهُ الدِّيۡنَ کہ عبادت کا مفہوم یہ نہ سمجھنا کہ اللہ اللہ کہہ دیا یا درود پڑھ لیا یا سبحان اللہ پڑھ لیا یا الحمد للہ کہہ لیا۔قرآن کریم کے نزدیک صرف اتنا یا محض اتنا کوئی عبادت نہیں۔اگر کوئی شخص مثلاً دس ہزار دفعہ درود پڑھتا ہے۔ لیکن اس میں اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے لئے اُسوہ حسنہ نہیں بنایا۔تو اس درود پڑھنے کا اسے کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔ جب ہم درود پڑھیں تو ہمیں چاہیے کہ اس نیت سے پڑھیں کہ اے خدا! تو نے دنیا میں ہمارے لئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک نہایت ہی اعلیٰ نمونہ بنایا ہے۔ اور تو نے اسے اس لئے نمونہ بنایا ہے تا کہ ہم اس کی پیروی کریں اس کے نمونہ پر چل کر اس کے اخلاق اپنے اندر پیدا کریں اور اس کے رنگ سے رنگین ہوں تو ایسا درود ہمیں فائدہ دے گا۔

لیکن اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ میں درود تو پڑھتا ہوں لیکن میں آپؐ کے نمونہ کی پیروی کرنا نہیں چاہتا۔تو خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ عبادت نہیں۔ فَاعۡبُدِ اللّٰهَ مُخۡلِصًا لَّهُ الدِّيۡنَ دین کے ایک معنی اطاعت بھی ہیں۔فرمایا تمہاری عبادت تب میری حقیقی عبادت کہلائے گی جب تم اس کے ساتھ میرے تمام حکموں پر عمل بھی کرو گے اور پھر عبادت خالص ہو یعنی بغیر کسی ریاء اور بغیر کسی کھوٹ کے ادا کی گئی ہو۔اَخۡلَصَ کے مفہوم میں عربی زبان کے مطابق دو باتیں پائی جاتی ہیں ایک ریاء کا نہ ہونا دوم کھوٹ کا نہ ہونا۔

اَخۡلَصَ الطَّاعَةَ کے معنی ہیں اس نے اطاعت میں کوئی ریاء نہیں برتا۔مثلاً ظاہر میں اَللّٰهُ اَللّٰهُ کہا یا ظاہر میں بہت عبادت کی لیکن اس کا باطن اطاعت سے انکار کرتا رہا تو یہ اخلاص کے خلاف ہے۔

تو فرمایا کہ ہم تمہیں حکم دیتے ہیں۔

فَاعْبُدِ اللّٰہَ کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس نیت سے عبادت کرو کہ جو حکم بھی نازل ہوگا۔ ہم اس کو بجالائیں گے اور ہر بات جس سے روکا جائے گا ہم اس سے باز رہیں گے۔ پس اللہ تعالیٰ کی عبادت خالص اطاعت کے ساتھ ہی ہو سکتی ہے۔ ورنہ اسلام اسے عبادت قرار ہی نہیں دیتا۔ اگر لمبی لمبی نمازیں پڑھنے والا الفحشاء اور منکر سے باز نہیں آتا تو اس کی نمازیں سچی نمازیں نہ ہوں گی کیونکہ سچی نماز تو فحشاء اور منکر سے روکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ایک اور عجیب مضمون بھی بیان فرمایا ہے۔ اَلدِّیْنُ کے معنی تدبیر کے بھی ہیں۔ تو فرماتا ہے۔ فَاعْبُدِ اللّٰہَ مُخْلِصًا لَّہُ الدِّیْنَ کہ اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ تمہاری تمام تدابیر خالصتاً بغیر کسی ریاء اور کھوٹ کے اسی کے لئے ہوں۔

اس میں یہ بھی وضاحت کی گئی ہے کہ خدا تعالیٰ تدابیر سے منع نہیں کرتا۔ وہ یہ نہیں کہتا کہ مال نہ کماؤ وہ یہ نہیں کہتا کہ تجارتیں نہ کرو۔ وہ یہ نہیں کہتا کہ زراعت نہ کرو۔ وہ یہ نہیں کہتا کہ تم وکالت کا پیشہ اختیار نہ کرو اور فیس نہ لو۔ لیکن وہ یہ ضرور کہتا ہے کہ دنیا کی جو تدبیر بھی تم کرو وہ خدا کے لئے کرو اور خدا تعالیٰ کی اطاعت کا جوا اپنی گردنوں سے نہ اُتارو پھر جب وہ یہ کہتا ہے کہ مال کماؤ تو ساتھ ہی یہ بھی حکم دیتا ہے کہ مال ان طریقوں سے کماؤ جو جائز قرار دئے گئے ہیں اور ان طریقوں سے مال نہ جمع کرو جو حرام قرار دئے گئے ہیں۔ پھر جب وہ کہتا ہے کہ تم مال خرچ کرو تو ساتھ ہی وہ یہ کہتا ہے کہ اپنا مال ان طریقوں سے خرچ کرو جو جائز قرار دئے گئے ہیں اور جو طریق خدا کے نزدیک ناپسندیدہ یا مکروہ ہیں اور بُرے ہیں ان طریقوں سے خرچ نہ کرو۔

پس اس چھوٹی سی آیت میں اور چند الفاظ میں بڑے وسیع معانی اور مطالب بیان فرمائے گئے ہیں بہر حال اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم عبادت کرو تو اس طرح کہ تمام دنیوی تدابیر کو بھی خالصتاً بغیر کسی ریاء، بغیر کسی کھوٹ کے میرے لئے کر رہے ہو۔ ایک شخص اگر رات کو تہجد کی نماز ادا کرتا ہے اور تہجد کی نماز کے بعد نمازِ فجر سے پہلے کہیں جا کر ڈاکہ ڈالتا ہے۔ تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اس کی نمازِ تہجد قبول ہو جائے گی!! اس کی دعائیں جو اس نے نمازِ تہجد میں کی تھیں وہ پوری کی جائیں گی؟؟

یہ مثال مجھے اس وجہ سے یاد آئی کہ قادیان کے قریب ایک گاؤں تھا ننگل۔ وہاں ایک

ڈاکو نمبر ۱۰ رہا کرتا تھا۔ رات کے ایک بجے پولیس اسے اس کے گھر جا کر دیکھا کرتی۔ ابھی وہ پولیس کا آدمی واپس قادیان نہ پہنچتا تھا کہ یہ چوری کے لئے نکل کھڑا ہوتا۔ ایک دن وہ ہماری کوٹھی میں جو حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہمیں بنا کر دی تھی، عین سحری کے وقت پہنچا اور ایک چیز چرائی۔ ہمارا ایک نوکر تھا اسے جب معلوم ہوا تو یہ بھاگ گیا۔ بعد میں ہمیں پتہ چلا کہ یہ اس شخص کا کام ہے۔

تو جو شخص ایک یا دو بجے رات تک شریفانہ طور پر گھر میں وقت گزارتا رہا اور اس کے معاً بعد وہ چوری کے لئے نکل گیا تو قانون کی نگاہ میں وہ یقیناً چور ہے۔ وہ شخص جو رات کو تین گھنٹے تک تہجد کی نماز ادا کرتا رہا پھر دن کو اس نے کسی کا مال غصب کر لیا تو خدا کی نگاہ میں وہ حرام خور ہے تہجد گزار نہیں۔ اسی واسطے ہمیں اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ جب تک ہماری ساری تدابیر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے نیچے نہیں آ جاتیں۔ اس وقت تک ہماری عبادت خدا کی عبادت کہلانے کی مستحق نہیں ہو سکتی۔ حقیقی عبادت اسلام کے نزدیک جیسا کہ اس آیت سے پتہ چلتا ہے یہ ہے کہ خالصتاً اس کی اطاعت ہو۔ اس کی اطاعت میں ریاء نہ ہو۔ تمام احکامِ الٰہی کی پیروی کی جائے۔ مثبت احکام کی مثبت طریق پر اور منفی احکام کی منفی طریق پر۔

فرمایا کہ کوئی زمیندار ہے، کوئی ڈاکٹر ہے، کوئی بار ایٹ لاء ہے وغیرہ۔ یہ تمہاری تدبیریں ہیں لیکن یاد رکھو کہ جب تک تم اپنی تدابیر کو مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ کے ماتحت رکھو گے تو تمہاری عبادتیں قبول ہوں گی اور جب ان میں اخلاص نہ ہوگا اور اطاعت نہ ہوگی تو یقیناً وہ قبول نہ ہوں گی۔

اس لئے میں جماعت کے بھائیوں اور بہنوں کو بتانا چاہتا ہوں کہ صرف احمدی کہلانا یا بیعت کر لینا کافی نہیں بلکہ آپ کا فرض ہے کہ قرآن کریم کی اور اسلام کی دنیا میں عزت قائم کریں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کو بلند کرنے والے ہوں۔ لیکن یہ کام ہرگز نہیں ہو سکے گا جب تک کہ دل میں اس کی محبت نہ ہو۔ جب تک کہ قرآنِ پاک کا علم آپ کو حاصل نہ ہو۔ جب تک کہ آپ اس کو کما حقہ سمجھنے والے نہ ہوں اور جب تک کہ ہمیشہ اس کے متعلق غور و فکر کرنے والے نہ ہوں۔ پس جب تک آپ قرآن کریم کی عزت کو دنیا میں قائم کرنے کی کوشش نہیں کریں گے۔

میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں بھی اور دنیا کی نگاہ میں بھی کبھی عزت حاصل نہیں کر سکتے۔ اگر آپ نے اپنی زندگی کا مقصد حاصل کرنا ہے اور اگر آپ نے اس غرض کو جس کے لئے یہ جماعت قائم کی گئی ہے حاصل کرنا ہے تو ضروری ہے کہ آپ قرآن کریم سے پیار کرنے والے ہوں۔ اس طرح کہ اس کے تمام احکام پر عمل کرنے والے ہوں۔ قرآن کریم کی عزت کرنے والے ہوں۔ قرآن کریم کے نور سے خود بھی منور ہوں اور پھر اس نور کی دنیا میں اشاعت بھی کریں۔

خدا تعالیٰ ہمیں صحیح معنی میں حقیقی احمدی بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۱۷؍اگست ۱۹۶۶ء صفحہ ۲ تا ۶)

قرآن کریم کی دس صفاتِ حسنہ جن سے اس کی عظمت وشان کا اظہار ہوتا ہے

خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۲؍جولائی ۱۹۶۶ء بمقام گھوڑا گلی۔مری

تشہد تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے سورۂ حٰمٓ السَّجدۃ کی یہ پہلی تین آیات کی تلاوت فرمائی۔

حٰمٓ ۔ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۔ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۔(حٰمٓ السَّجدۃ:۲ تا ۵)

پھر فرمایا۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم ہی میں اس کلامِ مجید کی عظمت اور اس کی شان اور اس کے فوائد اور اس کی روحانی تاثیروں کو مختلف پیرایوں میں بڑے زور کے ساتھ، بڑی وضاحت کے ساتھ، بڑی فصاحت کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ ان مختصر سی تین آیات میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی دس صفاتِ حسنہ بیان کی ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

(۱) تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔پہلی صفت اس کتاب، اس قرآن کی یہ ہے کہ یہ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ ہے۔اَلرَّحْمٰنِ خدا کی طرف سے اسے نازل کیا گیا ہے اور رحمٰن خدا کی رضا

جن راہوں سے ملتی ہے۔ان کا اس میں ذکر ہے۔ اَلرَّحْمٰنِ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے۔جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ایک ایسی ہستی ہے کہ جو بغیر استحقاق کے بھی اپنے بندوں کو اپنی رحمتوں سے نوازتا رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں ایک تو یہ ارشاد فرمایا کہ ابھی انسان دنیا میں پیدا بھی نہیں کیا گیا تھا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کے علم غیب میں قرآن کریم جیسی کامل اور مکمل کتاب موجود تھی جس نے بنی نوع انسان کو روحانی رفعتوں تک پہنچانا تھا۔

دوسرے تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ کے یہ معنی ہیں کہ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس میں ہدایات، ایسے ذکر، خدا تعالیٰ کی حمد کے ایسے طریق بتائے گئے ہیں کہ اگر انسان ان پر کاربند ہو تو وہ رحمٰن خدا کو خوش کرنے والا ہوگا اور عمل محدود ہونے کے باوجود غیر محدود جزا کا اور ثواب کا مستحق ٹھہرایا جائے گا۔

ہندو مذہب کی اس بگڑی ہوئی شکل میں اللہ تعالیٰ کو نہ رحمٰن مانا جاتا ہے نہ رحمٰن سمجھا جاتا ہے۔اس لئے ان کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان اس مختصر زندگی میں جو اعمال بجالاتا ہے تو اس کا بدلہ بھی رحیم خدا ہی دیتا ہے۔ رحمٰن خدا کا ان کے مذہب میں تصور ہی نہیں چونکہ یہ اعمال محدود ہوتے ہیں ان کا بدلہ اور ان کی جزاء بھی محدود ہوتی ہے اور جب محدود اعمال کا محدود بدلہ انسان کو مل جاتا ہے تو پھر وہ ایک نئی جون میں اس دنیا میں واپس بھیج دیا جاتا ہے کہ اگر اور انعام حاصل کرنے ہیں تو پھر دنیا میں جا کے اور عمل کرو پھر تمہیں اور انعام ملے گا۔

لیکن یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ قرآن کریم کو نازل کرنے والی پاک اور قادر و توانا ہستی وہ ہے جو رحمانیت کی صفت سے متصف ہے اور قرآن کریم میں وہ ہدایتیں، وہ احکام، وہ فرائض، وہ دعائیں، اللہ تعالیٰ کی حمد کے وہ طریقے بتائے گئے ہیں کہ اگر تم ان پر عمل کرو گے تو رحمٰن خدا خوش ہوگا اور تمہارے محدود اعمال کا غیر محدود بدلا تمہیں دے گا۔

(۲) دوسری صفت قرآن کریم کی ان آیات میں یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحِيْمِ ہے اس قادر و توانا ہستی کی طرف سے نازل کی گئی ہے جس کی صفاتِ حسنہ میں سے ایک صفت رحیمیت کی ہے۔ یہ بتا کر ہمیں اس طرف متوجہ کیا گیا اور ہمیں امید دلائی گئی کہ ہم جو اعمال

بھی اس کی خوشنودی کے لئے بجالائیں گے۔ہم جو قربانیاں اس کی رضا کی خاطر کریں گے۔ ہم جو ایثار کے نمونے محض اور محض اس کے لئے دنیا کے سامنے پیش کریں گے وہ قادر ہستی اس بات پر قادر ہے کہ ہمارے ان اعمال کا بدلہ دے اور جزاء دے۔

بہت دفعہ اس دنیا میں انسان انسانوں کی اس رنگ میں خدمت کرتا یا خوشامد کرتا ہے کہ جتنا بدلہ اس خوشامد اور اس خدمت کا خوشامد کرنے والے اور خدمت کرنے والے کو ملنا چاہیے۔ وہ بدلہ وہ شخص دے ہی نہیں سکتا اور نہ اس کی طاقت میں یہ ہوتا ہے کہ وہ اس قسم کا بدلہ دے اور جو مشرک لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسری ہستیوں کی عبادت کرتے ہیں اور پوجا کرتے ہیں ان کے لئے قربانیاں دیتے ہیں۔مثلاً ہم سے بھی بہت زیادہ قربانیاں دینے والی اس وقت دنیا میں عیسائی قوم ہے۔ وہ عیسیٰ یسوع مسیح جن کو انہوں نے خدا بنا دیا ہے۔ان کی خاطر جانی قربانی بھی دے رہے ہیں اور مالی قربانی بھی دے رہے ہیں۔ ان کی عورتیں بھی اور ان کے مرد بھی انتہائی قسم کی قربانیاں اپنے باطل مذہب اور شرک کی خاطر وہ اس وقت دے رہے ہیں اور اپنے اس معبود کی خدمت میں جو دراصل مردہ ہے زندہ نہیں (پاک نبی ہونے کے لحاظ سے تو زندہ ہیں لیکن بطور معبود ہونے کے وہ اس دنیا سے کوئی تعلق نہیں رکھتے) ان کی خدمت میں وہ ایثار کے نمونے پیش کر رہے ہیں کہ آدمی کو بعض دفعہ ان پر رشک آتا ہے۔افریقہ کے جنگلوں میں جا کر، اربوں ڈالر خرچ کر کے، اتنے پیسے ہونے کے باوجود بھی ہر قسم کی جذباتی اور جسمانی تکلیف گوارا کر کے وہ لوگوں میں عیسائیت پھیلانے میں کوشاں ہیں لیکن جس کے لئے وہ یہ کوششیں کر رہے ہیں اور قربانیاں دے رہے ہیں اور اموال کو خرچ کر رہے ہیں اس میں یہ طاقت نہیں کہ ان لوگوں کو ان قربانیوں کا بدلہ دے۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ فرمایا ہے کہ ہم کسی ایسی ہستی کے لئے ایثار اور قربانی نہیں مانگ رہے جس میں بدلہ دینے کی طاقت ہی نہ ہو بلکہ قرآن کریم کی ہدایات کے مطابق تم جو تکالیف بھی برداشت کرو۔ جو مجاہدات بھی بجالاؤ۔ جو قربانیاں بھی دو وہ اس خدائے رحیم کے لئے ہوں گی کہ جس کی طاقت میں ہے کہ جتنا تم کرو اس سے زیادہ تمہیں بدلہ میں دے کیونکہ رحیمیت کے ساتھ

اس بات کا بھی تعلق ہے کہ وہ نیک اعمال کو بڑھاتا ہے۔ اَضْعَافًا مُّضٰعَفَۃً کر دیتا ہے۔ ایک بیج کی طرح جس طرح بیج مٹی میں ڈالا جاتا ہے اور وہ بڑھتا ہے۔ پھولتا ہے۔ اور پھلتا ہے اور ایک دانہ سے سَو، پانچ سَو، سات سَو تک ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت رحیمیت کے ماتحت ایسا انتظام کیا ہے کہ وہ انسان کے اعمال کو بطور بیج کے ایک ایسی جگہ میں رکھتا ہے جہاں وہ اعمال بھی بڑھتے، پھولتے اور پھلتے ہیں اور اُخروی زندگی میں کئی گنا زیادہ ہمیں اپنے اعمال کا بدلہ مل جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ فرمایا کہ یہ ایک ایسی کتاب ہے کہ جس کے اندر یہ صفت پائی جاتی ہے کہ چونکہ یہ خدائے رحیم کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ تم جو بھی اعمال قرآن کریم کی بتائی ہوئی ہدایات کے مطابق بجالاؤ گے وہ ضائع نہیں جائیں گے۔ تمہیں ان کا اجر ملے گا اور بڑا ہی اچھا اجر ملے گا۔

(۳) تیسری صفت اس کی یہ بیان فرمائی ہے کِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ کہ یہ ایک ایسی کتاب ہے کہ جس کے احکام اور جس کی ہدایتیں مختصر اور مجمل طور پر بیان نہیں کی گئیں۔ جتنا کسی چیز میں اجمال کو مدِّنظر رکھا جائے اتنا ہی اس کے سمجھنے کے لئے زیادہ فراست، زیادہ بیدار مغزی اور زیادہ ذہانت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر کوئی الہامی کتاب بہت ہی مختصر ہوتو بہت سے لوگ اپنے ربّ کے حضور یہ عذر پیش کر سکتے تھے کہ اے خدا! تیرا ہدایت نامہ تو آیا مگر وہ اس قدر اجمال کے ساتھ بیان کیا گیا تھا کہ ہم اپنی ناقص سمجھ کے مطابق اس کی حقیقت کو پہنچ نہیں سکتے تھے اس لئے ہم اس کے فیض سے محروم رہے۔

اللہ تعالیٰ یہاں یہ فرماتا ہے کہ اس کتاب میں جو احکام بھی بیان کئے گئے ہیں ان کو اچھی طرح کھول کر اور تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔ تفصیل سے کھول کر بیان کرنے کے اللہ تعالیٰ نے دو طریق اُمّتِ محمدیہ میں جاری کئے ہیں۔

ایک تو یہ کہ خود قرآن کریم کے الفاظ بڑے تفصیلی مضامین کے حامل ہیں۔

دوسرے یہ کہ پھر بھی کوئی شخص کہہ سکتا تھا کہ ہم میں اتنی سمجھ نہ تھی کہ قرآن کریم کے عربی الفاظ

کی تحقیق کرتے اور ہمیں ان کے مطالب کی تفاصیل پر اطلاع ہوتی تو اللہ تعالیٰ نے ساتھ ہی یہ سلسلہ جاری کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے بعد آپؐ کے ظل اس اُمت میں پیدا کئے جو اپنے اپنے وقت میں وقت کی ضرورت کے مطابق قرآن کریم کے مطالب اپنے رب سے حاصل کرتے رہے اور خوب کھول کر قرآن کریم کو بیان کرتے رہے۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ لاکھوں اقوال جو کتب احادیث میں جمع کئے گئے ہیں وہ حقیقتاً قرآن کریم کی تفسیر ہیں۔ عام طور پر وہ لوگ جو علم کے لحاظ سے اور تقویٰ اور طہارت کے لحاظ سے ایک بلند مقام پر نہیں ان کے لئے یہ سمجھنا مشکل ہے کہ آنحضرتؐ کا کونسا قول قرآن کریم کی کس آیت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ کون سی حدیث کس آیت یا آیت کے کس ٹکڑے کی تفسیر ہے۔ اس کی طرف حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بڑی وضاحت سے اشارہ فرمایا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے جو باتیں بھی نکلی ہیں وہ حقیقتاً قرآن کریم کی ہی تفسیر ہیں۔

قرآن کریم کی کسی نہ کسی آیت سے ان باتوں کا تعلق ہے۔ آپؐ کے بعد آپؐ کے ماننے والوں میں، آپؐ سے پیار کرنے والوں میں، آپؐ سے محبت کرنے والوں میں، آپؐ کی اتباع کرنے والوں میں، آپؐ پر جانیں قربان کرنے والوں میں ایسے لوگ پیدا ہوئے جو آپؐ کی محبت میں اور آپؐ کے وجود میں ایک حد تک یا بہت حد تک فنا ہوئے اور اپنی اپنی استطاعت کے مطابق انہوں نے قرآنی علوم کو حاصل کیا اور دنیا میں پھیلایا۔

تو کِتَابٌ فُصِّلَتۡ اٰیٰتُہٗ کے ایک معنی یہ ہیں کہ یہ ایک ایسی کتاب ہے کہ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ دنیا میں ایسے لوگوں کو پیدا کرتا رہے گا جن کو وہ خود قرآنی علوم سکھائے گا اور وہ لوگ قرآنی آیات کی تفاصیل بنی نوع انسان میں پھیلائیں گے اور ان تک پہنچائیں گے۔

ہر دو لحاظ سے قرآن کریم کی بڑی عظمت اور بڑی شان ہے۔ یعنی اس معنی کے لحاظ سے بھی کہ اختصارِ الفاظ کے باوجود تفصیل کافی حد تک، تسلی بخش حد تک قرآن کریم میں پائی جاتی ہے۔ اس قسم کا اجمال نہیں کہ انسان اپنے علم اور اپنی ضرورت کے مطابق جو اس سے حاصل کرنا چاہیے، حاصل نہ کر سکے اور دوسرے معنی کے لحاظ سے بھی کہ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیات کو

کھول کھول کر بیان کر دیا گیا ہے یعنی اس اُمت میں ایسے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے جو قرآن کریم کی آیات کے معانی کھول کھول کر دنیا کو سنانے والے ہوں گے اور تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ قرآن کریم کے اس چھوٹے سے ٹکڑے میں جو مضمون بیان کیا گیا ہے ویسا ہی عملاً وقوع میں آیا ہے۔

(۴) چوتھی صفت قرآن کریم کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ یہ قُرْاٰنًا ہے۔قرآن کے معنی ہیں ایسی آسمانی کتاب جس میں پہلی کتبِ سماویہ کے بنیادی اصول اور ہدایتیں جمع ہوں۔ یہی نہیں بلکہ قرآن کے معنی میں یہ بھی ہے کہ جس میں تمام علوم کے اصول بیان ہو گئے ہوں۔ میں اس وقت تفصیل میں نہیں جا سکتا صرف ایک دنیوی اصول جو دنیا کے علوم کے ساتھ تعلق رکھتا ہے وہ بتا دیتا ہوں اور قرآن کریم نے بڑے دھڑلے اور بڑے زور کے ساتھ اسے بیان کیا ہے وہ یہ کہ دنیا کا یہ مادی کارخانہ اللہ تعالیٰ نے ایک قانون کے ساتھ باندھا ہوا ہے۔

یہ ایک بنیادی اصل ہے جس کا ہر دنیوی علم کے ساتھ تعلق ہے چنانچہ ہمارے علوم نے جتنی بھی ترقی کی ہے خصوصاً اب جو غیر مسلم مغربی اقوام نے اور بعد میں کچھ مشرقی اقوام نے دنیوی اور مادی علوم میں جو ترقی کی ہے ان کے ہر علم کی بنیاد اسی اصل کے اوپر ہے اور یہ اصل انہوں نے دراصل مسلمان سائنٹسٹ اور مسلمان علماء سے لیا ہے۔ ’’ڈارک ایجز‘‘ جو کہلاتی ہیں یعنی وہ زمانہ جس میں عیسائی ملک اور غیر مسلم اقوام نہایت پستی کی حالت میں زندگی گزار رہی تھیں۔ مسلمان علماء اور سائنٹسٹ ان ملکوں میں پہنچے اور ان لوگوں کو انہوں نے علم بھی سکھایا اور ساتھ ہی یہ بنیادی اصل بھی سکھایا کہ دنیا کا ہر علم تبھی علم کہلا سکتا ہے یعنی اسے نظام میں باندھا جا سکتا ہے جب اس اصل کو تسلیم کیا جائے جو قرآن کریم نے بتایا ہے کہ کوئی چیز بھی قانون سے باہر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ ہے جسے قانونِ قدرت کہتے ہیں (جب ہم اسے قانونِ قدرت کہتے ہیں تو یہ ایک ناقص اصطلاح ہے۔ جب ہم اسے سنت اللہ کہتے ہیں تو یہ ایک کامل اصطلاح ہے) قرآن کریم نے اس کو ’’اللہ کی سنت‘‘ یا ’’سنت اللہ‘‘ کی کامل اصطلاح سے بیان کیا ہے کہ تم اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی نہیں پاتے۔ جب میں نے یہ کہا کہ ’’قانونِ قدرت‘‘ ناقص اصطلاح ہے تو اس کا

مطلب یہ ہے کہ سائنس کی تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے کہ جس بات کو ایک سائنسدان نے قانونِ قدرت سمجھا اور کہا، کچھ عرصہ کے بعد مزید تحقیق اور تجسس کے نتیجہ میں معلوم ہوا کہ دراصل وہ قانون قدرت نہیں تھا بلکہ قانونِ قدرت اور ہی تھا جس کو وہ غلط سمجھ رہے تھے اور اس دوسرے قانونِ قدرت کے ماتحت یہ واقعات رونما ہوئے تھے۔

کہنے کو تو یہ ایک معمولی سی مثال ہے مگر ہے بڑی واضح اور وہ یہ کہ آگ جلاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آگ کو حکم دیا ہے کہ تو جلا۔ یہ سنت اللہ ہے اور چونکہ وہ (آگ) الٰہی سنت کے ماتحت ہے۔ اللہ تعالیٰ کبھی اپنی اس قوت اور طاقت کو ثابت کرنے کے لئے کہ آگ میرے حکم سے ہی جلاتی ہے اس کو جلانے سے روک بھی دیتا ہے جیسے کہ ابراہیمؑ کے واقعہ میں خدا تعالیٰ نے فرمایا یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا (الانبیآء:۷۰) تیرا نار رہنا میرے حکم سے تھا۔ اب میرا حکم ہے کہ بَرْدًا وَّسَلٰمًا بن جاؤ۔ تو ایسے واقعات یہی ثابت کرنے کے لئے ظاہر کئے جاتے ہیں تا ہمیں معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے کہ جس کے حکم سے کارخانہء عالم چل رہا ہے۔

حکم اور سنت اس کی یہی ہے کہ آگ جلاتی ہے۔ انسان نے اس اصل اور اس حکم کے نتیجہ میں سینکڑوں ہزاروں فائدے حاصل کئے ہیں۔ اگر یہ ہوتا کہ کبھی آگ جلاتی اور کبھی ٹھنڈا کرتی تو یہ بھی ہوتا کہ جس گاڑی پر بھاپ سے چلنے والا انجن لگا ہوتا کبھی تو وہ گاڑی لاہور سے کراچی پہنچ جاتی اور کبھی ملتان سے لاہور یہ اطلاع آتی کہ ہمیں بڑا افسوس ہے کہ وہ آگ جو جلاتی اور گرم کرتی تھی اب اس نے ٹھنڈا کرنا شروع کر دیا ہے اور جو پانی بوائلر میں ڈالا گیا تھا وہ برف بن گیا ہے۔ گرمی کے دن تھے اس لئے برف کو ہم نے غریبوں میں تقسیم تو کر دیا ہے لیکن گاڑی آگے نہیں چل سکتی۔ کیونکہ آگ نے اپنا عمل چھوڑ دیا ہے۔

لیکن کبھی ایسا نہیں ہوتا۔ اگر ایسا ہوتا تو انسان کے لئے ایک مصیبت پیدا ہو جاتی۔ کوئی چیز بھی ہم بنا نہ سکتے۔ کبھی بجلی روشنی کرتی اور کبھی بجائے روشنی کے اندھیرا کر دیتی پس اگر یہ ہوتا تو انسان کے لئے زندگی گزارنا مصیبت بن جاتا۔

تو قانونِ قدرت کے مطابق یہ سارا کارخانہ چل رہا ہے۔ اور یہ ایسے بنیادی اور حقیقی اور

اصولی قوانین ہیں جو کسی نہ کسی پیرائے میں قرآن کریم میں بیان ہو گئے ہیں۔ کوئی مثال دیتے ہوئے، کسی چیز کی وضاحت کرتے ہوئے کبھی اپنی طاقتوں کے اظہار کے لئے، کبھی اپنی صفات کے بیان کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ یہ اصول بھی بیان کر جاتا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ فرمایا کہ یہ ایک ایسی کتاب ہے کہ جس کے اندر چوتھی صفت یہ پائی جاتی ہے کہ یہ قرآن ہے کہ اس میں تمام پہلی کتبِ سماویہ کے بنیادی اصول بھی ہیں اور تمام علومِ مادی کے بنیادی اصول بھی اس میں بیان کر دیئے گئے ہیں اس لئے دین اور دنیا کی اگر تم ترقی چاہتے ہو تو تمہارے لئے ضروری ہے کہ تم اس قرآن کی جو قرآن ہے ہر لحاظ سے پیروی کرنے والے اور اس سے فائدہ اُٹھانے والے بنو۔

(۵) پھر اللہ تعالیٰ نے پانچویں صفت اس کتاب مجید کی یہ بیان فرمائی ہے کہ یہ قرآن ہی نہیں عربی ہے۔ عَرَبِیٌّ کے معنی ایک ایسی کتاب کے ہیں جو حق کو حق اور باطل کو باطل ثابت کرنے والی ہو۔

اس کے ایک دوسرے معنی یہ ہیں کہ وہ کتاب جو منسوخ کرنے والی ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ فرمایا کہ قرآن ایک ایسی کتاب ہے جو قرآن ہے۔ یعنی پہلی تمام کتبِ سماویہ کی بنیادی حقیقتیں اس کے اندر جمع ہیں۔ دراصل پہلی کتبِ سماویہ کی تمام بنیادی حقیقتیں قرآن کریم کا ہی حصہ ہیں اور پہلے لوگوں کو وقتی ضرورت کے مطابق قرآن کریم کا ایک حصہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کیا گیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ فرمایا کہ بعض صداقتیں پہلی کتب میں ایسی تھیں جو پورے طور پر اس قرآن میں بیان کی جا سکتی تھیں یعنی قرآن کریم کا ہی ایک حصہ پہلی اُمتوں کو دیا گیا تھا مگر کچھ زائد صداقتیں تھیں جو اس قرآن کا حصہ تھیں مگر پہلے لوگ اس کو سمجھ نہیں سکتے تھے اس لئے وہ ان کو نہیں ملیں۔ پس قرآن کامل اور مکمل شکل میں اُمّتِ مسلمہ کو عطا ہوا۔ لیکن اس جزوی شکل میں اس کو منسوخ کر دیا گیا۔ پس یہ قرآن ہر پہلی کتاب کو منسوخ کرنے والا ہے۔

اب اگر کوئی شخص یہ کہے جیسا کہ بعض دفعہ بعض عیسائی یا بعض ہندو کہا کرتے ہیں کہ ہم بھی

خدا کی عبادت کرتے ہیں تم بھی خدا کی عبادت کرتے ہو، تم اپنی عبادات کرتے جاؤ ہم اپنی عبادت کرتے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب سے راضی ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ پہلے جو راہیں مجھ تک پہنچنے کے لئے بنی نوع انسان کے سامنے رکھی گئی تھیں وہ اب سب منسوخ ہو گئیں۔ اب مجھ تک پہنچنے کا راستہ قرآن کریم کا راستہ ہی ہے۔ اس کی ایک موٹی مثال یہ ہے۔ پہاڑ پر سفر کرتے ہوئے کئی جگہ آپ کو نظر آئے گا کہ بعض جگہ پہلے سڑک ہوتی تھی۔ بارشیں ہوئیں یا پہاڑ گرے یا مرورِ زمانہ کے نتیجہ میں، وہ میٹلڈ روڈ (Metalled Road) جو تھی وہ بالکل اُکھڑ پکھڑ گئی اور نا قابل استعمال ہو گئی یا پل گر گیا اور وہ پل دوبارہ بنایا نہیں گیا۔ لیکن اس کی بجائے ایک نئی فراخ سڑک بنا دی گئی۔ اب کوئی اگر یہ کہے ''ٹھیک ہے یہ بھی ایک راستہ ہوا کرتا تھا تم اس نئے راستہ پر موٹر لے جاؤ میں اس پرانے راستہ پر لے جاتا ہوں''۔ تو اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ وہ کھڈ میں گر پڑے گا اور مارا جائے گا۔ آخری راستہ زیادہ وسیع، زیادہ اچھا حکومتِ وقت نے عوام کے استعمال کے لئے بنایا ہے۔ جو اس پر چلے گا وہی اس جگہ تک پہنچے گا۔ جہاں تک یہ راستہ پہنچا تا ہے۔ یہ ایک موٹی مثال ہے مادی دنیا کی۔

قرآن کریم کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس نے سب دنیا کی پہلی کتب کو منسوخ کر دیا۔ اب اُن کی پیروی کے نتیجہ میں تم لوگ مجھ تک نہیں پہنچ سکتے۔ اگر میری رضاء کی راہوں کی تلاش ہو۔ اگر تم میرے قرب کو ڈھونڈنے والے ہو تو صرف قرآن کریم کا ہی بتایا ہوا وہ صراطِ مستقیم ہے جو میرے تک تمہیں پہنچا سکتا ہے۔ پہلی کتب میں اب یہ طاقت نہیں رہی ہے۔ کیونکہ انسانی ایراد نے پرانی شریعتوں کو خطرناک اور مہلک بنا دیا ہے۔

چھٹی صفت قرآن کریم کی ان آیات میں یہ بیان فرمائی لِقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ کہ یہ قرآن کِتٰبٌ فُصِّلَتۡ اٰیٰتُہٗ بھی ہے۔ یہ رحمٰن اور رحیم خدا کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ قرآن بھی ہے۔ عَرَبِیٌّ بھی ہے اس کے باوجود ہر آدمی کی سمجھ سے بالا بھی ہے۔ یعنی اس کا یہ نتیجہ نہیں کہ ہر کس و ناکس اس تک پہنچ جائے۔ کیونکہ یہ کتاب صرف ان لوگوں کو فائدہ پہنچانے والی ہے جو روحانی علوم رکھتے ہوں۔ اس میں ایک مختلف پیرایہ میں لَا یَمَسُّہٗۤ اِلَّا الۡمُطَہَّرُوۡنَ (الواقعة:۸۰) کا مضمون بیان کیا گیا

ہے اور بتایا گیا ہے کہ جو لوگ روحانی علوم سے مس رکھنے والے ہیں اور روحانیت کی تڑپ رکھنے والے ہیں اور ان کا میلانِ طبع ایسا ہے کہ وہ روحانی علوم کے حصول کی خواہش اپنے اندر رکھتے ہیں اور اس نیت سے رکھتے ہیں کہ وہ یہ علوم حاصل کر کے ان سے فائدہ اٹھائیں گے۔ ان کے لئے ہی یہ کتاب مفید ہو سکتی ہے۔

اگر کوئی عیسائی مثلاً سارا قرآن کریم پڑھ جائے۔ یہی نہیں بلکہ عربی میں اس وقت تک جتنی تفاسیرِ قرآن لکھی گئی ہیں وہ بھی پڑھ جائے۔ یہی نہیں بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ساری کتب جو حقیقتاً قرآن کریم کی تفسیر ہی ہیں وہ بھی پڑھ جائے یہی نہیں بلکہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تفسیر کبیر کے نام سے بڑی ضخیم کتب تفسیر (قرآن کریم کے بعض پاروں کی جو مکمل ہو چکی ہے) شائع کی ہے وہ بھی سب پڑھ جائے تب بھی وہ قرآن کریم کو نہیں سمجھ سکتا۔

ایک ایسا عجیب نظام اللہ تعالیٰ نے جاری کیا ہے کہ وہ قرآن کریم تک پہنچ ہی نہیں سکتا اور نہ ہی قرآن کریم کے علوم حاصل کر سکتا ہے نہ اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

بظاہر یہ ایک فلسفیانہ خیال ہے لیکن یہ بات سمجھانے کے لئے مجھے ابھی ایک بڑی اچھی مثال یاد آ گئی ہے اور وہ یہ کہ پہلے زمانہ میں سمندر میں مچھلیاں پکڑنے کے لئے بڑے یا چھوٹے جہاز بیسیوں یا سینکڑوں کی تعداد میں جاتے تھے۔ ان کا طریق یہ تھا کہ مچھلیوں کے غول کا جو لاکھوں کی تعداد پر مشتمل ہوتا جہاں ان کو پتہ چلتا تھا تو وہ وہاں میل ہا میل کے چکر میں جال پھینک دیتے تھے۔ اور پھر اس جال کی، پانی کی تہ میں، ایک دیوار بن جاتی تھی اور مچھلی اس سے باہر نہیں جا سکتی تھی۔ پھر وہ دوسرے جال کھینچ کھینچ کے مچھلیاں اُٹھاتے تھے۔

ابھی کچھ عرصہ ہوا سائنس دانوں نے ایک شعاع ایجاد کی ہے۔ اگر وہ شعاع پانی میں پھینک دی جائے تو مچھلیاں اس شعاع کو عبور نہیں کرتیں حالانکہ وہ کوئی مادی چیز نہیں لیکن ایک دیوار ہے اور دیوار بھی روشنی کی۔ وہ اس روشنی کی دیوار سے پرے نہیں جا سکتیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہمارا قرآن ہے تو نورِ مجسم! لیکن اس میں بعض ایسی شعاعیں بھی ہیں کہ جو پاک نہ ہو، جس میں روحانیت نہ ہو۔ وہ اس تک پہنچ نہیں سکتا۔ خود روشنی کی بعض شعاعیں

اس کو محروم کر دیتی ہیں حقیقی و روحانی علم حاصل کرنے سے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے متعلق فرمایا لَا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (الواقعۃ:۸۰) غیر مسلم تو اس تخیل کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔ لیکن خود ان کے سائنسدانوں نے ایک مثال ایسی دے دی ہے کہ جس طرح مچھلی اس روشنی کے بیم (ستون) کو عبور نہیں کر سکتی۔ قرآن کریم نے بھی اپنے گرد شعاعوں کا ایک ہالہ بنا دیا ہے کہ جب تک تم مطہر نہیں ہو گے تم اس ہالہ کے اندر داخل نہیں ہو سکو گے۔

تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی چھٹی صفت ان مختصر سی آیات میں یہ بیان فرمائی ہے کہ یہ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ان لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے جو روحانی علوم رکھتے ہوں۔ جن کی طبیعت کا میلان روحانیت کی طرف نہ ہو اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔

(۷) ساتویں صفت اس کتاب کی یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ بشیر ہے۔ قرآن کریم ایسی آیات سے بھرا پڑا ہے کہ اگر تم یہ کرو گے تو تمہیں یہ انعام ملے گا۔ مثلاً فرمایا۔ وَ بَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ (یونس:۳) یہ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ بہت بڑی بشارت ہے جو قرآن کریم کے ماننے والوں اور اس پر عمل کرنے والوں کو دی گئی ہے۔ لیکن یہ ایک مثال ہے۔ حقیقتاً سینکڑوں ہزاروں بشارتیں قرآن کریم کے متبعین کو اللہ تعالیٰ دیتا ہے اس معنی میں یہ کتاب بشیر ہے۔ کیونکہ یہ کہتی ہے کہ تم میری پیروی کرو تمہیں نعمتوں پر نعمتیں ملتی جائیں گی۔

(۸) آٹھویں صفت اس کتاب مجید کی نذیر ہے۔ یہ کہتی ہے کہ اگر تم پیروی نہ کرو گے۔ میرے بتائے ہوئے طریق پر نہ چلو گے۔ جس طرف میں لے جانا چاہتی ہوں۔ اس طرف منہ نہ کرو گے بلکہ اس طرف پیٹھ کرو گے اور مجھ سے پرے ہو جاؤ گے۔ تو تمہارے لئے بہت سی مصیبتیں، ابتلا، دکھ، درد اور خدا کا غضب اور لعنت مقدر ہے۔ تو یہاں اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کی ایک صفت نذیر بیان کی ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَ اَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ ۘ وَ هُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّ هُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (مریم:۴۰)

ان کو اچھی طرح متنبہ کر دو کہ اگر تم میری بتائی ہوئی تعلیم اور ہدایت پر عمل نہیں کرو گے تو تمہیں حسرت کا دن دیکھنا نصیب ہوگا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو ان کو اس دن سے ڈرا جس دن افسوس

اور مایوسی چھائی ہوئی ہوگی اور سب معاملات کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اب تو یہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور ایمان نہیں لاتے۔

اسی طرح اس دنیا کے عذابوں کے متعلق، اللہ تعالیٰ کے قہری نشانوں کے متعلق یہ کتاب انذار سے بھری پڑی ہے اس لئے ان آیات میں قرآن کریم کا نام بطور صفت نذیر رکھا گیا ہے۔

(۹) نویں صفت جو ان آیات میں بیان فرمائی گئی ہے۔ وہ ہے۔ فَاَعۡرَضَ اَكۡثَرُهُمۡ ان میں سے اکثر اس طرف متوجہ نہیں ہوتے اور اس حسین تعلیم سے اعراض کرتے ہیں بظاہر ان الفاظ میں ہمیں کسی صفت کا اظہار معلوم نہیں ہوتا لیکن درحقیقت ان الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ یہ انتہائی حسین تعلیم ہے، جو اسے دیکھتا ہے مسحور ہو جاتا ہے۔ یہ تعلیم دل کو موہ لیتی ہے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ اس کی طرف کوئی حقیقتاً منہ کرے، متوجہ ہو، اپنی بصارت اور بصیرت کو استعمال کرے اور پھر اس کے دل پر قرآن کے حسن کا اثر نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا جیسا کہ دوسری جگہ بھی بیان فرمایا ہے کہ ان کے پاس آنکھیں تو ہیں لیکن وہ ان کو استعمال نہیں کرتے۔ اگر وہ آنکھوں کا صحیح استعمال کرتے تو اس کتاب کی خوبصورتی سے ضرور مسحور ہوتے۔ یہ کتاب ان کے دلوں کو موہ لیتی اور یہ اس کے عاشق بن جاتے۔ لیکن اَعۡرَضَ اَكۡثَرُهُمۡ عجیب بدقسمت ہیں اکثر انسان کہ جب ایسی حسین تعلیم ان کے سامنے پیش کی جاتی ہے تو اپنی آنکھوں کو دوسری طرف پھیر لیتے ہیں۔ پہلوتہی کرتے ہوئے دوسری طرف مائل ہو جاتے ہیں، ان چیزوں کی طرف جو اتنی حسین نہیں بلکہ نہایت ہی بدصورت ہیں۔ تو فَاَعۡرَضَ اَكۡثَرُهُمۡ میں جہاں اعراض کرنے والوں کی کیفیت بیان کی گئی ہے وہاں قرآن کریم کے حسن کا اظہار بھی کیا گیا ہے اور ہمیں بتایا گیا ہے کہ یہ اتنی حسین تعلیم ہے کہ اگر آنکھیں رکھنے والے اپنی آنکھوں اور بصیرت سے کام لیں تو کبھی بھی وہ اس کے عاشق ہوئے بغیر نہ رہ سکیں۔

(۱۰) دسویں صفت قرآن کریم کی یہ بیان کی گئی ہے۔ فَهُمۡ لَا يَسۡمَعُوۡنَ کہ وہ اسے سنتے نہیں اس میں قرآن کریم کے متعلق دراصل اس حقیقت اور اس صداقت کا اظہار کیا گیا ہے کہ جو بھی اسے سنتا ہے وہ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

تو اللہ تعالیٰ یہاں یہ فرما رہا ہے کہ اگر وہ ان کانوں سے صحیح کام لیتے جو ہم نے انکو عطا کئے تھے اور قرآن کریم کی خوبصورت تعلیم جن خوبصورت الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔ اس کی طرف یہ متوجہ ہوتے تو یقیناً یہ تعلیم ان پر اثر کئے بغیر نہ رہتی۔ اس کی واضح مثال ہماری تاریخ کے ابتداء میں حضرت عمرؓ کی پہلے اسلام کی مخالفت اور بعد میں ایمان لانے کا واقعہ ہے۔ وہ پہلے قرآن کریم سننے کے لئے تو تیار نہ تھے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے لئے تیار تھے (تفصیل میں جائے بغیر) وہ ایک دن قرآن کریم سننے پر مجبور ہو گئے اور جب ان کے کان میں قرآن کریم کی شیریں اور میٹھی آواز پہنچی تو بلا ساختہ اَسۡلَمۡتُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ کہنے پر مجبور ہو گئے۔

تو اللہ تعالیٰ یہاں یہی فرماتا ہے کہ جو سن لے وہ عاشق ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا لیکن مشکل یہ ہے کہ یہ لوگ سننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

پس یہاں دسویں صفت کے طور پر اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ قرآن کریم نہایت حسین الفاظ میں نہایت خوبصورت تعلیم دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے اگر دنیا اس تعلیم کو سننے کے لئے تیار ہو جائے تو وہ اس کو ماننے پر بھی مجبور ہو جائے۔ یہی حال اس وقت ان لوگوں کا ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آواز پر کان نہیں دھرتے جو لوگ بھی جب بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تفسیرِ قرآن سنتے ہیں یا پڑھتے ہیں یا سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں وہ اثر لئے بغیر رہ ہی نہیں سکتے۔

لیکن اکثر وہی ہیں جو سننے کو تیار نہیں ہیں جب ان کو سنایا جائے تو وہ گالیاں دیتے ہیں یا بے توجہی، بے اعتنائی سے کام لیتے ہیں۔ یا وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم دنیوی دھندوں میں اس قدر پھنسے ہوئے ہیں کہ ہمارے پاس یہ خیالات سننے کے لئے وقت ہی نہیں ہے لیکن خدا تعالیٰ کی ایک ایسی آواز بھی آتی ہے کہ جو صاعقہ کے رنگ میں آسمان سے نازل ہوتی ہے اور انسان سننا چاہے یا نہ سننا چاہیے اس کے کان اس آواز سے پھاڑ دیئے جاتے ہیں اور ان کے جسموں کو مردہ کر دیا جاتا ہے اور ایسی قوموں کو ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ قبل اس کے کہ وہ دن آئے، خدا کرے کہ ساری دنیا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آواز کو سننے لگے اور قرآن کریم کے معارف اور حقائق کا عرفان حاصل کرے۔

اور خدا کرے کہ ہم جو اس کی طرف منسوب ہونے والے ہیں اور احمدی کہلاتے ہیں۔ ہمیں بھی اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے قرآن کریم کے علوم زیادہ سے زیادہ عطا کرتا چلا جائے اور ساتھ ہی یہ بھی توفیق دیتا چلا جائے کہ ہم قرآنی احکام کے مطابق اپنی زندگیوں کو گزارنے والے ہوں۔آمین۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۱۳؍اگست ۱۹۶۶ء صفحہ ۲ تا ۵)

قرآن کریم سے جتنی بھی محبت کی جائے کم ہے اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے وہ ناکافی ہے

خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۹؍جولائی ۱۹۶۶ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

قرآن کریم ایک عظیم اور بڑی شان والی کتاب ہے اس سے جتنی بھی محبت کی جائے کم ہے اور اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے ناکافی ہے۔ مگر یہ کتاب ہماری تعریفوں کی محتاج نہیں کیونکہ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بھی اس کی عظمت اور اس کی شان کو بیان کیا ہے۔ جیسا کہ میں اپنے متعدد خطبات میں ان خوبیوں کا اشارۃً اور مجملاً ذکر کر چکا ہوں جو مختلف مقامات پر قرآن کریم کی تعریف کرتے ہوئے بیان کی گئی ہیں۔ آج میں سورۂ مومن کی دو آیتیں اس سلسلہ میں احبابِ جماعت کے سامنے رکھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

تَنۡزِيۡلُ الۡكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الۡعَزِيۡزِ الۡعَلِيۡمِ ۔ غَافِرِ الذَّنۡۢبِ وَ قَابِلِ التَّوۡبِ شَدِيۡدِ الۡعِقَابِ ۙ ذِى الطَّوۡلِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ اِلَيۡهِ الۡمَصِيۡرُ ۔ (المؤمن: ۳، ۴) مطلب یہ ہے ان آیات کا کہ اس کتاب کا نزول اس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جو غالب ہے، کامل غلبہ اور کامل عزت اسی کو حاصل ہے۔ وہ کامل علم والا ہے۔ تمام علوم کا سرچشمہ اسی کی ذات ہے۔ وہ گناہوں کا بخشنے والا ہے۔ خطا کار انسان کی خطاؤں پر وہی مغفرت کی چادر ڈالتا ہے اور کمزور اور مائل بہ گناہ انسان

اس سے طاقت حاصل کر کے میلان گناہ کو دبانے اور نفس امارہ کو پوری طرح کچل دینے کی قوت پاتا ہے۔ وہی رحیم ومہربان ہے۔ جو محض اپنے فضل واحسان سے توبہ کو قبول کرتا ہے اور بھٹکے ہوئے راہی کو جب وہ رجوع بمولیٰ ہو معصومیت کی چادر میں لپیٹ لیتا ہے اور اس سے راضی ہو جاتا ہے۔ وہی ہے جو اِباء اور استکبار کرنے والوں کو اور انہیں جو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور شیطان کو اپنا دوست بنا لیتے ہیں سخت سزا دیتا ہے اور اپنی قہری تجلّی کے ساتھ ان کی اصلاح کے سامان پیدا کرتا ہے۔ وہی ہے جو بہت ہی احسان کرنے والا ہے اور جس کی رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ محبت اور پرستش کا وہی ہاں صرف وہی سزاوار ہے۔ اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور اسی سے اپنے کئے کی جزا پانا ہے اور بہتر اور احسن جزا وہی پائیں گے جو اس کی تعلیم پر عمل کریں گے۔

ان مختصر سی دو آیات میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی آٹھ اندرونی خوبیاں بیان فرمائی ہیں۔

(۱) پہلی خوبی اللہ تعالیٰ یہ بیان فرماتا ہے۔ تَنۡزِيۡلُ الۡكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الۡعَزِيۡزِ کہ یہ کتاب اس اللہ کی طرف سے نازل کی گئی ہے جو **العزیز** صفت سے متصف ہے۔ جو غالب ہے اور کوئی اور ہستی اس پر غالب نہیں آ سکتی۔ کیونکہ اس جیسا کوئی ہے ہی نہیں۔ **عزیز** کے ایک معنی اس قسم کی عزت اور طاقت اور غلبہ رکھنے والی ہستی کے ہوتے ہیں کہ جس کے مقابلہ میں اس جیسی قوت اور طاقت اور غلبہ رکھنے والی کوئی اور ہستی نہ ہو۔ اس لحاظ سے وہ بے مثل ہو۔

تو اس ٹکڑے میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس طرف متوجہ کیا کہ اس عزیز خدا کی طرف سے جو کتاب نازل کی گئی اس کتاب میں بھی یہ خوبی ہے کہ وہ بے مثل ہے۔ ایسی خوبیوں کی حامل، رضا الٰہی کی اس قدر فراخ راہیں دکھانے والی ہے کہ دنیا میں جس قدر کتبِ سماوی گزری ہیں وہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتیں اور نہ کسی انسان کی طاقت میں یہ ہے کہ اس کا مثل معرضِ وجود میں لا سکے۔ اس کتاب میں کامل حسن اور کامل تعلیم اور کامل ہدایت پائی جاتی ہے۔ اس بے مثل اور یگانہ ذات کے پرتو نے اس کتاب کو بھی بے مثل کر دیا ہے۔ اگر تم اس کتاب کی تعلیم پر عمل کرو گے تو تم بھی ایک واحد و یگانہ بے مثل قوم بن جاؤ گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا كُنۡتُمۡ خَيۡرَ اُمَّةٍ

اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران:۱۱۱) تم وہ اُمت ہو جس سے بہتر اُمت اس دنیا میں پیدا نہیں کی گئی تم وہ اُمت ہو جس سے زیادہ احسان، انسان پر کسی اُمت نے نہیں کیا۔ پس پہلی خوبی اس کتاب کی اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بتائی کہ اپنے کمال کے باعث یہ کتاب بے مثل ہے۔ اور اپنی تعلیم کی وجہ سے یہ کتاب اُمّتِ مسلمہ کو ایک بے مثل و بے مثال اُمت بنانے کی اہلیت رکھتی ہے۔

(۲) دوسری اندرونی خوبی ہمیں ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتائی کہ یہ وہ کتاب ہے تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَلِيْمِ ۔ اس ذات نے اسے اتارا ہے جس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ حقائق اشیاء اور مخلوق کے غیر محدود خواص کا علم صرف اسی پاک ذات کو ہے اور صرف وہی خدا اس بات پر قادر تھا کہ فطرتِ انسانی کے تمام تقاضوں کو پورا کرنے والی کتاب اور ہدایت نازل کرتا اور ایک ایسی شریعت انسان کو دیتا جو ہر قوم اور ہر زمانہ کی ضروریات کو پورا کرنے والی ہوتی۔ پس یہی وہ کتاب ہے جس کے ہوتے ہوئے کسی اور ہدایت کی انسان کو ضرورت نہیں رہتی۔ ہر زمانہ کے مسائل کو یہ سلجھا دیتی ہے۔ روحانی علوم کے نہ ختم ہونے والے چشمے اس سے پھوٹتے ہیں اور مادی علوم کی بنیادی صداقتیں اور اصول اس میں جمع کر دئے گئے ہیں۔

پس اگر تم روحانیت میں ترقی حاصل کرنا چاہتے ہو، یا دنیوی علوم میں فوقیت اور رفعت کے مقام تک پہنچنا چاہتے ہو تو تمہارے لئے یہ ضروری ہے کہ تم اس کتاب کی پیروی کرنے والے بنو۔ اگر تم اس کتاب کی آواز کی طرف متوجہ نہ ہو گے۔ اس کی وہ قدر نہیں کرو گے جو کرنی چاہیے تو نہ روحانی میدان میں تم کوئی ترقی حاصل کر سکو گے اور نہ دنیوی علوم میں دوسروں سے مقابلہ کرنے کی طاقت اپنے اندر پیدا کر سکو گے۔

پس مادی اور روحانی ہر دو لحاظ سے علوم میں اگر ترقی کرنی ہے (اور علم کے لغوی معنی ایک یہ بھی ہیں کہ ایسا علم جس کے ساتھ اس کے مطابق عمل بھی ہو) اور روحانی علوم کو حاصل کر کے میدانِ عمل میں تم نے اترنا ہے تو تمہیں اس کتاب کی ہدایت کی ضرورت ہو گی اور اگر تم اس کے علوم حاصل کر لو گے اور اس کے مطابق عمل کرو گے تو خدائے علیم جو ہر چیز کو جاننے والا ہے اور جس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ وہ تمہیں اپنے قرب کے وہ مقامات عطا کرے گا جن سے تم راضی ہو جاؤ

گے جیسا کہ وہ تم سے راضی ہوگا۔

(۳) تیسری صفت یہاں قرآن کریم کی اللہ تعالیٰ نے یہ بتائی ہے کہ یہ اس ہستی کی طرف سے اتارا گیا ہے جو غَافِرِ الذَّنْبِ (المؤمن: ۴) ہے۔ گناہوں کو بخشنے والا ہے۔ پس یہ ایک ایسی کتاب ہے جس میں ان نیکیوں اور ان حسنات کے کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ جو ناسمجھی کے گناہوں اور بداعمالیوں کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جاتی ہے اور وہ طریق بتائے گئے ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر انسان نفسِ امارہ پر قابو پالیتا ہے اور میلانِ گناہ کو اپنے پاؤں کے نیچے کچل دینے کی قوت پاتا ہے۔

مَغْفِرَۃٌ کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ وہ گناہ جو سرزد ہو چکے ہوں اللہ تعالیٰ ان کے بداثرات اور اپنے غضب اور عذاب سے مغفرت چاہنے والے کو محفوظ کرے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتایا کہ اگر تم کبھی اپنے گناہ پر پشیمان ہو اور استغفار کرو اور چاہو کہ خدا تعالیٰ تمہارے ان گناہوں کو معاف کر کے ان کے بداثرات سے تمہیں محفوظ کرے تو تمہیں ان طریق کو اختیار کرنا ہوگا جو قرآن کریم میں بتائے گئے ہیں۔

دوسرے معنی مَغْفِرَۃٌ کے یہ ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسی قوت انسان کو عطا کرے کہ گناہ کی طرف جو میلان اس کی طبیعت میں پایا جاتا ہو یا جو زنگ اس کی فطرتِ صحیحہ پر لگ چکا ہو وہ زنگ دور ہو جائے اور وہ میلان قابو میں آجائے اور انسان کا شیطان مسلمان ہو جائے اور گناہ کی طرف رغبت ہی باقی نہ رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بتایا کہ غَافِرِ الذَّنْبِ خدا کی طرف سے یہ کتاب نازل ہوئی ہے۔ پس اگر تم گنہگار ہو تو اسی کی طرف آؤ اور قرآن کریم کے بتائے ہوئے طریق پر آؤ۔

قرآن کریم تمہاری رہنمائی کرے گا اگر تم چاہتے ہو کہ تقویٰ کے اعلیٰ مقام کو حاصل کرو۔ اگر تم یہ چاہتے ہو کہ تواضع کا وہ مقام تمہیں حاصل ہو جائے جس کے بعد اللہ تعالیٰ ساتویں آسمان سے بھی اوپر انسان کو لے جاتا ہے تب بھی تم قرآن کریم کی طرف رجوع کرو۔ وہ تمہیں ایک ایسی روشنی عطا کرے گا جو ان راہوں کو جو ان نتائج کی پیدا کرنے والی ہیں روشن اور منور کر دے گی

اور ان راہوں کا علم اور ان پر چلنا تمہارے لئے آسان ہو جائے گا۔

پس چونکہ یہ غَافِرِ الذَّنْبِ خدا کی طرف سے نازل شدہ کتاب ہے اس کی ہدایت کے مطابق تم ذَنْب اور اس کے بدنتائج سے خدا تعالیٰ کی حفاظت میں آ کر اور مَغْفِرَۃٌ کے ان معانی کے مطابق جو میں نے ابھی بیان کئے ہیں خدا تعالیٰ کے فضلوں کو حاصل کر سکو گے۔

(۴) چوتھی صفت اس کتاب عظیم کی، اس کتابِ کریم اور مجید کی اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ بیان فرمائی ہے کہ یہ اس خدا نے اتاری ہے جو قَابِلِ التَّوْبِ ہے۔ یعنی توبہ قبول کرنے والا ہے۔ پس اس کتاب میں یہ کھول کر بیان کیا گیا ہے کہ توبہ کن لوگوں کی، کن حالات میں اور کب قبول ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص توبہ کرنا چاہے۔ اس کے دل میں ایک خلش پیدا ہو، ایک خواہش تڑپنے لگے کہ مجھے اپنے رب کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ توبہ کرنی چاہیے، تو کیا کرے۔ کن راہوں سے وہ توبہ کے دروازوں تک پہنچے اور پھر انہیں کھٹکھٹائے۔

تو فرمایا کہ قرآن کریم قَابِلِ التَّوْبِ خدا کی طرف سے نازل شدہ کتاب ہے وہ تمہیں ان دروازوں تک لے جائے گی جو توبہ کے دروازے ہیں۔ وہ تمہیں بتائے گی کہ ان دروازوں کو تم نے کس طرح کھٹکھٹانا ہے تا کہ وہ تم پر کھولے جائیں۔

پس اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہاں یہ بتایا کہ جب تمہارا دل اپنے پیدا کرنے والے کی طرف مائل ہو اور اس کی طرف جھکے لیکن تم سرگردان ہو، نہ جانتے ہو کہ کن راہوں سے تم اس کی جناب میں پہنچ سکتے ہو تو اس کتاب کی طرف رجوع کرو اور اس سے روشنی اور ہدایت حاصل کرو تا تمہاری مراد برآئے اور تمہارا رب تم سے راضی ہو جائے اور اس کی نظر میں تم ایسے بن جاؤ کہ کبھی تم سے گناہ سرزد ہی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا۔ (النسآء: ۱۸)

اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ توبہ کس طرح اور کن لوگوں کی اللہ تعالیٰ کے حضور مقبول ہوتی ہے اور وہ کون لوگ ہیں کہ جن کی توبہ ان کے منہ پر ماری جاتی ہے۔

یہ تو ایک مثال ہے جو اشارۃً میں آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ ورنہ قرآن کریم بھرا پڑا ہے ایسی آیات سے جن سے ہمیں پتہ لگتا ہے کہ توبہ کا طریق کیا ہے، وہ کون لوگ ہیں جو خدا تعالیٰ کی صفت قَابِلِ التَّوْبِ کو اپنے حُسنِ عمل سے خدا تعالیٰ اور قرآن مجید کے بتائے ہوئے طریق کے مطابق جوش میں لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جو توبہ قبول کرنے والا ہے ان لوگوں کے لئے توبہ کے دروازے کھول دیتا ہے۔

بہرحال ہمیں اس جگہ قرآن کریم کی ایک اندرونی خوبی کی طرف جو اس میں پائی جاتی ہے متوجہ کیا گیا ہے کہ یہ قرآن کریم ایک ایسی کتاب ہے کہ اگر تم توبہ کرنا چاہو تو صرف یہی تمہیں ہدایت دے سکتی ہے کہ توبہ کس طرح کی جاتی ہے اور کن راہوں سے اللہ تعالیٰ نے جو توبہ کے دروازے رکھے ہیں ان کو کھولا جا سکتا ہے۔

(۵) پانچویں صفت قرآن مجید کی یہاں یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ قرآن مجید اس خدا نے نازل فرمایا ہے جو شَدِيْدُ الْعِقَابِ ہے۔ کہ جب وہ سزا دینے پر آتا ہے تو بہت سخت سزا دیتا ہے۔ اس **عزیز و قہار** کے قہر اور غضب اور لعنت اور سزا اور عذاب سے اگر بچنا چاہو تو اس کا طریق بھی یہی کتاب تمہیں بتلائے گی۔

کبھی تمہارے دل میں پہلوں کی مثال بیان کر کے خوف اور خشیت پیدا کرے گی تا تم اس کی طرف جھکو اور اس کے رحم کو جذب کرو۔ سورۃ الْحَآقَّة میں مثلاً شَدِيْدُ الْعِقَابِ کی قدرت کی ایک مثال بیان کی ہے تا کہ دلوں میں خوف پیدا ہو اور انسان خدا کی طرف پیٹھ کرنے اور اس سے پہلو تہی کرنے سے بچے۔

اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں بیان فرمایا ہے کہ ثمود کی قوم ایک ایسے عذاب سے ہلاک کی گئی تھی جو اپنی شدت میں انتہاء کو پہنچا ہوا تھا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَ اَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ - سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّ ثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا ۙ فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ - فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ - (الحآقّۃ: ۷ تا ۹)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے عاد کی قوم پر جو اللہ تعالیٰ کا قہر نازل ہوا تھا اس کا مختصراً مگر بڑے ہی مؤثر طریق پر بیان کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ ایک ایسا عذاب تھا جس میں ساری قوم کو تباہ کر دیا گیا۔ فَهَلۡ تَرٰى لَهُمۡ مِّنۡۢ بَاقِيَةٍ کیا ان کا کوئی نشان بھی تمہارے سامنے آتا ہے؟ وہ کلیتاً صفحۂ ہستی سے مٹا دئے گئے۔ اس لئے کہ انہوں نے یہ خیال نہیں کیا کہ وہ رَبّ جو ان کا پیدا کرنے والا تھا، جو اس قدر ان پر رحم کرنے والا تھا، جو اس قدر ان پر انعام کرنے والا تھا اس کے نتیجہ میں ان پر بھی کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی تھیں لیکن انہوں نے کفر اور ناشکری کو اختیار کیا اور خدا تعالیٰ کی بجائے شیطان کو اپنا دوست بنا لیا تب ساری کی ساری قوم کو اللہ تعالیٰ نے صفحۂ ہستی سے مٹا دیا اور ان کا کوئی نام ونشان بھی باقی نہ رہا۔

اس قسم کے واقعات کا ذکر کثرت سے قرآن کریم میں پایا جاتا ہے اور ایک مقصد ان کا یہ ہے کہ تا ان واقعات کو سن کر ہمارے دل خوف سے لرز اٹھیں اور ہم یہ عہد کریں کہ قرآن کریم نے جو تعلیم ہمارے سامنے رکھی ہے جس سے خدا راضی ہوتا ہے اور جس کو چھوڑ کر خدا کی ناراضگی مول لینی پڑتی ہے، ہم کبھی بھی اس تعلیم کو چھوڑیں گے نہیں بلکہ اس تعلیم کو اپنائیں گے۔ اس تعلیم کو اس طرح اپنے جسموں اور روحوں میں جذب کر لیں گے جس طرح خون ہمارے اندر بہہ رہا ہے۔ تاکہ خدا کا غضب کسی شکل میں بھی اور اس کی لعنت کسی صورت میں بھی ہمارے اوپر نازل نہ ہو۔

پھر قرآن کریم وہ کتاب ہے جو کبھی خدا کی لعنت اور اس کے غضب سے بچنے کی دعائیں سکھاتی ہے کیونکہ شَدِيۡدُ الۡعِقَابِ ہونے کے باوجود خدا تعالیٰ نہیں چاہتا کہ اس کا عذاب بندوں پر نازل ہو۔

تو پہلی قوموں کی مثالیں دے کر ہمارے دلوں میں اپنا خوف پیدا کیا۔ پھر ہمیں دعائیں سکھائیں کہ یہ دعائیں کرتے رہو تا کہ میرا غضب تم پر نازل نہ ہو۔

سب سے بہتر اور کامل دعا تو سورۃ الفاتحہ ہی ہے جس میں غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَ لَا الضَّآلِّيۡنَ (الفاتحۃ:۷) ہے یعنی جس میں خدا کی لعنت سے پناہ مانگی گئی ہے اور چونکہ خدا کی لعنت کے مورد دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک مغضوب اور ایک ضَالّ۔ اس لئے دونوں کا ذکر کر کے

ایک طرح حصر کر دیا گیا ہے کہ کسی طریق سے بھی ہم پر تیری لعنت نازل نہ ہو۔

قرآن کریم کبھی ایسے اعمالِ صالحہ کی نشان دہی کرتا ہے جس کے نتیجہ میں شیطانی اندھیرے نور میں بدل جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا رحم جوش میں آتا ہے اور اس کے عذاب کو ٹھنڈا کر دیتا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ تسلی دلائی کہ اگر تم قرآنی ہدایت پر عمل کرو گے تو میں فرشتوں کو مقرر کروں گا کہ وہ تمہارے لئے دعا کریں اور وہ یوں دعا کریں گے۔

رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّ عِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَ اتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَ قِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ (المؤمن:۸)

کہ ایسے لوگوں پر تو اپنا رحم کر کیونکہ تو بڑے حلم والا ہے اور ان کو جہنم کے عذاب سے بچا لے جو توبہ کرتے ہیں اور وہ طریق اور شریعت کی جو راہیں تو نے قرآن کریم میں بتائی ہیں ان پر عمل کر رہے ہیں۔

اسی طرح سورۃ الدھر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ اپنے جذبات کے غلام نہیں ہوتے بلکہ اپنے جذبات کو قابو میں رکھتے ہیں اور صبر کی راہوں پر گامزن ہوتے ہیں۔ (کافور کی ملاوٹ) اپنی نذریں ادا کرتے ہیں اور ہمیشہ یہ خیال رکھتے ہیں کہ کہیں قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان سے ناراض نہ ہو وہ لوگ جو اس کی رضاء کے لئے مسکین، یتیم اور اسیر کو کھانا کھلاتے۔ ریا، عجب، خودروی، خودرائی اور دکھاوا ان میں نہیں ہوتا۔ نہ وہ احسان جتاتے ہیں، اپنے نفسوں اور اپنے نفس کی بدخواہشات اور میلانات سے جدا ہو کر محض اپنے رَبّ کے لئے یہ سب کچھ کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں۔ فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ (الدّھر: ۱۲) کہ اس دن کے عذاب سے اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو بچا لے گا۔ تو جب یہ کہا کہ میرا عذاب بڑا سخت ہے۔ جب میں پکڑتا ہوں۔ جب میری گرفت میں کوئی آتا ہے تو اس کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اگر وہ پیدا ہی نہ ہوا ہوتا تو اس کے لئے بہتر تھا۔

فرمایا۔ اس شَدِيْدُ الْعِقَابِ خدا نے قرآن کریم کو اتارا ہے اور ہمیں اس واضح حقیقت کی طرف متوجہ کیا ہے کہ اس کتاب میں ہمیں وہ طریق بتائے گئے ہیں جن کے ذریعہ ہم اس کے

عذاب سے بچ سکتے ہیں۔ جیسا کہ میں نے ایک دو مثالیں دے کر بیان کیا ہے۔

(۶) چھٹی صفتِ حسنہ یا اندرونی خوبی قرآن کریم کی جن الفاظ میں بیان کی گئی ہے وہ ذِي الطَّوْلِ ہے۔ یعنی اس اللہ نے یہ کتاب اتاری ہے جو بڑا احسان کرنے والا اور بڑا انعام کرنے والا ہے اور اس کتاب کے نزول کی یہ غرض ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انعام اور احسان کے جذب کرنے کی راہیں تم پر کھولی جائیں۔

اور اس کے ساتھ ہی ہمیں یہ بھی بتایا کہ اللہ تعالیٰ جب کسی قوم یا فرد کو کوئی احسان یا انعام عطا کرتا ہے تو اس پر بہت سی ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں۔ ان ذمہ داریوں کا ذکر بھی قرآن مجید میں پایا جاتا ہے۔ ان کی طرف بھی ہمیں متوجہ ہونا چاہیے۔ انعام واکرام کا ذکر ذِي الطَّوْلِ میں ہے۔ اس کی سب سے بڑی مثال تو میرے نزدیک وہ ہے۔ جو فرمایا اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ (المآئدۃ : ۴) کہ اسلام اور اسلامی شریعت کے ذریعہ میں نے اپنی شریعت کو نعمتِ عظمیٰ بنا دیا ہے اور نعمتِ عظمیٰ کے طور پر میں اسے تمہارے سامنے رکھتا ہوں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ دوسری جگہ فرماتا ہے وَ اَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً (لقمٰن:۲۱) کہ تم پر ظاہری اور باطنی نعمتوں کو اللہ تعالیٰ نے پانی کی طرح بہا دیا۔ جیسے فلڈ (Flood) آتا ہے ہر ایک چیز کے اوپر چھا جاتا ہے اور ہر چیز کو اپنے نیچے لے لیتا ہے۔ اسی طرح اللہ کی نعمتوں نے ہمارے نفس نفس اور ہمارے ذرہ ذرہ کو ڈھانپ لیا ہے۔

لیکن اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ (لقمٰن: ۲۲) کہ اب تم پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے اس کی تم اتباع کرو۔ اگر تم ایسا نہیں کرو گے کفرانِ نعمت کرو گے تو اس کی سزا پاؤ گے۔ مگر قرآن کریم اس لئے نازل نہیں کیا گیا کہ خدا کے غضب کو تم جذب کرو اور اس کے قہر کے تم مورد بنو۔ قرآن کریم کے نزول کی غرض تو یہ ہے کہ ذِي الطَّوْلِ خدا کی طرف تمہیں متوجہ کرے اور تم اس کی نعمتوں کو یاد کرتے ہوئے اس کے شکر گزار بندے بنو اور جو ہدایت اور تعلیم اور شریعت اور فرائض اور احکام اس نے نازل کئے ہوئے ہیں ان کی اتباع کرنے والے ہو۔

(۷) ساتویں صفتِ حسنہ قرآن کریم کی اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہ جس خدا نے اس قرآن کو نازل کیا ہے وہ اکیلا ہی پرستش کا سزاوار اور حقدار ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پس اس کتاب کی بنیادی صفت یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کی کہ یہ کتاب اور اس کی تعلیم اور اس کی شریعت اور اس کی ہدایتیں اور وہ نور جو اس سے نکلتا ہے اور اس کے ماننے والوں کے جسموں اور ان کی روحوں میں داخل ہوتا اور نفوذ کرتا ہے۔ اس کے نتیجہ میں انسان خالص توحید پر کھڑا ہوتا ہے۔ قرآن نہ ہوتا تو دنیا میں توحیدِ خالص بھی نہ پائی جاتی۔ پس اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفاتِ حسنہ کے متعلق کامل تفصیلی علم یہی کتاب دیتی ہے جس کے بغیر توحید، صحیح معنی اور حقیقی رنگ میں قائم نہیں ہوسکتی۔

تو اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ فرمایا کہ قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کے متعلق بھی علوم کے سمندر اپنے اندر بند کر دیئے ہیں اور تمہارے فائدہ کے لئے ایسا کیا گیا ہے۔

پس تم اس خدائے واحد و یگانہ کے قرب کے حصول کے لئے اس کی ذات کی معرفت اور اس کی صفاتِ حسنہ کا عرفان حاصل کرو اور قرآن کریم کی روشنی میں ہی تم ایسا کر سکتے ہو۔ پس قرآن کریم کو توجہ سے پڑھو اور توجہ سے سنو اور عزم اور استقلال اور صبر کے ساتھ اس پر عمل کرو اور دعاؤں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے نور سے حصہ حاصل کرو اور نور قرآن کریم کے ذریعہ سے ہی حاصل کیا جا سکتا ہے تا کہ تم توحیدِ خالص پر کھڑے ہو جاؤ اور توحیدِ خالص کو پالینے کے بعد دنیا کی ساری کامیابیاں مل جاتی ہیں اور کوئی ناکامی بھی انسان کے حصہ میں نہیں رہتی۔

(۸) آٹھویں صفتِ حسنہ یا اندرونی خوبی قرآن کریم کی اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ بیان فرمائی ہے وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ کہ اس عظیم کتاب کو نازل کرنے والی وہ ذاتِ پاک ہے جس کی طرف ہم نے لوٹ کر جانا ہے اور اس خدا نے اس قرآن کے ذریعہ انسان کو مَعَاد کا کامل اور مکمل علم دیا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بڑے زور کے ساتھ اور بڑی وضاحت کے ساتھ اور بڑی تفصیل کے ساتھ اس مضمون کو اپنی کتب میں بیان فرمایا ہے۔ کہ مَعَاد کا علم اور جنت و دوزخ کی حقیقت جو قرآن کریم بیان کرتا ہے۔ وہ کسی غیر کے وہم میں بھی نہیں آسکتی اور نہ ہی ان کتبِ سماویہ میں وہ

علوم پائے جاتے ہیں جو قرآن کریم سے پہلے نازل ہوئیں پھر محرف و مبدل ہوئیں اور پھر وہ منسوخ ہوگئیں۔ یہ قرآن، یہ پاک کتاب ہی ہے جو نورِ مجسم ہے اور حقیقی اور خالص توحید پر کھڑا کرتی ہے اور معاد کا علم پوری طرح ہمیں عطا کرتی ہے اور ہمیں ایک حق الیقین عطا کرتی ہے اس بات پر کہ ہم مرنے کے بعد پھر زندہ کئے جائیں گے اور اس یقین کے بعد انسان اس دنیا اور اس کی لذتوں اور اس کی خواہشات سے بکلی منہ موڑنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اس کو یہ فکر ہوتی ہے اگر میں اس دنیوی زندگی میں پڑ گیا جو اُخروی زندگی کے مقابلہ میں غیر محدود طور پر کم ہے دیکھو تو عظیم گھاٹا پانے والا ہوں گا۔ سَو کی نسبت ایک کے ساتھ یہ ہے کہ ایک، سَو کا سَواں حصہ چونکہ اُخروی زندگی غیر محدود ہے۔ اس لئے اس زندگی کی نسبت اس اُخروی زندگی کے ساتھ یہ ہے کہ یہ زندگی اس زندگی کا ’’غیر محدودواں‘‘ حصہ ہے یعنی کوئی نسبت قائم ہی نہیں ہوسکتی۔

جب یہ حقیقت انسان کے سامنے آ جائے پھر ان تمام بدیوں سے جو صرف اس دنیوی زندگی کی لذات اور آرام میں اور اُخروی زندگی میں عذاب اور قہر کی شکل میں ظاہر ہوتی ہیں۔ ان سے بچنے کی ہر طرح کوشش کرتا ہے۔ اگر کبھی پاؤں پھسل جائے تو اپنے خدا کا سہارا لے کر پھر کھڑا ہو جاتا ہے۔ گناہ کرے تو اس غفار کو پکارتا ہے۔ توبہ کرنے کے لئے تضرع کی راہوں کو اور تواضع کی راہوں کو اختیار کرتا ہے۔ قرآن کریم پر غور کرتا رہتا ہے۔ اس عزم اور نیت کے ساتھ کہ میں نے اپنی اخروی زندگی کو بہر حال سنوارنا ہے خواہ مجھے اس زندگی میں کتنی ہی کوفت اور تکلیف اور مصیبت ہی کیوں نہ اٹھانی پڑے۔ جب وہ ایسا کر لیتا ہے تب وہ اپنی زندگی کے مقصد کو پا لیتا ہے۔ خدا تعالیٰ اس سے خوش ہوتا ہے اور وہ اپنے ربّ سے راضی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس گروہ میں شامل کرے۔ اَللّٰھُمَّ اٰمِیْن۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۴؍اگست ۱۹۶۶ء صفحہ ۲ تا ۵)

اللہ تعالیٰ نے مجھے بشارت دی ہے کہ وہ تعلیم القرآن کی سکیم اور عارضی وقف کی مہم میں بہت برکت ڈالے گا

خطبہ جمعہ فرمودہ ۵ /اگست ۱۹۶۶ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

کوئی پانچ ہفتہ کی بات ہے ابھی میں ربوہ سے باہر گھوڑا گلی کی طرف نہیں گیا تھا۔ ایک دن جب میری آنکھ کھلی تو میں بہت دعاؤں میں مصروف تھا۔ اس وقت عالم بیداری میں میں نے دیکھا کہ جس طرح بجلی چمکتی ہے اور زمین کو ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک روشن کر دیتی ہے اسی طرح ایک نور ظاہر ہوا اور اس نے زمین کو ایک کنارے سے لے کر دوسرے کنارے تک ڈھانپ لیا۔ پھر میں نے دیکھا کہ اس نور کا ایک حصہ جیسے جمع ہو رہا ہے۔ پھر اس نے الفاظ کا جامہ پہنا اور ایک پُرشوکت آواز فضا میں گونجی جو اُس نور سے ہی بنی ہوئی تھی اور وہ یہ تھی۔

’’بُشْرٰی لَکُمْ‘‘ یہ ایک بڑی بشارت تھی لیکن اس کا ظاہر کرنا ضروری نہ تھا۔ ہاں دل میں ایک خلش تھی اور خواہش تھی کہ جس نور کو میں نے زمین کو ڈھانپتے ہوئے دیکھا ہے۔ جس نے ایک سرے سے دوسرے سرے تک زمین کو منور کر دیا ہے۔ اس کی تعبیر بھی اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے مجھے سمجھائے۔ چنانچہ وہ ہمارا خدا جو بڑا ہی فضل کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے اس نے خود اس کی تعبیر اس طرح سمجھائی کہ گزشتہ پیر کے دن میں ظہر کی نماز پڑھا رہا تھا اور تیسری رکعت کے قیام

میں تھا تو مجھے ایسا معلوم ہوا کہ کسی غیبی طاقت نے مجھے اپنے تصرف میں لے لیا ہے اور اس وقت مجھے یہ تفہیم ہوئی کہ جو نور میں نے اس دن دیکھا تھا وہ قرآن کا نور ہے جو تعلیم القرآن کی سکیم اور عارضی وقف کی سکیم کے ماتحت دنیا میں پھیلایا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مہم میں برکت ڈالے گا۔ اور انوار قرآن اسی طرح زمین پر محیط ہو جائیں گے جس طرح اس نور کو میں نے زمین پر محیط ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ''

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بھی متعدد بار خود قرآن کو اور قرآنی وحی کو نور کے لفظ سے یاد کیا ہے اور مجھے بتایا گیا کہ وہ نور جو تمہیں دکھایا گیا یہی نور ہے۔

پھر میں اس طرف بھی متوجہ ہوا کہ عارضی وقف کی تحریک جو قرآن کریم سیکھنے سکھانے کے متعلق جاری کی گئی ہے اس کا تعلق نظامِ وصیت کے ساتھ بڑا گہرا ہے۔ چنانچہ میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے رسالہ الوصیت کو غور سے پڑھا تو مجھے معلوم ہوا کہ واقع میں اس تحریک کا موصی صاحبان کے ساتھ بڑا گہرا تعلق ہے۔ اس وقت میں تفصیل میں نہیں جانا چاہتا۔ صرف ایک بات آپ دوستوں کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رسالہ **الوصیۃ** کے شروع میں ہی ایک عبارت لکھی ہے اور حقیقتاً وہ عبارت اس نظام میں منسلک ہونے والے موصی صاحبان ہی کی کیفیت بتا رہی ہے کہ تمہیں وصیت کر کے اس قسم کا انسان بننا پڑے گا۔

حضورؑ فرماتے ہیں :۔

''خدا کی رضا کو تم کسی طرح پا ہی نہیں سکتے۔ جب تک تم اپنی رضا چھوڑ کر، اپنی لذات چھوڑ کر، اپنی عزت چھوڑ کر، اپنا مال چھوڑ کر، اپنی جان چھوڑ کر اس کی راہ میں وہ تلخی نہ اٹھاؤ جو موت کا نظارہ تمہارے سامنے پیش کرتی ہے لیکن اگر تم تلخی اٹھا لو گے (یعنی اس نظام وصیت میں شامل ہو جاؤ گے اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے والے ہو گے تو حضور فرماتے ہیں) تو ایک پیارے بچے کی طرح خدا کی گود میں آ جاؤ گے اور تم ان راستبازوں کے وارث کئے جاؤ گے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور ہر ایک نعمت کے دروازے تم پر کھولے جائیں گے لیکن تھوڑے ہیں جو ایسے ہیں۔''[۲۱]

''ہر ایک نعمت کے دروازے تم پر کھولے جائیں گے''۔ دراصل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک الہام کا ترجمہ ہی ہے جو بہشتی مقبرہ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے آپ پر نازل کیا تھا۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

''چونکہ اس قبرستان کے لئے بڑی بھاری بشارتیں مجھے ملی ہیں اور نہ صرف خدا نے یہ فرمایا کہ یہ مقبرہ بہشتی ہے بلکہ یہ بھی فرمایا کہ اُنْزِلَ فِيْهَا كُلُّ رَحْمَةٍ یعنی ہر ایک قسم کی رحمت اس قبرستان میں اُتاری گئی ہے اور کسی قسم کی رحمت نہیں جو اس قبرستان والوں کو اس سے حصہ نہیں۔'' [۲۲]

تو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بتایا ''اُنْزِلَ فِيْهَا كُلُّ رَحْمَةٍ'' اس قبرستان میں ہر قسم کی رحمت کو نازل کیا گیا ہے۔ یعنی اس میں دفن ہونے والے وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں کے وارث ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان تمام نعمتوں کا کب اور کس طرح وارث بنتا ہے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک دوسرے الہام میں بتایا ''اَلْخَيْرُ كُلُّهٗ فِي الْقُرْاٰنِ'' ساری بھلائیاں اور نیکیاں اور سب موجباتِ رحمت قرآن کریم میں ہیں اور رحمت کے کوئی سامان ایسے نہیں جو قرآن کریم کو چھوڑ کر کسی اور جگہ سے حاصل کئے جا سکیں اور رحمت کے ہر قسم کے سامان صرف قرآن کریم سے ہی حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

تو فرمایا اُنْزِلَ فِيْهَا كُلُّ رَحْمَةٍ کہ اس بہشتی مقبرہ میں دفن ہونے والے وہ لوگ ہوں گے جو قرآن کریم کی تمام برکتوں کے وارث ہوں گے۔ کیونکہ کوئی برکت بھی قرآن کریم سے باہر نہیں اور نہ کسی اور جگہ سے حاصل کی جا سکتی ہے۔ اس لئے ایسے لوگوں پر ہر قسم کی نعمت کے دروازے کھولے جائیں گے۔

اس سے ظاہر ہے کہ موصی صاحبان کا ایک بڑا گہرا اور دائمی تعلق قرآن کریم، قرآن کریم کے سیکھنے، قرآن کریم کے نور سے منور ہونے، قرآن کریم کی برکات سے مستفیض ہونے اور قرآن کریم کے فضلوں کا وارث بننے سے ہے۔ اسی طرح قرآن کریم کے انوار کی اشاعت کی ذمہ داری بھی ان لوگوں پر عائد ہوتی ہے۔ کیونکہ قرآن کریم کی بعض برکات ایسی بھی ہیں جن کا تعلق اشاعتِ قرآن

سے ہے۔ جیسا کہ خود قرآن متعدد جگہ اسے بیان فرماتا ہے اور جس کی تفصیل میں جانا اس وقت میرے لئے ممکن نہیں۔

پس اللہ تعالیٰ نے ان دو وحیوں کے ذریعہ ہمیں اس طرف متوجہ کیا کہ موصی حقیقتاً وہی ہوتا ہے کہ جس پر اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتیں، اس کے فضل، اس کی رحمت اور اس کے احسان کی وجہ سے اس لئے نازل ہوتی ہیں کہ اس شخص نے اپنی گردن کلیتاً قرآن کریم کے جُوا کے نیچے رکھی ہوتی ہے۔ اپنے پر وہ ایک موت وارد کرتا ہے اور خدا میں ہو کر ایک نئی زندگی پاتا ہے اور اس وحی کی زندہ تصویر ہوتا ہے کہ ''اَلْخَیْرُ کُلُّہٗ فِی الْقُرْاٰنِ۔''

پس چونکہ وصیت کا یا نظام وصیت کا یا موصی صاحبان کا، قرآن کریم کی تعلیم، اس کے سیکھنے اور اس کے سکھانے سے ایک گہرا تعلق ہے۔ اس لئے میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ تعلیمِ قرآن اور وقفِ عارضی کی تحریکوں کو موصی صاحبان کی تنظیم کے ساتھ ملحق کر دیا جائے اور یہ سارے کام ان کے سپرد کئے جائیں۔

اس لئے آج میں موصی صاحبان کی تنظیم کا، خدا کے نام کے ساتھ اور اس کے فضل پر بھروسہ کرتے ہوئے اجراء کرتا ہوں۔ تمام ایسی جماعتوں میں جہاں موصی صاحبان پائے جاتے ہیں ان کی ایک مجلس قائم ہونی چاہیے۔ یہ مجلس باہمی مشورے کے ساتھ اپنے صدر کا انتخاب کرے۔ منتخب صدر جماعتی نظام میں سیکرٹری وصایا ہوگا۔ ممکن ہے بعد میں ہم اس کا نام بھی بدل دیں لیکن فی الحال منتخب صدر ہی سیکرٹری وصایا ہوگا اور اس صدر کے ذمہ علاوہ وصیتیں کرانے کے یہ کام بھی ہوگا کہ وہ گاہے گاہے مرکز کی ہدایت کے مطابق وصیت کرنے والوں کے اجلاس بلائے۔ اس اجلاس میں وہ ایک دوسرے کو ان ذمہ داریوں کی طرف متوجہ کریں جو ایک موصی کی ذمہ داریاں ہیں۔ یعنی اس شخص کی ذمہ داریاں جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کی بشارت ہمیں یہ بتاتی ہے کہ خدا کے سارے فضلوں اور اس کی ساری رحمتوں اور اس کی ساری نعمتوں کا وہ وارث ہے۔

اور وہ صدر ان کو یاد دلاتا رہے کہ تمام خیر چونکہ قرآن میں ہی ہے اس لئے وہ قرآن کریم کے نور سے پورا حصہ لینے کی کوشش کریں اور ان کو بتایا جائے کہ قرآن کریم کے انوار کی

اشاعت کرنا ہر موصی کا بحیثیت فرد اور اب موصیوں کی مجلس کا بحیثیت مجلس پہلا اور آخری فرض ہے اور اس بات کی نگرانی کرنا کہ وقفِ عارضی کی سکیم کے ماتحت زیادہ سے زیادہ موصی اصحاب اور ان کی تحریک پر وہ لوگ حصہ لیں جنہوں نے ابھی تک وصیت نہیں کی اور ان پر یہ فرض ہے کہ پہلے وہ اپنے گھر سے یہ کام شروع کریں حتی کہ ان کے گھر میں کوئی مرد، کوئی عورت، کوئی بچہ یا کوئی دیگر فرد جو ان کے اثر کے نیچے ہو یا ان کے پاس رہتا ہو ایسا نہ رہے کہ جسے قرآن نہ آتا ہو۔ پہلے ناظرہ پڑھنا سکھانا ہے پھر ترجمہ سکھانا ہے۔ پھر قرآن کریم کے معانی پھر اس کے علوم اور اس کی حکمتوں سے آگاہ کرنا ہے۔ پھر ان علوم کو ایک سخی کی طرح دوسروں تک پہنچانا ہے تاکہ جس فیض سے، جس برکت سے اور جس نعمت سے ہم نے حصہ لیا ہے۔ اسی فیض، برکت اور نعمت سے ہمارے دوسرے بھائی بھی حصہ لینے والے ہوں۔

وقفِ عارضی میں مجھے ہر سال کم از کم پانچ ہزار واقف چاہئیں اس کے بغیر ہم صحیح رنگ میں جماعت کی تربیت نہیں کرسکتے۔ یہ سکیم ماہ مئی ۱۹۶۶ء میں شروع ہوئی ہے۔ چونکہ اس سال جو سالِ اوّل ہے اساتذہ اور طلبہ کی چھٹیوں کا ایک حصہ گزر چکا ہے (تاہم اگر وہ کوشش کریں تو اب بھی اس میں حصہ لے سکتے ہیں) اسی طرح بعض ایسے پیشہ والے ہیں جن کو ان دنوں چھٹیاں ہوتی ہیں۔ مثلاً بعض عدالتیں بند ہو جاتی ہیں۔ وہاں جو احمدی وکیل وکالت کا کام کرتے ہیں وہ بھی اپنی زندگی کے چند ایام اشاعت علومِ قرآنی کے لئے وقف کر سکتے ہیں اس لئے ممکن ہے ہمارے اس پہلے سال میں یہ تعداد پانچ ہزار تک نہ پہنچے لیکن یہ بھی تو ممکن ہے کہ یہ تعداد پانچ ہزار تک پہنچ جائے۔ جب یہ ممکن ہے تو پھر اس کے لئے کوشش کیوں نہ کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کے کسی قانون کے ماتحت ہم اسے ''ناممکن'' قرار نہیں دے سکتے اس لئے ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم سب خصوصاً موصی صاحبان پوری کوشش اور جدوجہد سے کام لیں کہ واقفین عارضی کی تعداد اس سال بھی جو پہلا سال ہے پانچ ہزار تک پہنچ جائے تا تعلیمِ قرآن کا کام احسن طریق پر کیا جا سکے۔ ہمارے موصی صاحبان کا پہلا کام یہ ہے کہ اپنے گھروں میں قرآن کریم کی تعلیم کا انتظام کریں۔ دوسرا یہ کہ واقفینِ عارضی (جن کے سپرد قرآن کریم پڑھانے کا کام کیا جاتا ہے) کی تعداد کو پانچ ہزار تک پہنچانے کی کوشش کریں۔

تیسرے یہ کہ وہ اپنی جماعت کی نگرانی کریں (عمومی نگرانی، امیر یا پریذیڈنٹ کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے) کہ نہ صرف ان کے گھر میں بلکہ ان کی جماعت میں بھی کوئی مرد اور کوئی عورت ایسی نہ رہے جو قرآن کریم نہ جانتی ہو۔ ہر ایک عورت قرآن کریم پڑھ سکتی ہو، ترجمہ جانتی ہو، اسی طرح تمام مرد بھی قرآن کریم پڑھ سکتے ہوں، ترجمہ بھی جانتے ہوں اور قرآن کریم کے نور سے حصہ لینے والے ہوں تا کہ قیام احمدیت کا مقصد پورا ہو۔

اسی طرح وصیت کرنے والی بہنیں بھی ہر جماعت میں اپنی ایک علیحدہ مجلس بنائیں اور اپنا ایک صدر منتخب کریں جو نائب صدر کہلائے گی اور وہ جماعت سے تعاون کریں اور موصی مردوں کی مجلس سے بھی تعاون کریں اور ان روحانی ذمہ داریوں کو نبھانے کی کوشش کریں جو مالی قربانیوں کے علاوہ نظام وصیت اُن پر عائد کر رہا ہے۔

آپ دوست یہ سن کر خوش ہوں گے کہ بہت سے مقامات پر مردوں کی نسبت ہماری احمدی بہنیں قرآن کریم ناظرہ زیادہ جاننے والی ہیں۔ ایک تو ہمیں شرم اور غیرت آنی چاہیے۔ دوسرے ہمیں خدا تعالیٰ کا شکر بھی بجالانا چاہیے کیونکہ جس گھر کی عورت قرآن کریم جانتی ہوگی اس کے متعلق ہم امید رکھ سکتے ہیں کہ اس گھر کے بچے اچھی تربیت حاصل کر سکیں گے۔

پس جیسا کہ نور کے اس نظارہ سے جسے میں نے ساری دنیا میں پھیلتے دیکھا ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی کامیاب اشاعت اور اسلام کے غلبہ کے متعلق قرآن کریم میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی اور ارشادات میں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات میں جو خوشخبریاں اور بشارتیں پائی جاتی ہیں ان کے پورا ہونے کا وقت قریب آ گیا ہے۔ اس لئے میں پھر اپنے دوستوں کو اس طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ ہم پر واجب ہے کہ ہر احمدی مرد اور ہر احمدی عورت، ہر احمدی بچہ، ہر احمدی جوان اور ہر احمدی بوڑھا پہلے اپنے دل کو نورِ قرآن سے منور کرے۔ قرآن سیکھے، قرآن پڑھے اور قرآن کے معارف سے اپنا سینہ و دل بھر لے اور معمور کر لے۔ ایک نورِ مجسم بن جائے۔ قرآن کریم میں ایسا محو ہو جائے۔ قرآن کریم میں ایسا گم ہو جائے۔ قرآن کریم میں ایسا فنا ہو جائے کہ دیکھنے والوں کو اس کے وجود میں قرآن کریم کا ہی نور

نظر آئے۔ اور پھر ایک معلم اور استاد کی حیثیت سے تمام دنیا کے سینوں کو انوارِ قرآنی سے منور کرنے میں ہمہ تن مشغول ہو جائے۔

اے خدا! تو اپنے فضل سے ایسا ہی کر کہ تیرے فضل کے بغیر ایسا ممکن نہیں۔

اے زمین اور آسمان کے نور! تو ایسے حالات پیدا کر دے کہ دنیا کا مشرق بھی اور دنیا کا مغرب بھی، دنیا کا جنوب بھی اور دنیا کا شمال بھی نورِ قرآن سے بھر جائے۔ اور سب شیطانی اندھیرے ہمیشہ کے لئے دور ہو جائیں۔

میری توجہ اس طرف بھی پھیری گئی ہے کہ فضل عمر فاؤنڈیشن کا بھی ان سکیموں سے گہرا تعلق ہے۔ پہلے میرا خیال تھا کہ میں آج کے خطبہ میں ہی اس کو ان کے ساتھ منسلک کر کے اپنے خیالات کا اظہار اپنے دوستوں کے سامنے کروں لیکن چونکہ گرمی زیادہ ہے اور لمبے خطبہ سے دوستوں کو تکلیف ہوگی۔ اس لئے آج میں اس کے متعلق کچھ نہیں کہتا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے زندگی اور توفیق دی تو انشاء اللہ آئندہ جمعہ کو میں فضل عمر فاؤنڈیشن کے متعلق دوستوں کے سامنے اپنے ان خیالات کا اظہار کروں گا۔ بہرحال ہمیں ہمیشہ یہ دعائیں کرتے رہنا چاہیے کہ واقعتاً اور حقیقتاً خدا ہمیں اس بات کی توفیق دے کہ ہم قرآنی انوار میں ایسے گم ہو جائیں کہ سوائے انوارِ قرآنی کے ہمارے وجود میں اور کوئی چیز نظر نہ آئے۔ آمین۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۱۰/اگست ۱۹۶۶ء صفحہ ۲ تا ۴)

انفاق فی سبیل اللہ کی استعداد کو بڑھانے کے تین قیمتی گُر

خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۹؍اگست ۱۹۶۶ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

گزشتہ چند دنوں انفلوائنزا کی وجہ سے میری طبیعت ٹھیک نہیں رہی۔ ایک وقت میں تو آواز بالکل بیٹھ گئی تھی۔ کل سے کچھ کھلی ہے۔ ویسے اب بھی تکلیف محسوس کر رہا ہوں اس لئے میں اختصار کے ساتھ انفاق فی سبیل اللہ کے متعلق دوستوں کے سامنے بعض باتیں رکھنا چاہتا ہوں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔

”اسلام کی حفاظت اور سچائی کے ظاہر کرنے کے لئے سب سے اوّل تو وہ پہلو ہے کہ تم سچے مسلمانوں کا نمونہ بن کر دکھاؤ اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس کی خوبیوں اور کمالات کو دنیا میں پھیلاؤ۔ اس پہلو میں مالی ضرورتوں اور امداد کی حاجت ہے اور یہ سلسلہ ہمیشہ سے چلا آیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ایسی ضرورتیں پیش آئی تھیں اور صحابہؓ کی یہ حالت تھی کہ ایسے وقتوں پر بعض ان میں سے اپنا سارا ہی مال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیتے اور بعض نے آدھا دے دیا اور اسی طرح جہاں تک کسی سے ہوسکتا فرق نہ کرتا۔ مجھے افسوس سے ظاہر کرنا پڑتا ہے کہ وہ لوگ جو اپنے ہاتھ میں بجز خشک باتوں کے اور کچھ بھی

نہیں رکھتے اور جنہیں نفسانیت اور خودغرضی سے کوئی نجات نہیں ملی اور حقیقی خدا کا چہرہ ان پر ظاہر نہیں ہوا۔ وہ اپنے مذاہب کی اشاعت کی خاطر ہزاروں لاکھوں روپیہ دے دیتے ہیں اور بعض اپنی زندگیاں وقف کر دیتے ہیں۔ عیسائیوں میں دیکھا ہے کہ بعض عورتوں نے دس دس لاکھ کی وصیت کر دی ہے۔ پھر مسلمانوں کے لئے کس قدر شرم کی بات ہے کہ وہ اسلام کے لئے کچھ بھی کرنا نہیں چاہتے یا نہیں کرتے۔ مگر خدا تعالیٰ نے ارادہ کیا ہے کہ وہ اسلام کے روشن چہرہ پر سے وہ حجاب جو پڑا ہوا ہے۔ دور کر دے اور اسی غرض کے لئے اس نے مجھے بھیجا ہے۔'' [۲۳]

دوست جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس چھوٹی سی اور غریب جماعت کو ساری دنیا کے مقابلہ پر لا کھڑا کیا ہے اور فرمایا کہ تمام ادیانِ باطلہ کا مقابلہ کرو اور انہیں شکست دو اور اسلام کی خوبیوں کو ظاہر کر کے اسے ان پر غالب کرو۔

اس جماعت کے مقابلہ میں ایک طرف ان طاغوتی طاقتوں کو بڑی قوت اور وجاہت اور اقتدار اور مال دیا کہ اربوں ارب روپیہ وہ اسلام کے خلاف خرچ کر رہے ہیں۔ اور دوسری طرف اپنی اس جماعت کو بڑے ہی وعدے دیئے اور فرمایا کہ تم ان اقوام اور ان مذاہب کی طاقت کو دیکھ کر گھبرانا نہیں اور ان کے اموال پر نظر کر کے تمہیں پریشانی لاحق نہ ہو۔ کیونکہ میرا تم سے یہ وعدہ ہے کہ اگر تم میری بھیجی ہوئی تعلیم پر عمل کرو گے اور میرے بتائے ہوئے طریق پر چلو گے تو تھوڑے ہونے کے باوجود اور کمزور ہونے کے باوجود اور غریب ہونے کے باوجود آخری فتح اور کامیابی تمہارے ہی نصیب ہوگی۔

اس چیز کو دیکھتے ہوئے اور اس چیز کو سمجھتے ہوئے ہم پر بڑی ہی قربانیوں کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ جن میں سے ایک مالی قربانی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم سے یہ مطالبہ تو نہیں کیا کہ ہم اپنی طاقت اور استعداد سے بڑھ کر اس کی راہ میں قربانی دیں۔ کیونکہ ایسا مطالبہ غیر معقول ہوتا اور اللہ تعالیٰ تو عقل اور حکمت اور علم اور نور کا سرچشمہ ہے۔ وہ تو نور ہی نور ہے۔ اس کی طرف سے اس قسم کا کوئی مطالبہ ہو ہی نہیں سکتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ ہمیں یہ ضرور بتاتا ہے کہ میں نے قوتِ استعداد اور

اموال کے بڑھانے کے کچھ طریق بھی رکھے ہیں تم اپنی طاقت سے بڑھ کر قربانی نہیں دے سکتے لیکن تم قربانی دینے کی طاقت کو ہر وقت بڑھا سکتے ہو۔ پس قربانی دینے کی طاقتوں کو تم بڑھاؤ۔

تین موٹی باتیں میں اس وقت دوستوں کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔

(۱) اوّل۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَ اَنۡ لَّیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی۔ (النّجم: ۴۰) ایک تو اس کے معنی یہ ہیں کہ مالی اور اقتصادی لحاظ سے تم جس مقام پہ بھی ہو۔ وہ تمہارا آخری مقام نہیں۔ مزید ترقیات کے دروازے تمہارے سامنے ہیں۔ جنہیں تم اپنی سعی سے، اپنی کوشش سے، اپنی جدو جہد سے، اپنی محنت سے کھول سکتے ہو۔ یعنی اگر تم اپنے پیشہ میں مزید مہارت حاصل کرلو جتنی محنت اور توجہ سے تم اس وقت کام کر رہے ہو۔ اس سے زیادہ محنت اور توجہ سے کام کرو اور جو ذرائع تمہیں میسر آئے ہوئے ہیں ان کو تم پہلے سے زیادہ بہتر طریق پر استعمال کرو۔ یعنی تدبیر کو اپنے کمال تک پہنچاؤ اور اس کے ساتھ خدا تعالیٰ کے حضور عاجزانہ دعائیں بھی کرتے رہو کہ وہ تمہارے اموال میں برکت ڈالے اور تمہاری کوششوں کو بارآور کرے تو اس کے نتیجہ میں تمہارے اموال بڑھ جائیں گے اس کے ساتھ ہی مالی قربانی کی استعداد بھی مثلاً اگر ہم میں سے ہر ایک کی آمد بڑھ جائے لیکن جذبۂ ایثار اتنا ہی رہے جتنا پہلے تھا تب بھی کمیت کے لحاظ سے ہماری مالی قربانی میں بڑا نمایاں فرق آجاتا ہے۔ مثلاً ایک شخص کی آمد ایک سو روپیہ ماہوار ہے اور وہ اپنے جذبۂ ایثار سے مجبور ہو کر اور اپنی استعداد کے مطابق اس میں سے بیس فیصد روپیہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔ اگر وہ محنت کرے، اگر وہ اپنے علم میں زیادتی کرے، اگر وہ اپنے ذرائع کو بہتر طریق پر استعمال کرے اور اگر وہ اپنی دعاؤں کے نتیجہ میں اپنی آمد کو سو سے دو سو ماہانہ کر دے اور اس کی قربانی بیس فیصد ہی رہے تو پہلے وہ بیس روپے ماہوار دیتا تھا اب وہ چالیس روپے ماہوار دے گا۔ تو کمیت کے لحاظ سے مالی قربانی میں دگنا اضافہ ہو جائے گا کیونکہ اس کی آمد پہلے کی نسبت دگنی ہوگئی۔

(۲) ایک اور طریق اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ سکھایا ہے کہ تم اپنے خرچ کو اسلام کی تعلیم کے مطابق ضبط میں لاؤ، سادہ زندگی گزارو۔ رسم و رواج جو بیاہ شادیوں کے موقع پر یا موت فوت

کے موقع پر لوگوں میں رائج ہیں ان کے نتیجہ میں اسراف کی راہوں کو اختیار کیا جاتا ہے۔ تم ان راہوں کو اختیار نہ کرو اور سادہ زندگی اختیار کر کے اپنے خرچوں کو کم کر دو۔ تو اس کے نتیجہ میں بھی تمہاری قربانی اور انفاق فی سبیل اللہ کی طاقت اسی نسبت سے بڑھ جائے گی۔ مثلاً ایک شخص کی سو روپیہ ماہوار آمد ہے اور اس کو اپنی ذات اور اپنے خاندان پر اسّی روپیہ ماہوار خرچ کرنے کی عادت پڑی ہوئی ہے اور بعض باتوں میں وہ اسراف کرتا ہے اور سادگی کی تعلیم پر عمل پیرا نہیں ہوتا۔ اگر وہ سادہ زندگی کو اختیار کرے اور اس کا خرچ اسّی روپیہ سے گر کر ستر روپیہ ماہوار پر آجائے تو اس کو سادگی کے اختیار کرنے کے نتیجہ میں دس روپیہ ماہوار زیادہ قربانی کرنے کی طاقت حاصل ہوگئی۔ اگر وہ چاہے تو خدا کی راہ میں اسے دے سکتا ہے۔

اس لئے میں تفصیل میں جائے بغیر، احبابِ جماعت کو اور جماعتی نظام کو اس طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے تحریکِ جدید کے مطالبات میں سادہ زندگی کے جو مطالبات رکھے ہیں ان کی طرف زیادہ توجہ ہونی چاہیے بہت سی جماعتیں اور بہت سے افراد اس چیز کو بھولتے جا رہے ہیں۔ اگر ہم مثلاً بدقسمتی سے سینما دیکھنے کے عادی ہوں اور اب سینما دیکھنا چھوڑ دیں تو وہ دس پندرہ روپے جو ہم سینما دیکھنے پر خرچ کرتے تھے وہ ہمارے پاس بچ رہیں گے اور اگر ہم چاہیں تو یہ رقم خدا کی راہ میں دے سکتے ہیں۔

پس میں جماعت کو اس طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ تحریکِ جدید کے وہ مطالبات جو سادہ زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کو جماعت میں دہرایا جائے اور افرادِ جماعت کو پابند کیا جائے کہ وہ ان مطالبات کی روشنی میں اپنی زندگیوں کو سادہ بنائیں۔

اسی طرح بہت جگہ سے یہ شکایت آتی رہتی ہے کہ بعض خاندانوں میں رسوم اور بدعادات عود کر رہی ہیں۔ مثلاً شادی کے موقع پر اسراف کی راہوں کو اختیار کیا جاتا ہے اور بلا ضرورت محض نمائش کے طور پر بہت سا خرچ کر دیا جاتا ہے۔ بعض لوگ تو اس کے نتیجہ میں مقروض ہو جاتے ہیں اور پھر ساری عمر ایک مصیبت میں گزارتے ہیں۔ یہ تو وہ سزا ہے جو اللہ تعالیٰ ان کو اس دنیا میں دے دیتا ہے لیکن ایک اور سزا ہے جو بظاہر ان کو نظر نہیں آتی کہ اس کے نتیجہ میں وہ بہت سی ایسی

نیکیوں سے محروم ہو جاتے ہیں کہ اگر وہ سادگی کو اختیار کرتے۔ اگر وہ رسوم کی پابندی کو چھوڑ دیتے تو اللہ تعالیٰ ان کو ان نیکیوں کی توفیق عطا کرتا اور ان کو اس دنیا میں بھی اور اُخروی زندگی میں بھی ایسی نعمتیں حاصل ہوتیں کہ دنیا کی لذتیں اور دنیا کے عیش اور ان کی نمائشیں ان کے مقابلہ میں کوئی حیثیت ہی نہ رکھتیں۔

پس جماعت کو چاہیے کہ تحریکِ جدید کے ان مطالبات کو دہراتی رہے اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کرے تا کہ اس طرح وہ اپنے پیسوں کو بچا سکے اور اس کی قربانی کی قوت اور استعداد پہلے کی نسبت بڑھ جائے اور وہ اپنی اس بڑھی ہوئی حیثیت اور طاقت کے مطابق قربانی کرنے والی ہو۔ اس طرح دوست پہلے سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے فضلوں کو حاصل کرنے والے ہوں گے۔

(۳) تیسری بات جس کی طرف قرآن کریم ہمیں متوجہ کرتا ہے وہ جذبۂ ایثار ہے اور شُحِّ نفس سے بچنا ہے۔ جب یہ جذبہ پیدا ہو جائے تو انسان بہت سی جائز ضرورتوں کو بھی کم کر سکتا ہے۔ صحت کو نقصان پہنچائے بغیر اور اَور کسی قسم کا حقیقی نقصان اٹھائے بغیر!

تو جب جذبۂ ایثار بڑھ جائے تو قربانی کرنے کی قوت اور استعداد بھی بڑھ جاتی ہے اور اس کا ذریعہ دعا ہے ہمیں ہر وقت یہ دعا بھی کرتے رہنا چاہیے کہ اے خدا! تو نے ایک نور قرآن کریم کی شکل میں نازل کیا اس میں جہاں تو نے ہمیں اور بہت سی حسین ہدایتیں اور احکام دیئے ہیں وہاں انفاق فی سبیل اللہ کے متعلق بھی بڑی ہی حسین اور وسیع تعلیم تو نے ہمارے سامنے پیش کی ہے اور ہمیں بتایا ہے کہ اگر ہم تیری راہ میں ان طریقوں پر جو تو نے بتائے ہیں اپنے اموال کو خرچ کرنے والے ہوں گے۔ تو تو بہت سے انعامات اور فضل ہم پر نازل کرے گا۔ تو اے خدا تو ہمیں اپنے فضل سے اس بات کی توفیق عطا کر کہ ہم اس ہدایت پر عمل پیرا ہونے والے ہوں تا کہ ہم تیری نعمتوں اور فضلوں کو حاصل کر سکیں۔

پس ہم ان تین طریق سے اپنی قوت اور استعداد کو بڑھا سکتے ہیں۔ تو جیسا کہ میں نے شروع میں بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے یہ مطالبہ نہیں کرتا کہ ہم اپنی طاقت سے بڑھ کر اس کی راہ میں قربانی دیں لیکن اللہ تعالیٰ ہم سے یہ مطالبہ ضرور کرتا ہے کہ ہم ہر وقت اور ہر طرح یہ کوشش

کرتے رہیں کہ اس کی راہ میں ہماری قربانی دینے کی طاقت اور استعداد ہمیشہ بڑھتی چلی جائے تا کہ ہم ہمیشہ پہلے کی نسبت زیادہ سے زیادہ اس کے فضلوں کے وارث بنتے رہیں۔

اس کے بعد میں فضل عمر فاؤنڈیشن کے متعلق کہ وہ بھی انفاق فی سبیل اللہ ہی کی ایک شق ہے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

فضل عمر فاؤنڈیشن کے قیام کی غرض ہی یہ ہے کہ جماعت احمدیہ سچے مسلمانوں کا نمونہ دکھاتے ہوئے جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔ اسلام کی خوبیوں اور کمالات کو دنیا میں پھیلانے کی غرض سے اور بھی زیادہ مالی قربانیاں خدا تعالیٰ کی راہ میں پیش کرے اور اس مالی قربانی کو اس حد تک پہنچائے کہ دنیا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس قول کی صداقت پر گواہ ہو۔

صحابہ سے ملا جب مجھ کو پایا

یعنی اوّلین و آخرین ہر دو گروہ کی مالی قربانیاں ایک سی شان اور عظمت اور عزت اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں رکھنے والی ہوں۔

گزشتہ جلسہ سالانہ کے موقع پر فضل عمر فاؤنڈیشن کے قیام کا اعلان کیا گیا تھا۔ اس وقت میں نے اپنے بھائیوں سے یہ خواہش کی تھی کہ اس فنڈ میں پچیس لاکھ روپیہ وہ جمع کریں۔

سوائے محمد رسول اللہ کے فرزندِ جلیل مسیح محمدی کی جانثار اور خدائے بزرگ و برتر کی محبوب جماعت! آپ کو مبارک ہو کہ آپ نے خلوصِ نیت اور صمیم قلب کے ساتھ فاؤنڈیشن کے لئے جو وعدے کئے ہیں ان کی رقم پچیس لاکھ سے بڑھ گئی ہے اور ابھی اور وعدے آ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے اس اخلاص اور ایثار کو قبول فرمائے اور اعلاء کلمہ اسلام کے لئے آپ کی قربانیوں میں برکت ڈالے اور آپ کو اس دنیا میں بھی اتنا دے، اتنا دے کہ آپ سیر ہو جائیں اور اُخروی زندگی میں بھی اپنی تمام نعمتوں سے آپ کو نوازے تا آپ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب میں آپؐ کے صحابہؓ کی معیت حاصل کر سکیں۔

اب جبکہ وعدے اپنی مقررہ حد سے آگے بڑھ چکے ہیں ہمیں اس طرف توجہ دینی چاہیے اور

یہ کوشش کرنی چاہیے کہ یہ وعدے جو تین سال میں وصول ہونے ہیں ان کا کم از کم ۱/۳ سالِ رواں یعنی سالِ اوّل میں وصول ہو جائے۔ اس وقت تک جو وعدے ہو چکے ہیں ان کے لحاظ سے قریباً ۹، ۱۰ لاکھ کی وصولی سال اوّل میں ہونی چاہیے چونکہ بہت سے ابتدائی مراحل میں سے اس تنظیم کو گزرنا تھا اور اس کے لئے صحیح معنی میں جو ہماری کوشش ہوئی ہے۔ وہ مجلس مشاورت کے بعد ہوئی ہے اس لئے میں نے فضل عمر فاؤنڈیشن کا سال یکم مارچ سے تیس ۳۰/اپریل تک مقرر کیا ہے۔

ہماری یہ کوشش ہونی چاہیے کہ ۳۰/اپریل سے قبل کم از کم ۹، ۱۰ لاکھ روپے کی رقم جو ایک تہائی سے زیادہ ہو گی (اور اگر وعدے زیادہ آ گئے تو پھر اس سے بھی زیادہ رقم وصول ہونی چاہیے) بہر حال موجودہ صورت میں ۹، ۱۰ لاکھ کی رقم ضرور وصول ہو جانی چاہیے۔ اس وقت تک پاکستان کی جماعتوں اور احباب سے جو رقوم وصول ہوئی ہیں ان کی مقدار چار لاکھ سے اوپر تک پہنچ چکی ہے۔

مجھے یقین ہے کہ جماعت اپنی ذمہ داریوں کا احساس رکھتی ہے اور وہ انشاء اللہ ۳۰/اپریل سے پہلے ایک تہائی سے زیادہ اپنے وعدے ادا کر دے گی۔

میں ایک تہائی (۱/۳) سے زیادہ اس لئے کہہ رہا ہوں کہ بعض غریب احمدی دوستوں نے بڑی قربانی دے کر اس میں حصہ لیا ہے اور ساتھ ہی پوری رقم ادا بھی کر دی ہے۔ ایک تہائی پر انہوں نے کفایت نہیں کی۔ مثلاً سو روپیہ کا وعدہ لکھوایا تو سو روپیہ ہی دے دیا۔

کئی مہینہ کی بات ہے گجرات کے ایک دوست یہاں تشریف لائے (وہ بہت بوڑھے تھے اتنے بوڑھے کہ ان سے چلا نہ جاتا تھا) اور مجھے پیغام بھجوایا کہ میں ضروری کام کے لئے ملنا چاہتا ہوں۔ باوجود اس کے کہ وہ بہت کمزور تھے۔ سیڑھیوں پر بھی نہ چڑھ سکتے تھے۔ حضرت مصلح موعودؓ کی محبت سے مجبور ہو کر وہ اتنا لمبا سفر کر کے آئے تھے۔ میں اُترا اور ان سے ملا تو انہوں نے اپنے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اپنا رومال کھولا اور غالباً چند سو کی رقم تھی وہ نکال کر مجھے دی اور کہا کہ یہ فضل عمر فاؤنڈیشن کے لئے آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

خدا کے فضل سے ہماری جماعت بڑی قربانی کرنے والی ہے اور بڑی ہی محبت کرنے والی

اور حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ سے والہانہ عقیدت رکھنے والی ہے۔

میں کامل امید رکھتا ہوں اور اپنے ربّ سے دعا بھی کرتا ہوں کہ وہ ہم سب کو اس بات کی توفیق عطا کرے کہ ہم اس فنڈ میں سال رواں کے اندر ایک تہائی سے کہیں زیادہ رقم ادا کر دیں کیونکہ اس سے جو کام کئے جانے والے ہیں۔ان کے متعلق یہ بھی فیصلہ ہے کہ اصل رقم کو محفوظ رکھا جائے اور پھر اس کی آمد سے وہ کام کئے جائیں جو حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کو محبوب اور پیارے تھے۔

اللہ تعالیٰ توفیق عطا کرے اور اس کی توفیق سے ہی سب کچھ ہو سکتا ہے۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۸؍ستمبر ۱۹۶۶ء صفحہ ۲ تا ۴)

قرآن کریم نے تمام برکاتِ روحانی کو اپنے اندر جمع کیا ہوا ہے

خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۶؍اگست ۱۹۶۶ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانعام کی یہ آیت پڑھی۔

وَ هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَ مَنْ حَوْلَهَا ؕ وَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۔ (الانعام: ۹۳)

اور پھر فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ نے سورۂ انعام کی اس آیت میں یہ مضمون بیان فرمایا ہے کہ یہ عظیم الشان کتاب جسے ہم نے تجھ پر اتارا ہے، برکات کی جامع ہے اور جو کلام اس سے پہلے تھا اس کو پورا کرنے والی ہے اور ہم نے اسے اس لئے اُتارا ہے تا کہ تو اس کے ذریعہ سے اقوامِ عالَم کو ہدایت دے اور تا تو ڈرائے مکّہ اور عرب کے بسنے والوں کو اور ان آبادیوں کو جو عرب کے چاروں طرف اکنافِ عالَم تک پھیلی ہوئی ہیں اور جو لوگ پیچھے آنے والی موعود باتوں اور بشارتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور ساتھ ہی ان عبادتوں پر قائم ہیں جن پر انہیں ان کے رسولوں نے قائم کیا تھا۔ وہ اپنے تقویٰ اور ایمانی پختگی کے نتیجہ میں قرآن پر بھی ضرور ایمان لے آئیں گے۔ لیکن اگر وہ ان بشارتوں کو بھول چکے ہوں

اور ان کا ایمان ان بشارتوں کے متعلق پختہ نہ ہو۔اسی طرح وہ شریعت کو قائم کرنے والے نہ ہوں تو ان کو ایمان کی طرف لانے کے لئے اللہ تعالیٰ پھر انذاری طریق استعمال فرمائے گا۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو مبارک کہا ہے بعض جگہ قرآن کریم کے متعلق یہ بیان ہوا ہے کہ یہ ایک ایسی کتاب ہے جو تمام ہدایتوں کا مجموعہ ہے، لیکن یہاں یہ مضمون بیان ہوا ہے کہ یہ ایک ایسی کتاب ہے جو تمام برکات کی جامع ہے۔یعنی الٰہی ہدایتوں پر عمل کرنے کے نتیجہ میں جو برکات انسان کو حاصل ہوتی ہیں اس آیت میں ان کا بیان ہے۔اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ بیان فرمایا کہ پہلی امتوں کو کامل ہدایت نہ ملی تھی ناقص ہدایت ملی تھی (بوجہ اس کے کہ وہ اپنی روحانی نشوونما میں ابھی ناقص تھے) اگر وہ نیک نیتی کے ساتھ، پوری جدوجہد، محنت اور کوشش کے ساتھ اس ہدایت پر عمل کرتے جو ان کو دی گئی تھی تو اس کے نتیجہ میں جو برکت انہیں حاصل ہوتی وہ اس برکت کے نتیجہ میں بہت کم ہوتی جو قرآن کریم کی ہدایت پر عمل کر کے انسان حاصل کر سکتا ہے کیونکہ قرآن کریم تمام برکات کا مجموعہ ہے۔

اس آیت پر میں نے جب غور کیا تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ اگر یہ قرآن کِتٰبٌ مُّبٰرَكٌ ہے اور یقیناً قرآن کِتٰبٌ مُّبٰرَكٌ ہے اور اس نے تمام برکاتِ روحانی کو اپنے اندر جمع کیا ہوا ہے تو پھر عقلاً تین نتیجے نکلتے ہیں۔

اوّل یہ کہ اس کتاب کی کامل اتباع کی جائے۔

دوسرے یہ کہ اس کتاب نے تقویٰ کی جو باریک راہیں ہمیں بتائی ہیں ان پر گامزن رہا جائے اور تیسرے یہ کہ اگر اور جب، ہم یہ کرلیں تب خدا تعالیٰ کی رحمتوں کے دروازے ہم پر کھل سکتے ہیں۔لیکن اگر ہم ایسا نہ کریں تو باوجود اس کے کہ یہ کتاب تمام برکاتِ روحانی کی جامع ہے ہم اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔

میں جب سورۃ الانعام کی تلاوت کر رہا تھا تو مجھے خیال آیا کہ میں اس آیت کے متعلق خطبہ دوں گا۔میں نے سوچا تو یہ تینوں باتیں میرے ذہن میں آئیں۔جب میں سورۃ کے آخر میں پہنچا مجھے یہ دیکھ کر لطف آیا کہ وہ تین باتیں جو اس وقت میرے ذہن میں آئی تھیں اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانعام

کے آخر میں وہی تین نتیجے (مُبَارَكٌ کے) وضاحت کے ساتھ نکالے ہیں۔ اس پر میرا خیال اس طرف گیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تفسیر کے متعلق جو یہ ایک نکتہ بیان کیا ہے کہ قرآن کریم خود اپنا مفسر ہے۔ یعنی قرآن کریم کی بعض آیات دوسری آیات کی تفسیر کرتی ہیں اور وہی تفسیر بہتر اور اچھی اور مفید اور سب سے زیادہ صحیح تسلیم کی جاسکتی ہے۔ جو قرآن کریم نے خود بیان فرمائی ہو۔ اگر چہ ہر ایک کا دماغ اتنی پہنچ نہیں رکھتا کہ معلوم کر سکے کہ قرآن کریم کی ایک آیت دوسری آیت کی تفسیر کے خلاف نہیں یا لغت عرب ہی خود اس تفسیر کے خلاف نہیں۔ لیکن بہر حال حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہمیں اس طرف توجہ دلائی ہے کہ بہترین تفسیر وہ ہے جو قرآن کریم خود بیان کرے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو کچھ بھی کہا یا لکھا وہ قرآن کریم کی ہی تفسیر ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ ہم میں سے بعض، بعض چیزوں یا بعض مضامین کے متعلق کچھ پریشان ہوں کہ ہمیں پتہ نہیں چل رہا کہ یہ قرآن کریم کی کس آیت کی تفسیر ہے۔ لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ ارشاد فرمایا وہ (لاکھوں احادیث جو اُمّتِ مسلمہ نے بڑی محنت اور جدوجہد سے محفوظ کیں)۔ سب قرآن مجید ہی کی تفسیر ہیں لیکن کم لوگ ہیں جو یہ بتا سکیں کہ کون سا ارشاد کس آیت کی تفسیر ہے۔ جو بڑے بڑے عالم ہیں وہ تو جانتے ہیں لیکن ہر کس و ناکس کے بس کی یہ بات نہیں۔

چونکہ یہ اس نکتہ کی بڑی واضح مثال تھی اس لئے میں نے اس کا یہاں ذکر کر دیا ہے۔ تو اس خیال سے کہ میں اس آیت پر خطبہ دوں گا۔ میں نے اس پر غور شروع کیا اور مذکورہ بالا تین باتیں میرے ذہن میں آئیں اور وہی تین باتیں مُبَارَكٌ کی تفسیر کرتے ہوئے سورۃ انعام میں ہی آگے چل کر اللہ تعالیٰ نے خود بیان فرما دیں۔ اللہ تعالیٰ سورۃ انعام آیت ۱۵۶ میں فرماتا ہے وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ یہ کتاب جو میں تم پر نازل کر رہا ہوں۔ یہ تمام برکات کی جامع ہے فَاتَّبِعُوْهُ اس لئے تمہارے لئے یہ ضروری ہے کہ تم اس کی کامل اتباع کرو۔ وَاتَّقُوْا اور تقویٰ کی جو باریک راہیں یہ تمہیں بتاتی ہیں تم ان پر گامزن رہو۔ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ تا کہ اس طرح پر اللہ تعالیٰ

کی رحمتوں کے دروازے تم پر کھولے جائیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ فرمایا کہ قرآن کریم جامع ہے تمام برکاتِ روحانی کا (لیکن کتبِ سابقہ کے متعلق مُبَارَكٌ کا لفظ استعمال نہ ہوسکتا تھا) اور اس طرح ہمیں یہ بتایا کہ پہلی امتیں اپنی پوری جدوجہد، اپنے پورے مجاہدہ، اپنی پوری محنت اور اپنی پوری کوشش اور ایثار اور اپنے پورے جذبۂ قربانی کے باوجود اس روحانی مقامِ رفعت تک نہ پہنچ سکتی تھیں جس مقامِ رفعت تک تم پہنچ سکتے ہو۔ کیونکہ تمہیں ایک کامل کتاب دی گئی ہے جس کی اتباع کے نتیجہ میں تم کامل برکات کو حاصل کر سکتے ہو۔ کامل برکات کے حصول کا امکان تمہارے لئے پیدا ہو گیا ہے۔ اتنی ارفع اور اتنی اعلیٰ کتاب کے ملنے کے بعد بھی اگر تم کوتاہی کرو اور اس طرف متوجہ نہ ہو اور خدا تعالیٰ کے شکر گزار بندے بن کر اس کی اس نعمت سے فائدہ نہ اٹھاؤ تو تمہارے جیسا بدبخت دنیا میں کوئی نہیں ہوگا۔

پس فرمایا کہ یہ کتاب تمام برکات کی جامع ہے اور تمام برکات کا حصول تمہارے لئے ممکن بنا دیا گیا ہے۔ اس لئے اٹھو!! اور کوشش کرو اور محنت کرو اور قربانیاں دو اور ایثار دکھاؤ تا کہ تم ان تمام برکات اور فیوض کو حاصل کرسکو۔ دوسرا امر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے متعلق یہاں یہ بیان فرمایا۔ مُصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْہِ ۔ دراصل یہ مُبَارَكٌ کی وجہ بتائی ہے کہ یہ کتاب تمام برکات کی جامع کیوں ہے؟ اس لئے کہ پہلی کتب میں جو بھی صداقتیں پائی جاتی تھیں ان سب کو اس نے اپنے اندر جمع کیا ہوا ہے بلکہ ان سے کچھ زائد بھی ہے۔ اس لئے یہ مُبَارَكٌ ہے۔ ہر وہ برکت جو پہلی کسی کتاب کی ہدایت سے حاصل کی جاسکتی تھی وہ اس کتاب سے بھی حاصل کی جاسکتی ہے کیونکہ وہ ہدایت اور بنیادی صداقت جو اس کے اندر تھی اس میں بھی پائی جاتی ہے۔ لیکن جو زائد چیزیں اس میں ہیں وہ پہلی کتب میں نہیں تھیں۔ اس لئے ان زائد احکام پر عمل کر کے جو برکتیں تم حاصل کر سکتے ہو۔ وہ لوگ جن پر پہلی کتب نازل کی گئی تھیں انہیں حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ مُصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْہِ ’’یہ قرآن پہلی کتب کی تصدیق کرتا ہے۔‘‘ میں جو تصدیق کا ذکر ہے اس کے متعلق یاد رکھنا چاہیے کہ تصدیق کا ایک طریق قرآن کریم نے یہ بیان فرمایا ہے۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَاۤ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ

قَدِيْرٌ (البقرۃ:۱۰۷) کہ ’’جب بھی ہم کسی پیغام کو منسوخ کریں یا بھلا دیں اس سے بہتر یا اس جیسا پیغام ہم دنیا میں لے آتے ہیں۔‘‘ اس آیت میں تین باتیں بیان ہوئی ہیں۔

ایک یہ کہ پہلی کتب کی بعض باتوں کو بعض ہدایتوں کو قرآن کریم نے منسوخ کر دیا ہے اور جب اللہ تعالیٰ یہ اعلان فرماتا ہے کہ مَیں نے پہلے جو کتاب بھیجی تھی اس کی یہ یہ ہدایتیں منسوخ کی جاتی ہیں تو اس اعلان میں اس کتاب کی تصدیق بھی ہو رہی ہوتی ہے یعنی منسوخ کا اعلان خود تصدیق کر رہا ہوتا ہے۔ اس بات کی کہ وہ ہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی نازل کی گئی تھی جسے اب اللہ تعالیٰ منسوخ کر رہا ہے۔

دوسرے اس میں یہ بتایا کہ جو جو بنیادی صداقتیں پہلی کتب میں تھیں وہ تمام کی تمام ہم نے قرآن کریم میں جمع کر دی ہیں۔ ’’مِثْلِهَا‘‘ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ مِثْل اس لئے کہا۔ پہلے مجمل طریق پر یہ صداقتیں بیان ہوئی تھیں اور حکمت بتائے بغیر۔ لیکن اب وہ کامل اور مکمل شکل میں قرآن کریم میں رکھ دی گئی ہیں بالکل وہی نہیں۔ کیونکہ بالکل وہی ہوں تو اس سے قرآن کریم میں نقص لازم آتا ہے لیکن ہیں ویسی ہی مگر زیادہ اچھی شکل میں اور زیادہ تفصیل کے ساتھ۔

بِخَيْرٍ مِّنْهَا وہ باتیں جن کی پہلی اُمّتیں حامل نہ ہو سکتی تھیں بیان کر دیں اس لئے اس میں وہ ابدی صداقتیں بھی ہیں جو پہلی ہدایتوں کی جگہ آئیں اور ان سے زیادہ خوبصورت شکل میں۔ اس میں ضمناً یہ بھی بتا دیا کہ چونکہ پہلی کتب محرف و مبدّل ہو گئیں اس لئے مجموعی طور پر ان شریعتوں کو منسوخ کرنا پڑا مجموعی طور پر اس لئے کہ مثلاً موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں اب بھی بعض باتیں اسی شکل میں موجود ہیں جس شکل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی تھیں۔ لیکن مجموعی طور پر وہ شریعت انسانی دخل کی وجہ سے اس قدر محرّف ہو چکی ہے کہ اس میں وہ برکت، وہ حسن اور اللہ تعالیٰ کا وہ جلوہ نظر نہیں آ رہا ہے جو برکت، جو حُسن اور جو جلوۂ الٰہی اس میں نزول کے وقت تھا اس لئے قرآن کریم نے اسے منسوخ کر دیا لیکن اس کی بنیادی صداقتوں کو لے لیا۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک اور بات بھی بتائی ہے وہ یہ کہ ہم انسان کے ذہن سے شریعت کو مٹا کر (کہ وہ اسے بالکل بھول جائے) بھی منسوخ کیا کرتے ہیں۔

اگر قرآن کریم ان نامعلوم شریعتوں کا (جو نامعلوم تعداد میں دنیا کی طرف بھیجی گئیں اور جن کا اب نام ونشان نہیں) نام لیتا تو ہمارے دماغوں میں بڑی الجھن پیدا ہو جاتی۔ مثلاً اگر کہا جاتا کہ افریقہ میں فلاں نبی پر فلاں شریعت نازل ہوئی۔ حالانکہ نہ دنیا کی تاریخ نے اس نبی کے نام کو محفوظ رکھا ہوتا، نہ اس کی شریعت کے نام کو محفوظ رکھا ہوتا۔ اور نہ اس کی کتاب کے کسی حصے کو محفوظ رکھا ہوتا تو کیسی مشکل پیش آتی؟ تاریخِ انسانی ان چیزوں کو بھلا چکی ہے۔ فرمایا کہ بعض شریعتوں کو اور بعض کتبِ سماوی کو جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے گذری تھیں ہم نے ذہنِ انسانی سے بھلا کر انہیں منسوخ کر دیا ہے۔ خدا تعالیٰ تو عَلِيْم ہے وہ تو نام بھی لے سکتا تھا لیکن اگر وہ ایسا کرتا تو ہمارے لئے پریشانی کا باعث بنتا۔ اس واسطے اس کے رحم نے تقاضا کیا کہ ان کو بھولا رہنے دے اور اس طرح ان کو منسوخ کر دے۔ سو یہ بھی منسوخ کرنے کا ہی ایک طریق ہے۔

جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے کہ شریعت یا اس کا کوئی حصہ منسوخ کیا جائے (کسی اعلان کے نتیجہ میں) یا شریعت کا کوئی حصّہ زیادہ اچھی شکل میں قرآن کریم میں نازل کر دیا جائے یا یہ اعلان کر دیا جائے کہ ہم نے نام لئے بغیر بعض شریعتوں کو منسوخ کر دیا ہے۔ ہر سہ صورتوں میں قرآن کریم مصدّق بنتا ہے۔ ان سب پہلی شریعتوں کا کیونکہ اعلانِ تنسیخ اور اعلانِ نسیان خود تصدیق ہے کہ وہ شریعتیں یا ان شریعتوں کے وہ حصّے جو بنیادی صداقتیں تھی جن میں انسان کی طرف سے کوئی ملاوٹ نہیں کی گئی وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے تھیں۔ یہ ایک معنی مُصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ کے ہیں۔

دوسرے معنی اس کے یہ ہیں کہ قرآن کریم ایک ایسی عظیم الشان کتاب ہے کہ اس کے متعلق دنیا کی ہر شریعت نے پیشگوئی کی تھی اور بشارت دی تھی اور انہی پیشگوئیوں کے مطابق قرآن کریم اپنے وقت پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔

تو فرمایا کہ یہ ایک عظیم کتاب ہے۔ اتنی عظیم الشان کہ کوئی ایسی شریعت دنیا کے کسی خطّہ میں نازل نہیں کی گئی۔ جس کے نبی نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپؐ پر نازل ہونے والے قرآن (کتاب عظیم) کی بشارت نہ دی ہو۔ اور کوئی نبی ایسا نہیں گذرا جس نے اپنی قوم کو اس

طرف متوجہ نہ کیا ہو کہ جس وقت بھی اور جہاں بھی خدا کا وہ برگزیدہ رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ کی شکل میں تمہارے سامنے آئے تو اس کو قبول کر لینا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو کتاب اسے دی جائے گی وہ میری ہر کتاب (شریعت) سے بہتر اور افضل اور اعلیٰ ہوگی۔ کیونکہ میری ہر پہلی کتاب میں چند برکات ہیں اور جو کتاب اسے دی جائے گی وہ مُبٰرَكٌ جامع ہوگی تمام برکات کی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جیسا کہ خود قرآن مجید نے کہا ہے دعا فرمائی اور بشارت بھی دی کہ ایسا نبی جو اَلْكِتَاب اور اَلْحِكْمَة سکھانے والا ہو وہ مبعوث ہوگا۔ اس کے علاوہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے متواتر نبی کے بعد نبی پیدا ہوا اور ان سب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیشگوئی فرمائی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس گناہ سوز شریعت کی ان الفاظ میں بشارت دی کہ اس کے داہنے ہاتھ ایک آتشی شریعت ان کے لئے تھی۔ اور اس بشارت کو موسیٰ علیہ السلام نے بار بار دہرایا تا کہ ان کی امّت گمراہ نہ ہو جائے۔

پھر یسعیاہ نبی، نے حضرت سلیمان علیہ السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق لوگوں کو بشارت سنائی اور ہشیار بھی کیا۔ تا کہ جب وہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) پیدا ہو تو لوگ ایمان سے محروم نہ ہو جائیں۔ پھر بنی اسرائیل کی شریعت کے علاوہ جو شریعتیں محفوظ ہیں یا ان کا کچھ حصّہ محفوظ ہے جب ہم ان کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ان میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کی بشارات موجود ہیں۔ حضرت زرتشت نے بھی آپؐ کی بشارت دی۔ ہندوؤں کی کتب میں بھی یہ بشارت پائی جاتی ہے اور بعض جگہ تو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ایک فرزندِ جلیل یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بھی بشارت دی ہے۔

تو قرآن کریم کا چودہ سوسال پہلے یہ دعویٰ کہ وہ مُصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ہے۔ یعنی پہلی پیشگوئیوں کے مطابق دنیا کی طرف بھیجا گیا ہے۔ خود ایک عظیم صداقت اور اس کی حقانیت پر ایک زبردست دلیل ہے۔ کیونکہ نزولِ قرآن کے وقت بہت سی کتبِ سماوی ایسی تھیں جن کے متعلق کسی کو کچھ بھی پتہ نہ تھا۔ لیکن اب وہ باتیں ظاہر ہو رہی ہیں اور چونکہ اب اشاعتِ کتب کی

بہت سی سہولتیں ہوگئی ہیں اس لئے بہت سی چھپی ہوئی اور نامعلوم باتیں ہمارے سامنے آرہی ہیں اور ہر نئی بات جو ہمارے سامنے آتی ہے وہ قرآن کریم کی ہی تصدیق کررہی ہوتی ہے کہ قرآن کریم کا بھیجنے والا یقیناً اَصۡدَقُ الصّٰدِقِیۡن ہے۔ جو بات وہ کہتا ہے سچّی ہوتی ہے۔ اس کے متعلق کسی کو کبھی بھی شبہ کرنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ علم تو بڑھ رہا ہے، اگر کبھی آئندہ کوئی شریعت (جو اس وقت انسان کے سامنے نہیں) انسان کے سامنے آجائے تو یقیناً اس میں بھی ہم پائیں گے کہ ایک عظیم الشان نبی آنے والا ہے۔

پس فرمایا کہ یہ کتاب جامع ہے تمام برکات کی۔ اس لئے کہ یہ مُصَدِّقُ الَّذِیۡ بَیۡنَ یَدَیۡهِ ہے۔ پہلی تمام صداقتوں کی تصدیق کرتی ہے اور پہلی پیشگوئیوں کے مطابق اس کا نزول ہوا ہے۔ ہر نبی کو یہ فکر تھی کہ جو عظیم الشان نبی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آنے والا ہے کہیں اس کی امّت غلطی سے اس کا انکار کر کے خدا تعالیٰ کے غضب اور قہر کا مورد نہ بن جائے اور ان سب انبیاء کو اس چیز سے دلچسپی تھی۔ کیونکہ یہ کتاب (قرآن) ہر قوم کے لئے تھی اس لئے وہ ان سب قوموں کا مشترکہ روحانی مائدہ تھا اور ان سب نبیوں کی قوم نے اس سے فیوض حاصل کرنے تھے اس لئے ان سب کو فکر تھی کہ کہیں ان کی قوم اس ابدی آتشی شریعت سے محروم نہ ہوجائے اور موردِ غضبِ الٰہی نہ بن جائے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لِتُنۡذِرَ اُمَّ الۡقُرٰی وَ مَنۡ حَوۡلَهَا یعنی تیرے اوپر یہ فضل اس لیے کیا گیا ہے اور یہ کتاب مبارک اس لیے اُتاری گئی ہے کہ تا تُو نہ صرف مکّہ اور اہلِ عرب بلکہ وَ مَنۡ حَوۡلَهَا تمام ان آبادیوں میں رہنے والی اقوام کو ڈرائے جو عرب کے چاروں طرف پھیلی ہوئی تھیں۔

بشارت اور انذار دونوں ہی پہلو بہ پہلو چلتے ہیں کبھی اللہ تعالیٰ ان دونوں چیزوں کو کھول کر بیان کردیتا ہے اور کبھی ایک کو بیان کردیتا ہے اور دوسری انڈرسٹڈ (Under Stood) ہوتی ہے۔ یعنی سمجھا جاتا ہے کہ یہ بھی یہاں مذکور ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرمایا کہ یہ کتاب جو مبارک بھی ہے اور مصدّق بھی ہے اس لئے تجھ پر نازل کی گئی ہے کہ تو تمام اقوامِ عالم کو خدائے واحد و یگانہ

اور قادر وتوانا کی طرف پکارے اور ان کو دعوت دے کہ اس پاک صحیفہ کو تسلیم کرو جس کے متعلق پیشگوئیاں تمہاری کتاب میں بھی کی گئی تھیں اور اس پر ایمان لاؤ تا کہ تم تمام اُن برکات سے حصّہ لو جو اس کی اتباع کے نتیجہ میں تمہیں مل سکتی ہیں لیکن اپنی کتب کی پوری اتباع کے باوجود تمہیں نہیں مل سکتیں۔

اُمُّ الْقُرٰی سے میں نے عرب مراد لی ہے اس لئے کہ ہمارے عام محاورہ میں بھی جب کبھی ملک کے دارالخلافہ کا نام لیتے ہیں تو اس سے مراد وہاں کی قوم، وہاں کی حکومت اور وہاں کے رہنے والے شہری ہوتے ہیں۔ لغوی معنی بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ کیونکہ مفرداتِ راغب میں لکھا ہے کہ مکّہ کو اُمُّ الْقُرٰی اس لئے کہتے ہیں کہ بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو زمین کو بچھایا تو اس کا مرکزی نقطۂ مکّہ تھا اور زمین کا وجود اس نقطۂ مرکزی کے گرد ظہور پذیر ہوا۔ ہمیں لفظی بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں، مجازی طور پر ہم اس کے بڑے اچھے اور صحیح معنی بھی کر سکتے ہیں اور وہی ہمیں کرنے چاہئیں بہر حال یہ تخیل پہلے سے موجود تھا کہ مکّہ دنیا کے لیے ایک مرکزی نقطہ ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اُمُّ الْقُرٰی کے لفظ سے اللہ تعالیٰ ہمیں یہ بتانا چاہتا ہے کہ ہم نے مکّہ کو دنیا کے لئے مرکزی نقطہ بنا دیا ہے اس لیے کہ اُمّ کے معنی میں وہ چیز جو دوسری چیز کے لئے بطور اصل کے ہو، اس کے وجود، اس کی ابتداء، اس کی تربیت اور اس کی اصلاح کے لئے۔

تو فرمایا کہ اُمُّ الْقُرٰی یعنی مکّہ کو دنیا کی اصلاح اور تربیت کے لئے ہم مرکزی نقطہ بنا رہے ہیں۔ اس لئے اے رسولؐ! اُٹھ اور ان لوگوں کو تیار کر تا کہ وہ دنیا میں پھیلیں اور خدائے واحد کی تبلیغ کریں اور اس کے نام کا جھنڈا بلند کریں اور قرآن کریم کے نور سے دنیا کو منور کرنے کی کوشش کریں۔ لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی پہلے عرب کو تیار کرو اور وہاں استاد پیدا کرو۔ وَمَنْ حَوْلَهَا پھر یہ باہر نکلیں گے اور ایک دنیا کے معلّم اور راہبر بنیں گے۔

تاریخ کے ورق اُلٹتے چلے جائیں امّتِ مسلمہ کی تاریخ لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی وَمَنْ حَوْلَهَا ہی کی کھلی تفسیر ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ هُمْ عَلٰى

صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ۔ کہ اگرچہ تمام انبیاء سابقین اور کتبِ سابقہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کے نزول کی پیشگوئی کی ہے لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ تمام اقوامِ عالَم آسانی کے ساتھ قرآن کریم پر ایمان بھی لے آئیں گی۔ کیونکہ ان اقوام میں سے وہی لوگ ایمان لائیں گے۔ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ جو ان موعودہ پیشگوئیوں پر پختہ ایمان رکھتے ہیں اور پختہ ایمان اس شخص کا ہوتا ہے جو (اوّل) ان پیشگوئیوں کو بھول نہیں جاتا۔ دیکھو ہماری اُمّتِ مسلمہ کو بھی بہت سی پیشگوئیاں سنائی گئیں لیکن ہم میں سے کتنے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان پیشگوئیوں کو یاد رکھتے ہیں؟ اور کتنے ہیں جن کے ذہنوں میں وہ پیشگوئیاں مستحضر رہتی ہیں؟ بہت ہی کم ہیں!!! فرمایا وہ لوگ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ان پیشگوئیوں پر پختہ ایمان رکھتے ہیں یعنی انہیں بھولے ہوئے نہیں۔

(دوم) وہ ان پیشگوئیوں کو سچی پیشگوئیاں سمجھتے ہیں اور ان پر ایمان لاتے ہیں ان کو جھوٹا نہیں قرار دیتے جیسے کہ آج کل بعض لوگ جب تنگ آجاتے ہیں اور ان سے کوئی جواب نہیں بن آتا تو کہہ دیتے ہیں کہ مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق جتنی پیشگوئیاں حدیث وغیرہ میں ہیں وہ سب جھوٹی ہیں۔ ایسی کوئی پیشگوئی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کی۔ جس شخص کا ایسا خیال ہو وہ پیشگوئی سے فائدہ بھی نہیں اُٹھا سکتا۔

(سوم) ان کی غلط تاویلیں نہیں کرتے۔ یہ بھی پختہ ایمان کا طبعی اور لازمی نتیجہ ہے بعض لوگ غلط تاویلیں کرنی شروع کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے وہ برکات سے محروم ہو جاتے ہیں۔

پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ ان پیش خبریوں کو جو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کے متعلق پچھلی تمام کتبِ سماویہ نے دی تھیں۔ بھلائے ہوئے نہیں۔ بلکہ ان کو اپنے ذہنوں میں مستحضر رکھتے ہیں۔ ان کی غلط تاویلیں نہیں کرتے، ان کو پختہ یقین ہے کہ یہ خدا کی بات ہے اور ضرور پوری ہو کر رہے گی اور اس کے ساتھ ہی وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ وہ اپنی شریعت کے مطابق جو ہم نے ان پر نازل کی دعا اور عبادت میں لگے ہوئے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ کسی نیکی اور ثواب کا حصول خدا تعالیٰ کے فضل کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے۔ اس لئے ہر وقت دعا میں لگے ہوئے

ہیں عبادت کر رہے ہیں اور اپنی شریعت کو حتی المقدور قائم کئے ہوئے ہیں۔ یہی لوگ ہیں يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ جو قرآن کریم پر ایمان لانے کی توفیق پائیں گے۔

جو شخص قرآن کریم پر ایمان نہیں لاتا خدا تعالیٰ اسے مورِدِ الزام ٹھہراتا ہے۔ کہ تم وہ لوگ ہو جو خود اپنی شریعت کے مطابق نہ دعا کرتے ہو اور نہ ہی عبادت کرتے ہو اور نہ ہی شریعت کے دوسرے احکام بجالاتے ہو اور نہ ہی اپنی شریعت کی حفاظت کرتے ہو۔ بلکہ جو پیشگوئیاں اور بشارتیں تمہیں ملی تھیں تم ان کا انکار کر رہے ہو۔ یا ان کی غلط تاویلیں کر رہے ہو، تو تم خدا تعالیٰ کے فضل کو کیسے کھینچ سکتے ہو؟ تم نے اس شریعت کی قدر نہیں کی جو تم پر نازل کی گئی تو تم اس شریعت پر کیسے ایمان لا سکتے ہو جو تمہاری قوم سے باہر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی یا تمہاری قوم میں سے ایک ایسے شخص پر نازل کی گئی جو تمہارے خیال میں خدا کے نزدیک اس قدر کے قابل نہ تھا۔ جو قدر اس کی کی گئی۔ اور تمہارے خیال میں یہ کتاب اس شخص پر نازل ہونی چاہیے تھی جس کے متعلق تم فیصلہ دیتے کہ وہ قوم میں بڑا دیانتدار اور ہر لحاظ سے اس قابل تھا کہ خدا کا کلام اس پر نازل ہوتا۔

تو تمام اقوامِ عالم پر الزام دھرتے ہوئے فرمایا کہ تمہارا قرآن کریم سے انکار کرنا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ قرآن کریم میں کوئی نقص ہے یا قرآن کریم ان خوبیوں کا مجموعہ نہیں جن خوبیوں کا مجموعہ خدا تعالیٰ اسے قرار دیتا ہے یا وہ مصدق نہیں اور تمہاری کتب کی پیشگوئیوں کے مطابق نہیں آیا۔ نہیں! بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ جو شریعت تم پر نازل کی گئی تھی تم خود اس کے پابند نہیں تھے اور نہ اس پر عمل کرتے تھے۔

نہ دعا کرو، نہ عبادتیں بجالاؤ، نہ شریعت کے دوسرے احکام پر عمل کرو، نہ ان پیشگوئیوں کو سچا سمجھو جو اللہ تعالیٰ نے خود تمہاری مسلّمہ کتابوں میں نازل فرمائی ہیں۔ تو تم کیسے برکاتِ قرآنی سے فائدہ حاصل کر سکتے ہو۔

پس فرمایا کہ اگرچہ یہ (قرآن) مُبٰرَكٌ اور مُصَدِّقٌ ہے لیکن اس پر ایمان وہی لائے گا جو اپنی کتاب کی پیشگوئیوں پر پختہ ایمان رکھتا ہو اور اپنی شریعت کو قائم کرنے والا ہو، دعا کرنے والا

اور عبادت گزار ہو اور جو ان تقویٰ کی راہوں پر چلنے والا ہو جو اس کے لئے کھولی گئی تھیں۔ مگر اگر وہ اپنے زمانہ کی ذمہ داریاں نہیں نبھا سکا تو وہ ذمہ داریاں جو سارے زمانوں سے تعلق رکھتی ہیں وہ کیسے نبھا سکے گا؟ ''سارے زمانہ کی ذمہ داریاں'' اس لئے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر زمانہ اور ہر قوم کے لئے ہیں۔ پس وہ شخص جو اپنی قوم کی ذمہ داریاں نہیں نبھا سکا تو وہ ذمہ داریاں جو ساری اقوام کی ہیں وہ کیسے نبھا سکے گا؟ اس لئے وہ قرآن کریم کی برکات سے محروم رہ جائے گا۔

اس میں اُمّتِ مسلمہ کو اس طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ وہ پیشگوئیاں جو قرآن کریم یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال میں پائی جاتی ہیں، بشارتوں کے رنگ میں ہوں یا انذار کے رنگ میں۔ ان سب کو ماننا ضروری ہے۔ فرمایا کہ اگر تم لوگ ان پر پختہ یقین نہیں رکھو گے۔ انہیں بھول جاؤ گے، ان کی تاویلیں کرنے لگ جاؤ گے کہو گے کہ یہ تو احادیث میں غیر ثقہ لوگوں نے ملا دی ہیں اور جب وہ واقع ہو جائیں گی تب بھی تمہیں سمجھ نہ آئے گی کہ غیر ثقہ لوگوں نے زمین و آسمان کی تاریں کیسے ملا دیں اور ان کا وقوعہ کیسے ہو گیا تو یقیناً تم بھی قرآنی برکات سے محروم رہو گے۔ پھر اگر تم قرآن کریم کی بیان کردہ عبادت بجا نہ لاؤ گے۔ قرآن کریم کے طریق کے مطابق دعاؤں میں مشغول نہیں رہو گے، قرآن کریم کی شریعت کو اپنا لائحہ عمل اور دستور قرار نہیں دو گے تو تم کبھی ان برکات سے فائدہ حاصل نہیں کر سکو گے۔ جن برکات کا تعلق ان لوگوں سے ہے۔ جو پختہ ایمان رکھتے ہیں، دعا کرنیوالے ہیں عبادت میں مشغول رہنے والے ہیں اور جو شریعت کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالنے والے ہیں پس اگر تم کتاب مبارک اور احکامِ شریعت کو ٹھکرا دو گے اور پیٹھوں کے پیچھے پھینک دو گے تو باوجود اس کے کہ تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہونے والے ہو گے۔ خدا کے غضب اور قہر کے مورد بن جاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس بات کی توفیق بخشے کہ ہم قرآن کریم کی (جو تمام برکات کا جامع ہے) ساری کی ساری برکات سے فیض پانے والے ہوں اور یہ محض اس کے فضل سے ہی ہو گا نہ کہ ہماری کسی خوبی کے نتیجہ میں اور اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ جہاں ہم نے محض اس کی توفیق سے مسیح موعود علیہ السلام کو پہچانا ہے قرآن کریم اور احادیثِ نبویہ کی دیگر پیشگوئیوں کو بھی ہم اور ہماری

نسلیں پہچان سکیں اور ان کی معرفت حاصل کر سکیں اور ان پر ایمان لا سکیں تا کہ نہ ہم اور نہ ہماری نسلوں میں سے کوئی نسل ان برکات سے محروم رہے جن برکات کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانعام کی اس آیۃ میں کیا ہے۔ اَللّٰھُمَّ اٰمِیْن

(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۱؍ستمبر ۱۹۶۶ء صفحہ ۲ تا ۵)

جو شخص رسوم و بدعات کو نہیں چھوڑتا اُس کا ایمان کبھی پختہ نہیں ہو سکتا

خطبہ جمعہ فرمودہ ۹؍ستمبر ۱۹۶۶ء بمقام ۔مری

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور پر نور نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۫ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۔(الاعراف:۱۵۸)

پھر فرمایا:۔

اس آیت میں جو مضمون بیان ہوا ہے میں اس کے ایک حصہ کے متعلق دوستوں سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ یہ مضمون يَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ سے شروع ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل بہت سے مستقل سلسلہ ہائے شرائع قائم کئے گئے تھے۔ بہت سی قومیں اس وقت ایسی تھیں جن کا رشتہ اپنی شریعت سے ابھی ٹوٹا نہ تھا۔ وہ اپنی حالت اور اپنی سمجھ کے مطابق ان شرائع کی پیروی کرنے کی کوشش کرتی تھیں۔ لیکن بہت سی اقوام ایسی بھی تھیں کہ جن کا رشتہ اپنی شریعت سے ٹوٹ چکا تھا اور اس وقت وہ عملاً اہل کتاب نہیں تھے بلکہ انہوں نے اپنی ناقص عقل

سے بہت سی رسوم جاری کر رکھی تھیں اور بہت سی بدعتوں میں مبتلا ہو چکے تھے۔ یہی ان کا مذہب تھا یہی ان کی شریعت تھی۔ ایسی شریعت جس کا کوئی رشتہ آسمان سے قائم نہ تھا لیکن جو ان کے جاہل دلوں کو تسلی دے دیا کرتا تھا۔

تو اس آیت کے پہلے حصہ یَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ کا تعلق ان اقوام سے ہے۔ جن کا رشتہ اپنی شریعت سے منقطع نہیں تھا اور ہر نبی نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل اپنی اپنی اُمت سے اللہ تعالیٰ کے نام پر عہدِ بیعت لیا اور وہ ایک پختہ عہد پر قائم تھے۔ وہ میثاق اور عہد یہ تھا کہ وہ قومیں اپنی اپنی شریعت کو اپنے اندر قائم کریں گی اور ان میں سے ہر ایک شخص اس پر خود بھی عمل کرے گا اور دوسروں سے بھی عمل کرانے کی کوشش کرے گا۔ اگرچہ ان کی شریعت بہت حد تک محرف و مبدل ہو چکی تھی اور بہت سی بدعتیں اور رسوم انہوں نے اپنی شریعت میں ملا دی تھیں۔ لیکن ان میں سے ایک جماعت سمجھتی یہی تھی کہ وہ خدا کی شریعت ہے۔ اور ہم نے اپنے رب سے یہ عہد کیا ہے کہ ہم اس شریعت پر قائم رہیں گے اور اسے قائم کرنے کی کوشش کریں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ آل عمران میں فرمایا ہے۔

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَ لَا تَكْتُمُوْنَهٗ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَ اشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ۔ (اٰل عمران: ۱۸۸)

یعنی اس وقت کو یاد کرو کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جنہیں کتاب دی گئی عہد لیا تھا کہ تم ضرور اپنی قوم کے لوگوں کے پاس اس کتاب کو ظاہر کرو گے (اپنے قول سے بھی اور اپنے عمل سے بھی) اور اس کی تعلیم کو وضاحت کے ساتھ اور کھول کھول کر بیان کرو گے اور عوام سے اس کو چھپاؤ گے نہیں بلکہ اس کی تعلیم کو عام کرو گے تا علیٰ وجہ البصیرۃ اور حق الیقین کے ساتھ وہ اس پر ایمان لانے والے اور اس پر عمل کرنے والے ہوں مگر باوجود اس کے انہوں نے اسے اپنی پیٹھوں کے پیچھے پھینک دیا اور اسے چھوڑ کر تھوڑی سی قیمت (جو دنیوی مال و متاع ہیں) لے لی اور اُخروی نعمتوں کو دنیوی لذات پر قربان کر دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو وہ لیتے ہیں بہت ہی بُرا ہے۔

یہ وہ عہد ہے جو ہر نبی کی اُمت اپنے رب سے کرتی رہی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو قومیں اہلِ کتاب میں شمار ہوتی تھیں یا ہوسکتی تھیں وہ اقوام اظہار بھی کرتی تھیں کہ ہم خدا کی نازل کردہ ایک شریعت پر قائم ہیں اور ہم نے اپنے رب سے یہ عہد کیا ہے کہ آئندہ بھی اس پر قائم رہیں گے بلکہ اس شریعت کو قائم کریں گے اور بنی اسرائیل کا بھی اپنے رب سے یہ عہد تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جو شریعت تورات کی شکل میں موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمائی ہے۔ وہ اس پر عمل کریں گے اور اس پر قائم رہیں گے۔

تو اگرچہ یہ شریعتیں ایک حد تک محرف و مبدل ہو چکی تھیں اور انسانی ہاتھوں نے بہت سی بدعتیں ان میں شامل کر دی تھیں۔ لیکن ان کے پیرو بہر حال انہیں روحانی صداقتیں اور روحانی حقائق بتلاتے تھے اور کہتے تھے کہ اپنے ربّ سے جو پختہ عہد انہوں نے باندھا ہے اس پر قائم رہنا ان کے لئے ضروری ہے۔ چونکہ اس وقت دنیا کی یہ حالت تھی اور ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام دنیا کے لئے، تمام جہانوں کے لئے اور تمام زمانوں کے لئے مبعوث فرمایا تھا۔ اس لئے ضروری تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ یہ اعلان کیا جاتا کہ اللہ تعالیٰ نے سب پہلی شریعتوں کو منسوخ کر دیا ہے اور پہلی قوموں نے اپنے اپنے رسول کے ذریعہ جو عہد اپنے اللہ سے باندھا تھا ان کا رب اس عہد کو ساقط کرتا اور ان اُمتوں کو اس عہد سے آزاد کرتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر نیا عہد باندھنے کی تلقین کرتا ہے۔

پس اس چھوٹے سے فقرہ (وَ يَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ) میں اعلان کیا گیا ہے کہ پہلی شریعتیں منسوخ اور پہلے عہد جو تھے وہ سب ساقط ہو گئے ہیں۔ کیونکہ اِصْرٌ کے ایک معنی اس پختہ اور تاکیدی عہد کے ہیں جو عہد شکن کو عہد شکنی کی وجہ سے نیکیوں اور ان کے ثواب سے محروم کر دیتا ہے۔

چونکہ نیکیوں کی تعلیم آسمان سے آتی ہے اور ثواب اور اجر کا دینا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اس لئے اس عہد سے مراد عہدِ بیعت ہی ہوسکتا ہے جو خدا تعالیٰ سے کیا جاتا ہے۔

پس فرمایا کہ ہمارا یہ رسول، نبی اُمی دنیا میں اعلان کرتا ہے کہ قرآن کریم کے اس حکم کے

ماتحت کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے سارے قدیم عہد ساقط کر دئے ہیں اور ان کی پابندی تم سے اٹھا لی ہے۔ اب اس نبی اُمّی خاتم النبیّین کے ہاتھ پر اپنے ربّ سے نئے عہد باندھو، تا اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت کے پہلے سے زیادہ وارث بن سکو۔ یہ ایک معنی ہیں یَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ کے!!

پھر فرمایا وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْهِمْ بہت سی قومیں ایسی بھی تھیں جن کا رشتہ اپنی شریعتوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے کہیں پہلے ٹوٹ چکا تھا اور شریعت کی بجائے من گھڑت بدرسوم اور بدعاتِ شنیعہ میں وہ جکڑی ہوئی تھیں اور یہی ان کا مذہب تھا۔ خود ساختہ قیود اور پابندیاں ان کو نیکیوں سے محروم کر رہی تھیں اور ان کی تباہی کا باعث بن رہی تھیں اور انہیں ان کے رب سے دور کر رہی تھیں۔ تو فرمایا وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْهِمْ اللہ تعالیٰ کے اس رسولؐ نبی اُمّی نے ان تمام رسوم اور بدعات کو یکسر مٹا دیا ہے۔ اگر تم قربِ الٰہی چاہتے ہو تو رسوم اور بدعات کی بجائے قرآنی راہ ہدایت اور صراطِ مستقیم تمہیں اختیار کرنا پڑے گا۔ جب تک رسوم و بدعات کے دروازے تم اپنے پر بند نہیں کر لیتے اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے دروازے تم پر کھل نہیں سکتے۔

اس کے بعد فرمایا فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ یعنے اب وہی لوگ قربِ الٰہی اور فلاح دارین حاصل کر سکتے ہیں جو قرآن مجید پر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے ہیں اور دل سے اس نبی کو اور اس پر نازل ہونے والی شریعت کو حق، نور اور راہِ نجات یقین کرتے ہیں اور جرأت اور دلیری کے ساتھ اس دلی یقین کا زبان سے اقرار کرتے ہیں اور برملا اس کا اظہار کرتے اور اس ہدایت کی اشاعت میں کوشاں رہتے ہیں اور اپنے اعضاء اور جوارح اور اپنے قول اور فعل اور عمل سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ ان کے ایمان کا دعویٰ حقیقتاً سچا ہے تو فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ میں تین باتیں بیان ہوئی ہیں۔ (۱) اوّل دل سے یقین کرنا۔ کوئی کھوٹ نہ ہو کوئی کمزوری نہ ہو۔ (۲) پھر زبان سے یہ اقرار کرنا کہ ہمارے دل اس صداقت کو مان چکے ہیں۔ اظہار کے مفہوم میں ہی یہ بات پائی جاتی ہے کہ پختہ ایمان والا شخص تبلیغِ اسلام میں ہر وقت کوشاں رہتا ہے۔ دلی ایمان کا تقاضا ہے کہ وہ جرأت اور دلیری کے ساتھ اپنے ایمان کا اظہار کرے اور لوگوں کو بتائے کہ جس شریعت پر میں

ایمان لایا ہوں۔جس خدا کی کتاب کو میں نے مانا ہے اس میں یہ یہ خوبیاں ہیں اور اللہ تعالیٰ کے قرب کے دروازے وہ اس اس طرح ہم پر کھولتی ہے اور اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہمیں حاصل ہوتی ہیں۔غرض وہ زبان سے تبلیغ اور اشاعت اسلام کرنے والا ہو۔(۳) پھر اس کا محض زبانی دعویٰ نہ ہو بلکہ اس کی ساری زندگی اسلام کا ایک نمونہ ہو اور وہ اپنے عمل سے یہ ثابت کر رہا ہو کہ جو دعویٰ اس نے زبان سے کیا ہے اس میں کوئی فریب نہیں۔

تو فرمایا کہ وہ لوگ جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس قسم کا ایمان لاتے ہیں وہی اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں فلاحِ دارین کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔

پھر فرمایا وَعَزَّرُوْهُ ۔ عَزَّرَ کے معنی ہیں فَخَّمَهٗ وَ عَظَّمَهٗ [۲۴] اور مفردات میں تَعْزِيْرٌ کے معنی یہ لکھے ہیں۔

''اَلنُّصْرَةُ مَعَ التَّعْظِيْمِ نُصْرَةٌ بِقَمْعِ مَايَضُرُّهٗ مِنْهُ۔''

تو فرمایا کہ آسمانی نصرتوں کے دروازے صرف انہی پر کھولے جائیں گے جو اس نبی اُمی کی بزرگی اور عظمت اپنے دلوں میں قائم کریں گے اور اس کی عظمت اور جلال کے قیام کے لئے دشمن کے مکروں اور تدبیروں اور ظالمانہ حملوں کے مقابل صدق و صفا کے ساتھ سینہ سپر ہوں گے اور دشمن کے تمام منصوبوں کا اپنے ایثار اور فدائیت کے ساتھ قلع قمع کر کے اس نبی اُمی کی قوت کا باعث بنیں گے اور قیامِ شریعتِ حقّہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انصار بنیں گے۔

عَزَّرَ کے مفہوم میں تعظیم بھی شامل ہے اور عَزَّرَ کے معنی میں یہ مفہوم بھی پایا جاتا ہے کہ اس کی مضبوطی کا باعث بنا اس کے دشمنوں کا مقابلہ کر کے اور ان تمام ضرر رساں چیزوں کو راستہ سے ہٹا کر جن سے اس کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہو۔تو مدافعت کے لئے جو جہاد مسلمانوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ان دشمنانِ اسلام کے خلاف کیا۔جو اسلام کو مٹانے کے لئے تلوار لے کر اٹھے تھے وہ اس '' تعزیر '' کے اندر آتا ہے مطلب یہ کہ انہوں نے ہر قسم کی قربانی دے کر اس ضرر کو دنیا سے مٹانے کی کوشش کی۔

اب جماعت احمدیہ کے ذریعے جو لسانی اور قلمی جہاد قرآن کریم کی اشاعت و تبلیغ کے لئے

کیا جا رہا ہے یہ بھی ’’ تعزیر‘‘ کے معنی کے اندر آتا ہے۔ کیونکہ ہمارے نوجوان اپنی زندگیوں کو وقف کرتے ہیں، ہر قسم کی تکالیف جھیلتے ہیں۔ غیر معروف اور دور دراز علاقوں میں چلے جاتے ہیں اور بہت کم رقوم میں جو انہیں دی جاتی ہیں، گزارہ کرتے ہیں۔ وہ ہر قسم کی تکالیف اس لئے برداشت کرتے ہیں کہ عیسائیت کی جو یلغار اسلام کے خلاف جاری ہے اس کا مقابلہ کیا جائے۔ جب وہ ایسا کرتے ہیں تو ہمیں یقین ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مستحق ٹھہرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے بہت پیار کرتا ہے۔

پس ابتداء اسلام کے زمانہ میں جہاد بالسیف اور زمانہ حاضرہ میں جہاد بالقرآن دونوں ’’تعزیر ‘‘ کے اندر آتے ہیں کیونکہ تعزیر کے معنی میں یہ پایا جاتا ہے کہ کسی کی عظمت دل میں اتنی ہو کہ اس عظمت کی خاطر انسان اپنے نفس کو اور مال کو قربان کر رہا ہو، تا کہ ان منصوبوں کو جو اسے دکھ پہنچانے اور ضرر دینے کے لئے کئے جا رہے ہوں نا کام بنا دیا جائے۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَ نَصَرُوْهُ فلاحِ دارین کے مستحق وہ لوگ ہیں جو اس کی نصرت اور مدد میں کوشاں رہتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی ذاتی امداد کی ضرورت نہ تھی۔ نہ آپؐ کو اس کی خواہش تھی۔ آپؐ نے دیگر انبیاء کی طرح علی الاعلان کہا مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ کہ جو کام میرے سپرد کیا گیا ہے میں اس پر تم لوگوں سے کوئی اجر نہیں مانگتا۔

پس ہمیں یہاں نَصَرَ کے معنی وہ کرنے ہوں گے جس معنی میں یہ لفظ اس وقت استعمال ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ اس کا مفعول ہو۔ یعنی جب یہ کہا جائے کہ فلاں شخص نے اللہ تعالیٰ کی مدد کی (نَصَرَ اللهَ) اور لغت عرب میں اس نُصْرَة کا مطلب یہ ہے کہ هُوَ نُصْرَتُهٗ لِعِبَادِهٖ وَالْقِيَامُ بِحِفْظِ حُدُوْدِهٖ وَرِعَايَةِ عُهُوْدِهٖ وَاعْتِنَاقِ اَحْكَامِهٖ وَ اجْتِنَابِ نَهْيِهٖ [۲۵] تو نَصَرُوْهُ فرما کر یہ بیان فرمایا کہ قربِ الٰہی کے عطر سے وہی لوگ ممسوح کئے جائیں گے اور حیاتِ ابدی کے وہی وارث ہوں گے جو اخوتِ اسلامی کو قائم کرتے ہوئے بھائی بھائی کی طرح ایک دوسرے کے ممد و معاون ثابت ہوں گے اور شریعتِ حقہ نے جو حدود قائم کی ہیں اس کی بیان کردہ شرائط کے ساتھ

وہ لوگ چوکسی اور بیدار مغزی سے ان کی حفاظت کرنے والے ہوں گے اور وہ عہد جو انہوں نے اپنے ربّ سے اس نبیٔ اُمی کے ہاتھ پر باندھا ہے مقدور بھر اس کی پابندی کرنے والے ہوں اور جو اوامر اور احکام پر مضبوطی سے قائم رہیں گے اور ان نواہی سے بچیں گے جن سے بچنے کا خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ فرمایا کہ یہ لوگ ہیں جو اس کی نصرت کرتے ہیں۔ ان کا معاشرہ باہمی اخوت کے اصول پر قائم ہے۔ بھائی بھائی کی طرح رہتے ہیں۔ کسی کی بے جا مخالفت نہیں کرتے، کسی کو دکھ نہیں دیتے، کسی کو حقارت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے، کسی کے خلاف زبان نہیں چلاتے وغیرہ وغیرہ بہت سی حدود ہیں جو شریعتِ اسلامیہ میں قرآن کریم نے بیان کی ہیں۔ بعض جگہ لفظاً کہہ دیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں ان سے تجاوز نہ کرنا اور بعض جگہ معناً ان حدود کی طرف اشارہ کر دیا۔

تو نَصَرُوْہُ کے ایک معنی یہ ہیں کہ وہ لوگ قرآن کریم کی بتائی ہوئی حدود کی حفاظت کرتے ہیں۔ ان سے تجاوز نہیں کرتے۔

ایک اور معنی نَصَرُوْہُ کے یہ ہیں کہ اُمّتِ مسلمہ جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اپنے رب سے عہد باندھا ہے اس میں سے وہی لوگ خدا کی نگاہ میں ’’مفلح‘‘ کہلانے کے مستحق ہوں گے جو اپنے عہد کی رعایت اور پابندی کرنے والے ہوں گے۔ نیز وہ جو قرآن کریم کے احکام یعنی ’’کرنے کی باتوں‘‘ کا جو سینکڑوں ہیں اور ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھتے ہیں جؤا اپنی گردنوں میں ڈالنے والے ہیں اور نواہی جن کے متعلق کہا گیا ہے کہ ان باتوں کو نہ کرو ان باتوں سے وہ اجتناب کرتے ہیں۔

فرمایا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ یہی لوگ فلاحِ دارین کے حق دار ہیں۔

پھر فرمایا وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗ کہ اس نبی اُمی کے ساتھ آسمان سے ایک نور بھی نازل ہوا ہے۔ اس کے ہر قول میں آسمانی روشنی جھلکتی نظر آتی ہے اور اس کے ہر فعل میں اللہ کا نور جلوہ گر نظر آتا ہے۔

اِتَّبَعَ کے معنی ہیں قَفَا اَثَرَہٗ اور اَثَر کے معنی سنت کے ہیں۔ تو اِتَّبَعُوْا کے معنی ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک نورانی وجود بنا کر دنیا میں بھیجا تھا مگر یہ اس قسم کا نورانی وجود

نہیں جیسا کہ بعض لوگوں کے نزدیک فرض کیا گیا ہے۔ بلکہ (اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ) (الکہف:۱۱۱) ہماری طرح کا ایک بشر ہونے کے باوجود بے حد اور بے شمار انوار روحانی آپؐ کے ساتھ اور آپؐ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائے۔

تو اس آیت میں فرمایا کہ یہ رسول نور ہے اس کا ہر فعل نور اور اس کا ہر قول نور ہے۔ تم اس کی اتباع کرو گے تو اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ کے مطابق تم مُفْلِحِيْن میں شامل ہو جاؤ گے۔

پس فرمایا کہ جو لوگ اس کی اتباع کرتے ہیں اور اس کے اسوۂ حسنہ کے رنگ میں رنگین ہو کر زندگی گزارتے ہیں۔ اس زندگی میں بھی خدا تعالیٰ کا نور ان کے چہروں پر چمکتا ہے اور اُخروی زندگی میں بھی ان کا یہ نور (نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ بِاَيْمَانِهِمْ) (التحریم:۹) ان کے آگے بھی چل رہا ہوگا اور ان کے دائیں بھی چل رہا ہوگا۔ یہ علامت ہوگی اس بات کی کہ یہ خدا تعالیٰ کے ان نیک اور پاک بندوں کا گروہ ہے جو سنّتِ محمدیہ کی اتباع کرنے والے ہیں۔

غرض فرمایا کہ وہ لوگ جن کا ایمان پختہ ہے۔ جن کا ایثار اور جن کی فدائیت اعلیٰ ہے اور جنہوں نے احسن طور پر اپنے نفسوں کی اصلاح کی ہے اور دنیا کے سامنے اپنا پاک نمونہ پیش کیا ہے اور اسوۂ رسول کی کامل اتباع کی ہے اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ یہی لوگ ہیں جو خدا تعالیٰ کی نگاہ میں اور اس کے حضور فلاح پانے والے ہیں۔

فلاح کا لفظ عربی زبان میں اس قسم کی انتہائی اعلیٰ اور احسن کامیابی پر بولا جاتا ہے کہ اس کے مقابلہ میں اس مفہوم کو ادا کرنے کے لئے کوئی اور لفظ عربی لغت میں نہیں پایا جاتا۔ اس کے معنی دنیوی اور اُخروی کامیابی کے ہیں۔

دنیوی کامیابی اس معنی میں کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے صحت والی زندگی دی ہے۔ اتنا مال اور قناعت دی ہے کہ سوائے اپنے رب کی احتیاج کے اس کو کسی اور چیز کی احتیاج محسوس نہ ہو اور عزت وجاہ عطا کیا ہے۔ تو جس شخص کو یہ تینوں چیزیں مل جائیں اس کے متعلق کہتے ہیں کہ اس کو فلاح مل گئی اور اُخروی کامیابی اس معنی میں کہ

اوّل ایسے شخص کو ایسی دائمی بقا اور دائمی حیات حاصل ہو جو فی الواقع اور فی الحقیقت حیات

ہے۔ کیونکہ جو لوگ جہنم میں جائیں گے بظاہر وہ بھی زندہ ہوں گے لیکن ان کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ نہ زندہ ہوں گے اور نہ مردہ لیکن حقیقی اور دائمی حیات وہ ہے جس کے اندر فنا، کمزوری یا بیماری کا کوئی خطرہ باقی نہ رہے۔

دوم۔ جو چاہے اسے ملے۔ اللہ تعالیٰ جنتیوں کے متعلق یہی کہتا ہے کہ جو وہ چاہیں گے ان کو مل جائے گا۔ خدا کے نزدیک یہ بڑے پیار کا مقام ہے کہ ان کی کوئی خواہش ردّ نہ کی جائے گی۔ یا یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ان کے دل میں کوئی ایسی خواہش پیدا نہ ہوگی جو خدا کی نگاہ میں رد کئے جانے کے قابل ہو۔ نیک خواہشیں ہی ان کے دل میں پیدا ہوں گی اور انہیں پورا کر دیا جائے گا۔

سوم۔ اسے اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں اور اس معاشرہ میں جس کا تعلق اُخروی زندگی کے ساتھ ہے۔ (اور ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ کیسا ہے) اور جس قسم کے اجتماعی تعلقات ہوں گے اس میں اسے پوری اور حقیقی عزت حاصل ہوگی اور یہ خطرہ نہ ہوگا کہ اسے کبھی ذلیل بھی کر دیا جائے گا۔

اور چہارم یہ کہ معرفت میں اسے کمال حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کی کامل معرفت اور ان کا کامل عرفان اس دنیا میں مادی بندھنوں میں بندھے ہونے کی وجہ سے ہم حاصل نہیں کر سکتے۔ اس دنیا میں ہمارے لئے جن صفات کے جلوے ظاہر ہوتے ہیں وہ ہمارے لئے اپنے کمال کو نہیں پہنچتے۔ اگر کسی فردِ واحد کے لئے خدا تعالیٰ کی صفات کا جلوہ اپنے کمال کو پہنچا تو وہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تھی۔ اس جلوہ کو دیکھنے کے لئے ایک وقت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی بے تاب رہے۔ مگر وہ، وہ جلوہ دیکھنے میں کامیاب نہیں ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک وجود کے علاوہ خدائی صفات کا کامل جلوہ کسی اور انسان پر نہیں ہو سکتا اور نہ ہوا۔

جب یہ چاروں باتیں کسی انسان کو حاصل ہوں تو عربی زبان میں کہتے ہیں کہ وہ مفلح (کامیاب) ہو گیا۔ پس لفظ فلاح بہت بڑی، بہت شاندار، بہت ارفع، بہت اعلیٰ کامیابی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

تو فرماتا ہے کہ جو لوگ حقیقی طور پر اور صحیح معنی میں ایمان لاتے ہیں، جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تقویت پہنچانے کے لئے ہر قسم کی قربانی کرتے ہیں۔ ایثار اور فدائیت کا نمونہ دکھاتے

ہیں اور جو لوگ قرآنی احکام کے مطابق اپنی زندگیوں کو اس طرح ڈھالتے ہیں کہ واقع میں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی فرزند بن جاتے ہیں اور جو لوگ سنت اللہ کو قائم کر کے اللہ تعالیٰ کے اس نور سے دنیا کو منور کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو نبیؐ کریم کے وجود کے ساتھ آسمان سے نازل ہوا۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ یہ لوگ ہیں جو دنیا میں بھی فلاح پانے والے ہیں اور آخرت میں بھی فلاح پانے والے ہیں۔

پس بدرسوم اور ایمان کامل اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ اس وقت مجھے اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ اسلام کی اشاعت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور جلال کو دنیا میں قائم کرنے کے لئے جس قسم کی قربانی اور جس حد تک قربانی دینا ضروری ہے۔ جو شخص رسوم کے بندھنوں میں بندھا ہوا ہے وہ اس حد تک قربانی نہیں دے سکتا۔

بعض لوگ ہماری جماعت میں بھی ہیں جو مثلاً اپنی لڑکی کی شادی کرتے وقت خدا تعالیٰ کے بتائے ہوئے سادہ طریق کو چھوڑ کر اپنی خاندانی رسوم کے مطابق اسراف کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ اس کے نتیجہ میں وہ مقروض ہو جاتے ہیں۔ پھر مجھے لکھتے ہیں کہ میں بہت مقروض ہو گیا ہوں۔ مہربانی کر کے میرے چندہ کی شرح کم کر دی جائے کیونکہ اب میں مجبوراً ۱/۱۶ کی بجائے ۱/۳۲ یا ۱/۵۰ یا ۱/۶۴ ادا کر سکتا ہوں اس سے زیادہ نہیں۔ حالانکہ خدا تعالیٰ نے انہیں فرمایا تھا کہ تم رسوم کو چھوڑ دو اور بدعات کو ترک کر دو۔ مگر انہوں نے رسوم کو نہ چھوڑا۔ خدا تعالیٰ کی ناراضگی بھی مول لی اور قرض میں بھی مبتلا ہو گئے۔ تو فرماتا ہے کہ وہ لوگ اس گروہ میں شامل نہ ہو سکے۔ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَعَزَّرُوْهُ کہ وہ قربانیاں دے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرتا اور شریعتِ اسلام کے قیام کے لئے کوشاں رہتا ہے میں نظارت اصلاح وارشاد کو اس طرف متوجہ کرتا ہوں کہ جتنی رسوم اور بدعات ہمارے ملک کے مختلف علاقوں میں پائی جاتی ہیں ان کو اکٹھا کیا جائے اور اس کی نگرانی کی جائے کہ ہمارے احمدی بھائی ان تمام رسوم اور بدعات سے بچتے رہیں۔

اس وقت میں مختصراً بتا رہا ہوں کہ جو شخص رسوم اور بدعات کو نہیں چھوڑتا جس طرح اس کا ایمان پختہ نہیں اسی طرح وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد اور اسلام کی تقویت کے لئے وہ

قربانیاں بھی نہیں دے سکتا جن قربانیوں کا اسلام اس سے مطالبہ کرتا ہے۔

وَنَصَرُوْهُ میں نفس کا محاسبہ اور اس کی اصلاح اور اس کو کمال تک پہنچانے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ میں نے بتایا ہے۔ اس کے بہت سے معنی ہیں اور وہ مختلف شعبوں پر حاوی ہیں اور ہماری اصلاح کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔ کیونکہ تمام نواہی سے بچنا تمام احکام کی پیروی کرنا، اخوت کی بنیاد قائم کرنا وغیرہ بہت سی باتیں اس کے اندر آتی ہیں لیکن جو لوگ رسوم میں مبتلا ہوں، بدعتوں کو جائز سمجھتے ہوں، وہ دنیا میں اس قسم کا نمونہ پیش نہیں کر سکتے اور ان کے نفوس کی کامل اصلاح ممکن ہی نہیں، کیونکہ رسوم کی پابندی کے ساتھ ساتھ اسلام کی تعلیم کی پوری پابندی اور اس کی بیان فرمودہ ہدایت پر حقیقی معنی میں گامزن ہونا ناممکن ہے۔

پس اگر ہم بدعتوں اور رسموں کے پابند رہیں گے اور اندھیرے میں ہی پڑے رہیں گے تو ہرگز اس نور سے فائدہ نہ اٹھا سکیں گے اور نہ ہی اس نور کے ذریعہ سے جو سنت اور جو اسوۂ حسنہ دنیا میں قائم کیا گیا ہے ہم اس کی اِتباع کر سکیں گے اور اگر ہم ایسا نہ کر سکیں گے تو نہ ہمیں اس دنیا میں فلاح حاصل ہوگی اور نہ ہی اُخروی زندگی میں۔

پس ہر احمدی پر، ہر احمدی خاندان اور ہر احمدی تنظیم پر یہ فرض ہے کہ وہ خود بھی اپنے آپ کو رسوم اور بدعتوں سے بچائے رکھے، محفوظ رکھے اور اس بات کی بھی نگرانی کرے کہ کوئی احمدی بھی رسوم ورواج کی پابندی کرنے والا نہ ہو اور بدعات میں پھنسا ہوا نہ ہو۔

دنیا میں رسوم و بدعات کا عجیب جال بچھا ہوا ہے۔ جب آدمی ان پر غور کرتا ہے تو حیران ہو جاتا ہے کہ خدا نے جس مخلوق (انسان) کو اشرف المخلوقات بنایا اور جس پر آسمانی رفعتوں کے دروازے کھولے وہ کس طرح اتھاہ گہرائیوں میں گر جاتا ہے اور پھر کس طرح نور کی بجائے ظلمات میں آرام وراحت پاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم میں سے ہر ایک کو ان رسوم و بدعات سے محفوظ رکھے اور توفیق دے کہ ہم اس کی منشا کے مطابق اس آیہ کریمہ میں جس ایمان اور جس تعزیر اور جس نصرت اور جس اتباع کا حکم دیا گیا ہے اس کی پیروی کرنے والے ہوں اور اللہ تعالیٰ کے

فضلوں کو جذب کر کے اس دنیا میں بھی کامیاب ہوں اور اُخروی زندگی میں بھی کامیاب ہوں اور **مُفْلِحِیْن** کے گروہ میں شامل ہونے والے ہوں۔ آمین

(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۸؍ستمبر ۱۹۶۶ء صفحہ ۲ تا ۵)

قرآن کریم کی چار عظیم الشان خصوصیات۔ یہ ہمارے لئے موعظہ، شفا، ہدایت اور رحمت کا موجب ہے

خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۶؍ستمبر ۱۹۶۶ء مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور پُرنور رایدہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیات پڑھی۔

يَاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ۔قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۔(یونس:۵۸،۵۹)

(ترجمہ) ’’اے وے تمام لوگو! جو اس دنیا میں بستے ہو یا مستقبل میں اس دنیا کو بساؤ گے تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے یقیناً ایک ایسی کتاب آ گئی ہے جو سراسر نصیحت ہے اور شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ہر اس بیماری کے لئے جو شیطان سینوں میں پیدا کر سکتا ہے شفاء دینے والی ہے اور ایمان لانے والوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔ تو اُن سے کہہ دے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے وابستہ ہے۔ پس اس پر انہیں خوشی منانا چاہیے۔ جو کچھ دنیا کے اموال اور اس کی لذتیں اور اس کی وجاہتیں اور اس کے اقتدار میں سے وہ جمع کر رہے ہیں ان سے یہ نعمت جو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل سے عطا کی ہے کہیں زیادہ بہتر ہے‘‘۔

پھر فرمایا:۔

اس آیت میں قرآن کریم کے متعلق چار باتیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ قرآن کریم کی

تعلیم مَوْعِظَةٌ (نصیحت) ہے اور اللہ تعالیٰ جس رنگ میں جن لوگوں کی گرفت کرتا ہے اور اپنے قہر اور غضب کا انہیں مورد ٹھہراتا ہے اور جس رنگ میں جن لوگوں پر اپنا فضل فرماتا ہے اور انہیں اپنی خوشنودی کے عطر سے ممسوح کرتا ہے۔ان کے واقعات ایسے رنگ میں بیان فرماتا ہے جو دلوں پر اثر کرنے والا اور دلوں کو نرم کرنے والا ہوتا ہے۔

دوسرے یہ فرمایا کہ یہ کتاب شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ ہے۔جو بیماریاں سینہ و دل سے تعلق رکھتی ہیں اس کتاب میں ان تمام بیماریوں کا علاج پایا جاتا ہے اور جو نسخے یہ کتاب تجویز کرتی ہے ان کے استعمال سے دل اور سینہ کی ہر روحانی بیماری دور ہو جاتی ہے۔

تیسری بات جو قرآن کریم کے متعلق یہاں بیان فرمائی ہے۔وہ هُدًی ہے۔یعنی اس کی تعلیم ہدایت پر مشتمل ہے۔وہ ان راہوں کی نشان دہی کرتا ہے۔جو اس کے قرب تک پہنچانے والی ہیں اور منزل بہ منزل بہتر سے بہتر ہدایت ان کی طاقت و استعداد کے مطابق ان کو عطا فرماتا ہے اور ہدایت کرتا چلا جاتا ہے حتی کہ بندہ اپنے اچھے انجام کو پہنچ جاتا ہے۔وہ اپنی جنت اور اپنے رب کی رضا کو حاصل کر لیتا ہے۔

چوتھی بات قرآن کریم کے متعلق یہاں یہ بتائی گئی ہے کہ ایمان والوں کے لئے یہ رحمت کا موجب ہے یعنی جو لوگ بھی قرآن کریم کی بتائی ہوئی ہدایت پر عمل کرتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ جو بڑا احسان کرنے والا اور بڑا رحم کرنے والا ہے اپنی رحمت کی آغوش میں لے لیتا ہے۔

پہلی بات جیسا کہ میں نے ابھی بتایا ہے قرآن کریم کے متعلق یہ بتائی گئی ہے کہ یہ مَوْعِظَةٌ ہے۔ مَوْعِظَةٌ یا وعظ کے عربی زبان میں معنی ہوتے ہیں۔ایسی نصیحت جو جزا و سزا اور ثواب و عقاب کو اس طرح بیان کرنے والی ہو کہ اس سے دل نرم ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ اور رجوع کریں اور ان میں یہ خواہش پیدا ہو کہ دنیا کی ہر چیز کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہی میں لگ جائیں۔

اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ میں فرمایا ہے کہ ہم جو وعظ کرتے ہیں اور جس کا ذکر ہم نے قرآن کریم کے متعلق کیا ہے وہ یہ ہے وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ (البقرۃ:۲۳۲)

کہ ہم نے محض ''اَلْكِتٰبِ'' ہی نہیں اتاری اور صرف کامل ہدایتیں ہی اس میں ہم بیان نہیں کرتے بلکہ ہم ان کی حکمتیں بھی بیان کرتے ہیں۔

ہر ہدایت کی وجہ بھی بتاتے ہیں، اس کے نتائج پر بھی روشنی ڈالتے ہیں۔ ہم تمہارے سامنے ایک تصویر لا رکھتے ہیں کہ وہ لوگ جو ہماری ہدایات سے منہ موڑتے ہیں ان کے ساتھ ہمارا کیا سلوک ہوتا ہے۔ وہ مسل کے رکھ دیئے جاتے ہیں اور ہمارا قہر انہیں خاک اور راکھ کر چھوڑتا ہے۔ اس کے برعکس جو لوگ ہماری ان ہدایات پر عمل کرتے ہیں ہم انہیں ایسا اچھا بدلہ دیتے ہیں اور انہیں اتنا خوشکن ثواب حاصل ہوتا ہے اور اصلاحِ نفس کے ایسے مواقع انہیں میسر آتے ہیں کہ نفس باقی ہی نہیں رہتا صرف ہماری محبت ہی باقی رہ جاتی ہے۔

مختلف رنگوں میں اللہ تعالیٰ لوگوں کو قرآن کریم میں ہدایت کی راہیں بتلاتا ہے۔ مثلاً وہ لوگ جنہوں نے پہلے رسولوں کا انکار کیا اور ان کی مخالفت کی، جس قسم کی اور جس طرح انہیں سزائیں دی گئیں۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کا بیان کثرت سے اس کتابِ مجید میں پایا جاتا ہے۔

اسی طرح وہ لوگ جو ایمان لائے اور صدق و وفا سے انہیں خدا تعالیٰ کا پیار حاصل ہوا اور خدا تعالیٰ کی رحمتیں ان پر نازل ہوئیں ان کی بھی ایک تصویر، ایک نقشہ قرآن کریم ہمارے سامنے رکھ رہا ہے۔ پس قرآن نصیحت بھی کرتا ہے۔ بعض باتوں کے کرنے کا حکم دیتا ہے اور بعض باتوں سے روکتا ہے اور ساتھ ہی حکمتیں بھی بیان کرتا ہے کہ اس وجہ سے تمہیں ان باتوں سے روکا گیا ہے اور اس غرض کے لئے ان باتوں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

یہ سب باتیں مَوْعِظَةٌ کے اندر آجاتی ہیں۔ فرمایا ہماری یہ کتاب جو ہماری ربوبیت کے مظاہرہ کے لئے نازل کی گئی ہے ہم اس کے ذریعہ تمہاری نشوونما کرنا چاہتے ہیں اس میں یہ خوبی ہے کہ یہ وعظ و نصیحت ہے۔

دوسری بات جو قرآن کریم کے متعلق یہاں بیان ہوئی ہے وہ شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ہے۔ یعنی جو گند اور بیماری سینوں میں ہوتی ہے اس کے لئے یہ کتاب بطور شفاء کے ہے۔ قرآن کریم میں تمام روحانی بیماریوں کا تعلق صدور یا دلوں سے قرار دیا گیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ۔ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ۔ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ۔(النّاس:۵تا۷)

اس میں یہ مضمون بیان کیا گیا ہے کہ پناہ مانگو اس وسوسہ ڈالنے والے شیطان سے جو ہر قسم کا وسوسہ ڈال کر شرارت سے پیچھے ہٹ جاتا ہے۔

یہاں ایک بنیادی اصول کا ذکر فرمایا کہ تمام گناہ شیطانی وسوسہ کے نتیجہ میں پیدا ہوتے ہیں اور شیطان وسوسہ ڈال کر خود غائب ہو جاتا ہے اور جس کے دل میں وہ وسوسہ ڈالتا ہے اسے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ وسوسہ ڈالنے والی ہستی شیطان تھی یا کوئی نیک ہستی تھی۔ اگر شیطان خناس نہ ہو اور وسوسہ ڈال کر پیچھے ہٹنے والا نہ ہو تو کوئی عقل مند انسان شیطانی وساوس کا شکار ہو کر روحانی بیماری میں مبتلا نہیں ہو سکتا۔

پس شیطان صرف وَسْوَاس ہی نہیں بلکہ خنّاس بھی ہے۔

پہلے وہ وسوسہ ڈالتا ہے اور پھر وسوسہ ڈال کر خود پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ یعنی شیطان، شیطان کی حیثیت سے اس شخص کی نظروں سے غائب ہو جاتا ہے۔ پہلا گناہ جو انسان نے کیا وہ اسی وسوسہ کا نتیجہ تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ (الاعراف:۲۱) کہ آدم اور حوا کے دل میں شیطان نے ایک وسوسہ ڈالا جس کے نتیجہ میں وہ ایک گناہ کے مرتکب ہوئے۔ اس کے بعد بھی جب کبھی انسان گناہ کا مرتکب ہوا ہے تو اسی شیطانی وسوسہ کے نتیجہ میں ہوا ہے۔ مثلاً وہ لوگوں کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ خدا کے جتنے رسول بھی آئے ہیں وہ تمہیں یہ تعلیم دیتے چلے آئے ہیں کہ اپنے پیدا کرنے والے، اپنے رب، اپنے اللہ سے خَوْفًا وَّ طَمَعًا خوف کی وجہ سے اور طمع کی وجہ سے تعلق قائم کرو۔ پس ہر وہ چیز جس کا خوف تمہارے دل میں پیدا ہو یا وہ چیز جسے تم سمجھو کہ تمہیں نفع پہنچانے والی ہے۔ تم اس کی عبادت کرو کیونکہ مذکورہ تعلیم کا یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ تو سانپ کی عبادت خوف کی وجہ سے شیطانی وسوسہ کے نتیجہ میں پیدا ہوئی۔ بڑ کے درخت کی عبادت بھی جو اس آرام (طَمَعًا) کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ جو اس کے نیچے بیٹھنے سے حاصل ہوتا ہے تو یہ سب شیطانی وسوسہ کا نتیجہ ہے۔

پس ہزاروں مثالیں ایسی پائی جاتی ہیں جو شیطان کے وسوسہ کے نتیجہ میں شرک کے پیدا ہونے کو ثابت کرتی ہیں۔تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہر گناہ کا تعلق شیطانی وسوسہ سے ہے اور شیطان یہ وسوسے انسان کے دل اور سینہ میں پیدا کرتا ہے۔گویا تمام روحانی بیماریوں کا مصدر انسان کا سینہ یا اس کا دل ہے کیونکہ شیطانی حربوں اور حیلوں اور تدبیروں کی آماجگاہ صدرِ انسانی ہی ہے اور روحانی ترقیات کے لئے پہلے سینہ و دل کی صفائی اور صحت وسلامتی بہت ضروری ہے کیونکہ بیمار سینہ و دل کفر کے لئے کھل جاتا ہے اور ایمان کے لئے مقفل ہو جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے۔

وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۔

(النحل:۱۰۷)

وہ جنہوں نے شیطانی وساوس کو قبول کر کے اپنا سینہ کفر کے لئے کھول دیا۔ان پر اللہ کا بہت بڑا غضب نازل ہوگا اور ان کے لئے بہت بھاری عذاب مقدر ہے۔

تو اس آیۃ میں بتایا کہ شیطانی وسوسہ کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کا سینہ کفر کے لئے کھل جاتا ہے۔

اس کے مقابلہ میں خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں شَرَحَ کے لفظ کو اس سینہ و دل پر بھی استعمال کیا ہے جو کفر کے لئے بند ہو جاتا ہے اور جس کی کھڑکیاں خدا کی طرف کھل جاتی ہیں۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری جگہ فرمایا۔

فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ۔(الحج:۴۷)

کیونکہ اصل بات یہ ہے۔(اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) کہ حق وصداقت اور نشانات اور آیات کے تعلق میں ظاہری آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہوتے ہیں بوجہ اس کے کہ شیطانی وسوسہ ان کو اپنے اندر لپیٹ لیتا ہے اور روحانی شعاعیں دلوں تک پہنچ نہیں سکتیں اور روحانی نور انہیں حاصل نہیں ہوسکتا۔اس لئے اس اندھے پن کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ سے دور چلے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قرآن کریم شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ہے یعنی سینہ کی تمام روحانی بیماریوں کی شفاء اس میں پائی جاتی ہے۔جو وسوسہ بھی شیطان دل میں ڈالے اسے دور کرنے کے لئے

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایک ہدایت اور ایک تعلیم دی ہوئی ہے۔ اگر تم غور سے کام لو، اگر تم اس کے مطالب اور معارف تلاش کرنے کی کوشش کرو اور جب شیطان تم پر حملہ آور ہو رہا ہو قرآن کریم ہاتھ میں لے کر تم اس کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ تو وہ تم پر غالب نہیں آ سکتا اور نہ تمہیں بیمار کر سکتا ہے بلکہ قرآنی نور تمہارے سینوں اور دلوں میں اس طرح پھیل جائے گا کہ شیطان جو ظلمت میں دیکھتا ہے اور نور سے ڈرتا ہے تمہارے سینہ و دل کے قریب بھی آنے کی جرأت نہیں کر سکے گا۔

تو فرمایا کہ ہماری یہ تعلیم (قرآن کریم) ایک شِفَآء ہے۔ اور اس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ جو بشارتیں یہ دیتا ہے جب وہ پوری ہو جاتی ہیں تو وہ شِفَآء کا کام دیتی ہیں اور شیطان کے اس وسوسہ کو دور کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے جو ترقیات، کامیابیوں اور فتح و نصرت کے وعدے کئے تھے وہ جھوٹے تھے وہ پورے نہیں ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کی بہت سی بشارتیں ایک لمبا عرصہ گزرنے اور منکرین کو ٹھٹھا اور استہزاء کر لینے کا موقعہ دینے کے بعد پوری ہوتی ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَ اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا۔

(الاحزاب: ۱۳)

یعنی جب منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہوتی ہے کہنے لگ گئے تھے کہ اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے ایک جھوٹا وعدہ کیا تھا۔

جب دیر ہو جاتی ہے تو یہ وسوسہ شیطان ان کے دل میں ڈال دیتا ہے۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ۱۸۶۸ء میں یہ الہام ہوا کہ

''بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے''

اس پر جب ایک لمبا عرصہ گزر گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے پورے ہونے کے سامان پیدا نہ کئے تو دشمن نے ہر طرح سے اس کا مذاق اڑایا اور استہزاء کیا اور ٹھٹھا سے باتیں کیں۔ تب قریباً ایک سَو سال بعد اللہ تعالیٰ نے ایسے سامان پیدا کر دئے کہ گیمبیا جو مغربی افریقہ کا ایک ملک ہے

اسے آزاد کرایا اور پھر وہاں ایک احمدی مسٹر سنگھیٹے صاحب کو جو اپنی جماعت کے پریذیڈنٹ بھی تھے گورنر جنرل بنا دیا۔ پھر انہوں نے مجھ سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کپڑا بطور تبرک طلب کیا اور لکھا کہ میں نے بڑی دعائیں کی ہیں اور بڑے خشوع اور تضرع کے ساتھ اپنے رب کے سامنے جھکا ہوں کہ وہ مجھے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کپڑے سے برکت حاصل کرنے کی توفیق عطا کرے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے ایسے سامان پیدا کر دیئے کہ جن کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ پہلے مجھے گھبراہٹ تھی کہ ان کے مطالبہ کے بعد انہیں کپڑا ملنے میں غیر معمولی دیر ہو رہی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیئت کچھ اور ہی تھی۔ آخر وہ کپڑا ان کو یہاں سے روانہ کر دیا گیا اور وہ کپڑا ان کو جس دن صبح بذریعہ ڈاک ملا اسی رات کو بی۔ بی۔ سی سے یہ اعلان ہوا کہ ان کو ایکٹنگ گورنر جنرل سے گورنر جنرل بنا دیا گیا ہے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے دل میں خدائے تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس رسول کے فرزندِ جلیل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لئے شدید محبت پیدا ہو گئی جس محبت کا اظہار انہوں نے پہلے ایک تار اور پھر ایک خط کے ذریعہ کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک اور دنیوی فضل کیا۔ آج ہی ان کا تار ملا ہے جس میں انہوں نے اطلاع دی ہے کہ مجھے حکومت برطانیہ نے Knight hood (نائٹ ہڈ) عطا کیا ہے میری طرف سے جماعت کو مبارکباد پہنچا دیں۔

جہاں اللہ تعالیٰ ان کے لئے جسمانی اور روحانی برکتوں کے سامان پیدا کر رہا ہے وہاں ان کے ماحول میں بھی ایک تبدیلی پیدا ہو رہی ہے۔ چنانچہ پچھلے خط میں انہوں نے مجھے یہ اطلاع دی تھی کہ ہمارے ملک میں لوگ احمدیت کی صداقت اور حقانیت کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں۔

بیرونی ممالک میں جو نئے نئے احمدی ہو رہے ہیں ان کے لئے خدا تعالیٰ ایسے سامان پیدا کر رہا ہے کہ انہیں روحانی ترقی کے ساتھ ساتھ دنیوی ترقی بھی حاصل ہو جاتی ہے تا کہ ان کے دل ہر طرح کی نعمتوں کے حصول کی وجہ سے خدا تعالیٰ کی حمد سے لبریز ہوں۔

اس وقت میں یہ مثال دے رہا تھا کہ یہ الہام ۱۸۶۸ء میں ہوا تھا پھر قریباً سو سال تک یہ الہام پورا نہیں ہوا۔ مومن کا دل تو یقین سے پُر تھا اور وہ جانتا تھا کہ ہر ایک بشارت کے پورا

ہونے کے لئے ایک وقت مقدر ہے۔ جب وہ وقت آئے گا تو وہ بشارت بھی ضرور پوری ہوگی۔ دنیا کی کوئی طاقت اسے ٹال نہیں سکتی۔ لیکن اس کے برعکس جو دل کے اندھے تھے انہیں ٹھٹھے اور ہنسی کا موقع ملتا رہا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں ایک بڑا فرق ہے۔ وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اسلام کی بعض بڑی فتوحات حضور کی ذات سے تعلق رکھتی تھیں اور آپؐ کی زندگی میں مقدر تھیں لیکن ہماری فتوحات کا زمانہ جیسا کہ ہمیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے تین سَو سال تک ممتد ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری نسلوں نے یکے بعد دیگرے خدا تعالیٰ، اس کے رسولؐ اور اسلام کے لئے قربانیاں دینی ہیں اور ہر نسل نے اللہ تعالیٰ کی بعض بشارتوں کو پورا ہوتے دیکھنا ہے۔

بہرحال الٰہی جماعتوں کے دلوں میں شیطان وسوسے پیدا کرنے کی کوشش تو کرتا ہے لیکن منافقوں کے سوا اوروں کے دلوں میں وسوسے پیدا کرنے کی اہلیت اور قابلیت نہیں رکھتا۔ اس کو مومنوں پر جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا ہے کوئی غلبہ اور کوئی سلطان عطا نہیں کیا جاتا۔

پس جو بشارتیں ایسے سلسلوں کو دی جاتی ہیں جنہوں نے آخری اور عظیم فتح سے پہلے کئی منزلیں طے کرنا ہوتی ہیں۔ وہ بشارتیں درجہ بدرجہ اور منزل بمنزل پوری ہوتی رہتی ہیں اور مومنوں کے دلوں کی تقویت کا باعث بنتی رہتی ہیں۔ چنانچہ دیکھو کہ ہمارے زمانہ میں الہام

”بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے“

کس شاندار طریق سے پورا ہوا کہ اس کے بعد ہمارے دلوں میں ذرہ بھر بھی شک نہیں رہ سکتا کہ وہ دیگر بشارتیں جو ہمیں دی گئی ہیں وہ بھی اپنے اپنے وقت پر پوری ہو کر رہیں گی۔

فرماتا ہے کہ وہ منافق اور منکر لوگ جن کے دل روحانی طور پر بیمار ہیں اور شیطان ان کے دلوں میں وسوسہ پیدا کر چکا ہے۔ وہ اعتراض کرنے لگتے ہیں کہ ”مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا“ ہم سے دھوکا کیا گیا ہے اور جو بشارتیں ہمیں دی گئی ہیں وہ پوری ہونے والی نہیں۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے خیالات کو دور کرنے کا ذکر سورۂ توبہ میں اس رنگ

میں کیا ہے

قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَ يُخْزِهِمْ وَ يَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَ يَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ۔(التوبة:۱۴)

کہ یہ لوگ تمہارے مقابلے میں تلواریں لے کر نکلے ہیں۔ ہماری طرف سے تمہیں یہ بشارت ہے کہ تم کامیاب ہو گے ناکام نہیں ہو گے۔ ناکامی ان منکروں اور منافقوں کی قسمت اور حصہ میں ہے۔تم ان سے لڑو اور جنگ کرو۔ اگر اللہ چاہتا تو پہلی قوموں کی طرح تمہیں جنگ کی دعوت نہ دیتا بلکہ خود آسمانی عذاب سے ان کو ہلاک کر دیتا لیکن خدا نے تمہیں خوش کرنے کے لئے یہ طریق اختیار کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو تمہارے ہاتھوں سے عذاب دلوائے گا اور ان کو رسوا کرے گا اور آسمانی نصرت تمہیں حاصل ہو گی، تا دنیا دیکھے کہ جو خدا کے ہو جاتے ہیں اور جنہیں خدا کی نصرت حاصل ہوتی ہے وہ تھوڑے، کمزور اور نہتے ہونے کے باوجود اپنے طاقتور، امیر اور ہر طرح ہتھیاروں سے لیس دشمن پر غالب آتے ہیں۔ وَ يَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ اس طریق پر نشانات کو پورا کرنے کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ مومنوں کے دلوں کو شفا دیتا ہے اور شیطانی وساوس سے ان کی حفاظت کرتا ہے۔

شِفَآءٌ کے معنی صرف یہی نہیں کہ پہلے بیمار ہو اور پھر اسے صحت ہو جائے شِفَآءٌ کے معنی یہ بھی ہیں کہ بیماری سے محفوظ کر لے۔ جیسا کہ آج کل بھی بعض دوائیں بیماری سے محفوظ کرنے کے لئے دی جاتی ہیں۔ مثلاً ہیضہ وغیرہ کے ٹیکے لگتے ہیں۔ اس وقت ہیضہ کا مرض لاحق تو نہیں ہوتا بلکہ وہ ٹیکہ ہیضہ سے محفوظ رکھنے کے لئے لگایا جاتا ہے۔ اس معنی میں بھی يَشْفِ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

تو فرماتا ہے کہ جو بشارتیں، جو آسمانی نشان اور آیات کے وعدے تمہیں دئے گئے ہیں میں انہیں پورا کرتا ہوں تا کہ تم شیطانی وسوسوں سے محفوظ رہو۔ اور ان سے تمہیں ہمیشہ نجات ملتی رہے۔ قرآن کریم نے شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ کی تفسیر میں مختلف طریقے بیان کئے ہیں۔ میں نے اس وقت صرف ایک مثال اپنے دوستوں اور بھائیوں کے سامنے بیان کی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ کتاب مَوْعِظَةٌ اور شِفَآءٌ ہی نہیں بلکہ هُدًى بھی ہے۔

جسمانی لحاظ سے اگر آپ غور کریں تو جس شخص نے جسمانی نشوونما حاصل کرنی ہو۔ اپنی جسمانی قوتوں اور استعدادوں کو اپنے کمال تک پہنچانا ہو اور اپنی زندگی کو کامیاب بنانا ہو اس کے لئے پہلے یہ ضروری ہوتا ہے کہ وہ ہر قسم کی بیماری سے محفوظ ہو۔ تو فرمایا کہ ہم نے قرآن کریم میں ایسا انتظام کر دیا ہے کہ تمام وہ روحانی بیماریاں جو شیطانی جراثیم سے پیدا ہوتی ہیں، پہلے ان بیماریوں کو دور کر دیا جائے اور مومنوں کے روحانی وجود میں کوئی شیطانی وسوسہ باقی نہ رہنے دیا جائے اور اس طرح ان کا وجود روحانی طور پر صحت مند وجود ہو جائے۔ لیکن اتنا ہی کافی نہیں۔ یہاں سے تو اصل کام شروع ہوتا ہے۔ تو فرمایا کہ چونکہ تم روحانی ترقیات کے حاصل کرنے کے قابل ہو گئے ہو۔ اس لئے اس مرحلہ پر بھی یہ کتاب تمہاری راہنمائی کرتی ہے۔ فرمایا هُدًى یہ قرآن تمہارے لئے هدايةٌ بھی ہے۔ عربی زبان کے لحاظ سے اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کتاب میں ایسی تعلیم نازل کی گئی ہے جو آج ہی نہیں بلکہ قیامت تک انسان کی صلاحیت اور استعداد کے مطابق اس کی راہنمائی کرتی چلی جائے گی۔ (کیونکہ اس آیت میں يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ سے خطاب کیا گیا ہے) وہ قرآنی ہدایت رضاء الٰہی کی راہوں پر گامزن ہونے کا طریقہ بتلاتی ہے اور بتلاتی چلی جائے گی۔ وہ روحانی ترقیات کی غیر محدود راہیں اس پر کھولتی ہے اور کھولتی چلی جائے گی اور ہر منزل پر پہنچ کر اسے ایک اور نئی بلندی اور رفعت عطا کرتی ہے اور پہلے سے بڑھ کر اخلاص اور وفا اور قربانی کا عملی نمونہ اسے پیش کرنے کی توفیق دیتی چلی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ مردِ مومن ایثار اور محبت کی انتہائی رفعتوں کو اس کی اور محض اس کی برکت سے حاصل کر لیتا ہے اور اس کا انجام بخیر ہو جاتا ہے اور وہ اپنے محبوب، اپنے مطلوب اور اپنے مقصود اور اپنی جنت اور اپنے رب کی رضا کو پا لیتا ہے۔ اس طرح انسان کے فطری قویٰ کو صحیح اور احسن راستہ پر چلانے کی طاقت اس کتاب میں رکھی گئی ہے۔

چوتھی بات اللہ تعالیٰ نے اس کتابِ مجید کے متعلق یہ فرمائی ہے کہ یہ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ہے۔ رَحْمَةٌ کا لفظ جب اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں۔ انعام دینے

والی، فضل کرنے والی، احسان کرنے والی اور اپنی مغفرت میں ڈھانپ لینے والی ہستی۔

تو فرمایا کہ ہم جو رحمٰن اور رحیم ہیں رحمت کا منبع اور سرچشمہ ہیں۔ ہم نے قرآن مجید کو رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (مومنوں کے لئے بطور رحمت) نازل کیا ہے۔ تا اس کی تعلیم پر عمل پیرا ہو کر انسان ہماری رحمت اور مغفرت حاصل کرے اور اس کے ذریعہ سے روحانی بیماریوں کو دور کرے پھر اس کی ہدایت کے فیوض کے نتیجہ میں وہ روحانی ترقی کرتا چلا جائے اور اس کا انجام بخیر ہو۔ لیکن فرماتا ہے کہ یہ بے شک هُدًى اور رَحْمَةٌ ہے۔ مگر هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ جن لوگوں پر یہ کتاب نازل ہوئی ہے۔ اگر وہ اس پر ایمان لانے کا اظہار اور اقرار نہ کریں اور اس کی بتائی ہوئی ہدایتوں کے مطابق اس پر عمل کرنے کی کوشش نہ کریں اور اپنی زندگیوں کو قرآن کریم کے مطابق نمونہ بنانے کی سعی نہ کریں اور اگر وہ خدا کی نگاہ میں حقیقی مومن نہ بنیں تو یہ کتاب ان کے لئے رحمت نہیں زحمت ہوگی۔ کیونکہ ان کو ایک نور دیا گیا۔ لیکن انہوں نے اس نور پر ظلمت کو ترجیح دی، ایک روشنی انہیں عطا ہوئی، لیکن وہ اس روشنی سے بھاگ نکلے اور اندھیروں میں جا چھپے۔ ایک شِفَآء آسمان سے ان کے لئے نازل ہوئی مگر انہوں نے گند کو اختیار کیا اور بیماری کو صحت پر ترجیح دی۔

پس جو مومن نہیں ان کے لئے یہ رحمت نہیں ہے، مگر جو مومن ہیں اللہ تعالیٰ کا فضل ان پر نازل ہوگا اور اس کی رحمتوں کے وہ وارث ہوں گے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں یہ فرمایا۔ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ (یونس:۵۹) کہ اپنے عقائد، اعمال اور اخلاقِ حسنہ پر غرور نہ کرنا۔ تم میں تکبر، خود پسندی، خود نمائی اور رِیا، پیدا نہ ہو۔ اپنے کو کچھ نہ سمجھنا۔ کسی خوبی کا مالک خود کو تصور نہ کرنا کہ تمہارا روحانی بیماریوں سے شفاء پا جانا اور رضاءِ الٰہی کی راہوں کو اختیار کر کے تمہارا انجام بخیر ہونا تمہاری کسی خوبی کی وجہ سے نہیں، بلکہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے وابستہ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ خوش ہو اور سرورِ ابدی کے جام پیو کہ تمہارا رب محض اپنے فضل سے تم پر رجوع برحمت ہوا اور اس نے محض احسان کے طور پر تمہیں وہ دیا جو دنیا

کی تمام عزتوں اور دنیا کی تمام وجاہتوں اور دنیا کی تمام لذتوں اور دنیا کی تمام خوشیوں اور دنیا کے تمام اموال سے بہتر اور احسن ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس گروہ میں شامل ہونے کی توفیق بخشے۔ اَللّٰھُمَّ اٰمِّین

(روزنامہ الفضل ربوہ ۵؍اکتوبر ۱۹۶۶ء صفحہ ۲ تا ۵)

غلبۂ اسلام اور اشاعتِ قرآن کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم قرآن کریم سیکھیں اور اس کا عرفان حاصل کریں

خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۳؍ستمبر ۱۹۶۶ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

میں نے اپنے متعدد خطبات میں قرآن کریم کی بعض ان صفات اور فضائل کے متعلق جماعت کے دوستوں کے سامنے اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا جو خود قرآن کریم میں بیان کئے گئے ہیں اور اس طرف توجہ دلائی تھی کہ قرآن کریم ایک عظیم کتاب ہے جو اس لئے نازل کی گئی ہے کہ ہم جو اس کی طرف منسوب ہونے والے ہیں اسے پڑھیں، سیکھیں اور اس پر غور کریں۔ اپنی زندگیوں کو اس کے مطابق بنائیں اور اس کے کہنے کے مطابق نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کا رنگ اپنے اوپر چڑھانے کی کوشش کریں۔

میرے یہ خطبات ایک جہت سے بڑے ہی مختصر تھے۔ لیکن قرآن کریم کی جن صفات کے متعلق میں نے کچھ بیان کیا تھا ان میں سے ہر صفت کے متعلق خود قرآن کریم کی بیان کردہ تفسیر کی روشنی میں ایک کتاب لکھی جا سکتی ہے حقیقت یہی ہے کہ قرآن کریم بے مثل اور بے بہا جواہرات کا ایک ایسا خزانہ ہے کہ جب وہ کسی انسان کو مل جائے تو دین اور دنیا کے تمام خزانوں کی چابیاں اس کے ہاتھ میں آ جاتی ہیں۔ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں نے اس حقیقت کو سمجھا تھا اور انہیں ہم نے

دینی لحاظ سے بھی اور دنیوی لحاظ سے بھی مالا مال پایا ہے۔ انہوں نے زندگی کے ہر شعبہ میں جس فراخی، جس وسعت اور جس رفعت کو پایا اس کا مقابلہ دنیا کی کوئی اور قوم نہیں کر سکتی۔ جہاں بھی گئے وہ کامیاب ہوئے۔ مٹی کو بھی اگر انہوں نے ہاتھ لگایا تو خدا تعالیٰ نے قرآن کریم کی برکت سے اس مٹی کو بھی سونا بنا دیا۔ انوارِ قرآنیہ سے انہوں نے تمام دنیا کو منور کیا اور قیامت تک کے آنے والوں کی دعاؤں کے وہ وارث ہوئے لیکن پھر جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا تھا تین صدیاں گزر جانے کے بعد مسلمان اس خزانہ سے غافل ہو گئے اور انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ ہم اپنی عقل اپنے زور، اپنی وجاہت اور اپنے مال سے وہ کچھ حاصل کر سکتے ہیں جو قرآن کریم ہمیں عطا نہیں کر سکتا۔ تب زوال کی وہ کون سی راہ تھی جس پر وہ گامزن نہیں ہوئے اور عسر اور تنگ دستی کا وہ کونسا گوشۂ تاریک تھا جو ان کے حصہ اور نصیب میں نہیں آیا۔ غرض اسی طرح اللہ تعالیٰ کی منشا پوری ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ آ گیا اور ثریا سے انوارِ قرآنیہ کا نزول شروع ہوا اور اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ مسِ قرآنی کے سامان پیدا کر دیئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قرآن کریم کی ایسی لاجواب تفسیر دنیا کے سامنے رکھی اور آج کی دنیا کے مسائل اور اس کی الجھنوں کو اس حسن اور خوبی سے حل فرمایا کہ ایک عقلمند انسان جس کو اللہ تعالیٰ نے غور کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہو اس احسانِ عظیم سے انکار نہیں کر سکتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے غلبۂ اسلام کے سامان پیدا کرنے کے لئے اشاعتِ علومِ قرآنی کو سہل کر دیا اور ہر قسم کی سہولتیں ہمارے لئے مہیا کر دیں۔ چنانچہ جماعت احمدیہ نے پھر قرآن کریم کا عرفان حاصل کیا اور اس کی قدر ان کے دلوں میں پیدا ہوئی اور احمدیت کی طرف منسوب ہونے والوں نے یہ عہد کیا کہ ہم اپنے ربّ کے لئے اپنی ساری زندگیوں کو اپنے سارے اموال کو بلکہ اپنا جو کچھ بھی ہے اسے قربان کر دیں گے اور غلبۂ اسلام کے لئے اور قرآن کریم کی اشاعت کے لئے جو کچھ بھی ہم سے مانگا جائے گا۔ ہم دیتے چلے جائیں گے۔

اشاعتِ قرآن کی راہ میں اس ایثار اور قربانی سے پہلے کہ جس کا ہر احمدی نے عہد کیا ہے۔ ضروری ہے کہ وہ خود قرآن کریم پڑھ سکتا ہو قرآن کریم کے معانی جانتا ہو اور پھر ان معانی

پر غور کرنے کی اسے عادت ہو۔ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے والا ہو کہ برکت کے جو چشمے تیری اس پاک اور مطہر کتاب سے پھوٹ رہے ہیں۔ اے خدا! تو ہمیں توفیق دے کہ ہم ان چشموں کے پانی سے اپنے جسموں اور اپنی روحوں کو اس طرح دھوڈالیں کہ وہ تیری نگاہ میں اس برف کی طرح صاف اور پاک ہو جائیں جو تازہ تازہ آسمان سے گرتی ہے اور سفید، صاف اور ہر قسم کی آلائشوں سے منزہ ہوتی ہے۔

میرے دل میں بڑی شدت کے ساتھ یہ احساس بھی پیدا ہو رہا تھا کہ جماعت کا ایک حصہ اس کام کی طرف کما حقہ متوجہ نہیں ہو رہا اس لئے ضرورت ہے کہ ہر فردِ بشر کو جو احمدیت کی طرف منسوب ہوتا ہے اس طرف متوجہ کیا جائے، اسے قرآن کریم پڑھایا جائے، اسے قرآن کریم کے معانی بتائے جائیں، قرآن کریم کی تعلیم سے اسے متعارف کرایا جائے۔ اسے ایسا بنا دیا جائے کہ قرآن کریم کا عرفان اسے حاصل ہو اور اس کام کے لئے اپنے ربّ سے دعائیں کی جائیں چنانچہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اور اس کے القاء کے ماتحت میں نے قرآن کریم کی اشاعت اور جماعت کی تربیت کی غرض سے جماعت میں وقفِ عارضی کی تحریک کی اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بشارت دی تھی۔ یہ تحریک محض اس کے فضل سے ہر لحاظ سے بڑی ہی کامیاب ثابت ہوئی اور کامیاب ثابت ہو رہی ہے۔

اس وقفِ عارضی کی تحریک میں حصہ لینے والے نوجوان بھی تھے، بوڑھے بھی تھے، کم علم طالب علم بھی تھے اور بڑے تجربہ کار ایم۔ اے، جنہوں نے اپنی ساری عمر علم کے میدان میں گزاری تھی، وہ بھی تھے۔ پھر اس تحریک میں حصہ لینے والے زیادہ تر مرد تھے لیکن کچھ عورتیں بھی تھیں جنہوں نے اس میں حصہ لیا۔ کیونکہ میں نے اپنے لئے یہ طریق وضع کیا تھا کہ میں وقفِ عارضی کی تحریک میں بیوی کو بھی خاوند کے ساتھ جانے کی اجازت دے دوں گا بشرطیکہ اس نے بھی وقفِ عارضی میں نام دیا ہوا ہو۔ اسی طرح باپ کے ساتھ بیٹی کو بھی جانے کی اجازت دے دوں گا اگر اس نے وقفِ عارضی میں اپنا نام دیا ہوا ہو۔ اس کے علاوہ میں اور کسی احمدی بہن کو اس میں حصہ لینے کی اجازت نہیں دوں گا۔

مجھے یاد ہے کہ ایک بہن نے لکھا تھا کہ میری ہی تحریک کے نتیجہ میں میرے بھائی نے وقفِ عارضی کے سلسلہ میں اپنا نام پیش کیا ہے آپ اجازت دیں کہ میں بھی وقف کے کام کے لئے اس جگہ چلی جاؤں جہاں میرے بھائی کو مقرر کیا جائے۔ میں نے اپنی اس عزیزہ بچی کو اس کی اجازت نہیں دی تھی۔ بہرحال کچھ احمدی بہنیں بھی اپنے خاوندوں کے ساتھ جا کر بطور واقفہ کے اس تحریک میں حصہ لے چکی ہیں۔

اس تحریک میں حصہ لینے والے ان پڑھ تھے یا کم پڑھے ہوئے تھے۔ یا بڑے عالم تھے۔ چھوٹی عمر کے تھے یا بڑی عمر، کے اللہ تعالیٰ نے ان پر قطع نظر ان کی عمر، علم اور تجربہ کے (کہ اس لحاظ سے ان میں بڑا ہی تفاوت تھا) اپنے فضل کے نزول میں کوئی فرق نہیں کیا۔ اس عرصہ میں ان سب پر اللہ تعالیٰ کا ایک جیسا فضل ہوتا رہا۔ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق سے اور اس کے فضل سے ۹۹ فیصدی واقفینِ عارضی نے بہت ہی اچھا کام کیا۔ ان میں سے ہر ایک کا دل اس احساس سے لبریز تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس عرصہ میں اس پر اتنے فضل نازل کئے ہیں کہ وہ اس کا شکر ادا نہیں کر سکتا اور اس کے دل میں یہ تڑپ پیدا ہوئی کہ خدا کرے اسے آئندہ بھی اس وقفِ عارضی کی تحریک میں حصہ لینے کی توفیق ملتی رہے اور بعض جماعتوں نے تو یہ محسوس کیا کہ گویا انہوں نے نئے سرے سے ایک احمدی کی زندگی اور اس کی برکات حاصل کی ہیں۔ ان کی غفلتیں ان سے دور ہوگئی ہیں اور ان میں ایک نئی روح پیدا ہوگئی۔ ان میں سے بہتوں نے تہجد کی نماز پڑھنی شروع کر دی اور جو بچے تھے انہوں نے اپنی عمر کے مطابق بڑے جوش اور اخلاص کے ساتھ قرآن کریم، نماز یا نماز کا ترجمہ اور دوسرے مسائل سیکھنے شروع کئے۔ غرض واقفینِ عارضی کے جانے کی وجہ سے ساری جماعت میں ایک نئی زندگی ایک نئی روح پیدا ہوگئی۔

جیسا کہ میں نے بتایا ہے خود واقفینِ عارضی نے یہ محسوس کیا کہ اس عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے ان پر بڑے فضل نازل کئے، بڑی برکتیں نازل کیں۔ ان میں سے بعض اپنا عرصہ پورا کرنے کے بعد واپس آ کر مجھے ملے تو ہر فقرہ کے بعد ان کی زبان سے یہ نکلتا تھا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے فضل کے بڑے نمونے دیکھے ہیں۔ ان کے منہ سے اور ان کی زبان سے خود بخود اس قسم کے

فقرے نکل رہے تھے اور یہ حقیقت ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل اور برکت سے کیا ہے نہ کہ ہماری کسی خوبی کے نتیجہ میں۔

کل رات میں سوچ رہا تھا کہ مجھے جتنے واقفین چاہئیں۔ اس تعداد میں واقفین مجھے نہیں ملے۔ مثلاً ربوہ کی ہی جماعت ہے۔ آج جو دوست میرے سامنے بیٹھے ہیں ان میں کثرت ربوہ والوں کی ہے لیکن ان میں سے بہت کم ہیں جنہوں نے وقفِ عارضی میں حصہ لیا ہے اور یہ بات قابل فکر ہے کہ کیوں آپ کی توجہ ان فضلوں کے جذب کرنے کی طرف نہیں ہے جو اس وقت اللہ تعالیٰ واقفینِ عارضی پر کر رہا ہے۔ جیسا کہ میں نے بتایا ہے میں رات سوچ رہا تھا کہ مجھے جتنے واقفینِ عارضی چاہئیں اتنے نہیں ملے حالانکہ اس کی بہت ضرورت ہے۔ تو جب میں سویا میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے سامنے ایک کاغذ آیا ہے اور اس کاغذ پر دو فقرے خاص طور پر ایسے تھے کہ خواب میں میری توجہ ان کی طرف مبذول ہوئی۔ ان میں سے پہلا فقرہ تو میں بھول گیا لیکن اس میں ''ضُعَفَآء'' کا لفظ آتا تھا۔ دوسرا فقرہ (صبح تک مجھے یاد تھا میں نے غلطی کی کہ اسے لکھا نہیں) گو اب مجھے پوری طرح یاد نہیں لیکن اس کے بعض الفاظ مجھے یاد ہیں مثلاً اس میں ضُعَفَآءُ کُمْ تھا یا ضُعَفَآءُ هُمْ (اب مجھے پوری طرح یاد نہیں) اور اس کے آگے آسمین تھا اور مجھے خواب ہی میں خیال آیا کہ یہ لفظ غریب الفاظ میں سے ہے۔ یعنی یہ لفظ روزمرہ کی عربی زبان میں استعمال نہیں ہوتا۔ وہ ان معنوں میں کم ہی استعمال ہوتا ہے جن معنوں میں وہ اس فقرہ میں استعمال ہوا ہے۔ اس کے ایک معنی رفعت اور علو حاصل کرنے والے کے ہیں اور ان معنوں کے لحاظ سے اس میں یہ بشارت ہے کہ جماعت میں سے جو لوگ قرآنی علوم سیکھنے کے لحاظ سے ضعیف کہلانے والے ہیں اب اللہ تعالیٰ ان کے لئے ایسے سامان پیدا کر دے گا کہ وہ بھی عُلُوِّ مرتبت اور قرآن کریم کی ان رِفعتوں تک پہنچنے والے ہوں گے۔ جن رِفعتوں تک پہنچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو نازل کیا ہے۔ سو الحمدللہ کہ اللہ تعالیٰ بشارت دے رہا ہے لیکن ہر وہ بشارت جو آسمان سے نازل ہوتی ہے۔ زمین والوں پر ایک ذمہ داری عائد کرتی ہے اور اس ذمہ داری کو پورا کرنا ان کا فرض ہوتا ہے۔

جیسا کہ میں نے بتایا ہے ہمیں بہت زیادہ واقفین کی ضرورت ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھے یہ احساس ہے کہ تربیت قرآن کریم سیکھنے اور سکھانے اس کے جاننے اور اس کا عرفان حاصل کرنے کے لحاظ سے جماعت میں ضعف اور کمزوری پیدا ہو رہی ہے اور اب جو واقفینِ عارضی جماعتوں میں گئے جن کا پہلا اور ضروری کام ہی قرآن کریم کے پڑھنے پڑھانے اور تربیت کے دوسرے امور کی طرف متوجہ کرنا تھا اور یہی کام ان کا آئندہ بھی رہے گا تو ان کی رپورٹوں سے معلوم ہوا کہ بہت سی جماعتوں میں تربیتی نقطہ نگاہ سے کافی کمزوری پیدا ہوگئی ہے۔ گو ان کے دلوں میں ایمان کی چنگاری موجود ہے لیکن وہ شیطانی راکھ کے اندر دبی ہوئی ہے اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔ ان میں سے ایک مثال میں بیان کرتا ہوں میں نے ایک بزرگ کو ایک ایسی جماعت میں بھیجا جو تعداد میں بہت بڑی ہے۔ انہوں نے وہاں جا کے مسجد میں ڈیرہ لگا لیا اور دعائیں کرنے لگ گئے۔ انہوں نے جماعت کو قرآن کریم پڑھنے کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی لیکن انہوں نے دیکھا کہ شروع میں جماعت پر کوئی اثر نہیں ہو رہا۔ پہلے ہفتہ انہوں نے یہ رپورٹ بھیجی کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جماعت مر چکی ہے اور اس کے زندہ ہونے کی اب کوئی امید نہیں۔ دوسرے ہفتہ کی رپورٹ بھی اس قسم کی تھی۔ تیسرے ہفتہ کی رپورٹ میں انہوں نے لکھا کہ میں نے پہلے جو رپورٹیں بھجوائی ہیں وہ سب غلط تھیں جماعت مری نہیں بلکہ زندہ ہے لیکن خوابِ غفلت میں پڑی ہوئی ہے۔ اگر اس کی تربیت کی جائے اور اسے جھنجھوڑا جائے تو اس کی زندگی کے آثار زیادہ نمایاں ہو جائیں گے۔ وہ زندگی جو جماعت ہائے احمدیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بدولت اسلام اور قرآن کریم کے ذریعہ اپنے ربّ سے حاصل کی ہے۔

غرض بہت سی جماعتوں میں بڑی سستی پائی جاتی ہے لیکن یہ لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا (طٰهٰ:۱۱۶) والی بات ہے۔ وہ مردہ نہیں لیکن حالات ہی لوگوں کے کچھ ایسے ہیں کہ ان کے اندر غفلت پیدا ہو گئی ہے اس کی بڑی ذمہ داری تو مرکز پر ہے۔ یا جماعت بحیثیت مجموعی اس کی ذمہ دار ہے۔ مثلاً آپ یہ دیکھیں کہ مغربی پاکستان میں ایک ہزار کے قریب ہماری جماعتیں ہیں۔ ان کے علاوہ بہت سی جگہوں پر احمدی موجود ہیں وہ اتنی تھوڑی تعداد میں ہیں کہ وہاں کوئی جماعت قائم نہیں۔ گو

وہاں ایک طرح سے جماعت موجود ہے لیکن تنظیم قائم نہیں ہوئی۔ صرف ضلع منٹگمری کے متعلق ایک دوست نے مجھے لکھا کہ چالیس ایسے چک ہیں جہاں احمدی افراد موجود ہیں لیکن وہاں تنظیم قائم نہیں ہوئی۔ منظم جماعتیں ان کے علاوہ ہیں۔ غرض اگر ڈیڑھ ہزار جماعتیں بھی فرض کر لی جائیں۔ یعنی منظم جماعتوں کے علاوہ ان جگہوں، مقامات، دیہات، قصبات اور شہروں کو بھی شمار کر لیا جائے۔ جہاں احمدی افراد موجود ہیں تو مغربی پاکستان میں ڈیڑھ ہزار کے قریب جماعتیں ہیں اور ان کی تربیت کے لئے ہمارے پاس ساٹھ ستر مربی ہیں۔ اب آپ خود ہی سمجھ سکتے ہیں کہ یہ ساٹھ ستر مربی ان جماعتوں کی کس طرح تربیت کر سکتے ہیں اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ ہمارے یہ مربی سو فیصدی کام کرنے والے ہیں، تب بھی وہ ان جماعتوں کی تربیت نہیں کر سکتے۔ یہ ان کے بس کی بات نہیں۔ پھر ہمارے نظامِ تربیت یعنی مربیوں کے نظام میں بھی بہت سی خامیاں پائی جاتی ہیں اس کے نتیجہ میں جماعت کی تربیت والا پہلو ہمیں بھولا رہا جماعت نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔

تربیت کے سلسلہ میں اس غفلت کا نتیجہ آج ہم بھگت رہے ہیں۔ قرآن کریم کے انوار کو پھیلانے کی ذمہ داری ہمارے سپرد تھی۔ ہم نے اس سے غفلت برتی اور اس کے نتیجہ میں ہماری روحانی ترقی بہت پیچھے جا پڑی۔ آج مغربی پاکستان میں ہماری جماعتیں ایک ہزار نہیں پچاس ہزار بلکہ اس سے بھی زیادہ ہونی چاہیے تھیں لیکن جب ہم قرآن کریم سے غافل ہوئے تو قرآن کریم کی برکتیں بھی ہم سے جاتی رہیں ہم ان سے محروم ہو گئے اور ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ کیونکہ قرآن کریم کی برکتیں تو ہمیں تبھی مل سکتی ہیں۔ جب ہم قرآن کریم سے غافل نہ ہوں۔ ہم اسے ہر وقت اپنے سامنے رکھنے والے ہوں۔ اپنی زندگی میں اسے مشعل راہ بنانے والے ہوں۔ اگر ایسا ہو تو پھر قرآن کریم کی برکتیں ہمیں حاصل ہوں گی۔ اگر ہم ایک چشمہ پر بیٹھے ہوں لیکن اس چشمہ کی طرف ہماری پیٹھ ہو اور ہمارا منہ ریگستان کی طرف ہو تو ہم اس چشمہ سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ چشمہ سے پانی پینے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اس چشمہ کی طرف متوجہ ہوں اور اپنے برتن کو گند سے اور ہر اس چیز سے جو پانی کے سوا ہے اور وہ ہمارے لئے مفید نہیں خالی کر لیں تبھی ہم اس برتن کو پانی

سے بھر سکتے ہیں اور اسے پی سکتے ہیں۔لیکن اگر ہمارے دلوں کے برتن غیر اللہ اور انوارِ قرآنیہ کے سوا دوسری چیزوں سے پُر ہوں تو اللہ تعالیٰ اور انوارِ قرآنیہ کے لئے ان میں کوئی جگہ نہیں ہوگی۔

غرض ہم سے (آپ جماعت کہہ لیں۔مرزا ناصر احمد کہہ لیں یا صدر انجمن احمدیہ کہہ لیں) بہرحال غفلت ہوئی ہے اور جماعت کا ایک حصہ سست ہو گیا ہے اور باقی ساری جماعت کو اس کا نقصان برداشت کرنا پڑا ہے۔اس پر اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا کہ میں جماعت میں وقفِ عارضی کی تحریک کروں اور اس سلسلہ میں جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں مجھے پانچ ہزار واقف چاہئیں اور واقف بھی ایسے جو طوعاً اپنی مرضی اور خوشی سے سال میں دو ہفتے سے چھ ہفتے تک کا عرصہ دین کی خدمت کے لئے وقف کریں ورنہ اگر ضرورت اور ضرورت کا احساس اسی طرح شدت اختیار کر گیا تو شاید کوئی وقت ایسا بھی آ جائے جب اس تحریک کو طوعی نہ رکھنا پڑے بلکہ اسے جبری تحریک قرار دے دیا جائے اور ہر احمدی کا یہ فرض قرار دے دیا جائے کہ وہ جس طرح اپنی آمد کا سولھواں یا دسواں حصہ دین کے لئے دیتا ہے۔اسی طرح اپنی زندگی کے ہر سال میں سے پندرہ دن یا چھ ہفتے وقف عارضی کے لئے بھی دے۔تا کہ قرآن کریم کی اشاعت صحیح رنگ میں کی جائے۔اسی طرح جماعتوں کی تربیت بھی صحیح طور پر کی جا سکے۔

زمانہ بدلتا ہے۔اسی طرح حالات بھی بدلتے ہیں۔ہماری ایک جماعت کسی زمانہ میں بڑی ہی مخلص تھی۔اس میں پڑھے لکھے آدمی موجود تھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ تھے اور وہ جماعت بڑی مخلص تھی۔لیکن اس وقت اس کی یہ حالت ہے کہ وہاں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جو صحابہ تھے وہ فوت ہو گئے۔پڑھے لکھے لوگ اس گاؤں کو چھوڑ کر باہر ملازمتوں کے سلسلہ میں چلے گئے۔آج وہاں ایک بھی ایسا پڑھا لکھا آدمی موجود نہیں جو آگے کھڑا ہو کر نماز ہی پڑھا سکے۔ اب ایسی جماعت نے بہرحال کمزور ہونا تھا۔بڑی عجیب بات یہ ہے کہ نہ تو مربی نے اور نہ امیر ضلع نے مرکز کو کبھی توجہ دلائی کہ اس جماعت کا یہ حال ہے۔اس کی طرف توجہ کی جائے۔اگر وقفِ عارضی کے نتیجہ میں ہمیں اس جماعت کی حالت کا علم نہ ہوتا تو پانچ چھ سال اور گزرنے کے

بعد ہمارے کاغذوں اور رجسٹروں میں سے بھی اس جماعت کا نام مٹ جاتا اور کسی شخص کو یہ علم نہ ہوتا کہ وہاں کوئی احمدی ہے یا نہیں۔ چندہ لینا اصل چیز نہیں۔ گو جماعت کے افراد کے لحاظ سے مالی قربانی بھی اصل چیزوں میں سے ہے۔ لیکن ہمارے لئے تو اصل چیز یہ ہے کہ دین اور اسلام کی روح ان کے اندر پیدا ہو اور ان کے دلوں میں بڑی شدت سے اس احساس کو جگایا جائے کہ بندہ خدا تعالیٰ کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور اس کی پیدائش کی غرض خدا تعالیٰ کے قرب اور اس کی رضا کا حصول ہے۔ اس لئے تم دنیا کے کیڑے نہ بنو بلکہ اپنے ربّ کی طرف جھکو۔ اور اس سے نور حاصل کرو۔ اس کی رضا کو حاصل کرو۔ اور اس کی بہشت میں داخل ہو جاؤ۔

جس جماعت کا میں نے ذکر کیا ہے ممکن ہے کچھ عرصہ اور اس کا نام ہمارے رجسٹروں میں رہتا۔ کچھ نہ کچھ چندہ وہاں سے آتا رہتا اور ہم سمجھتے کہ وہاں جماعت قائم ہے۔ لیکن اگر وہ چندہ دینا بند کر دیتے تو کسی کو پتہ ہی نہیں تھا کہ ایک جماعت مٹ رہی ہے گو ابھی وہ جماعت مری نہیں۔ کیونکہ وقفِ عارضی کے نتیجہ میں اس کی بیہوشی اور غفلت دور ہو گئی ہے اور اس میں زندگی کے آثار نمودار ہو گئے ہیں اور انشاء اللہ توقع ہے کہ نہ اس جماعت میں زندگی کے آثار ہی نمودار ہوں گے۔ بلکہ اس کی ترقی کی صورت بھی نکل آئے گی۔ جو واقف وہاں گئے ہیں وہ کہتے ہیں۔ کہ اگر وہاں کوئی مربی رکھا جائے۔ یا واقفینِ عارضی کے مختلف گروہ وہاں آتے رہیں۔ تو وہاں اصلاح وارشاد کا میدان بھی کھلا ہے گو یا واقفینِ عارضی کے جانے سے پہلے اس جماعت کے مرنے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا اور اب ان کے جانے کے بعد نہ صرف اس کی زندگی بلکہ اس کی ترقی کے سامان بھی نظر آنے لگ گئے ہیں۔

پس جماعت یا تو مجھے ایک ہزار مربی دے (یعنی ایک ہزار بچے آج مجھے دے دے۔ جنہیں تربیت دے کر مربی بنایا جائے) اور یا ضرورت کے مطابق واقفینِ عارضی مہیا کرے۔ اگر آپ مجھے آج ایک ہزار بچے دے دیں گے تو میں اپنے ربّ سے امید رکھتا ہوں۔ بلکہ مجھے یقین ہے کہ خدا تعالیٰ ان ایک ہزار بچوں کی تربیت اور تعلیم کا سامان بھی مجھے دے دے گا۔ لیکن ان کی تیاری پر بھی وقت لگے گا۔ یعنی جب تک وہ نو سالہ کورس پورا نہ کرلیں یا اگر وہ میٹرک پاس

ہوں تو گیارہ سال اور اگر چھوٹے ہیں تو تیرہ سال کا عرصہ ان کی تربیت کا گزر نہ جائے۔ اس وقت تک عارضی واقفین کی ضرورت رہے گی۔ کیونکہ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ ہم اس قسم کی کمزور جماعتوں سے جس کا میں ذکر کر چکا ہوں۔ غفلت برتیں اور میرے لئے یہ ناممکن ہے کہ میں چپ ہو کر بیٹھ جاؤں اور ڈرتے ڈرتے اپنی زندگی کے دن گزاروں کہ کہیں مجھ پر خدا تعالیٰ کا غضب نازل نہ ہو۔ اس لئے کہ میں اس قسم کی جماعتوں کو جگانے کا انتظام نہیں کر رہا۔ اگر آپ مجھے واقفین نہیں دیں گے یا خود وقف کے لئے آگے نہیں آئیں گے تو اللہ تعالیٰ کوئی اور سامان پیدا کر دے گا۔ لیکن آپ اللہ تعالیٰ کے فضلوں سے کیوں محروم ہو رہے ہیں۔

پس میں آج پھر جماعت کو بڑے زور کے ساتھ اس طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ مجھے کم از کم پانچ ہزار واقفین کی ضرورت ہے جو ہر سال دو ہفتہ سے چھ ہفتہ تک کا عرصہ دین کی خدمت کے لئے وقف کریں اور جیسا کہ میں نے بتایا ہے کہ جو واقفینِ عارضی وقف کی تحریک کے ماتحت باہر گئے ہیں۔ ان میں ہر عمر اور علمی معیار کے لوگ شامل تھے اور ان میں سے زیادہ تر کا تاثر یہ ہے کہ بڑی کثرت کے ساتھ انہوں نے اِسْتِغْفَار اور لَا حَوْل پڑھا۔ یعنی ان کے دل کے اندر یہ احساس اُجاگر ہوا کہ ہم نے غفلت میں دن گزارے ہیں۔ ہم سے بہت سی کوتاہیاں ہوئی ہیں۔ اس لئے ہمیں استغفار کرنا چاہیے۔ تا اللہ تعالیٰ ہماری غفلتوں اور کوتاہیوں کو معاف کر کے ہمیں اپنی مغفرت کی چادر میں ڈھانپ لے۔ دوسرے یہ جو ذمہ داری کا کام ہمارے سپرد کیا گیا ہے۔ اس کو نباہنے کے ہم قابل نہیں۔ اس طرف ہم نے کبھی توجہ نہیں کی تھی نہ ہم نے جماعت کا لٹریچر پڑھا تھا اور نہ ہم نے دعائیں کی تھیں۔ اس لئے ہم سے یہ کام اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت ہمیں حاصل نہ ہو۔ جب تک کہ اللہ تعالیٰ سے ہمیں قوت نہ ملے۔ اس لئے انہیں اِسْتِغْفَار اور لَا حَوْل پڑھنا پڑا اور لَا حَوْل یہی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ سے (مغفرت کے بعد) قوت حاصل کرتا ہے۔ وہ استغفار کرتا ہے اور کہتا ہے۔ اے اللہ! مجھ سے جو گناہ ہو چکے ہیں تو مجھے معاف کر اور مجھے اپنی مغفرت کی چادر سے ڈھانپ لے اور آئندہ بھی گناہ سے بچا اور پھر کہتا ہے اب مجھے کچھ کرنے کی توفیق بھی دے۔ جب گناہ معاف ہو جائیں۔ تو اگلا قدم انسان کا

یہی ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ وہ اس کی ترقی کے سامان پیدا کرے وہ دعا کرے کہ اے اللہ ہم بدعمل تھے تو نے ہماری بداعمالیوں پر اپنی مغفرت کی چادر ڈال دی۔ ہم لاشے محض ہیں۔ ہم میں کوئی قوت نہیں تو ہمیں قوت عطا کر کہ ہم تیری راہوں پر دوڑنے لگ جائیں اور تجھ سے قریب سے قریب تر ہوتے چلے جائیں۔ غرض ہر واقف کو اپنے وقف کے عرصہ میں یہ احساس بڑی شدت کے ساتھ ہوا کہ اسے استغفار کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس نے اپنی زندگی کے دن بڑی غفلت میں گزارے ہیں اور پھر اسے خدا تعالیٰ سے طاقت بھی مانگنی چاہیے کہ اس کی دی ہوئی طاقت کے بغیر ہم اس قسم کے دینی کام نہیں کر سکتے اور جیسا کہ میں نے بتایا ہے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے بہت سے فضلوں کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا بعض جگہیں ایسی بھی ہیں کہ جب وہاں واقفینِ عارضی پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے ایسے سامان پیدا کر دیئے کہ بعض غیر از جماعت دوستوں کو خوابوں میں بڑے زور کے ساتھ تلقین کی گئی اور انہیں متوجہ کیا گیا کہ جماعت احمدیہ ایک سچی جماعت ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے دعوے میں سچے اور حق پر ہیں تم اس جماعت میں شامل ہو جاؤ۔ چنانچہ ان خوابوں کے ذریعہ بعض بیعتیں بھی ہوئی ہیں۔

بہرحال جب آپ قرآن کریم پڑھائیں گے تو بہت سارے غیر از جماعت بچے بھی قرآن کریم پڑھنے کے لئے آ جائیں گے اس طرح بہت سی غلط باتیں جو ہماری جماعت کے متعلق مشہور ہو گئی ہیں خود بخود ان کے دلوں سے دور ہو جائیں گی۔ کیونکہ آپ کا عمل ایک زبردست دلیل ہوگا۔ وہ لوگ سمجھیں گے کہ کہا تو یہ جاتا تھا کہ یہ لوگ قرآن کریم پر ایمان نہیں لاتے اور عملاً ہم دیکھ رہے ہیں کہ صرف یہی لوگ ہیں جو قرآن کریم پڑھانے اور سکھانے کے لئے اپنے خرچ پر دور دراز سے آئے ہیں اور پھر یہ کام بھی بڑے شوق سے کر رہے ہیں یہ بیگار نہیں کاٹ رہے بلکہ چوبیس گھنٹے کام کر رہے ہیں۔ غرض وقفِ عارضی کی سکیم کے بہت سے فوائد ہیں جن کی تفصیل میں میں اس وقت نہیں جا سکتا۔ ہاں میں یہ پھر تاکید سے ضرور کہنا چاہتا ہوں کہ مجھے سال کے دوران کم از کم پانچ ہزار واقفین کی ضرورت ہے۔ اگر دس ہزار واقفین مل جائیں تو اور بھی اچھا ہے۔ تاہم جماعت کو قرآن کریم پڑھا سکیں۔ اس کی ایسی تربیت کر سکیں کہ وہ قرآن کریم پر عمل کرنے

والی ہو اور اس طرح اللہ تعالیٰ کے ان فضلوں کو حاصل کرنے والی ہو جو قرآن کریم پڑھنے قرآن کریم سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کے نتیجہ میں آج ہم پر نازل ہو رہے ہیں اور جو جماعت احمدیہ کے قیام کی غرض ہے اور تا ہم تمام دنیا میں اشاعتِ قرآن اور غلبۂ اسلام کے فریضہ کو جو ہم پر عائد کیا گیا ہے۔ خدا تعالیٰ کی نگاہ میں کامیاب طور پر پورا کرنے والے ہوں اور اپنی ذمہ داریوں کو کما حقہ ادا کرنے والے ہوں۔ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل کے ساتھ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۲ نومبر ۱۹۶۶ء صفحہ ۲ تا ۶)

تحریک وقفِ جدید کی اہمیت کے پیشِ نظر احبابِ جماعت کو اس میں زیادہ سے زیادہ حصہ لینا چاہیے

خطبہ جمعہ فرمودہ ۷؍ اکتوبر ۱۹۶۶ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

آج میں وقفِ جدید کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ جولائی ۱۹۵۷ء میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مبارک الٰہی تحریک کے متعلق بعض ابتدائی باتیں جماعت کے سامنے رکھی تھیں پھر ۱۹۵۷ء ہی میں جلسہ سالانہ کی ایک تقریر میں حضور نے اس کی بعض تفاصیل بیان فرمائیں۔ حضور نے یہ تحریک بیان کرنے کے بعد جماعت کے سامنے ابتداءً یہ بات رکھی تھی کہ میں فی الحال دس واقفین لینا چاہتا ہوں اور اسی کے مطابق اندازہ خرچ بھی کم و بیش آٹھ دس ہزار روپے کا تھا لیکن آپؓ کی یہ خواہش تھی کہ یہ الٰہی تحریک درجہ بدرجہ ترقی کرتی چلی جائے اور جلد ہی ایک وقت ایسا آ جائے جب دس کی بجائے ہزاروں واقفین اس تحریک میں کام کر رہے ہوں۔ پھر یہ واقفین صرف پاکستان سے ہی نہ ہوں بلکہ دوسرے ممالک سے بھی افریقہ کے ممالک سے بھی امریکہ کے ممالک سے بھی اور ان کے علاوہ دوسرے ممالک سے بھی۔ اور پھر جوں جوں واقفین کی تعداد بڑھتی چلی جائے اور خرچ میں اضافہ ہوتا چلا جائے۔ اسی کے مطابق جماعت اپنی مالی قربانیاں بھی تیز سے تیز تر کرتی چلی جائے تا کہ ہم وہ مقصد جو اس الٰہی تحریک کا ہے وقتِ قریب میں حاصل کر لیں۔

جیسا کہ میں نے ابھی مختصراً بتایا ہے۔ وقفِ جدید کی تحریک کی ابتداء دس واقفین سے ہوئی تھی اور اس وقت جبکہ اس تحریک پر قریباً نو سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ یہ تعداد صرف اکاسی واقفین تک پہنچی ہے۔ جن میں سے سترہ کے قریب زیر تعلیم ہیں اور صرف چونسٹھ مختلف جماعتوں میں کام کر رہے ہیں۔ حالانکہ حضور کا منشا یہ تھا کہ دنیا بھر کی جماعتیں ہزاروں کی تعداد میں واقفین ہمیں دیں اور ہم اوّل تو ہر جماعت میں اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو کم از کم دس دس پندرہ پندرہ میل کے حلقہ میں ایک ایک ایسے واقف (وقفِ جدید) کو مقرر کریں جس نے قربانی کے جذبہ سے، خلوص کے ساتھ اور خدمتِ اسلام کی نیت سے اپنی زندگی وقف کی ہو۔ اس واقف کو معمولی گزارہ دیا جائے۔ مثلاً پچاس یا ساٹھ روپے ماہوار اور اس کے باقی اخراجات کے لئے آمد کے بعض اور ذرائع مہیا کئے جائیں۔ مثلاً ایسا انتظام کیا جائے کہ جس جماعت میں اسے مقرر کیا جائے۔ وہ جماعت یا تو دس ایکڑ زمین اس تحریک کے لئے وقف کرے اور اس زمین کی آمد اس واقف کو دی جائے اور یا پھر اس واقف کے ذریعہ پرائمری تک ایک سکول کھول دیا جائے جہاں وہ احمدی بچوں کو (اور دوسرے بچوں کو بھی جو وہاں تعلیم حاصل کرنا چاہیں) قرآن کریم پڑھائے اور دوسری مروجہ تعلیم بھی دے اور یا پھر اسے کمپاؤنڈری یا حکمت کی ابتدائی تعلیم دلائی جائے تا وہ ایسی جگہوں پر جہاں ابتدائی طبی امداد بھی مہیا ہونا مشکل ہے۔ وہاں کے رہنے والوں کو ابتدائی طبی امداد مہیا کرے اور اس طرح پر جو آمد ہو وہ بھی مرکز وصول نہ کرے بلکہ اس ذریعہ سے جو آمد بھی ہو وہ اس واقف کو دے دی جائے سکول کی صورت میں اگر اساتذہ ایک سے زائد ہوں تو فیس کے ذریعہ جو آمد ہو وہ سب اساتذہ میں تقسیم کر دی جائے۔

بہر حال اس وقت حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ نظر آ رہا تھا کہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر جماعت میں کم از کم ایک معلم ضرور بٹھا دیا جائے۔ لیکن چونکہ حضور ایک لمبا عرصہ علیل رہے اور اس عرصہ میں جماعت حضور کے خطبات سے محروم رہی اور چونکہ جب تک بار بار جگایا نہ جاتا رہے۔ انسان عادتاً کمزوری کی طرف مائل ہو جاتا ہے اس لئے وقفِ جدید کی اہمیت اور افادیت آہستہ آہستہ جماعت کے افراد کی نظروں سے اوجھل ہوتی چلی گئی اور اس تحریک کا وہ نتیجہ

نہ نکلا جو میرے نزدیک نو سالوں میں نکلنا چاہیے تھا اور اس کی ذمہ داری ساری جماعت پر بحیثیت جماعت عائد ہوتی ہے۔ وقفِ عارضی کے جو وفود مختلف علاقوں میں گئے ہیں ان میں سے کم از کم ساٹھ ستر فیصدی وفود ایسے ہوں گے جنہوں نے اپنا وقفِ عارضی کا زمانہ ختم کرنے کے بعد جو آخری رپورٹ ہمیں بھجوائی اس میں بڑی شدت سے یہ مطالبہ کیا کہ اس جماعت کو کوئی مربی یا معلم ضرور دیا جائے اور یہ بھی لکھا کہ جماعت خود بھی یہ احساس رکھتی ہے کہ جب تک اسے کوئی معلم نہ دیا جائے وہ ان ذمہ داریوں کو کما حقہ، ادا نہیں کر سکتی جو تربیت کے لحاظ سے اس پر عائد ہوتی ہیں۔لیکن اگر میرے پاس واقفین ہی نہ ہوں تو میں انہیں کہاں سے معلم مہیا کروں۔ پھر اگر جماعت اپنی ہمت اور جماعتی ضرورت کے مطابق مالی قربانیاں پیش نہ کرے تو ان معلمین کو گزارہ کہاں سے دیا جائے۔

پس پہلی بات تو یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ واقفین اس تحریک میں شمولیت کے لئے اپنے نام پیش کریں۔ میں نے بتایا ہے کہ اس وقت زیر تعلیم واقفین کو شامل کر کے قریباً ۸۱ واقف ہمارے پاس ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے اس تحریک کو ابتداءً دس کی تعداد سے شروع کیا۔ اگر ہم ہر سال اس میں دس دس کا اضافہ کرتے تب بھی اس وقت ہمارے پاس ۹۰ واقفین ہونے چاہیے تھے لیکن اگر ہم اس تعداد میں ہر سال صرف دس دس کی زیادتی ہی کریں تو چونکہ ہم نے ہزاروں تک پہنچنا ہے اس لئے جب ہم پہلے ہزار تک پہنچیں گے تو ایک صدی گزر چکی ہوگی اور ہم اتنا لمبا عرصہ انتظار نہیں کر سکتے۔

میں سمجھتا ہوں کہ اگر جماعت اس طرف توجہ دے تو ہر سال پہلے سال کی نسبت دگنی تعداد میں واقف آسکتے ہیں۔اگر ایسا ہوتا رہتا تو اس وقت واقفین کی تعداد پانچ ہزار کے قریب پہنچ چکی ہوتی۔یعنی اگر پہلے سال دس واقفین تھے تو دوسرے سال بیس۲۰ واقفین رکھے جاتے۔ تیسرے سال چالیس۴۰ رکھے جاتے اور چوتھے سال اسّی تک ان کی تعداد پہنچ جاتی اور اس طرح نو سال میں ان کی تعداد ۵۱۱۰ تک جا پہنچتی۔اگر ہم پہلے سال کی نسبت واقفین کی تعداد میں ڈیڑھ گنا اضافہ بھی کرتے رہتے تب بھی ہماری ضرورت ایک حد تک پوری ہو جاتی بشرطیکہ ہم اسی تناسب سے

اپنے چندوں میں بھی اضافہ کرتے چلے جاتے لیکن اس نسبت یعنی ڈیوڑھی نسبت کے ساتھ بھی واقفین نہیں آئے بلکہ سوائی نسبت کے ساتھ یا ہر سال ۱/۵ یا ۱/۱۰ کی زیادتی کے ساتھ بھی واقفین اس تحریک میں شامل نہیں ہوئے ورنہ وہ فوری ضرورتیں پوری ہو جاتیں جو اس وقت ہمارے سامنے آرہی ہیں اور جنہیں پورا ہوتے نہ دیکھ کر ہمیں دکھ اور اذیّت اور تکلیف اٹھانی پڑ رہی ہے اگر ہماری فوری ضرورتیں پوری ہو جاتیں تو ہم اس دکھ تکلیف اور اذیت سے بچے رہتے جماعتیں پکار رہی ہیں کہ اگر چاہتے ہو کہ ہم میں احمدیت قائم رہے تو ہمیں مستقل واقف دو۔ وقفِ عارضی والے آپ سے بار بار مطالبہ کر رہے ہیں کہ جماعتوں میں واقفین بھیجے جائیں اور جماعت کو کہہ رہے ہیں کہ ان واقفین کو سنبھالنے کے لئے جس قدر رقم کی ضرورت ہے وہ مہیا کرے لیکن آپ نے اس طرف کوئی توجہ نہیں کی اور یہ بڑا ظلم ہوا ہے اس لئے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ سب کو جگاؤں اور بیدار کروں اور اس تحریک کی اہمیت آپ کے ذہن نشین کرانے کے بعد آپ سے یہ مطالبہ کروں کہ آئندہ سال مجھے کم از کم ایک سو نئے واقفین چاہئیں مجھے بتایا گیا ہے کہ وقفِ جدید کی تربیتی کلاس جنوری سے شروع ہوتی ہے اور دسمبر تک رہتی ہے۔

پس میرا مطالبہ یہ ہے کہ جنوری ۶۷ء میں جو نئی تربیتی کلاس شروع ہوگی اس میں کم از کم سَو واقفین شامل ہونے چاہئیں۔ اگر جماعت نے میرا یہ مطالبہ پورا کر دیا تب بھی ہمیں ایک سال تک انتظار کرنا پڑے گا۔ کیونکہ کلاس کا نصاب ایک سال کا ہے اور نئے واقفین جو آئیں گے وہ ایک سال تک تربیت حاصل کریں گے اور اگر وہ سارے کامیاب بھی ہو جائیں تب بھی ایک سال کے بعد ہی ہم ان سو نئے واقفین سے جماعت کی تربیت کا کام لے سکیں گے۔ بہر حال اگر یکصد نئے واقفین آجائیں تو ہمیں یہ تسلی اور اطمینان تو ہوگا کہ ایک سال کے بعد کم از کم سو نئی جماعتوں میں واقفین وقفِ جدید پہنچ جائیں گے اور وہ وہاں مستقل طور پر رہیں گے۔ ہم ایک سال اور انتظار کر لیں گے۔ اس عرصہ میں ہم وقفِ عارضی کے انتظام کے ماتحت خوابیدہ جماعتوں کو بیدار کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے اور جب واقفین مستقل طور پر جماعتوں میں پہنچ جائیں گے تو وہ قرآن کریم پڑھانے اور جماعت کی تربیت اور دیگر ذمہ داریوں کو ادا کرتے رہیں گے اور

اس طرح جماعت سنبھل جائے گی اور بیدار ہو جائے گی اور اس میں زندگی کی ایک نئی روح پیدا ہو جائے گی۔لیکن اگر آپ حسب سابق ہر سال اس تعداد میں صرف دس کا ہی اضافہ کریں تو یہ ہمارے لئے کافی نہیں۔

پس میں چاہتا ہوں کہ اگلے سال واقفین وقفِ جدید کی کلاس میں جو جنوری ۱۹۶۷ء سے شروع ہوگی۔کم از کم ایک سَو واقفین ہو جائیں اور جماعت کو چاہیے کہ وہ اس طرف متوجہ ہو۔

اساتذہ کی ایک تعداد ہر سال ریٹائر ہوتی ہے۔اگر وہ خاص طور پر اس طرف توجہ دیں تو وہ بہت مفید ہو سکتے ہیں۔اگر پنشن یافتہ اساتذہ اپنی بقیہ عمر وقفِ جدید میں وقف کریں تو ہمیں زیادہ اچھے اور تجربہ کار واقفین مل سکتے ہیں بشرطیکہ وہ خلوص نیت رکھنے والے ہوں اپنے اندر قربانی کا مادہ رکھنے والے ہوں۔دنیا کی محبت ان کے دلوں میں سرد ہو چکی ہو۔وہ خدا تعالیٰ کی طرف منہ کر کے اپنی بقیہ زندگی گزارنے کے متمنّی اور خواہاں ہوں اور دنیا، شیطان اور دنیوی آرام اور آسائشوں کی طرف پیٹھ کر کے اپنی بقیہ زندگی کے دن گزارنے کے لئے تیار ہوں۔وہ باپ کی طرح تربیت کرنے والے ہوں۔یعنی محبت، پیار، اخلاص، ہمدردی اور غمخواری کے ساتھ تربیت کرنے والے ہوں۔ایسے اساتذہ اگر ہمیں مل جائیں تو ممکن ہے ہم انہیں یہاں ایک سال کی بجائے چند ماہ تعلیم دے کر جماعتوں میں کام کرنے کے لئے بھجوا سکیں۔

اگر ہمیں واقفین زیادہ تعداد میں مل جائیں اور میں اپنے رب سے امید رکھتا ہوں کہ وہ جماعت کو یہ توفیق عطا کرے گا کہ جس تعداد میں واقفین کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔اس تعداد میں واقفین مہیا کر دے۔تو پھر ان کے خرچ کا سوال پیدا ہو جاتا ہے۔گزشتہ سال مجلس شوریٰ کے موقع پر وقفِ جدید کا بجٹ ایک لاکھ ستتر ہزار روپے (۱,۷۷۰۰۰) کا منظور ہوا تھا۔لیکن اس وقت تک دفتر وقفِ جدید میں جو وعدے وصول ہوئے ہیں وہ صرف ایک لاکھ چالیس ہزار روپے کے قریب کے ہیں۔یعنی وقفِ جدید کے منظور شدہ بجٹ کے مطابق بھی ابھی وعدے موصول نہیں ہوئے۔پھر بعض جائز اور ناجائز وجوہ کی بِنا پر سارے وعدے عملاً پورے بھی نہیں ہوا کرتے۔یعنی اتنی رقم موصول نہیں ہوتی جتنی رقم کے وعدے ہوتے ہیں۔سال کے شروع میں ایک شخص

خوب کمار ہا ہوتا ہے اور اپنی آمد کے مطابق وہ اپنا وعدہ لکھوا تا ہے لیکن بعد میں وہ حوادثِ زمانہ کی لپیٹ میں آجاتا ہے۔ اس کی آمد کم ہو جاتی ہے اور وہ مجبور ہو جاتا ہے کہ اپنے وعدہ کو ملتوی کر دے کیونکہ مومن اپنے وعدہ کو منسوخ نہیں کرتا ہاں جب اسے حالات مجبور کر دیتے ہیں تو وہ اپنے وعدہ کو ملتوی کر دیتا ہے۔ اس نیت کے ساتھ کہ جب اللہ تعالیٰ اسے توفیق دے گا۔ تو وہ اپنے وعدہ کو ضرور پورا کر دے گا۔ ایسے ہی لوگوں کو بعد میں اللہ تعالیٰ توفیق بھی عطا کر دیتا ہے کہ وہ اپنے وعدے پورے کر دیں۔ لیکن یہاں حال یہ ہے کہ ایک لاکھ ستتر ہزار روپے (۱,۷۷,۰۰۰) کا بجٹ تھا اور وعدے ابھی تک ایک لاکھ چالیس ہزار روپے کے وصول ہوئے ہیں اور اس کے مقابلہ میں اس وقت تک صرف پچانوے ہزار روپے کی وصولی ہوئی ہے۔ حالانکہ سال رواں میں وقفِ جدید کے لئے ہمیں دو لاکھ یا اس سے زیادہ روپے کی ضرورت ہے۔ میں نے اندازہ لگایا ہے کہ ایک لاکھ ستتر ہزار روپے میں ہمارا کام نہیں چلے گا۔

ہمیں کم از کم دو لاکھ سوا دو لاکھ روپے کی ضرورت ہوگی اور اس قدر رقم ہمیں ملنی چاہیے تا وہ عظیم اور نہایت ہی ضروری اور مفید کام جو وقفِ جدید کے سپرد کیا گیا ہے۔ کما حقہٗ پورا کیا جا سکے۔

پس بجٹ جو مجلس شوریٰ نے پاس کیا تھا اگرچہ وہ ایک لاکھ ستتر ہزار روپے کا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں کم از کم دو لاکھ روپیہ وصول ہونا چاہیے لیکن اس وقت جو وعدے وصول ہوئے ہیں وہ ایک لاکھ چالیس ہزار روپیہ کے ہیں۔ اس کے لئے ایک تو یہ ہونا چاہیے کہ جو دوست اس تحریک میں حصہ لے رہے ہیں وہ اپنے وعدوں پر دوبارہ غور کریں اور جماعت کی ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے ان میں اضافہ کریں اور پھر دعا بھی کریں کہ اللہ تعالیٰ انہیں ان وعدوں کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

دوسرے وہ دوست جنہوں نے ابھی تک وقفِ جدید کی مالی تحریک میں حصہ نہیں لیا انہیں اس تحریک کی اہمیت ذہن نشین کرنی چاہیے اور انہیں اس میں شامل ہونا چاہیے۔

تیسرے میں آج احمدی بچوں (لڑکوں اور لڑکیوں) سے اپیل کرتا ہوں کہ اے خدا اور

اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بچو! اُٹھو اور آگے بڑھو اور تمہارے بڑوں کی غفلت کے نتیجہ میں وقفِ جدید کے کام میں جو رخنہ پڑ گیا ہے اسے پُر کر دو اور اس کمزوری کو دور کر دو جو اس تحریک کے کام میں واقع ہو گئی ہے۔

کل سے میں اس مسئلہ پر سوچ رہا تھا۔ میرا دل چاہا کہ جس طرح ہماری بہنیں بعض مساجد کی تعمیر کے لئے چندہ جمع کرتی ہیں اور سارا ثواب مردوں سے چھین کر اپنی جھولیوں میں بھر لیتی ہیں۔ وہ اپنے باپوں اپنے بھائیوں اپنے خاندوں اپنے دوسرے رشتہ داروں یا دوسرے احمدی بھائیوں کو اس بات سے محروم کر دیتی ہیں کہ اس مسجد کی تعمیر میں مالی قربانی کر کے ثواب حاصل کر سکیں۔ اسی طرح اگر خدا تعالیٰ احمدی بچوں کو توفیق دے تو جماعت احمدیہ کے بچے وقفِ جدید کا سارا بوجھ اٹھا لیں لیکن چونکہ سال کا بڑا حصہ گزر چکا ہے اور مجھے ابھی اطفال الاحمدیہ کے صحیح اعداد و شمار بھی معلوم نہیں اس لئے میں نے سوچا کہ آج میں اطفال الاحمدیہ سے صرف یہ اپیل کروں کہ اس تحریک میں جتنے روپے کی ضرورت تھی اس میں تمہارے بڑوں کی غفلت کے نتیجہ میں جو کمی رہ گئی ہے اس کا بار تم اٹھا لو اور پچاس ہزار روپیہ اس تحریک کے لئے جمع کرو۔

یہ صحیح ہے کہ بہت سے خاندان ایسے بھی ہیں۔ جن کے بچوں کو مہینہ میں ایک دو آنے سے زیادہ رقم نہیں ملتی۔ لیکن یہ بھی صحیح ہے۔ کہ ہماری جماعت میں ہزاروں خاندان ایسے بھی ہیں۔ جن کے بچے کم و بیش آٹھ آنے ماہوار یا شائد اس سے بھی زیادہ رقم ضائع کر دیتے ہیں۔ چھوٹا بچہ شوق سے پیسے لے لیتا ہے لیکن اسے معلوم نہیں ہوتا کہ ان کی قیمت کیا ہے۔ وہ پیسے مانگتا ہے اور اس کی ماں یا اس کا باپ اس کے ہاتھ میں پیسہ آنہ، دونی یا چونی دے دیتا ہے اور پھر وہ بچہ اسے کہیں پھینک کر ضائع کر دیتا ہے۔ اگر مائیں ایسے چھوٹے بچوں کو وقتی خوشی کے سامان پہنچانے کے لئے پیسہ، آنہ، دونی، یا چونی دے دیں اور پھر انہیں ثواب پہنچانے کی خاطر تھوڑی دیر کے بعد ان سے وہی پیسہ، آنہ دونی یا چونی وصول کر کے وقفِ جدید میں دیں اور اس طرح ان کے لئے ابدی خوشیوں کے حصول کے سامان پیدا کر دیں تو وہ بڑی ہی اچھی مائیں ہوں گی۔ اپنی اولاد کے حق میں۔ لیکن یہ تو چھوٹے بچے ہیں۔ جو اپنی عمر کے لحاظ سے ابھی اطفال الاحمدیہ میں شامل نہیں

ہوئے وہ بچے جو اپنی عمر کے لحاظ سے اطفال الاحمدیہ یا ناصرات الاحمدیہ میں شامل ہو چکے ہیں۔ یعنی ان کی عمریں سات سے پندرہ سال تک کی ہیں۔ اگر وہ مہینہ میں ایک اٹھنی وقفِ جدید میں دیں تو جماعت کے سینکڑوں ہزاروں خاندان ایسے ہیں جن پر ان بچوں کی قربانی کے نتیجہ میں کوئی ایسا بار نہیں پڑے گا کہ وہ بھوکے رہنے لگ جائیں۔ رہے وہ غریب خاندان جن کے دلوں میں نیکی کرنے اور ثواب کمانے کی خواہش پیدا ہو۔لیکن ان کی مالی حالت ایسی نہ ہو کہ ان کا ہر بچہ اس تحریک میں ایک اٹھنی ماہوار دے سکے۔تو ان لوگوں کی خواہش کے مدِّنظر میں ان کے لئے یہ سہولت پیش کر دیتا ہوں کہ ایسے خاندان کے سارے بچے مل کر ایک اٹھنی ماہوار اس تحریک میں دیں کہ اس طرح اس خاندان کے سارے بھائی اور بہنیں ثواب میں شریک ہو جائیں گی۔لیکن یہ رعایت صرف ان خاندانوں کے لئے ہے جو مالی لحاظ سے کمزور ہیں لیکن باطنی اور ایمانی لحاظ سے ان کے دل روشن اور مضبوط ہیں اور ان کے بچوں کے دلوں میں یہ خواہش ہے کہ کاش ہماری مالی حالت ایسی ہوتی کہ ہم میں سے ہر ایک اٹھنی ماہوار اس تحریک میں دے سکتا اور ہم ثواب سے محروم نہ رہتے ان کی ایسی خواہش کو مدِّنظر رکھتے ہوئے میں نے یہ سہولت دی ہے کہ وہ سب بچے مل کر ایک اٹھنی ماہوار اس تحریک میں دیں۔

اب سال کا بہت تھوڑا حصہ باقی رہ گیا ہے اگر احمدی بچے اس موقعہ پر پچاس ہزار روپیہ پیش کر دیں تو وہ دنیا میں ایک بہترین نمونہ قائم کرنے والے ہوں گے اور اس طرح ہماری وہ ضرورت پوری ہو جائے گی جو اس وقت اعلائے کلمۃ اللہ اور جماعت کی مضبوطی اس کی تربیت اور تعلیم کے نظام کو مستحکم کرنے کے لئے ہمارے سامنے ہے اور جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بچوں کو نماز کی عادت ڈالنے کے لئے ان کی نماز کی بلوغت سے پہلے نماز پڑھانے کی ہمیں تلقین کی ہے۔اسی طرح ان مالی قربانیوں کے لئے جو فرض کے طور پر ایک احمدی پر عائد ہوتی ہیں اس فرض کے عائد ہونے سے پہلے ہمارے بچوں کی تربیت ہو جائے گی اور جب وہ فرض ان پر عائد ہو گا تو وہ خوشی اور بشاشت سے مالی جہاد میں شامل ہوں گے اور اس فرض کے ادا کرنے میں وہ کوئی کمزوری نہ دکھائیں گے کیونکہ ان کی طبیعتوں میں بچپن سے ہی یہ بات راسخ ہو چکی ہو گی کہ

جہاں ہم نے خدا اور رسول کے لئے دوسری قربانیاں کرنی ہیں۔ وہاں ہم نے خدا اور اس کے رسول کے لئے مالی قربانیاں بھی دینی ہیں۔

غرض ایک بچہ جب اٹھنی دے رہا ہوگا یا جب بعض خاندانوں کے سب بچے باہم مل کر ایک اٹھنی ماہوار وقفِ جدید میں دے رہے ہوں گے تو یہ ایک لحاظ سے ان کی تربیت ہوگی اس طرح ہم ان کے ذہن میں یہ بات بھی راسخ کر رہے ہوں گے کہ جب خدا تعالیٰ کسی کو مال دیتا ہے تو وہ مال جو اس کی عطا ہے بشاشت سے اسی کی طرف لوٹا دینا اور اس کے بدلہ میں ثواب اور اس کی رضا حاصل کرنا اس سے زیادہ اچھا سودا دنیا میں اور کوئی نہیں۔ پس اے احمدیت کے عزیز بچو! اٹھو اور اپنے ماں باپ کے پیچھے پڑ جاؤ اور ان سے کہو کہ ہمیں مفت میں ثواب مل رہا ہے۔ آپ ہمیں اس سے کیوں محروم کر رہے ہیں۔ آپ ایک اٹھنی ماہوار ہمیں دیں کہ ہم اس فوج میں شامل ہو جائیں۔ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ دلائل و براہین اور قربانی اور ایثار اور فدائیت اور صدق وصفا کے ذریعہ اسلام کو باقی تمام ادیان پر غالب کرے گی۔ تم اپنی زندگی میں ثواب لوٹتے رہے ہو اور ہم بچے اس سے محروم رہے ہیں۔ آج ثواب حاصل کرنے کا ایک دروازہ ہمارے لئے کھولا گیا ہے ہمیں چند پیسے دو کہ ہم اس دروازہ میں سے داخل ہو کر ثواب کو حاصل کریں اور خدا تعالیٰ کی فوج کے ننھے منے سپاہی بن جائیں۔

اللہ تعالیٰ آپ سب کو اس کی توفیق عطا کرے۔ (آمین)

(روزنامہ الفضل ربوہ ۱۲ر اکتوبر ۱۹۶۶ء صفحہ ۲ تا ۵)

ہمیں یقین ہے کہ ایک شمس کے بدلے اللہ تعالیٰ ہزاروں اور شمس عطا فرمائے گا

خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۴؍اکتوبر ۱۹۶۶ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیات قرآنیہ کی تلاوت فرمائی۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۔ وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۔ (الرحمٰن: ۲۷، ۲۸)

اس کے بعد فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو بیماریوں اور امراض کے لئے شفا قرار دیا ہے۔ یہ کتابِ عظیم انسان کی اخلاقی بیماریوں کو بھی دور کرتی ہے اس کی روحانی بیماریوں کو بھی دور کرتی ہے اور ان زخموں کے لئے بھی جو انسان اپنی فطرت اور طبیعت کے تقاضا کے مطابق محسوس کرتا ہے اور اسے تکلیف پہنچاتے ہیں بطور پھایہ کے کام آتی ہے۔

ہمیں کل اپنے ایک اچھے دوست پایہ کے عالم، خدا اور اس کے رسولؐ کے عاشق اور احمدیت کے فدائی کی جدائی کا صدمہ پہنچا ہے اور فطرتاً ہمیں اس سے غم اور دکھ محسوس ہوتا ہے۔ لیکن ہم خدا تعالیٰ کی کتاب کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے اپنے رب سے تسکین حاصل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان دو آیات میں جو میں نے ابھی پڑھی ہیں فرماتا ہے کہ

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۔ وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ

زمین پر ہر چیز جو پائی جاتی ہے وہ فنا ہونے والی ہے۔سوائے ان باتوں اشیاء اور وجودوں کے جنہیں اللہ تعالیٰ باقی رکھنا چاہے وہ خدا ذوالجلال بھی ہے اور ذوالاکرام بھی ہے۔ان دونوں آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایک ہی وقت میں اعلان فنا بھی کیا ہے اور اعلان بقا بھی کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بعض چیزوں کو کلیتاً فنا ہونے سے محفوظ رکھا ہے اور اس نے ان چیزوں کو اپنی مشیت کے ماتحت ایک بقا عطا کی ہے۔

قرآن کریم کے مطالعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے اور جو دو آیات میں نے پڑھی ہیں وہ بھی مختصراً اس کی طرف اشارہ کر رہی ہیں کہ ایک تو انسان کی روح مرنے کے بعد بقا حاصل کرتی ہے اور دوسرے قرآن کریم سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اعمالِ صالحہ کو بھی باقی رکھتا ہے۔غرض اللہ تعالیٰ ان دونوں آیات میں فرماتا ہے کہ ہر چیز جو اس دنیا میں ہے۔آخر یہاں سے چلی جائے گی۔نہ انسان یہاں رہے گا کہ وہ بھی فانی ہے اور نہ اس کے اعمال۔جہاں تک مرنے والے کی ذات کا تعلق ہے اس دنیا میں باقی رہیں گے بلکہ وہ اعمال مرنے والے کے ساتھ ہی دوسرے جہاں میں لے جائے جائیں گے۔ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ۔وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۔ہر چیز جو زمین پر پائی جاتی ہے فانی ہے۔سوائے ان اشیاء اور وجودوں کے جنہیں خدا تعالیٰ باقی رکھنا چاہے۔حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان آیات کے ایک معنی تفسیرِ صغیر میں یہی کئے ہیں کہ اس سرزمین پر جو کوئی بھی ہے آخر ہلاک ہونے والا ہے اور صرف وہ بچتا ہے۔جس کی طرف تیرے جلال اور عزت والے خدا کی توجہ ہو۔

پس وہ لوگ اپنے ان اعمال کے ساتھ جن کے ذریعہ وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے جلال کو دنیا میں قائم رکھنے والے ہیں۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے بقا حاصل کرتے ہیں۔یعنی ان کو بقا حاصل ہوتی ہے۔جو اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں (جیسا کہ قرآن کریم نے بتایا ہے) صاحبِ عزت وہی ہوتے ہیں جو صاحبِ تقویٰ ہوں جیسا کہ فرمایا۔

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (الحجرٰت: ۱۴) یعنی خدا تعالیٰ کی نگاہ میں وہی عزت پاتے ہیں جو قرآن کریم کے بتائے ہوئے اصولِ تقویٰ کی باریک راہوں پر گامزن ہوتے ہیں

اور رضائے الٰہی کی باعزت جنتوں میں اللہ تعالیٰ ان کا ٹھکانہ بناتا ہے۔ پس یہاں ایک طرف یہ فرمایا کہ اس دنیا میں نہ کسی شخص نے باقی رہنا ہے اور نہ جہاں تک اس کی ذات کا تعلق ہے اس کے اعمال نے باقی رہنا ہے اور دوسری طرف یہ فرمایا کہ یہاں کی زندگی کے خاتمہ کے ساتھ تم پر کلی فنا وارد نہیں ہوگی بلکہ تمہاری ارواح کو دوسرے اجسام دے کر ایک دوسری دنیا میں زندہ رکھا جائے گا۔ اس لئے بے فکر نہ ہونا یہ سمجھتے ہوئے کہ مرنے کے ساتھ تمہارا معاملہ خدا تعالیٰ سے کلیۃً کٹ چکا ہے وہ کٹا نہیں بلکہ اے انسانو اور اے آدم زادو! تمہارے ساتھ ہمارا واسطہ ابد تک قائم رہے گا۔ تمہاری ارواح کو ہم نے زندہ رکھنا ہے۔ یہ خدائے ذوالجلال اور ذوالاکرام کا فیصلہ ہے۔

’’وَجۡهُ رَبِّكَ‘‘ کے ایک معنی یہ ہیں کہ وہ اعمال جو انسان اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر اور اس کی توجہ اور رضا کو جذب کرنے کے لئے بجالاتا ہے۔ تو یہاں یہ فرمایا کہ انسان کے تمام اعمال ہلاک کر دئے جاتے ہیں سوائے ان اعمال کے جن کے ذریعہ انسان اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کی خواہش رکھتا ہو جو خالصۃً خدا تعالیٰ کے لئے کئے گئے ہوں۔ اس کی رضا جوئی میں بجالائے گئے ہوں ایسے اعمال پر فنا وارد نہیں ہوتی۔

جو اعمال ایسے نہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان پر ہمارے منشا اور قانون کے مطابق فنا وارد ہو جاتی ہے ایسے اعمال کی فنا اور ان کے نیست و نابود کئے جانے کے متعلق جو باتیں ہمیں معلوم ہوتی ہیں وہ یہ ہیں کہ ایک تو خدا تعالیٰ ایسے اعمال کے بجالانے والوں کو اس دنیا میں ہی سزا دے کر ان کے بعض اعمال کو باطل کر دیتا ہے۔ یعنی کچھ بداعمال ایسے ہوتے ہیں کہ انسان کو ان کی سزا اس دنیا میں ہی مل جاتی ہے اور اُخروی زندگی میں ان کی سزا پھر اسے نہیں ملتی۔ ہاں دوسرے ایسے بداعمال کی سزا اسے اُخروی زندگی میں ملتی ہے جن کی سزا اسے اس دنیا میں نہیں مل چکی ہوتی۔

دوسرے خدا تعالیٰ ایسے بداعمال کو اس طرح بھی ہلاک کرتا ہے کہ ان کا وہ نتیجہ نہیں نکلتا جو ان کے بجالانے والے نکالنا چاہتے ہیں۔ مثلاً وہ اعمال جو خدا تعالیٰ کے رسول اور اس کے سلسلوں کو ہلاک کرنے اور انہیں مٹانے کے لئے منکرین بجالاتے ہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ بے نتیجہ کر دیتا ہے اور اس طرح ان معنوں کی رو سے ان پر ہلاکت اور فنا وارد ہو جاتی ہے۔

تیسرا طریق ان بد اعمال کو فنا کرنے کا خدا تعالیٰ نے یہ رکھا ہے کہ وہ ان اعمال اور ان کے بجالانے والوں کو جہنم میں ڈال کر ان بد اعمال کو فنا کر دیتا ہے۔ اسی لئے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہنم پر ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ اس میں کوئی انسانی روح نہیں رہے گی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام انسان چاہے وہ کتنے ہی گنہ گار کیوں نہ ہوں۔ چاہے وہ کتنے ہی خدا تعالیٰ کو ناراض کرنے والے کیوں نہ ہوں ان کے بد اعمال جہنم میں جا کر ایک وقت میں ہلاک اور فنا ہو جائیں گے۔ کیونکہ یہ بات تو ماننے کے قابل نہیں کہ بد اعمال فنا بھی نہ ہوں اور ان کے ساتھ ایک شخص کو ایک وقت تک جہنم میں رکھا جائے اور دوسرے وقت میں اسی شخص کو انہی بد اعمال کے ساتھ جنت میں لے جایا جائے۔ غرض جہنم بھی بد اعمال کی ہلاکت کا ایک ذریعہ ہے۔

اس کے مقابلہ میں وہ اعمالِ صالحہ جن سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کی جاتی ہے اور جنہیں فنا فی الرسول کے ذریعہ اور تقویٰ کی ان باریک راہوں پر گامزن ہو کر بجالایا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان فرمائی ہے۔ ان کی بقا کے بھی مختلف طریق ہیں۔ ذاتی طور پر اس شخص کے اعمال جو وفات پا جاتا ہے۔ جہاں تک اس کی ذات کا تعلق ہے اس دنیا میں باقی نہیں رہتے اور اس طرح ان اعمال پر بھی اس فرد کے ساتھ ہی ایک فنا وارد ہو جاتی ہے۔ لیکن جس طرح اس کی روح کو زندہ رکھا جاتا ہے۔ اسی طرح ان نیک اعمال کو بھی اللہ تعالیٰ اس کے لئے زندہ رکھتا ہے اور صرف زندہ ہی نہیں رکھتا بلکہ انہیں بڑھاتا رہتا ہے۔ وہ ان سے بیج کا کام لیتا ہے اسی لئے جنت کی نعماء نہ ختم ہونے والی ہیں۔ جیسا کہ فرمایا۔

عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ (ھود:۱۰۹)

یعنی ان نعماء پر کبھی فنا وارد نہیں ہوتی وہ باقی رہتی ہیں اور باقی رہیں گی۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ ایمان باغوں کی شکل میں اور اعمالِ صالحہ نہروں کی شکل میں اُخروی زندگی میں باقی رکھے جاتے ہیں۔ یعنی وہ افراد جن کی روحوں کو خدا تعالیٰ نے اپنی رضا کے عطر سے ممسوح کیا۔ ان کی روحوں کے ساتھ ان کے اعمالِ صالحہ بھی باقی رکھے جاتے ہیں جن سے وہ ابدالآباد تک فائدہ حاصل کرتے رہیں گے۔

اعمالِ صالحہ کی بقا کا دوسرا طریق جو ہمیں اسلام میں نظر آتا ہے وہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ دنیا میں کسی الٰہی سلسلہ کو قائم کرتا ہے اس لئے کہ وہ اس کی عظمت اور اس کے جلال کو قائم کرے تو اس برگزیدہ جماعت کو بحیثیت جماعت اللہ تعالیٰ کی راہ میں فنا ہونے کی وجہ سے اس دنیا میں بھی ایک لمبا عرصہ عزت کی زندگی عطا کی جاتی ہے اور صالحین کا بدل پیدا کر کے ان اعمالِ صالحہ کو اس وقت تک کہ اس قوم اور سلسلہ کی ہلاکت کا وقت آ جائے انہیں قومی بقا عطا کرتا ہے۔ غرض یَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ وہ اعمال جو خدا تعالیٰ کی رضا کی خاطر کئے جاتے ہیں جن میں غیر کی ملونی نہیں ہوتی۔ جنہیں انسان بے نفس ہو کر اپنے اوپر عجز انکسار نیستی اور فنا طاری کر کے خود کو کچھ نہ سمجھ کر بلکہ اپنے ربّ کو ہی سب کچھ سمجھتے ہوئے۔ اس کی نعمتوں کو حاصل کرنے کے لئے کوشش اور مجاہدہ کر کے بجا لاتا ہے انہیں اس رنگ میں اس قوم میں باقی رکھا جاتا ہے کہ جب اس کے بعض افراد اس دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں تو ان کے بعض قائم مقام کھڑے ہو جاتے ہیں اور اس طرح اللہ تعالیٰ اس قوم میں ان اعمالِ صالحہ کا ایک لمبا سلسلہ قائم کر دیتا ہے۔ ہمارے جو بھائی کل ہم سے جدا ہوئے ہیں ان کا مقام اسی معنی میں جماعت میں قائم مقام کے طور پر بھی تھا۔ یعنی جب بعض بزرگ تر ہستیاں جماعت سے جدا ہوئیں تو خدا تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے جماعت میں ایسے لوگوں کو کھڑا کر دیا کہ جنہیں گو مرنے والوں کی زندگی میں وہ مقام وجاہت، مرتبہ اور علم حاصل نہ تھا جو مرنے والوں کا تھا۔ لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے انہیں پہلوں کا سا مقام وجاہت، مرتبہ اور علم دے دیا۔ چنانچہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

”حافظ روشن علی صاحب مرحومؓ۔ میر محمد اسحاق صاحبؓ اور مولوی محمد اسماعیل صاحبؓ...... ان میں سے ایک کتابوں کے حوالے یاد رکھنے کی وجہ سے اور باقی دو اپنے مباحثوں کی وجہ سے جماعت میں اتنے مقبول ہوئے کہ مجھے یاد ہے اس وقت ہمیشہ جماعتیں یہ لکھا کرتی تھیں کہ اگر حافظ روشن علی صاحبؓ اور میر محمد اسحاق صاحبؓ نہ آئے تو ہمارا کام نہیں چلے گا۔ حالانکہ چند مہینے پہلے حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کی زندگی میں انہیں کوئی خاص عزت حاصل نہیں تھی۔

میر محمد اسحاق صاحب کو تو کوئی جانتا بھی نہیں تھا اور حافظ روشن علی صاحب گو جماعتوں کے جلسوں پر آنے جانے لگ گئے تھے مگر لوگ زیادہ تر یہی سمجھتے تھے کہ ایک نوجوان ہے جسے دین کا شوق ہے اور وہ تقریروں میں مشق پیدا کرنے کے لئے آجاتا ہے مگر حضرت خلیفہ اول ؓ کی وفات کے بعد چند دنوں میں ہی انہیں خدا تعالیٰ نے وہ عزت اور رعب بخشا کہ جماعت نے یہ سمجھا کہ ان کے بغیر اب کوئی جلسہ کامیاب ہی نہیں ہوسکتا۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد جب ادھر میر محمد اسحاق صاحب کو نظامی امور میں زیادہ مصروف رہنا پڑا اور ان کی صحت بھی خراب ہوگئی۔ اور ادھر حافظ روشن علی صاحب وفات پا گئے تو کیا اس وقت بھی کوئی رخنہ پڑا؟ اس وقت اللہ تعالیٰ نے فوراً مولوی ابوالعطاء صاحب اور مولوی جلال الدین صاحب شمس کو کھڑا کر دیا اور جماعت نے محسوس کیا کہ یہ پہلوں کے علمی لحاظ سے قائم مقام ہیں''۔ [۲۶]

پس الٰہی سلسلے اپنے بزرگوں کے وصال کے بعد ان سے جدا ہو کر صدمہ اور غم تو محسوس کرتے ہیں لیکن یہ درست نہیں (اگر کوئی ناسمجھ خیال کرے) کہ کسی جانے والے کے بعد اس کی وجہ سے الٰہی سلسلے کے کام میں کوئی رخنہ پیدا ہوسکتا ہے یا رخنہ پیدا ہوگیا ہے کیونکہ جب تک اللہ تعالیٰ اپنے قائم کردہ سلسلہ کو بقا اور زندگی عطا کرنا چاہتا ہے۔ اس وقت تک ایک شخص کے اعمال پر فنا وارد کرنے کے بعد وہ دوسرے افراد کھڑے کر دیتا ہے جو اسی قسم کے اعمالِ صالحہ بجالاتے ہیں اور اپنے لئے اور جماعت کے لئے اللہ تعالیٰ کے فضلوں کو جذب کرنے والے ہوتے ہیں۔

ہمارے بزرگ ہمارے بھائی ہمارے دوست مکرم مولوی جلال الدین صاحب شمس ہم سے جدا ہوئے۔ خدا کی رضا کی خاطر انہوں نے اپنی زندگی کو گزارا اور میں سمجھتا ہوں کہ انہوں نے اپنی وفات کے بعد خدا تعالیٰ کی ابدی رضا کو حاصل کیا۔ ان کی وفات کے بعد خدا تعالیٰ خود اس سلسلہ میں ایسے آدمی کھڑے کرے گا جو اسی خلوص کے ساتھ اور جو اسی جذبہ فدائیت کے ساتھ اور جو اسی نورِ علم کے ساتھ جو اسی روشنی فراست کے ساتھ سلسلہ کی خدمت کرنے والے ہوں گے جس کے ساتھ مکرم مولوی جلال الدین صاحب شمس نے سلسلہ کی خدمت کی تھی۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کا سلوک ہمارے ساتھ ایسا ہی چلا آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ابھی یہ منشا نہیں اور خدا کرے

کہ اس کی کبھی یہ منشا نہ ہو کہ وہ اس جماعت کو ہلاک اور تباہ کر دے کیونکہ اس سلسلہ نے جسے خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے لگایا ہے ابھی وہ کام پورے نہیں کئے جو اس کے سپرد کئے گئے تھے ابھی غیر مذاہب کے ساتھ عظیم جنگ جاری ہے۔ عیسائیوں، یہودیوں، ہندوؤں، لامذہب اور بدمذہب اقوام کے خلاف روحانی جنگ ہو رہی ہے اور اس جنگ میں ابھی ہمیں آخری فتح حاصل نہیں ہوئی۔ ہماری جماعت کے پھیلاؤ کے ساتھ اور ہماری بڑھتی ہوئی ضرورتوں کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ پہلے سے زیادہ اہل اور اس کی رضا میں محو ہونے والے اور اس کے نور سے حصہ لینے والے ایسے جرنیل پیدا کرتا چلا جائے گا جو اسلام کی اس فوج کو بہترین قیادت عطا کریں گے۔ ان کو آخری کامیابی کی طرف درجہ بدرجہ نہایت خاموشی کے ساتھ (کہ جہاں تک ان کے نفوس کا تعلق ہے ایسے نفوس بے نفس ہوتے ہیں) اور عظیم شان کے ساتھ (جو جہاں تک نتائج کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے ایسے بندوں کو عطا کرتا ہے۔) اس فوج کو اسلام کی آخری فتح کی طرف لے جانے والے ہوں گے جس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے۔

پس ہمارے دل اپنے ایک دوست کی جدائی کی وجہ سے بے شک دکھی ہیں کیونکہ انسان کی فطرت ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ وہ جانے والے کے فراق کے نتیجہ میں دکھ محسوس کرتا ہے لیکن جہاں تک سلسلہ احمدیہ کا تعلق ہے ایک شمس غروب ہوا تو اللہ تعالیٰ ہزاروں شمس اس پر چڑھائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کا فضل اس جماعت کو اس وقت تک حاصل ہوتا رہے گا جب تک یہ جماعت اور اس کے افراد اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے فضلوں اور اس کی برکتوں اور اس کی رحمتوں کے حصول کے اہل بنائے رکھیں گے۔ وہ قربانیاں دیتے رہیں گے اور ایثار کا نمونہ دکھاتے رہیں گے جو صحابہؓ نے خدا تعالیٰ اور اس کے محبوب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دکھایا تھا۔ غرض ہم دکھی بھی ہیں اور اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ رکھنے والے بھی ہیں کہ وہ سلسلہ کے کاموں میں کوئی رخنہ نہیں پڑنے دے گا جس کے نتیجہ میں یہ جماعت کمزور ہو۔ جیسا کہ سلسلہ کے پہلے جانے والے بزرگوں کے بعد اس نے شمس صاحب جیسے آدمی کھڑے کر دیئے۔ اسی طرح وہ شمس صاحب کے جانے کے بعد شمس صاحب جیسے آدمی کھڑے کر دے گا۔

مکرم شمس صاحب نے جو خدمات سلسلہ کی کی ہیں ان کی حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں بڑی قدر تھی۔ چنانچہ جب شمس صاحب انگلستان سے واپس تشریف لائے تو حضور ؓ نے اس پیشگوئی کہ سورج مغرب سے طلوع کرے گا کا ایک بطن آپ کو بھی قرار دیا۔ آپ نے فرمایا۔

''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی مغرب سے طلوع شمس کا ایک بطن اس وقت شمس صاحب کے ذریعہ پورا ہوا جبکہ وہ مغرب سے آئے۔'' [۲۷]

کیونکہ صحیح معنی اس پیشگوئی کے یہ تھے کہ مغربی اقوام جو ہیں وہ اسلام کی حقانیت اور صداقت کا عرفان حاصل کریں گی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں آنا اپنے لئے عزت کا باعث سمجھیں گی۔ پس اس کوشش میں جو بھی حصہ لیتا ہے وہ اسی شمس کا ایک حصہ ہے۔ ایک ظل ہے ایک پرتَو ہے۔ جس کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مغرب سے چڑھے گا۔ غرض جب آپ انگلستان سے واپس آئے تو چونکہ وہی کام آپ نے وہاں کیا تھا۔ جو اس پیشگوئی میں درج ہے۔ اس لئے حضور نے فرمایا۔ کہ اس کا ایک بطن شمس صاحب کا مغرب میں قیام اور وہاں سے واپس آنا بھی ہے۔

پھر شمس صاحب کے سپرد جب تصنیف واشاعت کا کام کیا گیا تو حضرت مصلح موعود ؓ نے اس پر خوشنودی کا اظہار فرمایا۔ اور فرمایا

''پھر تصنیف واشاعت کا محکمہ ہے۔ یہ کام نیا شروع ہوا ہے۔ لیکن ایک حد تک اس کی اٹھان بہت مبارک ہے۔ شمس صاحب نے اس کام میں جان ڈال دی ہے۔'' [۲۸]

جو شخص خدا تعالیٰ کے لئے زندہ ہو۔ وہ ہر اس کام میں زندگی پیدا کر دیتا ہے۔ جسے وہ خدا تعالیٰ کے نام پر اور اس پر بھروسہ کرتے ہوئے شروع کرتا ہے۔ پھر شمس صاحب کو حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ''خالد'' کا خطاب بھی دیا۔

حضور نے جلسہ سالانہ ۱۹۵۶ء کی تقریر میں فرمایا:۔

''ایک بات میں یہ کہنی چاہتا تھا کہ حضرت خلیفہ اوّل ؓ کی خلافت کے خلاف جب

حملے ہوئے تو حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ مغرور مت ہو۔ میرے پاس خالد ہیں جو تمہارا سر توڑیں گے۔ مگر اس وقت سوائے میرے کوئی خالد نہیں تھا۔ صرف میں ایک شخص تھا۔ چنانچہ پرانی تاریخ نکال کر دیکھ لو۔ صرف میں ہی ایک شخص تھا۔ جس نے آپ کی طرف سے دفاع کیا اور پیغامیوں کا مقابلہ کیا اور ان سے چالیس سال گالیاں سنیں۔ لیکن باوجود اس کے کہ ایک شخص ان کی طرف سے دفاع کرنے والا تھا۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ نے اس کی زبان میں برکت دی۔ اور ہزاروں ہزار آدمی مبائعین میں آکر شامل ہو گئے۔ جیسا کہ آج کا جلسہ ظاہر کر رہا ہے۔ مگر یہ نہ سمجھو۔ کہ اب وہ خالد نہیں ہیں اب ہماری جماعت میں اس سے زیادہ خالد موجود ہیں۔ چنانچہ شمس صاحب ہیں۔ مولوی ابو العطاء ہیں عبدالرحمٰن صاحب خادم ہیں۔ یہ لوگ ایسے ہیں۔ کہ جو دشمن کا منہ توڑ جواب دے سکتے ہیں اور دیں گے انشاء اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ ان کی قلم میں اور ان کے کلام میں زیادہ سے زیادہ برکت دے گا۔“ ۲۹

اب ان تین دوستوں میں سے جنہیں اس وقت حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خالد قرار دیا تھا۔ دو اپنے ربّ کو پیارے ہو چکے ہیں۔ تیسرے کی زندگی اور عمر میں اللہ تعالیٰ برکت ڈالے اور لمبا عرصہ انہیں خدمت دین کی توفیق عطا کرتا رہے اور اللہ تعالیٰ ان کے لئے یہ مقدر کرے کہ وہ بے نفس ہو کر اور دنیا کی تمام ملونیوں سے پاک ہو کر خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنے وقت کو اور اپنے علم کو اور اپنی قوتوں کو خرچ کرنے والے ہوں۔ دوستوں کو یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ جماعت میں صرف تین خالد تھے۔ جن میں سے دو وفات پا چکے ہیں۔ اب کیا ہو گا خدا تعالیٰ کا ہمارے ساتھ یہی طریق رہا ہے کہ جب ہم میں سے ایک شخص جاتا ہے تو ہمیں اس کی جگہ ایک نہیں ملتا۔ بلکہ دو، پانچ یا دس آدمی اس کے مقابلہ میں وہ ہمیں عطا کرتا ہے۔ اس کی نعمتوں کے خزانے غیر محدود ہیں اور ضرورتِ حقہ کے مطابق وہ اپنی قدرتوں اور اپنی طاقتوں سے اتنے آدمی پیدا کر دیتا ہے۔ جتنے آدمیوں کی ہمیں ضرورت ہوتی ہے۔

خدا تعالیٰ نے جماعت کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے بہت سے نئے خالد پیدا کرنے

ہیں ہمارے لئے سوچنے اور غور کرنے کا یہ مقام ہے اور ہمیں دعا کرنی چاہیے کہ خدا تعالیٰ ہماری کمزوریوں کو نظر انداز کر کے ہمیں اس گروہ میں شامل کرے۔ جو خالد بننے والے ہیں۔ جو اس کی نگاہ میں خالد قرار دیئے جانے والے ہیں اور جو اس کے دشمنوں کو منہ توڑ جواب دینے والے ہیں۔ جن کی تقریروں اور تحریروں میں خدا تعالیٰ اپنے فضل سے برکت دینے والا ہے جن کی تقریروں اور تحریروں سے دنیا فیض حاصل کرنے والی ہے۔ دنیا سکون حاصل کرنے والی ہے دنیا ان راہوں کا عرفان حاصل کرنے والی ہے۔ جو راہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کی طرف لے جانے والی ہیں جانے والا ہمیں بہت پیارا تھا لیکن جس نے اسے بلایا وہ ہمیں سب دنیا سے زیادہ پیارا ہے ہم اس کی رضا پر راضی ہیں اور ہم اس پر کامل توکل اور بھروسہ رکھتے ہیں کہ وہ ہمارے اس جانے والے بھائی سے پیار اور محبت کا سلوک کرے گا اور اس سے یہ امید رکھتے ہیں کہ جب ہماری باری آئے اور ہمیں اس طرف سے بلاوا آئے۔ تو وہ ہم سے بھی محبت اور پیار کا سلوک کرے گا۔ پھر ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس جماعت میں ہزاروں مخلص نوجوان پیدا کرتا چلا جائے کہ جب وہ اس کے پاس پہنچیں تو ان کے ساتھ بھی وہی محبت پیار کا سلوک ہو جو محبت اور پیار کا سلوک شمس صاحبؓ کو ملا۔ جو محبت اور پیار کا سلوک میر محمد اسحاق صاحبؓ کو ملا جو محبت اور پیار کا سلوک حافظ روشن علی صاحبؓ کو ملا اور جو محبت اور پیار کا سلوک مولوی عبد الکریم صاحبؓ کو ملا۔ رِضْوَانَ اللّٰہِ عَلَیْہِمْ ۔ اَللّٰھُمَّ آمِّیْن ۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۱۹؍ اکتوبر ۱۹۶۶ء صفحہ ۲ تا ۵)

دنیا کی سیاست، دنیا کی وجاہتوں اور عزتوں سے ہمیں کوئی دلچسپی نہیں ہے

خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۱؍اکتوبر ۱۹۶۶ء مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

مجھے چار پانچ روز سے بخار جسم میں درد اور سر درد کی شکایت رہی ہے آج پہلا دن ہے کہ حرارت قریباً نارمل ہے۔ ورنہ اگر صبح کے وقت حرارت نارمل ہوتی تھی تو دو تین گھنٹہ کے بعد دوبارہ حرارت ہو جاتی۔ اس وقت بھی میں شدید ضعف محسوس کر رہا ہوں لیکن چونکہ ہمارے نوجوان دوست باہر سے بھی آج یہاں تشریف لائے ہوئے ہیں۔ اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ خواہ چند فقرے ہی میں کیوں نہ کہوں خطبہ جمعہ خود جا کے پڑھاؤں۔

اللہ تعالیٰ جب اپنے سلسلہ کو قائم کرتا ہے تو اس کی فتح کے لئے ایک طرف اسے دلائل و براہین کے ہتھیار دیتا ہے اور دوسری طرف آسمانی تائیدیں اور نصرتیں معجزانہ رنگ میں اس کے لئے نازل فرماتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کے قائم کردہ سلسلے جسموں کو فتح کرنے کے لئے قائم نہیں کئے جاتے بلکہ دلوں اور روحوں کو فتح کرنے کے لئے قائم کئے جاتے ہیں اور دل اور روح دلیل اور معجزہ کے ساتھ ہی فتح کیا جا سکتا ہے نہ کہ کسی مادی ہتھیار سے، لیکن جب منکرین سلسلہ الٰہیہ ان دلائل کے سامنے لاجواب ہو جاتے ہیں اور ان معجزات اور تائیدات اور نصرتوں کو دیکھ کر ان سے کچھ

بن نہیں آتا تو وہ پھر یہ حربہ استعمال کرتے ہیں کہ کہنے لگ جاتے ہیں کہ یہ الٰہی سلسلہ نہیں بلکہ ایک سیاسی جماعت ہے جو دنیوی اقتدار حاصل کرنا چاہتی ہے۔ اس طرح پر وہ کوشش کرتے ہیں کہ وہ ان دلائل اور ان براہین اور ان تائیدات سماوی اور ان نصرتوں اور معجزات سے دنیا کی توجہ کو ہٹا دیں جو اللہ تعالیٰ اس سلسلہ کے لئے آسمان سے نازل کرتا ہے۔

آج کل بھی کچھ لوگ کھڑے ہوئے ہیں جو اپنی تقاریر میں یا بعض اخبارات میں پہلے سے بھی زیادہ یہ شور مچا رہے ہیں کہ جماعت احمدیہ ایک سیاسی جماعت ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ دنیا پر یا پاکستان پر اپنا سیاسی اقتدار قائم کرے۔

ایسے لوگوں کو ہمیں دلیل کے ساتھ بھی اور نمونہ کے ساتھ بھی یہ بتا دینا چاہیے کہ ہم ہرگز کوئی سیاسی جماعت نہیں ہیں۔ دنیا کی محبت اللہ تعالیٰ نے ہمارے دلوں میں ٹھنڈی کر دی ہے اور دنیا کی وجاہتیں اور دنیا کے اقتدار اور دنیا کی عزتیں ہماری نگاہ میں اتنی بھی قدر اور حیثیت نہیں رکھتیں جتنی کہ ایک ٹوٹی ہوئی جوتی اس آدمی کی نگاہ میں قدر رکھتی ہے جو اسے پھینک دیتا ہے اور اس کی بجائے نئی خرید لیتا ہے۔ پس دنیا سے، دنیا کی سیاست سے، دنیا کی وجاہتوں اور عزتوں سے ہمیں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ ہمیں اگر دلچسپی ہے تو صرف اس بات سے کہ گھر گھر اللہ تعالیٰ کی توحید کا جھنڈا لہرانے لگے۔ دل دل میں اسلامی تعلیم گھر کر جائے اور روح، روح محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عشق میں مست رہ کر اپنی زندگی کی گھڑیاں گزارنے لگے۔ یہ ہے ہمارے قیام کی غرض اور یہ ہے ہماری زندگی کا مقصد!

چونکہ اس راہ میں جو دلائل اور تائیدات ہمیں دیئے گئے ہیں ان کا جواب نہ رکھتے ہوئے ہم سے دنیا کی توجہ کو ہٹانے کی خاطر ہمارا مخالف اور منکر ہم پر الزام لگاتا ہے کہ یہ لوگ دنیا کی وجاہت اور اقتدار کے بھوکے ہیں۔ دراصل مذہب سے انہیں کوئی سروکار نہیں۔ اس لئے ان کے مقابلہ کے لئے اور ان کو جواب دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں دلیل بھی سکھائی اور معجزہ بھی عطا فرمایا ہے اور وہ معجزہ ہے نمونہ بن کر اپنے آپ کو دنیا کے سامنے پیش کرنے کا۔

اگر ہم اپنی زندگیوں کا ہر لمحہ خدا تعالیٰ کی توحید کے قیام کے لئے خرچ کر رہے ہوں۔ اگر ہم

اسلام کی تعلیم کی اشاعت کے لئے اپنے جسموں کی بھی اور اپنے اموال کی بھی قربانی دے رہے ہوں۔ اگر ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے قیام کی خاطر آپ کے اُسوہ پر عمل کرتے ہوئے، آپ کی نہایت ہی حسین اور خوبصورت عکسی تصویر دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہوں۔ تو یہ لوگ بھی اگر ظاہر میں نہیں تو دل میں ضرور شرمندہ ہوں گے کہ جنہیں ہم دنیا کا بھوکا کہتے تھے وہ تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام نکلے، جنہیں ہم دنیا کی عزتوں کے پیچھے دوڑنے والے قرار دیتے تھے۔ وہ تو اسلام کی عزت قائم کرنے کے لئے اپنی ساری عزتیں قربان کر رہے ہیں۔

تو یہ عملی جواب ہوگا جو ان لوگوں کو دیا جا سکتا ہے اور یہی عملی جواب ہے جس کی طرف میں اپنے بھائیوں کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔

اعتراض ہوتے رہے ہیں اعتراض ہو رہے ہیں اور اعتراض ہوتے رہیں گے۔ لیکن زبانی دعوؤں کے مقابلہ میں جس طرح براہین اور دلائل مضبوط چٹان کی طرح قائم رہتے ہیں اور زبانی دعوے انہیں توڑ نہیں سکتے۔

اسی طرح ان اعتراضوں کے جواب میں اگر تم خدا تعالیٰ کے لئے جاں نثاری اور عاجزی کی راہوں کو اختیار کرو گے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر آپ کے اسوہ کو اپناؤ گے اور اپنی زندگیاں انہی نقوش پر ڈھالو گے تو منکر بھی، مخالف بھی، معترض بھی شرمندہ ہوگا اور دنیا بھی حقیقت اور صداقت کو پالے گی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۶/اکتوبر ۱۹۶۶ء صفحہ ۲، ۳)

تحریکِ جدید کے تمام مطالبات قرآن مجید کے پیش کردہ مطالبہ جہاد کی ہی مختلف شقیں ہیں

خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۸؍اکتوبر ۱۹۶۶ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور پُرنور نے یہ دو آیہ کریمہ پڑھیں:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۔ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۔ (الصّف:۱۱، ۱۲)

اور پھر فرمایا:۔

آج میں تحریکِ جدید کے سال نو کا اعلان کرنا چاہتا ہوں۔ مالی قربانیوں کے لحاظ سے تحریکِ جدید کے اس وقت تین حصے ہیں اور وہ تین دفتر کہلاتے ہیں۔ دفتر اوّل، دفتر دوم اور دفتر سوم، دفتر اوّل کا بتیسواں سال جارہا ہے۔ دفتر دوم کا بائیسواں سال جارہا ہے۔ اور دفتر سوم کا پہلا سال جارہا ہے۔ تحریکِ جدید کے بہت سے مطالبات ہیں۔ جن کے متعلق حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۱۹۳۴ء میں پانچ چھ خطبات دیئے۔ اگر آپ ان خطبات کا مطالعہ کریں تو آپ جان لیں گے کہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذہن میں ایک نہایت ہی اہم اور دوررس سکیم تھی۔ جس کی اہمیت بتاتے ہوئے بھی حضور نے غالباً دو یا اس سے زائد خطبات دیئے تھے میں نے

گزشتہ دنوں ان خطبات کو دوبارہ پڑھا اور ان پر غور کیا تو میری توجہ اس طرف گئی کہ تمام مطالبات جو تحریک جدید کے ضمن میں اس سکیم کے ماتحت آپ نے جماعت احمدیہ سے کئے ہیں۔ وہ سارے کے سارے قرآن مجید کے پیش کردہ مطالبہ جہاد کی مختلف شقیں ہیں اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔اے وہ لوگو! جو دعوے کرتے ہو کہ ہم خدا کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اس تعلیم پر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کی طرف لائے ہیں۔ ایمان لاتے ہیں۔آؤ میں ایسی تجارت کی نشان دہی کروں کہ اگر تم یہ سودا اپنے رب سے کرلو۔تو تم اس عذاب الیم سے بچ جاؤ گے، جو ان لوگوں کے لئے مقدر ہے جو اس قسم کا سودا اور اس قسم کی تجارت اپنے پیدا کرنے والے سے نہیں کرتے فرمایا۔تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ایک تو یہ کہ تم اپنے دل اور زبان اور اپنی کوششوں سے یہ ثابت کرو کہ تم واقعہ میں ایمان لائے ہو۔ یہ تمہارا محض ایک کھوکھلا اور زبانی دعویٰ ہی نہیں ہے۔

اور اس کے ساتھ یہ کہ تُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ تم اللہ کے راستہ میں جہاد کرو۔اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے جہاد اور مجاہدہ کرو۔

سبیل اس راہ کو کہتے ہیں جو کسی خاص جگہ پر پہنچانے والی ہو۔تو سبیل اللہ وہ راستہ ہے۔ جو خدا تعالیٰ تک پہنچا دیتا ہے۔ وہ راہ جو خدا تعالیٰ کا مقرب بنا دیتی ہے۔ وہ راہ جو خدا کی رضا کے حصول میں مد و معاون ہے وہ راہ جس کے آخر پر اللہ تعالیٰ کی رحمت انسان کو مل جاتی ہے اور پھر انسان بھی اپنے تمام دل، اپنی تمام روح اور اپنے تمام حواس کے ساتھ اپنے مولے سے محبت کرنے لگ جاتا ہے۔ بلکہ اس کے روئیں روئیں سے اپنے رب کی محبت پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی ہوتی ہے۔تو اس آیت میں یہ فرمایا کہ جس تجارت کی طرف میں تمہیں بلاتا ہوں اور جس کی طرف تمہاری راہنمائی کرتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے قرب کے حصول کے لئے اپنی جانوں کو مجاہدہ میں ڈالو اور تمہارا یہ مجاہدہ اور تمہارا یہ جہاد اموال کے ذریعہ سے بھی ہو اور تمہارے نفوس کے ذریعہ سے بھی ہو ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اور اگر تمہیں حقیقت کا علم ہو جائے تو تم سمجھ جاؤ کہ دراصل اسی چیز میں تمہاری بھلائی ہے۔

اس خَيْرٌ لَّكُمْ کی وضاحت اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ کی آیت ۲۱۹ میں یوں فرمائی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ کہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے مجاہدہ کیا اس رنگ میں کہ انہوں نے خواہشاتِ نفسانی کو خدا تعالیٰ کی خاطر چھوڑا۔ اس رنگ میں کہ انہوں نے اپنے پیدا کرنے والے کی خوشنودی کے حصول کے لئے گناہوں سے اجتناب کیا۔ (هَاجَرُوْا) اور انہوں نے اپنے ماحول، اپنے املاک (اپنی جائدادوں) اپنے کنبہ اور اپنے شہر اور اپنے علاقہ کو خدا تعالیٰ کی خاطر ترک کیا اور خدا تعالیٰ کی رضاء کی خاطر اپنا سب کچھ چھوڑ کر کسی دوسری جگہ چلے گئے۔ وَ جٰهَدُوْا اور انہوں نے خدا تعالیٰ کی محبت کے حصول کے لئے نیکی کے راستوں پر شوق اور بشاشت کے ساتھ قدم مارا۔ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ یہی وہ لوگ ہیں جو امید رکھ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت انہیں حاصل ہو جائے گی۔

اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید رکھ سکتے ہیں۔ یہ نہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت انہیں ضرور مل جائے گی۔ پھر اس کا مطلب یہ بھی ہوا کہ جو شخص بدیوں کو ترک نہیں کرتا اور نیکیوں کو اختیار نہیں کرتا۔ وہ یہ امید نہیں رکھ سکتا کہ اللہ تعالیٰ اس سے رحمت کے ساتھ سلوک کرے گا۔ یہ امید کہ میرا رب میرے ساتھ رحمت کا سلوک کرے گا وہی رکھ سکتا ہے جو بدیوں کو ترک کرتا اور نیکی کی راہوں کو اختیار کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا کہ جب تم بدیوں کو ترک کر کے اور نیکیوں کو اختیار کر کے میری رحمت کے امیدوار بن جاؤ گے تو پھر میں اپنے فضل کے ساتھ حقیقتاً اور واقعتاً تمہیں اپنی رحمت عطا کر دوں گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ سورہ مائدہ میں فرماتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ٝ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۔ (المآئدۃ: ۵۵)

فرمایا کہ بعض انسان تو ایمان لانے کے بعد ارتداد اختیار کر جاتے ہیں اور بعض ایمان لاتے اور پھر پختگی اور استقلال اور فدائیت کے ساتھ اس پر قائم ہو جاتے ہیں۔

وہ لوگ جو استقلال کے ساتھ نیکیوں پر مداومت اختیار کرتے ہیں۔ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ يُحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗ کہ وہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اس سے محبت کرتے اور اس کی رضا پر راضی رہتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو مومنوں پر شفقت کرنے والے ہیں (ہر مومن تمام دوسرے مومنوں کے آگے بچھتا چلا جاتا ہے)

یہ وہ لوگ ہیں اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ جو کافروں کے مقابلہ میں سخت ہیں۔ جب کافر اچھے لوہے کی تلواریں لے کر ان کے مقابلہ پر آتے ہیں تو ان کی ٹوٹی ہوئی خراب اور ناقابل اعتبار لوہے کی بنی ہوئیں تلواریں بھی ان کافروں کی تلواروں کے مقابلہ میں محض خدا تعالیٰ کے فضل سے عملاً سخت نظر آتی ہیں۔ کیونکہ ان کی کاٹ زیادہ نظر آتی ہے۔ اسی طرح جب یہ لوگ دلائلِ حقہ کے ساتھ کافروں کے باطل عقائد اور ان باطل عقائد کے حق میں باطل دلائل کا مقابلہ کرتے ہیں تو ان کے منہ بند کر دیتے ہیں اور جب کافر لوگ مختلف قسم کی رسوم اور بدعات کے ذریعہ اور مختلف قسم کی لالچ دے کر ان کو راہ صداقت سے ہٹانا چاہتے ہیں تو یہ لوگ ان کا اثر قبول نہیں کرتے (اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ)

فرمایا کہ ہم جو ایسے گروہ سے محبت کا سلوک کرتے ہیں تو اسی لئے کہ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اپنی پوری طاقت اور پوری قوت اور اپنے پورے وسائل اور تمام تدابیر خدا تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے خرچ کرتے ہیں۔ اس کے راستہ میں مجاہدہ کرنے والے ہوتے ہیں۔

وَ لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ اور کسی موقع پر بھی کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف ان کے دل میں پیدا نہیں ہوتا وہ یہ نہیں خیال کرتے کہ ہماری برادری کیا کہے گی وہ صرف یہ خیال کرتے ہیں کہ ہمارا رب کیا کہے گا۔ ان کے دلوں میں یہ خوف پیدا نہیں ہوتا کہ جس ماحول میں ہم رہ رہے ہیں اس میں ہم نے خدا کے بتائے ہوئے طریق کے خلاف رسوم کو ادا نہ کیا۔ تو ہمارا ناک کٹ جائے گا کیونکہ وہ اس یقین پر قائم ہوتے ہیں کہ ناک کا کٹنا یا ناک کا رکھنا محض اللہ تعالیٰ کے

فضل پر منحصر ہے اور ساری عزتیں اسی کی طرف منسوب ہوتی ہیں۔

وہی تمام عزتوں کا سرچشمہ ہے تو فرمایا وَ لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ پہلے فرمایا تھا کہ تم امید رکھ سکتے ہو کہ پھر تمہارا خدا تم سے محبت کرنے لگے گا۔ اب یہاں یہ وضاحت کی کہ اللہ تعالیٰ جو ان سے عملاً محبت کرنے لگ جاتا ہے تو وہ اس وجہ سے نہیں کہ انہوں نے بظاہر بدیوں کو چھوڑا اور بظاہر نیکیوں کو اختیار کیا بلکہ چونکہ ہر انسان کے اعمال اور خیالات میں کچھ چھپی ہوئی بُرائیاں اور کمزوریاں رہ جاتی ہیں اس لئے کوئی شخص یہ امید نہیں رکھ سکتا اور نہ ہی اسلامی تعلیم کے مطابق اسے ایسی امید رکھنی چاہیے کہ وہ محض اپنے اعمال یا اچھے خیالات یا اچھی زبان کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ کے قرب اور اس کی رضا کو ضرور حاصل کرے گا یہ تو محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہوتا ہے۔

يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ اور وہ اپنی محبت کی خلعت سے صرف اسے ہی نوازتا ہے۔ جو اس کی نگاہ میں پسندیدہ ہوتا ہے۔ (مَنْ يَّشَآءُ)

اللہ تعالیٰ نے یہاں ایک اور بات بھی بتائی وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ چونکہ اللہ تعالیٰ علمِ غیب رکھتا ہے اس لئے جب وہ چاہتا ہے۔ اپنی صفت وَاسِعٌ کا اظہار کرتا ہے۔

پس یہاں یہ امید دلائی کہ یہ مقام قرب و رضاء جس کی طرف یہ آیت اشارہ کر رہی ہے اس کی کوئی انتہاء نہیں۔ ہر مقام قرب کے بعد قرب کا ایک اور مقام بھی ہے۔ کیونکہ انسان کسی شکل میں ہی کیوں نہ ہو۔ اس مادی دنیا میں مادی جسم کے ساتھ یا اس اُخروی زندگی میں ایک روحانی جسم کے ساتھ اس کے اور اس کے ربّ کے درمیان غیر محدود فاصلے ہیں۔ یعنی قرب ایک نسبتی چیز ہے اور اگر انسان قرب کی راہیں ابدی طور پر ہر آن طے کرتا چلا جائے تب بھی وہ خدا کے قرب کا آخری مقام حاصل نہیں کر سکتا جس کے اوپر کوئی اور مقام قرب نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کی ذات تو بڑی ہی ارفع ہے۔ بلندی کے بعد بلندی انسان کو حاصل ہوتی رہتی ہے اور خوش قسمت انسانوں کو حاصل ہوتی رہے گی۔ لیکن یہ فاصلے غیر محدود ہیں اور قرب کی غیر محدود راہیں کھولتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاللّٰهُ وَاسِعٌ کہ جس پر وہ نگاہ رضا ڈالتا ہے اس کو اس کی محبت حاصل ہو جاتی ہے۔ یہ مقام رضا ایسا ہے جس کی کوئی انتہاء نہیں۔ پھر عاجزانہ دعائیں اس کی محبت میں

اضافہ کرتی چلی جاتی ہیں اور مزید فضل اور بخشش کا اسے وارث قرار دیتی ہیں۔ پھر جب وہ مزید فضل اور بخشش کا وارث بنتا ہے۔تو اللہ تعالیٰ کا پہلے سے بھی زیادہ شکر گزار بندہ بن جاتا ہے اور جب وہ پہلے سے زیادہ شکر گزار بندہ بنتا ہے تو اللہ تعالیٰ پہلے سے بھی زیادہ اس سے محبت کا سلوک کرنے لگ جاتا ہے۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ خدا مجھ سے پہلے سے بھی زیادہ محبت کا سلوک کر رہا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اور بھی زیادہ جھک جاتا ہے اور اس طرح ایک تسلسل قائم ہو جاتا ہے اور ہر آن بندہ خدائے واسع کی صفت واسع کا مشاہدہ کرتا چلا جاتا ہے۔

پس فرمایا کہ مجاہدہ کرو پھر فرمایا کہ تم مجاہدہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے اس صورت میں صرف امیدوار ہو سکتے ہو ہاں اگر تم بدیوں کو چھوڑو نہیں اور نیکیوں کو اختیار نہ کرو تو پھر تم کس طرح امید رکھ سکتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تم سے رحمت کا سلوک کرے گا۔لیکن اگر تم ایسا کرلو تو ابھی صرف یہ ایک امید ہے۔ابھی واقع نہیں۔ جب تک اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا فضل شاملِ حال نہ ہو اور جب اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال ہو جائے تو یہ امید حقیقت بن جاتی ہے۔

مجاہدہ کے معنی کو جب ہم قرآن کریم کی دوسری آیات کی روشنی میں دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل باتوں کو جہاد یا مجاہدہ میں شامل کیا ہے اور یہاں میری مراد مجاہدہ سے ’’نیکیوں کا اختیار کرنا‘‘ ہے۔ جو مجاہدہ کا ایک پہلو ہے۔’’بدیوں کو چھوڑنا‘‘ دوسرا پہلو ہے مگر میں اس وقت پہلے حصہ کے متعلق ہی بیان کر رہا ہوں۔

اللہ تعالیٰ سورۃ انفال میں فرماتا ہے:۔

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْۤا اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا (الانفال:۷۵)

اس آیت میں مجاہدہ کی مندرجہ ذیل قسمیں بیان کی گئی ہیں:۔

(۱) ایک مجاہدہ ہے جو ہجرت کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔ایک تو وہ بڑی ہجرت ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ نے کی اور ایک وقت آنے پر آپؐ نے فرمایا کہ اب اس قسم کی ہجرت نہیں رہی۔

پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے اور خدا تعالیٰ کی توحید کے قیام کے لئے کوشش کرتے تھے اور خدائے واحد کی صفات کو بلند آواز سے لوگوں تک پہنچاتے تھے۔ پھر کچھ لوگ آپؐ کے ساتھ شامل ہوئے اور اہلِ مکہ نے اور ان لوگوں نے جو مکہ کے گرد رہنے والے تھے اتنے دکھ اور ایذائیں اس چھوٹے سے گروہ کو دیں کہ دنیا کے تختہ پر دنیا کی تاریخ میں کوئی ایسا اور گروہ نہیں ہے کہ جس کو اتنا لمبا عرصہ اس قسم کی شدید تکالیف اور ایذاؤں میں سے گزرنا پڑا ہو۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کا امتحان ایک اور طرح سے لینا چاہا۔ وہ یوں کہ حکم دیا ہمیشہ کے لئے اپنے گھروں کو چھوڑ دو اور اپنے رشتہ داروں کو جو مسلمان نہیں ہیں ہمیشہ کے لئے چھوڑ دو اور اس ماحول کو بھی جس میں تم رہتے ہو ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر دوسری جگہ (مدینہ) چلے جاؤ۔

چونکہ کچھ عرصہ بعد تک بھی حالات ویسے ہی رہے اس لئے یہ ہجرت قائم رہی لیکن اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چونکہ اس قسم کی ہجرت کا ماحول اب نہیں رہا اس لئے اب اس قسم کی ہجرت بھی نہیں رہی مگر وہ ہجرت کا اطلاق تھا ایک خاص واقعہ ہجرت پر۔ ورنہ ہجرت اپنے عام معنی کے لحاظ سے قیامت تک کے لئے قائم ہے اس لئے قرآن کریم میں آتا ہے هَاجَرُوْا اور قرآن کریم کا کوئی لفظ بھی منسوخ نہیں ہوسکتا۔ تو فرماتا ہے کہ جو لوگ خدا کی خاطر اپنوں کو اور اپنی املاک کو چھوڑتے ہیں (مثلاً آج کل کے زمانہ میں واقفینِ زندگی اپنے گھروں کو چھوڑ کر غیر ممالک میں چلے جاتے ہیں جہاں کے رواج بھی مختلف، جہاں کے حالات بھی مختلف جہاں کے کھانے بھی مختلف۔ پھر بڑی تنگی اور بڑی سختی کے دن وہاں گزارتے ہیں) یہ بھی مُهَاجِرٌ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ یا مُجَاهِدٌ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ ہیں۔

(۲) دوسرے یہاں یہ فرمایا کہ وہ لوگ بھی مجاہد ہیں اَلَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا جو ان بھائیوں کو جو مظلومیت کی حالت میں ان کے پاس جاتے ہیں۔ اپنے گھروں میں جگہ دیتے ہیں۔ اور ان کی امداد کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ بھی مجاہدہ میں شامل ہے۔

پس فرمایا کہ یہ دو قسمیں جو ہیں ایک ہجرت کرنے والوں کی اور دوسرے مہاجروں کو پناہ

دینے والوں کی۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا یہ وہ مجاہد ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ اعلان کرتا ہے کہ یہ حقیقی مومن ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے لئے مغفرت اور رزق کریم مہیا کرے گا۔

واقفینِ زندگی بھی تحریکِ جدید کے ایک مطالبہ کے ماتحت مانگے گئے تھے اور یہ مطالبہ بھی ایک شکل ہے مجاہدہ کی۔ کیونکہ ہر وہ کام (جیسا کہ پہلی آیات سے واضح ہوتا ہے) جو خدا کی رضاء کی خاطر اور اس کے قرب کے حصول کے لئے کیا جائے اور جس کے کرنے میں انسان اپنی پوری توجہ اور پوری طاقت اور پوری قوت صرف کر رہا ہے اور اس سے جو کچھ بن آئے کر گزرے۔ اسے خدا تعالیٰ مجاہدہ کے نام سے پکارتا ہے۔

تو قرآن کریم کی ایک آیت بڑی وضاحت سے بتا رہی ہے کہ وقفِ زندگی بھی مجاہدہ کی ایک قسم ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ کی آیت ۲۷۴ میں فرمایا کہ ہمارے احکام کے مطابق عمل کر کے اُمّتِ محمدیہ میں کچھ ایسے لوگ بھی پیدا ہوں گے جنہیں دین کی خدمت میں لگایا گیا ہوگا اور مشاغل دنیا سے انہیں روک دیا گیا ہوگا۔ (اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ) تو بتایا کہ ان کو تمام ان مشاغل سے روک دیا جائے گا کہ جو سبیل اللہ کے مشاغل نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رضاء کی راہوں کے علاوہ دنیا کمانے اور دنیا کی عزت حاصل کرنے کے تمام راستے ان پر بند کر دیئے جائیں گے۔

تو جن لوگوں پر اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ کا اطلاق ہوتا ہے وہ بھی مجاہدین ہیں۔ ایک قسم کا مجاہدہ اور جہاد کرنے والے ہیں۔

اس آیت کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ وہ لوگ جن پر دشمن، مخالف، منکر دنیا کی راہیں بند کر دیتا ہے۔

آئے دن ہمارے سامنے ایسی مثالیں آتی رہتی ہیں کہ بعض لوگ بعض احمدیوں کو صرف احمدیت کی وجہ سے نوکری نہیں دیتے یا امتحانوں میں اچھے نمبر نہیں دیتے کہ وہ ترقی نہ کر جائیں۔ یا اگر تاجر ہیں تو ان کی تجارت میں روک ڈالتے ہیں۔ اگر زمیندار ہیں تو طرح طرح سے ان کو تنگ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ خصوصاً جہاں نئے احمدی ہوں اور تعداد میں بھی تھوڑے ہوں وہاں

اس قسم کا سلوک اکثر کیا جاتا ہے۔ایسے لوگوں پر خدا کے لئے دنیا کی تمام راہیں اگر بند ہو جائیں تو قرآنی محاورہ کے مطابق وہ اُحۡصِرُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ کے گروہ میں شامل ہوتے ہیں۔

دوسری قسم مجاہدہ کی اِنۡفَاق فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ہے۔جو آیات میں نے پڑھی ہیں ان میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ دنیا میں نے تمہیں دی ہے۔ چاہو تو دنیا کا ایک حصہ خرچ کر کے مجھے حاصل کر لو میری محبت کو پالو اور اگر چاہو تو دنیا کے کیڑے بن کر میری لعنت ، میرے غضب اور میرے قہر کے مورد بن جاؤ۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں انفاق پر بڑا زور دیا ہے انفاق فی سبیل اللہ کی کوئی حد بندی نہیں البتہ انفاق کی بعض قسموں کی حد بندیاں ہیں۔مثلاً زکوٰۃ ایک خاص شرح کے مطابق دی جاتی ہے لیکن عام صدقات کے متعلق اللہ تعالیٰ نے کوئی شرح مقرر نہیں فرمائی۔

اسی طرح اس کے علاوہ خدا تعالیٰ کے دین کی تقویت کے لئے حسبِ ضرورت جو اموال مانگے جائیں ان کے لئے کوئی شرح مقرر نہیں ہر آدمی پر فرض ہے کہ وہ اپنی ہمت کے مطابق اور حالات کی نزاکت کے مطابق خدا کی راہ میں اپنے مال کا جتنا حصہ وہ مناسب سمجھتا ہے خرچ کرے۔ جیسا کہ ایک وقت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ ارشاد فرمایا کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کے دین کو تمہارے مالوں کی ضرورت ہے۔تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اندازہ لگایا کہ یہ موقع اتنا نازک ہے کہ میرا فرض ہے کہ میں اپنا سارا مال لا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر ڈال دوں مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ اندازہ لگایا کہ اتنا نازک وقت تو نہیں۔لیکن بہر حال اتنا نازک ضرور ہے کہ مجھے نصف مال خدا کی راہ میں دے دینا چاہیے۔

تو ہر شخص اپنی اپنی استطاعت اور قوت اور استعداد کے مطابق اور اپنے اپنے مقامِ ایمان کے مطابق اندازہ لگا کر ایسے موقعوں پر خدا کی راہ میں اپنے مال کو خرچ کرتا ہے۔لیکن کوئی خاص حد بندی مقرر نہیں۔جیسا کہ تحریکِ جدید کے چندوں کے متعلق حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے کوئی حد بندی مقرر نہیں کی۔لیکن اس خواہش کا ضرور اظہار کیا ہے کہ ایک مہینہ کی آمد کا ۵؍۱ سالانہ تم دیا کرو تا کہ سلسلہ کی ضرورتیں پوری ہوتی رہیں۔بعض لوگ اب بھی اس سے زیادہ دیتے ہیں۔

اور بعض ایسے ہیں جو ۵؍۱ بھی نہیں دیتے ۱۰؍۱ دیتے ہیں ۱۵؍۱ دیتے ہیں یا ۲۰؍۱ دیتے ہیں۔

مجاہدہ کی ایک شکل جو قرآن کریم سے ہمیں معلوم ہوتی ہے وہ قِتَال فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ہے۔ یعنی جب دشمن زور بازو سے اسلام کو مٹانا چاہے اور مادی ہتھیار لے کر اسلام اور مسلمانوں کو تباہ کرنے کی کوشش کرے تو ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو باوجود اس کے کہ وہ اپنے دشمن کے مقابلہ میں بہت کمزور ہوتے ہیں، دفاع کی اجازت دیتا ہے اور پھر حکم دیتا ہے کہ ضرور دفاع کرو۔

اور یہ حکم اس لئے دیتا ہے تا کہ کمزوروں کی کمزوری ظاہر ہو جائے۔ اگر صرف اجازت ہو تو بعض کہیں گے کہ سب کو لڑائی میں جانا تو ضروری نہیں ہے۔

اور پھر اس وقت اپنی زندہ طاقتوں اور زندہ قدرتوں کا ایک نمونہ دنیا کو دکھاتا ہے کہ دیکھو مومن تھوڑے بھی تھے، کمزور بھی تھے، غریب بھی تھے پھر ان کے پاس ہتھیار بھی نہیں تھے باوجود اس کے جب وہ ہمارے حکم پر لبیک کہتے ہوئے ہمارے اور اپنے دشمن کے مقابلہ پر آ گئے۔ تو انہیں فتح نصیب ہوئی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ اپنی قدرتوں کا معجزانہ رنگ میں اظہار فرماتا ہے۔

اس کے علاوہ مجاہدہ کی ایک شکل ہمیں قرآن مجید سے یہ بھی معلوم ہوتی ہے۔ وَ لَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَحْمَةٌ (اٰل عمران: ۱۵۸) یہاں صرف قتل کئے جانے کا ذکر ہے۔ ضروری نہیں کہ جنگ میں قتل ہو۔ اگر آپ تاریخِ اسلام پر نظر ڈالیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ مسلمان صرف میدانِ جنگ میں ہی شہید نہیں کئے گئے بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ مجموعی طور پر ہزاروں لاکھوں مسلمان ایسا ہے جسے میدانِ جنگ میں نہیں بلکہ امن کی حالت میں کافروں نے بڑی بے دردی کے ساتھ قتل کیا۔ جیسا کہ ہماری تاریخ میں صاحبزادہ صاحب عبداللطیف شہیدؓ کو کابل میں پکڑا گیا۔ وہ بے گناہ، بے بس اور کمزور تھے۔ حکومت کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ حکومت نے خدا تعالیٰ کے فرمان کے خلاف، اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کو مول لیتے ہوئے ان کو پکڑا اور قتل کر دیا اور بڑی بے دردی سے قتل کیا۔

تو ایک شکل مجاہدہ یا جہاد فی سبیل اللہ کی یہ ہے کہ انسان ایسے وقت میں اپنی جان قربان کر

دیتا ہے اور کمزوری نہیں دکھاتا۔ صداقت سے منہ نہیں موڑتا۔ دشمن کہتے ہیں کہ تم توبہ کرلو تو ہم تمہیں چھوڑ دیں گے وہ کہتا ہے کہ کس چیز سے توبہ؟؟ توبہ کر کے حق کو چھوڑ دوں!! صداقت سے منہ پھیروں!!! اور باطل کی طرف آجاؤں!!!! ایسا مجھ سے نہیں ہوسکتا!! مرنا آج بھی ہے اور کل بھی۔ تمہارا جی چاہتا ہے تو ماردو۔ لیکن میں صداقت کو نہیں چھوڑ سکتا۔ پانچویں شکل مجاہدہ کی جو قرآن کریم میں بیان ہوئی ہے وہ ہجرت فی سبیل اللہ ہے۔ اس کی تفصیل کو میں اس وقت چھوڑتا ہوں۔ چھٹی شکل اللہ تعالیٰ نے جو مجاہدہ فی سبیل کی بتائی ہے وہ ہے خدا کے دین کی خاطر اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے انسان سفر کی صعوبتوں کو برداشت کرے۔

سفر میں بہرحال ویسا آرام نہیں مل سکتا جیسا کہ اپنے گھر میں ملتا ہے۔ بعض لوگ سفر سے گھبراتے ہیں۔ بعض لوگ بار بار سفر کرنے سے گھبراتے ہیں۔ تو ہمارے مربی، معلم اور انسپکٹر صاحبان کو جو سال کے چھ سات ماہ سفر میں رہتے ہیں خوش ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بھی اپنی راہ میں مجاہدہ قرار دیا ہے اور اس کی جو برکات ایک مجاہد پر نازل ہوتی ہیں یہ لوگ بھی اس کے وارث ہیں۔ جیسا کہ فرمایا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ (النسآء: ۹۵) اگرچہ اس آیت میں اپنی کانٹیکسٹ کے لحاظ سے یعنی اس مضمون کے لحاظ سے جو اس آیۃ میں بیان ہوا ہے۔ یہ سفر جنگ کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ لیکن جنگ کرنے کا ثواب علیحدہ ہے اور اِذَا ضَرَبْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ کا ثواب علیحدہ یہاں بتایا گیا ہے۔ اسی طرح اِنْفِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ (التوبۃ: ۳۸) ہے۔ تو بہت دفعہ خدا کی راہ میں سفر کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً وقفِ عارضی میں وقف کرنے والوں کو میں نے یہی کہا تھا کہ تم بتاؤ کہ تم کتنا سفر کر سکتے ہو؟ اس کے جواب میں بعض دوستوں نے لکھا کہ ہم اپنے خرچ پر پندرہ بیس میل سفر کر سکتے ہیں بعض نے لکھا کہ ہم پچاس ساٹھ میل سفر کر سکتے ہیں۔ بعض نے لکھا کہ ہم سَو ڈیڑھ سَو میل سفر کر سکتے ہیں۔ بعض نے لکھا کہ سارے پاکستان میں جہاں آپ کی مرضی ہو بھجوادیں۔ ہم سفر کرنے کے لئے تیار ہیں تو ایسے مومن بھی مجاہدین میں شامل ہیں۔ پس خدا تعالیٰ کی راہ میں سفر کرنے کو بھی اللہ تعالیٰ نے مجاہدہ کی ایک قسم قرار دیا ہے۔

ساتویں اور مجاھدہ کی سب سے اہم قسم جَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِیْرًا (الفرقان: ۵۳) میں

بیان کی گئی ہے۔ یعنی قرآن کریم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے دین کی راہوں میں جہاد کرنا اور اصولی طور پر یہ جہاد دو شکلوں میں کیا جاتا ہے۔

ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اتنے زبردست اور اتنی کثرت سے دلائل جمع کر دیئے ہیں کہ دنیا کا کوئی باطل عقیدہ خواہ کسی مذہب سے ہی تعلق کیوں نہ رکھتا ہو ان کے سامنے ٹھہر نہیں سکتا۔

تو عقائدِ باطلہ کا (خواہ وہ عقائدِ باطلہ عیسائیوں کے ہوں یا آریوں کے یا سکھوں کے یا دہریوں کے یا دوسرے بدمذاہب کے ہوں) دلائلِ حقّہ کے ساتھ مقابلہ کرنا بھی ایک زبردست جہاد ہے جس کے نتیجہ میں اگر اللہ تعالیٰ کا فضل شاملِ حال ہو تو انسان اس کی رحمتوں کا وارث بنتا ہے۔

اور دوسرے جَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا (الفرقان: ۵۳) تعلیمِ قرآن کو عام کرنے سے یہ جہاد کیا جاتا ہے کیونکہ مومنوں کی جماعت میں علومِ قرآنیہ کو ترویج دینا۔ ان کے دلوں میں قرآن کریم کی محبت پیدا کرنا اور ان کو اس حق الیقین پر قائم کرنا کہ قرآن کریم بڑی برکتوں والی عظیم کتاب ہے اس سے جتنا پیار ہو سکتا ہے کرو۔ اس سے جتنی محبت تم کر سکتے ہو کرو تا کہ اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے زیادہ سے زیادہ وارث بنو۔ تو یہ بھی ایک مجاہدہ ہے اور اسی مجاہدہ اور جہاد کی طرف اس وقت میں بار بار جماعت کے دوستوں کو متوجہ کر رہا ہوں۔

غرض مختلف اقسام جہاد یا مجاہدہ جن کا ذکر قرآن کریم میں آتا ہے اگر آپ ان کو سامنے رکھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ تحریکِ جدید کے تمام مطالبات کا ان میں سے کسی نہ کسی کے ساتھ ضرور تعلق ہے۔ یہ بڑا لمبا، گہرا اور وسیع مضمون ہے۔ اگر ضرورت ہوئی اور خدا تعالیٰ نے توفیق دی تو شاید میں کسی وقت اس پر بھی روشنی ڈالوں گا۔ اس وقت میں صرف ایک چیز کو لینا چاہتا ہوں اور وہ ہے انفاق فی سبیل اللہ یعنی مالی قربانی کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی رضاء کو حاصل کرنے کی کوشش اور اس کی رحمت کے حصول کی امید اس دعا کے ساتھ کہ وہ اپنا فضل ہمارے شاملِ حال کرے اور حقیقتاً اور واقعہ میں ہم اس کی رحمتوں کے وارث بنیں۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی یہ خواہش تھی اور آپ نے اپنے خطبہ میں اس کا اظہار بھی

کیا ہے کہ دفتر دوم کی وصولی پانچ لاکھ تک پہنچ جانی چاہیے۔لیکن اس وقت تک کہ دفتر دوم پر بائیس سال گزر چکے ہیں سالِ رواں میں اس کے وعدے صرف دو لاکھ نوے ہزار تک پہنچے ہیں۔یعنی اگر دو لاکھ دس ہزار مزید وعدے ہوں تب ہم حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی خواہش کو پورا کرنے والے ہوں گے۔

سو اس وقت بڑا بوجھ دفتر دوم پر ہے کیونکہ اس میں جب دینے والے لوگ ابھی اتنے بوڑھے نہیں ہوئے۔ جتنے بوڑھے دفتر اوّل کے مجاھد ہو چکے ہیں۔ دفتر اوّل کے مجاہدین میں سے بہت سے تو اپنے رب کو پیارے ہو گئے۔عمر کے ساتھ موت وفوت بھی لگی ہوئی ہے۔کسی نے ابدی طور پر اس دنیا میں نہیں رہنا ہے۔

پس کچھ دوست تو ان میں سے فوت ہو گئے کچھ ریٹائر ہو گئے۔ کچھ دوسرے پیشہ وروں کی آمدنی میں معمر ہونے کی وجہ سے کمی ہوگئی۔مثلاً ڈاکٹر ہیں وکیل ہیں۔ان کی عمر جب ایک حد سے گزر جائے تو وہ پورا کام نہیں کر سکتے۔ان کا جسم اور دماغ آرام چاہتا ہے۔اس سے ان کی آمد میں فرق پڑ جاتا ہے اور کچھ اس لئے بھی کہ اس عمر میں ان کے بچے اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور ان کی امداد کے قابل ہو جاتے ہیں۔ ان کو خیال ہوتا ہے۔ کہ ہماری ضرورتیں تو پوری ہو رہی ہیں۔ہم زیادہ کیوں کمائیں اور کمائی کے مطابق ہی انہوں نے چندے ادا کرنے ہیں۔

تو دفتر اوّل وہ ہے جو آہستہ آہستہ ہماری نظروں کے سامنے دھندلا ہوتا چلا جا رہا ہے اور ایک وقت میں ہمارے سامنے سے یہ غائب ہو جائے گا۔

دفتر دوم وہ ہے کہ جو اس وقت مالی بوجھ کا بڑا حصہ اور دوسرے بوجھوں کا بڑا حصہ بھی اٹھا رہا ہے۔ پس دفتر دوم کے مجاہدین کو بہت چست ہونے کی ضرورت ہے اور اگر ہمارے یہ بھائی اور دوست تھوڑی سی ہمت کریں تھوڑی سی کوشش کریں ذرا سی مزید توجہ دیں۔تو یہ بعید نہیں کہ وہ اس رقم کو پورا کر سکیں۔جس کا ہم سے مطالبہ کیا گیا ہے۔

ہم نے غور کیا ہے اور سوچا ہے کہ تھوڑی سی مزید ہمت اور توجہ سے اس دفتر کے مجاہدین اپنے چندوں کو پانچ لاکھ تک پہنچا سکتے ہیں۔مثلاً حضور (رضی اللہ عنہ) کی خواہش تھی کہ تحریکِ جدید

میں ماہوار آمد کا ۱/۵ دیا جائے۔ اگر دفتر دوم کے مجاہد حضورؓ کی اس خواہش کو پورا کر دیں تو ہمارا اندازہ ہے کہ رقم پانچ لاکھ تک پہنچ جائے گا۔

سال رواں میں دفتر سوم کا بھی اجراء ہوا ہے یہ کچھ لیٹ ہو گیا ہے۔ کیونکہ ایک جگہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے اس بات کا اظہار بھی کیا ہے کہ ہر دس سال کے بعد ایک دفتر کھلتا رہے تا کہ آنے والے جانے والوں کی جگہ کو پُر کرتے رہیں۔ پس دفتر سوم کے اجراء میں تاخیر ہو گئی ہے اور دس سال کی بجائے اکیس سال بعد دفتر سوم کا اجراء ہوا ہے۔ وہ بھی اس وقت جبکہ سال کا نصف حصہ غالباً گزر چکا تھا۔ سو اس وقت تک دفتر سوم کے سال اوّل کے وعدے ۱۸ ہزار روپے کے آئے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ موجودہ حالات میں جب کہ اعلان بھی دیر کے بعد ہوا اور اس دفتر کے بہت سے لوگ پہلے ہی دفتر دوم میں شامل ہو چکے تھے ۱۸ ہزار دفتر سوم کی پوری رقم نہیں ہے۔ لیکن اگر وہ احمدی دوست جن کا تعلق دفتر سوم کے ساتھ ہے۔ اپنی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دیں تو آئندہ سال یعنی اپنی عمر کے دوسرے سال، دفتر سوم کے وعدے کم از کم ایک لاکھ تک ہونے چاہئیں اور یہ کوئی مشکل امر نہیں کیونکہ اس کے لئے بھی ہم نے اندازہ لگایا ہے کہ اگر ایسے دوست اس طرف متوجہ ہوں جو دفتر سوم میں آتے ہیں۔ ان کے وعدے آسانی سے ایک لاکھ تک پہنچ سکتے ہیں۔

ویسے تو اللہ تعالیٰ نے جماعت کو قربانی کی بڑی توفیق عطا کی ہے اور اس کو وہ قبول بھی فرماتا ہے۔ اور جب وہ قبول فرماتا ہے۔ تو هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (البقرۃ: ۳) کی روشنی میں مزید ہدایت اور ہدایت کے ارفع تر مقام کی طرف انہیں لے جاتا ہے اور مزید قربانیاں دینے کا جذبہ اور شوق ان میں پیدا ہوتا ہے۔

تحریکِ جدید کے پہلے سال جب حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی سکیم مختلف خطبات میں دوستوں کے سامنے رکھی۔ تو آپ نے اس کے لئے چندہ کا اندازہ ۲۷ ½ ہزار روپیہ جماعت کو بتایا۔ لیکن اس کے مقابلہ میں اس سکیم کو چلانے کے لئے جماعت نے اٹھانوے ہزار روپیہ (دو ہزار کم ایک لاکھ) حضور کی خدمت میں پیش کر دیا۔

پچھلے سال ہماری مستورات نے تحریکِ جدید کا چندہ نہیں بلکہ تحریکِ جدید کی ایک شق کا چندہ (یعنی مسجد ڈنمارک کا چندہ) تین لاکھ چھ ہزار روپیہ نقد جمع کر دیا۔ اس طرح یہ چندہ تحریکِ جدید کے پہلے سال کے چندہ سے تین گنا زیادہ جمع ہوا۔ حالانکہ یہ چندہ صرف ہماری بہنوں نے جمع کیا۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ۔ گویا تحریکِ جدید کے پہلے سال میں ساری جماعت مردوں، عورتوں اور بچوں نے مل کر بھی ایک لاکھ کی رقم پوری نہ کی تھی۔ (دو ہزار کم تھے) اور گذشتہ سال ڈنمارک کی مسجد کے لئے صرف ہماری بہنوں نے تین لاکھ چھ ہزار کی رقم جمع کر دی تو جب انسان خدا کی راہ میں قربانی دیتا ہے اور خدا تعالیٰ اسے قبول کر لیتا ہے۔ تو اسے مزید قربانی کی توفیق بخشتا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ اپنے ایک بندہ کو دس روپیہ انعام دیتا ہے اور وہ اس دس روپیہ میں سے کچھ اس کی راہ میں قربان کر دیتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ اس کو مزید توفیق بخشتا ہے۔ تا وہ ہدایت کے راستوں پر اور آگے بڑھے۔ پھر وہ اور آگے بڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے دس روپے کی بجائے ایک ہزار روپے انعام دیتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ میرا بندہ ایک ہزار روپیہ لینے کے لئے تو پیدا نہیں کیا گیا یہ تو ایسے انعام کے لئے پیدا کیا گیا ہے کہ دنیا کی عقل اس کا اندازہ نہیں کر سکتی۔ کسی آنکھ نے نہیں دیکھا، کسی کان نے نہیں سنا، کسی زبان نے نہیں چکھا، کسی کے خیال میں بھی یہ انعامی چیزیں نہیں گزرتیں۔ اس لئے میں اسے اور آگے بڑھنے کی توفیق دیتا ہوں۔ پھر وہ بڑی بشاشت سے اور زیادہ قربانی خدا کی راہ میں پیش کرتا ہے تو خدا تعالیٰ ایک ہزار کی بجائے ایک لاکھ روپیہ اسے انعام دیتا ہے۔ پھر ایک کروڑ پھر ارب۔ یہ گنتی ختم ہونے والی نہیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کے انعام ختم ہونے والے نہیں۔

اس طرح وہ بندہ انعام پر انعام حاصل کئے جاتا ہے اور خدا تعالیٰ سے توفیق پر توفیق پاتا چلا جاتا ہے۔ مزید مجاہدہ اور مزید قربانی کرنے کی۔ تب اسے سمجھ آتی ہے کہ دنیا کیا اور دنیا کی لذتیں اور آرام کیا اگر ایسے انعام جو مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مل رہے ہیں ملتے چلے جائیں تو میں اپنی ہر چیز، اپنے گھر بار، اولاد اور رشتے دار قربان کرنے کے لئے تیار ہوں تا کہ مجھے وہ کچھ

ملے جو ان تمام چیزوں اور تعلقات سے کہیں زیادہ احسن اور لذت والا ہے۔ یہی لذت جو مجھے مل چکی ہے میرے تخیل سے باہر ہے جو اور مزید ملے گا پھر وہ کتنا شاندار ہوگا تو یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ وہ ہر سال جماعت کو پہلے سے زیادہ قربانیوں کی توفیق دیتا چلا جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے اس فضل کو حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھو بلکہ خدا تعالیٰ کے شاکر بندے بننے کی کوشش کرو تا اس شکر کے نتیجہ میں مزید قربانیوں کی توفیق پا کر مزید فضلوں کے وارث بنتے چلے جاؤ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

دوسرے خطبہ میں فرمایا۔ گو مجھے سخت کمزوری ہے لیکن کام نہ کرنا میرے جیسے آدمی کے لئے عذاب ہے کہ آپ اس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ چنانچہ بیماری کے دنوں میں بھی (جب مجھے سخت گھبراہٹ ہوتی تھی اس خیال سے کہ میں کام نہیں کر رہا) مجھے سات آٹھ گھنٹے کام کرنا پڑتا تھا کیونکہ سات آٹھ گھنٹے کام کرنے سے طبیعت سیر نہیں ہوتی۔ اگر آدمی خدا تعالیٰ کے لئے چودہ پندرہ گھنٹے کام کرے تو پھر کچھ طبیعت میں سیری محسوس ہوتی ہے لیکن بیماری کی وجہ سے آدمی اتنا کام نہیں کر سکتا تو یہ بھی میرے لئے ایک قسم کا ابتلا ہے اس لئے میں یہ امید کرتا ہوں کہ آپ دعا کریں گے کہ اللہ تعالیٰ مجھے صحت سے کام کرنے کی توفیق عطا کرے تا کہ اپنی طبیعت بھی سیر ہو جائے اور خدا تعالیٰ بھی خوش ہو جائے کیونکہ خالی اپنی طبیعت کا سیر ہو جانا بے معنی ہے اگر اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی وہ رضا حاصل نہ ہو جس کے حصول کی انسان خواہش رکھتا اور کوشش کرتا ہے ایک جنازہ ہے وہ میں مغرب کے بعد پڑھاؤں گا۔ میں اس بھائی سے (جو جنازہ لایا ہے) معذرت چاہتا ہوں۔ کیونکہ اگر اب جنازہ پڑھا گیا تو ہماری بہنوں کا راستہ رک جائے گا اور پھر اجتماع میں بھی دیر ہو جائے گی۔ تو اس جنازے کو کسی ٹھنڈی جگہ محفوظ کریں۔ انشاء اللہ مغرب کی نماز کے بعد جنازہ پڑھا دوں گا۔

(روزنامہ الفضل ربوہ یکم دسمبر ۱۹۶۶ء صفحہ ۲ تا ۷)

میں چاہتا ہوں کہ وقفِ جدید کا مالی بوجھ ہمارے بچے اور بچیاں اُٹھالیں

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۴؍نومبر ۱۹۶۶ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ)

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

اس میں شک نہیں کہ دینی معاملات میں سب سے پہلا حق انسان پر اس کے اپنے نفس کا ہی ہے اور ہر نفسِ انسانی کو ہمیشہ اس طرف متوجہ رہنا چاہیے کہ وہ ایسے اعمال بجالاتا رہے کہ ان کی وجہ سے اس کا ربّ راضی ہو جائے اور وہ اپنے اللہ کی خوشنودی حاصل کر لے۔ اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ (المآئدۃ: ۱۰۶) کہ اگر تم خدا تعالیٰ کی نگاہ میں ہدایت یافتہ سمجھے جاؤ تو تمہیں دوسروں کا گمراہ ہو جانا کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ یعنی اگر باوجود اپنی دلی تڑپ اور اپنی انتہائی کوشش اور جدو جہد کے وہ لوگ جنہیں تم ہدایت کی طرف بلاؤ اور اس بات کی تلقین کرو کہ اللہ تعالیٰ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے قرآن کریم کے جوئے کے نیچے اپنی گردنیں رکھ دیں۔ پھر بھی وہ ایسا نہ کریں اور خدا تعالیٰ کی ناراضگی کو مول لیں تو ان کا ایسا کرنا تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔

لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ اس کے بعد سب سے بڑی ذمہ داری جو اللہ تعالیٰ نے ہم پر عائد کی ہے وہ یہ ہے کہ اپنے اہل وعیال کو نیکی اور تقویٰ پر قائم رکھنے کی ہمیشہ کوشش کرتے رہیں اور

ہمیشہ اس طرف متوجہ ہوں کہ جس طرح ہماری یہ خواہش ہے کہ ہم پر اللہ تعالیٰ کے فضل ہوتے رہیں اور وہ ہم سے خوش ہو جائے۔ اسی طرح وہ لوگ بھی جو ہمارے اہل میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے متعلق بھی ہماری یہ خواہش ہونی چاہیے کہ ان پر بھی اللہ تعالیٰ کا فضل اور رحم نازل ہو اور اس زندگی میں (جس کے متعلق ہمیں بہت کم علم دیا گیا ہے اور جہاں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک لحظہ کی ناراضگی ایسی ہے کہ اس دنیا کی ہزاروں زندگیوں کی خوشیاں اس ناراضگی سے بچنے کے لئے قربان کی جاسکتی ہیں) وہ لوگ (بیوی بچے اور دوسرے رشتہ دار) جو یہاں ہمارے اہل کہلاتے ہیں۔ وہاں بھی ہمارے ساتھ ہی رہیں اور خاندان روحانی طور پر بکھر نہ جائے اور منتشر نہ ہونے پائے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا (التحریم:۷) کہ اے وہ لوگو! جو ایمان کا دعویٰ کرتے ہو جنہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر لبیک کہا ہے۔ یادرکھو کہ صرف اپنے نفس کو روحانی رنگ میں رنگین کرنے کی کوشش کرنے کی ہی ذمہ داری تم پر عائد نہیں ہوتی۔ بلکہ تم پر یہ بھی فرض کیا گیا ہے کہ جہاں تم اپنے نفسوں کو خدا تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کے قہر اور اس کے غضب کی آگ سے بچاؤ۔ وہاں اپنے اہل کو بھی اور ان لوگوں کو بھی جو تمہارے رشتہ دار ہیں (بیوی بچے ہیں) خدا تعالیٰ کے قہر کی آگ سے بچاؤ۔

دوسری جگہ فرمایا۔ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَ اَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (الزمر:۱۶) حقیقی طور پر گھاٹا پانے والے وہی لوگ ہیں جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں وہ اور ان کے اہل گھاٹا پانے والے قرار دیئے جائیں۔

دیکھو مائیں اور بعض دفعہ باپ اور دوسرے رشتہ دار بھی چند دنوں یا چند مہینوں یا چند سالوں کی جدائی اپنے بچوں سے برداشت نہیں کر سکتے۔ بہت سے بچے غیر ملکوں کی اعلیٰ تعلیم سے اس لئے محروم ہو جاتے ہیں کہ ان کی مائیں یا دوسرے عزیز اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ چند سال کے لئے وہ اپنے اس عزیز سے جدا ہوں۔ بہت سے بچے اس لئے تعلیم سے محروم ہو جاتے ہیں کہ جہاں وہ پیدا ہوئے اور جہاں وہ پلے اور بڑھے اور جہاں انہوں نے ابتدائی تعلیم حاصل کی وہاں کوئی کالج نہیں تھا اور ماں باپ نے پسند نہ کیا کہ وہ اپنے بچے کو اپنے سے جدا کر کے کسی ایسے بڑے شہر میں

بھجوائیں جہاں کالج موجود ہے۔

تو اس دنیا میں بعض دفعہ تو ہم غیر معقول رویہ اختیار کر کے بھی اپنے بچوں کو اپنے پاس رکھتے ہیں اور ان کی جدائی ہم پر بہت شاق گزرتی ہے تو وہ دنیا جس کے عذاب کے متعلق اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ اتنا لمبا ہے کہ اس پر ''ہمیشہ رہنے والے عذاب'' کا فقرہ چسپاں ہوسکتا ہے۔ اس میں ہم کس طرح برداشت کر سکتے ہیں کہ ہمارے بچے، ہمارے اہل اور ہمارے دوسرے رشتہ دار ہم سے جدا ہوں۔

اگرچہ پورے طور پر تو یہ درست نہیں بلکہ قرآن کریم کی دوسری آیات کے خلاف ہے کہ جہنم کا عذاب ہمیشہ ہمیش تک چلتا چلا جائے گا لیکن اس کے زمانہ کی لمبائی اور وسعت کو بیان کرنے کے لئے قرآن کریم خٰلِدِیْنَ کا لفظ استعمال کرتا ہے۔

تو ہم کیسے برداشت کر سکتے ہیں کہ ایک معنی کے لحاظ سے ہمارے بچے اس دنیا میں ابدالآباد تک ہم سے جدا رہیں جبکہ ہم یہاں چند گھڑیوں یا چند دنوں یا چند مہینوں یا چند سالوں کی جدائی بھی برداشت نہیں کر سکتے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اصل گھاٹا پانے والے تو وہ ہیں جو اس بات کا خیال نہیں رکھتے کہ اپنے خاندان کو جس طرح جسمانی طور پر یہاں اکٹھا کئے ہوئے ہیں اور نہیں چاہتے کہ ان میں انتشار اور تفرقہ پیدا ہو اور وہ بگڑ جائیں۔ اسی طرح ان کا خاندان دوسری دنیا (اُخروی زندگی) میں بھی منتشر نہ ہو جائے۔ چونکہ وہ ایسی کوشش نہیں کرتے اس لئے حقیقی معنی میں یہی وہ لوگ ہیں جن کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ وہ گھاٹا پانے والے ہیں۔

اسی لئے اسلام نے مختلف پہلوؤں سے اس بات کی تلقین کی ہے کہ اپنے بچوں کی پہلے دن سے ہی تربیت شروع کر دی جائے۔ دراصل پیدائش سے پہلے بھی جب بچہ ابھی اپنی ماں کے پیٹ میں ہی ہوتا ہے۔ بعض لحاظ سے اور بعض طریقوں سے اس کی تربیت کی جاتی ہے۔ بچے کی پیدائش پر نیک کلمات اس کے دائیں کان میں بھی اور اس کے بائیں کان میں بھی کہے جاتے ہیں اور اس طرح ہمیں اس راستہ پر لگایا جاتا ہے کہ بچوں کے سامنے ہمیشہ نیکی کی اور ہمیشہ عدل کی اور

ہمیشہ احسان کی اور ہمیشہ جذبہ اِیۡتَآءِ ذِی الۡقُرۡبٰی کے پیدا کرنے والی باتیں کیا کرو اور انہیں تلقین کیا کرو کہ علمی لحاظ سے بھی اور ذہنی لحاظ سے بھی وہ ایک سچے مسلمان کی سی زندگی گزارنے لگیں۔

اعمال میں جہاں تک نماز کا تعلق ہے (جیسا کہ میں نے پہلے بھی ایک خطبہ میں کہا تھا) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دس سال کی عمر میں بچے پر نماز واجب ہو جاتی ہے۔ اگر وہ لڑکا ہے تو مسجد میں جا کر باجماعت نماز ادا کرنا اس پر واجب ہوتا ہے لیکن بچہ ایک دن میں تو نماز پڑھنا شروع نہیں کر دے گا اس لئے فرمایا کہ اس فرض کو عمدگی سے ادا کرنے کی تربیت دینے کی خاطر تین سال پہلے کام شروع کر دو وہ سات سال کا ہو تو اسے نماز کی طرف مائل کرو اور متوجہ کرو اور اگر وہ لڑکا ہے تو اسے اپنے ساتھ مسجد میں لے جانا شروع کر دو اور مسجد کے آداب بھی سکھاؤ۔ اس طرح عبادت کے عملی کام جو ہیں ان میں حصہ لینے کی طرف اسے متوجہ کرو اور اس رنگ میں ان کی تربیت کرو کہ عملی روحانی کاموں کے فرض ہوتے وقت اس بوجھ کو اٹھانے کے لئے وہ پورے طور پر تیار ہوں۔

نماز کے بعد دوسرا بڑا کام جو ایک مسلمان پر بطور فرض کے عائد ہوتا ہے وہ مال کی قربانی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اتنی شاندار قربانیاں دیں کہ اگر وہ ثقہ راویوں سے بیان نہ ہوتیں تو شاید ہماری عقلیں ان کی صحت کو قبول کرنے کے لئے بھی تیار نہ ہوتیں۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے متعلق آتا ہے کہ جب وہ مسلمان ہوئے تو ان کے پاس چالیس ہزار اشرفیاں جمع تھیں۔ آج کل تو اشرفی ملتی ہی نہیں۔ میرے خیال میں جو دوست یہاں بیٹھے ہیں ان میں سے ایک فی صدی نے بھی سونے کی اشرفی نہ دیکھی ہوگی۔ اس وقت قوتِ خرید کو دیکھا جائے تو اس کے مطابق ایک اشرفی کی قیمت، سو، سوا سو ہے۔ کیونکہ سو سوا سو میں ایک اشرفی ملتی ہے تو چالیس ہزار اشرفی قریباً پچاس لاکھ روپیہ بنتا ہے۔

جب وہ مسلمان ہوئے تو انہوں نے اپنے دل میں عہد کیا کہ یہ ساری رقم میں اسلام کے لئے خرچ کروں گا چنانچہ جو کچھ انہوں نے جوڑا ہوا تھا اور ریزرو کے طور پر رکھا ہوا تھا (تجارت

میں جو ان کا مال لگا ہوا تھا وہ اس کے علاوہ تھا) وہ اسلام پر خرچ کرتے رہے اور جب ہجرت کا وقت آیا تو چالیس ہزار اشرفیوں میں سے صرف پانچ سو اشرفی ان کے پاس باقی تھی۔ انتالیس ہزار پانچ سو اشرفی وہ خرچ کر چکے تھے۔ یہ پانچ سو اشرفیاں بھی انہوں نے اپنے گھر والوں کے لئے نہیں چھوڑیں بلکہ ہجرت کے وقت وہ بھی ساتھ اُٹھا لیں تا کہ دین کی راہ میں ہی خرچ ہوں۔

تو انہوں نے بڑی مالی قربانیاں دی ہیں۔ دوست یہ نہ سمجھیں کہ ہم وصیت میں ۱۰؍۱ دے کر یا بعض دوسرے چندوں کو ملا لیا جائے تو ۸؍۱ یا ۷؍۱ دے کر ایسی قربانی دے رہے ہیں کہ گویا ہم صحابہ رضی اللہ عنہم سے آگے نکل گئے۔ یا ان کے برابر کھڑے ہو گئے ہیں کیونکہ صحابہؓ میں کثرت سے ایسے لوگ پائے جاتے تھے جو بہرحال ۵؍۱ سے زیادہ قربانی دے رہے تھے مثلاً انصار کو ہی دیکھیں انہوں نے آدھے آدھے مال مہاجرین کو پیش کر دئے تھے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ مہاجرین میں سے بہتوں نے نہیں لئے۔ جنہوں نے لئے بھی۔ قرض کے طور پر لئے لیکن انصار کی طرف سے پیش کش ہو گئی تھی کہ تم سب کچھ چھوڑ کر آئے ہو۔ آؤ یہ مال بانٹ لیں اور آدھا آدھا کر لیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان مہاجرین کو عقل دی تھی۔ وہ تجارت کے میدان میں بڑا کچھ کماتے تھے۔ پھر اس نے انہیں ایمان بھی دیا تھا اس لئے وہ دین کی راہ میں خرچ بھی بڑا کرتے تھے۔ اس حد تک کہ میں نے بتایا ہے کہ اگر ان روایات کے راوی ثقہ نہ ہوں تو ہم شاید ان کو محض قصہ سمجھیں لیکن تاریخ اس کثرت سے ان باتوں کی تائید کر رہی ہے کہ ہماری عقل انہیں جھٹلا نہیں سکتی۔

تو جہاں تک اموال کی قربانی کا تعلق ہے۔ صحابہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بے مثال قربانیاں دی ہیں اور جہاں تک مالی قربانیوں کا تعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جماعت احمدیہ کو بھی توفیق دی ہے کہ اس لامذہبیت اور دہریت کے زمانہ میں اپنے اموال کو بے دریغ خرچ کرے اور ایک حصہ جماعت کا اور بڑا حصہ صحابۂ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنے اپنے وقت میں ایسی روحانی تربیت حاصل کر چکا تھا کہ ان کی جانی اور مالی قربانیاں صحابۂ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی مشابہ ہو گئی تھیں کہ ان کے متعلق نہیں کہا جا سکتا کہ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے علاوہ کسی اور گروہ سے تعلق رکھنے والے ہیں۔ بعد کی جو نسلیں ہیں ان میں بھی بڑی حد تک خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ

روح قائم ہے۔لیکن ہمارے لئے یہ ضروری ہے کہ نئی نسلوں کو بھی قربانیوں کی ان راہوں پر چلنے کی عادت ڈالیں۔ اسی لئے میں نے اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ وقفِ جدید کا مالی بوجھ اگر ہمارے بچے اور بچیاں جن کی عمر پندرہ سال سے کم ہے اُٹھالیں تو جماعت کے ارفع مقام کا مظاہرہ بھی ہوگا کہ جماعت کے بچے بھی اس قسم کی قربانیاں دیتے ہیں کہ اس پوری تحریک (وقفِ جدید) کا مالی بوجھ انہوں نے اٹھالیا ہے اور خود ان کے لئے بھی بڑے ثواب کا موجب ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے جو کام انہوں نے آئندہ کرنے ہیں اس کے لئے تربیت کا موقع بھی مل جائے گا۔

اس کی طرف جماعت نے اتنی توجہ نہیں دی جتنی دینی چاہیے تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ہمارے بچے جن کی عمر ایک دن سے پندرہ سال کے درمیان ہے وہ تین مختلف تنظیموں سے تعلق رکھتے ہیں۔ سات سال سے پندرہ سال کی عمر کے بچوں کا تعلق اطفال الاحمدیہ خدام الاحمدیہ سے ہے اور سات سے پندرہ سال کی بچیوں کا تعلق ناصرات الاحمدیہ لجنہ اماء اللہ سے ہے اور سات سال سے کم عمر کے بچوں اور بچیوں کا تعلق نظامِ جماعت سے ہے۔تو بچوں کی یہ ننھی منی فوج تین حصوں میں بٹ گئی تھی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض جماعتوں میں تو ہر تنظیم نے سمجھا کہ شاید دوسرا کام کر رہا ہو اور بعض جگہ ایک دوسرے کے کام میں دخل دینا شروع کر دیا۔ یعنی خدام الاحمدیہ اطفال الاحمدیہ والے جو تھے انہوں نے کم عمر والے بچوں کی فہرستیں بنانا شروع کر دیں۔ جماعتی نظام والے جو تھے انہوں نے سات سال سے کم عمر والے بچوں کی ہی فہرستیں نہیں بنائیں بلکہ اطفال کی فہرستیں بھی بنانے لگ گئے۔ اس طرح انہوں نے ایک دوسرے کے کام میں دخل دینا شروع کر دیا۔

بہرحال جو سستی ہو چکی ہے اسے اللہ تعالیٰ معاف فرمائے لیکن آئندہ کے لئے میں چاہتا ہوں کہ اس خطبہ کے شائع ہونے کے بعد پندرہ دن کے اندر اندر ہر جماعت مجھے بچوں کی ان تین مختلف قسموں کے لحاظ سے یعنی اطفال الاحمدیہ سے تعلق رکھنے والے بچے، ناصرات الاحمدیہ سے تعلق رکھنے والی بچیاں اور سات سے کم عمر کے بچوں اور بچیوں کی فہرست علیحدہ علیحدہ (نام کے

لحاظ سے نہیں بلکہ صرف تعداد کے لحاظ سے) مجھے پہنچ جانی چاہیے۔ مثلاً لاہور لکھے کہ ہمارے ہاں اطفال ڈیڑھ ہزار ہیں۔ ناصرات ڈیڑھ ہزار ہیں اور کم عمر کے بچے تین ہزار ہیں۔ جو صورت بھی ہو مجھے صرف تعداد چاہیے اور دوسرے یہ لکھا جائے کہ ان میں سے وقفِ جدید کا اس رنگ میں کس کس نے وعدہ کیا ہے۔

وعدوں کے متعلق اعلان کرتے ہوئے میں نے بتایا تھا کہ ہمارے ہزاروں بچے ایسے ہیں کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے ایسے خاندانوں میں پیدا کیا ہے کہ جنہیں اتنا رزق دیا ہے کہ ان میں سے ہر ایک بچہ ایک اٹھنی ماہوار یا اس سے بھی زائد دے کر وقفِ جدید کا مستقل مجاہد بن سکتا ہے۔

لیکن بعض ایسے مخلص اور قربانی کا جذبہ رکھنے والے احمدی خاندان بھی ہیں جو مالی استطاعت نہیں رکھتے۔ مثلاً اگر ان میں سے کسی خاندان کے چھ بچے ہوں تو اٹھنی ماہوار کے حساب سے تین روپے ماہوار یا چھتیس روپے سالانہ انہیں ادا کرنے چاہئیں۔ حالانکہ غربت کی وجہ سے اس خاندان کے بڑوں کے چندے بھی کم و بیش اتنے ہی ہوتے ہیں۔ پس اگر ایسے خاندان کا ہر بچہ اٹھنی ماہوار ادا نہ کر سکے تو سارے خاندان کے بچے مل کر ایک یونٹ بنالیں اور سب مل کر اٹھنی ماہوار دے دیا کریں۔

بہر حال اس صورت میں وقفِ جدید کے چندہ کا جو وعدہ کیا گیا ہو۔ یا الگ الگ ہر بچہ نے جو وعدہ کیا ہو اس کی اطلاع پندرہ دن کے اندر آ جانی چاہیے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بچوں کی صحیح تعداد کتنی ہے؟ رپورٹیں آئیں گی تو پتہ چلے گا لیکن یہ مجھے یقین ہے کہ ہمارے وہ بچے جن کی عمر پندرہ سال سے کم ہے ان کی تعداد کم از کم پچاس ہزار ہوگی۔

اگر پچاس ہزار بچے الگ الگ پوری شرح سے چندہ ادا کریں تو ان کا چندہ چھ روپے سالانہ کے حساب سے تین لاکھ روپیہ بن جاتا ہے۔ جو وقف جدید کے سال رواں کے وعدوں سے ڈیڑھ گنا ہے۔ (لیکن بعض دوستوں نے تو اپنے پیدا ہونے والے بچے کی طرف سے بھی چندہ بھجوا دیا ہے) لیکن چونکہ وقفِ جدید کے کام کو پوری طرح چلانے کے لئے یہ ناکافی ہے۔ اس لئے امید ہے کہ (جیسا کہ دوست پہلے بھی کیا کرتے ہیں)۔ اس میں بچوں کے علاوہ دوسرے

دوست بھی شامل ہوں گے اور پھر چھ روپے سے زیادہ چندہ دینے والے بھی ہوں گے۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ وقفِ جدید کا چندہ چھ روپے نہیں بلکہ سات سو یا ہزار دیا کرتے تھے (اس وقت مجھے اچھی طرح یاد نہیں) اسی طرح دوسرے بھی بہت سے لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ زیادہ دینے کی توفیق عطا کرتا ہے۔ وہ چھ روپے تک نہیں رکتے۔

یہ زائد دینے والے جو ہیں۔ ان کی رقمیں تین لاکھ کے علاوہ ہوں گی۔ اس طرح وقفِ جدید کے لئے تین لاکھ سے زیادہ رقم ہمیں مل جائے گی۔ جب ہمیں تین لاکھ سے زیادہ رقمیں وصول ہو جائیں گی تب ہم صحیح طور پر کام کر سکیں گے ورنہ ہمارے سالِ رواں کا کام بھی ٹھیک طرح نہ ہو سکے گا۔

سو اللہ تعالیٰ آپ میں سے ہر ماں اور آپ میں سے ہر باپ کو یہ کہہ رہا ہے کہ صرف اپنی فکر ہی نہ کرنا۔ قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ہی نہیں بلکہ قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ تم پر یہ بھی فرض ہے کہ اپنے بچوں کی تربیت اس رنگ میں کرو کہ اُخروی زندگی میں وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی آگ میں نہ پھینکے جائیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کھول کر آپ کے سامنے بیان کر رہا ہے کہ حقیقی معنی میں گھاٹا پانے والے وہ لوگ ہیں کہ جو قیامت کے روز خود بھی گھاٹا پائیں گے اور اپنے اہل کو بھی گھاٹا پانے والا بنا دیا ہو گا ان کی تربیت صحیح رنگ میں نہ کی ہو گی اور بہت سی آیات بھی ہیں جو اس طرف متوجہ کر رہی ہیں۔

تو قرآنی تعلیم کے مطابق ہم میں سے ہر ایک کو اپنی نسل کی تربیت اس رنگ میں کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو نارِ جہنم سے بچائے اور ان پر اس رنگ میں اپنا فضل کرے کہ اس کی نگاہ میں وہ خاسرین کے گروہ میں شامل نہ ہوں۔

پس اپنے نفس کے بعد دوسرے نمبر پر سب سے بڑی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے ہم پر یہ عائد کی ہے کہ اپنے خاندان کو سمجھائیں۔ اس کو اسلام کا شیدائی بنائیں اور اس کے ہر فرد کے دل میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پیدا کریں حتیٰ کہ ان کے دل اس جذبہ سے معمور ہو جائیں

کہ اسلام کی راہ میں ہر وقت ہم ہر قسم کی قربانی کرنے کے لئے تیار رہیں اور دنیا سے نہ کسی شکریہ کی امید رکھیں گے اور نہ واہ واہ کی توقع رکھیں گے اور محض عاجزانہ طور پر اپنے ربّ کی راہ میں زندگی گزارنے والے ہوں گے۔ سو تمام احمدی اپنے اس فرض کو پہچانیں والدین ہوں یا ولی، وہ بچوں کو اس طرف متوجہ کریں کہ وہ خدا کے دین کے سپاہی ہیں۔

آج اسلام کے مقابلہ کے لئے دشمنوں کی طرف سے تلواریں میان سے نہیں نکالی جا رہی ہیں۔ اس لئے ہمارے یہ سپاہی بھی تلوار کے سپاہی نہیں۔ یہ وہ سپاہی ہیں جو اپنے دلوں کو قرآن کریم کے نور سے منور کرنے کے بعد قرآنی نور سے دنیا کو منور کرنے میں پورا پورا مجاہدہ کرتے ہیں۔ ہر احمدی بچے کو اسلام کا سپاہی اور احمدی سپاہی بنانا والدین اور ولی کا فرض ہے۔

پس آپ کو چاہیے کہ اس ضروری اور اہم فرض کی طرف متوجہ ہوں اور وقفِ جدید کے مالی جہاد میں ہر بچے کو شامل کریں تا اللہ تعالیٰ کی رحمتیں آپ پر نازل ہوں اور تا وہ مقصد حاصل ہو۔ جس کے لئے حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجلس وقفِ جدید کو قائم کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(روزنامہ الفضل ربوہ ۹ رنومبر ۱۹۶۶ء صفحہ ۲ تا ۵)

زندہ خدا، زندہ رسول اور زندہ کتاب سے ہمیں حضرت مسیح موعودؑ نے متعارف کیا

خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۱؍نومبر ۱۹۶۶ء بمقام بشیر آباد۔ سندھ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

ہم نے جس ہستی کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت کی اور سلسلہ احمدیہ کو قبول کیا وہ کوئی معمولی ہستی نہیں تھی بلکہ اس کا مقام وہ تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے روحانی فرزندوں میں سے صرف اس کو اپنا سلام بھیجا اور اللہ تعالیٰ نے الہام کے ذریعہ یہ بات تمام دنیا پر ظاہر کی کہ جو شخص ہمارے اس مرسل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں فرق کرے گا۔ اس شخص نے اس مقام کو نہیں پہچانا۔ جس مقام پر کہ اللہ تعالیٰ نے فنافی الرسول ہو جانے اور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں گم ہو جانے کی وجہ سے اس پاک وجود کو کھڑا کیا ہے۔ پھر یہ صرف اعزازی مقام نہ تھا بلکہ حقیقتاً یہ مقام آپ کو اس وجہ سے ملا (اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس لئے توفیق عطا فرمائی کہ آپ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت اور عشق میں فنا ہو کر اپنے وجود کو کلیتاً غائب کر دیں) کہ اللہ تعالیٰ آپ سے وہ کام لینا چاہتا تھا جو اسلام کی نشأۃ اولیٰ میں اس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لیا تھا۔

قرآن کریم سے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور پیشگوئیوں سے ہمیں یہ

معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کو دو ترقیاں حاصل ہونی تھیں جس کا مطلب یہ تھا کہ اسلام کو تنزل کے ایک دور میں سے بھی گزرنا تھا کیونکہ اگر تنزل کا دور مقدر نہ ہوتا تو دو ترقیوں کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ پھر ایک ہی ترقی اسلام کو حاصل ہوتی۔ ہم اس حقیقت کو اپنے عام محاورہ میں اسلام کی نشأۃ اولیٰ اور نشأۃ ثانیہ کے الفاظ سے بیان کرتے ہیں۔

پہلی ترقی اس زمانہ کے لحاظ سے اس طرح ظہور پذیر ہوئی کہ دشمن نے جو اس زمانہ میں علم میں اتنا ترقی یافتہ نہیں تھا بلکہ عام طور پر جہالت کا ہی دور دورہ تھا۔ خواہ اس زمانہ کے لوگ اہلِ کتاب ہوں، مشرکین ہوں، خواہ بد مذہب ہوں انہیں مذہبی لحاظ سے دیکھا جائے یا دنیوی لحاظ سے عموماً وہ علم سے محروم تھے اس لئے جب اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور قرآن کریم جیسی عظیم کتاب آپؐ پر نازل کی۔ تو ان اقوام نے جو دنیا کے مختلف مذہبی فرقوں میں بٹی ہوئی تھیں جہاں جہاں اسلام پہنچا یہ سمجھا کہ ہم اپنی طاقت کے بل پر اسلام کو مٹا کر رکھ دیں گے چنانچہ بالکل ابتدائی زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کے جو دن مکہ میں گزارے۔ ان میں آپؐ کو اور آپؐ پر ایمان لانے والوں کو انتہائی تکالیف پہنچائی گئیں کفار یہ سمجھتے تھے کہ اگر ہم نے ان تکالیف کی شدت کو انتہا تک پہنچا دیا۔ تو یہ مٹھی بھر لوگ اپنے مذہب سے توبہ کر لیں گے اور پھر ان بتوں کے آگے سجدہ کرنے لگ جائیں گے جن کو یہ چھوڑ چکے ہیں۔ لیکن مسلمان کے دل میں جب حقیقتاً بشاشتِ ایمان پیدا ہو جاتی ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اسے ایمان کے اس مقام سے ہٹا نہیں سکتی۔ سو تکالیف جتنی وہ پہنچا سکتے تھے انہوں نے پہنچائیں۔ مسلمانوں پر آزمائش کی جتنی گھڑیاں وہ لا سکتے تھے لائے۔

سخت سے سخت امتحانوں میں سے مسلمانوں کو گزرنا پڑا لیکن ان کے قدم ڈگمگائے نہیں۔ تب تمام حالات کو مدِّنظر رکھ کر کفّار نے یہ نتیجہ نکالا کہ صرف تکالیف پہنچانا کافی نہیں۔ بس ایک ہی علاج ہے وہ یہ کہ انہیں قتل کر دیا جائے تو جب انہوں نے اسلام کو مٹانے کا فیصلہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا کہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ چلے جاؤ۔ چنانچہ آپؐ نے گنتی کے چند آدمیوں کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت کی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے مدینہ کے رہنے والوں کے دلوں کو اسلام کے لئے کھولا اور ان کے سینوں کو قرآن کریم کے نور سے منور کیا۔ جب اسلام مدینہ میں کچھ طاقت پکڑنے لگا تو کفار نے اپنے بدمنصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ انہوں نے سمجھا کہ مدینہ کے چند سو آدمی ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ہم تلوار کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بآسانی شہید کر دیں گے اور اسلام کو مٹا دیں گے۔ چنانچہ مکہ والے مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے اور اس وقت اس سلسلۂ معجزات کی بنیاد رکھی گئی۔ جس کے نتیجہ میں اسلام تمام دنیا پر غالب آ گیا اور وہ سلسلہ یہ تھا کہ خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت اور طاقت کے معجزانہ اظہار سے کفار کو بتایا کہ خواہ تمہاری طاقت کتنی ہی کیوں نہ ہو اور مسلمانوں کی کمزوری خواہ کتنی ہی کیوں نہ ہو۔ تم اپنے دنیوی اموال اور دنیوی طاقت کے باوجود اسلام پر غالب نہیں آ سکتے۔ چنانچہ اس سلسلہ معجزات کا دروازہ بدر کے مقام پر کھولا گیا اور بدر کے مقام پر مستقبل کے واقعات کی ایک تصویر دنیا نے دیکھی کہ اگر خدا کی طاقت کسی قوم اور سلسلہ کے پیچھے ہو تو ساری دنیا کی طاقتیں مل کر بھی اس کو فنا نہیں کر سکتیں۔ چنانچہ اسلام کی تاریخ کے پہلے تیس چالیس سال میں (اور پھر یہ سلسلہ کئی سو سال تک آگے بھی چلا) کفر نے تلوار کے زور پر اسلام کو مٹانا چاہا اور خدا تعالیٰ نے کمزور مسلمانوں کو جو اخلاص کے ساتھ ہر میدان میں کودے کامیاب کیا اور کفر کی تلوار کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور اس طرح دنیا پر ثابت کر دیا کہ اسلام دنیا میں مٹنے کے لئے قائم نہیں کیا گیا۔ جتنی طاقت تم اس کے خلاف استعمال کر سکتے تھے تم نے کی۔ جتنی دفعہ تم نے چاہا اور شیطان نے تمہیں ورغلایا۔ تم اسلام کے خلاف صف آرا ہوئے لیکن تمہاری ان صفوں کو اللہ تعالیٰ کے فرشتوں نے الٹ کر رکھ دیا۔

یہ اسلام کی ابتدائی زمانہ کی تاریخ کی مختصر سی تصویر ہے۔ جو ہمیں بتاتی ہے کہ جب اسلام دنیا میں آیا تو بجائے اس کے کہ دنیا قرآنی علوم سے فائدہ اٹھاتی دنیوی لحاظ سے بھی اور روحانی لحاظ سے بھی ترقی کرتی، اس نے طاقت کے زور سے اسلام کے نور اور قرآن کریم کی چمک کو مٹانا چاہا مگر اللہ تعالیٰ نے یہ ثابت کر دیا کہ قرآن کریم ایک نور ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک نور ہے اور کسی الٰہی نور کو دنیا کی کوئی تلوار، دنیا کی کوئی بندوق، دنیا کا کوئی بم اور دنیا کا کوئی

ایٹمی ہتھیار تباہ نہیں کر سکتا۔

اس کے بعد مسلمانوں نے بد قسمتی سے اسلام کو بھلا دیا اور قرآن کریم کے نور کو اپنے گھروں اور اپنے سینوں سے نکال باہر پھینکا اور ان کی بجائے اپنے سینوں اور گھروں کو بدخیالات بدرسوم اور شرک کے مختلف اندھیروں سے بھر لیا۔ تب خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ ان دلوں میں میرے لئے تو کوئی جگہ باقی نہیں رہی اور ان مکانوں میں میرے ذکر کو بلند کرنے کا کوئی سامان نہیں۔ اب یہ مکان وہ بیوت نہیں رہے جن کے متعلق وعدہ کیا گیا تھا اور بشارت دی گئی تھی۔

فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَ يُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ (النّور: ۳۷)

کہ ایسے گھر ہوں گے جن میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے گا اور آسمان سے ان کی بلندی کے سامان پیدا کئے جائیں گے۔ تو پھر مسلمان تنزل کی اتھاہ گہرائیوں میں گرنے شروع ہوئے اور بعض دفعہ تو ایک انسان کی نیند حرام ہو جاتی ہے۔ جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ ایک وہ زمانہ تھا کہ تمام دنیا کے حاکم بھی یہی تھے، تمام دنیا کے استاد بھی یہی تھے، تمام دنیا کو تہذیب سکھانے والے بھی یہی تھے اور تمام دنیا کو دنیوی علوم سکھانے والے بھی یہی تھے اور تمام دنیا کو روحانی علوم سکھانے والے بھی یہی تھے اور اب یہ حال ہے کہ اپنے گھروں سے، اپنے مدرسوں سے، اپنے کالجوں سے اور دوسری درسگاہوں سے روحانی علوم کو انہوں نے نکال کے باہر پھینک دیا اور دنیوی علوم کے لئے دوسری قوموں سے بھیک مانگنی شروع کر دی۔

اندھیرے کا یہ زمانہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے عین مطابق دنیا پر آیا اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیشگوئی کے عین مطابق وہ وقت بھی آیا جب اس اندھیرے کے زمانہ کو نور کے زمانہ سے بدلنا مقدر تھا اور اس وقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام دنیا کی طرف مبعوث ہوئے اور خدا تعالیٰ نے آپؑ کو الہاماً بتایا کہ چونکہ آپ نے اپنا وجود کلیتاً محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وجود میں گم کر دیا ہے اور آپ کے سینہ میں اسلام کا درد اور توحید کو قائم کرنے کی تڑپ ایسی پائی جاتی ہے اور آپؑ کے یہ جذبات اتنی شدت اختیار کر گئے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آپؑ کی محبت اس مقام تک پہنچ گئی ہے کہ جس مقام تک اُمّتِ محمدیہ میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم)

کے روحانی فرزندوں میں سے کسی ایک کی بھی محبت نہیں پہنچی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو ہی میرا وہ عبدِ محبوب ہے جس کو میں نے پھر اسلام کو تمام دنیا پر غالب کرنے اور ادیانِ باطلہ پر فتح پانے کے لئے کھڑا کیا ہے اٹھ! اور اپنے گوشۂ تنہائی کو چھوڑ! اور اس حجرہ سے باہر نکل جس میں چھپ کر تو میری عبادت کرتا ہے اور میدان مجاہدہ میں اتر اور دنیا کو پکار کر کہہ کہ اسلام کے غلبہ کے دن آ گئے ہیں۔ اُٹھو! اور میری آواز پر لبیک کہتے ہوئے علوم قرآنی کو از سرنو سیکھو اور پھر دنیا کے استاد بن کر دنیا میں پھیلو اور دنیا کو انوارِ قرآنی سے متعارف کراؤ۔

پھر خدا نے کہا کہ جب تم دنیا کو میرا یہ پیغام پہنچاؤ گے تو دنیا تمہاری مخالفت کرے گی۔ تم اکیلے ہو گے مگر دنیا کی مخالفت کی پرواہ نہ کرنا اور میری طاقت اور قدرت پر کامل بھروسہ رکھنا۔ میں چاروں طرف ایسے آدمی پیدا کرتا چلا جاؤں گا جو تمہاری آواز پر لبیک کہتے ہوئے تمہارے گرد جمع ہو جائیں گے۔ یہ دیکھ کر دنیا انتہائی مخالفت کے لئے کھڑی ہو جائے گی اور تم سب کے کچلنے اور مٹانے کے درپے ہو جائے گی مگر وہ تمہیں ہلاک اور مغلوب نہ کر سکے گی۔

پھر ہم اس قدر دلائل اور براہین تمہیں عطا کریں گے کہ یہ زمانہ جو علوم کا زمانہ ہے اور جس میں انسان ستاروں تک پہنچنے کی کوشش کر رہا ہے اس زمانہ کے بڑے بڑے عقل منداور عالم اور سائنسدان ان دلائل کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔

پس اُٹھو! اور مجھ پر بھروسہ کرتے ہوئے قرآن کریم کی تعلیم کو تمام دنیا میں پھیلاؤ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اپنے رب کی نظر میں یہ مقام ہے اور یہ کام ہے جس کی خاطر آپ کے رب نے آپ کو دنیا میں مبعوث فرمایا۔ جو دلائل دیئے وہ تو ایک سمندر ہے اس کا چند منٹوں میں، چند دنوں میں یا چند مہینوں میں یا چند سالوں میں یا چند صدیوں میں بھی بیان کرنا ممکن نہیں۔ کیونکہ سمندر کے قطروں کو گننا آسان ہے لیکن ان دلائل کو اعداد و شمار میں باندھ دینا جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے سکھائے مشکل ہے۔ لیکن تین بنیادی چیزیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی جماعت کو سکھائی ہیں اور دراصل وہی تین بنیادی چیزیں ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہماری طاقت کا انحصار ہے اور جن کے نتیجہ میں ہم دنیا میں کامیاب ہو رہے ہیں۔

پہلی چیز یہ ہے کہ اسلام جس خدا سے ہمارا تعلق پیدا کرنا چاہتا ہے وہ زندہ خدا ہے۔ آپ نے دلائل کے ساتھ یہ بات واضح کی کہ دوسری سب اقوام اور اسلام کے دوسرے سب فرقے اس وقت خدا تعالیٰ کو زندہ طاقتوں والا اور زندہ قدرتوں والا خدا نہیں سمجھتے۔

لمبی داستان ہے کن کن کی کون کون سی بات بتائی جائے جس سے یہ واضح ہو کہ سارے لوگ ہی زندہ خدا کو چھوڑ چکے تھے۔ وہ بوسیدہ ہڈیوں کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ روحانیت جاتی رہی تھی۔ جو ظاہری علوم تھے ان میں بھی کوئی کمال حاصل نہ تھا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دلائل کے ساتھ اور قوتِ قدسیہ کے نتیجہ میں ہمارے سامنے زندہ خدا کو پیش کیا اور ہمارے رب نے محض اپنے فضل سے ہزاروں احمدیوں کو اپنے زندہ ہونے کا ثبوت دیا۔ وہ معجزات اور وہ قادرانہ امور جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہمارے سامنے پیش کئے۔ ان کی تعداد لاکھوں تک پہنچتی ہے جیسا کہ خود آپ نے اپنی کتب میں بیان فرمایا ہے لیکن وہ معجزات جو ہمارے پیارے رب نے محض اپنے پیار اور فضل کے نتیجہ میں جماعت احمدیہ کو بحیثیت جماعت اور مختلف افراد جماعت کو بحیثیت افراد دیئے۔ وہ (معجزات) بھی لاکھوں سے کم نہیں۔

ہماری فرقان بٹالین جب کشمیر کے محاذ پر تھی۔ اللہ تعالیٰ نے جماعتی لحاظ سے وہاں اتنے معجزے دکھائے کہ اگر ان کو اکٹھا کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب ان معجزات پر مشتمل لکھی جا سکتی ہے۔

پھر جو لوگ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ابتدائی تاریخ سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ چونکہ آپ ہر وقت عبادت اور ذکر میں مشغول رہتے تھے اور آپ کا خاندان چونکہ بڑا ہی دنیا دار تھا۔ خاندان کے لوگ سمجھتے تھے کہ ہمارا یہ لڑکا (مسیح موعود علیہ السلام) کسی کام کا نہیں۔ نہ اس میں جائیداد سنبھالنے کی قابلیت ہے اور نہ خاندانوں کی عزت اور ترقی اس کے ساتھ وابستہ ہوگی۔ وہ دنیا دار تھے اس لئے دنیوی خیالات کے تیر چلا رہے تھے۔ ان کو کیا پتہ تھا کہ یہ بچہ کہاں تک پہنچنے والا ہے۔ آپ ہر وقت ذکرِ الٰہی، نمازوں اور دوسرے نیک کاموں میں مشغول رہتے تھے۔ قادیان میں بھی بہت کم لوگ آپ سے واقف تھے۔ ضلع گورداسپور میں جو چھوٹا سا ضلع تھا

اور سارے ملک کے لحاظ سے اس کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ اس میں بھی گنتی کے چند آدمیوں کے علاوہ آپؑ کو کوئی نہ جانتا تھا۔ باقی دنیا کا تو کہنا ہی کیا؟ اس کو تو قطعاً آپ کے متعلق کوئی واقفیت نہ تھی۔ یہ حال آج سے ستر پچھتر سال پہلے کا ہے۔

اور آج وہ دن ہے کہ دنیا کے قریباً ہر ملک میں اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگ پیدا کر دیئے ہیں۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے انتہائی محبت اور عقیدت رکھتے ہیں جو اسلام کے فدائی ہیں۔ جو قرآن کریم کے نور سے منور ہیں۔ جو توحیدِ خالص پر قائم ہیں جن کو اللہ تعالیٰ وقت سے پہلے آئندہ کی خبریں دیتا ہے اس وقت ایسے ہزارہا احمدی افریقہ، امریکہ اور یورپ میں موجود ہیں۔

ابھی چند دن ہوئے مجھے گیمبیا کے مبلغ مولوی غلام احمد صاحب بدوملہی نے لکھا۔ (اس ملک کے گورنر جنرل احمدی ہیں) کہ یہاں گیمبیا کا ایک حبشی باشندہ چند سال سے احمدی ہے۔ بہت مخلص ہے اور وہ تہجد کے نوافل ادا کرنے کے لئے اکثر مسجد میں آتا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا اتنا فضل ہے کہ وہ کثرت سے سچی خوابیں دیکھتا ہے۔ وہ خانساماں ہے اور دنیا داروں کی نظر میں اس کی کوئی قدر نہیں مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے طفیل اور اسلام کی برکات کے نتیجہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسیہ کے فیضان سے اس کو بھی حصہ ملا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کثرت سے اسے سچی خوابیں دکھاتا ہے۔ چنانچہ ہمارے مبلغ نے ایک دو مثالیں بھی لکھی ہیں ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ یہ شخص بے روزگار تھا۔ اس نے خواب دیکھی کہ میں نوکر ہو گیا ہوں سولہ پونڈ ماہوار پر۔ صرف یہی نہیں دیکھا کہ نوکر ہو گیا ہوں بلکہ خواب میں یہ بھی دیکھا کہ ماہوار تنخواہ سولہ پونڈ ہوگی اور یہ خواب اس نے مجھے بتا دی۔ ابھی تین دن نہیں گزرے تھے کہ اسے سولہ پونڈ ماہوار کی نوکری مل گئی۔ لیکن اس سے بھی ایک عجیب خواب اس نے یہ دیکھی کہ گیمبیا کے پرائم منسٹر نے اپنے گلے میں ایک بڑا سا پتھر باندھ کر سمندر میں چھلانگ لگا دی ہے۔

یہ خواب ایسی ہے کہ نہ خواب دیکھنے والے کو اس کے متعلق کچھ علم ہے اور نہ ہی مولوی غلام احمد صاحب بدوملہی کو کوئی پتہ (کہ ان کو بھی اعتماد میں نہیں لیا گیا تھا) یہ خواب مولوی صاحب نے وہاں کے گورنر کو جو احمدی ہے اور جماعت کا پریذیڈنٹ بھی ہے۔ بتائے۔ اس پر گورنر صاحب

نے کہا کہ ہاں پرائم منسٹر کچھ پریشان ہے لیکن پوری بات انہیں نہیں بتائی۔ البتہ پرائم منسٹر کے مفصل حالات مجھے لکھے اور درخواست کی کہ میں اس کے لئے دعا کروں کہ اللہ تعالیٰ اس کی پریشانی کو دور کرے۔

پرائم منسٹر احمدی نہیں لیکن ہمارے گورنر الحاج کی تبلیغ سے ہی وہ مسلمان ہوئے تھے۔ تو الحاج کو پتہ ہے کہ اس کی پریشانی کیا ہے۔ خود پرائم منسٹر کو پتہ ہے کہ اس کی پریشانی کیا ہے۔ ممکن ہے اس کے کسی اور دوست کو بھی پتہ ہو لیکن یہ یقینی بات ہے کہ نہ خواب دیکھنے والے کو پتہ ہے کہ وہ پریشانی کیا ہے اور نہ خواب لکھنے والے کو علم ہے کہ کون سی پریشانی ہے اور کون سا پتھر ہے جو اس کے گلے میں لٹکا ہوا ہے اور کون سا سمندر ہے جس میں اس نے چھلانگ لگا دی ہے۔

تو یہ بات ثابت کرتی ہے کہ یہ خواب اسے اس کے نفس نے نہیں دکھائی بلکہ اللہ تعالیٰ نے فرشتے بھیج کر یہ خواب اسے دکھائی۔ نہ خواب دیکھتے وقت ان حالات کا اسے علم تھا۔ نہ ہی اب تک کچھ پتہ ہے۔ حالانکہ خواب دیکھے ہوئے مہینہ ڈیڑھ مہینہ ہو گیا ہے۔

سو اس قسم کی مثالیں ایک دو نہیں ہمارے پاکستان میں بھی ہزاروں تک پہنچی ہوئی ہیں۔ شاید اس سے بھی زیادہ ہوں۔ پھر اس قسم کی مثالیں صرف پاکستان تک ہی محدود نہیں بلکہ امریکہ کے حبشی جن کو اس وقت وہاں تنگ کیا جا رہا ہے۔ افریقہ کے حبشی جن پر دنیا ظلم کرتی آئی ہے۔ جن کو دنیا زبردستی پکڑ کے منڈیوں میں بیچتی چلی آئی ہے۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نگاہ میں آزاد کر دیا ہے اور انہیں سچی خوابیں، مکاشفات اور الہامات ہونے شروع ہو گئے ہیں۔ بہت سارے ملہم ہیں سچی خوابیں دیکھنے والے، کشوف و رؤیا دیکھنے والے، ان کو اللہ تعالیٰ نے وقت سے پہلے بہت عجیب عجیب نظارے دکھائے پھر نامساعد حالات میں دکھائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے حالات بدل دیئے۔ اسی کے ہاتھ میں ہر چیز ہے۔ جو پہلے بتایا تھا ویسا ہی کر دیا اور یہ وہ چیز ہے جس کے نتیجہ میں ان لوگوں کے دلوں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بے انتہاء محبت پائی جاتی ہے اور یہی وہ چیز ہے جس کے نتیجہ میں وہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق ہوتے جا رہے ہیں اور قرآن کریم کی وہ قدر کرتے ہیں جو واقعہ میں کرنی چاہیے۔ وہ خدا کے سوا کسی کے آگے نہیں جھکتے

کیونکہ زندہ خدا اپنی زندہ طاقتوں اور زندہ قدرتوں کے ساتھ ان پر جلوہ گر ہو رہا ہے اور اس لئے ہو رہا ہے کہ ان کے پاس اسلام کی سچی تعلیم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ سے پہنچی۔ایک تو یہ بنیادی چیز حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جماعت کو دی۔

دوسری بنیادی چیز جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جماعت کو دی وہ ”زندہ رسول“ ہے۔ لوگ یہ سمجھنے لگ گئے تھے کہ نعوذ باللہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ابتر ہیں۔آپؐ کے کوئی نرینہ اولاد نہیں یعنی آپؐ کے ہاں جتنے بیٹے ہوئے سارے کے سارے چھوٹی عمر میں فوت ہو گئے۔اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صبر کو دیکھ کر اور فنا فی اللہ کے مقام پر نظر کرتے ہوئے آپؐ کو وعدہ دیا اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ کہ بے شک جسمانی نرینہ اولاد نہیں رہی لیکن روحانی اولاد ہم تجھے اس کثرت سے دیں گے کہ دنیا کا کوئی نبی تیرا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔حتی کہ اگر دنیا کے تمام انبیاء کی روحانی اولاد کو اکٹھا کر دیا جائے تو بھی آپؐ کی روحانی اولاد زیادہ ہو گی۔اسی مقام کی وجہ سے آپؐ کو خاتم النبیین کا لقب ملا۔

لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے وقت لوگ یہ سمجھنے لگے تھے کہ جسمانی اولاد تو آپؐ کی ہے نہیں۔آپؐ کی کوئی روحانی اولاد بھی نہیں جو آپؐ کے فیوض سے فیض حاصل کر کے ارفع روحانی مقام حاصل کر سکے اور جن سے خدا تعالیٰ ہمکلام ہو اور جنہیں قبولیتِ دعا کا نشان دیا جائے۔

تو یہ لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دراصل زندہ نبی نہیں مانتے۔بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ آپؐ کے فیوض آپؐ کے زمانہ میں ہی تھے آگے جاری نہیں رہے۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ایسا نہیں اور ہر گز نہیں۔

ہمارا رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک زندہ رسول ہے اس کے فیوض، اس کی روحانیت اور اس کی قوتِ قدسیہ جس طرح پہلے تھی اب بھی ہے۔اور قیامت تک جاری رہے گی۔چنانچہ جو برکات آپؐ کے ذریعہ سے پہلے لوگوں نے حاصل کیں وہ اب بھی حاصل کی جا سکتی ہیں اور میں اس بات کا زندہ گواہ ہوں۔میں اپنی زندگی اور دلائل سے ثابت کر سکتا ہوں اور نمونہ سے بتا سکتا

ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ایک زندہ وجود ہے۔ چنانچہ آپؐ پر کثرت سے درود پڑھنے کی وجہ سے انسان پر اللہ تعالیٰ کی بڑی برکات نازل ہوتی ہیں۔ (جماعت کو اس طرف متوجہ ہونا چاہیے!)

میں نے چند سال ہوئے جماعت کو درود پڑھنے کی طرف توجہ دلائی تھی تو میرے پاس بیسیوں خطوط آئے کہ ہم نے جو تین سو دفعہ روزانہ درود پڑھا تو اس کے نتیجہ میں ہم پر ایسی برکات نازل ہوئی ہیں کہ ہم صرف اس مدّتِ معینہ میں ہی نہیں بلکہ آئندہ ساری عمر میں ہی روزانہ تین سو دفعہ دردو پڑھا کریں گے۔

تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہمارے رسولؐ کو ایک زندہ رسول کی حیثیت میں ہمارے سامنے پیش کیا ہے اور ہمارے دلوں میں یہ بات گاڑ دی کہ یہ رسول ایسا نہیں کہ جس پر روحانی طور پر کبھی موت یا فنا آ سکتی ہے بلکہ اس کو قیامت تک زندہ رکھا جائے گا اور آپؐ کے روحانی فیوض جاری رہیں گے۔

تیسری چیز جو بنیادی طور پر آپؑ نے جماعت کے ہاتھ میں دی وہ زندہ کتاب تھی۔ مسلمان کہلانے والے قرآن کریم کو زندہ کتاب نہیں سمجھتے تھے کیونکہ وہ کہتے تھے کہ جی! پہلوں نے جو تفسیر لکھ دی بس وہی ٹھیک ہے اب قرآن کریم کے خزانے ختم ہو گئے اور یہ کتاب مردہ ہو گئی جیسے کسی نہر کا سارا پانی نکال لیا جائے تو کوئی اسے ''نہر جاری'' نہیں کہے گا۔ جس نہر کا سارا پانی نکل جائے وہ خشک ہو جاتی ہے۔ پس جب قرآن کریم کے تمام علوم پہلوں نے نکال لئے تو وہ خشک ہو گیا زندہ نہیں رہا، چالو نہیں رہا، گویا وہ نہر دنیا کو فائدہ پہنچانے والی نہ رہی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے قرآن کریم کے علوم اس کثرت سے دیئے گئے ہیں کہ ان کا شمار نہیں ہوسکتا۔ ایک عیسائی نے اعتراض کیا جب توحید وغیرہ تورات میں بھی پائی جاتی ہے تو قرآن کریم کی کیا ضرورت تھی؟ حضور علیہ السلام نے اسے جواب دیا کہ قرآن کریم کا تو تم ذکر چھوڑو۔ یہ تو ایک بڑی کتاب ہے۔ قرآن کریم کے شروع میں ایک مختصر سی سورۃ ہے جس کی کل سات آیتیں ہیں۔ اس کا نام سورۃ فاتحہ ہے اور ہم اسے ہر نماز میں پڑھتے ہیں۔ اس سورۃ فاتحہ

میں اتنے علوم ہیں کہ تم اپنی تمام الہامی کتب میں سے وہ علوم نہیں نکال سکتے۔ اگر تم نکال سکو تو میں سمجھوں گا کہ قرآن کریم کی کوئی ضرورت نہیں۔ باقی قرآن بہت بڑی کتاب ہے اس کے علوم تک تو تمہارا تخیّل بھی نہیں پہنچ سکتا۔

چنانچہ اس چیلنج کو دیئے پچاس ساٹھ سال ہو چکے ہیں اور اس چیلنج کے قبول کرنے والے کو حضور علیہ السلام نے پانچ سَو روپیہ دینے کا وعدہ بھی کیا لیکن کسی عیسائی کو جرأت نہیں ہوئی کہ وہ اس چیلنج کو قبول کرے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے سورۃ فاتحہ کی جو تفسیر فرمائی ہے اُردو میں یا عربی میں، چیلنج قبول کرنے سے پہلے چیلنج قبول کرنے والے کو وہ پڑھنی چاہیے لیکن وہ دوسرے لوگوں سے بعض مطالب سن کر ہی اس فیصلہ تک پہنچ جاتے ہیں کہ اس طرف نہ آنا چاہیے۔ اب میں نے پانچ سو روپے سے بڑھا کر انعام کی رقم پچاس ہزار روپیہ کر دی ہے تو سوائے ایک دو دیسی پادریوں کے اور کوئی اس چیلنج کے متعلق کچھ کہنے کی جرأت نہیں کر سکا۔ جو بولے وہ بھی ایسے پادری تھے کہ دنیائے عیسائیت میں ان کو کوئی خاص مقام حاصل نہیں اور انہوں نے جو لکھا وہ بھی طفلانہ بیان ہے۔ چیلنج یہ تھا کہ جو مطالب اور مضامین سورۃ فاتحہ میں پائے جاتے ہیں۔ وہ کوئی عیسائی اپنی تمام الہامی کتب سے نکال کر دکھاوے۔ اگر کوئی ایسا کر دکھائے تو ہم سمجھیں گے اس نے اسلام کا کچھ مقابلہ کر لیا ہے اور ہم اسے انعام دے دیں گے۔

لیکن بجائے اس کے کہ وہ ہم سے یہ پوچھتے کہ آپ نے مسیح موعود علیہ السلام کے چیلنج کو دہرایا ہے اور پانچ سو روپیہ کے انعام کو پچاس ہزار روپیہ میں بدل دیا ہے۔ دکھاؤ وہ مضامین کون سے ہیں جو سورۃ فاتحہ میں بیان ہوئے ہیں تا کہ وہی یا اس سے بہتر مضامین بائیبل سے نکال کر دکھائے جائیں۔ انہوں نے لکھا ہے کہ ہمیں آپ کا چیلنج منظور ہے۔ لیجئے جواب یہ ہے۔ حمد کا لفظ بائیبل کی فلاں کتاب کے فلاں باب کی فلاں آیت میں اور فلاں کتاب کے فلاں باب کی فلاں آیت میں پایا جاتا ہے۔

پھر لکھا کہ لفظ ربّ بائیبل کی فلاں کتاب اور فلاں باب اور فلاں آیت میں موجود ہے۔

اور ’’تمام جہاں‘‘ کا فقرہ فلاں آیت میں پایا جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اور کہا کہ پیسے نکالو کیونکہ ہم نے چیلنج منظور کر کے اس کا جواب دے دیا ہے۔

حالانکہ ہمارا چیلنج یہ تھا ہی نہیں پھر یہ الفاظ پتہ ہے پائے کہاں جاتے ہیں؟ اصلی بائیبل میں نہیں بلکہ بائیبل کے اردو ترجمہ میں اور یہ احمقانہ بات ہوتی اگر کوئی شخص یہ کہتا کہ تم سورۃ فاتحہ کے الفاظ بائیبل سے نکال کر دکھاؤ جس کی زبان عربی نہیں جیسے میں کہوں ’’نکال دو‘‘ پنجابی میں کہتے ہیں ’’کڈھ دیو‘‘ یہ تم اگر عبرانی زبان سے نکال دو۔ تو تمہیں انعام دیں گے تو یہ پنجابی کا لفظ عبرانی سے کیسے نکل آئے گا۔ یہ تو ہم نے چیلنج ہی نہیں دیا تھا۔ چیلنج یہ تھا کہ جو مضامین اور مطالب سورۃ فاتحہ میں پائے جاتے ہیں وہ ہمیں بائیبل سے نکال کر دکھاؤ۔

تم خود کہتے ہو کہ پہلے ان کتابوں کا ترجمہ انگریزی میں ہوا اور پھر اُردو میں ہوا اور جب اُردو میں ترجمہ ہوا۔ تو بہت سے مسلمان عیسائی ہو چکے تھے اور وہ قرآن کریم کی زبان اور اس کے محاوروں سے متاثر تھے۔ جب ترجمہ ہوا تو انہوں نے انہی الفاظ کو نقل کرنا شروع کر دیا۔ تو اس نقل کے بعد اب کہتے ہیں کہ یہ لفظ بائیبل میں یعنی بائیبل کے اردو ترجمہ میں پائے جاتے ہیں۔

تو خود ایک پادری کا ایسا جواب دینا بتاتا ہے کہ ان مضامین کا بائیبل میں پایا جانا تو کجا! بائیبل کے پڑھنے والوں کے تخیل سے بھی وہ مضامین باہر ہیں اسی لئے ان کو جرأت نہیں ہوئی کہ وہ کہیں کہ بتایئے وہ کون سے مضامین ہیں جو سورۃ فاتحہ میں بیان ہوئے ہیں۔

مجھے جب پتہ چلا کہ بعض پادری ہمارا یہ چیلنج قبول کرنے کے لئے تیار ہیں تو میں نے اپنے دوستوں سے کہا کہ جہاں جہاں بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے سورۂ فاتحہ کی تفسیر کی ہے پوری سورۃ کی یا اس کی کسی آیت کی۔ وہ اکٹھی کر لی جائے تا کہ جب وہ ہمارا چیلنج قبول کریں اور ہم سے سورۃ فاتحہ کے ان مضامین اور مطالب کا مطالبہ کریں۔ جو اس میں بیان ہوئے ہیں تا کہ ان کے مقابل ویسے ہی مضامین بائیبل سے نکال کر دکھائے جائیں۔ تو وہ اکٹھے ہی ان کے سامنے پیش کر دئے جائیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ تفسیر سورہ فاتحہ کو

اکٹھا کیا جائے تو وہ تین ہزار صفحہ کی کتاب بنے گی۔ حالات بدلتے رہتے ہیں۔ اور نئے نئے مضامین نکلتے رہتے ہیں۔

تو جو نئی باتیں ہمیں سمجھ آئیں وہ بھی ہم اس میں زائد کر دیں گے اور پھر ان سے کہیں گے کہ یہ ہیں سورہ فاتحہ کے مضامین !!! اگر یہ مضامین تم تمام بائیبل سے نکال دو تو ہم سمجھیں گے کہ تم کامیاب ہو گئے اور تمہیں فوراً پیسے دے دیئے جائیں گے۔

لیکن بجائے اس کے کہ وہ چیلنج کو اپنے صحیح رنگ میں سمجھتے اور پھر اسے قبول کرتے انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ سورۃ فاتحہ کا فلاں لفظ بائیبل کے اردو ترجمہ میں فلاں جگہ پایا جاتا ہے اور فلاں لفظ فلاں جگہ۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ سورۃ فاتحہ بائیبل میں پائی جاتی ہے تو یہ تو ایک طفلانہ جواب ہے جسے سمجھدار پادری بھی قبول نہ کریں گے۔

تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک زندہ کتاب ہمارے سامنے رکھی اور فرمایا کہ قرآن کریم کے علوم پیچھے ہی نہیں رہ گئے بلکہ قیامت تک کی تمام ضرورتوں کو پورا کرنے کے مواد اس میں موجود ہیں۔ علمی لحاظ سے کوئی اُلجھن پیش آئے کوئی مشکل مسئلہ ہو، قرآن کریم پر غور کریں تو آپ کو پتہ چل جائے گا کہ اس کا یہ مطلب ہے اور باوجودیکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے (جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے) خدا تعالیٰ کی توحید کے ثبوت میں اور قرآن کریم کی صداقت کے ثبوت میں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بے شمار دلائل اور براہین پیش کئے ہیں پھر بھی آپ نے یہ نہیں کہا کہ قرآنی علوم کا دروازہ بند ہو گیا ہے۔ بلکہ فرمایا کہ غور کرو، تدبر کرو، بار بار پڑھو اور دعائیں کرو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں قرآن کریم کے علوم سے منور کرے وہ نئے سے نئے مضامین تمہیں سکھاتا چلا جائے گا۔

قرآن ایک ایسا خزانہ ہے جو نہ ختم ہونے والا ہے اور اتنا قیمتی خزانہ ہے کہ اگر انسان کے دل میں واقعی نور رہو اور اس کے دماغ میں فراست ہو تو اس کے ایک ایک موتی کی کوئی قیمت نہیں ڈالی جا سکتی۔ اس کے مقابلہ میں دنیا کے جواہرات بالکل لاشئی ہیں مثلاً قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ کہ تم دعا کرو میں تمہیں دوں گا۔ اب یہ ایک مضمون ہے نا! جو بیان ہوا

ہے۔ کونسا ہیرا ہے جو اس سے زیادہ قیمتی ہو؟ جس سے کہ آپ کی ضرورتیں بھی پوری ہوتی رہیں آپ کی اولاد کی بھی پوری ہوتی رہیں۔ ان کی اولاد کی بھی پوری ہوتی رہیں۔ آپ اسے خرچ بھی کرتے رہیں اور ختم بھی نہ ہو۔ بلکہ آگے سے بھی بڑھتا چلا جائے۔ دنیا کا کوئی ہیرا ایسا نہیں جسے استعمال بھی کیا جائے اور وہ پہلے سے بھی زیادہ ہو جائے۔ دنیا کا کوئی مال ایسا نہیں (ہیرے جواہر ہوں یا کسی اور قسم کا مال ہو) لیکن اُدۡعُوۡنِیۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَکُمۡ قرآن کریم کی ایک چھوٹی سی آیت ایسی ہے کہ ساری دنیا کے مال اس سے کم قیمتی ہیں کیونکہ دعا کے نتیجہ میں جو فضل جسمانی اور روحانی آسمانوں سے نازل ہوتے ہیں سچے دل کی دعا اور عاجزی وتضرع کے ساتھ وہ دنیا داروں کو دنیا کی تمام دولت خرچ کر کے بھی حاصل نہیں ہو سکتے۔

پس آپ کو اس کتاب کی قدر کرنی چاہیے اور اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ ہم نے احمدیت کی وجہ سے ساری دنیا کی ناراضگی مول لی ہے اور احمدیت ہمیں سکھاتی ہے کہ قرآن کریم سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھائیں اور اس کی برکات سے مستفیض ہوں ورنہ ہماری مثال اس شخص کی طرح ہوگی کہ کہتے ہیں کہ ایک شخص گھر سے پیسے لے کر بازار جا رہا تھا۔ کسی نے پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو وہ کہنے لگا۔ بازار جا رہا ہوں تا وہاں جا کر گدھا خریدوں۔ اس نے کہا انشاءاللہ کہو۔ اس نے جواب دیا کہ پیسے میری جیب میں ہیں اور گدھا بازار میں موجود ہے انشاءاللہ کہنے کی کیا ضرورت ہے؟ میں پیسے ادا کر کے گدھا خرید لوں گا۔

جب وہ بازار پہنچا تو کسی نے اس کے پیسے چرا لئے۔ بڑا حیران و پریشان ہوا۔ اس وقت اسے خیال آیا کہ چونکہ میں نے اپنے دوست کے کہنے پر انشاءاللہ نہیں کہا تھا۔ اس لئے مجھے یہ سزا ملی ہے۔ اگر میں انشاءاللہ کہتا تو میرے پیسے چوری نہ ہوتے اور مجھے یہ نقصان اور پریشانی لاحق نہ ہوتی۔

اسی پریشانی میں وہ واپس آ رہا تھا۔ تو کسی نے پوچھا کہاں سے آئے ہو۔ کہنے لگا بازار سے آیا ہوں انشاءاللہ۔ بازار میں گیا تھا انشاءاللہ مگر پیسے چوری ہو گئے انشاءاللہ میں گدھا نہیں خرید سکا انشاءاللہ اب خالی ہاتھ واپس لوٹ رہا ہوں۔ انشاءاللہ۔

اسی طرح آگ میں پڑ کے اور دنیا کی گرمی اور ناراضگی مول لینے کے بعد بھی ہم نے اس سے فائدہ نہ اُٹھایا تو ہم سا بدقسمت کوئی نہ ہوگا۔

تو یہ تین چیزیں، یہ تین زندگیاں، یہ تین طاقتیں ہیں جن سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہمیں متعارف کیا اور جن کے متعلق ہمارے دل میں پختہ یقین پیدا کیا۔ وہ یہ کہ قرآن کریم ایک زندہ کتاب ہے۔ وہ یہ کہ محمد رسول اللہؐ ایک زندہ رسول ہیں وہ یہ کہ ہمارا خدا جس نے قرآن کریم نازل کیا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا وہ زندہ خدا زندہ طاقتوں والا اور زندہ قدرتوں والا خدا ہے۔

ان تین زندگیوں سے وابستہ ہو جانے کے بعد کسی احمدی میں کسی قسم کی مردنی نظر نہیں آنی چاہیے۔

زندہ خدا پر ایمان لانے والے زندہ کتاب کو پڑھنے والے، زندہ رسول سے پیار کرنے والے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی غلامی میں آنے والے کسی فرد میں پژمردگی نہیں پائی جانی چاہیے۔ نہ دینی لحاظ سے نہ دنیوی لحاظ سے۔ دینی لحاظ سے جو فرائض عائد ہوتے ہیں۔ انہیں صرف سن لینے سے تو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ ’’زندہ قرآن‘‘ کہنے سے تو اس کی زندگی اور نور سے حصہ نہیں مل سکتا۔ جب تک اسے پڑھیں نہ۔ جب تک ان راہوں کو اختیار نہ کریں تقویٰ کی جو راہیں قرآن کریم نے بیان کی ہیں۔ خالی یہ کہہ دینا کہ یہ کتاب زندہ ہے کسی شخص کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ اس کے لئے عمل چاہیے! عمل چاہیے!! عمل چاہیے!!!

اسی طرح ایک طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا دعویٰ اور دوسری طرف آپؐ کے اُسوہ کو چھوڑ دینا۔ ان دونوں باتوں میں اتنا تضاد ہے کہ کوئی عقلمند اس سے متاثر نہیں ہو سکتا۔ پس یہ کہنا اور دعویٰ کرنا کہ ہمیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیار ہے۔ لیکن ساتھ ہی آپؐ کی زندگی کے طریق اور اُسوہ کو اختیار نہ کرنا۔ جب لوگ یہ دو متضاد باتیں دیکھیں گے۔ تو احمق یا منافق سمجھیں گے کہ دعویٰ کچھ ہے اور عمل کچھ ہے۔ یاد رکھیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اسوہ نہ تھا کہ حلال ذرائع سے بھی کمایا نہ جائے۔ بلکہ یہ تھا کہ حلال کمائی نیکی کی راہ میں خرچ کی جائے۔

یہی بڑا فرق ہے کہ ایک سچے مسلمان اور ایک دہریہ کمیونسٹ کے درمیان! کمیونسٹ ملکوں نے کمانے پر پابندیاں لگا رکھی ہیں اور یہ پابندیاں لگا کر انسان کی بہت سی طاقتوں اور جذبات کو کچل دیا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اسلام ناجائز کو جائز قرار نہیں دیتا لیکن وہ یہ ضرور کہتا ہے کہ جائز ذرائع سے جتنا چاہو کماؤ تم پر کوئی پابندی نہیں ہاں کمانے کے بعد جب ’’کوٹھے‘‘ بھر جائیں اور اس سونے چاندی کے خرچ کرنے کا وقت آئے تو اسلام کہتا ہے کہ فلاں فلاں کاموں پر خرچ نہیں کرنا ورنہ اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے گا۔ شادی بیاہ میں ناچ گانے نہ کروانا کیونکہ یہ تمہارے خدا کو پیارے نہیں۔ جب کسی رشتہ دار کی وفات ہو جائے تو ناجائز غلط اور غیر مسنون ذریعہ سے اسے ثواب پہنچانے کی کوشش نہ کرنا۔ ہاں جو جائز اور نیکی کا کام ہے۔ اس پر بے شک خرچ کرو۔

تو اللہ تعالیٰ نے خرچ کی راہوں کو متعین اور محدود کر کے بالکل واضح کر دیا ہے اور جو غلط طریقے ہیں ان کی بھی وضاحت کر دی ہے۔

بعض غلط رسوم اور رواج پھر بعض جماعتوں میں گھس رہے ہیں۔ گندی رسموں اور گندے رواجوں کے دروازے بند ہونے چاہئیں ورنہ ہمارا یہ دعویٰ غلط ہوگا کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے ہیں۔ جو طریق شادی بیاہ، موت وفوت، دوستوں سے ملنے انہیں دعوتوں پر بلانے کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار کیا تھا۔ اگر ہمارے دلوں میں آپ کی محبت ہوگی تو وہی طریق ہم بھی اختیار کریں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طریق شروع سے لے کر آخر تک یہ اختیار کیا کہ آپؐ کے ہاتھ سے کسی ایک شخص کو بھی دکھ نہیں پہنچا۔ یعنی آپؐ نے کبھی ایسا راستہ اختیار نہیں کیا اور آپؐ کی زندگی میں اس کی کوئی ایک مثال بھی نہیں مل سکتی کہ کسی شخص کو آپؐ کے ہاتھ سے کوئی تکلیف پہنچی ہو اور وہ اس کا مستحق نہ ہو۔ اس کے مقابلہ میں ہزارہا انسان ایسا ہے جس کا یہ حق بنتا تھا کہ ان کو کوئی تکلیف پہنچائی جائے اور سزا دی جائے۔ مگر آپ نے ان کو معاف کر دیا۔ چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر وہ سردارانِ کفر جن کو اللہ تعالیٰ کی مشیت نے میدانِ جنگ میں قتل ہونے سے بچا لیا تھا انہیں سزائے موت نہیں دی گئی۔ حالانکہ ان میں سے ہر ایک سمجھتا تھا کہ آج میری موت دروازہ پر

کھڑی ہے۔لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرما دیا کہ جاؤ تم سب کو معاف کر دیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے ان میں سے اکثر ایسے تھے جنہوں نے سمجھ لیا کہ تیرہ سال دکھ اُٹھانے کے بعد طاقت ملنے پر جو شخص اس فراخ دلی سے معافی دیتا ہے وہ عام انسان نہیں وہ فرشتوں سے بھی بلند ہے اور واقعہ میں اس کا خدا سے تعلق ہے۔

مال دینے میں یہ مثال قائم کی کہ ایک شخص اکیلا آپؐ کے پاس آیا اس کا قبیلہ سخاوت میں بہت مشہور تھا۔ اس نے آپؐ کو پکارا اور نام لے کر کہا کہ مجھے مال کی ضرورت ہے مال دیجئے۔ جہاں آپؐ کھڑے تھے وہاں سامنے وادی تھی اور تمام وادی جانوروں سے بھری تھی۔ آپؐ نے اسے فرمایا کہ اس وادی میں جتنے جانور ہیں ہانک کے لے جاؤ تمہیں دیئے۔

وہ مبہوت سا ہو گیا۔ اس نے خیال کیا کہ شاید میں نے آپؐ کی بات ٹھیک سے نہیں سنی۔ یا میں آپ کی بات کو سمجھا نہیں ہوں اس نے پوچھا کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں!! آپ نے فرمایا کہ میں کہہ رہا ہوں کہ یہ تمام جانور جو تمہیں وادی میں نظر آ رہے ہیں ہانک کے لے جاؤ اس پر وہ سارے جانور لے گیا اور گھر جا کر اس نے اپنے قبیلے کو اکٹھا کیا اور یہ سارا واقعہ ان کے سامنے بیان کیا۔ پھر اس نے کہا کہ جو شخص ساری وادی کے جانور میرے کہنے پر دے دیتا ہے وہ دنیا سے تعلق نہیں رکھتا۔ دنیا دار تو سوچتا ہے کہ میں نے یہ سارے جانور دے دیئے تو اور کہاں سے آئیں گے۔

پس اس نے اپنے قبیلے کو سمجھایا کہ یہ سخاوت اتنی بڑی سخاوت ہے کہ ان حالات میں ایسی سخاوت صرف وہ شخص کر سکتا ہے، جو خدائے واحد پر پورا بھروسہ اور پورا یقین رکھتا ہو اس لئے تم سب ایمان لا کر مسلمان ہو جاؤ۔ اس پر وہ سارے ایمان لے آئے۔

دیکھو! یہ عقلی دلیل پیش کر کے اس نے ان سب کو مسلمان بنا لیا۔

پس مال کے خرچ کرنے پر پابندیاں ہیں اور خرچ کی صحیح راہیں ہمیں بتا دی گئی ہیں۔ حلال طریق پر مال کمانے پر کوئی پابندی نہیں جس طرح کوئی چاہے کمائے۔ اس واسطے دل میں خواہش پیدا ہوتی ہے کہ ہر احمدی فی کلہ (ایکڑ) اتنے دانے پیدا کرے کہ کوئی غیر اس کا مقابلہ نہ کر سکے۔

اور آپ جو احمدی زمیندار ہیں ایسا کر سکتے ہیں بشرطیکہ آپ دو چیزوں کا خیال رکھیں نسخہ میں بتا دیتا ہوں عمل کر کے آپ دیکھ لیں۔ایک یہ کہ نیت کر لیں کہ آپ کی جو زائد پیداوار ہوگی اس کا معتد بہ حصہ آپ خدا کی راہ میں خرچ کر دیں گے۔ دوسرے یہ کہ جس وقت آپ اپنی زمین پر کام کر رہے ہوں تو سوائے خدا کے کسی اور کو یاد نہ کریں۔سوائے اپنے رب کے کسی پر بھروسہ نہ رکھیں۔اور ہل چلاتے ہوئے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ - اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى خُلَفَآءِ مُحَمَّدٍ وَعَلٰى عَبْدِكَ الْمَسِيْحِ الْمَوْعُوْدِ وغیرہ دیگر دعائیں کرتے جائیں تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کے ہل میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔جس طرح دوسری صورت میں زمین میں ہل چلے گا۔اس صورت میں بھی ہل چل جائے گا۔لیکن زمین کی روئیدگی بڑھ جائے گی اس کی فصل پہلے کی نسبت زیادہ ہو جائے گی۔

اللہ تعالیٰ بڑی طاقتوں والا ہے اور میں نے بتایا ہے کہ ہمارا تعلق زندہ خدا سے ہے، وہ تو زمین کو حکم دے دیتا ہے کہ زیادہ اگا تو وہ زیادہ اگانے لگ جاتی ہے۔ابھی پچھلے سال میں نے وہاں ربوہ میں بیس بائیس ایکڑ میں مُنجی لگوائی (ہمارے ربوہ کے اِردگرد کی زمینیں بڑی خراب ہیں) جن لوگوں کے پاس پہلے وہ زمین تھی ان کی آمد فی ایکڑ آٹھ دس من تھی۔میں نے زمین بھی بہت دیر کے بعد لی اور وقت بھی بڑا تنگ ہو گیا تھا جسے پنجابی میں پچھیتا کہتے ہیں مُنجی لگوائی۔میں ہفتہ میں وہاں ایک آدھ دفعہ جاتا تھا اور دعا کرتا رہتا تھا کہ خدایا! میں نے یہ کام شروع کیا ہے۔ تُو ہی اس میں برکت ڈال!

پھر یہ بھی کہ جب اندھیری آتی، جھکڑ چلتا یا زیادہ بارش ہوتی تو میرے دل میں کوئی گھبراہٹ نہیں ہوتی تھی۔میں کہتا تھا کہ جتنا خدا تعالیٰ دینا چاہے وہی ٹھیک ہے اگر وہ کم دینا چاہے تو ہم کوئی شکوہ و شکایت نہیں کر سکتے۔

ہمارا کام صرف یہ ہے کہ پوری محنت سے کام لیں اور زیادہ سے زیادہ دعا کریں پھر جو نتیجہ نکلے ہم خوش، اچھا نتیجہ نکلے تب بھی ہم خوش۔ہماری مرضی کے مطابق نہ نکلے تب بھی خوش کیونکہ

ہماری مرضی ہے ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہی پوری ہوتی ہے۔ میرے اس توکل اور دعا کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس میں سے بجائے آٹھ دس من کے بائیس تیئیس من فی ایکڑ اوسط نکلی بہت سی زمین میں نے خود کاشت کروائی تھی لیکن دو جانگلی مزارع تھے۔ وہ کہنے لگے کہ پچھلے سال جو ہمارا کل مجموعی حصہ تھا۔ اس سے زیادہ ہمیں اب ایک ایک ایکڑ سے مل رہا ہے۔ اس سال بھی اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔

یہ صحیح ہے اگر اللہ تعالیٰ میرا بھی امتحان لینا چاہتا اور فصل خراب کر دیتا تو اس کی مرضی اور اس کی رضا میں ہی ہماری خوشی ہوتی۔ کبھی وہ اس طرح امتحان لیتا ہے کہ ژالہ باری ہو جاتی ہے اور فصل کھڑی کی کھڑی تباہ ہو جاتی ہے کبھی بیماری لگ جاتی ہے اگر ایسی صورت میں ہم اپنے رب سے (بیوقوفوں والی یا بچوں والی) ناراضگی کا اظہار نہ کریں گے بلکہ کہیں گے کہ جو کچھ خدا نے کیا وہ ٹھیک ہے تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگلے ایک سال یا دو سال میں خدا تعالیٰ چھینی ہوئی فصل بھی آپ کو واپس کر دے گا اور ہو سکتا ہے کہ اگلے سال وہ اس سے بھی زیادہ دے دے کیونکہ سب کچھ اس کے اختیار میں ہے۔

تو بعض دفعہ اللہ تعالیٰ اپنی دین اور عطا واپس لے لیتا ہے لیکن پھر جلد ہی واپس لوٹا دیتا ہے تا کہ اس پر بھروسہ کیا جائے اور اس کے علاوہ کسی دوسرے پر بھروسہ نہ کیا جائے اور انسان توحیدِ خالص پر قائم ہو جائے۔ تو امتحان کے وقتوں میں آپ خدا تعالیٰ کی رضا پر راضی رہا کریں جو ایسا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے اس فعل سے راضی اور خوش ہوتا ہے اور ان کا جو نقصان ہو۔ وہ اکثر اسی دنیا میں پورا کر دیتا ہے۔ لیکن اگر اس دنیا میں پورا نہ بھی ہو اور اس کے عوض میں انسان کو ایک ابدی خوشی حاصل ہو جائے تو یہ کوئی مہنگا سودا نہیں۔ بڑا سستا سودا ہے۔

تو ایک طرف ہم نے اسلام کو ساری دنیا میں پھیلانا ہے اور قرآن کریم کی اشاعت کے لئے بڑے بڑے مجاہدات کرنے ہیں مالی قربانیاں دینی ہیں۔ وقت کی قربانیاں دینی ہیں اور زندگی بھی وقف کرنی ہے۔

دوسری طرف جماعت کو اس وقت جتنے واقفین کی ضرورت ہے اتنے نہیں آ رہے۔ باہر کا ہر ملک لکھ رہا ہے کہ یہاں لوگ ہماری طرف متوجہ ہو رہے ہیں مبلغ کم ہیں۔ ہماری طرف مبلغ

بھجوائیں۔خود یہاں پاکستان کی قریباً ہر جماعت لکھ رہی ہے کہ ہمارے پاس واقفِ عارضی بھیجیں
میں نے مٹی یا آٹے کے بت بنا کر تو نہیں بھیجنے جب تک جماعت اپنے بچے وقف نہ کرے گی
جب تک وقفِ عارضی کے لئے لوگ اپنے نام پیش نہ کریں گے اس وقت تک دنیا کی اور جماعت کی
ضرورت پوری نہیں ہوسکتی۔اس سلسلہ میں ہمیں کسی قسم کی سستی یا غفلت یا مردنی کا ثبوت نہیں دینا
چاہیے۔کیونکہ حضرت مسیح موعودؑ کے ذریعہ اور محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل تین ’’زندگیوں‘‘
کے ساتھ ہمارا تعلق قائم ہوا ہے۔

ایک تو حقیقی اور ازلی ابدی زندگی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی زندہ طاقتیں ہمیشہ سے ہیں اور
ہمیشہ رہیں گی لیکن اس ازلی ابدی زندگی اور حیات سے دو اور زندگیاں نکلیں۔ایک قرآنی شریعت
کی اور دوسری محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض کی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہمیں
ان دو قائم رہنے والی زندگیوں کے ساتھ باندھ دیا ہے۔تو بنیاد تو خالص اور ہمیشہ ہمیش رہنے والی
زندگی ہے اور دوسری دو زندگیاں اس سے جو پھوٹیں تو وہ بھی رہتی دنیا تک قائم ہیں۔قرآنی تعلیم
اور نبی ٔکریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض۔

ان کے ساتھ بندھ جانے کے بعد مردہ ہونے کا کیا سوال! اور ان کے ساتھ تعلق قائم ہو
جانے کے بعد ایک دوسرے کو ستانے اور ایک دوسرے سے لڑنے جھگڑنے یا کسی کو دکھ پہنچانے یا
اپنے بھائی کو سکھ نہ پہنچانے کا کوئی سوال ہی باقی نہیں رہتا ہر احمدی کو احمدی کے ساتھ محبت اور پیار
کا سلوک کرنا چاہیے اور ہر دوسرے انسان کے ساتھ جو ابھی احمدی نہیں اس رنگ میں تعلق کا
اظہار کرنا چاہیے کہ قرآن کریم کی صحیح تعلیم اس کے سامنے آجائے اور وہ قرآن کریم کی اس تعلیم پر
ایمان لانے والے اور اس کی پیروی کرنے والے بن جائیں اور اس سے محروم رہ کر خدا تعالیٰ کی
ناراضگی اور اس کی لعنت اور اس کے قہر کو جذب کرنے والے نہ ہوں۔

میں نے بتایا ہے کہ اس وقت دنیا میں ہزاروں لاکھوں انسان ایسے ہیں کہ جن کے ساتھ
احمدیت کے طفیل اور اسلام کے صدقے اللہ تعالیٰ اپنے پیار کا اظہار کر رہا ہے مجھے بہت سی احمدی بہنوں
کا علم ہے جنہیں اللہ تعالیٰ سچی خوابیں رؤیا اور کشوف دکھا رہا ہے جیسے کہ اُمت کے پہلے بزرگوں کو

دکھا تا رہا ہے اور ہزاروں مرد بھی ایسے ہیں۔

تو ہمیں اس مقامِ قرب کی قدر کرنی چاہیے۔ اور ہماری یہ کوشش ہونی چاہیے کہ دنیا میں بھی ہمیں دعا کے نتیجہ میں نیک نیتی اور خلوص کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل اور رحم سے (نہ کہ ہماری کسی خوبی کی وجہ سے) ہمیں اتنا دے کہ دنیا اس کی وجہ سے بھی ہم پر رشک کرنے لگ جائے اور تبلیغ کی بھی ہمیں اتنی توفیق دے کہ وہ دن جلد آئیں کہ جب اسلام تمام دنیا پر غالب آجائے اور اللہ تعالیٰ کی خالص توحید دنیا میں قائم ہو جائے اور بنی نوع انسان خالص توحید پر قائم ہو کر خالص توحید کی برکات سے پوری طرح حصہ لینا شروع کر دیں۔

آپ کو جو جماعت کی اسٹیٹس پر کام کر رہے ہیں یاد رکھنا چاہیے کہ اخباروں میں بڑا شور ہے کہ ہم نے اب ایسے بیج حاصل کئے ہیں کہ جن سے پچاس ساٹھ یا ستر من گندم فی ایکڑ پیدا ہوگی۔ حکومت کے فارم اگر دو یا تین یا چار سال کے بعد اتنی پیداوار حاصل کر سکیں تو آپ لوگوں کو اپنی محنت و کوشش اور دعاؤں سے کام لیتے ہوئے ان سے پہلے کامیاب ہو جانا چاہیے۔ بلکہ ہر ایک احمدی کے ایک کلہ سے اتنا غلہ پیدا ہونا چاہیے پھر وہ لوگ تسلیم کر لیں گے کہ واقعہ میں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی مدد کرتا ہے ورنہ وہ آپ کے دل کو اور کشوف ورؤیا سے جو خدا تعالیٰ کا پیار ظاہر ہوتا ہے اسے نہیں دیکھتے کیونکہ ان کی نگاہ ظاہر بین ہے۔ اگر آپ کی کوشش اس رنگ میں ہو کہ آپ ہل چلاتے ہوئے بھی دعا کر رہے ہوں اور اس کے نتیجہ میں آپ کی زمین دوسرے لوگوں کی زمین کی نسبت زیادہ غلہ پیدا کر رہی ہو تو وہ حیران ہوں گے اور کہیں گے معلوم نہیں کیا بات ہے ان کی طرف متوجہ ہونا چاہیے ضرور کوئی گر ہے ترقی کا، جوان کو مل گیا ہے۔

میں آپ کے دل میں دنیا کی محبت پیدا نہیں کرنا چاہتا میں تو یہ چاہتا ہوں کہ آپ دنیا کمائیں اور دین کی راہ میں قربانیاں دیتے چلے جائیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ایک وقت میں اتنی دولت دی تھی کہ آپ اس کا تخیل بھی نہیں کر سکتے۔ مگر ان ایثار پیشہ فدائیوں نے یہ سب دولت خدا تعالیٰ کی راہ میں لٹا دی تھی۔

میری بھی آپ کے حق میں یہی دعا ہے کہ خدا کرے کہ دنیا کی دولت آپ کو اتنی ملے اتنی

ملے کہ دنیا حیران ہو جائے اور خدا کرے کہ آپ اس کی ویسی ہی قدر کریں جیسی کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کی تھی اور اخروی نعماء کے حصول کی خاطر آپ دنیا کے اموال اس کی راہ میں قربان کر کے دنیا کو ایک دفعہ پھر ورطۂ حیرت میں ڈال دیں۔

اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ کو بھی اس کی توفیق بخشے۔اَللّٰھُمَّ آمِیْن۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۱۵؍دسمبر ۱۹۶۶ء صفحہ ۱ تا ۸)

سلسلہ جو نظام بھی قائم کرتا ہے اس کی پابندی کو اپنی خوش قسمتی سمجھو کہ تمام برکت اسی میں ہے

خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۸؍نومبر ۱۹۶۶ء بمقام محمد آباد۔ سندھ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

جس وقت میں نے ارادہ کیا کہ آپ دوستوں سے ملنے اور زمینوں کا انتظام وغیرہ دیکھنے کے لئے سندھ کا دورہ کروں تو منتظمین نے مجھے یہی مشورہ دیا تھا کہ کم از کم بیس پچیس دن اس دورہ کے لئے رکھنے چاہئیں۔ لیکن چونکہ بعض مجبوریوں کی وجہ سے میں زیادہ وقت نہیں دے سکتا تھا اور یہ بھی خواہش تھی کہ یہ دورہ ملتوی نہ ہو۔ اس لئے میں نے اس موسم میں سندھ کی زمینوں کو دیکھنے کے لئے مختصر سا دورہ کرنا ہی مناسب سمجھا۔ یہاں آ کر مجھے یہ احساس اور بھی شدت سے ہوا کہ میں نے یہاں کے لئے بہت کم وقت دیا ہے اور اسی وجہ سے میں نے بہت سے لوگوں کو جو اپنی ضرورتوں اور شکایتوں کے لئے مجھ سے ملنا چاہتے تھے اور مفصل گفتگو کر کے اپنے دل کی تسلی کرنا چاہتے تھے اتنا وقت نہیں دیا جتنا دینا چاہیے تھا اس لئے فرداً فرداً تفصیلی گفتگو خدا تعالیٰ نے چاہا تو آئندہ دورہ پر ہی ہوگی۔ اس وقت میں بعض اصولی باتیں دوستوں کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔

ہماری ان اسٹیٹس کی آبادیاں اور جماعتیں اور یہاں کے احمدی باشندے ان سب کی حیثیت بعض پہلوؤں سے ان جماعتوں سے مختلف ہے جو کہ دنیا بھر کے مختلف ملکوں میں اور مختلف

مقامات پر قائم ہیں۔ مثلاً یہاں جو ہماری زمینیں اور مختلف فارم ہیں۔ ان کے کاموں کے چلانے کا ایک انتظام ہے اور یہ انتظام نظام جماعت سے مختلف ہے۔ کچھ مخلص واقفین نے حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حضور اپنی زندگیوں کو پیش کیا اور آپ نے ان کو یہاں کی زمینیں سنبھالنے کے لئے مقرر کر دیا۔ بعض کو مینجر بنایا، بعض کو منشی اور بعض کو اکاؤنٹنٹ اور بعض کے سپرد دوسرے کام کئے۔ کچھ لوگ بطور مزارع نہ صرف زمین میں ہل چلانے اور اس سے فائدہ اُٹھانے کے لئے یہاں آباد ہوئے بلکہ ان کی نیت یہ بھی تھی کہ اگر ہم جماعت کی زمینوں پر کام کریں گے تو ہمیں دنیوی فائدہ بھی ہوگا اور روحانی فائدہ بھی اور روحانی طور پر اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے ہم وارث بنیں گے۔ ایسے لوگ اپنی اپنی نیت اور اخلاص اور عمل کے مطابق اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے وارث ہوں گے۔ (اللہ تعالیٰ سب کا انجام بخیر کرے)

پھر زمینوں کا جو انتظام ہے اس میں جیسا کہ میں نے کہا ہے کوئی تو مینجر ہے، کوئی منشی ہے، کوئی اکاؤنٹنٹ ہے۔ کوئی دوسرے کام کر رہا ہے اور پھر کچھ احمدی بحیثیت ہاری اور مزدور کام کر رہے ہیں۔

جہاں تک منتظمین کا تعلق ہے وہ بھی انسان ہیں اسی طرح جس طرح کہ یہاں بسنے والے ہاری اور مزدور انسان ہیں اور ہر دو کے لئے غلطی کے ارتکاب کا ایک جیسا امکان ہے۔ جس طرح ہاری غلطی کر سکتا ہے۔ اسی طرح منتظم اور افسر بھی غلطی کر سکتا ہے۔ افسرانِ مقامی کی غلطیوں کی اصلاح کے لئے ان کے اوپر مرکزی نظام ہے مگر بوجہ دور ہونے کے پوری تفصیل مرکز کے سامنے نہیں جا سکتی۔ اس لئے گاہے گاہے وہاں سے اعلیٰ افسر یہاں آتے رہتے ہیں اور حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی دستور تھا کہ آپ سال میں ایک یا دو بار ان زمینوں کا دورہ کرتے تھے اور تمام حالات کا جائزہ لیتے تھے۔ جہاں غلطی دیکھتے تھے اس کی اصلاح فرما دیتے تھے۔

دوست یاد رکھیں کہ غلطی کی اصلاح کے لئے ایک مناسب طریق ہے جو اسلام نے ہمیں بتایا ہے اور وہ یہ ہے کہ شکایت کرنے والا اپنا نام چھپائے نہیں۔ بغیر نام کے جو شکایت حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آتی تھی وہ پھاڑ کر پھینک دی جاتی تھی۔ جو بے نام شکایت میرے پاس

آتی ہے میں بھی پھاڑ کر پھینک دیا کرتا ہوں۔

اس سفر کے دوران بھی بعض شکائتیں بے نام آئی ہیں۔ میں نے انہیں پھاڑا اور پھینک دیا۔ کیونکہ جب تک کوئی شخص جرأت کے ساتھ اپنا نام نہیں لکھتا بلکہ بزدلی دکھاتے ہوئے اپنے نام کو چھپاتا ہے۔اس کی شکایت قابل اعتناء نہیں ہوتی۔

اسی طرح یہ لکھ دینا کہ ہم تمام مزارعین ناصر آباد یا محمود آباد یا فلاں نگر یہ شکایت کرتے ہیں یہ بھی غلط طریق ہے۔ یہ ضروری ہے کہ جو آدمی شکایت کرے یا شکایت کریں وہ اپنا نام بھی لکھے یا لکھیں۔ دوسرے یہ کہ جو کچھ لکھا جائے وہ صحیح اور درست ہو۔

اسی سفر میں ایک دوست نے ناصر آباد میں میرے پاس ایک شکایت کی اور بظاہر دو اور آدمیوں کے بھی دستخط کرائے یا انگوٹھے لگوائے ان میں سے جب ایک دوست کو پوچھا گیا کہ آپ کو کیا شکایت پیدا ہوئی تو انہوں نے کہا کہ مجھے یہ بھی علم نہیں کہ کسی شخص نے کوئی شکایت لکھی ہے اور میری طرف سے خواہ مخواہ انگوٹھا لگا دیا ہے۔

تو اگر اس قسم کی غلط بات ابتدائی تحقیق میں ہی ہمارے سامنے آجائے تو ہم شکایت پر غور ہی نہیں کرتے کیونکہ شکایت کنندہ نے خود ہی ایک غلط بات لکھ کر اپنے خلاف فیصلہ کرا دیا۔

اس کے برعکس میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ بعض لوگ اتنی صفائی اور تفصیل سے بات لکھتے ہیں کہ جو ان کی غلطی ہو اسے بھی سامنے لے آتے ہیں اور ان کے خیال میں جو دوسرے کی غلطی ہو وہ بھی بغیر کسی پیچ، بغیر کسی مبالغہ اور بغیر کسی خلافِ واقع بات بیان کرنے کے سامنے رکھ دیتے ہیں بڑی آسانی رہتی ہے۔اس پیش کردہ مفصل معاملہ سے انسان فوراً صحیح نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے اور اس کی شکایت بھی دور ہو جاتی ہے۔اگر واقع میں کوئی شکایت ہو بھی اور تحقیق کرنے والے افسر کو بھی وقت ضائع نہیں کرنا پڑتا اور نہ ہی پریشانی اُٹھانی پڑتی ہے۔

لوگ جانتے ہیں کہ قادیان کے زمانہ میں ایک لمبے عرصہ تک میں مجلس خدام الاحمدیہ کا صدر بھی رہا ہوں اور جو اس قسم کے منتظم ہوتے ہیں ان کے خلاف شکایات پیدا ہو جانا عام بات ہے ہزاروں ہزار آدمی سے واسطہ پڑتا ہے۔کبھی انسان غلطی کرتا ہے کبھی شکایت کرنے والا غلطی کر رہا

ہوتا ہے۔

مجھے یاد ہے ایک دفعہ ایک دوست خدام میں سے میرے پاس آئے اور کہا کہ آپ نے جو فیصلہ میرے خلاف کیا ہے درست نہیں ہے اور میں آپ کے فیصلہ کے خلاف حضرت مصلح موعود (رضی اللہ عنہ) کے پاس اپیل کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے انہیں کہا کہ خدام الاحمدیہ کے قواعد کی رو سے آپ صدر مجلس خدام الاحمدیہ کے فیصلہ کے خلاف خلیفۂ وقت کے حضور اپیل نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اپیل ایک قانونی حق ہے۔ جب قانون وہ حق دے تو کسی کو ملتا ہے اور اگر قانون وہ حق نہ دے تو اسے نہیں ملتا۔ خدام الاحمدیہ کے متعلق جو قواعد حضرت مصلح موعودؓ نے منظور کئے ہوئے ہیں ان میں حضور نے خدام کو یہ حق نہیں دیا کہ وہ صدر مجلس کے فیصلہ کے خلاف خلیفۂ وقت کے پاس اپیل کریں۔ لیکن میں نے ان کو خود بتایا کہ خلیفۂ وقت کا دروازہ شکایت کے لئے ہر وقت کھلا ہے۔ آپ اپیل تو نہیں کر سکتے کیونکہ قانونی چیز ہے لیکن آپ میرے فیصلہ کے خلاف شکایت کر سکتے ہیں۔ یہ سن کر انہوں نے کہا میں سوچوں گا لیکن ابھی میرا جی شکایت کرنے کو نہیں چاہتا۔ ہاں اگر اپیل کرنے کا حق ہوتا تو میں اپیل کر ڈالتا۔

لیکن بعد میں انہوں نے سوچ کر یہ فیصلہ کیا کہ وہ شکایت کریں گے۔ ہزارہا واقعات گزرے ہیں ان میں سے یہ واقعہ مجھے اس لئے یاد رہا ہے کہ اس کا میری طبیعت پر بڑا گہرا اثر ہوا۔ انہوں نے حضور رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جو شکایت لکھی اس میں انہوں نے کوئی بات نہیں چھپائی۔ نہ اپنے متعلق نہ ہمارے متعلق۔ سارے واقعات کی پوری تصویر انہوں نے حضور کی خدمت میں پیش کر دی۔ اس پر حضرت صاحب (رضی اللہ عنہ) کا یہ نوٹ انہیں واپس ملا ’’کہ ان حالات میں صدر مجلس تمہارے خلاف یہ فیصلہ نہ کرتا تو اور کیا ہوتا؟‘‘

اس سے ان کو بھی تسلی ہوگئی۔ اگر وہ حضرت صاحب کو مختصر سی یا مشتبہ سی یا غلط رپورٹ دیتے تو حضور (رضی اللہ عنہ) اس کے متعلق ہم سے رپورٹیں لیتے اس طرح حضور کا وقت بھی ضائع ہوتا۔ مگر اس نوجوان نے نہایت دیانت داری کے ساتھ سارے کے سارے صحیح حالات بیان کر دئے اور جب اس کی شکایت پر وہ نوٹ آیا تو اس کو تسلی ہوگئی۔ کیونکہ خلیفۂ وقت کے فیصلے سے

ننانوے ہزار نوسوننانوے آدمیوں کو تسلی ہو جاتی ہے۔البتہ جس کے اندر ایمان کی کمزوری ہو اسے تسلی نہیں ہوتی۔ بڑی بھاری اکثریت الٰہی سلسلوں کی ایسی ہوتی ہے کہ ان کو سمجھ آئے یا نہ آئے خلیفۂ وقت کے فیصلہ پر ان کے دل تسلی پا جاتے ہیں۔

تو شکایت کا راستہ ہمیشہ کھلا ہے آپ اپنا نام لکھیں اور صحیح واقعات لکھیں، غلط واقعات نہ لکھیں۔ اگر آپ اس طرح کریں گے تو آپ کی شکایت دور ہو جائے گی۔لیکن اگر آپ آدھی بات صحیح لکھیں گے اور آدھی بات غلط لکھیں گے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ جس نے غلطی کی اس کے خلاف بھی تعزیری کارروائی کی جائے گی اور آپ کے خلاف بھی کی جائے گی کہ کیوں غلط بیانی سے کام لیا اور پھر خلیفۂ وقت کے سامنے!!!

سو شکایت کا دروازہ کھلا ہے اور جب تک خلافت راشدہ قائم ہے یہ دروازہ کھلا رہے گا۔ اس سلسلہ میں اگر بعض افسر اس چیز کو برا مناتے ہیں تو میں انہیں نصیحت کرنا چاہتا ہوں کہ وہ قطعاً اسے برا نہ منائیں کیونکہ اگر آپ نے یہ دروازہ بند کر دیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ نے لوگوں کے دلوں کی تسلی اور اطمینان کا دروازہ بند کر دیا۔

’’شکایت‘‘ کے لئے کسی پراپر چینل (Proper Channel) یعنی افسروں کی وساطت سے جانا بھی ضروری نہیں ہے۔اپیل کے لئے یہ ضروری ہے کیونکہ وہ قانونی چیز ہے۔ قانون یہ کہتا ہے کہ اگر افسر کے خلاف اپیل کرنی ہو تو اس افسر کی وساطت سے لکھو تا کہ وہ اپنا نوٹ بھی دے دے۔لیکن جس نے شکایت کرنی ہو اس کے لئے ایسا کرنا ضروری نہیں ہے۔ سیدھا راستہ کھلا ہے وہ شکایت کے لئے ہر وقت خلیفۂ وقت کا دروازہ کھٹکھٹا سکتا ہے اور کہہ سکتا ہے کہ میری یہ شکایت ہے اسے دور کیا جائے۔

تو اگر کوئی شخص شکایت کرتا ہے تو افسران اور عہدیداران کو برا نہیں منانا چاہیے۔ بلکہ ایک لحاظ سے خوش ہونا چاہیے کہ بجائے اس کے کہ لوگ اِدھر اُدھر باتیں کریں معاملہ اوپر چلا گیا ہے۔ اس طرح ان کی اپنی پوزیشن واضح ہو جائے گی۔ شکایات عموماً غلط بیانی پر مبنی نہیں ہوتیں بلکہ غلط فہمی پر مبنی ہوتی ہیں۔

اس لئے میں عہدیداروں کو کہتا ہوں کہ ایسی شکایتوں کو برا منا کر خفگی کا اظہار نہ کیا کریں۔

دوسرے میں عہدیداروں اور افسروں کو یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر کسی ہاری یا مزدور کو کسی قسم کی شکایت ہو اور آپ سمجھتے ہوں کہ وہ شکایت غلط ہے تو آپ اسے بلا کر سمجھائیں اور بتائیں کہ واقعہ دراصل یہ ہے۔ تو عام طور پر اس کی تسلی ہو جائے گی۔ ہمارے زمینداروں میں سے ایک حصہ ان پڑھ ہے وہ لکھ پڑھ نہیں سکتا۔ وہ کچھ سوچتا ہے، کچھ سنتا ہے اور پھر اس کا غلط نتیجہ نکالتا ہے۔ ہاریوں کا یہاں حساب کتاب تو رہتا ہے اگر رجسٹر سامنے رکھ کر آرام سے، تحمل سے، پیار سے اس کو سمجھایا جائے کہ تم جو خیال کر رہے ہو وہ صحیح نہیں۔ دراصل حالات یہ ہیں ہم نے اس طرح کیا ہے۔ تمہاری کوئی حق تلفی نہیں ہوئی تو سو میں سے ننانوے آدمی سمجھ جائیں گے۔ ممکن ہے بعض بدظنی کریں اور شکایت اوپر لے جائیں لیکن سو میں سے ننانوے آدمی سمجھ جائیں گے۔

پس ایک تو زمینیں سنبھالنے کا نظام ہے اس کے متعلق میں نے کچھ باتیں مختصراً بیان کر دی ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے زندگی دی اور توفیق بخشی تو اگلے دورے کے لئے لمبا وقت رکھیں گے اس طرح زیادہ افراد کی شکایات سنی جاسکیں گی اور ان کی تکالیف کا ازالہ بھی کیا جا سکے گا۔ اس دورہ میں زیادہ لوگوں سے الگ الگ نہیں مل سکا۔ عموماً بیس بیس، تیس تیس، چالیس چالیس، پچاس پچاس لوگ اکٹھے ملتے رہے جس کی وجہ سے وہ لوگ جن کو کوئی تکلیف یا اُلجھن یا کوئی پریشانی تھی مثلاً بچوں کی پڑھائی کے سلسلہ میں، یا اپنی شادی کے سلسلہ میں یا زمینوں کے سلسلہ میں وہ بیان نہیں کر سکا اور نہ تنہائی میں اپنے نجی معاملہ کے لئے دعا کے لئے کہہ سکا۔

یہاں یہ بتا دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ دعا کے متعلق آپ میں سے کسی شخص کو یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کی ہر دعا ضرور قبول کرتا ہے وہ تو قادرِ مطلق ہستی ہے۔ جب چاہتا ہے اپنی منواتا ہے اور جب اپنا احسان اور فضل کرنا چاہتا ہے تو پھر اپنے ایک عاجز نحیف اور بے بس بندے کی التجا قبول کرتا اور دعا کو سنتا ہے اور اس طرح اپنی قدرت کا اظہار کرتا ہے۔ کبھی کسی شخص کے دل میں یہ خیال پیدا نہیں ہونا چاہیے کہ میں یا کوئی اور شخص اپنی ہر ایک بات خدا تعالیٰ سے منوا لے گا۔ (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِكَ) خدا ہمارا خادم تو نہیں ہے وہ تو ہمارا آقا ہے۔ ساری قدرتیں اسے ہی

حاصل ہیں اور اپنے جلال اور قدرتوں کے اظہار کے لئے اس نے یہ طریق رکھا ہے کہ بعض دفعہ تم ساری عمر دعائیں کرتے رہو۔ آخری وقت تک وہ کہتا ہے کہ میں نہیں سنتا۔ کون ہے جو زبردستی اسے منوا سکے؟ اور جب فضل کرنے پر آتا ہے تو سر کے اشارے کو بھی دعا سمجھ لیتا ہے اور قبول کر لیتا ہے۔ ہماری زندگی میں بہت سے ایسے واقعات گزرے ہیں کہ منہ سے لفظ نہیں نکلا صرف اشارہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اس وقت اس بندے کی دعا اسی طرح قبول کرلو۔ ۵۴ء کی بات ہے۔ جب میں کالج بنوا رہا تھا تو ہمارا ایک بہت بڑا لینٹل پڑ رہا تھا اور سَوا ڈیڑھ سَو سیمنٹ کی بوری ریت اور بجری میں ملی ہوئی ساتھ کی چھت پر پڑی تھی تو کیا دیکھتے ہیں کہ شمال کی طرف سے کالا بادل اُٹھا ہے۔ اگر وہ برس جائے تو سَوا ڈیڑھ سَو بوری جماعت احمدیہ کا نقصان ہوتا ہے اس وقت میرے دل میں تحریک ہوئی (ایسی تحریک بھی دراصل خدا تعالیٰ ہی کرتا ہے) کہ اگر بادل برسے تو میرا ذاتی نقصان تو نہ ہوگا اگر ہوگا تو خدا تعالیٰ کی جماعت کا ہوگا اس لئے اس وقت بادلوں کو کہنا چاہیے کہ یہاں سے چلے جاؤ۔ چنانچہ میں نے سر اُٹھایا اس وقت بہت سے آدمی موجود تھے اس لئے میں نے منہ سے کوئی بات نہیں نکالی صرف سر سے ہلکا سا اشارہ کیا کہ ’’بادلو! ایک طرف ہٹ جاؤ۔‘‘ ساتھ ہی ہم اپنا کام بھی کرتے رہے۔ ہم سے نصف میل کے فاصلہ پر بڑی تیز بارش ہوئی اور سارا دن بادل منڈلاتے رہے لیکن ہمارے ہاں بارش نہیں ہوئی۔

تو جب خدا تعالیٰ ماننے پر آتا ہے تو اس طرح بھی مان لیتا ہے اور کبھی ساری عمر ایک دعا کرتے رہو وہ نہیں مانتا۔ اس پر کسی کا زور تو نہیں ہے۔ جب مانتا ہے تب بھی اپنی قدرت کا اظہار کر رہا ہوتا ہے۔ جب نہیں مانتا تب بھی اپنے جلال کا مظاہرہ کر رہا ہوتا ہے۔ کبھی دعا سن کر امتحان لیتا ہے۔ کبھی نہ سن کر آزمائش کرتا ہے۔ خادم خادم ہی ہے اور آقا آقا ہی ہے۔ اگر مانے تو اس کا احسان اگر نہ مانے تب بھی ہم خادم اس دروازہ سے بھاگ کر کہاں جائیں گے۔

میں بتا رہا تھا کہ توجہ کے ساتھ بات سننے سے صرف اس بات کا اظہار کرنے سے کہ ہمارے دلوں میں تمہاری ہمدردی ہے۔ جہاں تک ہمارے بس میں ہوا، جہاں تک قانون نے ہمیں اجازت دی۔ جہاں تک یہ سوال ہوا کہ ہمارے سلسلے کو کوئی نقصان پہنچے گا ہم ہر طرح تمہاری

خدمت کرنے کے لئے، تمہارا خیال رکھنے کے لئے، تمہاری تکلیف دور کرنے کے لئے تیار ہیں۔ ہر ہاری اتنی بشاشت سے رہے گا کہ آپ اس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔

لیکن جو لوگ مزارع اور کام کرنے والے ہیں میں ان سے بھی کہوں گا کہ اگر تو آپ نے گندم بو کر گندم ہی لینی ہے تو دنیا میں اور بہت سی زمینیں پڑی ہوئی ہیں آپ وہاں جا کر گندم بوئیں اور زمینیں آباد کر لیں۔ لیکن اگر آپ نے گندم بو کر صرف گندم ہی نہیں کاٹنی ہے بلکہ گندم کے ساتھ ساتھ خدا کے فضلوں کو بھی سمیٹنا ہے اور اپنے ''کوٹھوں'' کو گندم کے ساتھ ساتھ خدا کے فضلوں سے بھی بھرنا ہے تو پھر آپ کی ذمہ داریاں عام ہاریوں سے زیادہ ہیں۔ آپ کو زیادہ دیانتداری سے، آپ کو زیادہ محبت سے، آپ کو زیادہ شوق سے کام کرتے ہوئے۔ زیادہ دعاؤں سے کام لینا پڑے گا۔ اگر آپ ایسا نہیں کریں گے تو احمدی ہاریوں اور دوسرے ہاریوں میں کیا فرق رہے گا؟

پھر یہ جو فارم کا نظام ہے اس کے ساتھ دو اور نظام لگے ہوئے ہیں اور بعض دفعہ ان کا آپس میں تصادم ہو جاتا ہے۔ حالانکہ یہ تصادم نہیں ہونا چاہیے۔ اس کی کوئی وجہ بھی نہیں ہے۔

ایک جماعتی نظام ہے یہاں امیر مقامی ہوتا ہے (اور بہت جگہ میں نے دیکھا ہے کہ فارم کا مینجر اور ہے اور جماعت کا پریذیڈنٹ یا امیر اور ہے) پھر ضلع کا امیر ہوتا ہے۔ پھر علاقہ کا امیر ہوتا ہے۔

بعض دفعہ ضلع یا علاقہ کا امیر یہ خیال کرتا ہے کہ چونکہ میں ضلع کا امیر ہوں اور یہ احمدیوں یا جماعت کی فارمیں ہیں اس لئے میرا حق ہے کہ میں ان میں دخل دوں حالانکہ اس کا کوئی حق نہیں ہے کہ وہ فارم کے انتظام میں دخل دے، تعلق ہی کوئی نہیں ہے، امیر مقامی یا امیر ضلع یا امیر علاقائی کا کہ وہ فارم کے کاموں میں دخل دے۔ اس کی ساری ذمہ داری مینیجر پر، یا اگر اس کے اوپر ایجنٹ ہے تو ان پر ہے اور مرکز کے سامنے وہی جوابدہ ہیں امیر ضلع یا امیر علاقائی جواب دہ نہیں۔

دوسری طرف بعض دفعہ یہ ہوتا ہے کہ فارم کا مینجر یا ایجنٹ سمجھتا ہے کہ میں واقفِ زندگی ہوں اور میں نے ساری عمر سلسلہ کے لئے وقف کی ہوئی ہے اس لئے میں جماعتی نظام سے بھی آزاد ہوں۔ کیونکہ میں خود مرکز کے سامنے جواب دہ ہوں۔ یہ تو ٹھیک ہے کہ تم مرکز کے سامنے

جواب دہ ہو لیکن جواب دہ ہو صرف ان کاموں کے متعلق جو فارم کی بہبود کے لئے کرتے ہو۔ جن چیزوں اور کاموں کا تعلق اسٹیٹ سے نہیں ہے بلکہ جماعتی نظام سے ہے۔ ان کے متعلق تم مرکز کے سامنے جواب دہ نہیں۔ جن چیزوں کا تعلق نظامِ جماعت سے ہے ایک واقف زندگی سے خواہ وہ مینیجر ہو یا ایجنٹ، ہم یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ جماعتی نظام کو دوسروں کی نسبت زیادہ بشاشت کے ساتھ قبول کرے گا اور باقی سب کے لئے نمونہ بنے گا۔

دونو طرف سے غلطیاں ہو جاتی ہیں امیر ضلع یہ سمجھتا ہے کہ میں یہاں بھی دخل دے سکتا ہوں کیونکہ میں امیر ضلع ہوں اور جو مینیجر یا ایجنٹ ہے وہ سمجھتا ہے کہ میں انچارج ہوں اس سارے علاقے کا (فارم کا) اور جواب دہ ہوں مرکز کے سامنے اس لئے امیر ضلع کے سامنے جواب دہ نہیں۔ حالانکہ جماعتی کاموں کے متعلق اس کو بہر حال جماعتی نظام کے عہدیدار کے سامنے جواب دینا پڑے گا۔

تیسرا نظام وہ ہے جو اسٹیٹ کے نظام سے بھی مختلف ہے اور جماعتی نظام (جو امراء اور پریذیڈنٹوں والا نظام ہے) اس سے بھی مختلف ہے اور وہ ہے ہمارا اصلاح وارشاد کا نظام جو مربی کہیں جاتا ہے وہ کسی امیر کے ماتحت نہیں ہوتا ہے نہ کسی ایجنٹ کے ماتحت ہوتا ہے مربی نمائندہ ہے مرکز کا اور خلیفۂ وقت کا۔ بہت سے امراء نے جو اپنے آپ کو دنیوی لحاظ سے زیادہ اثر ورسوخ والا اور مالدار سمجھتے ہیں بعض دفعہ مربیوں کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا ہے جو نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اس پر حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے انہیں سختی سے ڈانٹا اور اصلاح کی تم اگر لاکھ روپیہ یا دو لاکھ یا پانچ لاکھ روپیہ سالانہ کماتے ہو تو اپنے گھر میں امیر ہو گے۔ مربی مرکز کا نمائندہ ہے تمہیں بہر حال اس کے سامنے جھکنا پڑے گا خواہ تم بڑی جماعت کے ہی امیر کیوں نہ ہو۔ مربی امراء سے آزاد ہیں۔

مربیوں کے متعلق آپ کی ذمہ داری یہ نہیں ہے کہ آپ ان کو زردہ یا پلاؤ یا دیگر قسم کے عمدہ کھانے کھلائیں، قطعاً نہیں۔ بلکہ میں اپنے مربیوں سے توقع رکھتا ہوں کہ سوائے اس کے کہ وہ مجبور کر دیئے جائیں حتی الوسع اس جیب خرچ یا سفر خرچ سے جو انہیں ملتا ہے اپنے کھانے کا خود

انتظام کریں گے۔ یہ صحیح ہے کہ بعض جماعتیں کھانے کے لئے مجبور کر دیتی ہیں۔ وقفِ عارضی کے متعلق بار بار سمجھایا گیا ہے لیکن پھر بھی واقفینِ عارضی لکھتے ہیں کہ جماعتیں بہت مجبور کرتی ہیں کہ ہم ان کا پیش کردہ کھانا ضرور کھائیں ورنہ ہمارا ناک کٹ جائے گا۔ حالانکہ ہمارے واقفینِ عارضی کو بنیادی ہدایت یہی ہے کہ جہاں جاؤ ان کا کھانا نہ کھانا اپنے کھانے کا خود انتظام کرنا۔ اگر اس قسم کے حالات مربی کو پیش آئیں اور وہ مجبور ہو جائے تو جب تک ہم جماعت کی ذہنیت کو بدل نہ دیں ایسی مجبوری کے سامنے اسے سر جھکانا پڑے گا۔ لیکن مربی کے احترام اور عزت کے مقام کا بہر حال آپ کو خیال رکھنا پڑے گا۔

بعض جگہ مربی جاتا ہے تو وہاں کے دولت مند یہ سمجھتے ہیں کہ کوئی ذلیل آدمی آ گیا ہے حالانکہ جس شخص نے اپنی زندگی خدا تعالیٰ کے لئے وقف کر رکھی ہو۔ جس شخص نے ایک لمبے عرصہ تک خدا کے دین کو سیکھا ہو، تا بنی نوع انسان کو روحانی فائدہ پہنچا سکے اور جس نے بہت کم گزارے پر دین کے لئے زندگی گزارنے کا اپنے رب سے عہد کیا ہو۔ وہ شخص جب آپ کے پاس آتا ہے تو گویا ربّ العزۃ کے در کا غلام آتا ہے۔ سب عزتیں تو خدا کی ہیں اور جو خدا کے در کا فقیر بن گیا، اس سے زیادہ معزز اور کون ہو سکتا ہے۔ لیکن بعض پیسے والے دنیا دار، دنیا کی عزت رکھنے والے یا باعزت پیسے والے مثلاً ڈاکٹری ایک ایسا پیشہ ہے کہ بڑوں بڑوں کو اس کی وجہ سے ڈاکٹر کے سامنے جھکنا پڑتا ہے۔ وزیر اس کے واقف ہوتے ہیں ڈپٹی کمشنر واقف ہوتے ہیں اور اور بہت سے لوگ ان کے واقف ہوتے ہیں وغیرھم اگر یہ سمجھیں کہ ان کی عزت اتنی بڑی ہے کہ انہیں جماعت میں مربی سے زیادہ باعزت سمجھا جانا چاہیے اور انہیں مربی کو وہ عزت دینے اور اس کا احترام کرنے کی ضرورت نہیں جو اس کا حق ہے۔ تو اس سے زیادہ بیوقوفی کا مظاہرہ اور کیا ہوگا؟ کیونکہ عزت تو خدا کے در سے ملتی ہے اور جو خدا کا ہو گیا ساری عزتیں اس کی گود میں ہیں۔ اس سے بڑھ کر اور کون معزز ہوگا؟

تو یہ تین نظام مستقل طور پر چل رہے ہیں۔ چوکس رہنا چاہیے کہ کبھی ان میں تصادم نہ ہو۔ کیونکہ جب تصادم ہوگا تو کوئی نہ کوئی ضرور تکلیف اٹھائے گا۔ صدر انجمن احمدیہ کے پاس شکایت

جائے گی یا امور عامہ کیس کو اپنے ہاتھ میں لے گا یا میرے پاس شکایت آئے گی تو مجھے تو کسی کا ڈر نہیں! میں تو خدا کی عظمت اور اس کے جلال کے قیام اور خدا کے قائم کردہ سلسلہ کی عزت کے قیام کے لئے ساری دنیا سے بھی نہیں ڈرتا۔ ایک یا دو آدمیوں کی تو بات ہی نہیں۔

میں چونکہ خطبہ کو مختصر کرنا چاہتا ہوں۔ اس لئے دوستوں سے ایک آخری بات کہہ دیتا ہوں۔ وہ یہ کہ جتنے خلفاء راشدین ہوئے ہیں (یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سے خلافتِ راشدہ شروع ہوئی۔ پھر اس خلافت کے بعد کچھ اور لوگ آ گئے۔ آخر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے پھر خلافت کا مضبوط نظام قائم فرمایا اور یہ نظام اس وقت تک قائم رہے گا جب تک کہ جماعت اپنے آپ کو خدا کی نگاہ میں اس انعام کی مستحق ثابت کرتی جائے گی) ان تمام خلفاء کے حالات کا مطالعہ کرو تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ وہ تمام خلفاء تذلّل اور فروتنی اور عاجزی کی راہوں کو اختیار کرتے چلے آئے ہیں۔ میں نے بھی خدا کے حکم کے مطابق اس کی رضا کے لئے اور تمام خلفاءِ راشدین کی سنت کے مطابق عجز کی راہوں کو اختیار کیا ہے۔ میں آپ میں سے آپ کی طرح کا ہی ایک انسان ہوں اور آپ میں سے ہر ایک کے لئے اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اتنا پیار پیدا کیا ہے کہ آپ لوگ اس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ بعض دفعہ سجدہ میں مَیں جماعت کے لئے اور جماعت کے افراد کے لئے یوں دعا کرتا ہوں کہ اے خدا! جن لوگوں نے مجھے خطوط لکھے ہیں۔ ان کی مرادیں پوری کر دے، اے خدا! جو مجھے خط لکھنا چاہتے تھے لیکن کسی سستی کی وجہ سے نہیں لکھ سکے ان کی مرادیں بھی پوری کر دے اور اے خدا! جنہوں نے مجھے خط نہیں لکھا اور نہ انہیں خیال آیا ہے کہ دعا کے لئے خط لکھیں اگر انہیں کوئی تکلیف ہے۔ یا ان کی کوئی حاجت اور ضرورت ہے تو ان کی تکالیف کو بھی دور کر دے اور حاجتیں بھی پوری کر دے۔

لیکن بعض دفعہ بعض نادان فنا اور نیستی کے اس مقام کو کمزوری سمجھنے لگ جاتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بھی عاجزی کی راہ کو اختیار کیا حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد جو خلفاء اور مجدد ہوئے۔ انہوں نے بھی عجز کے اسی راستے کو اختیار کیا۔ تو بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ شخص بڑا کمزور ہے کیونکہ یہ عاجزی اختیار کرتا ہے۔ وہ

یہ نہیں سمجھتے کہ ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی عظمت کا کچھ ایسا جلوہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے نفس کو بھی اور دنیا کی ساری مخلوق کو بھی مردہ سمجھتے ہیں نہ ہی اپنے آپ کو کچھ سمجھتے ہیں، نہ دنیا کو کچھ سمجھتے ہیں اور اس عجز کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی اعجازی قدرت کا مظہر بن جاتے ہیں گویا ایسے لوگوں کے لئے فنا اور نیستی کے مقام سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ایک چشمہ پھوٹتا ہے۔ اس لئے دنیا کی کوئی طاقت انہیں مرعوب نہیں کرسکتی انہیں ساری دنیا کے مال بھی کوئی لالچ نہیں دے سکتے۔ جب خدا کا یا اس کے دین کا معاملہ ہو تو کسی دوسرے کے سامنے ان کا سر جھکا نہیں کرتا۔ ورنہ وہ تو ایک فقیر اور مسکین کے سامنے بھی جھک رہے ہوتے ہیں اور عاجزی دکھا رہے ہوتے ہیں۔ لیکن جب خدا تعالیٰ کے فعل اور قول کا اور خدا تعالیٰ کے نام اور اس کی عظمت کا دنیا اور دنیا داروں سے تصادم ہو جائے۔ تو پھر دنیا ان کے پاؤں کی خاک بھی نہیں ہوتی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ خود ان کا مربی اور معلم ہوتا ہے۔ آپ اس بات کو اچھی طرح یاد رکھیں۔

پس یا تو ہمارا یہ عقیدہ ہی غلط ہے کہ خلیفۂ وقت ساری دنیا کا استاد ہے اور اگر یہ سچ ہے اور یقیناً یہی سچ ہے تو دنیا کے عالم اور دنیا کے فلاسفر شاگرد کی حیثیت سے ہی اس کے سامنے آئیں گے۔ استاد کی حیثیت سے اس کے سامنے نہیں آئیں گے۔

تو خلیفۂ وقت کا انکسار اس کی عاجزی وفروتنی، اس کا تذلل یہی اس کا مقام ہے اور وہ اس ایمان اور یقین پر قائم ہوتا ہے کہ میں لاشئے ہوں۔ کچھ بھی نہیں ہوں۔ نہ علم ہے مجھ میں نہ فراست ہے مجھ میں، نہ ہی کوئی طاقت ہے مجھ میں، اگر کچھ ہے تو وہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہے۔ وہ جتنا علم دے جتنی طاقت دے جتنی فراست دے اس کی عطا ہے اور اسی کے جلال اور عظمت کے لئے خرچ کی جاتی ہے۔ کہیں بھی اس کا اپنا وجود نظر نہیں آتا۔ مٹی کے ذرّات ہوا میں بکھر جائیں تب بھی ان کا کچھ وجود ہوتا ہے۔ لیکن ایسے شخص کا وجود اتنا بھی باقی نہیں رہتا۔

تو میں آپ کو وضاحت کے ساتھ بتانا چاہتا ہوں کہ جس شخص کو بھی اللہ تعالیٰ آپ کا خلیفہ بنائے گا۔ اس کے دل میں آپ کے لئے بے انتہا محبت پیدا کر دے گا اور اس کو یہ توفیق دے گا کہ وہ آپ کے لئے اتنی دعائیں کرے کہ دعا کرنے والے ماں باپ نے بھی آپ کے لئے اتنی

دعائیں نہ کی ہوں گی اور اس کو یہ بھی توفیق دے گا کہ آپ کی تکلیفوں کو دور کرنے کے لئے ہر قسم کی تکلیف وہ خود برداشت کرے اور بشاشت سے کرے اور آپ پر احسان جتائے بغیر کرے کیونکہ وہ خدا کا نوکر ہے آپ کا نوکر نہیں ہے اور خدا کا نوکر خدا کی رضا کے لئے ہی کام کرتا ہے۔ کسی پر احسان رکھنے کے لئے کام نہیں کرتا لیکن اس کا یہ حال اور اس کا یہ فعل اس بات کی علامت نہیں ہے کہ اس کے اندر کوئی کمزوری ہے اور آپ اس کی کمزوری سے ناجائز فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ وہ کمزور نہیں، خدا کے لئے اس کی گردن اور کمر ضرور جھکی ہوئی ہے۔ لیکن خدا کی طاقت کے بل بوتے پر وہ کام کرتا ہے۔ ایک یا دو آدمیوں کا سوال ہی نہیں میں نے بتایا ہے کہ ساری دنیا بھی مقابلہ میں آجائے تو اس کی نظر میں کوئی چیز نہیں۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت کے ابتداء میں جب عظیم فتنہ نے سر اٹھایا اور اس لشکر کے بھجوانے یا نہ بھجوانے کا سوال پیدا ہوا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیار کیا تھا تو آپ نے فرمایا کہ مدینہ کی گلیوں میں مسلمان بچوں اور عورتوں کی لاشیں کتے گھسیٹتے پھریں تو بھی مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ضرور جاری ہوگا۔

انہوں نے ایسا اس لئے کہا اور اس لئے کیا کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال کا ایسا جلوہ ظاہر ہو چکا تھا کہ ساری دنیا ان کے لئے مُردہ کی حیثیت رکھتی تھی۔ اصل زندگی تو اللہ تعالیٰ کی ہے اور پھر خدا تعالیٰ کی دین اور عطا کے نتیجہ میں اصلی زندگی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آپؐ کی عزت آپ کی عظمت اور جو آپ نے فیصلے فرمائے ہیں۔ ان کا قیام اہم ہے اس کے لئے ساری دنیا مر جائے، سارے مسلمانوں کو قربان ہونا پڑے تو ہو جائیں۔ لیکن جو کچھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اس کے خلاف نہیں ہوسکتا۔ غنا کا جذبہ بھی اللہ تعالیٰ ہی اپنے عاجز بندوں کے دلوں میں پیدا کرتا ہے۔ وہ کسی چیز کی پرواہ نہیں کرتے۔ جس طرح خدا تعالیٰ غنی ہے۔ ان کو بھی وہ غنی بنا دیتا ہے نہ پیسے کی پرواہ اور محبت اور نہ ہی دنیا کی کسی وجاہت کی محبت ان کے دل میں باقی رہتی ہے وہ تو اپنے وجود سے ہی ختم ہو جاتے ہیں۔

تو کہیں غلطی کر کے کوئی شخص نقصان نہ اٹھائے!!! کوئی یہ نہ سمجھے کہ شاید یہ فروتنی اور عاجزی

کہیں کمزوری کا نتیجہ ہے۔ کمزوری کہیں نہیں، کمزوری تو اس شخص میں ہو جس کی اپنی کوئی طاقت بھی ہو۔ جس کی اپنی کوئی طاقت ہی نہیں اس کی کمزوری کیسی!! اُس نے جو کچھ بھی لیا ہے، اُس نے جو کچھ بھی لینا ہے بہر حال آسمان سے لینا ہے اور آسمانی طاقت کے مقابلہ میں آپ زمین کی کون سی طاقت کو لا کر کھڑا کر دیں گے!!!

پس اپنے خدا سے ڈرتے ڈرتے اپنی زندگی کے دن گزاریں اور سلسلہ عالیہ احمدیہ جو نظام بھی قائم کرتا ہے اس کی پابندی کو اپنی خوش قسمتی سمجھیں کیونکہ اس میں برکت ہے۔ یہ برکت محض زبانی دعویٰ نہیں خدا تعالیٰ کی فعلی شہادت ہمیں بتا رہی ہے کہ اسی میں برکت ہے۔ ۱۹۳۴ء میں تحریکِ جدید کے لئے آپ نے کتنے پیسے دیئے تھے؟ ایک لاکھ!!! جتنے روپے آپ نے پہلے سال حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے دیئے تھے اس سے کہیں زیادہ آدمی اللہ تعالیٰ نے احمدیت کی گود میں لا ڈالے ہیں۔

پس جو فرائض ہیں وہ ادا کرتے چلے جائیں جو خدا تعالیٰ کے وعدے ہیں وہ آپ کے حق میں پورے ہوتے چلے جائیں گے۔ خدا تعالیٰ کے سامنے اباء و استکبار اور بغاوت اور فسوق کا طریقہ ہرگز اختیار نہ کریں اور نہ ہی اس کے سلسلہ کے سامنے۔ بڑے بڑے تعلّی کرنے والے پیدا ہوئے۔ خدا تعالیٰ کے قہر نے انہیں مسل کر رکھ دیا اور ان کا نام ونشان مٹا دیا۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ بڑا لمبا تھا۔ بیرونی فتنے تو تھے ہی وقفہ وقفہ کے بعد اندرونی فتنے بھی سر اٹھاتے رہے لیکن وہ فتنہ پرداز کہاں ہیں؟ اور جماعت کا قدم کہاں تک جا پہنچا ہے کبھی دیکھا تو کرو!!! وہ ناکامی و نامرادی کے اندھیروں میں گم ہو گئے اور جماعت کے قدم آسمان فتح ونصرت کے ستاروں پر پڑنے لگ گئے۔

تو خدا تعالیٰ کے شکر گزار بندے بن کر زندگی کے دن گزاریں اور جو ذمہ داریاں آپ پر بحیثیت ایک احمدی کے عائد ہوتی ہیں۔ انہیں پورا کرنے کی کوشش کریں۔ ہمیشہ دعا کرتے رہیں کہ اے خدا! ہم سے غفلت ہو جائے تو معاف کر دے اور ہمیں خود اپنے فضل سے توفیق دے کہ ہم اپنی ذمہ داریوں کو کما حقہ نبھا سکیں۔ کیونکہ اگر تو اپنے فضل سے ہمیں توفیق نہ دے گا۔ تو ہم میں

اتنی طاقت نہیں ہے کہ ان ذمہ داریوں کو نبھا سکیں جو تو نے ہم پر عائد کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ میرے ساتھ بھی ہو اور آپ کے ساتھ بھی ہو۔ آمین۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۱؍دسمبر ۱۹۶۶ء صفحہ ۲ تا ۵ و ۸)

ہر تنظیم کو اپنے دائرہ کے اندر کام کرنا چاہیے اور دوسری تنظیموں سے بہرحال تعاون کرنا چاہیے

خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۵؍نومبر ۱۹۶۶ء بمقام احمدیہ ہال۔ کراچی

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور ایدہ اللہ نے یہ آیت پڑھی۔

وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا ۖ وَ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ وَ كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۔

(اٰل عمران : ۱۰۴)

اس کے بعد فرمایا:۔

جو آیتِ کریمہ میں نے ابھی پڑھی ہے اس میں وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا کے ارشاد میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں تین حکم دیئے ہیں۔

۱۔ حَبْلُ اللّٰهِ کے ایک معنی عہد کے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ فرمایا کہ اے مومنو! جنہوں نے خدا کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اس کے رسول کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اپنے ربّ سے ایک عہدِ بیعت باندھا ہے تم اس عہد پر مضبوطی سے قائم رہنا کیونکہ جو لوگ خدا سے عہد باندھ کر بعد میں اسے بھول جاتے یا اسے توڑ دیتے ہیں اور اس عہد کی ذمہ واریوں

کو نبھاتے نہیں ۔ اللہ تعالیٰ ایک دن ان سے اس عہد کے توڑنے یا اس کی ادائیگی میں غفلت برتنے کے متعلق ضرور سوال کرے گا۔

۲۔ دوسرا حکم اس میں یہ ہے کہ حَبْلُ اللّٰهِ کے دوسرے معنی ہیں وہ تمام وسیلے اور ذرائع اور تدابیر جن کو اختیار کر کے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جا سکتا ہے چنانچہ مفردات راغب میں اس کے یہ معنی دیئے ہیں۔ اَلَّذِیْ مَعَهُ التَّوَصُّلُ بِهٖ اِلَيْهِ مِنَ الْقُرْاٰنِ وَالْعَقْلِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ مِمَّا اِذَا اعْتَصَمْتَ بِهٖ اَدَّاكَ اِلٰى جَوَارِهٖ کہ وہ تمام وسیلے اور تدبیریں جن کو جب مضبوطی سے پکڑا جائے اور ان پر عمل کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کے قرب تک پہنچا دیتے ہیں۔ جس میں سے انہوں نے بطور مثال کے قرآن کریم اور عقلِ انسانی کا ذکر کیا ہے اور یہ بتانے کے لئے کہ بہت سی باتیں ہیں جو اس میں شامل ہیں وَغَيْرَ ذٰلِكَ کے الفاظ رکھ دیئے ہیں۔ تین بڑی چیزیں ہیں جو قرب الٰہی کی راہوں کو ہم پر منکشف کرتی ہیں۔ سب سے پہلے سب سے اہم تو قرآن کریم ہے جس نے شریعت کی تمام باتوں کو کھول کھول کر بیان کر دیا ہے۔ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عملی زندگی میں قرآن کریم کی تصویر کامل اور مکمل طور پر ہمارے سامنے پیش کی اور تیسری جگہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور احادیث ہیں۔

جہاں تک قرآن کریم کا تعلق ہے اس میں ایک تو وہ ابدی صداقتیں اور بنیادی ہدایتیں ہیں جو اس دن سے کہ قرآن کریم دنیا میں نازل ہوا قابلِ عمل ہیں اور اس وقت تک قابلِ عمل رہیں گی کہ دنیا پر قیامت آجائے۔ پھر وقتی اُلجھنوں کو سلجھانے کے لئے قرآن کریم بعض ہدایتیں دیتا ہے جو جزئیات سے تعلق رکھتی ہیں اور جو وقت کا مطالبہ ہو اسے پورا کرتا ہے۔ پہلے زمانوں میں بھی پورا کرتا آیا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں بھی پورا کر رہا ہے اور آپ کے خلفاء کے زمانہ میں بھی پورا کرتا چلا جائے گا اور جیسا کہ پہلے ہوا اگر خدانخواستہ کبھی خلافت کا سلسلہ منقطع ہوا تو اولیاء اللہ پیدا ہوتے رہیں گے جو وقت کے تقاضوں کے مطابق قرآن کریم سے نور لے کر دنیا کے اندھیروں کو دور کرتے رہیں گے۔

تو پہلی چیز تو قرآن کریم ہے جس کے ذریعہ سے جسے پڑھ کے، جسے سمجھ کے، جس کی تفاصیل کا علم حاصل کر کے اور پھر اس کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھال کر ہم اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر سکتے ہیں۔ پس پہلے تو یہ بتایا کہ تم نے ایک عہد باندھا ہے اسے مضبوطی سے پکڑے رکھنا اور ساتھ ہی اسی لفظ میں ایک دوسرے معنی کے لحاظ سے ہمیں یہ بتایا کہ اس عہد کو مضبوطی سے کیسے پکڑا جا سکتا ہے۔ (یعنی قرآنی ہدایت وشریعت پر عمل کر کے اور اسے حرزِ جان بنا کر)

۳۔ اور حَبْلُ اللّٰہِ کے تیسرے معنی ہیں وصل اور وصال کے، مقامِ قرب کے حصول کے۔ تو فرمایا کہ جب تم اللہ تعالیٰ تک پہنچ جاؤ اور تمہیں اس کا قرب حاصل ہو جائے تو اس مقامِ قرب کی حفاظت کرتے رہنا اور صدق ووفا کے ذریعہ شیطانی حملوں سے اسے بچانا۔

تو پہلے یہ کہا کہ اپنے عہدوں پر مضبوطی سے قائم رہو۔ پھر یہ فرمایا کہ ان عہدوں پر مضبوطی سے قائم ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ راستے وہ طریق جو قرآن کریم نے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ نے اور آپ کے ارشادات نے خدا تعالیٰ تک پہنچنے کے لئے تمہیں بتائے ہیں ان کو لازم پکڑو۔ اس طرح تم خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرلو گے۔ تیسرے یہ حکم دیا کہ جب تم مقامِ قرب کو پا لو تو پھر بھی تم شیطان سے محفوظ نہیں جب تک کہ اسی حالت میں وفات نہ ہو جائے اور انسان کا انجام بخیر نہ ہو جائے۔ اس سے پہلے شیطان ساری زندگی میں انسان پر حملہ آور ہوتا رہتا ہے۔ اپنی پوری کوشش کرتا ہے کہ خدا کا وہ بندہ جس نے اعمالِ صالحہ اور مجاہدات کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل کو جذب کر کے اس کے قرب اور اس کی رضا کو حاصل کیا تھا وہ شیطان اس بندۂ خدا کو اس مقام سے پرے ہٹا دے۔ جیسا کہ مذہب کی تاریخ میں اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں کہ خدا کے بعض بندوں نے اس کا قرب حاصل کیا۔ بعد میں شیطان نے ان پر کامیاب حملہ کیا اور مقامِ رفعت سے گرا کے انہیں نارِ جہنم میں دھکیل دیا۔ جیسا کہ خود حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعض صحابہؓ کے متعلق کہیں گے کہ یہ میرے صحابہ تھے، جہاں تک میرا علم ہے انہوں نے میری باتوں کو سنا اور مانا اور ان پر عمل بھی کیا، ان کو جہنم کی طرف کیوں لے جایا جا رہا ہے۔ تو آپ کو بتایا جائے گا کہ آپ کی وفات کے بعد جو بداعمالیاں ان سے سرزد ہوئیں، آپ ان سے واقف نہیں

اور یہ لوگ اس مقام رفعت کو قائم نہیں رکھ سکے، اس مقام سے گر گئے اور آج اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کی لعنت کا مورد بن گئے ہیں۔

تو تیسرا حکم ہمیں وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا میں اللہ تعالیٰ نے یہ دیا ہے کہ جب تم میری رضا کو اس دنیا میں حاصل کر لو، میرے قرب کو پا لو، تب بھی مطمئن نہ ہو جانا کہ تمہاری قربانیاں اور مجاہدات جو تم کر چکے ہو وہی کافی ہیں اور میری رضا کے مقام پر قائم رہنے اور اس میں مزید ترقی کرنے کے لئے تمہیں کچھ اور نہیں کرنا۔ اس وقت بھی آگے سے آگے تمہارا قدم جانا چاہیے۔ تمہاری پہلی قربانیاں بعد میں آنے والی قربانیوں کے مقابلہ میں ہیچ نظر آنے لگیں۔ پوری کوشش تمہیں کرنی پڑے گی کہ شیطان تم پر کامیاب حملہ نہ کر سکے حملہ تو وہ ضرور کرتا ہے اور کرتا رہے گا لیکن اصل بات یہ ہے کہ انسان شیطان کے حملوں سے اپنے آپ کو بچائے اور اس کے دامِ فریب میں اپنے آپ کو نہ آنے دے۔

تو یہ تین معنی وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ کے ہیں اور معانی کی اس ترتیب سے جو میں نے بیان کی ہے اللہ تعالیٰ نے درجہ بدرجہ ہمیں تین سبق دیئے ہیں اور ہوشیار کیا ہے اور متنبہ کیا ہے اور ہمیں ڈرایا ہے اس بات سے کہ اگر تم عہد توڑو گے تب بھی تباہی۔ عہد کے نباہتے وقت قرآن کریم سے منہ موڑو گے تب بھی ہلاکت۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ اور آپؐ کے ارشادات کی عظمت قائم نہیں کرو گے تب بھی شیطان کا کامیاب وار تم پر ہو جائے گا اور پھر جب تم یہ سب کچھ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کر لو گے تو اس وقت بھی مقامِ خوف رہے گا۔ جب تک تم اس دنیا میں زندہ ہو، جب تک تم اپنے انجام کو نہ پہنچ جاؤ اس وقت تک چوکس اور بیدار رہ کر اپنے مقامِ رفعت اور مقامِ روحانیت کی حفاظت کرنا تمہارے لئے ضروری ہے۔ پس وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا میں اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ بتایا کہ اگر تم اس مفہوم کے مطابق جو عربی کے لحاظ سے وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا کا ہے۔ ہمارے حکم بجا لاؤ گے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارے اندر کوئی ایسا تفرقہ پیدا نہیں ہوگا جو ملت کے شیرازہ کو بکھیر دے اور ترقی کی جو منازل اُمّتِ مسلمہ طے کر رہی ہے اس میں تنزل کا کوئی رخنہ واقع ہو جائے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا۔ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ اسلام لانے سے قبل یا اسلام سے باہر رہتے ہوئے جو لوگ زندگی کے دن گزار رہے ہیں وہ تفرقہ کا شکار ہیں مذہبی اور روحانی لحاظ سے۔ اور ان میں سے کوئی جماعت یا فرقہ ایسا نہیں ہے کہ جو نیکی کے مقام پر کھڑا ہو یا نیکی کے مقام پر کھڑا رہ سکے۔ کیونکہ یہاں نفی کا حکم دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے عربی کا جو لفظ استعمال فرمایا ہے اس کے مقابلہ میں الفت کا لفظ استعمال کیا ہے اور الفت کے معنی اکٹھے ہو جانے اور محض باہمی مودت اور پیارے کے نہیں بلکہ ایسے اجتماع اور ایسی محبت و پیار کے ہیں جو نیکیوں پر قائم ہو، جو بدیوں پر قائم ہو کر ایک جتھہ بنتا ہے۔ اسے عربی زبان الفت کے لفظ سے یاد نہیں کرتی یہاں الفت کے مقابلہ میں تَفَرَّقُوْا کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کے اندر اس طرف بھی اشارہ ہے کہ وہ تمام فرقے جو اسلام سے باہر ہیں یا وہ جو حقیقی اسلام سے باہر ہو جاتے ہیں ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے کہ جو نیکی اور تقویٰ اور طہارت پر قائم ہو۔ بلکہ سارے کے سارے بلا استثناء ضلالت پر قائم ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر اِعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا پر عمل کرو گے تو فرقہ فرقہ نہ بنو گے اور جب بھی تمہارے اندر فرقے نظر آنے لگیں تو سمجھ لینا کہ قوم نے اِعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا پر عمل نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اِعْتِصَامُ بِحَبْلِ اللّٰهِ کے نتیجہ میں ایک بڑا انعام جو تمہیں عطا کیا گیا ہے۔

وہ باہمی مودت اور اخوت ہے دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ساری دنیا کی دولت بھی اگر خرچ کی جاتی تو اس قسم کی الفت جو نیکی پر قائم ہوتی ہے اور نیکی پر قائم رکھتی ہے اس جماعت میں پیدا نہ ہو سکتی۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے اُمّتِ مسلمہ میں اس قسم کی محبت اور اخوت اور الفت کو پیدا کیا ہے اِعْتِصَامُ بِحَبْلِ اللّٰهِ کے نتیجہ میں۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَ كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا۔ چونکہ کوئی فرقہ بھی ہدایت پر اور صراطِ مستقیم پر قائم نہیں تھا اس لئے ان کی مثال ایسی تھی جیسے کہ ایک گڑھا ہو،

اس میں بڑی تیز آگ جل رہی ہو اور اس کے کنارہ پر کوئی کھڑا ہو اور یہ خطرہ ہو کہ کہیں وہ اس کے اندر گر نہ جائے لیکن اللہ تعالیٰ نے آسمان سے اس ہدایتِ عظمیٰ قرآن کو نازل کیا اور اس کے نتیجہ میں انسانوں میں سے ایک گروہ اس جماعت میں داخل ہو کر ایسا بن گیا کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اس جلتی ہوئی آگ کے گڑھے میں گرنے سے بچا لیا اور اپنی محبت کی ٹھنڈی چھاؤں میں اسے لا بٹھایا اور رضاء کی جنتوں میں اسے داخل کیا۔

یہ واقعہ صرف اس شخص سے پیش نہیں آتا جو کفر سے اسلام لاتا ہے بلکہ اُمّتِ مسلمہ میں شامل ہونے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ اُمت کو ایسے امتحانوں میں ڈالتا رہتا ہے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت جب ابھی کسی امام کا انتخاب نہیں ہوا تھا اس وقت ساری اُمّتِ مسلمہ اسی قسم کے ایک گڑھے کے کنارے پر کھڑی ہو چکی تھی جو خدا تعالیٰ کی بھڑکائی ہوئی آگ سے پُر تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فضل کیا اور پھر دنیا کو اَنْقَذَكُمْ مِنْهَا کا نظارہ دکھایا اور ان کے لئے اس آگ کے کنارے کی بجائے اپنے قرب کی راہوں کو کھول دیا۔

تو جب بھی اللہ تعالیٰ کا کوئی رسول یا اس کے خلفاء میں سے کوئی خلیفہ وفات پاتا ہے تو اس وقت خدا تعالیٰ کے قائم کردہ سلسلہ کی حالت وہ ہوتی ہے جس کا ذکر یہاں کیا گیا ہے کہ ایک گڑھا ہے جس میں آگ بھڑک رہی ہے اور وہ اس کے کنارے پر کھڑے ہیں اور نہیں کہا جا سکتا کہ وہ آگ کے گڑھے میں گر جائیں گے یا اللہ تعالیٰ کا فضل آسمان سے نازل ہوگا اور ان کو اس آگ سے بچا لے گا۔

ایسے موقع پر (چند گھڑیاں ہوں یا چند گھنٹے ہوں یا چند دن ہوں) شیطان کی ساری طاقت اس کام میں صرف ہو رہی ہوتی ہے کہ خدا کی مقرب جماعت میں فتنہ پیدا کرے اور ان کو آگ میں دھکیل دے اور خدا کی لعنت کا انہیں مورد بنائے اور خدا کے پیار سے انہیں دور لے جائے۔ پس اس وقت شیطانی طاقتیں پورا زور لگا رہی ہوتی ہیں اور ہر قسم کے فتنے جماعت میں پیدا کرنے کی کوشش کر رہی ہوتی ہیں بدظنی کو ہوا دے کر اور کمزور دل خوف سے بھر جاتے ہیں اور ہر تدبیر جس سے الٰہی سلسلہ میں کمزوری پیدا کی جا سکتی ہے وہ تدبیر شیطان اور اس کے ساتھی کر

رہے ہوتے ہیں اس وقت اللہ تعالیٰ اپنے ایک نہایت کمزور بندے پر نگاہ ڈالتا اور اپنے لئے اسے چنتا ہے کیونکہ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ خلیفہ اللہ تعالیٰ ہی بناتا ہے اگر بندوں پر اس کو چھوڑا جاتا تو جو بھی بندوں کی نگاہ میں افضل ہوتا اسے ہی وہ اپنا خلیفہ بنا لیتے۔ لیکن خلیفہ خود اللہ تعالیٰ بناتا ہے اور اس کے انتخاب میں کوئی نقص نہیں۔ وہ اپنے ایک کمزور بندے کو چنتا ہے جس کے متعلق دنیا سمجھتی ہے کہ اسے کوئی علم حاصل نہیں، کوئی روحانیت اور بزرگی اور طہارت اور تقویٰ حاصل نہیں۔ اسے وہ بہت کمزور جانتے ہیں اور بہت حقیر سمجھتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کو چن کر اس پر اپنی عظمت اور جلال کا ایک جلوہ کرتا ہے اور جو کچھ وہ تھا اور جو کچھ اس کا تھا اس میں سے وہ کچھ بھی باقی نہیں رہنے دیتا اور خدا تعالیٰ کی عظمت اور جلال کے سامنے کلی طور پر فنا اور نیستی کا لبادہ وہ پہن لیتا ہے اور اس کا وجود دنیا سے غائب ہو جاتا ہے اور خدا کی قدرتوں میں وہ چھپ جاتا ہے تب اللہ تعالیٰ اسے اٹھا کر اپنی گود میں بٹھا لیتا ہے اور جو اس کے مخالف ہوتے ہیں انہیں کہتا ہے کہ مجھ سے لڑو اگر تمہیں لڑنے کی تاب ہے۔ یہ بندہ بے شک نحیف، کم علم، کمزور، کم طاقت اور تمہاری نگاہ میں طہارت اور تقویٰ سے عاری ہے لیکن اب یہ میری پناہ میں آ گیا ہے اب تمہیں بہرحال اس کے سامنے جھکنا پڑے گا۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس لئے کہ خدا تعالیٰ یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ انتخابِ خلافت کے وقت اسی کی منشا پوری ہوتی ہے اور بندوں کی عقلیں کوئی کام نہیں دیتیں۔

اس آیۃ کا آیتِ استخلاف کے ساتھ بھی بڑا گہرا تعلق ہے۔ وہاں بھی اللہ تعالیٰ نے ایک اور رنگ میں اسی قسم کا مضمون بیان کیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ؕ وَ مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۔(النّور :۵۶)

اس وقت یہاں میں ساری آیۃ کی تفسیر میں نہیں جاؤں گا۔ البتہ یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ میں وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا کا مفہوم پایا جاتا

ہے کہ خلافت کے قائم ہونے پر اللہ تعالیٰ ایسے سامان پیدا کر دیتا ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے اس کے رسول کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اِعْتِصَامُ بِحَبْلِ اللّٰهِ کیا تھا پھر اس کی آواز پر اکٹھے ہو جاتے ہیں اور اپنے عہد کو سمجھنے لگتے ہیں اور یاد رکھتے ہیں اور اس کے مطابق خدا تعالیٰ کی تعلیم پر عمل کرنے والے بن جاتے ہیں اور جب ان کو خدا کا پیار مل جاتا ہے تو اگر دنیا کی ساری دولتیں اس کے عوض میں قربان ہو جائیں تب بھی وہ نہیں چاہتے کہ وہ پیار ان سے کھو جائے اور خدا ان سے ایک سیکنڈ یا لمحہ کے لئے بھی ناراض ہو۔ پھر وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا میں اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کی طرف اشارہ کیا ہے جو وَ كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا میں بیان ہوا ہے تو جس خوف کا آیتِ استخلاف میں ذکر ہے وہ وہی خوف ہے جس کو یہاں یوں بیان کیا کہ ایک گڑھا ہے، آگ اس میں بھڑک رہی ہے اور اس کے کنارے پر وہ کھڑے ہیں۔ اس سے زیادہ اور خوف کیا ہوسکتا ہے جبکہ وہ آگ خدا تعالیٰ کی لعنت کی آگ ہے، اس کے قہر کی آگ، اس کی ناراضگی کی آگ ہے۔

تو خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس وقت قوم پر ایک نہایت ہی خوف کا وقت ہوتا ہے کہ کہیں وہ اس آگ کے گڑھے میں نہ گر جائیں۔ تب خدا تعالیٰ اپنی قدرت کا ایک نظارہ دنیا کو دکھاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں، وہ غنی ہے، دنیا میں سب سے بڑا متقی، دنیا میں سب سے بڑا مطہر، دنیا میں سب سے بڑا عالم، دنیا میں سب سے بڑا عاشقِ قرآن اور عاشقِ رسولؐ کہلانے والے کا بھی خدا محتاج نہیں ہے بلکہ یہی شخص خدا کا محتاج ہے۔

پس اس وقت اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کا نظارہ اس طرح دکھاتا ہے کہ کبھی وہ اپنی قدرت کے اظہار کے لئے اس شخص کو چن لیتا ہے جو قوم کی نگاہ میں بوڑھا ہوتا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کو بہت دفعہ طعنہ دیا گیا کہ بوڑھا آدمی ہے، سمجھ کوئی نہیں۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ بوڑھا ہے یا نہیں ہے لیکن ہے میری پناہ میں، میری گود میں، اس واسطے تم اس کے مقابلہ میں ٹھہر نہیں سکتے۔

کبھی خدا تعالیٰ اپنی قدرت کا اس طرح مظاہرہ کرتا ہے کہ ایک بچے کو چن لیتا ہے۔ دنیا کہتی ہے کہ بچہ ہے، قوم تباہ ہو جائے گی، ناسمجھ ہے، کم علم ہے، کم تجربہ ہے مگر خدا تعالیٰ کہتا ہے کہ

بے شک یہ بچہ ہے مگر میں تو بچہ نہیں ہوں۔ میں اپنی قدرت اس کے ذریعہ سے ظاہر کروں گا۔ تب وہ قدرتِ ثانیہ کا مظہر ہو جاتا ہے اور پھر وہی بچہ ان لوگوں کا منہ بند کر دیتا ہے جو اسے بچہ سمجھنے والے اور بچہ کہنے والے ہوتے ہیں۔

کبھی وہ کسی ایسے ادھیڑ عمر انسان کو چن لیتا ہے جسے دنیا اپنی سمجھ اور عقل کے مطابق قطعاً نااہل سمجھتی ہے، کم علم سمجھتی ہے، وہ سمجھتی ہے کہ یہ کام اس کے بس کا ہے ہی نہیں اور حقیقت بھی یہی ہوتی ہے کہ وہ کام اس کے بس کا نہیں ہوتا۔ لیکن کون سا کام ہے جو خدا تعالیٰ کے بس کا نہ ہو۔ پس خدا تعالیٰ اسے چنتا ہے اور جیسا کہ میں نے بتایا ہے اس کے نفس کو اپنی عظمت اور جلال کے جلوہ ساتھ کلی طور پر فنا کر دیتا ہے۔ ایسے لوگوں پر کبھی ایسی حالت بھی وارد ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے پیار میں کبھی وہ اس طرح بھی محو اور گم ہو جاتے ہیں کہ ان کا دل چاہتا ہے کہ وہ ساری دنیا میں منادی کر دیں کہ مجھے تم میں سے کسی کی بھی ضرورت نہیں ہے اور پھر خدا تعالیٰ ان سے جو اور جس قدر کام لینا چاہتا ہے اسی قدر ان کی مدد اور نصرت بھی کرتا چلا جاتا ہے اور اس طرح وہ دنیا پر ثابت کرتا ہے کہ خدا ہی حقیقتاً سب قدرتوں والا اور سب طاقتوں والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کام خلیفۂ وقت کے سپرد کئے جاتے ہیں ان میں سے ایک بڑا اہم کام یہ ہوتا ہے کہ وہ اس بات کی نگرانی کریں کہ قوم ''اِعۡتِصَامُ بِحَبۡلِ اللّٰہِ'' کے مطابق اپنی زندگی کے دن گزار رہی ہے کہ نہیں۔ جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ محض اپنی نعمت کے طور پر اور اپنے فضل اور برکت کے نتیجہ میں ان کے درمیان مودّت اور اُلفت پیدا کرتا اور انہیں بُنۡیَانٌ مَّرۡصُوۡصٌ بنا دیتا ہے۔

اس ذمہ داری کو نباہنے کے لئے خلفاء اُمّتِ محمدیہ نے مختلف تدابیر اختیار کیں ہمارے زمانہ میں ہمارے سلسلہ میں ایک تدبیر اس کے لئے یہ اختیار کی گئی ہے کہ مختلف نظام قائم کر دئے گئے ہیں۔ ایک جماعتی نظام ہے جو سلسلہ کے تمام بنیادی کاموں پر حاوی ہے اور ان کو کما حقہ ادا کرنے کی اس پر ذمہ داری ہے۔ ایک تحریکِ جدید کا نظام ہے جسے حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے اس لئے جاری کیا تھا کہ غیر ممالک میں اسلام کی اشاعت کی جائے اور توحید کا جھنڈا گاڑا جائے۔

ایک وقفِ جدید کی تنظیم ہے کہ جس کے سپرد اشاعتِ قرآن اور تربیتِ سلسلہ کا ایک محدود دائرہ کے اندر کچھ کام کیا گیا ہے۔

ان کے علاوہ ذیلی تنظیمیں ہیں۔ انصاراللہ ہے۔ لجنہ اماء اللہ ہے، خدام الاحمدیہ ہے، ناصراتِ احمدیہ ہے، اطفال احمدیہ ہے اور بعض دفعہ وقتی طور پر ہم کچھ کام کرتے ہیں یا ایسی کوئی تدبیر کرتے ہیں کہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ وقتی ہے یا مستقل شکل اختیار کر جائے گی۔ مثلاً وقفِ عارضی کا نظام میں نے جاری کیا ہے اس کے نتائج خدا تعالیٰ کے فضل سے بہت اچھے نکل رہے ہیں لیکن نہیں کہا جاسکتا کہ یہ تحریک کیا رنگ اختیار کرے گی۔ جس رنگ میں اور جس طور پر اللہ تعالیٰ کا منشا ہوگا اور اس کی ہدایت ہوگی اس کے مطابق ہی وہ شکل اختیار کرلے گی۔ لیکن اس وقت ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔

بہرحال یہ مختلف تدابیر اور ذرائع ہیں تا جماعت کو اِعْتِصَامُ بِحَبْلِ اللّٰہِ کے مقام سے ہٹنے نہ دیا جائے اور یہ تمام تنظیمیں خواہ وہ بنیادی ہوں یا ذیلی ہوں خلیفۂ وقت کے اعضاء ہیں اور ان میں سے کسی کو بھی کمزور نہیں کیا جاسکتا نہ عقلاً نہ شرعاً۔ عقل بھی اس کی اجازت نہیں دیتی اور شریعت بھی اس کو برداشت نہیں کرتی کہ وہ ذرائع جو خلیفۂ وقت کی طرف سے جاری کئے گئے ہوں ان میں کسی کو کمزور کردیا جائے اور ہر تنظیم میں سب سے زیادہ طاقت اس وقت ہوتی ہے جب وہ اپنی حدود کے اندر کام کر رہی ہو اگر آپ ایک گز کپڑا لیں اور سوا گز جگہ میں اس کو بچھانا چاہیں اور دو آدمی زور لگا کر اسے پھیلائیں تو وہ تار تار ہوجائے گا اور اپنی افادیت کھودے گا۔

تو ہر ذیلی تنظیم کا جہاں اپنے حدود کے اندر رہنا ضروری ہے وہاں دوسری تنظیموں کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اس میں کسی قسم کی کمزوری نہ پیدا ہونے دیں۔ دراصل کسی تنظیم کا بھی کسی دوسری تنظیم کے ساتھ براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے۔ سارے تعلق خلافت کے ذریعہ اوپر سے ہوکر نیچے کی طرف آتے ہیں اور جب خلیفۂ وقت سارے کاموں کی نگرانی کر رہا ہے تو جماعت کو یہ خطرہ نہیں ہے کہ مثلاً خدام الاحمدیہ والے ان کے کام میں دخل دیں گے اور فتنہ پیدا کریں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس جماعت کو محض اپنے فضل کے ساتھ اِعْتِصَامُ بِحَبْلِ اللّٰہِ کے مقام پر

بڑی مضبوطی سے قائم کیا ہوا ہے اور یہ اس کی دین اور فضل ہے کہ خلیفۂ وقت کا فیصلہ بشاشت سے قبول کیا جاتا ہے۔ مثلاً ایک قصبہ ہے۔ وہاں جماعت کی کچھ زمین تھی۔ وہاں ایک مسجد تعمیر ہوئی مگر ایک حصۂ زمین تعمیرِ مسجد سے باہر رہ گیا جو چند مرلوں کا تھا اسے وہاں کی مقامی جماعت نے باقاعدہ ریزولیوشن کر کے ایک شخص کے پاس ساٹھ ستر روپے میں فروخت کر دیا۔ اس واقعہ کو دس بارہ سال ہو چکے تھے۔ چند ماہ ہوئے مجھے اس بات کا علم ہوا۔ میں نے اس شخص کو جس کے پاس یہ حصۂ زمین فروخت کیا گیا تھا کہا کہ نہ بیچنے والے کو بیچنے کا حق اور نہ خریدنے والے کو خریدنے کا حق۔ جو پیسے تم نے دیئے تھے وہ واپس لے لو اور زمین خالی کر دو کہ یہ تمہاری زمین نہیں ہے۔ کہنے لگا بارہ سال ہو گئے ہیں۔ میں نے کہا کہ بارہ صدیاں ہو جائیں، کیا فرق پڑتا ہے؟ وقت گزرنے کے ساتھ غیر حق حق تو نہیں بن جاتا۔ تو کہنے لگا میں نے وہاں کمرہ بنایا ہوا ہے جس پر چار سَو روپیہ خرچ ہوا ہے۔ میں نے کہا تم بلا اجازت کسی کی زمین پر مکان بنا لو تو اس کا میں ذمہ دار ہوں؟ تم ملبہ اٹھوا لو۔ خیر وہ وہاں سے گیا۔ دو چار روز تک اس کے دل میں انقباض رہا لیکن جب میں نے اسے دوبارہ کہلا کے بھیجا تو اس نے ملبہ اٹھوا لیا اور زمین ہمارے حوالے کر کے اپنے پیسے وصول کر لئے میری نیت پہلے ہی تھی کہ اس کا نقصان ذاتی طور پر پورا کر دوں گا۔ لیکن میں دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ نظام کی پابندی کرتا ہے یا نہیں۔ خلیفۂ وقت کا کہنا مانتا ہے یا نہیں اور اس کا ایمان کس حد تک مضبوط ہے۔ پس نیت تو پہلے ہی تھی کہ جو اس کا نقصان ہے وہ میں اس کو دے دوں گا اس لئے میں نے اسے خط لکھا کہ میری نیت تو یہ تھی لیکن میں تمہیں ثواب سے محروم نہیں کرنا چاہتا تھا، اس لئے میں نے پہلے اس کا اظہار نہ کیا تھا۔ اب تم مجھے لکھو کہ تمہارا کتنا نقصان ہوا ہے۔ کچھ تو تم نے ملبہ کی صورت میں اٹھا لیا ہے باقی جو تمہارا روپیہ رہ گیا ہے وہ میں تمہیں بھیج دیتا ہوں۔ لیکن اس کے اندر ایمان کا جذبہ تھا وہ جوش میں آیا اور اس نے مجھے لکھا کہ میں آپ سے روپیہ کیوں لوں؟ میں نے خدا کی خاطر ملبہ اٹھایا ہے۔

بے شک بعض منافق بھی ہوتے ہیں اور بعض کمزور ایمان والے بھی ہوتے ہیں۔ لیکن بحیثیت مجموعی یہ جماعت بڑی عجیب ہے!!! میں ذاتی طور پر اس کا تجربہ رکھتا ہوں۔ بڑی قربانیاں

دینے والی، بڑا کام کرنے والی جماعت ہے اور جتنا آپ اے میرے بھائیو! پیار کرتے ہیں اور کہا مانتے ہیں اسے دیکھ کر میرے جیسا انسان تو انتہائی عاجزی کے ساتھ اپنے رب کے حضور جھک جاتا ہے دل چاہتا ہے کہ انسان سجدہ میں ہی پڑا رہے۔ یہی ایک جماعت ہے جس نے دنیا میں انقلابِ عظیم برپا کرنا ہے۔ پس باہمی تصادم کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔ بعض دفعہ مقامی طور پر بعض عہدیدار کمزوری دکھاتے ہیں۔ حالانکہ جس قوم کے اوپر اللہ تعالیٰ نے خود اپنے فعل اور فضل کے نتیجہ میں ایک امام اور خلیفہ مقرر کر دیا ہو اس کے عہدیدار کو کمزوری دکھانے کا کوئی مطلب ہی نہیں اور ’’کمزوری دکھانے‘‘ سے میرا مطلب یہ نہیں کہ وہ سختی نہیں کرتے۔ میرا مطلب ’’کمزوری دکھانے‘‘ سے یہ ہے کہ بعض دفعہ وہ وقت سے پہلے سختی شروع کر دیتے ہیں۔ جس شخص کو طاقت حاصل ہے اور اللہ تعالیٰ اسے ہمت دے تو وہ وقت سے پہلے ایسا کام نہیں کرتا۔ کوئی چیز اس کو گھبراہٹ میں نہیں ڈالتی اس کو پتہ ہوتا ہے کہ جب کسی نے کوئی غلطی کی تو اس کی اصلاح ہو جائے گی یا مجھ سے ہو جائے گی یا مرکز سے ہو جائے گی۔

پس ایک تو ہمت اور اعتماد کی ضرورت ہے۔ دوسرے یہ کہ الٰہی سلسلوں میں سارے کام بشاشت سے ہونے چاہئیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس شخص کے دل میں بشاشتِ ایمان پیدا ہو جائے۔ اسے شیطانی حملوں کا خطرہ اور خوف باقی نہیں رہتا اگر اتنی قربانی کرنے والے لوگ بھی بشاش نہ ہوں تو آپ عہدیداروں کا قصور ہے۔ ان کے ساتھ اس قدر محبت اور پیار کا سلوک کرو کہ ان کے دل بشاشتِ ایمانی سے بھر جائیں اور خدا اور اس کے رسولؐ اور اس کے مذہب اور دین کے لئے محبت کا ایک سمندر ان کے دلوں میں موجزن ہو جائے۔

میں ایک آپ جیسا ہی معمولی انسان تھا اور ہوں۔ بڑا ہی کمزور بڑا ہی بے مایہ!!! لیکن جس وقت اللہ تعالیٰ نے مجھے منتخب کیا تو اس وقت ایک سیکنڈ کے اندر اس نے میرے دل کی حالت بالکل بدل دی۔ کئی تھے جن سے شکوے بھی تھے۔ رنجشیں بھی تھیں، جن سے اپنے خیال میں دکھ بھی اٹھائے ہوئے تھے۔ لیکن یہ سب چیزیں ایک سیکنڈ کے اندر بلکہ ایک سکینڈ کے ہزارویں حصہ

کے اندر غائب ہوگئیں اور سوائے محبت کے اور کچھ نہیں رہا۔

یہی حال ہر عہدیدار کا ہونا چاہیے۔ اگر آپ خدا کے ان پیارے بندوں کو انتہائی محبت نہیں دے سکتے تو آپ عہدیدار رہنے کے قابل ہی نہیں۔ کسی شخص کے دل میں یہ وہم بھی پیدا نہیں ہونا چاہیے کہ کوئی عہدیدار اس سے پیار نہیں کرتا، اس سے ہمدردی نہیں رکھتا، اس کی غمخواری نہیں کرتا۔ وقت پر اس کے کام نہیں آئے گا۔

ہر عہدیدار کی پہلی ذمہ داری یہ ہوتی ہے کہ اپنی تکلیف بھول جائے اور اپنے بھائیوں کی تکلیف کا اسے خیال رہے اگر یہ کیفیت ہو تو پھر وہاں بشاشت کے نہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جہاں عہدیدار ڈھونڈ ڈھونڈ کر یہ کام کریں کہ کسی کو دوائی کی ضرورت ہے وہ دوائی پہنچائی جائے۔ کسی کی بیماری کے نتیجہ میں اس کے بعض کام رکے ہوئے ہیں۔ وہ کام کر دیئے جائیں، کسی کو مالی تکلیف ہے اسے اس تکلیف سے نکالا جائے۔

یہ صحیح ہے کہ ہم نے بادشاہتیں نہیں دینی ہیں۔ لیکن ہر احمدی کی کم سے کم ضرورت بہر حال ہم نے پوری کرنی ہے۔ اس سے وہ اس قدر سیکوریٹی اور اطمینان محسوس کرے گا کہ خود بخود اس کے دل میں بشاشت محسوس ہوگی۔

انفرادی طور پر ہی نہیں (گو وہ بھی بہت ضروری ہے) انتظامی لحاظ سے بھی، ہر نظام کو خواہ وہ بنیادی ہو یا ذیلی ہو یقین ہونا چاہیے کہ دوسرے نظام میرے ساتھ سو فی صدی تعاون کرنے والے اور میرے کاموں کو آگے سے آگے بڑھانے میں میرے ممد اور معاون اور ناصر ہیں۔ میرے راستے میں روکیں پیدا کرنے والے نہیں ہیں۔ جب ہر نظام اور ہر نظام کے عہدیداروں کے دماغ میں یہ بات آ جائے گی اور یہ ذہنیت سب میں پیدا ہو جائے گی تو ہمارے یہ سارے نظام ایک جست میں ہی کہیں سے کہیں پہنچ جائیں گے۔

چھوٹی چھوٹی باتوں میں بعض دفعہ بدظنی پیدا ہو جاتی ہے۔ بدظنی تو کسی کے لئے بھی جائز نہیں لیکن عہدیداروں کے لئے تو بڑی ہی مہلک چیز ہے۔ جس طرح اگر کوئی کسی کے پیچھے سے السلام علیکم کہے تو آپ کو خود کو اتنا بڑا نہیں سمجھنا چاہیے کہ وہ سلام آپ کو کیا گیا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی کسی کو

پیچھے سے گالی دے رہا ہو اور آپ کے کان تک وہ آواز پہنچے تو آپ کو یہ بھی نہیں سمجھنا چاہیے کہ یہ گالی آپ کو دی جا رہی ہے یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ اگر کوئی برا بھلا کہتا ہے تو غلطی کرتا ہے آپ یہی سمجھیں کہ وہ آپ کو نہیں کہہ رہا بلکہ کسی اور کو کہہ رہا ہے۔ آپ اپنا کام کئے جائیں اور یاد رکھیں کہ نظام کے اندر ایک دوسرے کے ساتھ پورا تعاون اور اتفاق ہونا چاہیے خدام الاحمدیہ کی طاقت، انصار اللہ کی طاقت، لجنہ اماء اللہ کی طاقت، ناصرات الاحمدیہ اور اطفال کی طاقت اس بات میں ہے کہ جو حدود خلیفۂ وقت نے ان کے لئے مقرر کی ہیں وہ ان سے باہر نہ جائیں اور جس وقت دوسری تنظیموں کو ان کے تعاون کی ضرورت ہو بحیثیت تنظیم بھی وہ اتنا تعاون کریں کہ دنیا میں اس کی مثال نہ ملتی ہو۔ اگر یہ حالات ہوں، یہ صورت ہو، تو ان حالات میں ہر تنظیم بشاشت کے ساتھ اپنے کاموں میں لگی ہوئی ہوگی۔ اس کو یہ پتہ ہوگا کہ اپنے دائرہ کے اندر رہا تو ہر دوسری تنظیم میری مدد کو آئے گی اور اگر میں نے اپنے دائرہ سے باہر قدم رکھا تو اوپر سے تنبیہ ہو جائے گی اور جس کو یہ پتہ ہو وہ اپنے دائرہ عمل سے باہر نہیں جا سکتا۔

میں نے بڑا لمبا عرصہ خدام الاحمدیہ کی صدارت کی ہے اور اس عرصہ میں میری بیسیوں شکایتیں حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچیں اور بیسیوں دفعہ مجھ سے جواب طلبی بھی ہوئی۔ مگر کبھی بھی میرے خلاف فیصلہ نہیں ہوا اور جب میں سوچتا ہوں تو خدام الاحمدیہ کے زمانہ صدارت کی یہی ایک چیز ہے جو مجھے بہت پیاری لگتی ہے۔ غلطیاں بھی ہوئی ہوں گی۔ بعض باتوں میں غفلت کی ہوگی اتنا کام نہ کر سکا ہوں گا جتنا کرنا چاہیے تھا مگر یہ ایک چیز ہے کہ جب میں سوچتا ہوں تو میرا دل اس کی وجہ سے خوشی سے بھر جاتا ہے کہ میرے خلاف کبھی فیصلہ نہیں ہوا۔ کیونکہ میں نے کبھی کسی کے خلاف جلد بازی سے کام نہیں لیا۔ جس کے خلاف میں ایکشن لیتا تھا کم از کم تین اور چھ مہینے کے درمیان اس کے متعلق تحقیقات کراتا۔ پہلے زعیم کو کہتا کہ اس کی اصلاح کرو پھر قائد کو کہتا کہ اس شخص کی اصلاح کی کوشش کرو وغیرہ۔ اس طرح اس کے فائل بنتے چلے جاتے۔ دو مہینے بعد، تین مہینے بعد، چار مہینے بعد، پانچ مہینے بعد، پھر میں اسے بلاتا اور پیار سے سمجھاتا۔ اگر پھر بھی اس کی اصلاح نہ ہوتی تو اپنی ڈیوٹی اور اپنے فرض کو ادا کرتا۔ بغیر یہ سوچے کے کہ یہ شخص یا

اور کوئی شخص مجھے بُرا سمجھے گا بُرا بھلا کہے گا۔ اگر کوئی کچھ کہتا تو میں خیال کرتا کہ کہتا رہے میں تو اپنا فرض ادا کر رہا ہوں۔

اور ایسی بھی مثالیں ہیں کہ چار مہینے یا پانچ مہینے یا چھ مہینے فائل بنتا رہا اور جس وقت وہ فائل مکمل ہو گیا اور میں نے سمجھا کہ اس شخص نے مجھ سے اب ضرور سزا لینی ہے اور پھر میں نے اسے سمجھانے کے لئے بلایا تو مجھے پتہ چلا کہ یہ خدام الاحمدیہ کا باغی نہیں ہے بلکہ اپنے باپ کا باغی ہے، نفسیاتی الجھنوں کا بیمار ہے اور پھر سارا فائل دھرا کا دھرا رہ گیا اور مجھے اسے کہنا پڑا کہ اگر تمہیں کوئی تکلیف ہو اور ضرورت ہو تو میرے پاس آؤ میں تمہارا باپ ہوں تمہارے کام آؤں گا۔ خدا کے فضل سے اس طرح ایک آدھ گھنٹے کے اندر بڑا اچھا خادم بن کر میرے پاس سے واپس گیا۔ اور اس کے بعد اس کی اس قسم کی کوئی شکایت میرے پاس نہیں آئی۔

پس جب یہ ایک ایسا نظام ہے کہ ذیلی تنظیمیں ہوں یا بنیادی سب کی سب خلیفۂ وقت کے ماتحت ہیں تو تصادم کا کوئی خطرہ نہیں عہدیداروں کو چاہیے کہ وہ پیار سے کام لیں۔ اس سے اصلاح ہو جاتی ہے۔

پھر چونکہ ہماری جماعت قرآن کریم کے احکام کی پابند ہے۔ اس لئے جب خدا یا رسول یا تمہارا امیر کوئی فیصلہ کرے تو کوئی بات اپنے دل میں نہ لایا کرو چاہے تمہیں سمجھ آئے یا نہ آئے۔ ''مثلاً ابھی جو زمین کے غلط سودے کے متعلق میں نے مثال دی ہے ہمارے اس بھائی کے دماغ میں یہ بات نہ آئی ہوگی کہ وہ مکان جس پر اس نے چار سو روپیہ خرچ کیا تھا اس سے ہمارا کیا تعلق ہے؟ مجھے یقین ہے کہ پہلے یہ بات انہیں سمجھ نہیں آئی تھی لیکن یہ بات انہیں ضرور سمجھ آ رہی تھی کہ فیصلہ میری سمجھ میں آئے یا نہ آئے میں اسے ضرور مانوں گا اور یہ ایسی چیز ہے کہ جب کسی جماعت میں پیدا ہو جائے تو دنیا کی کوئی طاقت نہیں جو اسے مٹا سکے''۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اشاعت قرآن کے سلسلہ میں اور توحیدِ خالص کے قیام کے سلسلہ میں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور جلال کو دنیا میں قائم کرنے کے سلسلہ میں خدام الاحمدیہ کو جو یہ فرمایا کہ جو قوم ایک ہاتھ کے اُٹھنے سے اُٹھ کھڑی ہوتی ہے اور ایک ہاتھ کے نیچے اشارہ کرنے سے بیٹھ جاتی ہے وہ اپنے اندر

بڑی طاقت رکھتی ہے اسے مٹانا آسان کام نہیں، وہ بالکل حق ہے۔

وہ ہاتھ صدر مجلس خدام الاحمدیہ کا ہاتھ نہیں، وہ ہاتھ مصلح موعود رضی اللہ عنہ کا ہاتھ تھا، وہ ہاتھ خلیفۂ وقت کا ہاتھ ہے اور یہ اس کا کام ہے۔ پس جدھر وہ اشاعتِ اسلام کی مہم میں اور استحکامِ اسلام کے لئے جماعت کو لے جانا چاہے ہم سب نے آنکھیں بند کر کے (سمجھ آئے یا نہ آئے) اس کی اطاعت کرنی ہے اور اس کے پیچھے چل پڑنا ہے اس میں بہت برکت ہے کئی آدمی یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ جی! بڑے چندے ہو گئے ہیں۔ تحریکِ جدید کا، وقفِ جدید کا، خدام الاحمدیہ کا، ناصرات کا، مساجد کا، لیکن وہ یہ چندے دے بھی رہے ہوتے ہیں۔ یہ نہیں کہ وہ دے نہیں رہے ہوتے لیکن بعض دفعہ ایسی بات بھی کہہ دیتے ہیں ایک دفعہ حضرت مصلح موعود (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے فرمایا تھا اور بات وہی سچ ہے کہ الٰہی سلسلوں اور خدا تعالیٰ کی مقرب جماعتوں کی قربانی کے معیار کو بڑھاتے رہنا چاہیے ورنہ اس میں تنزل شروع ہو جاتا ہے اسی واسطے وقفہ وقفہ کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کوئی نہ کوئی نئی سکیم جاری کرتے رہتے تھے اور وہ لوگ جنہوں نے اس زمانہ میں مثلاً ایک چونی دی تھی انہوں نے ابدی زندگی حاصل کر لی کیونکہ آپ نے ان کا نام اپنی کتب میں لکھ دیا۔ جب آہستہ آہستہ ان کی تربیت ہو چکی تو وہی لوگ تھے جنہوں نے اپنی ساری دولت احمدیت اور اسلام کے لئے لٹا دی اور اس پر فخر کیا اس بات پر فخر نہیں کیا کہ انہوں نے مال خدا کی راہ میں دیا بلکہ اس بات پر فخر کیا کہ خدا اور اس کے رسول نے ان کے مال کو قبول کیا۔ دونوں باتوں میں بڑا فرق ہے!!! اس فخر سے تکبر پیدا نہیں ہوتا بلکہ عاجزی پیدا ہوتی ہے ہمیں خوف رہتا ہے کہ پتہ نہیں خدا تعالیٰ ہماری قربانیوں کو قبول کرے گا یا نہیں ہم بھی نماز پڑھتے ہیں اور بہت سے لوگ بھی نماز پڑھتے ہیں۔ کسی کو کیا معلوم کہ وہ نمازیں قبول ہوتی ہیں کہ نہیں پس نماز پڑھنا کافی نہیں۔ ہماری نجات کے لئے نماز کا قبول ہونا ضروری ہے اور قبولیت کا ہمیں پتہ نہیں ہوتا۔ اسی لئے خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ڈرتے ڈرتے زندگی کے دن گزارو تو جیسا کہ میں نے بتایا ہے کہ خلیفۂ وقت کا ایک اہم فرض یہ ہے کہ وہ اس بات کی نگرانی کرے کہ جماعت ’’اِعْتِصَامُ بِحَبْلِ اللّٰہِ‘‘ کے مقام سے نیچے نہ گرے اور اسی غرض کے لئے یہ مختلف تنظیمیں قائم کی گئی ہیں اور ہر ایک تنظیم کو

اپنے دائرہ کے اندر کام کرنا چاہیے اور دوسری تنظیموں سے بہر حال پورا تعاون کرنا چاہیے تب جماعت کا قدم تیز سے تیز تر ہوتا چلا جائے گا اور جیسا کہ ہماری دلی آرزو ہے اسلام تمام ادیانِ باطلہ پر غالب ہو جائے گا۔ ہر گھر میں تلاوت قرآن کریم ہوگی اور وہ گھر ایسے گھر بن جائیں گے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ (النّور: ۳۷) جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ انہیں روحانی رفعتیں عطا کی جائیں یہ مطلب نہیں کہ انہیں اٹھا کر پہاڑوں پر رکھا جائے گا۔ دراصل یہ بات مکینوں کے متعلق ہے کہ ایسے لوگ ان مکانوں اور گھروں میں بسیں گے کہ جو روحانی رفعتوں کو عبور کرتے ہوئے کہیں کے کہیں نکل جائیں گے بلکہ سات آسمانوں کو بھی پھلانگ جائیں گے۔

خدا کرے کہ تمام بنی نوع اس نور کو پہچانیں اور اس سے حصہ لیں جو خدا تعالیٰ سے نکلا اور بنی نوع انسان کو روحانی ترقی دینے کے لئے اس دنیا میں بھیجا گیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کے لئے توفیق بخشے۔ آمین۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۱۷؍مارچ ۱۹۶۷ء صفحہ ۱ تا ۶)

تقویٰ کے معنی یہ ہیں کہ انسان ہر عمل محض رضائے الٰہی کی خاطر کرے

خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۶؍دسمبر ۱۹۶۶ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیتِ قرآنیہ پڑھی۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّ يُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۔(الانفال:۳۰)

اس کے بعد فرمایا گزشتہ پندرہ سولہ دن سے مجھے گردوں میں انفیکشن (Infection) اور سوزش کی تکلیف رہی ہے۔ ایک تو خود یہ بیماری ضعف پیدا کرتی ہے۔ دوسرے آج کل جو ادویہ اس بیماری میں دی جاتی ہیں ان کے نتیجہ میں ضعفِ قلب اور ضعفِ دماغ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فضل کیا ہے کہ بیماری بہت حد تک دور ہو چکی ہے اور قابو میں ہے۔ لیکن قارورہ کا جو آخری ٹیسٹ ہوا ہے اس میں بھی پس سیلز (Puss Cells) اور ریڈ سیلز (Red Cells) پائے گئے ہیں (دوائی چھوڑنے کے بعد انفیکشن کچھ زیادہ ہو گئی ہے) آج بھی میں بہت ضعف محسوس کر رہا ہوں۔ لیکن اس خیال سے کہ رمضان شروع ہو چکا ہے مجھے اپنے بھائیوں اور دوستوں سے ایک دو باتیں بطور یاد دہانی اور ذکر کے کہنی چاہئیں میں ضعف کے باوجود یہاں اپنے بھائیوں سے ملنے اور کچھ کہنے کے لئے حاضر ہو گیا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات میں اور پھر اپنے عملی نمونہ سے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی تحریروں اور ملفوظات میں اسلام کی جس بنیادی چیز کی طرف ہمیں متوجہ کیا اور بڑے زور اور شدت سے جس کی ہمیں تلقین کی اور جس کے متعلق فرمایا کہ اسلام کی روح اس میں ہے اسے چھوڑ نا نہیں ۔ اسے بھول نہ جانا۔ اسے ترک نہ کر دینا اس کی حفاظت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرنا وہ چیز تقویٰ ہے ۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی نثر میں اور نظم میں اور اپنی تقاریر اور ملفوظات میں اور اپنی کتب میں ۔ غرض ہر موقعہ اور ہر مقام پر اور ہر جگہ اس بات پر بڑا ہی زور دیا ہے کہ اسلام کی روح تقویٰ میں ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے ایک شعر میں فرماتے ہیں ۔

سنو ہے حاصل اسلام تقویٰ
خدا کا عشق مے اور جام تقویٰ

یعنی اسلام کا نچوڑ اور لبِّ لباب اور حاصل اسلام تقویٰ ہے اور تقویٰ کی مثال اسلام میں ایسی ہی ہے ۔ جیسا کہ شراب اور صراحی کی مثال ہو۔ گویا اللہ تعالیٰ کا عشق تقویٰ کی صراحی کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا تقویٰ ہی ہے جو خدا کے عشق کو اور اللہ تعالیٰ کی محبت کو ثابت کرتا، دکھاتا اور اس کی حفاظت کرتا ہے ۔ کسی کا تقویٰ ہی ہمیں یہ بتاتا ہے کہ یہ انسان واقعہ میں اللہ تعالیٰ سے پیار کرنے والا ۔ اس سے تعلق رکھنے والا اور اس سے محبت رکھنے والا ہے ۔ کیونکہ یہ تقویٰ کی راہوں کو اختیار کرتا ہے ۔

اسلام کی اصطلاح میں تقویٰ کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنے نفس کی اس رنگ میں اور اس طور سے حفاظت کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی مول نہ لینے والا ہو بلکہ خدا تعالیٰ کی رضا کو حاصل کرنے والا ہو ۔ اس کا ’’کرنا‘‘ اور اس کا ’’ترک کرنا‘‘ ہر دو اس بات پر منحصر ہوں کہ آیا اس چیز کے کرنے سے میرا رب راضی ہوگا ۔ آیا اس چیز کو ترک کر دینے کے نتیجہ میں میں اپنے مولیٰ اور اپنے پیدا کرنے والے کی محبت کو حاصل کرلوں گا ۔ اگر اس کا علم اگر اس کی فراست اس کو یہ کہے کہ اگر تم نے یہ چیز چھوڑ دی تو تمہارا پیدا کرنے والا تم سے خوش ہو جائے گا ۔ اگر تم نے ان باتوں کو

اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا تو وہ اسے کرنے لگ جائے گا یا ترک کر دے گا۔ غرض اس اصول کے مطابق وہ بعض چیزوں کو ترک کرتا ہے اور بعض چیزوں کو اختیار کرتا ہے۔ پھر تقویٰ ہی یہ بتاتا ہے کہ نیکی اور بدی کا فیصلہ میرے اختیار میں نہیں بلکہ جو چیز اور جب میرا ربّ کہے کہ کرو، مجھے کرنی چاہیے اور جب اور جس چیز کے متعلق وہ کہے کہ نہ کرو مجھے وہ نہیں کرنی چاہیے اسلام کی روح اور حقیقت یہ ہے اور اگر آپ غور کریں تو آپ اسی نتیجہ پر پہنچیں گے کہ اس مقام کو حاصل کر لینے کے بعد انسان پر کلی فنا وارد ہو جاتی ہے۔ اس کا اپنا کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ اس کی ہر حرکت اور اس کا ہر سکون اپنے مولیٰ کے لئے ہو جاتا ہے۔ وہ کسی چیز سے اس لئے نفرت نہیں کرتا کہ اس کی طبیعت یا اس کی عقل اس چیز کو بُرا سمجھتی ہے بلکہ وہ صرف اس وقت ان چیزوں اور ان اعمال سے نفرت کرتا اور ان سے پرہیز کرتا ہے۔ جب وہ یہ سمجھتا ہے کہ میرا خدا یہ کہتا ہے یہ چیزیں یہ اعمال قابلِ نفریں ہیں اور یہ کہ ان کے قریب بھی تمہیں نہیں جانا چاہیے۔ وہ یہ ایمان رکھتا ہے کہ مجھے اس بات کی سمجھ آئے یا نہ آئے کہ یہ چیزیں کیوں قابلِ نفرت ہیں لیکن چونکہ وہ میرے رب کو پسند نہیں اس لئے مجھے بھی پسند نہیں۔ غرض جب وہ کسی چیز کو اچھا سمجھتا اور محبت اور شوق کے ساتھ اسے کرتا اور اس پر عمل پیرا ہو کر ہر قسم کی دنیوی تکالیف اپنے اوپر لیتا ہے تو اس لئے نہیں کہ دنیا اس چیز کو اچھا سمجھتی ہے یا اس کا نفس اس چیز کو اچھا سمجھتا ہے بلکہ صرف اور صرف اس وجہ سے کہ وہ اس یقین پر قائم ہوتا ہے کہ میرے محبوب میرے رب کی نگاہ میں ایسا کرنا محبوب اور پیارا ہے اور اگر میں یہ اعمال بجا لاؤں تو میرا خدا مجھ سے خوش ہو جائے گا۔ کوئی مقصد اس کے سامنے نہیں ہوتا۔ سوائے اپنے ربّ کی رضا کے اور اسے کسی چیز کی تلاش نہیں ہوتی سوائے اپنے پیدا کرنے والے کی محبت کے۔

اللہ تعالیٰ اس مختصر سی آیت میں جو میں نے پڑھی ہے بڑا ہی لطیف مضمون بیان کرتا ہے کہ اے وہ لوگو! جو ایمان لانے کا دعویٰ کرتے ہو۔ جو یہ کہتے ہو کہ ہم نے اپنے ربّ کو ان پاکیزہ اور مقدس اور کامل اور مکمل صفات کے ساتھ مانا ہے جو اسلام نے اس کی پیش کی ہیں اور جو یہ دعویٰ کرتے ہو کہ اس کی بھیجی ہوئی آخری شریعت پر ہم ایمان لائے۔ جو یہ دعویٰ کرتے ہو کہ ہم اس کے

محبوب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور حقانیت کو تسلیم کرنے والے ہیں اور اس پر پختہ ایمان رکھنے والے ہیں۔ ہم تمہیں یہ بتاتے ہیں کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو گے تو اللہ تعالیٰ کا تمہارے ساتھ یہ سلوک ہوگا کہ وہ تمہیں فرقان عطا کرے گا اِنۡ تَتَّقُوا اللّٰہَ یَجۡعَلۡ لَّکُمۡ فُرۡقَانًا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حقیقی تقویٰ پر قائم ہونا اور تقویٰ کی راہوں پر چلنا اور تقویٰ کے نور میں لپٹ کر اپنی زندگی کو گزارنا یہ ایک امتیازی اور ایک ممتاز زندگی ہے۔ اگر تم خدا تعالیٰ کی خاطر دنیا کو چھوڑ کر اس کی رضا کی جستجو میں ایک ممتاز زندگی کو اختیار کرو گے تو تمہیں خوشخبری ہو کہ تمہارے مولیٰ کا تمہارے ساتھ سلوک بھی بڑا ممتاز ہوگا اور اللہ تعالیٰ بڑے امتیاز کے سامان تمہارے لئے پیدا کرے گا تم انسان ہو گے لیکن دوسرے انسانوں سے ممتاز ہو گے۔ خدا تعالیٰ ہزاروں راہیں تمہارے امتیاز کے اظہار کے لئے دنیا پر کھولے گا۔ وہ دنیا کو یہ بتائے گا کہ یہ میرا بندہ ہے۔ اس نے میری خاطر دنیا کو چھوڑ دیا ہے اور یہ ہر قسم کی تکلیف اور ہر قسم کی ایذا رسانی میرے لئے بشاشت کے ساتھ قبول کرنے والا ہے، ساری دنیا اسے ذلیل کرنے کے لئے تیار ہو جائے، ساری دنیا اسے رسوا کرنے کے درپے ہو جائے، ساری دنیا اسے ہلاک کرنے پر تلی ہوئی ہو تب بھی یہ دنیا کی پرواہ نہیں کرتا بلکہ جب میری آنکھ میں پیار دیکھتا ہے تو ساری دنیا کے دُکھڑے بھول جاتا ہے۔ جب اسے میری رضا کی ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے تو دنیا کی کوئی تکلیف اس کے لئے تکلیف نہیں رہتی۔ یہ میرا بندہ ہے اس نے میرے لئے ایک امتیازی زندگی کو اختیار کیا ہے۔ میں بھی اس کے ساتھ ایک جداگانہ سلوک اختیار کروں گا اور اس کے امتیاز کے بڑے سامان پیدا کروں گا۔

یَجۡعَلۡ لَّکُمۡ فُرۡقَانًا کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ کیا ہے کہ تقویٰ کی راہوں پر گامزن ہونے والوں کو میں ایک نور عطا کروں گا اور انہیں اس نور کے ذریعہ یہ توفیق دوں گا کہ وہ حق اور باطل میں فرق کرنے لگیں۔ سچی بات دنیا پر مشتبہ ہو تو ہو لیکن میرے ان بندوں کے لئے حق و باطل سچی اور جھوٹی بات میں اتنا فرق ہوگا کہ کبھی بھی انہیں کوئی دھوکہ نہیں لگے گا۔ تقویٰ کے نتیجہ میں ان کے لئے ایک نور آسمان سے نازل ہوگا وہ نور ان کے آگے آگے چلے گا اور روشنی اور اندھیرے میں فرق کرتا چلا جائے گا، ان کے عمل بھی نور بن جائیں گے، ان

کے اقوال بھی نور بن جائیں گے، ان کے خیالات بھی نور بن جائیں گے، ان کی زندگی سراپا نور بن جائے گی کیونکہ انہوں نے میرے لئے تقویٰ کی راہوں کو اختیار کیا تھا اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان کی کمزوریاں دور کر دی جائیں گی اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تقویٰ کی راہوں کو اختیار کرنے کے دن سے اور وقت سے پہلے جو غفلتیں اور کوتاہیاں ان سے سرزد ہوئی ہوں گی اللہ تعالیٰ انہیں معاف کر دے گا۔ وہ ان کے اوپر اپنی مغفرت کی چادر ڈال دے گا اور ایک معصوم کی سی زندگی انہیں عطا کرے گا اور پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے ایسے بندے کو بڑے پیار سے فرمایا کہ یہیں پر بس نہیں بلکہ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ اللہ تعالیٰ کے فضلوں کا اندازہ لگانا بھی تمہارے لئے ممکن نہیں ہے اس لئے ہم ان فضلوں کو بیان نہیں کرتے۔ لیکن اصولی طور پر تمہیں یہ بتا دیتے ہیں کہ اللہ بڑا ہی فضل والا ہے وہ تم پر اپنے اتنے فضل کرے گا کہ جب تم ان فضلوں کے وارث بنو گے۔ صرف اس وقت تمہیں ان کی حقیقت محسوس ہوگی اور تب تمہیں ان کی لذت اور سرور ملے گا تب تمہیں معلوم ہوگا کہ خدا کس قدر فضل کرنے والا ہے۔ پھر یہیں پر بس نہیں ہوگی بلکہ فضل کے بعد فضل تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتا چلا جائے گا اس لئے کہ تم نے اس کی خاطر تقویٰ کی راہوں کو اختیار کیا اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مجھے بھی اور آپ کو بھی تقویٰ عطا کرے کہ اس کے فضل کے بغیر تقویٰ کا حصول بھی ممکن نہیں۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۸؍دسمبر ۱۹۶۶ء صفحہ ۲ تا ۴)

ہم ہر کام اس کی رضا اور خوشنودی کے لئے کرنے والے ہوں اور شیطان کا کوئی حصہ بھی ہمارے اعمال میں نہ ہو

خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۳؍دسمبر ۱۹۶۶ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا۔

انسان جب درخت لگاتا ہے۔ تو اس کے لگائے ہوئے درختوں میں سے بہت سے درخت مرجاتے ہیں۔ بعض دفعہ باغوں میں سو میں سے نوے درخت مرجاتے ہیں اور باغبان کو پھر نئے سرے سے محنت کرنی پڑتی ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ اپنے ہاتھ سے کوئی درخت لگاتا ہے۔ تو وہ درخت مرا نہیں کرتا۔ بلکہ خدا تعالیٰ کی تمام صفات اور ان صفات کے جلوے اس کی حفاظت کے لئے آسمان سے اُترتے ہیں اور اسے ہر ایسی بیماری سے محفوظ رکھتے ہیں جو اس قسم کے درختوں کے لئے مہلک ہوتی ہے۔ جب تک کہ وہ درخت اپنی عمر کو پورا نہیں کر لیتا۔ جس عمر کا فیصلہ آسمانوں میں خدا تعالیٰ کی اُمّ الکتاب میں موجود ہوتا ہے جب وہ مقررہ گھڑی آتی ہے تو اس وقت خدا تعالیٰ کے لگائے ہوئے درخت مرا کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے الٰہی جماعتوں اور سلسلوں کی شکل میں جو درخت لگائے ہیں اگرچہ وہ اپنی مدتِ معینہ تک زندگی اور بہار کے جلوے دکھاتے رہتے ہیں۔ لیکن ان درختوں کی بھی بعض ٹہنیاں خشک ہو جایا کرتی ہیں جیسا کہ قانونِ قدرت ہمیں دکھاتا ہے کہ دنیا میں زندہ درختوں کی

بعض ٹہنیاں خشک ہو جاتی ہیں اور وہ خشک ٹہنیاں ہی دراصل ان کی زندگی کا ایک بین ثبوت ہوتی ہیں۔ پس اس میں کوئی شک نہیں کہ خدا تعالیٰ کے لگائے ہوئے درختوں کی بعض ٹہنیاں اپنی بدقسمتی کے نتیجہ میں خشک ہو جاتی ہیں لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ خدا تعالیٰ کا لگایا ہوا درخت شیطانی طاقتوں اور طاغوتی تدبیروں کے نتیجہ میں مرا نہیں کرتا اس زندگی کے اظہار کے لئے اللہ تعالیٰ نے بہت سے معیار اور پیمانے بتائے ہیں۔

ایک پیمانہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لگائے ہوئے درخت کی زندگی (جو اللہ تعالیٰ کے منشا کے مطابق ایک معینہ وقت تک ہوتی ہے) اور اس کی بقا کا یہ بتایا ہے کہ

اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۔(الانبیآء:۴۵)

یعنی جو پودے اللہ تعالیٰ کے لگائے ہوئے ہوتے ہیں ان میں تدریجی ارتقا اور تدریجی کامیابی اور تدریجی ازیاد مفاد اور تدریجی حسن اور خوبصورتی میں زیادتی پائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہمیشہ ایسے درختوں کے متعلق میرا یہ قانون ہے کہ میں دنیا (مخالف دنیا) کو بتدریج کم کرتا چلا جاتا ہوں اور اپنے قائم کردہ سلسلہ کو آہستہ آہستہ اور بتدریج بڑھاتا چلا جاتا ہوں۔ خدا تعالیٰ کی یہ فعلی شہادت اس بات کی بیّن دلیل ہوتی ہے۔ کہ یہی سلسلہ اور یہی جماعت غالب آنے والی ہے۔ عقل بھی اسی نتیجہ پر پہنچتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ بھی یہی ہے اس لئے فرمایا ان حالات میں اگر وہ اپنی عقل سے کام لیں تو کیا وہ اس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں۔ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ کہ وہ غالب آجائیں گے۔ عقل اس نتیجہ پر نہیں پہنچتی اس کے برعکس اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ہمیں یہ بتاتا ہے کہ جس وقت خدا تعالیٰ کے قائم کردہ سلسلے اپنی عمر گزار چکتے ہیں۔ تو ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا سلوک اس کے بالکل برعکس ہو جاتا ہے۔ یعنی ان پر تدریجی ترقی، تدریجی بڑھاؤ اور تدریجی نشوونما کے مقابلہ میں تدریجی تنزل اور تدریجی ہلاکت کا قانون لاگو ہو جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ایک دوسری جگہ فرماتا ہے۔

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَ اتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۔
(مریم:۶۰)

کہ ایک مدت کے بعد الٰہی سلسلوں میں ایک ایسی نسل پیدا ہوتی ہے جو خدا تعالیٰ کے ذکر کو اس کی یاد کو اور اس کی عبادت کو بھول جاتی ہے اور دنیا کے کیڑے بن جاتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان حالات میں اس نسل پر ہمارا یہ قانون لگتا ہے۔ کہ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا (''غَیٌّ'' کے ایک معنی ہلاکت کے بھی ہیں) انہیں تدریجی ہلاکت کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔

آپ دوست اگر اپنی تاریخ پر نظر ڈالیں تو آپ اس نتیجہ پر پہنچیں گے بلکہ جو شخص بھی سوچے گا وہ اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ جماعت احمدیہ کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ کا یہی سلوک ہے کہ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ کہ کناروں سے زمین کو اللہ تعالیٰ ہمارے لئے چھوٹا کرتا چلا جاتا ہے اور اس جماعت کے اندر اس نسبت کے ساتھ وسعت پیدا کرتا چلا جاتا ہے اور یہ پختہ دلیل ہے اس بات کی کہ یہ جماعت مغلوب ہونے والی نہیں۔ بلکہ غالب ہونے والی اور فاتح ہونے والی اور خدا تعالیٰ کی نصرتوں کو جذب کر کے خدا تعالیٰ کی توحید کو دنیا میں قائم کرنے والی اور بنی نوع انسان کے دلوں کو خدا تعالیٰ اور اس کے رسول (محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے جیتنے والی ہے۔

اس تدریجی ترقی کا ایک پیمانہ ہمارا جلسہ سالانہ ہے جب میں افسر جلسہ سالانہ کے طور پر کام کر رہا تھا، تو میں نے پہلے جلسہ سے لے کر اس وقت تک کے تمام جلسوں کی حاضری کا ایک چارٹ یعنی گراف بنایا ہے۔ میں نے دیکھا کہ سوائے اس کے کہ کوئی سال خاص طور پر اس جماعت کو عام رفتار کی نسبت اپنی طرف زیادہ متوجہ کرنے والا ہو اور اس سال جلسہ سالانہ میں آنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی ہو مثلاً حضرت مصلح موعودؓ کی جوبلی کا جلسہ تھا یہ جوبلی ہم نے دعاؤں کے ساتھ گریہ وزاری کے ساتھ اور مبارک مقامات پر مبارک اجتماع کے ساتھ منائی تھی اس میں آنے والوں کی تعداد خاص طور پر اس سے پہلے سال کی نسبت سے بھی اور اس کے بعد جو سال آیا اس کی نسبت بھی بہت بڑھ گئی۔ چند استثنائی سالوں کو چھوڑ کر میں نے دیکھا کہ گراف کی لکیر تدریجی طور پر اوپر چڑھتی چلی جاتی ہے اور آج تک ہمارے جلسوں کا یہی حال ہے۔

غرض جلسہ سالانہ ہماری جماعت کی تدریجی ترقی کا ایک چھوٹا سا پیمانہ ہے اور بھی بہت سے

پیمانے ہیں لیکن چونکہ اس وقت میں اپنے دوستوں کو جلسہ سالانہ کے متعلق توجہ دلانا چاہتا ہوں، اس کے لئے میں نے اسی ایک پیمانہ کا ذکر کیا ہے۔ دوستوں کو کوشش کرنی چاہیے کہ وہ اس سال جلسہ سالانہ پر زیادہ سے زیادہ تعداد میں آئیں۔ اللہ تعالیٰ کے وعدے (جیسا کہ میں نے بتایا ہے) ضرور پورے ہوتے ہیں۔ لیکن ان وعدوں کا پورا ہونا انسان کو غافل نہیں کیا کرتا۔ کیونکہ جس طرح اس دنیا کے درختوں کے اندر ہمیں سوکھی ٹہنیاں نظر آتی ہیں۔ اسی طرح الٰہی سلسلوں کے اندر بھی ہمیں کچھ خشک ٹہنیاں نظر آتی ہیں۔ ہمیں ہمیشہ اس بات سے خوف کھاتے رہنا چاہیے اور ڈرتے رہنے چاہیے کہ کہیں اپنی بدقسمتی اور اپنی غفلت اور اپنے گناہ اور اپنی بے پرواہی کے نتیجہ میں ہم ہی وہ خشک ٹہنیاں نہ بن جائیں اس کے لئے ہر فردِ بشر کو جو احمدیت کی طرف منسوب ہوتا ہے کوشش کرنی چاہیے کہ وہ ان مبارک ایام میں اپنے چھوٹے چھوٹے ہرجوں کا خیال نہ کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ابراہیمِ محمدی قرار دیا ہے۔ جلسہ سالانہ میں زیادہ سے زیادہ شمولیت کریں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح تمام انبیاء کو اپنے وجود میں لئے ہوئے تھے اسی طرح تمام انبیاء کا وجود مختلف وقتوں میں ایک ایک دو دو نبیوں کی شکل میں بطور ظل کے اُمّتِ محمدیہ میں پیدا ہوتا رہا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام چونکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل ظل تھے۔ اس لئے آپؑ کے وجود میں تمام انبیاء کی شکل ہمیں نظر آتی ہے یہی وجہ ہے کہ آپؑ کے الہامات میں اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو مختلف انبیاء کا نام دیا ہے اور یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظلیت کے طفیل ہے آپؑ کو ابراہیم بھی کہا گیا ہے اور جس طرح ہم آپ کو مسیح محمدی کہتے ہیں اسی طرح ہم آپ کو ابراہیم محمدی بھی کہہ سکتے ہیں پس اے ابراہیمِ محمدی کے پرندو! تمہارا وہ زبردست امام جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پر پورے طور پر عمل کرتے ہوئے اور آپ میں کلی طور پر نہاں ہو کر آپ ہی کی چادر اوڑھی اور خدا تعالیٰ کے الہامات میں اسے مختلف انبیاء کے ناموں سے پکارا گیا ہے آپ کو آواز دے رہا ہے کہ اس جلسہ میں جو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق اعلائے کلمۂ اسلام کے لئے جاری کیا گیا ہے شمولیت کے لئے اپنا ہرج کر کے بھی مرکز میں آؤ۔ جماعت کے دوستوں کو یہ

کوشش کرنی چاہیے کہ حضورؑ کی اس آواز پر لبیک کہتے ہوئے زیادہ سے زیادہ تعداد میں جلسہ میں شمولیت کریں۔

اس میں شک نہیں کہ رمضان کی وجہ سے ہمیں جلسہ سالانہ کی تاریخیں بدلنی پڑی ہیں اور تاریخوں کی اس تبدیلی کے نتیجہ میں بعض دوستوں کے لئے پہلے کی نسبت رخصت حاصل کرنے میں زیادہ دقتیں ہوں گی یہ صحیح ہے لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ ہمارے راستہ میں روکیں خواہ کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہوں وہ آواز جو ہمارے کانوں میں اپنے امام اپنے مہدی، اپنے مسیح، اپنے ابراہیم محمدی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند جلیل کی گونج رہی ہے کہ یہ جلسہ سالانہ خدا تعالیٰ نے خود جاری کیا ہے اور تمہیں اس میں اپنے ہرجوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے شامل ہونا چاہیے یہ روکیں اس پیاری آواز کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں دنیا اس پیمانہ سے بھی آپ کو دیکھتی ہے اور دیکھتی رہے گی۔

کئی دفعہ ہم سوچتے ہیں کہ جب جلسہ سالانہ پر ایک لاکھ نہیں ایک کروڑ اور پھر کسی وقت اس سے بھی زیادہ آدمی آئیں گے تو ان کے کھانے کا کیا انتظام ہوگا ان کے رہنے کا انتظام کیا ہوگا۔ تو ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ ہم نہیں کہہ سکتے۔ وہ انتظام کس شکل میں ظاہر ہوگا لیکن ہم یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے انتظام کے کوئی سامان پیدا کر دے گا ہمیں اس کی فکر کرنے اور گھبرانے کی ضرورت نہیں یہ خدا تعالیٰ کا کام ہے اور یہ ہوتا رہے گا ہر احمدی کو اس یقین سے پر ہونا چاہیے۔

ایک دفعہ جب میں افسر جلسہ سالانہ تھا۔ ہمارا ایک ٹھیکیدار جو جلسہ سالانہ کے موقع پر نانبائیوں کا ٹھیکہ لیا کرتا تھا۔ میرے پاس آیا ہم غالباً اُجرت پر متفق نہیں ہو رہے تھے وہ زیادہ اُجرت مانگ رہا تھا اور میں اتنی اُجرت دینا نہیں چاہتا تھا۔ یا شاید وہ سارے لنگروں کا ٹھیکہ مانگ رہا تھا اور میں ٹھیکہ مختلف آدمیوں کو دینا چاہتا تھا بہر حال کوئی اس قسم کی بات تھی۔ وہ کہنے لگا میاں صاحب! پھر تسیں چاولاں دا انتظام کر چھوڑنا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ میں ایسا فتنہ پیدا کروں گا کہ کوئی نانبائی جلسہ سالانہ پر ربوہ میں نہیں آئے گا مجھے غصہ بھی آیا لیکن میری توجہ اپنے ربّ کی طرف مبذول

ہوئی اور میں نے اسے کہا ٹھیک ہے، تم سے جو ہوسکتا ہے کرو اگر جلسہ سالانہ پر کوئی نانبائی نہ آیا تو ہم یہ نظارہ دیکھیں گے کہ آسمان سے فرشتے اُتریں گے اور وہ روٹیاں پکائیں گے اس لئے مجھے کوئی فکر نہیں تم یہاں سے چلے جاؤ اور جلسہ سالانہ کے دنوں میں بھی تم ربوہ نہ آنا بلکہ باہر کے نانبائیوں کو روکنے کے لئے جو تدبیر تم کر سکتے ہو کرنا۔

غرض فرشتے تو بہرحال ہمارے لئے آسمانوں سے نازل ہوتے ہیں لیکن چونکہ یہ تدبیر کی دنیا ہے اس لئے وہ ہمارے لئے تدبیر کرتے ہیں اس ٹھیکہ دار نے غصہ کا اظہار بھی کیا ہوگا اور ممکن ہے اس نے نانبائیوں کو روکنے کی کوشش بھی کی ہو یا ممکن ہے فرشتوں نے آکر اس کے دل کو پکڑ لیا ہو اور اسے کہا ہو کہ اس قسم کی بیہودہ بات تمہارے منہ سے نکلی ہے تم توبہ واستغفار کرو ورنہ ہم تمہیں پکڑتے ہیں۔ غرض اللہ تعالیٰ نے کبھی ہمارے راستہ میں اس قسم کی روک نہیں پیدا کی کہ ہمارا کام ناکام ہو جائے یہ صحیح ہے کہ بعض دفعہ ہمیں تکلیف اٹھانی پڑتی ہے بعض دفعہ ہم اپنے عزیز بھائیوں سے یہ درخواست کیا کرتے ہیں کہ جلسہ سالانہ کے دنوں میں ذرا احتیاط برتو۔ کھانے کا زیادہ ضیاع نہ ہو یا تم تین روٹیوں کی بجائے اڑھائی روٹیاں کھالو۔ وقتی طور پر اس قسم کی تکلیف ہو جاتی ہے کہ روٹیوں میں کچھ کمی ہو جاتی ہے لیکن یہ کبھی نہیں ہوا کہ کام بند ہو جائے اور کسی کو کچھ سمجھ نہ آئے کہ مہمان آئے ہوئے ہیں ہمیں کیا کرنا ہے۔ میں اس وقت تفصیل میں نہیں جانا چاہتا یہ ایک علیحدہ تفصیل ہے کہ ان چند دنوں میں اتنی روٹی کے پک جانے کا انتظام ہی بڑا زبردست معجزہ ہے میں اس وقت اپنے دوستوں سے ایک بات تو یہ کہنا چاہتا ہوں کہ وہ تمام روکوں کے باوجود اور تمام تکالیف کے باوجود جلسہ سالانہ کے موقع پر مرکز میں زیادہ سے زیادہ تعداد میں آئیں تا کہ دنیا خدا تعالیٰ کی یہ بات اور یہ بشارت پھر پوری ہوتی دیکھے کہ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۭ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ یعنی اس سال بھی جماعت کا قدم ترقی اور رفعت کی طرف اُٹھا ہے۔ تنزل اور پستی کی طرف نہیں اٹھا۔

دوسری بات جو میں اس وقت دوستوں سے کہنا چاہتا ہوں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرمایا تھا۔ وَسِّعْ مَكَانَكَ اس الہام کی بہت سی تفاصیل اور تشریحیں اور

معانی ہمارے مختلف دوستوں کے ذہنوں میں آتے رہتے ہیں اور جماعت کے دوستوں کے سامنے بھی بیان ہوتے رہتے ہیں۔لیکن جب میں اس سلسلہ میں کل سوچ رہا تھا تو میری توجہ قرآن کریم کی اس آیت کی طرف گئی

اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۔(المجادلة:۱۲)

فَسَحَ کے مصدر اور ف س ح کے مادہ کے معنی بھی لغوی لحاظ سے وُسعت کے ہیں اور یہاں قران کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جب تمہیں کہا جائے کہ تم اپنی مجالس میں وسعت پیدا کرو تو تم اپنی مجالس میں وُسعت پیدا کر دیا کرو اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ اپنے رحم اور اپنے فضل سے تمہارے لئے حقیقی وسعتیں پیدا کرتا چلا جائے گا۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہام وَسِّعْ مَكَانَكَ میں ایک زبردست بشارت بھی پائی جاتی ہے اور اس آیہ کریمہ کی روشنی میں اس الہام کے یہ معنی ہوں گے کہ جس وقت خدا تعالیٰ یا خدا تعالیٰ کے سلسلہ کو ضرورت ہو اس وقت اے مرکز کے رہنے والو! اے وہ لوگو! جن کے مکانات مرکز میں ہیں۔تم اس قسم کی وسعت اپنے گھروں میں پیدا کر لیا کرو جس قسم کی وسعت مجالس میں پیدا کرنے کا اس آیہ کریمہ میں کہا گیا ہے اب اس آیہ کریمہ میں جس وسعت کا ذکر ہے۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ مجلس پہلے ۲۰x۲۰ فٹ کے ایریا اور جگہ میں ہو رہی تھی اب وہ ۵۰x۵۰ فٹ کے ایریا میں ہوتی ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر پہلے ۲۰x۲۰ فٹ کے ایریا میں ۲۰ آدمی بیٹھے ہوئے تھے تو اب اس قدر جگہ میں اس حکم کی تعمیل کے نتیجہ میں مثلاً تیس یا چالیس آدمی بیٹھ گئے پس تَفَسَّحُوْا یعنی کھل جاؤ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تنگ ہو کر بیٹھو تا دوسرے لوگ بھی بیٹھ جائیں دوسرے آنے والوں کے لئے جگہ کھول دیں قرآن کریم نے ہمیں یہاں بتایا ہے کہ جگہ دو طرح کھلتی ہے۔ایک تو اس طرح کہ جس شخص کے مکان میں تین کمرے ہیں۔وہ تین کمرے اور بنالے اور اگر تین کمروں کی بجائے چھ کمرے ہو جائیں تو اس جگہ میں وسعت پیدا ہو جائے گی یعنی پہلے تین کمرے تھے اب چھ کمرے ہو گئے اور ایسے موقع پر مکان میں وسعت اس طرح بھی پیدا ہوتی ہے کہ پہلے اس شخص نے تین کمروں میں سے دو کمرے اپنے گھر کے لئے رکھے تھے اور ایک کمرہ جلسہ سالانہ کے

مہمانوں کے لئے دیا تھا لیکن اب جس وقت جماعت کو زیادہ ضرورت پڑی تو اس نے تین کمروں میں سے دو کمرے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مہمانوں کے لئے جماعت کو دے دیئے اور ایک کمرہ اپنے لئے رکھا تو جہاں تک سلسلہ کی ضرورت کا تعلق ہے وہ مکان وسیع ہو گیا کیونکہ اس شخص نے ایک مزید کمرہ جماعتی اغراض کے لئے پیش کر دیا بالکل اسی طرح جس طرح مجلس میں وہ لوگ آرام سے بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے تین ساڑھے تین یا چار فٹ کی جگہ لی ہوئی تھی لیکن جب کہا گیا کہ جگہ یا زمین تنگ ہوگئی ہے اور بیٹھنے والے خدا تعالیٰ کے فضل سے زائد ہو گئے ہیں اس لئے کھل جاؤ اور ان نئے آنے والوں کے لئے جگہ بناؤ۔ تو وہ سمٹ گئے۔

اور اس طرح اس جگہ میں مزید کچھ آدمیوں کے بیٹھنے کے لئے گنجائش نکل آئی اور اس طرح ایک قسم کی وسعت پیدا ہوگئی۔ غرض وَسِّعْ مَكَانَكَ میں ایک حکم یہ بھی ہے کہ ضرورت کے مطابق تم سمٹ جاؤ اور جماعتی کاموں کے لئے اپنے مکانوں میں وسعت پیدا کرو۔ پہلے تم جلسہ سالانہ کے موقع پر ایک کمرہ جماعت کو دیتے تھے اب ایک سے زائد کمرے دو۔ پس کل جب میں اس الہام کے متعلق سوچ رہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے میری توجہ اس طرف پھیری کہ دراصل اسے قرآن کریم کی اس آیت کی روشنی میں کہنا چاہیے جو میں نے ابھی پڑھی ہے اور اسی وجہ سے میں نے کہا ہے کہ اس الہام میں بھی ایک بشارت ہے۔ کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ جب تمہیں یہ کہا جائے کہ مجلس میں اور آدمی آ گئے ہیں تم ان کے لئے جگہ بناؤ۔ فَافْسَحُوْا تم تنگ ہو کر بیٹھو اور آنے والوں کو جگہ دو يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے وسعت کے سامان پیدا کر دے گا۔ اس آیت کا جو مفہوم ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کوئی معین وسعت مراد نہیں۔ بلکہ وسعت مکان کی بھی ہوتی ہے۔ وسعت اولاد کی بھی ہوتی ہے، وسعت اولاد سے خوشی میں بھی ہوتی ہے قرآن کریم کہتا ہے تم اپنی اولاد کے لئے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ انہیں تمہاری آنکھوں کے لئے ''قُرَّةَ اَعْيُنٍ'' یعنی ٹھنڈک بنائے اب اگر اس ٹھنڈک میں زیادتی ہو جائے تو یہ بھی ایک وسعت ہے۔ پھر وسعت دل کے حوصلہ میں بھی ہوتی ہے وسعت نیکیوں کی توفیق میں بھی ہوتی ہے۔ وسعت خدا تعالیٰ کے فضل میں بھی ہوتی ہے اس کی برکت میں بھی ہوتی

ہے اس کی رحمت میں بھی ہوتی ہے یہ ہر قسم کی وسعتیں اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور پھر اس رسول کے نائبین کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنی مجلسوں میں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہام کے مطابق اپنے مکانوں میں وسعت پیدا کرو گے۔ یعنی خود سمٹ جاؤ گے تا کہ وسیع تر ایریا جماعتی اغراض کے لئے پیش کیا جا سکے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تم پر فضل اور رحم کر کے ہر لحاظ سے وسعت کے سامان پیدا کر دے گا۔ تمہارے مکانوں میں بھی زیادہ کمرے بن جائیں گے۔

اب دیکھ لو جماعت احمدیہ ایک چھوٹی سی اور غریب جماعت ہے لیکن جب ربوہ دنیا کے لئے حسد اور حیرت کا نشان چھوڑتا ہوا آباد ہوا۔ تو لوگ سمجھ نہیں سکتے تھے کہ اس چھوٹی سی جماعت نے اپنے لئے ایک مرکز، ایک قصبہ کیسے آباد کر لیا۔ جس میں کئی کالج ہیں کئی سکول ہیں، ایک بڑا اچھا ہسپتال ہے۔ ان کے علاوہ ہزار ہا قسم کے خرچ ہیں جو جماعت نے کئے اور ہر قسم کی سہولت یہاں بہم پہنچائی پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ایسا ماحول پیدا کر دیا کہ اب سینکڑوں خاندان ایسے ہیں کہ کمانے والے یہاں نہیں رہتے ان کے بیوی اور بچے یہاں رہتے ہیں وہ انہیں یہاں چھوڑ جاتے ہیں کیونکہ انہیں علم ہے کہ جتنی حفاظت ان کی بیویوں اور بچوں کی ان کی اپنی موجودگی میں کی جا سکتی ہے ان سے زیادہ محفوظ وہ اس وقت اس فضا میں ہیں کیونکہ ساری جماعت کی حفاظت انہیں حاصل ہے اگر انہیں کوئی تکلیف پہنچے تو جماعت کو اس کا دکھ پہنچتا ہے۔ لیکن لاہور جیسے بڑے شہر میں کسی کو یہ بھی علم نہیں ہوتا کہ اس کے ہمسایہ میں کون بس رہا ہے اور اسے کوئی تکلیف یا کوئی ضرورت ہے یا نہیں۔ لیکن یہاں اللہ تعالیٰ کا فضل ہے یہاں ہر ایک کی تکلیف اور دکھ کا جماعت کو احساس ہے تو یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ یہ قصبہ آباد ہو گیا اور اس کی آبادی میں ایک حصہ اس چیز کا بھی ہے کہ یہاں کے مکینوں نے ہمیشہ جماعتی ضرورت کے وقت اپنے او پر تنگی وارد کرتے ہوئے بھی اپنے مکانوں کے بعض حصے پیش کر دیئے خصوصاً جلسہ سالانہ کے موقع پر۔

جلسہ سالانہ کے دنوں میں ہم کھانا کے سلسلہ میں افراد کی تعداد کو چیک کرتے ہیں میں اس بات کا خود شاہد ہوں کہ بعض دفعہ ہمیں یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ شخص جو پچاس آدمی کا کھانا لے جا رہا

ہے۔اس کے پاس تو ایک کمرہ ہے۔ پھر پچاس مہمان کہاں ہوں گے کہیں کھانا تو ضائع نہیں ہو رہا لیکن جب وہاں جا کے دیکھا تو واقعی پچاس مہمان موجود ہوتے ہیں۔اب حیرت انگیز بات ہے کہ اس چھوٹے سے کمرے میں پچاس آدمی رات کیسے بسر کرتے ہیں۔ شاید رات کو فرشتے آجاتے ہیں اور وہ اس کمرے میں اس قدر لچک پیدا کر دیتے ہیں کہ عارضی طور پر اس میں پچاس آدمی سما جاتے ہیں اور ہمیں تسلی ہو جاتی ہے کہ گو استثناء ہر جگہ ہوتا ہے اور منافق بھی ہر جماعت میں پائے جاتے ہیں۔لیکن ہماری جماعت دیانتداری کے بلند مقام پر قائم ہے چیک کرنے والوں کو شرمندہ ہونا پڑتا ہے کیونکہ بہرحال شرمندگی کا سامان تو پیدا ہو جاتا ہے کہ ایک شخص پر انہوں نے اعتبار نہ کیا اور خیال کر لیا کہ ممکن ہے اس کے ہاں اتنے مہمان نہ ٹھہرے ہوں لیکن چیک کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ واقعی طور پر اس کے ہاں اتنے مہمان ہیں سمجھ نہیں آتا کہ اتنی چھوٹی سی جگہ میں اتنے مہمان کس طرح گزارہ کر لیتے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ جلسہ سالانہ کے علاوہ اس جگہ میں پچاس آدمی تو کیا چالیس آدمی بھی نہیں ٹھہر سکتے لیکن جلسہ سالانہ کے موقع پر اللہ تعالیٰ ایسا فضل کرتا ہے۔کہ ان مکانوں میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔

پس اس سال جلسہ سالانہ پر پہلے کی نسبت زیادہ آدمیوں کو آنا چاہیے اور اگر اس سال پہلے کی نسبت انشاء اللہ زیادہ مہمان یہاں آئیں گے تو اس کے نتیجہ میں ربوہ کے رہنے والوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ پہلے کی نسبت زیادہ کمرے اور زیادہ مکانیت سلسلہ کے نظام کو جو جلسہ سالانہ کے دنوں میں جاری ہوتا ہے پیش کریں تا کہ خدا تعالیٰ اور اس کا رسول اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزندِ جلیل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مہمانوں کی رہائش کا انتظام کیا جا سکے۔ پس میں اہالیانِ ربوہ سے یہ درخواست کروں گا اور اگر آپ ان فضلوں کے وارث بننا چاہتے ہیں جن فضلوں کی طرف قرآنی آیت کا ٹکڑا یَفۡسَحِ اللّٰہُ لَکُمۡ اشارہ کرتا ہے اور جن فضلوں کی قرآنی آیت کا یہ ٹکڑا بشارت دے رہا ہے تو پھر تمہارے لئے یہ ضروری ہے کہ خدا تعالیٰ اور اس کے دین کی خاطر صعوبتیں اُٹھا کر اور ہر قسم کا ہرج کرتے ہوئے اور خدا تعالیٰ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے آپ کے جو بھائی یہاں آئیں ان کی رہائش کے انتظام کے لئے آپ

زیادہ سے زیادہ مکانیت سلسلہ کو پیش کریں۔ اللہ تعالیٰ اس کے نتیجہ میں آپ کے مکانوں میں بڑی برکت ڈالے گا۔ اگر آپ سوچیں اور دعائیں کریں اور اپنی نیتوں کو خالص رکھیں تو آپ خود اپنی زندگیوں میں ہی دیکھ لیں گے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے مکانوں کی وسعت کے سامان پیدا کر دے گا۔ اِنْشَآءَ اللّٰہُ تَعَالٰی

تیسری بات جو میں اس وقت کہنی چاہتا ہوں یہ ہے کہ اس وقت ہمارے ملک میں جیسا کہ حکومت کی طرف سے بار بار اعلان ہو رہا ہے غذائی بحران پایا جاتا ہے جہاں تک حکومت سمجھتی ہے (اور جہاں تک میں نے بھی غور کیا ہے میں سمجھتا ہوں کہ وہ صحیح نتیجہ پر پہنچی ہے) ہمارے ہاں غذا کی اتنی زیادہ قلت نہیں لیکن ایک تو تقسیم میں بعض روکیں ہیں اور دوسرے بعض اور مسئلے بھی ہیں مثلاً بعض لوگ اپنے بخل کی وجہ سے اپنی حرص کی وجہ سے اور لالچ کی وجہ سے جنسوں کو دبائے رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ بہت ساری اور بھی چیزیں ہیں جن کے نتیجہ میں ملک کے اندر وقتی طور پر غذائی قلت پیدا ہوگئی ہے۔ ہم یہ تو نہیں چاہتے کہ بعض دوسرے ملکوں کی طرح جلسہ سالانہ پر آنے والے مہمانوں کو یہ کہیں کہ اس سال تھوڑا کھانا بلکہ جہاں تک کھانے کی مقدار اور کھپت کا سوال ہے اور جہاں تک کھانے کی کیفیت کا سوال ہے یعنی یہ کہ وہ اچھا پکا ہوا ہو اس میں کمی نہیں آنی چاہیے بلکہ اگر ممکن ہو تو اس میں ہر سال زیادتی ہونی چاہیے۔ اس لئے کہ ہمارا قدم ترقی کی طرف ہے اور ہر میدان میں ہمارا قدم ترقی کی طرف جانا چاہیے لیکن میں یہ ضرور کہوں گا کہ اس سال خاص طور پر احتیاط برتی جائے کہ کھانا ضائع نہ ہو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس بات پر اتنا زور دیا ہے کہ آپ اس بات کو بھی ناپسند فرماتے تھے۔ کہ کوئی شخص اپنی پلیٹ میں اتنا سالن ڈال لے کہ ایک لقمہ کے برابر سالن بچ جائے اور اس کا پیٹ بھر جائے۔ کیونکہ اس طرح وہ لقمہ ضائع ہو جائے گا آپؐ فرماتے ہیں یہ لقمہ بھی کیوں ضائع ہو گیا کیونکہ یہ بھی خدا تعالیٰ کا ایک فضل ہے اس کی رحمت ہے جو غذا کی شکل میں ہمارے سامنے آئی ہے اور تم اس کو ضائع کر کے اللہ تعالیٰ کی ناشکری کرنے والے بنتے ہو۔ تم اپنی پلیٹ میں اتنا سالن ہی ڈالو جتنا تم کھا سکو اور پلیٹ میں کچھ بھی نہ بچے۔ کیونکہ جو سالن پلیٹ میں بچ جاتا ہے وہ ضائع چلا جاتا ہے اسی طرح اپنے گھر میں

بھی اتنا ہی پکاؤ جتنے کی ضرورت ہو گو ہماری جماعت میں تو بہت کم ہیں لیکن دنیا میں ایسے گھرانے بھی ہیں اور گھرانے کیا دنیا کی بعض قومیں ایسی ہیں۔ جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اگر ان کے دستر خوان کے ٹکڑے اکٹھے کئے جائیں تو گاندھی جی کی قوم کا پیٹ بھر جائے اور ان کو کوئی فکر نہ رہے۔ غرض وہ خوراک کو اس قدر ضائع کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہر قوم کو ابتلاؤں سے محفوظ رکھے ہندوستان کی جو حالت اس وقت ہے۔ ہم اس سے خوش نہیں ہیں ہمیں ان کی یہ حالت دیکھ کر دکھ ہوتا ہے ہمیں ان پر رحم آتا ہے۔ ہم انہیں حقارت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔ بلکہ انہیں رحم کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں۔ مجھے تفصیل کا تو علم نہیں لیکن بعض اخباری خبروں میں یہ تھا۔ (واللہ اعلم وہ خبریں ٹھیک بھی ہیں۔ یا نہیں) کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حالات ایسے کر دیئے ہیں کہ بعض لوگوں نے بیس سیر چاول کے بدلہ اپنے بچے فروخت کر دیئے ہیں۔ یعنی بیس سیر چاول لے گئے اور بچہ فروخت کر دیا۔ غرض ہندوستان کے بعض حصوں میں اس حد تک غذائی قلت ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر رحم کرے۔ کیونکہ وہ رب ہے تمام جہانوں کا۔ وہ شیطانوں کے چیلوں کو بھی کھلاتا ہے اس نے ابوجہل کی روزی پر بھی کوئی پابندی نہیں لگائی تھی اور دنیا میں جتنے انبیاء بھی گزرے ہیں وہ ان کے اشد ترین مخالفوں کو بھی اس وقت تک روزی دیتا چلا گیا جب تک کہ اس نے ان کی ہلاکت کا فیصلہ نہ کر لیا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ بعض دفعہ قحط کی شکل میں بھی دنیا پر عذاب نازل ہوا ہے۔ لیکن عام طور پر ایسا ہی عذاب نازل ہوا ہے جس کے نتیجہ میں کفار بھوکے نہیں مرے بلکہ جب خدا تعالیٰ نے ان کی ہلاکت کا فیصلہ کر دیا تو اس کی کسی اور قہری تجلی نے انہیں کلیتاً ہلاک کر دیا اور ان کا نام ونشان بھی نہ چھوڑا۔ اللہ تعالیٰ دنیا کی سب قوموں کو اپنی اس قسم کی قہری تجلی سے محفوظ رکھے۔ بہر حال اس وقت ہندوستان میں بھی غذائی قلت ہے۔ ان کے لئے بھی دعائیں کرنا چاہیے اور ہمارے ملک میں جیسا کہ میں نے بتایا ہے۔ اس قسم کی غذائی قلت تو نہیں ہے لیکن بہر حال ایک غذائی بحران ضرور ہے۔ بعض دفعہ کہہ دیا جاتا ہے کہ چونکہ بجلی نہیں ہے اس لئے ملیں پوری طرح آٹا نہیں پیس رہیں اور ہم پورا آٹا نہیں دے سکتے یہ

ٹھیک ہے بہرحال اس قسم کی تنگیاں ہمیں نظر آ رہی ہیں۔ میں یہاں کے رہنے والوں کو جو مہمانوں کے لئے اپنے گھروں میں کھانا لے کر جاتے ہیں یا جو جماعتی قیام گاہوں میں مہمانوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور جو میرے باہر سے آنے والے بھائی اور دوست ہیں انہیں بھی میں خاص طور پر نصیحت کروں گا کہ اس سال یہ خیال رکھیں کہ کھانا کسی رنگ میں اور کسی شکل میں بھی ضائع نہ ہو۔ اگر ہم اس سال ضیاع میں سات آٹھ یا دس فیصدی بھی کمی کر لیں تو ہم اس سال زائد آنے والے مہمانوں کی غذائی ضرورتیں اس مقدار اغذیہ میں پوری کر لیں گے جو مقدار اغذیہ پچھلے سال استعمال ہوئی تھی کیونکہ کچھ نہ کچھ کھانا بہرحال بے احتیاطی سے ضائع ہو جاتا ہے مثلاً چھوٹے بچے کھانا لینے آتے ہیں وہ کوئی روٹی زمین پر گرا دیتے ہیں یا وہ کسی روٹی کو اس طرح توڑ دیتے ہیں کہ وہ کھانے والی نہیں رہتی یا کسی گھر والے نے بے احتیاطی کی اور کھانا زیادہ منگوا لیا۔ مہمان آدھا کھانا کھا سکے اور آدھا نہ کھا سکے بہرحال ضیاع کی بہت سی وجوہات ہیں اور بہت سے سوراخ ہیں۔ جن کے اندر سے ضیاع گھستا ہے اور جماعت کو نقصان پہنچاتا ہے میں کہوں گا کہ ضیاع کا ہر سوراخ بند کر دو اور خدا تعالیٰ کے کھانے میں سے ایک لقمہ بھی ضائع نہ ہو ربوہ والے بھی اس بات کا خیال رکھیں اور باہر سے آنے والے دوست بھی اس بات کا خیال رکھیں۔ اگر ہم اللہ تعالیٰ کا اس رنگ میں شکر ادا کریں گے تو میں سمجھتا ہوں وہ ہمارے گھروں کے کھانوں میں بھی بڑی برکت دے گا اور اس وقت جو غذائی بحران ہے۔ اس سے بھی ہمیں بہت حد تک محفوظ رکھے گا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس بات کی توفیق عطا فرمائے کہ ہم ہر کام اس کی رضا اور اس کی خوشنودی کے لئے کرنے والے ہوں اور شیطان کا کوئی حصہ بھی ہمارے اعمال میں نہ ہو اور اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل اور رحم سے ہماری ان کوششوں کو قبول کرے جو ہم اپنے خیال میں اس کے لئے کر رہے ہیں اگر کوئی رخنہ، اگر کوئی گناہ، اگر کوئی کمزوری، اگر کوئی نقص اگر کوئی کوتاہی ان میں رہ جائے تو وہ ان تمام کوتاہیوں کو اپنی مغفرت کی چادر کے نیچے ڈھانپ لے اور ہوں گے تو نہیں معصوم ہم لیکن وہ ہماری زندگیوں کو ایسا بنا دے کہ اس کی نگاہ میں اس کی رحمت کی نگاہ میں اس کی مغفرت کی نگاہ

میں ہماری زندگیاں معصومانہ زندگیاں ہی بن جائیں اور ہم ان تمام فضلوں کے وارث بنیں جن فضلوں کے وہ بزرگ انبیاء وارث بنتے رہے ہیں جو حقیقتاً اس کی نگاہ میں اور دنیا کی نگاہ میں اور اپنے نفسوں میں خدا تعالیٰ کے فضل سے معصومانہ زندگی گزارتے رہے ہیں۔ (آمِّیْن ثُمَّ آمِّیْن)

(از رجسٹر خطباتِ ناصر غیر مطبوعہ)

عمل کرو، عمل کرو، عمل کرو مگر سب کچھ کرنے کے بعد بھی یہی سمجھو کہ ہم نے کچھ نہیں کیا

خطبہ جمعہ فرمودہ ۳۰؍دسمبر ۱۹۶۶ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے آیات

نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۔ وَ اَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ۔ (الحجر:۵۰، ۵۱)

پڑھیں۔ پھر فرمایا۔

ان دو مختصر آیاتِ قرآنی سے قبل اللہ تعالیٰ نے یہ مضمون بیان فرمایا ہے کہ میری طرف آنے کا یہی ایک سیدھا راستہ یہی ایک صراطِ مستقیم ہے یعنی وہ راستہ جسے اسلامی شریعت دنیا کے سامنے پیش کرتی ہے۔ جسے قرآن کریم کے ذریعہ نازل کیا گیا ہے اور جو شریعت تا قیامت دنیا میں رکھی جائے گی اور اس کی حفاظت کی جائے گی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد یہ فرمایا کہ جو لوگ حقیقتاً میرے بندے ہیں۔ ان پر شیطان کا کسی قسم کا کوئی تسلط نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ میری پناہ میں ہیں۔ میں انہیں شیطان سے دور رکھتا ہوں اور نیکیوں کی انہیں توفیق عطا کرتا ہوں لیکن اس کے ساتھ ہی انسان کو آزادئ ضمیر بھی عطا کی گئی ہے۔ اس لئے وہ جو میری بندگی سے باہر نکلنا چاہیں وہ ایسا کر سکتے ہیں اور ایسے گمراہ لوگوں پر ہی

شیطان اپنا تسلط جماتا ہے۔ فرمایا کہ وہ لوگ جو اپنی مرضی سے صداقت اور ہدایت کی راہوں کو چھوڑ کر گمراہی اور ضلالت کی راہوں کو جو جہنم کی طرف لے جانے والی ہیں اختیار کریں گے تو وہ جہنم میں ہی گریں گے۔ وہ جہنم جسے خدا کے غضب اور قہر نے بھڑکایا ہے۔ اسی جہنم سے قرآن کریم کے ذریعہ لوگوں کو ڈرایا جاتا ہے اوّل انہیں بتایا جاتا ہے کہ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ (البروج: ۱۳) جب خدا کسی پر اس کی غفلت، کوتاہی، یا گناہ یا ظلم کی وجہ سے گرفت کرتا ہے۔ تو خدا کی وہ گرفت بڑی ہی سخت ہوا کرتی ہے۔ اس لئے انہیں خدا سے ڈرتے ڈرتے اپنی زندگی کے دن گزارنے چاہئیں اور انہیں چاہیے کہ تقویٰ کی سب راہوں کو اختیار کریں تا جہنم کا کوئی دروازہ بھی ان کے لئے کھلا نہ رہے۔ جہنم کے سب دروازے ان کے لئے بند ہو جائیں۔ اس لئے کہ تقویٰ کی سب راہوں کو انہوں اختیار کیا تھا۔

پھر فرمایا کہ جو لوگ تقویٰ کی راہوں کو اختیار کرتے ہیں۔ انہیں جان لینا چاہیے کہ تقویٰ کی یہ راہیں انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے باغوں اور اس کی رحمت کے چشموں تک لے جاتی ہیں۔ جہاں وہ بے خوف وخطر سلامتی کی فضا میں سانس لیں گے۔ ان کے سینوں میں سے سب کینے نکال باہر پھینکے جائیں گے اور ان کو مقامات رفعت اور مقاماتِ قرب، اخوت کا باعث بنیں گے۔ باہمی جھگڑے اور فساد کا باعث نہیں بنیں گے۔ ان مقاماتِ رفعت اور ان مقامات قرب میں مزید رفعتوں کے حصول کے لئے ان کی جو بھی جدوجہد ہوگی (وہ ایک عظیم جدوجہد ہوگی) انہیں تھکائے گی نہیں بلکہ مزید روحانی سرور کے حصول کا ذریعہ ان کے لئے بنے گی۔

اس مضمون کے بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۔ میرے بندوں کو کھول کر یہ بات بتا دو کہ میری صفات میں سے دو صفات یہ بھی ہیں کہ میں غفور بھی ہوں اور میں رحیم بھی ہوں اگر وہ میری طرف رجوع کریں گے اگر وہ میری طرف آئیں گے اگر وہ میری طرف جھکیں گے اگر وہ توبہ کی راہوں کو اختیار کریں گے اگر وہ استغفار کو اپنا شعار بنائیں گے۔ اگر وہ مجھ سے مغفرت چاہیں گے تو اپنی تمام کوتاہیوں کے نتیجہ میں اور غفلتوں کے نتیجہ میں اور گناہوں کے نتیجہ میں وہ جس سزا کے مستحق اور سزاوار بنے تھے میں اس سزا سے

انہیں محفوظ کر لوں گا اور بچا لوں گا اور انہیں اپنی حفاظت میں لے لوں گا کیونکہ میں خدائے غفور ہوں نیز میری رضا کے حصول کے لئے اگر وہ جدوجہد کریں گے۔ میرے بتائے ہوئے راستوں پر اگر وہ اخلاص اور نیک نیتی کے ساتھ چلیں گے۔ اگر ان کے دلوں میں اور ان کی روحوں میں مجھ سے ملنے اور میرا قرب حاصل کرنے کی خواہش پیدا ہوگی اور اگر اسی کے لئے وہ اعمالِ صالحہ بجا لائیں گے۔ اس کے لئے وہ قربانیاں دیں گے۔ اس کے لئے وہ اخلاص کا نمونہ میرے اور دنیا کے سامنے پیش کریں گے تو انہیں تم یہ بھی بتا دو کہ میں خدائے رحیم ہوں۔ میں بار بار رحم کرنے والا خدا ہوں اور نیک اعمال کی بہتر اور احسن جزا دینے والا خدا ہوں۔

لیکن اس کے ساتھ میرے بندوں کو تم یہ بھی بتا دو۔ اَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ ۔ اگر کوئی عذاب، عذاب کہلانے کا مستحق ہے۔ اگر کوئی عذاب اس بات کا مستحق ہے کہ کہا جائے کہ یہ بڑا دکھ دینے والا، بڑا تکلیف دینے والا، زندگی سے بیزار کر دینے والا، موت کی خواہش دلوں میں پیدا کر دینے والا یہ عذاب ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کے قہر کا ہی عذاب ہے۔ یہ ایسا عذاب ہے کہ جن پر وارد ہوتا ہے وہ نہ زندوں میں شمار کئے جا سکتے ہیں کیونکہ حقیقی زندگی کی کوئی رمق ان کے اندر باقی نہیں چھوڑتا اور نہ وہ مردوں کے اندر شمار کئے جا سکتے ہیں۔ کیونکہ اس عذاب کے چکھنے کے لئے خدا کی طرف سے انہیں زندہ رکھا جاتا ہے ورنہ ان کے دل تو یہی چاہتے ہیں کہ اس عذاب سے نجات اور چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے ان پر موت وارد ہو جائے مگر خدا کہتا ہے کہ نہیں۔ مرو نہیں بلکہ میرے عذاب کو چکھو۔

تو فرمایا کہ میرے بندوں کو یہ بھی بتا دو اور کھول کر بتا دو کہ میرا عذاب بھی بڑا سخت عذاب، بڑا دکھ دینے والا عذاب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے رمضان کے اس مہینہ میں اپنی مغفرت اور اپنی رحمت کے دروازے کھولے ہیں جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی احادیث میں بڑی وضاحت کے ساتھ یہ مضمون پایا جاتا ہے کہ رمضان کے مہینہ میں آسمانی رحمتوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور آسمانی غضب اور آسمانی ناراضگیوں اور آسمانی لعنتوں کے دروازے بھیڑ دیئے جاتے ہیں۔ اگر خدا کے

بندے خدا کی خاطر خدا کے بتائے ہوئے طریق کو اختیار کریں تو وہ ہنسی خوشی بشاشت کے ساتھ چھلانگیں لگاتے ہوئے خدا کی جنت میں داخل ہو سکتے ہیں لیکن اگر وہ ایسا نہ کریں اور خود اپنے ہاتھوں سے جہنم کے ان دروازوں کو کھولیں جن کو خدا تعالیٰ نے بھیڑ دیا تھا تو پھر ان کی بدقسمتی ہے کہ وہ مغفرت اور رحمت کی بجائے خدا کی لعنت کو اختیار کرتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ صرف بھوکا رہنے سے خدا خوش نہیں ہوتا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ صرف راتوں کو جاگنے سے صرف قیامِ لیل یا احیاءِ لیل سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہوتا۔ بہت سے وہ بھی ہیں جو بھوکے رہتے ہیں مگر روزے کا ثواب حاصل نہیں کر سکتے۔ بہت سے ایسے بھی ہیں جو راتوں کو جاگتے ہیں مگر ان پر ملائکہ کا نزول نہیں ہوتا۔ جو نزول ان بندوں پر ہوتا ہے جو خدا تعالیٰ کے لئے اخلاص کے ساتھ، فروتنی اور عاجزی کے ساتھ راتوں کو جاگ کر اس کے حضور جھک کر اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہیں اور سب کچھ کرنے کے بعد بھی اسے وہ یہی کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم تہی دست ہیں کیونکہ جو کچھ ہم تیرے سامنے پیش کر رہے ہیں اس کے متعلق ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس کے اندر کوئی ایسا کیڑا تو نہیں جو تیری ناراضگی کا موجب ہو۔ پس بجائے اس کے ہم یہ کہیں کہ ہم تیرے حضور اپنے اس عمل کا تحفہ پیش کرتے ہیں۔ ہم آج تجھے یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم جو کچھ پیش کر رہے ہیں اسے نظر انداز کر دے۔ ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہمیں اپنی مغفرت اور اپنی رحمت کی چادر میں لپیٹ لے۔ ہمیں نہ کسی عمل کا دعویٰ نہ ہم اس کا انعام تجھ سے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ہم یہ دعویٰ ضرور کرتے ہیں کہ تو نے اپنی ذات کو غفور بھی کہا ہے اور رحیم بھی کہا ہے۔ پس تجھے تیرے غفور ہونے کا واسطہ، تجھے تیرے رحیم ہونے کا واسطہ، ہمیں اپنی مغفرت کی چادر کے نیچے چھپا لے اور ہمیں اپنی رحمتوں سے نواز کہ اگر تو ہمیں محض اپنے فضل سے اپنی مغفرت کی چادر میں لپیٹ لے، اگر تو اپنی صفتِ رحیم کو جوش میں لا کر ہم پر اپنی رحمت کا سایہ کر دے تو یہ ناقص عمل ہم نے کیا کرنے ہیں؟ اور ان کا ہمیں کیا فائدہ؟؟ عمل تو ہم نے اس لئے کئے تھے کہ ہم تیری خوشنودگی، تیری رضا کو حاصل کر لیں۔ جب تیری مغفرت کے ذریعہ، جب تیری رحمت کے ذریعہ وہ ہمیں مل گئی تو ہم یہ کیوں کہیں؟ کہ

اے خدا! ہم نے کچھ نیک کام کئے تھے ان کی جزا ہمیں دے۔

اس کے ساتھ ہی حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ جو شخص خدا کی راہ میں اعمالِ صالحہ بجالانے سے گریز کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ میں بغیر کسی عمل کے اس کی خوشنودی کو حاصل کرلوں گا وہ بھی غلطی پر ہے وہ بھی خدا کو ناراض کرنے والا ہے۔

تو درمیانہ راستہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے پیش کیا ہے وہ یہ ہے کہ اعمال میں کوتاہی نہ کرو اور نیک اعمال بجالانے میں غفلت نہ برتو جس حد تک ممکن ہو سکے دن اور رات اعمالِ صالحہ بجالاتے ہوئے اپنی زندگی کی گھڑیوں کو گزارو لیکن اس کے ساتھ ہی یہ نہ سمجھو کہ تم اپنے عمل کے نتیجہ میں کچھ بن گئے۔ یا تمہارے عمل کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ تم سے خوش ہو جائے گا اور راضی ہو جائے گا کیونکہ تم نہیں کہہ سکتے کہ تمہارے اعمال میں ریاء کے، تمہارے اعمال میں تکبر کے، تمہارے اعمال میں خودنمائی اور خود پسندی کے، تمہارے اعمال میں دوسروں کے لئے حقارت کے ایسے جراثیم نہیں پائے جاتے جو خدا کو ناراض کر دیتے ہیں۔

پس عمل کرو، عمل کرو اور عمل کرو لیکن سب کچھ کرنے کے بعد یہ سمجھو کہ تم خالی ہاتھ اور تہی دست ہو۔ جب تک خدا کی مغفرت جب تک خدا کی رحمت تمہیں حاصل نہ ہو تم خدا کے قہر اور اس کے غضب اور اس کی لعنت سے اپنے آپ کو محفوظ نہیں رکھ سکتے۔

تو میں آج اپنے دوستوں سے کہوں گا کہ اے میرے پیارے بھائیو!!! یہ مہینہ رحمتوں کے لٹانے کا ہے خدا آسمان سے زمین پر اس لئے آیا ہے کہ اس کے بندے اس کے سامنے جھولیاں پھیلائیں اور اس کی رحمت کو اس کی مغفرت کو، اس کے فضلوں کو، اس کی برکتوں کو اور اس کی رضا کو پائیں۔ اس کی خوشنودی حاصل کریں۔ اس کے نور سے اپنے سینہ و دل کو منور کریں۔

پس اس مہینہ سے جتنا زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکتے ہو اٹھاؤ۔ اس مہینہ میں اللہ تعالیٰ کی جتنی رضا تم پا سکتے ہو۔ اس کے پانے کی کوشش کرو۔ اپنے دنوں کو بھی اپنی راتوں کو بھی ایسے دن اور ایسی راتیں بناؤ کہ جو دن اور جو راتیں تمہارے خدا کو محبوب بن جائیں۔ پھر عاجزی کے ساتھ دعائیں کرتے رہو کہ اے خدا ان کاموں کی ہمیں توفیق دے جن کے نتیجہ میں تو خوش ہو جائے اور

ان کاموں سے ہمیں بچا جن کاموں کے نتیجہ میں تو ہم سے ناراض ہوتا ہے۔ شیطان تیرے در کا کتا ہے۔ تو خود اس کو زنجیر ڈال کہ وہ ہم پر حملہ آور نہ ہو اور ہمیں نقصان نہ پہنچائے کہ اپنی طاقت اور اپنے زور کے ساتھ ہم اس کے حملوں سے اپنے کو محفوظ نہیں رکھ سکتے۔

خدا تعالیٰ کی رحمت کے بہت سے دروازوں میں سے رحمت کا ایک دروازہ جو ہم پر کھولا گیا ہے۔ وہ وقفِ جدید کا دروازہ ہے۔ اس نظام کے ذریعہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے ہمارے لئے نیکیاں کرنے اور رحمتیں کمانے کا سامان پیدا کر دیا۔ وقفِ جدید کا سال یکم جنوری سے شروع ہوتا ہے۔ آج ۳۰ /دسمبر ہے کل کا ایک دن بیچ میں رہ گیا ہے اس طرح نیا سال پرسوں شروع ہوگا۔ ہر نیا سال جو چڑھتا ہے وہ کچھ نئی ذمہ داریاں لے کر آتا ہے اور کچھ نئی قربانیوں کا مطالبہ کرتا ہے، یا قربانیوں میں کچھ زیادتی کا مطالبہ کرتا ہے اور اس کے مقابلہ میں خدا کی نئی رحمتوں کے دروازے بھی وہ کھولتا ہے۔

ہر تحریک جو اعلائے کلمۃ اللہ اور غلبہ اسلام کے لئے جماعت احمدیہ میں جاری کی گئی ہے وہ اس آیت کے ماتحت جاری کی گئی ہے۔ نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ کہ کسی طرح افرادِ جماعت اور ہماری آئندہ نسلیں بھی اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور اس کی رحمت کو حاصل کرنے والی بنیں۔ پس ہمیں چاہیے کہ اپنی طرف سے زیادہ سے زیادہ جدوجہد یا اجتہاد یا مجاہدہ ہم کریں تا کہ خدا تعالیٰ کی رضا کو حاصل کر سکیں اور پھر جیسا کہ میں نے بتایا ہے ایک مومن بندہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی اپنے آپ کو تہی دست پاتا اور تہی دست سمجھتا اور یقین رکھتا ہے۔ وقفِ جدید کی تنظیم جماعت کی تربیت کے لئے بڑی اہم تنظیم ہے۔ اس کی اہمیت کو پوری طرح ابھی تک جماعت نے نہیں سمجھا کیونکہ اگر وہ سمجھتے تو اس سے وہ بے اعتنائی نہ برتتے جو آج برت رہے ہیں۔ وقفِ جدید کو جاری ہوئے ۸، ۹ سال گذر چکے ہیں اور ابھی تک اس کا چندہ ڈیڑھ لاکھ تک بھی نہیں پہنچا۔ حالانکہ تربیت کے جو کام اس تنظیم کے سپرد کئے گئے ہیں۔ وہ اتنے زیادہ ہیں کہ ان کاموں کے کرنے کے لئے ڈیڑھ لاکھ تو کوئی چیز ہی نہیں ہے۔ پھر اس کے لئے جس تعداد میں واقفین آئے ہیں وہ تعداد بھی (جیسا کہ میں نے پہلے بھی اپنے ایک خطبہ میں بتایا تھا) ناکافی ہے۔ میں نے کہا

تھا کہ آئندہ سال جماعت کو یہ کوشش کرنی چاہیے کہ وہ کم از کم ایک سَو واقف وقفِ جدید کے انتظام میں پیش کرے۔ مجھے بتایا گیا ہے اور اخبار الفضل میں بھی بعض نوٹ چھپے ہیں کہ ابھی تک بہت کم نوجوانوں نے یا جوان دل ادھیڑ عمر کے احمدیوں نے اس کلاس کے لئے وقفِ جدید میں نام پیش کئے ہیں۔ جو یکم جنوری سے یا جنوری کے پہلے ہفتہ میں شروع ہو رہی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جماعت نے اس کی اہمیت کو نہیں سمجھا۔

میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس طرف متوجہ کرنے کے لئے کہ وقفِ جدید کی تنظیم بڑی اہم ہے اور اس کی طرف توجہ کرنی چاہیے اور جماعت کو بھی متوجہ کرنا چاہیے۔ میرے دل میں یہ القا کیا کہ میں وقفِ عارضی کی تحریک جاری کروں کیونکہ وقفِ عارضی کے جو اچھے اور خوشکن نتائج نکل رہے ہیں اور جو فوائد ہم اس سے حاصل کر رہے ہیں۔ ان میں سے ایک فائدہ جو ہمیں وقفِ عارضی سے حاصل ہوا۔ وہ یہ ہے کہ جو رپورٹیں سینکڑوں جماعتوں میں وقفِ عارضی کے واقفین نے کام کرنے کے بعد ہمیں دیں ان میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ جماعتوں میں وقفِ جدید کے معلمین کی اشد ضرورت ہے۔

تو جو چیز چھپی ہوئی تھی اور وقفِ جدید کی جو اہمیت ہماری نظروں سے اوجھل تھی وہ وقفِ عارضی کے واقفین کی رپورٹوں سے ہماری آنکھوں کے سامنے آ گئی اور ہم میں یہ احساس پیدا ہوا کہ ہم سے ایک بڑا گناہ سرزد ہوا ہے کہ ہم نے اپنے امام کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے وقفِ جدید کے مطالبات پورا کرنے میں اتنی کوشش اور محنت نہیں کی جتنی ہمیں کرنی چاہیے تھی اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جو مقصد وقفِ جدید کے قیام کا تھا وہ پوری طرح حاصل نہیں کیا جا سکا۔

پس ایک تو آج میں وقف جدید کے سال نو کا اعلان کرتا ہوں اور دوسرے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس اعلان کا یہ مطلب نہیں کہ بس میں نے ایک آواز اٹھائی اور وہ آواز اخبار میں چھپ گئی۔ لوگ خاموش ہو گئے اور سو گئے۔ بلکہ سالِ نو کے اعلان کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے دل میں یہ احساس پیدا ہو کہ نیا سال آ رہا ہے۔ مختلف زاویوں اور پہلوؤں سے نئی ذمہ داریوں اور نئی قربانیوں کو ہم اپنی آنکھوں کے سامنے لا سکتے ہیں اور ان میں سے ایک ذمہ داری وقفِ جدید کی ہے۔

اس ذمہ داری کو اپنے سامنے رکھیں جتنے روپے کی ہمیں ضرورت ہے وہ مہیا کریں اور بطور معلمین جتنے آدمیوں کی ہمیں ضرورت ہے ہمیں دیں اور مخلص واقف دیں۔ خدا تعالیٰ کی محبت رکھنے والے اور اس کی خاطر تکالیف برداشت کرنے والے، اس کے عشق میں سرشار ہو کر اس کے نام کو بلند کرنے والے، مسیح موعود علیہ السلام پر حقیقی ایمان لانے کے بعد اور آپؑ کے مقام کو پوری طرح سمجھنے کے بعد جو ایک احمدی کے دل میں ایک تڑپ پیدا ہونی چاہیے کہ تمام احمدی اس روحانی مقام تک پہنچیں جس مقام تک حضرت مسیح موعود علیہ السلام انہیں لے جانا چاہتے تھے۔ اس تڑپ والے واقفین ہمیں وقفِ جدید میں چاہئیں۔

تو ایک تو وقفِ جدید کے چندوں کی طرف متوجہ ہوں۔ دوسرے وقفِ جدید کے لئے جتنے اور جس قسم کے احمدیوں کی ضرورت ہے۔ بطور معلم کے وہ آدمی اتنی تعداد میں مہیا کرنے کی کوشش کریں۔ ہماری جماعت میں سے سو آدمی کا مہیا ہو جانا کوئی مشکل نہیں ہے۔ بشرطیکہ ہم اس طرف توجہ کریں۔ بعض جماعتوں کے عہدیداروں نے جیسا کہ رپورٹوں سے پتہ لگتا ہے جماعتوں کو بتایا ہی نہیں کہ مرکز سے کیا آواز اٹھ رہی ہے، کیا مطالبہ ہو رہا ہے اور کیا ذمہ داریاں ان پر عائد ہوتی ہیں اور اس کے مقابلہ پر اللہ تعالیٰ کی کس قدر اور کس شان کے ساتھ رحمتیں نازل ہو رہی ہیں۔ ایسی جماعت کے دوست نیم بیہوشی کی سی حالت میں یہ سمجھتے ہیں (ایمان تو ہے۔ ایمان کی چنگاری تو سلگ رہی ہے) کہ ہم اسی طرف چل رہے ہیں جس طرف ہمیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام چلانا چاہتے تھے۔ مگر وہ یہ نہیں سمجھتے کہ ہم اس رفتار سے نہیں چل رہے جس رفتار سے مسیح موعود علیہ السلام ہمیں چلانا چاہتے تھے۔ نہ اس بشاشت کے ساتھ ان راہوں پر چل رہے ہیں۔ نہ اتنے اخلاص کے ساتھ ان راہوں پر چل رہے ہیں۔ نہ اتنی قربانیوں کے ساتھ ان راہوں پر چل رہے ہیں جس بشاشت جس اخلاص اور جن قربانیوں کا ہمارا بیعت کا عہد ہم سے مطالبہ کرتا ہے۔

پس چست ہونے کی ضرورت ہے اخلاص میں برتر ہونے کی ضرورت ہے۔ قربانیوں میں تیز تر ہونے کی ضرورت ہے۔ جس مقصد کے لئے ہمیں قائم کیا گیا اور زندہ کیا گیا اور منظم کیا گیا ہے اس مقصد کے قریب تر ہونے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ کو بھی اپنی ذمہ داریوں

کو نباہنے کی توفیق عطا کرے۔ نَبِّئْ عِبَادِیْٓ اَنِّیْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ میں جس بشارت کی طرف ہمیں متوجہ کیا گیا ہے۔ وَ اَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ میں جس شدید عذاب سے بچنے کے لئے ہمیں تلقین کی گئی ہے۔ اس کے پیش نظر میری توجہ اس طرف بھی پھری کہ یہ سال وہ ہے کہ جو رمضان کے مہینہ میں ختم ہو رہا ہے اور رمضان کے مہینہ سے ہی نیا سال شروع ہو رہا ہے تو اس میں شاید اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس طرف متوجہ کیا ہے کہ تمہاری قربانیوں کا زمانہ، خدا کے لئے، خدا کی خاطر بھوکے رہنے کا زمانہ، خدا کی رضا کی خاطر راتوں کے آرام کو قربان کرنے کا زمانہ مسلسل چلنے والا ہے کہ ایک سال انہی قربانیوں پر ختم ہو رہا ہے اور دوسرا سال انہی قربانیوں سے شروع ہو رہا ہے لیکن اس میں خوشی کی بات یہ ہے کہ جن قربانیوں سے ہمارا سال شروع ہو رہا ہے یہ وہ قربانیاں ہیں جن میں رمضان کا آخری عشرہ بھی ہے جس میں لَیْلَةُ الْقَدْرِ پائی جاتی ہے۔

تو خدا کرے کہ نیا سال جو ہم پہ چڑھ رہا ہے وہ ہمارے لئے لَیْلَةُ الْقَدْرِ لانے کا موجب بھی بنے۔ یعنی وہ وعدے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ سے ہمیں دیئے گئے۔ (غلبۂ اسلام کے وعدے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت تمام بنی نوع انسان کے دلوں میں پیدا ہو جانے کے وعدے اور توحیدِ خالص کے قیام کے وعدے) ان وعدوں کے پورا ہونے کا ان وعدوں کے متعلق قضاء وقدر کے نزول کا زمانہ، خدا کرے، اس نئے سال سے شروع ہو جائے اور خدا کرے کہ اتنی عظیم بشارتوں کے نتیجہ میں جو اہم ذمہ داریاں خدا کے نیک بندوں پر عائد ہوتی ہیں۔ وہ ہمیں محض اپنے فضل اور رحم سے توفیق دے کہ ہم ان ذمہ داریوں کو نباہنے والے ہوں اور فرشتے تمام عالمین میں یک زبان ہو کر اس صدا کو بلند کریں کہ یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی برگزیدہ جماعت ہے جن پر خدا تعالیٰ کی ابدی شریعت کی یہ آیۃ پوری ہوتی ہے نَبِّئْ عِبَادِیْٓ اَنِّیْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ اور خدا کی مغفرت اور خدا کی رحمت کے یہ لوگ وارث ہوئے ہیں۔

خدا کرے کہ خدا کے فضل سے ایسا ہو ورنہ ہم انفرادی طور پر اور جماعتی لحاظ سے بھی بڑے کمزور ہیں۔ ہم جب اپنے ربّ کے حضور جھکتے ہیں تو شرمندگی کے آنسوؤں سے ہمارے دامن تر ہوتے ہیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ اس کی راہ میں جو ہمیں کرنا چاہیے تھا وہ ہم نے نہیں کیا اور تہی دست

ہی خدا کے سامنے پیش ہو رہے ہیں۔ دعائیں کرتے ہوئے کہ اے خدا! ہم کمزور ہی سہی مگر تیری صفات تو کمزور نہیں۔ تو تمام قدرتوں والا تو تمام طاقتوں والا تو ہر قسم کی رحمتوں والا ہے، تمام رحمتوں اور برکات کا سرچشمہ اور منبع تو ہے۔ ہم بنجر زمین ہی سہی مگر جس بنجر زمین پر تیری رحمتوں کے چشمے بہیں گے وہ یقیناً یقیناً جنت کے باغات بن جائیں گے۔

پس اے خدا! اپنی رحمت کے چشموں سے ہماری بنجر زمین کو سیراب کر۔ اے خدا! ہمارے ذریعہ سے ان وعدوں کو پورا کر جو تو نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دیئے تھے۔ اے خدا ہمیں یہ توفیق عطا کر کہ ہم ان قربانیوں کو تیرے حضور پیش کریں جو تو اپنی اس جماعت سے چاہتا ہے اور اے خدا! ہماری زندگیوں میں وہ دن لا جب ہم یہ دیکھیں کہ تیری توحید دنیا میں قائم ہو چکی ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اسلام نے تمام ادیانِ باطلہ کو شکست دے دی ہے۔ اے خدا! تیرے نور سے یہ دنیا بھر جائے اور تیری نورانی تجلّی سے ہمارے سینے منور ہو جائیں۔ آمین۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۴؍جنوری ۱۹۶۷ء صفحہ ۲ تا ۵)

تمہاری ہر رات لیلۃ القدر کی کیفیت رکھتی ہو اور ہر دن جمعۃ الوداع کا رنگ رکھتا ہو

خطبہ جمعہ فرمودہ ۶ ؍جنوری ۱۹۶۷ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت پڑھی ۔
يَاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ۔(الانشقاق:۷)
پھر فرمایا:۔

بیماری اور ضعف ابھی جاری ہے۔ بھائیوں سے درخواست ہے کہ دعا فرماتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ کامل صحت عطا کرے تا پورا کام کرنے کے میں قابل ہوسکوں۔

اس آیۂ کریمہ سے پہلے سورۂ انشقاق میں یہ مضمون بیان ہوا ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ انسان اپنی مادی ترقیات کے لئے انتہائی کوشش کرے گا پانی کی طرح وہ اپنا روپیہ بہائے گا۔ مادی ترقیات کے لئے وہ جس قدر بھی ضرورت ہوگی جان تلف کرنے میں بھی دریغ نہیں کرے گا۔ زمین اور آسمان کے راز دریافت کرنے کی انتہائی کوشش بھی کرے گا اور ایک حد تک کامیاب بھی ہوگا اور اس کثرت سے نئی دریافتیں ظاہر ہوں گی کہ انسان یہ سمجھنے لگے گا کہ شائد اس نے خدائی کے سارے ہی راز معلوم کر لئے ہیں اور اب کوئی چیز ایسی باقی نہیں رہی کہ جس کے دریافت کرنے کی اسے ضرورت ہو زمین کو چھوڑ کے اور زمین کی وسعتوں میں تنگی محسوس کرتے

ہوئے وہ آسمان کی طرف رجوع کرے گا اور زمین کے ان ٹکڑوں تک پہنچنے کی کوشش کرے گا۔ جو کسی وقت اللہ تعالیٰ کے قانون کے ماتحت زمین سے علیحدہ ہوئے اور علیحدہ کرکے انہوں نے بنائے۔ جن کا تعلق نظامِ شمسی سے ہے اور جس طرح زمین کی مختلف اشیاء سے وہ فائدہ اُٹھا رہا ہے۔ اسی طرح اس کی یہ کوشش ہوگی کہ وہ آسمان کے ان ستاروں سے بھی فائدہ اٹھائے اور اس طرح اپنی زمین میں ایک وسعت پیدا کرے اور اس کو پھیلا دے۔

پس انسان کا دماغ اس وقت اس کام میں لگا ہوا ہوگا کہ وہ زمین کے راز بھی زیادہ سے زیادہ حاصل کرے اور زیادہ سے زیادہ ان رازوں سے فائدہ اُٹھائے اور آسمان کے ستاروں پر بھی وہ کمند ڈالے گا اور ان تک پہنچنے کی کوشش کرے گا اور ان سے اسی طرح فائدہ اٹھانے میں مشغول ہوگا جس طرح کہ زمین کی مختلف چیزوں سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔

پھر یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس زمانہ میں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فرزندِ جلیل مامور اور مبعوث کئے جائیں گے۔ اور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو ثابت کرنے کے لئے اور توحیدِ خالص کے قیام کے لئے آسمان سے بڑی کثرت کے ساتھ نشان ظاہر ہوں گے۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ایک دنیا خدا کو بھول چکی ہوگی۔ خدا کی منکر ہوگئی ہوگی۔ دہریت کو انہوں نے اختیار کرلیا ہوگا۔

چونکہ دلائل کے مقابلہ میں آسمانی نشان دہریہ قسم کے لوگوں پر زیادہ اثر کرتے ہیں اور جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ وہی آسمان سے نازل کرتا ہے۔ تو جہاں یہ فرمایا کہ کثرت کے ساتھ آسمان سے نشان ظاہر ہوں گے وہاں اس طرف بھی متوجہ کیا کہ انسان کثرت سے مذہب کو چھوڑ کے دہریت کی طرف مائل ہوجائے گا اور خدا کا منکر ہوجائے گا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مادی ترقیات کے لئے تو اتنی جستجو، اتنی قربانیاں مالی بھی اور جانی بھی، کہ کسی چیز کے خرچ کرنے سے دریغ نہیں کیا جائے گا۔ لاکھوں آدمیوں کی جان بھی قربان کرنی پڑے تو کسی نہ کسی بہانے وہ قربان کردی جائیں گی تا کہ زیادہ سے زیادہ آسمانی اور زمینی رازوں کو اس زمانہ کے سائنسدان حاصل کرسکیں اور اس زمانہ کی قومیں ان رازوں سے فائدہ اُٹھا

سکیں لیکن دوسری طرف جہاں تک دین اور مذہب اور روحانیت کا سوال ہے اس زمانہ کے انسان کی خو بہانہ جو ہو گی۔ وہ سعی کرنے کی بجائے، کوشش کرنے کی بجائے اور اجتہاد اور مجاہدہ کرنے کی بجائے تعویذ گنڈے کی طرف، جمعۃ الوداع کی طرف، لیلۃ القدر کے غلط تصور کی طرف متوجہ ہو گا اور سمجھے گا کہ بغیر کسی قربانی کے میں مادی ترقی تو نہیں حاصل کر سکتا۔ لیکن بغیر کسی قربانی کے میں اپنے ربّ کو اور اس کے فضلوں کو پا سکتا ہوں۔

یہ ذہنیت اس وقت انسان میں پیدا ہو چکی ہو گی! تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ نہیں! يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ اگر تو اپنے ربّ سے ملاقات کرنا چاہتا ہے اگر تیرے دل میں یہ خواہش کروٹیں لے رہی ہے کہ تو اپنے رب کا دیدار کرے اور اس کی زیارت کرے تو پھر تجھے کَدْح کرنی پڑے گی۔ کَدْح عربی زبان میں ایسی کوشش کے ہوتے ہیں جو انسان کو تھکا دے اور كَادِحٌ كَدْحًا میں انتہائی کوشش کی طرف اشارہ ہے تو فرمایا پوری کوشش، انتہائی سعی کرو گے تب تم اپنے رب کو مل سکو گے یہ تو نہیں ہو سکتا کہ دنیا کی تلاش ہو تو ہر قسم کی قربانیاں تم پیش کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ اور اپنے ربّ کی تلاش ہو تو کسی قسم کی قربانی پیش کرنے کی طرف تمہاری طبائع مائل نہ ہوں تم تعویذ اور گنڈے کی طرف جھکنے لگ جاؤ۔ تم جمعۃ الوداع کے ساتھ مذاق کرنے لگ جاؤ کہ سارا سال جو مرضی کرتے رہے جمعۃ الوداع آیا جا کے نماز پڑھی سارے گناہ معاف کروائے یا تم لیلۃ القدر کا سہارا ڈھونڈنے لگ جاؤ کہ بس ایک رات کا قیام جو ہے وہ ہمارے لئے کافی ہے۔ باقی جو سال بھر کی راتیں ہیں اس میں غفلت کی نیند اگر ہم سوئے بھی رہے تو ہمارا کوئی نقصان نہیں۔

خدا تعالیٰ فرماتا ہے یہ نہیں اگر تمہیں خدا کی تلاش ہے اگر تم اس کا مقرب بننا چاہتے ہو اگر تمہارے دل اور تمہاری روح اس تڑپ میں مبتلا ہیں کہ تمہارے ربّ کا تمہیں دیدار ہو جائے تو تمہیں انتہائی کوشش سے کام لینا پڑے گا۔

اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ اگر تم خدا تعالیٰ کی راہ میں انتہائی کوشش نہ کرو گے اور مجاہدہ کے حقوق ادا نہ کرو گے اور اپنی طاقت کا آخری حصہ تک اس کی راہ میں قربان کرنے کے لئے

تیار نہیں ہو جاؤ گے۔ اگر تم اپنے سارے اموال قربان کر کے، اگر تم اپنی ساری لذات قربان کر کے، اگر تم دنیا کی تمام خواہشات قربان کر کے، اگر تم اپنی اولاد اور رشتہ داروں کو اور ان کی محبتوں کو قربان کر کے اس کی طرف آنے کی کوشش نہیں کرو گے تو وہ تمہیں نہیں ملے گا۔ وہ تمہیں صرف اس وقت مل سکتا ہے جبکہ تم جتنی کوشش اور جتنی قربانی دنیا کے حصول اور دنیا کی ترقیات اور دنیا کے رازوں کو معلوم کرنے کے لئے دے رہے ہو اس سے زیادہ قربانیاں اپنے خدا کی تلاش میں اس کے حضور پیش کرو۔ ہاں! پھر وہ تمہیں مل جائے گا۔

اگر ہم سوچیں تو یہ ''جمعۃ الوداع'' (اگر اس پر صحیح نقطۂ نگاہ سے نگاہ ڈالیں) اور یہ ''لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ'' ہمارے لئے بطور ایک سبق کے ہے بات یہ ہے کہ وہ انسان جو بہانہ تلاش کرتا ہے اور بغیر قربانی کے اپنے ربّ کو پا لینے کی امید رکھتا ہے وہ تو ایک رات اور ایک دن کی تلاش میں ہے اور اگر ہم سوچیں تو وہ دن کا گناہ بھی کر رہا ہے اور رات کا گناہ بھی کر رہا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ سارے سال میں ایک دن (جمعۃ الوداع) کی عبادت میرے لئے کافی ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ سارے سال کی راتوں میں سے ایک رات (لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ) کا قیام میرے لئے کافی ہے حالانکہ اگر صحیح نقطۂ نگاہ سے ہم اس دن اور اس رات کو دیکھیں تو ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہر وہ دن جو خدا کی یاد میں خرچ ہو وہ تو جمعۃ الوداع کا ہی رنگ رکھتا ہے جس میں انسان سارے دنیوی علائق کو چھوڑ کر اور دنیا کے کاموں کو چھوڑ کر اور پوری تیاری کرنے کے بعد اور کثرت کے ساتھ تلاوتِ قرآن کرنے کے بعد (اور پھر جمعہ کے بعد بھی تلاوت قرآن کر کے) اور تمام آداب جمعہ کو بجا لا کر خدا کی رضا کو تلاش کرتا ہے تو ہمیں یہ بتایا کہ تمہارا وہ دن جو خدا کو پیارا ہو سکتا ہے اور جس کے نتیجہ میں خدا کا قرب تم حاصل کر سکتے ہو اور جس کی وجہ سے خدا کا دیدار تمہیں نصیب ہو سکتا ہے۔ وہ تو وہ دن ہے جو جمعۃ الوداع کی طرح دنیا اور اس کی لذتوں سے بیزار اور کلیۃً اپنے ربّ کے حضور جھکا ہوا ہو۔ پس سال کے ہر دن کو اس معنی میں جمعۃ الوداع بناؤ اگر تم خدا کو پانا چاہتے ہو۔

''لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ'' ہمیں یہ بتاتی ہے کہ خدا کی تقدیریں تمہارے حق میں اور تمہارے فائدہ کے لئے اس وقت حرکت میں آئیں گی جب تم راتوں کو اپنے رب کے لئے زندہ کرو گے۔ اگر تم یہ

چاہتے ہو کہ ہر روز تمہارا خدا تمہارے لئے اپنی تقدیر کی تاریں ہلائے تو تمہیں ہر رات کو لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ بنانا پڑے گا۔ اگر تم اپنی ہر رات کو لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ نہیں بناتے۔ بلکہ غفلت میں اور سوتے ہوئے سارے سال کی راتوں کو گزار دیتے ہو تو ایک لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ سے تمہیں کیا فائدہ؟ پس اگر میرا قرب حاصل کرنا چاہتے ہو۔ اگر روحانی ترقیات چاہتے ہو تو تمہارے لئے ضروری ہے کہ تمہاری ہر رات لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ کی کیفیت رکھتی ہو اور تمہارا ہر دن جمعۃ الوداع کی کیفیت رکھتا ہو۔ اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو خدا تعالیٰ کی رضا کو نہیں پاسکو گے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں وہ راہیں دکھائے جن پر چل کر ہم اس کے قرب اور اس کی رضا اور اس کے دیدار کو حاصل کرسکیں۔ آمین۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۱۱؍جنوری ۱۹۶۷ء صفحہ ۲، ۳)

احبابِ ربوہ محبت اور خلوص کے ساتھ مہمانوں کی ہر ممکن خدمت کرنے کی کوشش کریں

خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۳؍جنوری ۱۹۶۷ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

آج میں دوستوں سے جلسہ سالانہ کے متعلق بعض باتیں کہنا چاہتا ہوں۔ باہر کی جماعتوں سے تو میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ انہیں ان وعدوں کو یادر کھتے ہوئے اور ان دعاؤں کو ذہن میں حاضر رکھتے ہوئے کہ جو وعدے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس بابرکت جلسہ کے متعلق کئے اور جو دعائیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس جلسہ کو بابرکت بنانے کے لئے اپنے ربّ کے حضور کیں۔ زیادہ سے زیادہ اس بابرکت جلسہ میں انہیں شمولیت اختیار کرنی چاہیے ان کو بھی جو عادۃً جلسہ میں شامل ہوتے ہیں اور ان کی زندگی کا ایک ضروری جز جلسہ کی شمولیت بھی بنی ہوئی ہے اور سوائے اشد مجبوری کے وہ جلسہ سے غیر حاضر رہنا کسی صورت میں بھی برداشت نہیں کر سکتے اور ان لوگوں کو بھی اس جلسہ میں شامل ہونے کے لئے یہاں تشریف لانا چاہیے۔ جو اس وقت تک اس معاملہ میں سستی دکھاتے آ رہے ہیں۔

اس کے علاوہ بہت سی دیہاتی جماعتیں ہیں۔ جہاں سے کم دوست جلسہ میں شامل ہونے کے لئے تشریف لاتے ہیں۔ اگرچہ بہت سی ایسی دیہاتی جماعتیں بھی ہیں کہ جہاں سے بڑی

کثرت سے دوست آتے ہیں اور جلسہ میں شامل ہوتے ہیں۔ لیکن اس وقت میں ان دیہاتی جماعتوں کو مخاطب کر رہا ہوں جہاں سے بہت کم احمدی جلسہ میں شامل ہوتے ہیں اور میں ان کی توجہ ان کے ضلع کے امیر اور ان کے ضلع کے مربی کی وساطت سے اس طرف پھیرنا چاہتا ہوں کہ وہ اس غفلت اور سستی کو ترک کر دیں اور جو جلسہ اب آ رہا ہے۔ اس میں شامل ہونے کی نیت بھی کریں اور تیاری بھی کریں اور دعائیں بھی کریں کہ اللہ تعالیٰ انہیں توفیق عطا کرے کہ وہ اس جلسہ میں شامل ہوں اور ان فیوض اور برکات سے حصہ لیں جن فیوض اور برکات کی دعائیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیں۔ جن فیوض و برکات کے وعدے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیئے۔

اس کے بعد میں ربوہ کے دوستوں سے بھی کچھ باتیں کہنا چاہتا ہوں۔ باہر سے آنے والے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مہمان ہیں۔ باہر سے آنے والے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مہمان ہونے کی وجہ سے ہمارے بڑے ہی باعزت اور قابل صد احترام مہمان ہیں۔ ان کی عزت کا ان کے احترام کا خیال رکھنا اور ان کے آرام کا خیال رکھنا ہمارے لئے ضروری ہے۔ ایک طرف اس کی ذمہ داری جلسہ سالانہ کے انتظام پر ہے کہ وہ جس حد تک ممکن ہو سکے اچھا اور ستھرا کھانا تیار کریں۔ جس حد تک ممکن ہو سکے نہایت عزت کے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مہمانوں کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لنگر کا پکا ہوا کھانا پیش کریں اور کھلائیں اور جس حد تک ممکن ہے ان کی تکالیف کا خیال رکھیں۔ کسی قسم کی کوئی تکلیف جسمانی یا ذہنی انہیں پہنچنے نہ دیں۔

دوسری طرف تمام اہلِ ربوہ پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ان دنوں میں خاص طور پر اس بات کا خیال رکھیں کہ ربوہ کا ماحول ظاہری طور پر بھی اور باطنی لحاظ سے بھی ہر طرح پاک صاف اور ستھرا رہے۔ گھروں میں گند نہ ہو، گھروں سے باہر گند نہ پھینکا جائے، سڑکوں اور گلیوں کو صاف رکھا جائے، باطنی طہارت کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعائیں کی جائیں کہ وہ اہلِ ربوہ کو اس بلند اور اَرفع مقام پر قائم رکھے۔ جس بلند اور اَرفع مقام پر باہر سے آنے والے دوست انہیں دیکھنا چاہتے ہیں۔

پھر دوکانداروں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اچھی اور ستھری چیز رکھیں اور مناسب نرخوں پر انہیں فروخت کریں اور بیع وشراء میں کسی قسم کا جھگڑا نہ ہونے دیں۔ قولِ سدید سے کام لیں کوئی پیچ پیچ میں نہ ہو، جو بعد میں کسی قسم کی بدمزگی یا بدظنی کا باعث بنے۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ اشیاء دو نقطہ ہائے نگاہ سے ستھری اور عمدہ کہلاتی ہیں، ایک وہ جو ظاہر میں ستھری ہوں اور ایک وہ جو اپنے اثر کے لحاظ سے صحت مند ہوں۔ ایسی غذائیں (کھانے پینے کی چیزیں) جن کا صحت پر اچھا اثر نہیں پڑتا، ربوہ کے دوکانداروں کو نہیں لانی چاہئیں نہیں بیچنی چاہئیں۔ پس صحت مند اغذیہ ہماری دوکانوں پر بکنی چاہئیں۔

اہلِ ربوہ اور کارکنانِ جلسہ کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ ان دنوں میں خاص طور پر یہ دعائیں کرتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ اس اجتماع کو ہر لحاظ سے بابرکت کرے اور جیسا کہ محض اپنے فضل سے وہ پہلے کرتا آیا ہے کہ باوجود اس قدر عظیم اجتماع کو اور باوجود اس کے کہ صحتِ جسمانی کا عام معیار اتنا بھی نہیں ہوتا جتنا بعض دوسرے میلوں پر ہوتا ہے۔ باوجود ان ساری چیزوں کے اللہ تعالیٰ نے اس اجتماع کو ہر قسم کی بیماری اور وباء سے محفوظ رکھا ہوا ہے۔ پس دعا کرنی چاہیے کہ جیسا وہ پہلے محفوظ رکھتا چلا آیا ہے اس جلسہ پر بھی اور آئندہ جلسوں پر بھی وہ احبابِ جماعت کو خواہ باہر سے آنے والے مہمان ہوں یا ربوہ میں بسنے والے ہوں۔ ہر قسم کی وباء اور بیماری سے محفوظ رکھے اور اس طرح اپنے فضل اور رحمت کو ہم پر نازل کرے کہ دیکھنے والی نگاہ میں یہ بھی ایک معجزہ سے کم نہ ہو جیسا کہ حقیقتاً یہ ایک معجزہ ہے۔

ایسے بڑے اجتماعات پر جہاں مرد بھی کثرت سے شامل ہوں اور مستورات بھی کثرت سے شامل ہوں اس بات کا خاص خیال رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے کہ جو احکام اسلام نے غضِ بصر وغیرہ کے متعلق دیئے ہیں۔ ان کی طرف خاص توجہ دی جائے۔ ہمارے اس جلسہ میں جہاں باہر سے بڑی کثرت سے مستورات بھی (احمدی بہنیں بھی) آتی ہیں اور مرد بھی آتے ہیں (شہری بھی اور دیہاتی بھی پڑھے ہوئے بھی اور ان پڑھ بھی مختلف عادتوں والے جو مختلف روایات میں سے گزر کر جوان ہونے والے) ہمارے ماحول کی پاکیزگی کے نظارے جب غیر دیکھتے ہیں تو حیران رہ

جاتے ہیں کہ عورتیں ایک طرف چل رہی ہیں اور مرد ایک طرف چل رہے ہیں۔ ہر ایک کا منہ اپنے سامنے ہے اور ہر ایک عورت کو بھی شیطان سے امن حاصل ہے اور ہر ایک مرد کو بھی شیطان سے امن حاصل ہے بڑی پاکیزہ فضا ہے۔

پھر یہ بھی یاد رکھیں کہ لڑائی اور جھگڑا ہر وقت اور ہر مقام پر برا ہے لیکن جہاں اس قسم کے مقدس دینی اجتماعات ہوں وہاں جھگڑے اور فساد سے بہر حال بچنا چاہیے اور اس طرف عام حالات کی نسبت بھی زیادہ توجہ دینی چاہیے۔

اس قسم کے عظیم اجتماعات میں جہاں ۸۰، ۹۰ ہزار مرد وزن دینِ اسلام کی باتیں سننے کے لئے جمع ہوں یہ خطرہ بھی ہوتا ہے کہ وہاں شیطان اپنے بعض چیلے بھی بھیجتا ہے۔ جو بے دینی اور نافرمانی کی باتیں پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ جہاں اس قسم کے دینی اجتماع ہوں۔ وہاں خاص طور پر ہر قسم کی نافرمانی اور فسق و فجور سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے اور اگر کوئی ایسا شخص نظر آئے جو اس نیت سے اس اجتماع میں شامل ہوا ہے کہ وہ فسق اور اباء کی باتیں پھیلائے۔ تو فوراً نظام کو مطلع کیا جانا چاہیے تا کہ ایسے لوگوں کے فتنے کو شروع سے ہی دبا دیا جائے اور کوئی بدمزگی پیدا نہ ہو۔

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ جماعت تقویٰ کے ایک بلند معیار پر قائم ہے۔ محض اس کے فضل سے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسیہ اور اس قوتِ قدسیہ کو حاصل کر کے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وجود سے جو فیضان جاری ہوا اس کے نتیجہ میں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اور پھر ان دو پاک وجودوں کی سب تعریف ہے کہ جو ایک استاد کی حیثیت سے دنیا میں نازل ہوا اور مبعوث کیا گیا صلی اللہ علیہ وسلم اور ایک وہ جو بہترین شاگرد کی حیثیت سے دنیا میں پیدا ہوا اور اس مقدس استاد سے شاگرد نے ہر فیض پایا اور ہر فیض پھر آگے جاری کیا۔

پس جماعت بحیثیت جماعت ایک بلند معیار پر قائم ہے۔ فسق و فجور کی ایسی باتوں سے ہمیں یہ خطرہ یا اندیشہ نہیں ہوتا کہ کسی شخص کو وہ گمراہ کر دیں گی یا ان کی ٹھوکر کا باعث بنیں گی۔ ہمارے دل میں جو خطرہ پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ (خدانخواستہ) بعض جوشیلے آدمی شائد اپنے

جوش کو دبا نہ سکیں اور لڑائی جھگڑے کی کوئی ایسی صورت پیدا ہو جائے جو اس قسم کے مقدس اجتماع میں ہم نہیں پسند کرتے۔

پس اس میں کوئی شک نہیں کہ جماعت بڑے بلند معیار پر قائم ہے۔ مگر اس میں بھی شک نہیں کہ ہم یہ بھی پسند نہیں کرتے کہ ایسے مقدس اجتماع میں کسی خناس کی شرارت کے نتیجہ میں کسی ایک آدمی کی بھی دلآزاری ہو اور اس کی توجہ دعاؤں سے اور عاجزانہ خشوع وخضوع سے ہٹ کے ایسی ناواجب باتوں میں اُلجھ جائے۔

پس اگر باہر سے کوئی ایسے لوگ آجائیں جو یہ سمجھتے ہوں کہ اس اجتماع میں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم سے جاری کیا ہے اور جو بڑی برکات اور فیوض کا حامل ہے اس میں وہ فاسقانہ اور شرانگیز باتوں کو پھیلا سکتے ہیں اور اسی نیت سے وہ یہاں آئے ہوں، تو آپ کا فرض ہے کہ آرام کے ساتھ، بغیر کسی قسم کی بدمزگی پیدا کئے ایسے لوگوں کو نظام کے سپرد کر دیں۔ نظام ان کو سمجھا بجھا کے ایسا انتظام کر دے گا کہ دلآزاری کا باعث نہ بنیں۔

یہاں چونکہ اب ماحولِ ربوہ سے بھی بہت سے لوگ آنے لگے ہیں۔ عام حالات میں بھی آتے ہیں مگر اجتماعات میں تو بڑی کثرت سے آتے ہیں اور اس دفعہ تو چونکہ آٹے وغیرہ کی بہت قلت ہے اس لئے ممکن ہے کہ بعض لوگ جلسہ پر باہر سے صرف کھانا کھانے کے لئے آجائیں۔ اگر ہمارے پاس توفیق ہوتی تو ہم خود بلا کر ان کو کھانا کھلا دیتے۔ لیکن جماعت غریب ہے اور اس پر جو ذمہ داریاں عائد کی گئی ہیں وہ بڑی اہم ہیں اس لئے اس قسم کے لوگوں کو کھانا کھلانے سے ہم معذور ہیں۔ ہمیں اصولی حکم یہ ملا ہے کہ تمہیں خدا دیتا تو بہت ہے اشاعتِ اسلام کے لئے اور اس کے کلمہ کے اعلاء کے لئے لیکن ہمیشہ یہ یاد رکھنا کہ تمہارا ایک دھیلا بھی ضائع نہیں ہونا چاہیے۔ ہم دھیلے دھیلے کی حفاظت کر کے ان برکتوں کو جو آسمان سے نازل ہوتی ہیں سمیٹے ہوتے ہیں اور دھیلے دھیلے کی ہمیں حفاظت کرتے رہنا چاہیے۔ میں نے پہلے بھی اس طرف توجہ دلائی تھی کھانا یا کوئی اور چیز کسی صورت میں بھی ضائع نہیں ہونی چاہیے۔ ایک ایک روٹی ایک ایک لقمہ کا صحیح استعمال ہونا چاہیے ورنہ وہ برکت جاتی رہے گی جو ہماری روٹی میں اللہ تعالیٰ نے رکھی ہے اور میں

یہاں کے رہنے والوں کو تنبیہ کرنا چاہتا ہوں کہ اگر آپ نے اس طرف توجہ نہ دی۔ اگر آپ نے اس بات کا خیال نہ رکھا اور غفلت مجرمانہ کے نتیجہ میں یا جان بوجھ کر آپ نے ہماری کوئی روٹی یا سالن کی کوئی بوٹی ضائع کر دی تو آئندہ سارا سال آپ کو غذائی قلت اور تکلیف میں گزارنا پڑے گا۔

پس خدائی رحمتوں سے اپنے کو اور اپنے خاندانوں کو محروم نہ کریں بلکہ پوری کوشش کریں کہ جماعتی روٹی جو آسمان سے فرشتے لے کر آئے وہ ضائع نہ ہو۔ بلکہ اس کے لقمہ لقمہ ذرّہ ذرّہ کی حفاظت کی جائے اور اس کا صحیح استعمال کیا جائے۔ کیونکہ اس روٹی کے ہر ذرہ میں آسمان کی ایک برکت ہے اور کون بے وقوف ہے جو آسمانی برکتوں کو ضائع کرنے کے لئے تیار ہو جائے۔ پس اس بات کا خاص طور پر خیال رکھیں یہ قلت اور مہنگائی کا زمانہ ہے اس زمانہ میں ہم پر بڑا ہی اہم فرض یہ عائد ہوتا ہے کہ ہر قسم کے ضیاع سے بچیں اور جماعتی پیسہ کو بچائیں اور ذرّہ ذرّہ کی حفاظت کریں اس سلسلہ میں میں اس طرف بھی احباب ربوہ کو توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ یہاں چونکہ امن کا ماحول ہے ہم ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور شفقت سے اور بڑی کثرت سے ملتے ہیں۔ کثرت کے ساتھ ایک دوسرے کے گھروں میں جاتے ہیں گویا ایک ہی برادری ہے جو یہاں بس رہی ہے۔ اس فضا سے غلط فائدہ اٹھا کر بعض چور قسم کی عورتیں اور مرد باہر کے دیہات سے یہاں آ جاتے ہیں اور آرام سے گھروں میں داخل ہو جاتے ہیں اور چوری کر کے چلے جاتے ہیں یاد رکھیں مومن حسنِ ظن تو رکھتا ہے لیکن وہ بیوقوف نہیں ہوتا اور کسی بھی شر سے مغلوب نہیں ہوتا۔ اگر شر ہم پر غالب آ جائے تو ہم پر الزام آئے گا کہ خدا نے تمہیں ایمان دیا، تقویٰ دیا، اپنے قرب کی باریک راہیں تم پر کھولیں، فراست دی، ذہانت اور عقل دی پھر بھی ایک چور جانگلن تمہارے گھر میں آ کر چوری کر کے لے جاتی ہے اور تمہیں خبر تک نہیں ہوتی۔

اس گندے ماحول میں ہمارے بعض بچوں کو بھی اپنی ناسمجھی کی وجہ سے یہ عادت پڑ گئی ہے کہ مسجد میں سے جوتی وغیرہ اُٹھا کر لے گئے۔ (مردوں والے حصہ میں سے یا عورتوں والے حصہ میں سے) اگرچہ چودہ پندرہ ہزار کی آبادی میں دو یا چار ایسے کا ہونا جماعت پر کوئی الزام ثابت

نہیں کرتا لیکن ہمیں اس قسم کا ایک آدمی بھی برداشت نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ تدابیر اور دعا سے کامیاب اصلاح کی کوشش کرنی چاہیے۔

چند ہفتوں کی بات ہے اس سلسلہ میں مجھے بعض مردوں کی طرف سے بھی اور لجنہ اماء اللہ کی طرف سے بھی یہ تحریک کی گئی کہ سختی کے ساتھ اس چیز کو دبانا چاہیے اور کوئی بڑا ہی سخت اقدام کرنا چاہیے ایسے خاندانوں کے خلاف جنہوں نے اپنے بچوں کی صحیح تربیت نہیں کی اور انہیں سنبھالا نہیں۔ اس وقت میرے دل نے یہ فیصلہ کیا مجھے دعا کی طرف متوجہ ہونا چاہیے اور اپنے ربّ سے ہدایت لینی چاہیے کہ وہ کیا چاہتا ہے کہ میں اس معاملے میں کیا کروں؟ تب ایک خواب کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بتایا کہ اس جماعت کے بچے بھی اور بڑے بھی مرد بھی اور عورتیں بھی اطاعت کے ایسے مقام پر قائم ہیں کہ ان پر کسی قسم کی سختی کرنے کی ضرورت نہیں پیار سے ان کو سمجھاؤ یہ سمجھ جائیں گے۔

تو اللہ تعالیٰ کی اس ہدایت کی روشنی میں بڑے درد کے ساتھ اور انتہائی پیار کے ساتھ آپ کی توجہ اس طرف مبذول کرنا چاہتا ہوں کہ اگر ربوہ میں ایک بچہ بھی ایسا ہے جو اس گند میں ملوث ہے۔ اگر ربوہ میں ہماری ایک بچی بھی ایسی ہے جو ایسی گندی عادت میں مبتلا ہے تو خدا کے لئے آپ اس کی تربیت کی طرف متوجہ ہوں اور اس کو بھی دیانت کے اس بلند مقام پر کھڑا کریں دیانت کے جس بلند مقام پر اللہ تعالیٰ جماعت احمدیہ کو کھڑا کرنا چاہتا ہے۔

پھر ان ایام میں اس قسم کے سہو بڑی کثرت سے ہوتے ہیں کسی کا بٹوا کہیں رہ گیا، وضو کرنے لگے گھڑی اُتاری، نہیں یادرہا، کوئی دوست آ گیا باتیں شروع ہوگئیں چلے گئے بعض دفعہ بسترے گاڑی میں رہ جاتے ہیں اور بعض دفعہ جلسہ پر آنے والا ہمارا احمدی بھائی گاڑی میں بسترا رکھ دیتا ہے خود سوار نہیں ہوسکتا۔ بعض دفعہ خود سوار ہو جاتا ہے اور سامان پیچھے چھوڑ دیتا ہے۔ عام طور پر ۱۰۰۰؍۹۹۹ یہی ہوتا ہے کہ ایسے آدمی کا سامان یا اشیاء بٹوا یا روپیہ جو اس کی جیب سے گر جاتا ہے وہ ضائع نہیں ہوتا بلکہ مل جاتا ہے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے، اس فضل کو اپنی جماعت میں قائم رکھنے کے لئے کوشش کرتے رہنا چاہیے۔ دعاؤں کے ساتھ بھی اور تدبیر کے ساتھ بھی۔

ویسے تو ہر وقت ہی مومن کا یہ فرض ہے کہ اس ماحول کو پیدا کرے۔لیکن اس بابرکت اجتماع کے موقع پر خاص توجہ ہمیں اس طرف دینی چاہیے کہ اگر کسی کی جیب سے ایک لاکھ، دس لاکھ کروڑ روپیہ بھی گر جاتا ہے۔تو ایک ایک پائی اور ایک ایک پیسہ اسے واپس مل جائے اور کسی شخص کے دل میں شیطان یہ وسوسہ نہ ڈالے کہ ’’شیطان تیرا رزّاق ہے خدا تیرا رزّاق نہیں موقع ہے شیطان کی بات مان اور اس مال پر قبضہ کر لے‘‘ بلکہ ہر احمدی اس مقام پر کھڑا ہو کہ رزق دینا خدا کا کام ہے اور اگر ہم ناجائز ذرائع سے رزق حاصل کرنے کی کوشش کرتے اور اس میں کامیاب بھی ہو جاتے ہیں تب بھی اس خدا میں طاقت ہے کہ اس رزق کو بھی ہم سے چھین لے اور اس کے علاوہ جو جائز طور پر ہم نے کمایا ہوا ہے اس کو بھی بطور سزا کے ہم سے واپس لے لے۔

پس ہم تو خدائے رزّاق کو ماننے والے ہیں ہم اس گلی کی پرستش نہیں کرتے جس گلی میں ہمارا کوئی مہمان غلطی سے اپنا بٹوا پھینک جاتا ہے اور اس میں دس یا بیس ہزار روپیہ ہوتا ہے۔ہم اس دیوار کے پرستار نہیں ہیں جس پر ہمارا ایک بھائی وضو کرتے وقت اپنی گھڑی یا کوئی اور چیز رکھ دیتا ہے۔ ہم ان مقامات کی پرستش نہیں کرتے جہاں نماز کے وقت جوتیاں اُتار کر رکھی جاتی ہیں۔ہم تو اپنے خدا کی پرستش کرنے والے ہیں جو جب چاہتا ہے دیتا ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور جتنا چاہتا ہے دیتا ہے اور اس کے بہت سے ایسے بندے بھی ہیں جنہیں وہ اس دنیا میں بھی بغیر حساب کے دیتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ دیتا ہے تو بندہ آرام بھی پاتا ہے اور سرور بھی حاصل کرتا ہے اور لذت بھی حاصل کر رہا ہوتا ہے وہ خدا کی شان کو دیکھ رہا ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں کس طرح یہ دنیوی سامان ہیں اور کس طرح وہ ان کو تقسیم کرتا ہے اور کس طرح جب وہ رحم کرنے پر آتا ہے تو اتنا رحم کرتا ہے اتنا رحم کرتا ہے کہ اس کا بندہ شکر کے جذبات تلے دب جاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں تو کچھ بھی نہیں تھا دیکھو میرا خدا کتنا رحم کرنے والا، کتنا رزق دینے والا، کتنا خیال رکھنے والا اور دنیا کے اموال میں بھی روحانی سرور اور روحانی لذت پیدا کرنے والا ہے۔

تو اس اجتماع کے موقع پر خاص طور پر اس بات کا خیال رکھیں کہ ہمارے کسی بھائی کی خواہ وہ باہر سے آیا ہو یا یہاں کا رہنے والا ہو کوئی چیز ضائع نہ ہو اس کا کسی قسم کا کوئی نقصان نہ ہو۔

جیسا کہ میں نے بتایا ہے جماعت ایک بلند معیار پر قائم ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جلسہ کے دنوں میں گمشدہ چیزوں سے جس دفتر کا تعلق ہوتا ہے وہ چوبیس گھنٹے مصروف رہتا ہے اسی لئے کہ جہاں بھی گری پڑی کوئی چیز مل گئی وہ وہاں پہنچا دی گئی۔ پھر ان کو مالک کی تلاش ہوتی ہے دوسرے اجتماعات میں تو مالک کو چور کی تلاش ہوتی ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ ہمارے اس اجتماع میں ہمارے اس دفتر کو مالک کی تلاش ہوتی ہے۔ چیز اس کے پاس آ جاتی ہے پتہ نہیں چلتا کون مالک ہے ایک آدمی کی جیب سے مثلاً بٹوا گر گیا اس کو ضرورت نہیں پیش آئی وہ جلسہ پر جا رہا تھا جلسہ سنتا رہا شام کو چار بجے فارغ ہوا پانچ بجے آیا کسی چائے کی دکان پر گیا چائے پی، جیب میں ہاتھ ڈالا، بٹوا غائب! مگر صبح دس بجے سے دفتر والے اس آدمی کی تلاش میں ہیں جس کا بٹوا گر گیا تھا۔ ان کو پانچ بجے تک انتظار کرنا پڑا تو یہ صحیح ہے کہ بڑا خوشکن نظارہ ہم جلسہ کے مقدس ماحول میں دیکھتے ہیں لیکن یہ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ان فضلوں کو اپنے اندر قائم رکھنے کی ہر وقت کوشش کرتے رہیں تا کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری غفلتوں اور کوتاہیوں کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ اپنی یہ برکتیں ہم سے واپس لے لے۔

یہ بھی یاد رکھیں کہ باہر سے جو مہمان آتے ہیں ان کے لئے میزبان چاہئیں سارا ربوہ ہی میزبان ہے اور ربوہ کے مکینوں پر پہلا فرض ہے کہ رضا کارانہ طور پر ان احباب کی خدمت کریں جلسہ کے انتظام کے ماتحت!!! اور پھر اگر بعض کو سہولت کے ساتھ فارغ کیا جا سکتا ہو تو صرف اس صورت میں یہ بھی ان کو حق دیا جاتا ہے کہ اپنے ایک بچہ کو یا بعض رشتہ داروں کو اپنے گھر کے کام کے لئے یا اپنی دکان پر کام کرنے کے لئے فارغ کروالیں۔ مگر بغیر اجازت کے کسی شخص کو ذاتی کام نہیں کرنا چاہیے۔ یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے رضا کار بہت کثرت سے مل جاتے ہیں تو جو جائز ضرورت ہے وہ افسر صاحب جلسہ سالانہ پوری کر دیں گے۔ مثلاً اگر کسی کے چار بچے ہیں اگر وہ کہے کہ یہ تین بچے آپ خدمت مہماناں پر لگا لیں اور اگر آپ فارغ کر سکتے ہوں تو ایک بچے کو فارغ کر دیں تا کہ یہ میرے ذاتی کاموں میں میرا ہاتھ بٹا سکے یا جو میرے گھر میں مہمان ٹھہرے ہوئے ہیں ان کی خدمت کر سکے۔

دراصل تو یہاں مہمان کون اور میزبان کون۔ آنے والے بھی مہمان اور ہم بھی مہمان میزبان تو ہمارا ربّ یا اس کے مسیح موعود علیہ السلام ہیں اور ایک لحاظ سے ہم سارے ہی میزبان ہیں۔ بطور خادم کے جو لوگ اپنے آپ کو مسیح موعود علیہ السلام کے خادم سمجھتے ہیں وہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مہمان ہو اور وہ میزبان نہ ہو اور خادم نہ ہو تو ہم ایک دوسرے کے میزبان اور خادم بھی ہیں اور ایک دوسرے کے مہمان بھی ہیں۔

پس جس قدر رضا کار چاہئیں اتنے رضا کار نظام کو ملنے چاہئیں اور میں رضا کاروں کو کہوں گا کہ جس محبت اور اخلاص کے ساتھ اور فدائیت کے ساتھ اور قربانی کے ساتھ اور تکلیفیں اُٹھا کر خدا کے مسیح کے ایک خادم کو خدا کے مسیح کے ایک مہمان کی خدمت کرنی چاہیے۔ اِس طرح آپ خدمت کریں تا اللہ تعالیٰ کے فضلوں کو زیادہ سے زیادہ حاصل کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فرائض کی ادائیگی کی توفیق عطا کرتا رہے۔ آمین۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۴؍جنوری ۱۹۶۷ء صفحہ ۱ تا ۳)

تمہارا بچاؤ اس چیز میں ہے کہ خدا تعالیٰ کی عطا کو اس کی رضا کے حصول کے لئے خرچ کرو

خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۰؍جنوری ۱۹۶۷ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیتِ قرآنیہ کی تلاوت فرمائی۔

قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ يُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَ لَا خِلٰلٌ ۔ (ابراهيم: ۳۲)

اس کے بعد فرمایا:۔

یہ آیتِ قرآنیہ جو میں نے اس وقت پڑھی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کیا ہے کہ ایک دن ایسا آنے والا ہے کہ جب تمہارے تکبر، تمہارے فخر، تمہاری مباہات، تمہاری ریا، تمہارے نفاق، تمہاری منافقانہ اور فتنہ انداز باتیں، نمازوں میں تمہاری سستیاں، دیگر اعمال بجا لانے میں تمہاری غفلتیں غرضیکہ تمام کوتاہیاں اور خطائیں تمہارے بُرے اعمال کے بدنتائج تمہارے سامنے نہایت ہولناک شکل میں کھڑے ہوں گے اور تم میں سے ہر ایک یہ چاہے گا (جب وہ اپنے اعمال کے بدنتائج کو اپنے سامنے دیکھے گا) کہ کاش اگر زمین بھر سونا بھی میرے پاس ہوتا، تو آج میں اپنے ربّ سے یہ سودا کرتا کہ اے میرے ربّ! مجھ سے یہ سونا لے لے اور

مجھے ان اعمالِ بد کے برے نتائج سے بچا لے۔تم میں سے بہت سے اپنے اعمال کے برے نتائج دیکھ کر سوچ رہے ہوں گے کہ اگر تمام دنیا اور اس کی تمام چیزیں میرے پاس ہوتیں تو آج میں اپنے ربّ سے یہ سودا کرتا کہ ساری دنیا اور اس دنیا کی تمام چیزیں تو مجھ سے لے لے اور مجھے اس سزا سے بچا لے جو مجھے اس وقت نظر آ رہی ہے کہ میرے گناہوں اور بدیوں اور برائیوں اور خطاؤں کے نتیجہ میں مجھے ملنے والی ہے۔تم میں سے بعض اس سوچ میں ہوں گے کہ اگر دنیا و ما فیہا ہی نہیں بلکہ اتنی ہی اور چیزیں بھی ہمارے پاس ہوتیں تو ہم اپنے ربّ کے حضور اس سودا کی پیشکش کرتے کہ اے خدا یہ ساری دنیا اور اس کی ساری چیزیں اور اتنی ہی اور ہم سے لے لے لیکن ہمیں اپنے اس قہر کی نگاہ سے بچا لے۔ جو تیری آنکھوں میں ہمیں چھلکتا نظر آ رہا ہے۔لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس دن کسی بیع کی اجازت نہیں دی جائے گی اگر تمہارے پاس یہ سب کچھ ہوتا بھی تب بھی تم خدا کے قہر سے اس دن بچ نہیں سکتے۔

وَلَا خِلٰلٌ وہ دن ایسا بھی ہے کہ اس دنیا میں غلط راہ پر چلانے والے دوست اپنی دوستیاں چھوڑ جائیں گے شیطان جس کا کام ہی خدا کے بندوں کو گمراہ کرنا ہے وہ ایک کونہ میں دبکا بیٹھا ہوگا اس کو اپنی فکر پڑی ہوئی ہوگی۔اس وقت وہ اپنے چیلوں (اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ) کی طرف توجہ نہیں دے سکے گا اور وہ غلط قسم کے مذہبی راہ نما جو بعض دفعہ اس دنیا میں کہہ دیتے ہیں کہ ہم تمہارے جنت میں جانے کی ذمہ داری لیتے ہیں تم یہ کام کر دو ان کے سر جھکے ہوئے ہوں گے اور وہ اپنے منہ سے شفاعت کا ایک لفظ بھی نکالنے کی جرأت نہیں کر رہے ہوں گے۔غرض اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسا ایک دن تم نے دیکھنا ہے لَا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ اس دن نہ تو کوئی سودا ہو سکے گا اور نہ کسی کی دوستی کام آ سکے گی وہ دن تو ایسا ہے جب خدا تعالیٰ جو مالکِ حقیقی ہے جب خدا تعالیٰ جو قادر حقیقی ہے جب خدا تعالیٰ جو رفعتوں اور عظمتوں کا مالک ہے اور جبروت حقیقی طور پر اس کی طرف منسوب ہوتی ہے۔اس کی صفات کے جلوے اس میدانِ حشر میں اس طرح جلوہ فگن ہو رہے ہوں گے کہ انسان تو انسان فرشتے بھی لرز رہے ہوں گے۔ ہر ایک کو نظر آ رہا ہوگا کہ آج ہم اپنے مالکِ حقیقی ربّ کے سامنے پیش ہیں۔ ہماری نجات کا ایک ہی ذریعہ ہے کہ وہ ہمیں بخش دے وہ ہمیں اپنی رحمت

کی چادر میں لپیٹ لے وہ ہم سے محاسبہ نہ کرے۔ کیونکہ اگر اس نے ہم سے محاسبہ کیا تو ہم یقیناً ہلاک ہونے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے میرے محبوب رسول! تو ان لوگوں پر جو تجھ پر ایمان لائے ہیں یہ بات کھول کر بیان کر دے کہ ایک دن ایسا بھی تمہیں دیکھنا نصیب ہے تم اس کے لئے تیاری کرو اور چونکہ خدا تعالیٰ رحیم ہے۔ اس لئے ہم اس دنیا میں انہیں وہ راہ بتاتے ہیں کہ جس راہ پر چل کر (اگر وہ خلوص نیت سے چلیں) وہ حشر کے دن اس قسم کے عذاب سے بچ سکتے ہیں اور وہ راہ اللہ تعالیٰ یہ بتاتا ہے کہ اے میرے رسول تو میرے ان بندوں پر جو تجھ پر ایمان لا کر میرے حقیقی بندے بننے کی خواہش رکھتے ہیں یہ کھول کر بیان کر دو کہ وہ ''صلوٰۃ'' کو اپنی پوری شرائط کے ساتھ قائم کریں۔

عربی زبان میں ''صلوٰۃ'' کے وہ معنی جو ہم سب سے پہلے اس قسم کی آیات میں کرتے ہیں۔ شریعت کے ہیں اس کے معنی اس نماز کے بھی ہیں کہ جو ہم ہر روز پانچ وقت ادا کرتے ہیں لیکن جہاں اس لفظ کے یہ معنی ہوں۔ وہاں سیاق وسباق سے اس کا پتہ لگ جاتا ہے لیکن جہاں سیاق وسباق سے اس بات کا پتہ نہ لگے کہ اس لفظ کے معنی اس نماز کے ہیں۔ جو ہم ہر روز پانچ وقت ادا کرتے ہیں وہاں اس کے پہلے معنی شریعت کے ہوتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے کہ وہ اس شریعت کے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم کی شکل میں نازل ہوئی ہے تمام احکام کو پوری شرائط کے ساتھ قائم کریں اور پوری شرائط کے ساتھ انہیں ادا کریں۔

پھر ''صلوٰۃ'' کے ایک معنی (جیسا کہ میں نے بتایا ہے) اس نماز کے بھی ہیں جو ہم پانچ وقت ادا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ یہاں فرماتا ہے يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وہ اس نماز کو بھی اس کی پوری شرائط کے ساتھ ادا کریں۔

پھر ''صلوٰۃ'' کے تیسرے معنی دعا کے ہیں اور اللہ تعالیٰ یہاں فرماتا ہے کہ اگر تم شریعت کے قیام اور نماز کو اس کی پوری شرائط کے ساتھ ادا کرنے میں محض اپنی طاقت پر توکل رکھتے ہو۔ تو یہ تمہارے لئے ممکن نہیں اگر تم شریعت کا قیام چاہتے ہو، اگر تم نماز کو اس کی پوری شرائط کے ساتھ ادا کرنا چاہتے ہو، تو تمہارے لئے ضروری ہے کہ تم دعاؤں کے ذریعہ میری مدد کو حاصل کرو۔ جب تک

تمہیں اللہ تعالیٰ توفیق عطا نہ کرے تم اس وقت تک شریعت کو قائم نہیں کر سکتے تم اس وقت تک نماز کو اس کی پوری شرائط کے ساتھ ادا نہیں کر سکتے۔ اس لئے تم اپنے خدا سے اس کی توفیق چاہو تم اس سے مدد اور نصرت مانگو۔

''صلوٰۃ'' کے چوتھے معنی مغفرت چاہنے کے ہیں۔ ان معنوں کے رُو سے اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے تم مجھ سے دعا کرو کہ اے ہمارے ربّ! ہم اپنی بساط کے مطابق تیرے احکام کی پیروی کی کوشش کرتے ہیں اور آئندہ بھی کریں گے لیکن تو نے شیطان کو کھلا چھوڑ رکھا ہے وہ بعض دفعہ ہمارے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے اور بعض دفعہ وہ ہمارے غیر کے دل میں وسوسے ڈالتا ہے اور اس طرح ہمیں صراطِ مستقیم سے ہٹانے کی کوشش کرتا ہے وہ ہمارے اعمال میں رخنہ پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ہم اپنے زور سے تو اس سے بچ نہیں سکتے اس لئے تو ہماری مدد فرما اور ہمیں اس بات کی توفیق دے کہ ہم خلوصِ نیت کے ساتھ محض تیری خاطر تیرے احکام کو بجا لانے والے ہوں اور اس بجا آوری میں ہمیں دنیا، دنیا کی عزت یا دنیا کی کوئی وجاہت مطلوب نہ ہو پھر اے ہمارے خدا اگر ہم تیری توفیق پا کر اعمالِ صالحہ بجا لائیں گے تو بھی ہوسکتا ہے کہ ان کے اندر کوئی رخنہ رہ جائے اور ایسا رخنہ رہ جائے۔ جس کا ہمیں بھی علم نہ ہو۔ اس لئے ہماری تجھ سے آخری استدعا یہ ہے کہ تو ہمیں اپنی مغفرت کی چادر میں لپیٹ لے تو ہماری کمزوری کو ننگا نہ کر تو ہمارے ننگ کو ظاہر نہ کر۔ غرض اللہ تعالیٰ اس آیت میں یہ فرماتا ہے کہ اے میرے رسول! تو ان لوگوں پر جو میری آواز پر لبیک کہتے ہوئے اور تیرے ہاتھ پر بیعت کر کے اسلام میں داخل ہوئے ہیں اور شریعتِ قرآنیہ پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ کھول کر بیان کر دے کہ وہ ''صلوٰۃ'' کو قائم کریں اور ''صلوٰۃ'' کے جو معنی ہیں وہ میں نے اس وقت آپ کے سامنے بیان کر دیئے ہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَ يُنۡفِقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ یعنی وہ عطاء الٰہی کو رضاء الٰہی کی راہ میں خرچ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ انہیں دیا ہے اس کو اس طرح خرچ کریں کہ اللہ تعالیٰ کی رضا انہیں حاصل ہو۔ رَزَقَ کے معنی میں ایک تصور یہ بھی پایا جاتا ہے کہ جو لینے والا ہے اس کی ضرورت کو پورا کیا گیا ہے اس طرح

اللہ تعالیٰ یہاں فرماتا ہے کہ جب ہم تمہیں دینے لگے تھے۔ تو ہم نے اس بات کا خیال رکھا تھا کہ تمہاری ضرورتیں (جو بھی ہیں) پوری کرتے چلے جائیں۔ ہماری عطا اس رنگ کو اختیار کرے ہماری عطاء اس شکل میں ہو کہ تمہاری طاقت اور استعداد اور قوت کی وجہ سے تمہاری جو ضرورتیں بھی ہوں۔ (جن کے بغیر تم ترقی نہیں کر سکتے) ان کا خیال رکھا جائے اس لئے تم اب ان لوگوں کی ضرورتوں کا خیال رکھو جنہیں اب تم دے رہے ہو۔

اس وقت مثلاً سب سے بڑی ضرورت ہمارے بھائیوں کی ''کھانا'' ہے کیونکہ ہمارے ملک میں غذا کی قلت روز بروز بڑھتی جا رہی ہے اور رَزَقَ کے ان معنوں کے رو سے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں رزق دیا تھا تو اس نے ہماری ساری ضروریات کا خیال رکھا تھا جب ہم اپنے بھائی کی مدد کو آئیں گے تو ہم اس کی ساری ضرورتوں کا خیال رکھیں گے جس طرح ایک دینے والا کسی کو گرمیوں میں گرم کپڑے اور سردیوں میں ململ نہیں دیا کرتا کیونکہ گرم کپڑے کی ضرورت سردیوں میں ہوتی ہے اور ململ کی ضرورت گرمیوں میں ہوتی ہے اسی طرح جب ان دنوں میں کوئی اپنے بھائی کی مدد کو آئے گا تو وہ اسے کھانا مہیا کرے گا کیونکہ اس وقت اس چیز کی اسے ضرورت ہے۔ یہ ایک موٹی مثال ہے۔ جو میں نے اس وقت دی ہے اور ہر عقلمند انسان ایسی باتوں کا خیال رکھتا ہے لیکن بعض باتیں باریک ہوتی ہیں انسان کی توجہ ان کی طرف نہیں ہوتی اس لئے ان کی طرف خلیفہء وقت کو توجہ دلانی پڑتی ہے اس وقت میں سمجھتا ہوں کہ انفاق فی سبیل اللہ کی بہترین شکل یہ ہے کہ ان اخراجات کے بعد جو ہم اشاعتِ اسلام کے سلسلہ میں کرتے ہیں۔ ہم اپنے بھائیوں کی بھوک کو دور کریں۔ چونکہ روح کی حفاظت بہرحال جسمانی حفاظت سے پہلے ہے وہ جسمانی حفاظت سے اَرفع اور اعلیٰ ہے اس لئے اس کی طرف سب سے پہلے توجہ دینا ضروری ہے۔ اشاعتِ اسلام اس معنی میں ضروری ہے کہ ہم یہ نہیں چاہتے کہ بنی نوع انسان خدا تعالیٰ کے غضب کے مورد ہو کر اس کی بھڑکتی ہوئی جہنم کے اندر دھکیل دیئے جائیں۔ اس کے بعد جہاں تک اس دنیا کی ضرورتوں کا سوال ہے جہاں تک اپنے بھائیوں کی ضرورتوں کو پورا کر کے اللہ تعالیٰ کی رضاء کے حصول کا سوال ہے بھوکوں کو کھانا کھلانا اس وقت سب سے اہم ہے۔ کیونکہ اغذیہ

اس وقت بہت مہنگی ہو گئی ہیں۔

غرض اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تم ایک طرف میری شریعت کو پوری طرح قائم کرو اور دوسری طرف شریعت کے وہ احکام جو فرائض میں شامل نہیں بلکہ نوافل ہیں۔ ان کی اطاعت کرو تم ایسا انتظام کرو کہ جو طاقتیں ہم نے تمہیں عطا کی ہیں ہم نے جو سامان اور وسائل تمہیں دیئے ہیں۔ ان کو ہماری رضا کی خاطر اپنے بھائیوں پر خرچ کرو اور یہ کام اس دن سے پہلے کرو جس کا ذکر میں نے اپنے خطبہ کے شروع میں کیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر تم ایسا کرنے میں سستی کرو گے تو یاد رکھو کہ تمہیں ایک دن میرے سامنے پیش ہونا ہے اس دن تمہارے اعمال اپنی نہایت بھیانک شکل میں تمہارے سامنے ہوں گے وہ سزا کی شکل میں تمہارے سامنے ہوں گے۔ اس دن میں کہوں گا کہ میرے نزدیک ریا کی یہ سزا ہے میرے نزدیک تکبر کی یہ سزا ہے میرے نزدیک نفاق کی یہ سزا ہے میرے نزدیک فتنہ پردازی کی یہ سزا ہے۔ تم میرے رسول پر ایمان لائے تھے۔ اس لئے تمہیں ان باتوں سے بچنا چاہیے تھا آج میرے سامنے کوئی سودا نہیں ہوسکتا (روحانی یا مذہبی تجارت جس کا قرآن کریم میں ذکر ہے۔ اس کا تعلق اُخروی زندگی سے ہے) دنیا میں تمہاری جو دوستیاں تھیں وہ بھی آج تمہارے کام نہیں آسکتیں۔ آج صرف میری دوستی تمہارے کام آسکتی ہے آج صرف میری رحمت اور میری مغفرت کام آسکتی ہے۔

غرض وہ دن تمہیں پیش آنے والا ہے اور اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ اس دن سے پہلے تم اپنے بچاؤ کے سامان کر لو کیونکہ اس دن تم سے کچھ نہیں ہو سکے گا اور تمہارا بچاؤ اس چیز میں ہے کہ قرآن کریم کی شریعت کو قائم کرو۔ تمہارا بچاؤ اس چیز میں ہے کہ خدا تعالیٰ کی عطاء کو اس کی رضا کے حصول کے لئے خرچ کرو اور جب تم اپنے بھائیوں کے ساتھ حسن سلوک اور بھائیوں والا سلوک کرو تو اس بات کا خیال رکھو کہ جس چیز کی انہیں زیادہ ضرورت ہے وہ چیز انہیں پہلے دی جائے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں محض اپنے فضل سے ''صلوٰۃ'' کے قائم کرنے کی اُس کے ہر اس معنی کے لحاظ سے جو اس کے علمِ غیب میں ہیں اور علمِ کامل میں ہیں، توفیق عطا کرے اور اللہ تعالیٰ ہمیں یہ توفیق عطا کرے کہ ہم اس کی منشا کے مطابق اس طور پر اپنی طاقتوں اور اپنے سامانوں کو اس کی راہ

میں خرچ کریں کہ ہم اس کی رضا کو حاصل کر لیں اور ان بندوں میں شامل نہ ہوں۔ جن کو حشر کے دن سودا بازی کی طرف توجہ ہوگی یا وہ اپنے دوستوں کی تلاش میں ہوں گے بلکہ اس وقت ہمارے دل یہ محسوس کر رہے ہوں گے کہ ہمارا خدا ہمارا ولی ہے اور آج وہ اپنی تمام عظمت اور جبروت کے ساتھ ہم پر جلوہ گر ہے ہمیں کسی شیطان سے یا کسی شیطانی طاقت سے ایذاء پہنچنے کا کوئی خطرہ نہیں کیونکہ ہم اپنے ربّ کی رضا کی گود میں بیٹھے ہیں۔ خدا کرے کہ ہم اُس دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فوج میں اور آپؐ کی اُمت میں شامل ہو کر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدموں میں کھڑے ہوں اور ہم پر خدا تعالیٰ کا کوئی الزام نہ ہو اور ہر اس کمزوری یا غفلت یا کوتاہی کو جو ہم بطور انسان اس دنیا میں کر چکے ہوں اس وقت اللہ تعالیٰ کی مغفرت کی چادر ڈھانپے ہوئے ہو۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہمارے لئے جوش میں آ رہی ہو اللہ تعالیٰ کے فضل کے دروازے اس دن ہمارے لئے کھلیں۔ جنت کے سب دروازے ہمارے لئے کھولے جائیں اور کہا جائے کہ جس دروازے سے بھی تم چاہو داخل ہو سکتے ہو۔ خدا تعالیٰ اس دن ہم سے کہے میری طرف آؤ اور میری رضا کی جنت میں داخل ہو جاؤ اور خدا کرے کہ ہم اس دن اس گروہ میں نہ ہوں جو دنیا بھر سونا، دنیا کے تمام اموال اور متاع اور اس سے دگنے اموال اور متاع پیش کر کے خدا تعالیٰ کی ناراضگی کی بجائے اس کی رضا کو حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے آج اس زندگی میں ہمیں جو تنبیہ کی ہے۔ خدا کرے کہ ہم اس سے فائدہ اُٹھانے والے ہوں خدا کرے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے جس پیار کا اظہار اس آیہ کریمہ میں کیا ہے۔ ہم اس دن اس کی نگاہ میں اس پیار کے مستحق ٹھہریں۔ اَللّٰھُمَّ آمِیْن

(از رجسٹر خطباتِ ناصر غیر مطبوعہ)

دنیا کی اشیاء اس ثواب کے مقابلہ میں جو نیک اعمال کے بدلہ میں ملتا ہے ثَمَنًا قَلِيْلًا کی حیثیت رکھتی ہیں

خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۷؍جنوری ۱۹۶۷ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور پُر نور نے یہ آیات پڑھیں۔

وَ لَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۔ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ؕ وَ لَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْۤا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۔ (النّحل: ۹۶، ۹۷)

پھر فرمایا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم اپنی جانوں سے محبت رکھتے ہو۔ تم اپنی بیوی بچوں سے محبت رکھتے ہو تم اپنے دوستوں اور رشتہ داروں سے محبت رکھتے ہو۔ تمہیں دنیا کے مال واسباب اچھے لگتے ہیں اور تم انہیں اپنے لئے مفید اور بہتر سمجھتے ہو۔ دنیا کی دولت کی طرف تم جھکتے ہو جو مکان تم تعمیر کرتے ہو ان کے لئے تمہارے دلوں میں ایک تعلق پیدا ہو جاتا ہے اور تم انہیں چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ تمہاری تجارتیں تمہیں بڑی محبوب اور پیاری ہیں۔ اسی طرح تمہاری زرعی زمینیں بھی تمہیں اتنی اچھی لگتی ہیں کہ بعض دفعہ تم ان کے کناروں پر اپنے کسی بھائی کا خون کرنے کے لئے بھی تیار ہو جاتے ہو۔ مگر یہ سب چیزیں اس کے مقابلہ میں جس کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں تمہارے عہدِ بیعت

کے بعد دینے کا وعدہ کیا ہے ثَمَنٍ قَلِيْل کی حیثیت رکھتی ہیں۔تم نے اپنے ربّ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اس سے یہ وعدہ کیا تھا کہ تم دین کو دنیا پر مقدم رکھو گے اس لئے جب تم سے تمہارے نفسوں کی قربانی مانگی جائے، جب تم سے تمہارے بیوی بچوں کی قربانی مانگی جائے، جب تم سے تمہارے رشتہ داروں اور تمہارے دوستوں کی قربانی مانگی جائے، جب تم سے تمہارے دنیوی سامان اور مال واسباب کی قربانی مانگی جائے تو تمہیں چاہیے کہ تم اس حقیقت کو سمجھتے ہوئے کہ خدا کی جزا اور اس کے ثواب کے مقابلہ میں یہ سب چیزیں ثَمَنٍ قَلِيْل کی حیثیت رکھتی ہیں۔تم اپنے نفسوں کو بھی تم اپنے بیوی اور بچوں کو بھی، تم اپنے عزیز واقارب کو بھی، تم دنیا کے ہر قسم کے متاع کو بھی قربان کر کے خدا کی رضا کے حصول کے لئے کوشش کیا کرو اور عہدِ بیعت کو اپنے ہاتھ سے دے کر ثَمَنٍ قَلِيْل لینے کی کوشش نہ کیا کرو۔

اس سارے سلسلۂ اشیاء کو جو اللہ تعالیٰ نے ثَمَنٍ قَلِيْل قرار دیا ہے اس کی دو دلیلیں بھی ساتھ ہی بیان کر دیں تا کہ ہم اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ سکیں۔ پہلے تو یہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس چیز کا بھی تم سے اس دنیا میں مطالبہ کیا جاتا ہے وہ فانی ہے اور جس چیز کا بھی اس کے بدلہ میں تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ باقی ہے ہمیشہ رہنے والی ہے تو عقل اس نتیجہ پر پہنچتی ہے کہ فانی کے مقابلہ میں جو باقی رہنے والی چیز ہے اور جس پر فنا نہیں وہ بہتر اور اچھی ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر وہ چیز جس کی قربانی تم سے چاہی جاتی ہے، فنا پذیر ہے اور ہر وہ چیز جو اس قربانی کے بعد تمہیں ملنے والی ہے وہ باقی رہنے والی ہے۔

تو فانی چیز کے مقابلہ میں ایک ابدی حیات والی چیز تمہیں دی جاتی ہے۔ اگر تم ابدی زندگی کو چھوڑ کر چند گھنٹوں، چند دنوں یا چند سالوں کی زندگی اور اس کی خوشیوں کو ترجیح دو گے تو تم دنیا میں بیوقوف سمجھے جاؤ گے۔ پس جو باقی رہنے والی اشیاء ہیں جن کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے تم ان کی تلاش کرو اور ان کے حصول کی کوشش کرو۔

دوسری دلیل اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ دی کہ جو تمہارے دنیا کے اموال اور اسباب ہیں ان کے ساتھ تمہارے دلوں میں ایک جیسی محبت نہیں ہوتی اور نہ ایک جیسا لگاؤ ہوتا ہے نہ تم ان میں

سے ہر ایک چیز کو ایک جیسی مفید سمجھتے ہو مثلاً تمہیں روپے پیسے سے بڑا پیار ہے۔ لیکن جب بچہ بیمار ہو جائے یا جب تمہاری بیوی بیمار ہو جائے یا جب تم خود بیمار ہو جاؤ تو ساری دنیا کی دولت قربان کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہو اپنے بچے کی جان کی حفاظت کے لئے یا اپنی بیوی کی جان کی حفاظت کے لئے یا خود اپنی جان کی حفاظت کے لئے۔

پس اس دنیا کی ہر چیز جو ہے اس کو تم نے ایک ترجیحی سلسلہ کی کڑی میں پرویا ہوا ہے یہ اچھی چیز ہے اس سے بھی اچھی یہ ہے اس سے بھی اچھی یہ ہے اور اس سے بھی اچھی یہ ہے اور ایک انسان اپنی جان سے سب سے زیادہ محبت رکھتا ہے اور چاہتا ہے کہ میں زندہ رہوں اور عام طور پر لوگ دنیا کی اشیاء کو اپنے نفس پر قربان کر دیتے ہیں مگر اپنی جانوں کو دنیوی سامان پر قربان نہیں کرتے یا بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنی جانوں کو اپنے بچوں پر قربان کر دیتے ہیں تو ان کے نزدیک ان کے بچے کی قیمت سب سے زیادہ ہے یہاں تک کہ ان کی اپنی جان سے بھی زیادہ ہے۔

پس مجموعی طور پر جب ہم دنیا کی تمام اشیاء پر نظر ڈالتے ہیں تو ان کی ہمیں اوسط نکالنی پڑتی ہے۔ مثلاً ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایک چیز کی قیمت سو یونٹ ہے ایک اور چیز ہے اس کی اَسّی ہے ایک اور چیز ہے اس کی پچاس ہے، ایک اور چیز ہے اس کی چالیس ہے، ایک اور چیز ہے اس کی قیمت اس کی نگاہ میں تیس یونٹ ہے، ایک اور ہے اس کی بیس ہے، ایک اور ہے اس کی دس ہے۔ تو ساری اشیاء کی مجموعی قیمت اس کی نگاہ میں ان اشیاء کی اوسط قیمت ہوگی۔ جس طرح اگر آپ بازار میں جائیں اور آپ بیس چیزیں خریدیں تو اگر ایک کی قیمت مثلاً سَو ہو اور ایک کی پچاس ہو اور ایک کی تیس ہو اور مجموعی طور پر آپ نے بیس چیزوں پر چار سَو روپیہ خرچ کیا ہو تو وہ چیزیں جو ہیں ان کی مجموعی قیمت چار سَو روپیہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو جنت میں تمہیں ملے گا اس کے لئے ہمارا یہ قانون ہوگا کہ تمہارے بہترین عمل کا جو بدلہ تمہیں ملنا چاہیے تمہارے کمتر اعمال کا بھی ہم اتنا ہی بدلہ دیں گے۔

اس اصول کے مطابق ہماری مثال میں جو چیزیں خریدی گئی ہیں ان کی قیمت چار سو نہیں رہتی بلکہ دو ہزار بن جاتی ہے۔ دنیا میں یہ قانون نہیں چلتا اس دنیا میں دنیا کا قانون چلتا ہے مگر اس

دنیا میں اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ قانون بنایا ہے کہ وہاں تمہارے بہترین عمل کی بہترین جزاء تمہیں ملے گی اور بہترین عمل کی بہترین جزاء کے مطابق تمہارے باقی اعمال کی جزاء بھی تمہیں دی جائے گی۔ اس طرح جو کچھ تمہیں وہاں ملے گا اس کے مقابلہ میں دنیا کے تمام اموال اور متاع، تمہاری اپنی جانیں اور تمہارے اپنوں کی جانیں کوئی قیمت نہیں رکھتیں پس یہ ثَمَنِ قَلِيْل ہے۔

اللہ تعالیٰ یہاں ہمیں یہ حکم دیتا ہے کہ اس ثَمَنِ قَلِيْل کو خریدنے کے لئے تم ایسی چیزوں کو قربان نہ کرو جو ابدی مسرتوں اور ابدی سرور والی چیزیں ہیں اور جو بہترین جزا کی شکل میں اور بہترین بدلے کی صورت میں تمہارے سامنے آئیں گی۔ لَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا۔ جو عہد تم نے اپنے خدا سے باندھا ہے کہ تم دین کو دنیا پر مقدم رکھو گے اس پر مضبوطی سے قائم رہو اور اپنی کسی غفلت یا کوتاہی کے نتیجہ میں دنیا کو دین پر مقدم نہ کرنے لگ جاؤ کہ دنیا دین کے مقابلہ میں اور دنیا کی یہ اشیاء اس ثواب کے مقابلہ میں جو نیک اعمال کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس دنیا میں بھی اور اس جہان میں بھی ملتا ہے۔ ثَمَنِ قَلِيْل کی حیثیت رکھتی ہیں کیونکہ خدا کی جزاء جو ہے وہ ابدی ہے اور اس کی قیمت جو ہے وہ ''اَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ'' کے اصول پر طے کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بہترین جزا کا حقدار قرار دے اور اسی کے مطابق ہم سے معاملہ کرے۔ آمین

(روزنامہ الفضل ربوہ ۹؍مارچ ۱۹۶۷ء صفحہ ۲، ۳)

جلسہ سالانہ کے ایام میں ہم نے اللہ تعالیٰ کے بڑے ہی انوار و برکات کا مشاہدہ کیا ہے

خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۰ر فروری ۱۹۶۷ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

دوست جانتے ہیں کہ جلسہ سالانہ کے بعد مجھے بڑا شدید انفلوائنزا کا حملہ ہوا تھا۔ پہلے دو دن اس تکلیف میں باوجود بخار اور شدید نزلہ اور کھانسی کے میں کام کرتا رہا اور کثرت سے ملاقاتیں اس خیال سے کرتا رہا کہ باہر سے دوست تشریف لائے ہوئے ہیں اگر میں نہ ملا تو ان کو بڑی جذباتی تکلیف اُٹھانی پڑے گی لیکن دو دن کے بعد جسم نے جب جواب دے دیا تو مجھے بستر میں لیٹنا پڑا اور اس کے بعد کافی بیماری کی تکلیف رہی۔ گذشتہ جمعہ بھی دل تو چاہتا تھا کہ میں خود یہاں آ کر حمد کے ان جذبات کا اظہار کرتا جن جذبات نے میرے وجود کو کلیۃً گھیرا ہوا تھا اللہ تعالیٰ کے فضلوں اور اس کی رحمتوں کو دیکھ کر لیکن بیماری کی وجہ سے میں یہاں نہ آ سکا۔ آج بھی گو کافی تکلیف ابھی باقی ہے لیکن بیماری کی شدت ٹوٹ چکی ہے میں نے مناسب سمجھا کہ میں خود آؤں خواہ چند منٹ کے لئے ہی اپنے جذبات کا اظہار اپنے بھائیوں کے سامنے کروں۔

جیسا کہ میں نے ایک فقرہ گذشتہ جمعہ لکھ کر بھجوا دیا تھا کہ دل خدا کی حمد سے معمور ہے اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ جلسہ سالانہ سے قبل میں نے اپنے بھائیوں اور بہنوں کو اس طرف متوجہ کیا تھا

کہ عام طور پر بھی خدا تعالیٰ کے مال کا کوئی پیسہ ضائع نہیں ہونا چاہیے صرف جان بوجھ کر ہی نہیں بلکہ غفلت اور کوتاہی کے نتیجہ میں بھی جو ضیاع ہوتے ہیں ان سے بھی بچنا چاہیے لیکن موجودہ حالات میں تو خصوصاً کھانے پینے کی چیزوں کو ضیاع سے بچانا اشد ضروری ہے اور میری طبیعت پر یہ اثر تھا کہ اگر ہم نے اس طرف توجہ نہ کی تو اللہ تعالیٰ ہمارے رزق سے برکت کو واپس لے لے گا۔ جس کا میں نے اپنے خطبہ میں اظہار بھی کیا تھا اور اس کے بعد دعائیں بھی بڑی ہی کی تھیں کہ ہم میں سے کوئی شخص بھی ایسا نہ ہو کہ جو اپنی غفلت یا کوتاہی یا سستی یا بے پرواہی کے نتیجہ میں ان برکتوں کو ضائع کر بیٹھے جو اللہ تعالیٰ نے ایک احمدی کے رزق میں رکھی ہیں اللہ تعالیٰ نے بڑا ہی فضل کیا آپ بھائیوں کے ذریعہ سے خصوصاً اور باہر سے آنے والے دوستوں کے ذریعہ سے عموماً خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے مجھے بے حد اور بے انتہا مسرت پہنچائی۔ جب جلسہ سالانہ کے بعد یہ رپورٹ ملی کہ امسال دوستوں نے خورد ونوش کو ضیاع سے بچانے کا جو خیال رکھا ہے وہ غیر معمولی ہے اور بڑا نمایاں ہے اس کو دیکھ کر دل خدا کی حمد سے بھر گیا کہ اس کی توفیق کے بغیر نہ کوئی فرد، نہ کوئی جماعت نیکی کے کوئی کام کر سکتی ہے نہ نیکی کی راہوں کو اختیار کر سکتی ہے۔

اس کے علاوہ بعض اور باتیں بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے فضل پر ایک نمایاں شہادت پیش کر رہی ہیں مثلاً یہ کہ جلسہ سالانہ رمضان کی وجہ سے اپنی مقررہ تاریخوں پر نہیں ہوا۔ یعنی ان تاریخوں پر جس کی جماعت کو عادت پڑ چکی تھی رمضان کی وجہ سے ہم نے اس سال جلسہ سالانہ کو ان تاریخوں سے بدل کر پیچھے کیا (گذشتہ سال پہلے ہوا تھا) اس سال قریباً ایک ماہ بعد جلسہ ہوا اس کا نتیجہ یہ تھا کہ جلسہ سے معاً پہلے عید کے اخراجات بھی کرنے پڑے کیونکہ عید کی خوشیوں میں ان بچوں کو بھی شامل کرنا پڑتا ہے جو بلوغت کے بعد اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ حقیقی خوشی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آسمان سے نازل ہوتی ہے اور دلوں کو سکینت بخشتی ہے لیکن ایک خوشی کا ماحول ان ناسمجھ بچوں کے لئے پیدا کرنا ضروری ہے تا کہ ان کے دماغ عید کے ساتھ خوشیوں کو ہمیشہ دیکھنے کے عادی ہو جائیں یا عادی رہیں۔ پس عید کی وجہ سے بھی زیادہ خرچ ہوئے۔ دوسرے یہ کہ غذائی قلت کے نتیجہ میں کھانے پینے کی چیزوں پر معمول سے بہت زیادہ خرچ آج کل کرنا پڑ رہا

ہے تو ہزاروں خاندان ایسے ہوں گے کہ جن کے سامنے یہ مسئلہ درپیش تھا کہ وہ کچھ دن یا ہفتے نیم بھوکا رہ کر گزارنے کے لئے تیار ہیں یا جلسہ چھوڑنے کے لئے تیار ہیں کیونکہ جلسہ پر بھی جو دوست باہر سے آتے ہیں ان کا بہر حال کچھ نہ کچھ خرچ ہوتا ہے۔ مجموعی طور پر (جو میں نے اندازہ لگایا ہے کہ) اگر بیس روپے فی کس اوسط رکھی جائے اگرچہ مثلاً کراچی سے آنے والے اور پشاور سے آنے والے دوست اس سے زیادہ خرچ کرتے ہوں گے لیکن اگر اوسط بیس روپے بھی رکھی جائے تو جلسہ پر آنے والے احمدیوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے، خدا تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے کم و بیش دس اور پندرہ لاکھ کے درمیان خرچ کیا ہے اگر یہ دوست اور بھائی جلسہ پر نہ آتے تو جماعت کے ان خاندانوں کے پاس کم و بیش دس پندرہ لاکھ روپے کی ایسی رقم ہوتی جس سے وہ مہنگائی کے زمانہ میں گندم آٹا چاول وغیرہ چیزیں خرید سکتے تھے۔

تو جماعت نے خدا کی خاطر بڑی قربانی پیش کی ہے۔ جیسا کہ اس جماعت کو اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ ہی اس بات کی توفیق دی ہے کہ وہ اس قسم کی قربانیاں اس کے حضور پیش کرتی جائے لیکن یہ کوئی معمولی بات نہیں بڑی بات ہے۔ ہزار ہا خاندانوں کا یہ فیصلہ کرنا کہ ہمیں نیم بھوکا رہنا منظور لیکن جلسہ سے غیر حاضری منظور نہیں ہے۔

ایک اور روک یہ تھی کہ ان دنوں سکولوں اور کالجز میں چھٹیاں نہیں تھیں اور بہت سے بچے یا نوجوان یا بہت سے ماں باپ بھی اپنے بچوں کی وجہ سے جلسہ میں شمولیت نہیں کر سکتے تھے سوائے خاص کوشش اور غیر معمولی قربانیوں کے وہ جلسہ پر نہ آ سکتے تھے۔

پس ان تمام روکوں کے باوجود گذشتہ جلسہ کے موقع پر پرچی کے لحاظ سے بھی اور جو گاڑیوں اور بسوں پر سے مسافر اترے اور ان کی گنتی ہوتی ہے (گو سارے مسافروں کی گنتی نہیں ہو سکتی لیکن بہر حال ہر سال ہوتی ہے اس سے ہمیں پتہ چلتا رہتا ہے کہ اس سال آنے والوں کی تعداد میں زیادتی ہوئی ہے یا کمی) ہر دو لحاظ سے چند ہزار کی زیادتی ہوئی۔

ان سب چیزوں کو دیکھ کر خدا کی حمد سے دل اتنا معمور ہوا کہ انگریزی میں کہتے ہیں۔ Over flow کر گیا یعنی حمد اتنی شدت اختیار کر گئی کہ دل اور روح میں سما نہیں سکتی تھی باہر نکل

رہی تھی یہ حمد کے جذبات اور شکر کے خیالات جو ہیں یہ میرے اکیلے کے جذبات نہیں بلکہ میرے ہر بھائی کے جذبات ہیں کہ بحیثیت جماعت اللہ تعالیٰ اس جماعت پر کتنے فضل، کتنے رحم کرنے والا ہے اور ان کو قربانی کے کس قدر بلند مقام پر پہنچنے کی اس نے توفیق دی ہے اور اس معیار کو قائم رکھنے بلکہ بڑھاتے چلے جانے کی توفیق وہ دیتا چلا جاتا ہے۔

پچھلے جمعہ تو میری یہ کیفیت تھی کہ میرے روئیں روئیں سے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ہی نکل رہا تھا اور زبان پر بھی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ہی جاری تھا۔ اور میں چاہتا تھا کہ جماعت کے سامنے بھی یہ باتیں رکھوں تا کہ وہ بھی اپنے رب کے شکر گزار بندے بنیں اور خدا کی حمد کے ترانے گائیں کہ اس نے اپنے فضل کے ساتھ ان کو ان تمام روکوں کے باوجود اس کی رضا کے حصول کے لئے یہ کام کرنے کی توفیق عطا کی ہے اور اس رنگ میں کہ دنیا کی نگاہ میں اس کا جواب اور اس کی مثال نہیں۔

پھر خشک سالی کی وجہ سے علاوہ اور تکلیفوں کے نزلہ کھانسی وغیرہ کی تکلیف بھی وبائی صورت میں پھیلی ہوئی ہے وہ بھی دوستوں نے برداشت کی اگر چہ اکثر دوستوں کو ان ایام میں جلسہ میں اللہ تعالیٰ نے عام طور پر محفوظ رکھا اور وہ جلسہ کے دنوں میں اپنے رب سے توفیق پاتے رہے کہ تقاریر سُن لیں اور ان سے فائدہ حاصل کریں اور آئندہ بھی فائدہ کے حصول کی نیت کر کے ان کو یاد رکھیں اور ان باتوں کو دنیا میں جا کر بتائیں۔

جلسہ کے دنوں میں اللہ تعالیٰ کے بڑے ہی انوار نازل ہوتے رہے ہیں۔ بڑی ہی برکات کا نزول ہوا ہے۔ اپنے تو محسوس کرتے ہی ہیں اور اس پر شکر بھی بجالاتے ہیں لیکن دوسروں کے لئے ایسی چیزوں کا پہچاننا اور سمجھنا اور ان کو انوارِ الٰہی اور برکاتِ سماوی یقین کرنا مشکل ہوتا ہے سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ ان کے لئے بھی اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔ مجھے بڑی خوشی ہوئی یہ دیکھ کر کہ ہمارے چند غیر مبائع دوست بھی یہاں تشریف لائے تھے اور ان میں سے چند ایک نے تو یہیں بیعت کر لی اور ایک کے منہ سے تو نکلا کہ ہم تو کچھ اور ہی سمجھتے تھے لیکن یہاں آ کر کچھ اور دیکھا سمجھتے تو وہ وہی تھے نا!! جو ان کو بتایا جاتا تھا کہ خدا تعالیٰ کا فضل مبایعین کی جماعت کے ساتھ نہیں ہے بلکہ غیر مبائعین کی جماعت کے ساتھ ہے سنی سنائی باتوں پر وہ یقین رکھتے تھے لیکن

جو آنکھ نے دیکھا اس نے کان کو جھٹلا دیا اور انہوں نے یہ مشاہدہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کے ہزار قسم کے فضل اور اس کی رحمتیں اس جماعت پر نازل ہو رہی ہیں اور خصوصاً جلسہ کے ایام میں تو اللہ تعالیٰ دلوں پر تصرف کر کے ایک خاص کیفیت روحانی پیدا کر دیتا ہے اس سے وہ متاثر ہوئے اور یہیں انہوں نے بیعت کر لی۔

ایک دوست تھے وہ کسی وجہ سے بیعت تو نہیں کر سکے لیکن ان کا تاثر یہ تھا کہ وہ ایک دوست سے ۲۸ر جنوری کی صبح کو کہنے لگے کہ میں قسم کھا کے کہہ سکتا ہوں کہ یہ تقریر (جو غیر مبایعین کے متعلق تھی ۲۷ر تاریخ کو) ساری کی ساری الہامی تھی تقریر الہامی تو نہ تھی اگرچہ اس کے خاص فضل کی حامل تھی مگر اس قسم کا اثر اللہ تعالیٰ نے ان کے دماغ پر ڈالا لیکن اس کے باوجود ابھی انہوں نے بیعت کر کے اپنے اس عہدِ بیعت کی جو انہوں نے یا ان کے بڑوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کیا تھا اس کی تجدید نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ انہیں بھی اور ان کے دوسرے بھائیوں کو بھی توفیق عطا کرے کہ وہ ایک ایک کر کے اس جماعت کے ساتھ آ شامل ہوں۔ جس جماعت کے ذریعہ اب اللہ تعالیٰ تمام دنیا میں غلبۂ اسلام کے سامان پیدا کر رہا ہے اور ان فضلوں کے وارث ہوں جو فضل اللہ تعالیٰ اس جماعت کی حقیر کوششوں کے نتیجہ میں آسمان سے نازل کر رہا ہے اور ان کوششوں کے وہ نتائج نکال رہا ہے کہ کوشش اور نتیجہ کے درمیان کوئی نسبت ہی ہم نہیں دیکھتے یہ بھی نہ بھولیں کہ آپ بازار میں جائیں تو آپ کو آج کل کنٹرول پر بھی روپیہ کا دو سیر یا پونے دو سیر آٹا ملے گا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ سلوک کیا تھا کہ آٹے کا مقررہ کوٹہ بھی ان کو دے دیا تھا اور روپے بھی ان کو واپس دے دیئے تھے تو دیکھنے والا اس بات پر بھی حیران ہوتا ہے حالانکہ یہ چند اونٹ گندم تھی جو عطا کی گئی اور جس کی قیمت بھی واپس کر دی گئی لیکن یہاں تو یہ حال ہے کہ اللہ تعالیٰ پہلے قیمت تو ضرور لیتا ہے اور کہتا ہے قربانیاں کرواؤں گا تم سے لیکن اس کے بعد وہ ہمیں تھوڑا سا آٹا یا گندم یا چاول یا گھی یا شکر نہیں دیتا بلکہ دنیا جہاں کی نعمتیں ہمیں دیتا ہے اور قربانیوں کی شکل میں جو قیمت اس نے لی ہوتی ہے وہ بھی واپس کر دیتا ہے۔

پس ہمارا رب بڑا ہی پیار کرنے والا ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی جماعتوں اور الٰہی سلسلوں کا اکثر حصہ ایمان کی پختگی رکھنے والا ہوتا ہے۔ وہ لوگ ’’عَرَضًا قَرِيْبًا‘‘ سے پیار نہیں کرتے نہ یہ دیکھتے ہیں ’’سَفَرًا قَاصِدًا‘‘ کہ ایک سیدھا اور سہل سفر اختیار کیا اور منزلِ مقصود تک پہنچ گئے بلکہ وہ محبت رکھتے ہیں شُقَّۃُ کے ساتھ اور اس کی راہ میں تکلیف برداشت کرنے کو محبوب سمجھتے ہیں اور اسی میں لذت حاصل کرتے ہیں اور اسی میں وہ اپنی راحت پاتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ ان پر اتنا فضل کرتا ہے کہ قربانیوں کی شکل میں جو قیمت انہوں نے دی ہوتی ہے جیسا کہ میں نے ایک مثال کے رنگ میں اسے بیان کیا ہے اس سے کہیں زیادہ سرمایہ بھی واپس کر دیتا ہے جو چیز لینے کی انہوں نے خواہش کی ہوتی ہے اس سے کہیں زیادہ وہ اپنے بندوں کو دے دیتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی نعمتوں کی موسلا دھار بارش ہو رہی ہے کہ جس کے قطروں کا گننا انسانی طاقت میں نہیں ہے یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور ہم اس کے عاجز بندے ہمیشہ اس کی حمد سے معمور رہتے ہیں اور ہمیشہ ہمارا سر اس کے آستانہ پر جھکا رہتا ہے اس خیال سے کہ وہ کتنا ہم سے پیار کرتا ہے کتنا ہم سے محبت کا سلوک کرتا ہے کتنی نعمتوں سے ہمیں وہ نوازتا ہے کتنی رضا اور سرور کے سامان اس نے ہمارے لئے مقدر کر رکھے ہیں۔ دنیا جو چاہے سوچتی رہے جس رنگ میں چاہے ہمیں دکھ پہنچانے کی کوشش کرتی رہے۔ دنیا کے سارے دکھ، دنیاداروں کی پہنچائی سب تکالیف اس کی رضا کے ایک سیکنڈ کے سکھ اور چین اور سکینت کے اوپر قربان ساری عمر کے آرام! یہ عمر ہے کیا؟ عارضی چیز ہے اور جو یہاں دنیوی آرام اور آسائشیں ہیں وہ بھی ’’عَرَضًا قَرِيْبًا‘‘ ہی ہے کہ فانی ہیں جن کا ثواب کوئی نہیں۔ لیکن اگر ہم خدا تعالیٰ کے لئے انہیں قربان کرنے کے لئے تیار ہوں تو اللہ تعالیٰ ان کے بدلے میں اس دنیا میں بھی اور پھر یہاں سے گزرنے کے بعد ہمیشہ ہمیش کے لئے اپنی رضا کی جنتوں میں اپنے بندوں کو رکھتا ہے یہ دیکھ کر کون وہ بدبخت دل ہوگا جو اس کے سامنے حمد کے ساتھ نہیں جھکے گا؟

اللہ تعالیٰ ہی کی توفیق ہے کہ اس نے ہمیں حمد کرنے والے اور شکر کرنے والے، اس کی

نعمتوں کو پہچاننے والے اور اس کی محبت کا جواب محبت سے دینے والی جماعت کے افراد بنایا ہے وہ ہمیشہ ہی ہمیں اپنے شکر گزار بندے بنائے رکھے۔ آمین۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۲؍فروری ۱۹۶۷ء صفحہ ۲ تا ۴)

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر چلتے ہوئے کثرت سے دعائیں کرو

خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۴ رفروری ۱۹۶۷ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

جلسہ کے بعد جب دوسری دفعہ انفلوئنزا کا حملہ ہوا اور بخار رہنے لگا تو اس کے نتیجہ میں ایک تو جیسا کہ آپ سن رہے ہیں گلا بہت بیٹھ گیا ہے اس کے علاوہ ضعف کی شکایت بھی پیدا ہوگئی ہے اور بلڈ پریشر بھی معمول سے نیچے گرا ہوا ہے لیکن دل نہیں چاہا کہ دوستوں سے ملے بغیر یہ جمعہ بھی گزر جائے اس لئے طبیعت نے یہی فیصلہ کیا کہ خواہ چند فقرے ہی میں اپنے بھائیوں کے سامنے کہوں جمعہ کی ملاقات کا جو اللہ تعالیٰ نے ایک موقع بہم پہنچایا ہے اس سے فائدہ اُٹھا لوں بھائیوں کو نہ دیکھنے سے طبیعت ملول ہو جاتی ہے اور دوست بھی خواہش رکھتے ہیں کہ جمعہ کے روز ہی ملاقات ہو جائے اس لئے میں اپنی تکلیف کے باوجود آج یہاں حاضر ہو گیا ہوں۔

ہم نے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا ہادی اور رہبر تسلیم کیا ہے اور اپنے ربّ رحیم کے حکم کے ماتحت اور اس کی خوشنودی اور رضا کے حصول کے لئے یہ عہد کیا ہے کہ ہم اپنے محبوب آقا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے لئے ہمیشہ اسوۂ حسنہ بنائے رکھیں گے اور وہی رنگ اپنی طبیعتوں پر اور اپنی زندگیوں پر چڑھانے کی کوشش کرتے رہیں گے جس رنگ کو اللہ تعالیٰ نے

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فطرتِ صحیحہ پر چڑھایا تھا اور یہ صفاتِ باری کے انوار کا حسین رنگ تھا۔

ایک بڑی نمایاں خصوصیت جو ہمارے آقاؐ میں پائی جاتی تھی اور جو اپنی انتہاء کو پہنچی ہوئی تھی اور جس کے نتیجہ میں ہی اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اس مقام کے لئے منتخب کیا تھا اور چنا تھا کہ آپ تمام دنیا کے لئے اور تمام جہانوں کے لئے اور تمام زمانوں کے لئے ابدی شریعت لے کر آئیں اور قرآن کریم کے حامل ہوں جس کے اندر کبھی کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی تھی اور جس کا کوئی لفظ اور کوئی حرف اور کوئی زبر اور زیر بھی کبھی منسوخ نہیں ہوئی وہ ''رَحۡمَةٌ لِّلۡعٰلَمِيۡنَ'' ہونے کی خصوصیت ہے۔

بنی نوع انسان سے کسی انسان نے اس قدر شفقت اور محبت نہیں کی جتنی شفقت اور محبت کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بھائی انسانوں سے کی، نہ صرف ان انسانوں سے جو آپؐ کے سامنے تھے نہ صرف ان انسانوں سے جو آپؐ کے ملک میں رہنے والے تھے، نہ صرف ان انسانوں سے جو آپؐ کی زندگی میں ساری دنیا اور دنیا کے ہر ملک کو آباد رکھے ہوئے تھے بلکہ تمام ان انسانوں سے بھی جو آپؐ سے پہلے گزر چکے تھے اور تمام ان بنی نوع انسان سے بھی جنہوں نے آپؐ کے بعد پیدا ہونا تھا آپؐ نے سب سے ہی اس محبت کا اس رحمت اور شفقت کا سلوک کیا اور یہ جذبہ اللہ تعالیٰ نے اس شدت سے آپؐ کے دل میں پیدا کیا تھا جس کی مثال انسان کو کہیں اور نظر نہیں آتی۔ یہ ایک بڑی نمایاں صفت تھی جو ہمارے آقاؐ میں پائی جاتی تھی اور یہی وہ صفت ہے جس کی طرف میں بڑے اختصار کے ساتھ اپنے بھائیوں کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔

آج دنیا کو ضرورت ہے اس رَحۡمَةٌ لِّلۡعٰلَمِيۡنَ کے جاں نثاروں کی جو دنیا کی بہتری کے لئے اپنی زندگیاں قربان کر رہے ہوں۔ ہمارا جو جماعت احمدیہ کی طرف منسوب ہوتے ہیں ویسے تو ہر کام ہی، ہر منصوبہ ہی، ہر کوشش ہی اور ہر جدوجہد ہی بنی نوع انسان کے فائدہ کے لئے ہے لیکن ان تمام کوششوں اور ان تمام تدابیر کے علاوہ اس وقت دنیا کو ہماری دعاؤں کی بڑی ہی ضرورت ہے۔

دورِ حاضر کا انسان بڑا مغرور ہو گیا ہے اور جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس کو عطا کی تھیں اس علم اور فراست کے نتیجہ میں جو آسمان سے ہی آتا ہے اسے وہ اپنی بھلائی کے لئے اور بنی نوع انسان کی بھلائی کے لئے خرچ کرنے کی بجائے اس پر اترانے لگا اور مغرور ہو گیا ہے اس حد تک کہ اسے یہ بھی پسند نہیں کہ اس کے لئے اس کا خدا فیصلہ کرے۔ وہ چاہتا ہے کہ خود اپنے ہاتھ سے ہی اپنے فیصلے کرے۔ اگر وہ اپنے ربّ کے فیصلے پر راضی ہو جاتا تو آج اس تباہی کی طرف درجہ بدرجہ اس کی حرکت نہ ہوتی جس تباہی کی طرف ہم دیکھ رہے ہیں کہ وہ جا رہا ہے۔

پس اس انسان کو جسے اللہ تعالیٰ نے طاقت دی اور اپنی عطا سے نوازا اور جس کی آواز اور جس کے فیصلے میں اثر رکھا اور جس کا صحیح فیصلہ بنی نوع انسان کو ترقی کی راہوں پر لے جا سکتا ہے لیکن جس کا غلط فیصلہ تمام بنی نوع انسان کے لئے ہلاکت کا خطرہ بھی پیدا کر سکتا ہے۔ وہ خود فیصلے کرنا چاہتا ہے اپنے ربّ کا فیصلہ اسے منظور نہیں کیونکہ اگر اسے اپنے ربّ کا فیصلہ منظور ہوتا تو آج وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے آ جمع ہوتا جو رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ کا جھنڈا ہے اور جہاں جمع ہو کر وہ اس فیصلے کی طرف کان دھرتا جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے حالات میں دیا تو ہلاکت اس کے سامنے منڈلا نہ رہی ہوتی بلکہ امن کے ساتھ سب مسائل کا حل ہو جاتا۔

دوسری طرف وہ خود کو بے بس اور لاچار بھی پاتا ہے اور عطاءِ الٰہی کو اپنی ہلاکت کے لئے استعمال کرنے پر تُلا ہوا ہے اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی کہ میں کیا کروں اور کس طرح فیصلہ کروں کہ عالمگیر تباہی سے خود بھی بچوں اور بنی نوع انسان کو بھی بچا لوں۔

پس خدائی فیصلے کی طرف کان دھرنے کے لئے تیار نہیں خود کو صحیح فیصلے تک پہنچنے کے وہ قابل نہیں پاتا ہلاکت اس کے سامنے ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل آسمان سے نازل نہ ہو تو اس وقت انسانیت اس قسم کے خطرات سے گھری ہوئی ہے کہ اس قسم کے خطرات میں آج سے پہلے وہ کبھی نہ گھری تھی۔

پس ضرورت ہے انسان کو ایک ایسی جماعت اور ایک ایسے الٰہی سلسلہ کی جو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود کو اور آپ کے اعمال کو اور آپ کی زندگی کو اپنے لئے بطور نمونہ کے بنائے اور

اس رَحۡمَۃٌ لِّلۡعٰلَمِیۡنَ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے وہی رنگ اپنے پر چڑھاتے ہوئے، انہی کے اشاروں پر اپنے فیصلے کے دھاروں کو موڑتے ہوئے بنی نوع انسان کے لئے بڑی کثرت کے ساتھ دعائیں کرنے والا ہو۔

میں آج اپنے بھائیوں اور جماعت کو جس کو اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی بھلائی اور خیر کے لئے قائم کیا ہے اس طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ وہ بڑی کثرت کے ساتھ دعائیں کرتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ ان اقوام کو ہدایت عطا کرے کہ جن کے غلط فیصلے آج تمام بنی نوع انسان کے لئے خطرہ بن سکتے ہیں اور خدا کرے کہ ان میں یہ فراست پیدا ہو جائے کہ خود فیصلے کرنے کی بجائے اپنے ربّ کے فیصلوں پر راضی ہو جائیں اور اپنے ربّ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں اور اس طرح وہ بنی نوع انسان کو ہلاکت سے بچانے میں کامیاب ہو جائیں ورنہ سوچ کے بھی رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں کہ انسان خود اپنے ہی ہاتھ سے خدا کی عطا کو غلط استعمال کرتے ہوئے کس قدر ہلاکتوں کے دروازے اپنے پر کھول رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام بنی نوع انسان کو ہلاکت اور تباہی سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۳؍مارچ ۱۹۶۷ء صفحہ ۳، ۴)

ہماری مستورات یہ عزم اپنے دلوں میں پیدا کرلیں کہ ہم نے ہر قسم کی رسوم کو ترک کر دینا ہے

خطبہ جمعہ فرمودہ ۳/ مارچ ۱۹۶۷ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے ویسے تو طبیعت پہلے سے بہتر ہے مگر کھانسی ابھی چل رہی ہے اور جو ٹسٹ کروایا گیا تھا اس میں دو قسم کے کیڑے نکلے ہیں اور انہوں نے سنسی ٹویٹی ٹسٹ (Sensitivity Test) کر کے دو تین دوائیں بھی معلوم کی ہیں جو ان کیڑوں کو مارتی ہیں مگر چونکہ نئی دوائیں کمزوری بہت پیدا کر دیتی ہیں اس لئے میں نے ان کا استعمال ابھی مناسب نہیں سمجھا۔ مجھے خطرہ تھا کہ اس کے نتیجہ میں ضعف پیدا ہوگا اور میں آج جمعہ کے لئے نہیں آسکوں گا اگلے دو ایک روز بھی مشغولیت اسی قسم کی ہے کہ کام چھوڑ کر لیٹا نہیں جا سکتا چارپائی پر۔ اس لئے خیال ہے کہ دو تین دن کے بعد ان دواؤں میں سے کوئی ایک شروع کی جائے گی۔ دوست دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ بیماری کو کلیۃً دور کر دے اور کام کی زیادہ سے زیادہ توفیق اپنے فضل سے عطا کرے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کی غرض یہ ہے کہ تمام اقوامِ عالم پر اسلام کی برتری ثابت کر کے اسلام کو دنیا میں اس معنی میں غالب کیا جائے کہ تمام اقوامِ عالم اسلام کی صداقت کی قائل ہو جائیں اور اس کی برکات اور اس کے انوار سے حصہ لینے والی ہوں۔ بعثت

کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے دو پیشگوئیاں بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ کیں ایک تو یہ کہ غلبۂ اسلام فوری طور پر یا چند سالوں میں نہیں ہوگا بلکہ ایک وقت لگے گا دنیا میں اسلام کو غالب کرنے پر اور دوسرے یہ بشارت دی کہ اسلام کا یہ غلبہ بڑے لمبے عرصہ تک دنیا میں قائم رہے گا اور بنی نوع انسان نسلاً بعد نسلٍ اسلام کی برکات اور اس کے فیوض سے حصہ لیتے رہیں گے۔ اس کے نتیجہ میں ایک طرف غلبۂ اسلام کے لئے ہماری قربانیوں میں دوام پایا جانا چاہیے اور دوسری طرف دعاؤں اور جدوجہد کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کے فضلوں کو کچھ اس طرح جذب کرنے کی ضرورت ہے کہ جو جنت اس دنیا میں ہمیں اس کی طرف سے عطا ہو وہ بھی قائم رہنے والی ہو جلدی خزاں نہ آ جائے۔

اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں بڑے زور سے ایک تحریک پیدا کی ہے اس کے متعلق میں ابھی غور کر رہا ہوں۔ آج اصل مضمون کے متعلق تو میں کچھ کہنا نہیں چاہتا لیکن تمہید کے طور پر میں آج اپنی بہنوں کو مخاطب کرنا چاہتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ رحمٰن میں چار جنتوں کے وعدے ایک مسلمان کو دیئے ہیں دو کا تعلق اُخروی زندگی کے ساتھ ہے اور دو جنتوں کا تعلق اس دنیا کے ساتھ ہے۔ دراصل تو اُخروی زندگی کی جنت یا اس دنیا کی جنت ایک ہی جنت ہیں لیکن چونکہ ہم دو نقطہ ہائے نگاہ سے، دو زاویوں سے اس کو دیکھ سکتے ہیں اور ان دو نقطہ ہائے نگاہ کو ہی اللہ تعالیٰ نمایاں کرنا چاہتا تھا اس لئے ایک کی بجائے دو جنتوں کا ذکر سورۃ رحمٰن میں کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سورۃ رحمٰن میں ہماری توجہ اس طرف پھیرتا ہے کہ اگر اس جنت کو تم حاصل کرنا چاہتے ہو جس کو دوام حاصل ہو اور جو ابدی جنت کے نام سے پکاری جا سکے، جس کے متعلق یہ فقرہ صحیح ثابت ہو کہ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ایک لمبا عرصہ یہ قوم دنیا کی اس جنت کے اندر رہے گی تو تمہارے لئے ضروری ہے کہ دو زاویوں سے تم اس جنت پر نگاہ ڈالو اور دو طرفہ کوشش کے ذریعہ اسے حاصل کرو اور یہ کوشش کرو کہ دو چشمے تمہاری قوم اور اُمت میں پھوٹیں کیونکہ صرف ایک چشمہ اسے سیراب کر کے اُسے ابدیت عطا نہیں کر سکتا۔ اگر اس دنیوی جنت نے کہ جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے

دوام حاصل کرنا ہے اور ابدیت کا مقام حاصل کرنا ہے تو ضروری ہے کہ دو چشمے اس کے باغ کو سیراب کر رہے ہوں ایک تو وہ چشمہ محبتِ الٰہی کا، ایک تو وہ چشمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق کا، ایک تو وہ چشمہ اسلام کے لئے ہر قسم کی قربانی اور ایثار کے نمونے ظاہر کرنے کا جو مرد کے دل سے پھوٹتا ہے اس کی ضرورت ہے اور دوسرے اس چشمہ کی ضرورت ہے جو ایک عورت کے دل سے پھوٹے اور اس چشمہ کے پانی سے باغ (اس جنت) کی نرسری کو سیراب کیا جائے اس لئے مِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ کے آگے دو چشموں کا بھی اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم اے مردو! اگر خدا کی رضا کو حاصل کر بھی لو اور اگر تمہاری نیکی اور تقویٰ کے نتیجہ میں اور ان قربانیوں کی وجہ سے جو تم اس کی راہ میں دے رہے ہو اور اس موت کی وجہ سے جو تم نے اپنے خدا کی رضا کے حصول کے لئے اپنے پر وارد کی ہو اور اس اثر کے نتیجہ میں جس سے تمہاری بیویاں ایک حد تک متاثر ہوتی ہیں اس دنیا میں خدا کی رضا کی جنت کو حاصل بھی کر لو تو کون کہہ سکتا ہے کہ یہ جنت ہمیشہ رہنے والی ہے جب تک کہ مستقل طور پر اُمّتِ مسلمہ کی ہر عورت ان قربانیوں کو بجا نہ لائے جن قربانیوں کی توقع مردوں اور عورتوں ہر دو سے کی جاتی ہے اور جب تک عورت اپنی ذمہ داریوں کو نباہنے والی نہ ہو جیسا کہ اس کے خاوند اور اس کے باپ اور اس کے بھائی اور اس کے دوسرے رشتہ دار اور تعلق رکھنے والے مرد اپنی ذمہ داریوں کو نباہنے والے ہیں اس وقت تک اس جنت کو دوام حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ عورت کی ایک بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ آئندہ نسل کی صحیح تربیت کرے اور آئندہ نسل میں ان نقوش کو اُبھارے جو نقوش اسلامی انوار سے بنے ہوئے ہوں جو نقوش قرآن کریم کی تعلیم پر عمل کرنے کے نتیجہ میں اُبھرتے ہیں تو جب تک عورت اپنی اس ذمہ داری کو نہیں نباہے گی وہ عورت جو ایثار پیشہ مرد کی بیوی اور اس اسلامی جنت کی نرسری کی ماں ہے اس وقت تک اس جنت کو دوام حاصل نہیں ہو سکتا۔ ایک نسل خدا کی رحمتوں کے سایہ کے نیچے اپنی زندگی کے دن گذار کے اس دنیا سے رخصت ہو جائے گی اور اگر اگلی نسلی کی تربیت صحیح نہ ہوئی تو پہلی نسل کے اس دنیا سے گزر جانے کے ساتھ ہی خدا کی رحمت کا سایہ بھی اس قوم سے اٹھ جائے گا اور خدا کی رحمت کے سایہ کی بجائے شیطانی تمازت کے اندر

اگلی نسلیں جھلسنے لگیں گی۔

اللہ تعالیٰ سورت نساء میں اس طرف مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو متوجہ کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ لَهُمْ فِيْهَاۤ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۫ وَّ نُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ۔(النسآء:۵۸)

اس آیۂ کریمہ میں ایک مضمون یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ لوگ جو ایمان پر پختگی سے قائم رہتے ہیں اور ایسے اعمالِ صالحہ بجالاتے ہیں جن میں فساد کی کوئی ملونی نہیں ہوتی اور وہ لوگ جن کے سارے کام اور سارے اعمال اپنے خدا کی رضا کے حصول کے لئے ہوتے ہیں، جن کا نفس مرجاتا ہے اور اس فانی انسان میں خدائے ذوالجلال کی ایک تجلی کے نتیجہ میں ایک نئی روح پھونکی جاتی ہے اور اس نئی روح کے آرام اور آسائش کے لئے اس دنیا میں ایک جنت کو قائم کیا جاتا اور پیدا کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ جنت اس قوم کے لئے اور اس اُمت کے لئے ابدی ہے اس وجہ سے لَهُمْ فِيْهَاۤ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ کہ ان کی بیویاں جو ہیں مُطَهَّرَةٌ ہیں۔

مُطَهَّرَةٌ کے ایک معنی ہیں گناہ سے بچنے والیاں۔ مُطَهَّرَةٌ کے ایک دوسرے معنی ہیں اعمالِ صالحہ کو بجالانے والیاں یعنی ایسے اعمال جن میں کوئی فساد نہ ہو اور مُطَهَّرَةٌ کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ عورتوں کا وہ گروہ جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس قسم کا ہے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے بدرسوم اور مشرکانہ بدعتوں سے محفوظ رکھا ہوا ہے اور ان کا وجود دنیا کے وجود سے بالکل علیحدہ کر دیا گیا ہے بلکہ اس دنیا میں رہتی ہوئی بھی وہ جنت کی حوروں کی مانند بن گئی ہیں یعنی وہ ہر اس گند سے اور شنیع اور قبیح فعل سے پاک ہیں کہ جن میں کافرات ملوث ہوتی ہیں۔ یہ وہ عورتیں ہیں کہ جن کے گھروں میں کسی قسم کی بدرسم نظر نہیں آتی یہ وہ عورتیں ہیں جو اپنے گھر اور اپنے ماحول سے مشرکانہ بدعتوں کو دور کرنے والی ہیں چونکہ یہ ازواجِ مطہرات ان لوگوں کو ملی ہیں اور چونکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے یہ توفیق عطا کی ہے کہ وہ اپنے بچوں کو توحیدِ خالص کے ماحول میں تربیت کر سکیں اور ایک سچا اور پکا اور موحد مسلمان بنا سکیں اور اس لئے اگلی نسل کو شیطان سے محفوظ رکھنے میں یہ عورتیں کامیاب

ہو جاتی ہیں اس لئے اس جنت کو دوام مل جاتا ہے اس لئے یہ جنت ایک نسل کے لئے نہیں ہوتی بلکہ اگلی نسل کے لئے اور پھر اس سے اگلی نسل کے لئے بھی یہ دنیا کی جنت قائم رہتی ہے اور جو بشارتیں ہمیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہیں ان بشارتوں کی روشنی میں یہ جنت ہمارے لئے صدیوں تک قائم رہنی چاہیے۔ اگر ہم اپنی ذمہ داری کو نباہنے والے ہوں ہم مرد بھی اور ہماری مائیں اور ہماری بیویاں اور ہماری بہنیں اور ہماری دوسری رشتہ دار عورتیں بھی تو اللہ تعالیٰ کا ہم سے یہ وعدہ ہے کہ وہ اس جنت کو اس دنیوی جنت کو بھی ہمارے لئے ایک قسم کی ابدی جنت بنا دے گا لیکن اس کے لئے شرط یہی ہے کہ عورت اپنے بچوں کی صحیح تربیت کی طرف پوری طرح متوجہ رہے۔ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ اس معنی میں مطہرہ ہوں کہ کوئی بدرسم ان کے گھروں میں نہ ہو اور کسی مشرکانہ بدعت کے ساتھ ان کو کوئی تعلق باقی نہ رہے خالص توحید کا ماحول پیدا کرنے والی ہوں اور اس خالص توحید کے ماحول میں اپنے بچوں اور بچیوں کی تربیت کرنے والی ہوں۔

اگر ہماری مستورات اپنی اس ذمہ داری کو نباہ لیں تو ہمارے لئے وہ بشارت جو ہے وہ قائم رہے گی اور ہماری نسلیں صدیوں تک اس دنیوی جنت میں آسائش اور آرام کی زندگی بسر کرنے والی ہوں گی کسی قسم کا دکھ انہیں نہیں پہنچے گا کوئی تکلیف ان کو نہیں ڈرائے گی تو جس امر کی طرف میرے خدا نے میری توجہ کو پھیرا ہے اس سے پہلے بطور تمہید کے آج میں اپنی بہنوں سے یہ درخواست کرنا چاہتا ہوں کہ اس وقت سے اس لمحہ سے یہ عزم اپنے دلوں میں وہ پیدا کریں کہ ہم نے ہر قسم کی رسوم کو ترک کر دینا ہے اور مشرکانہ بدعتوں کا قاتل بن جانا ہے اُن سے اثر قبول نہیں کرنا بلکہ انہیں اپنی روحانیت کے اثر کے نتیجہ میں ہلاک کر دینا ہے اور اپنے بچوں کو شیطان کے ہر قسم کے اثر سے محفوظ رکھنا ہے اور انہیں اس قابل بنانا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی اس قائم کردہ، خدا تعالیٰ کی اس پیدا کردہ جنت کے ایسے درخت بنیں کہ جن سے دنیا شیریں پھل حاصل کرے۔ وہ جھاڑیاں نہ بنیں جن کے کانٹوں میں دنیا الجھے اور شیطان کی طرف پھر متوجہ ہو جائے اور ہم میں سے ہر مرد کو اسی لمحہ یہ عزم کر کے یہاں سے اٹھنا چاہیے کہ ہمارے گھر میں وہی بیوی رہ سکے گی

جو خدا کی مطہر عورت ہوگی رسوم کو پسند کرنے والی، دنیا کی شیخیوں پر اپنے اوقات اور اموال کو قربان کرنے والی، مشرکانہ بدعتوں سے محبت کرنے والی وہ عورت نہیں ہوگی جو ہمارے دلوں میں اپنی محبت پیدا کر سکے گی۔ ہمیں اپنے گھروں کو اور اپنے ماحول کو اور اپنے علاقہ کو خالص توحید کے ماحول والا علاقہ اور گھر بنانا ہے تا کہ ہم اس ذمہ داری کو نباہنے میں کامیاب ہو جائیں جس ذمہ داری کی طرف مجھے متوجہ کیا گیا ہے اور جس کے متعلق انشاء اللہ اسی کی توفیق سے آئندہ کسی وقت میں اپنے دوستوں کے سامنے اپنے خیالات کا اظہار کروں گا۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۳۱؍ مارچ ۱۹۶۷ء صفحہ ۲ تا ۴)

رضائے الٰہی حاصل کرنے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ پر عمل کرنا ضروری ہے

خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۰؍مارچ ۱۹۶۷ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت فرمائی۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا - وَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا - يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا - وَ مَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَاۤ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَ اَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا - (الاحزاب: ۲۹ تا ۳۲)

پھر فرمایا:۔

میرا آج کا خطبہ گزشتہ خطبہ کے تسلسل میں ہی ہے۔ پہلی مخاطب تو میری بہنیں ہیں لیکن میرے بھائیوں کے لئے بھی ان آیات کے مضمون میں بڑے سبق ہیں اور وہ سبق انہیں حاصل کرنے چاہئیں تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے زیادہ سے زیادہ وارث بنتے چلے جائیں۔

جن آیات کی میں نے ابھی تلاوت کی ہے وہ سورۂ احزاب کی ہیں۔ ان میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ”اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ کہ اگر تم دنیا اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں

کچھ دنیوی سامان دے دیتا ہوں اور تمہارے حقوق ادا کر کے تم کو نیک طریق سے رخصت کر دیتا ہوں اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور اُخروی زندگی کے گھر کو چاہتی ہو تو اللہ تعالیٰ نے تم میں سے پوری طرح اسلام پر قائم رہنے والیوں کے لئے بہت بڑا انعام تیار کیا ہے۔ اے نبی کی بیویو! اگر تم میں سے کوئی اعلیٰ ایمان کے خلاف بات کرے تو اس کا عذاب دگنا کیا جائے گا۔ اور یہ بات اللہ پر آسان ہے اور تم میں سے جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گی اور اس فرمانبرداری کی شان کے مطابق عمل بھی کرے گی۔ تو ہم اسے انعام بھی دگنا دیں گے اور ہم نے ہر ایسی بیوی کے لئے معزز رزق تیار کیا ہوا ہے۔''

سورۂ احزاب کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرمایا تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں۔ فرمایا اَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ اور آگے جا کر اسی سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے اُمّتِ محمدیہ کو اس طرف بھی متوجہ کیا تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام اُمت کے لئے اور ہر زمانہ کے مسلمانوں کے لئے اُسوۂ حسنہ ہیں۔ تم اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل ہی نہیں کر سکتے اس کی محبت اور پیار کو پا ہی نہیں سکتے جب تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پیار کر کے، آپ کو اپنے لئے بطور نیک نمونہ سمجھتے اور یقین کرتے ہوئے آپ کے نمونہ کے مطابق اپنی زندگیاں نہیں ڈھالو گے۔ جیسا کہ فرمایا لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اُمّتِ محمدیہ کے لئے اسوۂ حسنہ قرار دینے کے بعد اور آپ کی ازواجِ مطہرات کو مومنوں کی مائیں قرار دینے کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ یہ بیویاں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں ہیں نکاح کے وقت ان کے ساتھ کوئی ایسا سمجھوتہ نہیں تھا کہ وہ اُمّتِ محمدیہ کے لئے اُسوۂ حسنہ بنیں گی اور اس بھاری ذمہ داری کو اٹھائیں گی جیسا کہ مومنوں کی مائیں۔ بہرحال مومنوں کے لئے اُسوۂ حسنہ اور تربیت کا ایک مرکزی نقطہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد) بنتی ہیں اور کوئی کہہ سکتا تھا کہ ان کو جبراً اس مقام پر لا کھڑا کیا اور ان کو یہ حکم دیا کہ تمہیں ضرور تنگی ترشی کو اختیار کر کے اور ہر قسم کی قربانی دے کر اور اس دنیا سے منہ موڑ کر اپنے نفس پر فنا طاری کر کے اُمت کے لئے ایک اُسوہ بننا پڑے گا۔ ورنہ ہم تمہیں سزا دیں گے چونکہ مذہب میں خصوصاً

مذہبِ اسلام میں جبر جائز نہیں ان کے لئے کوئی راہ نکالنی ضروری تھی اور اگر چہ جیسا کہ عملاً دیکھنے میں آیا ہماری یہ مائیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اُمہات المومنین قرار دیا ہے (سورۂ احزاب میں) اس قدر تربیت یافتہ تھیں کہ جو اختیار ان کو ان آیات میں دیا گیا۔ اس کے بعد ان کے فیصلے نے یہ بتا دیا کہ واقعی وہ اُمہات المؤمنین بننے کی اہل تھیں۔ لیکن بہر حال دنیا کو بھی یہ بتانا تھا کہ جبر سے کام نہیں لیا گیا بلکہ اپنی مرضی سے انہوں نے اس اہم اور مشکل ذمہ داری کو اپنے کندھوں پر اٹھایا تھا۔

ان آیتوں کو اختیار دینے کی آیات بھی کہا جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے جب ان کو اُمہات المؤمنین اور اُمّتِ محمدیہ کی مسلمان عورتوں کے لئے اسوۂ حسنہ قرار دیا تو ان کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آیات کی روشنی میں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور وحی آپؐ پر نازل ہوئیں۔ یہ بات پیش کی جس کا ذکر ان آیات میں ہے۔

ان آیات کے نزول کے بعد سب سے پہلے آپؐ حضرت عائشہؓ کے پاس گئے اور آپؐ نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا کہ اے عائشہ! میں تم سے ایک اہم بات کرنا چاہتا ہوں لیکن قبل اس کے کہ میں وہ بات تمہارے ساتھ کروں تمہیں یہ تاکید کرنا چاہتا ہوں کہ جواب دینے اور فیصلہ کرنے میں جلد بازی سے کام نہ لینا بلکہ خوب سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا اور جواب دینا بلکہ بہتر یہ ہے کہ تم اپنے والدین سے بھی اس کے متعلق مشورہ کر لو اور پھر مجھے جواب دو۔

اس تمہید کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ آیات نازل کی ہیں اور ان کو یہ آیات پڑھ کر سنا دیں اور مشورہ دیا کہ تم والدین سے مشورہ کر کے اور خوب سوچ سمجھ کر مجھے بتاؤ کہ تمہیں حیاتِ دنیا اور اس کی زینت چاہیے یا تمہیں خدا اور اس کا رسول چاہیے جیسا کہ میں نے ابھی بتایا ہے امہات المؤمنین بڑی ہی تربیت یافتہ تھیں انہوں نے کہا یا رسول اللہ! اس معاملہ میں اپنے ماں باپ سے مشورہ کروں گی؟ مجھے خدا اور اس کا رسول چاہیے دنیا اور اس کی زینت نہیں چاہیے۔ اس کے بعد آپ اپنی دوسری بیویوں کے پاس گئے اور ان میں سے ہر ایک نے یہی جواب دیا کہ ہمیں خدا اور اس کا رسول چاہیے دنیا اور اس کی زینت نہیں چاہیے۔ مؤرخین اور مفسرین کہتے ہیں کہ اس وقت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نو بیویاں

زندہ موجود تھیں جن کو یہ اختیار دیا گیا تھا جن میں سے پانچ تو قریشِ مکہ کے مختلف خاندانوں سے تعلق رکھتی تھیں اور چار مختلف قبائل اور مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والی تھیں اور ساری کی ساری ایسی تھیں کہ جو اس قدر تربیت یافتہ تھیں کہ ایک سیکنڈ کے لئے انہیں سوچنا نہیں پڑا فیصلہ ان کے دماغوں میں گویا پہلے ہی حاضر تھا۔ انہوں نے کہا سوچنا کیسا؟ اور مشورہ لینا کیسا؟ ہمیں خدا اور اس کا رسول محبوب اور پیارے ہیں ہم اس ذمہ داری کو نباہنے کے لئے تیار ہیں کہ اُمّتِ محمدیہ کے لئے ہم بطور اسوۂ حسنہ اپنی زندگیاں گزاریں تو جس چیز کا ان کو ان آیات میں اختیار دیا گیا تھا وہ یہ نہیں تھا کہ چاہو تو طلاق لے لو چاہو تم بیویاں بن کے رہو۔ میرے نزدیک اس اختیار کے یہ معنی بھی نہیں تھے کہ چاہو تو دنیا لے لو اور چاہو تو خدا کے راستہ میں فقر کو اختیار کرو بلکہ ان کو اختیار اس بات کا دیا گیا تھا کہ چاہو تو ان ذمہ داریوں کو اپنے کندھوں پر قبول کرو جو اُمّتِ مسلمہ کے لئے اور اُمّتِ مسلمہ کی مستورات کے لئے اسوۂ حسنہ بننے پر تمہارے کندھوں پر پڑنے والی ہیں اور چاہو تو ایک عام مسلمان عورت کی طرح اپنی زندگیوں کو گزارو اور ساتھ ہی یہ بھی کہا گیا تھا کہ یہ یاد رکھنا کہ اگر تم نے یہ عہد کرنے کے بعد وعدہ خلافی کی اور نقض عہد کے فاحشہ مبینہ میں تم پڑ گئیں اور مبتلا ہو گئیں اور اپنے وعدے کو نہ نباہیا تو پھر دوسری عورتوں کو ان معاصی پر جس قسم کی سزا مل سکتی ہے اس سے دو چند سزا تمہیں بھگتنی پڑے گی اور اگر تم نے اس عہد کو نباہا تو تمہارا اجر بھی دوسری عورتوں سے دگنا ہوگا۔

یہ جو ''اجر'' ہے یہ حدود کے ساتھ تعلق نہیں رکھتا ضِعۡفَیۡنِ کا اور مَرَّتَیۡنِ کا تعلق حدود کے ساتھ نہیں اور نہ آپس کے جو حقوق ہیں ان کے ساتھ یہ تعلق رکھتا ہے یعنی یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر تم واقعہ میں اُسوۂ حسنہ بن گئیں تو اگر تم نے کسی سے پانچ روپے لینے ہوں گے تو تمہیں دس روپے دلوائے جائیں گے اسی طرح اگر بفرضِ محال تمہارا کوئی گناہ ہوگا جس پر حد لگ سکتی ہو تو یہ مطلب نہیں کہ حد دگنی کر دی جائے گی حدود ایک مخصوص اور محدود دائرہ کے اندر چکر لگاتی ہیں اور جو ثواب ہے وہ بڑے وسیع معنی رکھتا اور اس کا تعلق اس دنیا کی جنت سے بھی ہے اور اُخروی جنت سے بھی ہے اور اس کے مقابل میں جو سزا ہے اس کا تعلق بھی اس دنیا کے جہنم اور اگلے جہان کے جہنم سے ہے۔

تو یہاں یہ فرمایا کہ ہم تمہیں اس موقع پر کہ تمہیں امہات المؤمنین قرار دیا گیا ہے اور یہ اعلان کیا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام اُمت کے لئے اور ہر زمانہ کے لئے بطور اُسوۂ حسنہ کے ہیں اور آپ کی پیروی کرنے اور آپ کی اتباع کرنے کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہوتی ہے۔ دنیا نے اب صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہی نہیں دیکھنا بلکہ اے ازواجِ مطہرات! دنیا کی عورتوں نے تمہاری طرف دیکھنا ہے اور تمہاری اُنہوں نے نقل کرنی ہے اگر تم نے صحیح نمونہ پیش کیا تو نیکی کے ایک تسلسل کو تم جاری کرنے والی ہوگی اگر تم نے برا نمونہ پیش کیا تو بدی کے ایک تسلسل کو تم جاری کرنے والی ہوگی۔ تو جیسا کہ حدیث میں آیا ہے جو شخص نیکی کی بنیاد ڈالتا ہے اور اس کے نتیجہ میں بہت سے لوگ نیکی کرنے لگ جاتے ہیں تو اس کو اپنی نیکی کی بھی جزاء ملے گی اور جن لوگوں نے اس کے کہنے کے مطابق یا اس کی نقل کرتے ہوئے نیکیاں کی ہیں ان کے ثواب میں بھی وہ حصہ دار ہوگا۔ پس یہ ہے مَرَّتَیْنِ والی جزاء اور جو شخص بدی کی بنیاد ڈالتا ہے اور بدی کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے اور بدوں کا سردار بنتا ہے تو اس کو اپنے کئے کی سزا بھی بھگتنی پڑے گی اور لوگوں کو گمراہ کرنے کے نتیجہ میں بھی اس کو ایک سزا دی جائے گی اور یہ ہے (عَذَاب ضِعْفَیْن) دگنا عذاب جو ایسے لوگوں کو ملتا ہے۔

اگلی دو آیات میں وجہ بیان کی گئی ہے کہ یہ اختیار دیا کیوں گیا تھا؟ فرمایا کہ چونکہ ہم نے ان کو اس مقام پر لا کھڑا کیا تھا کہ وہ اُسوہ بنیں اور ایک نیک نمونہ قائم کریں اور جس شخص کو اس مقام پر کھڑا کیا جاتا ہے اور جس کے اعمال کے متعلق یہ امید رکھی جاتی ہے کہ بعد میں آنے والے اس کی نقل کریں ان کو اجر بھی دگنا دیا جاتا ہے اور ان کے اوپر ذمہ داری کے نتیجہ میں عذاب بھی دو چند نازل ہوتا ہے جیسا کہ اس کی وضاحت اللہ تعالیٰ نے دوسری آیات میں کئی جگہ کی ہے مثلاً ایک جگہ آتا ہے۔ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ اور اس آیت کے شروع میں وجہ بتائی ہے۔ رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ كُبَرَآءَنَا (الاحزاب:۶۸) ہم نے اپنے بڑوں کی ان کے کہنے کے مطابق نقل کی۔ انہوں نے کہا ہم تمہارے لئے بطور نمونہ کے ہیں تم ہمارے پیچھے آؤ ہم تمہارے ذمہ دار ہیں۔ (کہنے والے تو یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ جنت میں جانے کے لئے ایک سرٹیفکیٹ

دے دیں گے تمہیں کوئی فرشتہ نہیں روکے گا وہاں تک پہنچ جاؤ گے۔ہم ذمہ داری لیتے ہیں تم یہ کام کرو تمہیں کوئی گناہ نہیں ہوگا اور کردار ہے ہوتے ہیں ان سے گناہ کی بات) تو ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کو قیامت کے دن کہیں گے کہ اے خدا! اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ كُبَرَآءَنَا ہم نے اپنے بڑوں اور سرداروں کی، لیڈروں کی اور قائدوں کی اتباع میں اور بڑے بڑے مجتہدین اور علماء کہلانے والوں کے کہنے کے مطابق یہ اعمال کئے تھے آج ہمیں پتہ لگ رہا ہے کہ یہ اعمال تو تیری نگاہ میں پسندیدہ نہیں ہیں۔اس لئے ان کو دگنا عذاب دے اور دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَ لَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَ اَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ (العنکبوت: ۱۴) کہ ایسے لوگوں کے متعلق ہی جن کو اللہ تعالیٰ نمونہ بناتا ہے اور وہ نیک نمونہ پیش نہیں کرتے۔ بدی کی راہیں اپنے متعلقین پر کھولتے ہیں اور خدا کی طرف بلانے کی بجائے شیطان کی طرف ان کو بلاتے ہیں اور ان کو صراطِ مستقیم پر قائم کرنے کی بجائے راہِ ضلالت کی طرف لے جاتے ہیں اور ان پکڈنڈیوں کی نشان دہی کرتے ہیں جو شیطان کی طرف لے جانے والی ہیں۔ایسے لوگوں کے متعلق ہی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ اپنے بوجھ بھی اُٹھائیں گے اور یقیناً وہ ان لوگوں کے بوجھ بھی اُٹھائیں گے جن کو انہوں نے گمراہ کیا جو گمراہ ہوئے ان کو تو بہرحال سزا ملے گی یہ نہیں کہ ان کی سزا معاف ہو جائے گی لیکن ان آئمۃ الکفر کا عذاب دگنا کر دیا جائے گا اسی طرح جو نیک نمونہ بنتا ہے اس شخص کی وجہ سے یا ان اشخاص کی وجہ سے یا اس گروہ اور جماعت کی وجہ سے جو نیکیاں قائم ہوتی ہیں اور بہت سے ان کی نقل کر کے خدا تعالیٰ کی قرب کی راہوں پر چلنے لگتے ہیں تو وہ شخص یا اشخاص جو بطور نمونہ کے دنیا میں زندگی گزارتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے دہرے وارث ہوتے ہیں اور ان کو ان کا اجر (مَرَّتَيْنِ) دو دفعہ ملتا ہے ایک اپنے اعمالِ صالحہ کے نتیجہ میں ایک اس وجہ سے کہ وہ نمونہ بنے اُسوہ ٹھہرے اور بہتوں کی ہدایت کا موجب بنے۔

تو يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ اور وَ مَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ میں وجہ بتائی گئی ہے کہ ہم نے ان اُمَّهَاتُ الْمُؤْمِنِيْنَ کو یہ اختیار کیوں دیا!!! اس لئے دیا کہ ہم نے ان کو نمونہ بنایا تھا اور دنیا کو ہم بتانا چاہتے تھے کہ یہ

اس مقام کے اوپر قائم اور فائز جو کی گئی ہیں۔ یہ اس لئے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر جبر کر کے انہیں اس مقام پر کھڑا کر دیا ہے بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ان کی تربیت اس رنگ میں ہوئی ہے کہ واقعہ میں یہ اُمہات المؤمنین بننے کے قابل ہوگئی ہیں۔ اس کے ہم یہ معنی بھی کر سکتے ہیں کہ آؤ دیکھو! ہم اپنے نبی کو کہتے ہیں کہ ان ازواج کو جا کے یہ کہو کہ اگر چاہتی ہو حیاتِ دنیا اور اس کی زینت کو تو سَرَاحًا جَمِيْلًا بغیر کسی ناراضگی کے، (نہ رسول کی ناراضگی اور نہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی) میں تمہیں تمہارے دنیوی حقوق ادا کر دیتا ہوں، عام مومنات کی عام مسلمات کی صف میں جا کے کھڑی ہو جاؤ (یا اگر چاہو تو اسلام کو بھی چھوڑ دو کوئی جبر تو نہیں ہے) اور اگر چاہو تو اپنی مرضی اور رضا سے اس نہایت ہی اہم ذمہ داری کو اپنے کندھوں پر لو اور ساری اُمت کے لئے اُسوۂ حسنہ بننے کے لئے تیار ہو جاؤ اس وعید کے ساتھ کہ اگر تم سے کوئی غفلت اور سستی سرزد ہوئی اور کہیں تم نے غلطی کی اور اس کے نتیجہ میں دوسرے گمراہ ہوئے تو اس گناہ کی سزا دو چند ہوگی۔

اور جب ان کے سامنے یہ بات پیش کی گئی تو ان میں سے ہر ایک نے یہی کہا کہ یہ راہ تنگ ہے مگر یہی راہ ہمیں پیاری ہے ہم اسے چھوڑ کے ادھر ادھر ہونا نہیں چاہتیں ہمیں خدا کی رضا اور رسول کا پیار چاہیے ہمیں دنیا کی زندگی اور اس کی زینت نہیں چاہیے۔ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں اُمّتِ مسلمہ کے لئے اُسوہ بنانا چاہتا ہے تو خدا کے فضل اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ دنیا کو یہ بھی دکھائے گا کہ ہم دنیا کے لئے اور اُمّتِ محمدیہ کے لئے اُسوہ بن جائیں گی۔

پھر ان کی زندگی کو دیکھو ان میں سے ہر ایک نے اپنے اموال کو اور دنیوی سامانوں کو اور اپنے اوقات کو اور اپنے جذبات کو خدا اور اس کے رسول کے لئے خرچ کیا۔ کبھی ان کے قدم میں لغزش نہیں آئی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں فتوحات کے نتیجہ میں بڑے اموال آنے شروع ہو گئے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب سے بڑے وظائف اُمہات المؤمنین کے مقرر کئے۔ پس یہاں یہ مراد نہیں کہ دنیا کے اموال لینے نہیں مراد یہ ہے کہ دنیا کے اموال دنیا کے آرام اور دنیا کی زینت پر خرچ نہیں کرنے بلکہ خدا اور اس کے رسول کی راہ میں خرچ کرنے ہیں اگر یہ مفہوم نہ لیا جائے تو پھر تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق ہمیں یہ کہنا پڑے گا کہ آپ

نے غلطی کی کہ سب سے بڑے وظائف اُمہات المؤمنین کے لئے مقرر کر دیئے۔ بعد میں تو یہ وظائف بہت بڑھ گئے تھے لیکن شروع میں بھی دس ہزار درہم ایک ایک بیوی کو ملتا تھا ان کے اپنے رشتہ دار لاکھ لاکھ روپیہ تک ایک وقت میں لا کر ان کو دے دیتے تھے۔ حضرت عائشہؓ بیسیوں سینکڑوں غلام خرید کر ایک وقت میں آزاد کر دیا کرتی تھیں۔ ایک دن جب ان کو ایک لاکھ روپیہ ملا تو بڑی خوش ہوئیں کہ مجھے دوہرا بلکہ چوگنا ثواب ملے گا دوہرے اجر کا انہیں وعدہ تھا وہ نمونہ اور اُسوہ بھی انہوں نے دکھایا پھر یہ سوچ کر بھی خوش ہوئیں کہ ایک تو میں لاکھ روپیہ تقسیم کروں گی دوسرے سارا دن میرا اس تقسیم میں گزرے گا یہ بھی ایک ثواب ہے سارا دن ذرہ بھی آرام نہیں کیا صبح سے جو بیٹھیں تقسیم کرنے کے لئے شام کر دی سارے دن کا ایک ایک منٹ اور اس مال کا ایک ایک روپیہ غرباء میں تقسیم کر دیا یہی حال تمام ازواجِ مطہرات کا تھا۔

پس دنیا کو اللہ تعالیٰ یہ بتانا چاہتا تھا کہ ہم ان پر جبر نہیں کر رہے دنیا کو اللہ تعالیٰ یہ بتانا چاہتا تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو ایک حسین اُسوہ بنایا گیا ہے اس کا اثر سب سے پہلے خود آپ کے گھر میں رہنے والوں پر ہے اور ایک شدید محبت نیکی کے ان کاموں سے پیدا ہوگئی ہے آپ کی ازواجِ مطہرات کے دلوں میں کہ دنیا کا کوئی لالچ ، یا دنیا کا کوئی طمع یا دنیا کا کوئی آرام یا دنیا کی کوئی آسائش اس صحبت کو ٹھنڈا نہیں کرسکتی۔ تفسیر روح البیان میں لکھا ہے کہ اس آیت سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جب دنیا کی رغبت اور دنیا سے محبت کے نتیجہ میں ازواجِ مطہرات کا جسمانی اور مادی تعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قطع ہوسکتا ہے تو دنیا کی اس رغبت اور محبت کے نتیجہ میں اُمّتِ محمدیہ کا تعلق بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قطع ہو جائے گا یعنی اگر وہ حیاتِ دنیا اور زینتِ دنیا کو ترجیح دیں گے خدا اور اس کے رسول پر اور اپنے اوقات کو اور اپنی ملکیتوں کو اپنے ذاتی آسائش اور آرام پر خرچ کریں گے اور اس نظام کی مضبوطی اور استحکام کے لئے خرچ نہیں کریں گے جو اسلام نے قائم کیا ہے تو ان کا تعلق بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یقیناً قطع ہو جائے گا وہ لکھتے ہیں......

فِیْ اِیْجَابِ الْمُفَارَقَةِ عَنْ صُحْبَةِ النَّبِیِّ عَلَیْهِ السَّلَامُ لِاُمَّتِهٖ لِاَنَّ اَرْحَامَ قُلُوْبِهِمْ مَحَلُّ النُّطْفَةِ الرُّوْحَانِیَّةِ الرَّبَّانِیَّةِ فَیَنْبَغِیْ اَنْ یَّکُوْنَ اَطْیَبُ وَاَزْکٰی لِاسْتِحْقَاقِ تِلْكَ

النُّطْفَةِ الشَّرِيْفَةِ فَاِنَّ الطَّيِّبَاتَ لِلطَّيِّبِيْنَ۔

یعنی مسلمانوں کے دل رحم کی طرح ہیں روحانی لحاظ سے اور دلوں کے اس رحم میں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک ربانی روحانیت کا نطفہ داخل ہوتا ہے اور وہاں سے ایک روحانی بچہ پیدا ہوتا ہے تب وہ پکے مسلمان بنتے ہیں۔

تو مردوں کو بھی جیسا کہ میں نے شروع میں اشارہ کیا تھا ان آیات سے سبق لینا چاہیے اور یاد رکھنا چاہیے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب ہرگز ہرگز حاصل نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ روحانی طور پر اس اختیار کے ملنے کے بعد جو ان آیات میں دیا گیا ہے آپ کی طرف منسوب ہونے والی حیاتِ دنیا اور اس کی زینت پر خدا اور اس کے رسول کی رضا اور اس کی محبت کو مقدم نہ رکھیں۔ اگر وہ حیاتِ دنیا اور اس کی زینت میں محو ہو گئے اس میں رغبت انہوں نے کی اور اس سے محبت کی اور اپنے تمام دل اور تمام توجہ اور تمام محبت کے ساتھ وہ دنیا ہی کے ہو گئے اگر انہوں نے اپنے اموال کو، اگر انہوں نے دنیوی سامانوں کو، اگر انہوں نے اس دنیوی زندگی کے اوقات کو، اگر انہوں نے دنیوی محبتوں کو، اگر انہوں نے دنیوی تعلقات کو خدا اور اس کے رسولؐ پر قربان نہ کیا تو وہ یقیناً خدا اور اس کے رسول کی محبت اور قرب اور صحبت کو حاصل نہیں کر سکیں گے۔ ان آیات میں جہاں یہ بیان ہوا ہے کہ ازواجِ مطہرات ایک ایسے مقام پر ہیں کہ دنیا نے ان کی نقل کرنی ہے اگر وہ نیک نمونہ پیش نہیں کریں گی تو ان کو دگنا عذاب دیا جائے گا اگر وہ نیک نمونہ پیش کریں گی تو ان کو مَرَّتَيْنِ جزا دی جائے گی۔

وہاں بڑی وضاحت کے ساتھ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ دوسری عورتیں جن کا تعلق اُمّتِ محمدیہ سے ہے اگر وہ حیاتِ دنیا اور اس کی زینت پر دین کو قربان کر دیں گی اور خدا کی رضا کے حصول کی طرف متوجہ نہیں ہوں گی بلکہ دنیا کے عیش اور اس کے آرام میں پڑ جائیں گی تو ان کو بھی سزا دی جائے گی گو وہ سزا مَرَّةً ہو گی لیکن سزا ان کو ضرور دی جائے گی چھوڑا نہیں جائے گا ان کو پھر ان آیات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے اگر مسلمان عورت اپنے گھر کا ماحول ایسا نہیں بنائے گی کہ اس ماحول میں تربیت پانے والے بچے خدا کی آواز کو سننے کے بعد دنیا کی کسی آواز پر کان نہ دھریں

اور دنیا کی طرف پیٹھ پھیر کر اپنے پورے زور کے ساتھ اور اپنی پوری طاقت کے ساتھ اس طرف دوڑنے نہ لگ جائیں جس طرف سے کہ خدا کی آواز آ رہی ہو تو ایسی مائیں بدی کا نمونہ قائم کرنے والی ہیں اور ان کو بھی دوہرا عذاب ملے گا اور اس طرح اگر وہ اپنے گھروں کے ماحول کو اس قدر حسین بنائیں گی اسلام کی روشنی اور قرآن کریم کے نور کے ذریعہ کہ جو بچے وہاں پرورش پائیں گے ان کے دل کچھ اس طرح خدا اور اس کے رسول کی محبت میں محو ہوں گے کہ دنیا کی طرف ان کی نگاہ بھی نہیں اُٹھے گی تو الٰہی وعدہ کے مطابق ایسی مسلمان عورت کو دوگنا ثواب ملے گا۔

تو جیسا کہ میں نے گذشتہ جمعہ میں مختصراً بیان کیا تھا کہ ایک اہم مضمون کی طرف اللہ تعالیٰ نے میری توجہ کو پھیرا ہے بطور تمہید کے میں نے یہ دو خطبے دیئے ہیں اور ان خطبوں میں میں نے کوشش کی ہے کہ میں اپنی بہنوں پر اس بات کی اچھی طرح وضاحت کر دوں کہ بڑی اہم ذمہ داریاں ان کے کندھوں پر عائد ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے نبی کے ذریعہ اگر نبی اُمت میں زندہ موجود ہو یا اس کے خلفاء کے ذریعہ اگر نبی کے وصال کے بعد قدرتِ ثانیہ کا دور شروع ہو چکا ہو۔ جب کسی ذمہ داری یا ذمہ داریوں کی طرف جماعت کے مردوں اور ان کی عورتوں کو متوجہ کرے تو ان کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ وہ خدا کی رضا کے حصول کے لئے اس کے رسول یا اس کے خلیفہ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے ایسی قربانیاں دنیا کے سامنے پیش کریں جو بے نظیر ہوں اور دنیا کو حیرت میں ڈالنے والی ہوں اور دنیا یہ سمجھنے پر مجبور ہو جائے کہ عام عورتیں تو اور بھی بستی ہیں اس دنیا میں مگر ان کا ان کے ساتھ کوئی مقابلہ نہیں وہ تو ایسی عورتیں ہیں (احمدی مستورات اور احمدی بہنوں کے سوا) کہ جو حیاتِ دنیا میں کھوئی گئی ہیں اور زینتِ دنیا کو ہی انہوں نے سب کچھ سمجھ لیا ہے اور یہاں وہ ہیں کہ جو خدا اور اس کے رسول کے مقابلہ میں دنیا کے آرام اور دنیا کی آسائشیں اور دنیا کے فاخرانہ لباس اور دنیا کے قیمتی زیورات اور دنیا کے چمکتے ہوئے ہیرے اور جواہرات کی کوئی پرواہ نہیں کرتیں بلکہ خدا اور اس کے رسول کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اس کے نام کو بلند کرنے کے لئے اور اس کی عظمت اور جلال کو قائم کرنے کے لئے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت دلوں میں گاڑنے کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار ہو جاتی ہیں۔ خصوصاً تربیت اولاد کی

جو ذمہ داریاں ان پر عائد ہوتی ہیں ان کو وہ محبت اور اخلاص کے ساتھ اور پوری توجہ کے ساتھ نباہتی ہیں وہ اس یقین پر قائم کی گئی ہیں کہ اگر ہم نے کوئی بدنمونہ اس دنیا میں چھوڑا تو خدا تعالیٰ جس نے امہات المؤمنین کو بھی یہ کہا تھا کہ اگر نقضِ عہد کرو گی تو دگنی سزا دوں گا وہ ہمیں کب چھوڑے گا وہ ہماری غلطی کے نتیجہ میں یقیناً ہم پر ایک کے بعد دوسرا قہر نازل کرے گا اور اس قہر کی ہمیں برداشت نہیں ہے اس قہر سے ہم ترساں ولرزاں ہیں اس قہر سے بچنے کے لئے اور اس کی خوشنودی اور رضا کو حاصل کرنے کے لئے ہم اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار ہیں ہم اپنے بچوں کی اور اپنی بچیوں کی اس رنگ میں تربیت کریں گی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سپاہی بنکر اسلام کو دنیا میں غالب کرنے کی جو مہم جاری ہے اس مہم کے لئے اپنا سب کچھ قربان کرنے والے ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے بھائیوں کو بھی اور ہماری بہنوں کو بھی یہ توفیق عطا کرے کہ ہم سب ان ذمہ داریوں کو پوری توجہ اور بشاشت کے ساتھ نباہنے والے ہوں جو ذمہ داریاں اللہ تعالیٰ نے آج ہمارے کندھوں پر ڈالی ہیں۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۹؍اپریل ۱۹۶۷ء صفحہ ۲ تا ۵)

اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک ایسی قوم بنایا ہے جو اپنے اموال خدا تعالیٰ کی راہ میں پانی کی طرح بہاتی ہے

خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۷؍مارچ ۱۹۶۷ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیاتِ قرآنیہ کی تلاوت فرمائی۔

اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ ؕ وَ اِنْ تُؤْمِنُوْا وَ تَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَ لَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ۔ اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَ يُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ۔ هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَ مَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ الْغَنِيُّ وَ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ وَ اِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْۤا اَمْثَالَكُمْ ۔

(محمّد: ۳۷ تا ۳۹)

اس کے بعد فرمایا:۔

کھانسی کو تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت آرام ہے لیکن جو دوائی تجویز کی گئی تھی اور جس کا میں نے استعمال کیا اس کے نتیجہ میں ضعف کافی ہو گیا تھا جو ابھی باقی ہے دوائی تو اب میں نہیں کھا رہا اس کا کورس ختم ہو گیا ہے لیکن اس نے ضعف بہت کر دیا ہے۔ دعا کریں اور میں بھی دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ صحت کے ساتھ اور طاقت کے ساتھ اپنے سلسلہ کی اور اپنے بھائیوں کی خدمت

کی توفیق عطا کرتا رہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جنہیں آسمان سے نور ملتا ہے اور عرفان عطا کیا جاتا ہے وہ جانتے ہیں کہ اِنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّ لَھْوٌ کہ دنیا اور اس کے اموال اور آرام اور اس کی آسائشیں باطل ہیں۔ محض کھیل کا سامان ہیں جن کا کوئی اعتبار نہیں اور جن کو کوئی ثبات نہیں۔ چند دن کی فانی لذات کے سوا کچھ بھی نہیں پھر یہ وہ چیزیں ہیں جو انسان کو اس مقصدِ حیات سے پرے ہٹا دینے والی ہیں جس کی خاطر اس کے ربّ نے اسے پیدا کیا تھا۔ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَ تَتَّقُوْا اس کے مقابل اگر تم اپنے ربّ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے ایمان لاؤ اور حقیقت کو سمجھنے لگو اور تم سے جو مطالبے کئے جاتے ہیں تم ان کو پورا کرو اور تقویٰ کی باریک راہوں میں اللہ تعالیٰ کی رضا کی راہوں کو ڈھونڈو تو جو بطور قربانی تم سے لیا جاتا ہے وہ ضائع نہیں ہوگا بلکہ یُؤْتِکُمْ اُجُوْرَکُمْ تمہارے اجر اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے (نہ کہ تمہارے کسی استحقاق کے نتیجہ میں) تمہیں عطا کرے گا اور یہ اجر جو ہے وہ اس شکل میں ہوگا کہ وہ باقی رہے گا اور جو ثواب تمہیں ملے گا وہ بھی باقی اور دائم رہنے والا ہوگا تمہیں باقیات الصالحات دیئے جائیں گے اور تم اللہ تعالیٰ کی حقیقی نعمتوں اور ابدی حیات کے وارث بن جاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جن چیزوں کا تم سے مطالبہ کیا جاتا ہے ان میں تمہارے اوقات بھی ہیں، ان میں تمہاری عزتیں بھی ہیں، ان میں تمہاری لذتیں اور آرام بھی ہیں، ان میں تمہاری وجاہتیں بھی ہیں، ان میں تمہارا وقار بھی ہے اور ان میں تمہارے اموال بھی ہیں اور چونکہ اموال کا مطالبہ کیا جاتا ہے اس لئے شیطان فوراً بیچ میں آکودتا ہے اور انسان کو بہکانے لگتا ہے لیکن وَلَا یَسْئَلْکُمْ اَمْوَالَکُمْ وہ مالکِ حقیقی جو تمہیں بہترین اجر دینے والا ہے وہ (نعوذ باللہ) ایک سائل کے طور پر، وہ ایک بھیک منگے اور فقیر کے طور پر تو تمہارے دروازے کے آگے کھڑا نہیں ہوتا اِنفاق فی سبیل اللہ کے مطالبہ کے وقت تمہارا ربّ بطور سائل، فقیر اور بھیک منگے کے طور پر تمہارے دروازہ پر نہیں آتا وہ تو ایک غنی اور ایک سخی اور ایک دیالو ہستی کی حیثیت میں تمہارے دروازے پر آتا ہے اور اپنی رحمت کے جوش میں خود چل کر تمہارے پاس آتا ہے وہ اس لئے آتا

ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ میں نے ان بندوں کو اپنے قرب اور اپنی رضا کے لئے پیدا کیا تھا اس لئے اب میں ان کو وہ رستے بھی دکھاؤں گا کہ جن پر چل کر وہ میری رضا کو حاصل کر سکیں اور میرے قرب کو پا سکیں اس غرض سے وہ تمہارا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے شیطان کہتا ہے کہ خدا فقیر ہے وہ تمہارے اموال مانگنے آیا ہے لیکن خدا تعالیٰ کہتا ہے میں سخی ہوں، میں غنی ہوں، میں دیالو ہوں، میں اس لئے آیا ہوں کہ میں تمہیں کچھ دوں میں اس لئے نہیں آیا کہ تم سے تمہارے اموال جس طرح ایک فقیر لیتا ہے اس طرح لے لوں۔ تو اللہ تعالیٰ جب ہمارا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے اور کہتا ہے کہ اپنے مالوں کی قربانیاں میری راہ میں دو تو ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتا ہے کہ اس سے کہیں زیادہ میں تمہیں واپس لوٹاؤں گا۔ میں تمہیں اَضْعَافًا مُّضٰعَفَۃً دوں گا۔ تم دنیا کی فانی چیزیں جو میری ہی عطا ہیں میرے قدموں میں لا رکھو ابدی نعمتیں ان کے بدلہ میں تمہیں دی جائیں گی، میری رضا تمہیں ملے گی اور میری جنت میں تم داخل ہو گے، تمہارا ثواب اور تمہارا اجر اپنی کمیت اور کیفیت میں اس سے کہیں بڑھ کر ہے جو وہ تم سے اموال کی شکل میں لیتا ہے۔ پھر جیسا کہ میں نے بتایا ہے جو کچھ وہ ہم سے لیتا ہے وہ ہم اپنے گھر سے تو نہیں لاتے بلکہ وہ بھی تو اسی کی عطا ہے۔ اس نے ہی وہ اپنے فضل سے ہمیں دیا ہوتا ہے اور وہی اپنے فضل سے ہمیں دنیا کے اموال کا مالک اور وارث بناتا ہے اور پھر ہمیں کہتا ہے کہ جو میں نے تمہیں دیا ہے اس میں سے تھوڑا سا مجھے واپس دے دو کیونکہ جو میں نے اس دنیا میں تمہیں دیا تھا وہ فانی ہے اور ضائع ہونے والا ہے اس کے ایک حصہ کا میں مطالبہ کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ یہ مجھے لوٹا دو تا وہ ذریعہ بن جائے ان ابدی اور غیر فانی نعمتوں کا جو تمہیں اُخروی زندگی میں ملنے والی ہیں۔

اِنْ یَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وہ ایک گداگر اور بھیک منگے کی حیثیت سے تمہارا دروازہ نہیں کھٹکھٹاتا، وہ اس فقیر کی طرح مانگنے والا نہیں جس کے متعلق تم حق رکھتے ہو کہ اسے کہو بابا جاؤ ہم تمہارے کشکول میں بھیک نہیں ڈالتے بلکہ وہ تو آقا ہوتے ہوئے بھی، وہ تو غنی ہوتے ہوئے بھی اپنی رحمت کے جوش میں تمہارے ہی فائدہ کے لئے تمہارے دروازہ پر آتا ہے اور ایک سچا اور سستا سودا تم سے کرنا چاہتا ہے۔ وہ تو یہ کہہ رہا ہے کہ فانی دو اور باقی پاؤ۔ ورلی زندگی

کے کھوٹے سکے اور مصنوعی پتھر دے دو اور کھرے سکے اور اصلی لعل و جواہر لے لو وہ تو کہتا ہے بخل چھوڑو، ہاں بخل چھوڑو کہ وہ تمہارے لئے نقصان دہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یُخْرِجْ اَضْغَانَکُمْ اس کے مختلف معانی تفاسیر میں کئے گئے ہیں۔ ایک معنی تو اس کے یہ ہیں کہ یہاں یہ فرمایا کہ اگر بخل کا طریق تم اس الٰہی سلسلہ میں اختیار کرو گے تو اس سے تمہارے کچھ اور گند بھی ظاہر ہوں گے کیونکہ تمہارا بخل سے کام لینا بتا رہا ہوگا کہ تمہارے دل میں مخلصین کے لئے کینہ موجود ہے اور تم خدا اور اس کے رسول اور اس پر ایمان لانے والوں کے ساتھ دشمنی کے جذبات رکھتے ہو تم مال اس لئے نہیں دیتے کہ تمہارے بعض بھائیوں کی ضرورتیں پوری ہوں گی یا اللہ تعالیٰ کے دین کی یہ ضرورت پوری ہوگی کہ تمہارے وہ بھائی جو اپنی زندگیاں خدا تعالیٰ کی راہ میں وقف کر رہے ہیں وہ جہاد کے میدان میں نکلیں گے اور ان مالوں کو وہ خرچ کریں گے یہ محض بخل ہی نہیں ہے بلکہ اس کے پیچھے کینہ، اس کے پیچھے خدا اور اس کے رسول اور مخلصین سلسلہ کے ساتھ، مخلصین اُمّتِ مسلمہ کے ساتھ تمہاری دشمنی ہے تو یہ بخل جو ہے یہ ظاہر کرے گا تمہارے اس کینے کو اور تمہاری جو قلبی بیماریاں ہیں ان کے ظاہر کرنے کا یہ ذریعہ بن جائے گا۔

دوسرے اس کے یہ معنی بھی ہیں کہ دراصل اللہ تعالیٰ تین زمانہ کے لوگوں کو مخاطب کر رہا ہے ان آیات میں تو یہاں یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ ایسے سامان پیدا کر دے گا کہ جن لوگوں کے دلوں میں تربیت کی کمی کی وجہ سے اور ایمان کی کمزوری کے نتیجہ میں بخل پایا جاتا ہے وہ بخل ان کا دور ہو جائے گا اور اخلاص میں وہ ترقی کریں گے اور ایثار میں وہ اور بھی آگے بڑھ جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کے پیارے بندے بن جائیں گے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے وہ لوگو! جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آپؐ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت کرنے والے ہو یا اس زمانہ میں رہنے والے ہو یعنی پہلی تین صدیاں جس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت سے یہ بیان کیا ہے کہ اس زمانہ میں میرے متبعین میں بڑے مخلص لوگ پیدا ہوں گے اور خدا تعالیٰ کے قرب اور اس کی رضا کی راہیں ان پر کھولی جائیں گی اور اسلام کی روشنی کو وہ دنیا کے کناروں تک پہنچا دیں گے تو یہاں ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری تربیت کا سامان پیدا کر دیا ہے،

تمہارے دل کے اندر جو اضغان ہیں اور مختلف قسم کی بیماریاں پائی جاتی ہیں، اللہ تعالیٰ تمہیں صحت عطا کرے گا اور تمہارے دل کی ان بیماریوں کو وہ دور کر دے گا۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ سنو اور ہوشیار رہو تم وہ لوگ ہو جن کو اس بات کی طرف بلایا جاتا ہے کہ تم ان راہوں میں خرچ کرو جو اللہ تعالیٰ کی رضا کی طرف لے جاتی ہیں۔ تم فی سبیل اللہ خرچ کرو، تم کو اس بات کی طرف بلایا جاتا ہے کہ تم فانی چیزوں کو دے کر ابدی سرور کے وارث بنو تم کو اس لئے بلایا جاتا ہے کہ تم اپنے اموال کا ایک حصہ کاٹ کر اشاعتِ قرآن کے لئے، اشاعتِ اسلام کے لئے، استحکامِ اسلام کے لئے اور تعلیمِ اسلام کو فروغ دینے کے لئے الٰہی سلسلہ کے خزانہ میں آ کر جمع کر دو مگر فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ تم میں وہ لوگ بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے میں بخل سے کام لیتے ہیں لیکن جب دنیا کے کھیل کود کا معاملہ ہو اور ایسے اخراجات ہوں جن کے نتیجہ میں انسان لازماً خدا تعالیٰ سے غافل ہو جاتا ہے تو اس وقت بخل کا نام ونشان باقی نہیں رہتا بڑی دلیری سے خرچ کرتے ہیں۔ دنیا کی رسوم ہیں، رواج ہیں، بیاہ شادی کے اوپر وہ لغویات کی جاتی ہیں اور ان لغویات پر وہ خرچ کیا جاتا ہے کہ آدمی حیران ہو جاتا ہے کہ ان آدمیوں کی عقلوں کو کیا ہو گیا ہے کہ اپنی بساط اور استطاعت سے آگے نکلتے ہوئے یہ خرچ کر رہے ہیں۔ اپنے لئے بھی دنیا میں ایک مصیبت پیدا کر رہے ہیں لیکن جب یہ کہا جاتا ہے کہ آؤ غلبہ اسلام کے لئے مالی قربانیاں دیں تو کہتے ہیں کہ بڑی مجبوری ہے، بڑی ذمہ داریاں ہیں، بچوں کو پڑھا رہے ہیں، رشتہ داروں کو پال رہے ہیں اس میں ہمیں رعایت ملنی چاہیے لیکن بچوں کی پڑھائی اور رشتہ داروں کا خیال بدرسوم کی ادائیگی کے وقت ان کے دماغوں میں نہیں آتا تو جب دنیا کے لئے وہ خرچ کرتے ہیں، دنیا کے کھیل کود اور دنیا کے لھو کے لئے تو بے دریغ خرچ کر جاتے ہیں اور اموال کو ضائع کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ تم آزاد ہو تم پر کوئی جبر مذہب نے عائد نہیں کیا اس لئے جو چاہو کرو لیکن یہ یاد رکھو کہ مَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ جو شخص بھی انفاق فی سبیل اللہ میں بخل سے کام لیتا ہے وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے کیونکہ انفاق کا فائدہ اسے ہی

ملنا تھا۔ اس کا ثواب اگر زید خرچ کرنے والا ہے تو بکر کو نہیں ملتا اگر زید بخل کرتا ہے تو اس کے نتیجہ میں جو محرومیاں اس کو حاصل ہوتی ہیں وہ محرومیاں بکر کو حاصل نہیں ہوتیں تو اس بخل کا نتیجہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو ثواب سے محروم کرتا ہے۔ اپنے نفس کو عذاب میں مبتلا کرتا ہے کسی اور کو نہ فائدہ تھا انفاق سے، نہ ہی اس بُخل کے نتیجہ میں کسی کو نقصان پہنچے گا خود اپنے نفس کو ہی ایسا شخص نقصان پہنچانے والا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ غنی ہے اور تم فقراء ہو خدا تعالیٰ کو تو کسی مال کی ضرورت نہیں وہ ہمیشہ سے غنی ہے وہ اس دن سے غنی ہے جب اس نے تم کو سورج کی روشنی سے فائدہ پہنچانے کے لئے اس کو پیدا کیا سورج کی پیدائش سے اس کو کوئی ذاتی نفع نہیں تھا یا اگر وہ اسے پیدا نہ کرتا تو اسے کوئی ذاتی نقصان نہیں تھا۔ وہ ہمیشہ سے غنی ہے لیکن ہمیشہ سے وہ سخی بھی ہے وہ بڑا دیالو بھی ہے وہ بڑا رحم کرنے والا بھی ہے وہ بڑا خیال رکھنے والا بھی ہے۔

وہ بڑا پیار کرنے والا بھی ہے جو مخلوق لاکھ سال کے بعد یا دس لاکھ سال کے بعد یا کروڑ سال کے بعد پیدا ہونی تھی اس کا اس نے کروڑ سال پہلے یا دس لاکھ سال پہلے یا لاکھ سال پہلے سے خیال رکھا باوجود غنی ہونے کے تو جہاں اس کی صفت غناء ازلی ہے وہاں اس کی رحمت بھی ہر وقت جوش میں رہتی ہے تو تمہیں کس نے کہا کہ وہ فقیر بن کر تمہارے دروازہ پر آیا اور اس نے تمہارا دروازہ کھٹکھٹایا فقیر تو تم ہو تم اپنی پیدائش سے پہلے بھی فقیر تھے کہ اگر تمہاری ضرورت کو اس وقت پورا نہ کیا جاتا اور آج سورج کی روشنی تمہارے اوپر نہ چمکتی تو تم بہت ساری چیزوں سے محروم رہ جاتے مثلاً آنکھ کی بینائی سے تم محروم رہ جاتے تم اپنی پیدائش سے بھی پہلے فقیر تھے اور تمہارا ربّ تو ہمیشہ سے، ازل سے غنی ہے اور ابد تک غنی رہے گا لیکن کسی زمانہ کو بھی کیوں نہ لو تمہارا فقر، تمہاری احتیاج اپنے ربّ کی طرف تمہیں لاحق رہتی ہے تو جب تمہارا غنی، جب تمہارا سخی، جب تمہارا دیالو، جب تمہارا بخشن ہار ربّ تمہارے دروازہ پر آ کر تمہارے اموال کا مطالبہ کرتا ہے تو اس میں تمہارا ہی فائدہ اسے مدِّنظر ہوتا ہے اس کا اپنا کوئی فائدہ اس کے اندر نہیں ہوتا اور اگر تم اس آواز پر لبیک نہ کہو اور قربانیوں کو دینے کے لئے اور ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لئے تیار نہ

ہو تو اس میں تمہارا اپنا نقصان ہے اور کسی کا نقصان نہیں ہے اور وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ یاد رکھو اگر تم ایمان اور تقویٰ کو اختیار کرنے سے اعراض کرو اور انفاق فی سبیل اللہ کی طرف متوجہ نہ ہو تب بھی اللہ تعالیٰ اسلام کی حمایت تو ضرور کرے گا اور اسلام کی حمایت میں اس دنیا میں جو اسباب کی دنیا ہے بہرحال غلبہ اسلام کے سامان وہ پیدا کرے گا اگر تم بخل سے کام لو گے تو وہ ایسی قوم پیدا کر دے گا جن کے دلوں میں بخل نہیں ہوگا خدا اور اس کے رسول اور اس کے دین کے لئے وہ اپنے مالوں کی قربانیاں کچھ اس طرح دیں گے کہ دنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیں گے۔

اسلام کی حفاظت کا تو اس نے وعدہ کیا ہے وہ حفاظت تو اسلام کو ملتی رہے گی تم نے اس مہم میں حصہ لے کر خدا تعالیٰ کے فضل کو جذب کرنا ہے یا نہیں کرنا یہ تمہاری مرضی پر منحصر ہے۔ اگر اللہ کی آواز پر لبیک کہو گے تو اس کی رضا تمہیں مل جائے گی اور وہ نعمتیں تمہیں میسر آئیں گی کہ آج اس دنیا میں تمہارے تخیل میں بھی وہ نہیں آ سکتیں۔ تمہارا ذہن بھی ان اشیاء تک نہیں پہنچ سکتا جن سے تمہاری جھولیاں اُخروی زندگی میں بھر دی جائیں گی تمہیں روحانی سیری نصیب ہوگی تمہارے دل میں جو خواہش پیدا ہوگی وہ نیک ہوگی اور وہ پوری کر دی جائے گی۔ تمہیں اپنے ربّ سے کبھی غلط قسم کا گلہ بھی پیدا نہیں ہوگا لیکن اگر تم اعراض کر جاؤ پیٹھ پھیر جاؤ تو ایک اور قوم اللہ تعالیٰ پیدا کر دے گا۔ ثُمَّ لَا یَکُوْنُوْٓا اَمْثَالَکُمْ پھر وہ تمہارے جیسے نہیں ہوں گے۔

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ ثُمَّ لَا یَکُوْنُوْٓا اَمْثَالَکُمْ اس حصہ آیت میں ایک پیشگوئی ہوئی ہے جو بڑی شان سے پوری ہوئی اور جیسا کہ میں نے بتایا اس آیت میں تین زمانے مخاطب ہیں پہلی تین صدیاں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عام طور پر اکثریت ایسے لوگوں کی ہوگی جو دین کے معاملہ میں بخیل نہیں ہوں گے دوسرے بیچ کا زمانہ وہ ہزار سال کہ جن میں بخل کرنے والے بھی ہوں گے سخاوت کرنے والے بھی ہوں گے، خدا تعالیٰ کا قرب پانے والے بھی ہوں گے اور خدا سے دور رہنے والے بھی موجود ہوں گے مگر اکثریت جو ہے وہ اس اعلیٰ مقام کو کھو چکی ہوگی اور ایک تنزل کے دور میں سے اسلام گزر رہا ہوگا تیسرے اس میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

کے زمانہ کی پیشگوئی ہے وَ اِنۡ تَتَوَلَّوۡا یَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَیۡرَکُمۡ ثُمَّ لَا یَکُوۡنُوۡۤا اَمۡثَالَکُمۡ اور اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ ہزار سالہ دورِ تنزل کے آخر پر جب مسلمانوں کی اکثریت خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے اعراض کرنے والی ہوگی تَتَوَلَّوۡا ان پر صادق آرہا ہوگا ایک اور قوم اللہ تعالیٰ پیدا کرے گا جو ان جیسی نہیں ہوگی یعنی یہ تو انفاق سے گریز کرنے والے ہوں گے اور وہ (جماعت احمدیہ) انفاق کرنے کے بعد بھی یہ سمجھنے والے ہوں گے کہ ہم نے تو اپنے ربّ کے حضور کچھ بھی پیش نہیں کیا بالکل تضاد ہوگا دو قوموں کے کیریکٹر میں اور ان کی ذہنیت میں۔

تفسیر روح البیان میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب یہ آیت نازل ہوئی تو بعض صحابہؓ نے پوچھا کہ یارسول اللہ یہاں وَ اِنۡ تَتَوَلَّوۡا یَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَیۡرَکُمۡ میں جس قوم کا ذکر ہے یہ کون سی قوم ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں اس وقت سلمان فارسیؓ کھڑے تھے آپؐ نے فرمایا یہ اور اس کی قوم اور پھر آگے وہ حدیث آتی ہے کہ اگر ثریا پر بھی ایمان چڑھ گیا ہوگا تو فارسی الاصل مسیح موعود وہاں سے بھی ایمان کو لا کر قرآن کریم کے معانی اور اس کے معارف کو زمین پر قائم کرے گا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روایت کے مطابق بڑی وضاحت سے بتادیا کہ جس قوم کا اس آیت میں ذکر ہے وَ اِنۡ تَتَوَلَّوۡا یَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَیۡرَکُمۡ وہ جماعت احمدیہ ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ پیشگوئی فرمائی کہ اسلام پر انتہائی تنزل کا زمانہ آئے گا اور مسلمان کہلانے والے دین کی راہ میں خرچ کرنے سے اعراض کرنے لگ جائیں گے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے وقت اور اس وقت سے اب تک جو زمانہ گذرا ہے اس میں آپ تمام مسلمانوں کی تاریخ پر نگاہ ڈالیں خواہ وہ پاکستان اور ہندوستان کے رہنے والے ہوں خواہ وہ دوسرے ملکوں کے رہنے والے ہوں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اُمت مسلمہ کی انفاق فی سبیل اللہ کے لحاظ سے بالکل وہی حالت تھی جو اس آیت میں بیان کی گئی ہے کہ وہ انفاق فی سبیل اللہ سے اعراض کرنے والے ہوں گے اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ اس میں شک نہیں کہ بعض بڑے نیک آدمی بھی تھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت سے قبل لیکن بڑی بھاری اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جو شاید انفاق فی سبیل اللہ کے نام سے بھی آشنا نہ تھے دین کی راہ میں اپنے اموال کو خرچ کرنے میں

انہیں موت نظر آتی تھی دوسرے یہ پیشگوئی فرمائی کہ حضرت مسیح موعودؑ کو مبعوث فرما کر وہ ایک اور قوم پیدا کرے گا جو اس کی راہ میں اپنے اموال پانی کی طرح بہا دیں گے۔

شروع میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو انفاق فی سبیل اللہ کی عادت ڈالنی پڑی تو آنہ آنہ دو دو آنہ لے کر یہ عادت ڈالی پھر بعد میں وہی لوگ تھے جنہوں نے اپنا سب کچھ قربان کر دیا لیکن وہ ان لوگوں میں سے اس جماعت میں داخل ہو رہے تھے جن کے لئے خدا کی راہ میں ایک آنہ خرچ کرنا بھی دوبھر تھا پھر جب انہوں نے ایک آنہ پھر دو آنہ پھر چار آنہ پھر آٹھ آنہ پھر روپیہ پھر دس روپیہ دیا اور آخر وہ انفاق فی سبیل اللہ کے جذبہ سے مست رہنے لگے اس طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ قوم بنا دی يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ کہ جو انفاق فی سبیل اللہ بشاشت سے کرتے چلے جاتے ہیں۔

جس قوم نے اپنی یہ روایت بنائی ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ کی راہ میں ان کا ہر سال پہلے سے آگے ہوگا اور ان کا ہر قدم آگے ہی آگے بڑھتا چلا جائے گا کبھی ایک جگہ کھڑا نہیں رہے گا پیچھے ہٹنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا یہ وہ قوم ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کہتا ہے۔ ثُمَّ لَا يَكُونُوٓا اَمْثَالَكُمْ پھر وہ تمہاری طرح نہیں ہوں گے جن کا تَتَوَلَّوْا میں ذکر ہے بلکہ یہ ایک کنٹراسٹ (Contrast) ہوگا ایک نمایاں چیز ان کے اندر ایسی پائی جائے گی جو ان کو تم سے علیحدہ کر دے گی۔

ایک غریب چھوٹی سی جماعت ہے ہماری جیسا کہ ہم میں سے ہر ایک جانتا ہے اور غیر بھی جانتے ہیں پھر یہ توفیق ایک غریب جماعت کو کہاں سے ملی اور کس نے دی کہ وہ اسلام کی راہ میں اپنے اموال کو خرچ کریں اور پھر وہ کونسی ہستی ہے جس نے ان کے اموال میں اتنی برکت ڈالی کہ اگر آج ساری دنیا میں اسلام کی اشاعت کرنے والی کوئی جماعت ہے تو یہی غریب اور چھوٹی سی جماعت ہے۔ اللہ تعالیٰ اتنی برکت ڈالتا ہے اس جماعت کی مالی قربانیوں میں کہ ہماری عقلیں بھی اسے سمجھنے سے قاصر ہیں لیکن وہ ہمارے اموال میں برکت پر برکت ڈالتا چلا جاتا ہے آپ ایک دھیلہ دیتے ہیں اور ایک پہاڑ اس کا نتیجہ نکل آتا ہے جیسا کہ میں نے جلسہ سالانہ پر بھی بتایا تھا کہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب تحریکِ جدید کا اجراء کیا تو پہلے سال قریباً ستائیس ہزار روپیہ

کا مطالبہ کیا تھا اور دس سال کے بعد جو اثر اور نتیجہ پیدا ہوا اس کا دنیا میں وہ یہ تھا کہ دس سالہ اس حقیر کوشش کے نتیجہ میں وہ زمانہ آیا کہ ۴۵ ء سے ۶۶ ء تک قریباً ۲۱ سال میں قریباً تین کروڑ روپیہ غیر ملکوں کی آمد تحریکِ جدید کو ہوئی یعنی یہ ’’قوم‘‘ غیر ملکوں میں بھی پیدا ہونی شروع ہوگئی (يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ) تو صرف مرکز میں ہی ایسی قوم پیدا نہیں ہوئی بلکہ ساری دنیا میں اللہ تعالیٰ نے اس قوم کا ایک نمونہ بنی نوع انسان کو دکھایا کہ دیکھو تم نے بخل سے کام لیا تمہیں کیا ملا یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے بشاشت کے ساتھ خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنے اموال کو قربان کیا دیکھو یہ کہاں سے کہاں پہنچ گئے کیا وہ ایک بدلی ہوئی قوم نہیں ہے کیا یہ وہ قوم نہیں ہے جن کے اعمال کو دیکھ کر، جن کے اعمال کے نتائج کو دیکھ کر انسان اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ قوم ہے اس کی پیدا کردہ جماعت ہے یہ وہ جماعت ہے جس کے متعلق قرآن کریم نے کہا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ کہ وہ تم میں سے ہوں گے وہ تم میں ہوں گے لیکن وہ اپنے ایثار میں تم سے علیحدہ ہوں گے وہ اسلام کی ہی ایک جماعت ہوگی لیکن جہاں تک ان کی قربانیوں کا تعلق ہوگا جہاں تک ان قربانیوں کے پھل اور ثمرہ کا تعلق ہوگا جو آسمانی حکم کے نتیجہ میں پیدا ہوگا تم میں اور ان میں کوئی مماثلت نہیں ہوگی تو اس قوم کو جس نے اپنے لئے یہ روایت قائم کر لی ہے کہ ان کا قدم ہر میدانِ قربانی میں (انفاق فی سبیل اللہ کے میدان میں بھی) آگے ہی آگے بڑھتا چلا جاتا ہے اس قوم کے عزیزوں اور بھائیوں کو میں بطور یاددہانی یہ کہنا چاہتا ہوں کہ سالِ رواں صدر انجمن احمدیہ کے چندوں کا قریباً ختم ہو رہا ہے اور اس سال میں سے ویسے تو ایک مہینہ اور تیرہ یا چودہ دن باقی رہ گئے ہیں لیکن چونکہ چندے لوگ ماہ بماہ دیتے ہیں ہر ماہ کی آمد وصول ہونے پر انفاق فی سبیل اللہ کرتے ہیں اس لئے سال گذرنے میں دو ماہ باقی رہ گئے ہیں لیکن جہاں تک وصولی کا سوال ہے وہ اس نسبت سے کم ہے یعنی سارے سال کا بجٹ اگر بارہ مہینوں پر پھیلایا جائے تو دو مہینہ کی جو رقم باقی رہ جانی چاہیے تھی اس سے زیادہ رقم باقی رہ گئی ہے یہ تو مجھے پتہ ہے کہ خدا کے فضل سے محض خدا کے فضل سے (اپنی کسی خوبی کے نتیجہ میں نہیں) آپ اپنی ذمہ داریوں کو ضرور نبھائیں گے اور آپ کا قدم سال گذشتہ سے پیچھے نہیں رہے گا لیکن میں نے یہ سوچا کہ میں اپنے بھائیوں کو اس طرف متوجہ کر کے اللہ تعالیٰ سے یہ امید رکھوں کہ

وہ مجھے اس یاددہانی کا ثواب عطا کرے گا۔

جو گوشوارہ میرے سامنے پیش کیا گیا ہے اس کی رو سے جو تدریجی بجٹ اور جو تدریجی آمد ہے اس میں دولاکھ اسی ہزار روپیہ کا فرق ہے اور جو کُل بجٹ ہے اس میں غالباً پانچ چھ لاکھ کی کمی ہے لیکن اگلے دو مہینہ میں معمول کے مطابق آمد آنی ہے لیکن بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ مثلاً دوسرے تیسرے مہینہ میں انہیں کوئی ضرورت پیش آئی تو وہ کہتے ہیں اب ہم اپنی ضرورت پوری کر لیتے ہیں اور سال کے اندر اندر ہم بہرحال خدا کی ضرورت کے پورا کرنے کے لئے جو وعدے ہم نے دیئے ہیں وہ پورا کر دیں گے تو آخری مہینہ میں آمد جو ہے وہ ہر مہینہ کی نسبت سے کہیں بڑھ جاتی ہے اوّل تو میری طبیعت پر یہ چیز بھی گراں گذرتی ہے کیونکہ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شروع سال میں ہمیں خواہ وہ اپنی ہی بعض دوسری ریزرومدوں میں سے رقم لینا پڑے مانگ کر گذارہ کرنا پڑتا ہے۔ ہمارے لئے تو کوئی تکلیف نہیں لیکن غیرت مجھے ضرور آتی ہے کہ وہ قوم جن کا اللہ تعالیٰ نے اس شان کے ساتھ اپنے کلامِ مجید میں ذکر کیا ہے وہ اگر اپنے چندے شرح کے ساتھ ماہ بماہ دینا شروع کر دیں تو کسی ماہ بھی کسی مد سے ہمیں مانگنا نہ پڑے اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰہُ بہرحال اب تھوڑا وقت رہ گیا ہے اور ذمہ داری بڑی ہے خصوصاً اس قوم کے لئے کہ جو یہ دیکھ رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری حقیر کوششوں میں کس قدر برکت ڈالتا ہے اور کیسے اعلیٰ اور شاندار اور نتائج اس کے نکالتا ہے اور جہاں تک ذاتی طور پر ہمارا تعلق ہے اس دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کسی کا قرض اپنے سر پر نہیں رکھتا۔ بہت سے خاندانوں کو میں ذاتی طور پر جانتا ہوں جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں اٹھنی یا بارہ آنے یا روپیہ ماہوار چندہ دیا اللہ تعالیٰ نے اس خاندان کو اس دنیا میں بھی اس سے کہیں بڑھ کر واپس کیا ان میں سے ایسے خاندان بھی ہیں جن کی ماہوار آمد بیس پچیس یا تیس ہزار روپیہ ماہوار ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کسی کا قرض اپنے ذمہ نہیں رکھتا اصل نعمت تو وہ ہے جو مرنے کے بعد ہمیں ملنی ہے لیکن اس دنیا میں بھی وہ اپنے فدائی اپنے جاں نثار اپنی راہ میں خرچ کرنے والے جو اُسے غنی اور خود کو فقیر سمجھتے ہیں اور ہر دم اپنے دل میں اس کی احتیاج پاتے ہیں ان کو مایوس نہیں کرتا بلکہ اتنا دیتا ہے کہ لینے والا حیران ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا کرتا رہے کہ ہم اپنی ذمہ داریوں کو اس رنگ میں نبھاتے رہیں جس کے نتیجہ میں وہ ہم سے خوش ہو جائے اور اس کی رضا کو ہم حاصل کرلیں۔ اَللّٰھُمَّ آمِیّن

(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۶؍ مارچ ۱۹۶۷ء صفحہ ۲ تا ۶)

جماعت احمدیہ کا قیام غلبۂ اسلام اور اشاعتِ اسلام کی تکمیل کے لئے کیا گیا ہے

خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۴؍ مارچ ۱۹۶۷ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

میرا ارادہ تو اس مضمون کے تسلسل میں خطبہ دینے کا تھا جسے میں نے دو خطبوں کی تمہید کے بعد عیدالاضحیہ کے خطبہ کے موقعہ پر شروع کیا تھا لیکن چونکہ موسم کی وجہ سے اہلِ ربوہ جمعہ میں شامل نہیں ہو سکے اور اس کی انہیں اللہ تعالیٰ نے اسلامی شریعت میں اجازت بھی دی ہے اسی لئے یہاں آنے کے بعد میں نے اپنا یہ ارادہ اس خیال سے ترک کر دیا ہے کہ میرے پہلے مخاطب جماعت میں چونکہ اہالیانِ ربوہ ہیں ان میں سے اگر اکثر شامل نہ ہوں جمعہ کے موقعہ پر تو بہتر یہی ہے کہ اس مضمون کو میں آئندہ جمعہ پر ملتوی کر دوں اللہ تعالیٰ سے یہ امید رکھتے ہوئے کہ وہ مجھے بھی توفیق عطا کرے گا اپنے اس مضمون کی تکمیل کے لئے اور اہالیانِ ربوہ کو بھی زیادہ سے زیادہ ان باتوں کے سننے کی توفیق عطا کرے گا کیونکہ یہ مضمون جماعت کی تربیت کے لئے میرے نزدیک نہایت ہی اہم ہے۔

اس وقت میں اپنے بھائیوں کو اس طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے متعدد بار یہ فرمایا ہے کہ ہم نے جتنے ظاہری سامان ہمیں ملے ہیں ان کو استعمال کرتے ہوئے اپنی انتہائی کوشش حقیقی اور صحیح اسلام کو قائم کرنے اور پھیلانے کے لئے صرف کر دی ہے لیکن یہ دنیا

اس طرف متوجہ نہیں ہو رہی اس لئے اب ایک ہی حربہ باقی رہ گیا ہے اور وہی کارگر ہے اور انشاء اللہ کارگر ہوگا اور وہ دعا کا حربہ ہے۔

جہاں تک غیر مسلموں کا تعلق ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس قدر زبردست دلائل اسلام کے حق میں اور ان کے غلط عقائد کے بطلان میں عطا کئے ہیں کہ جو بھی ان میں سے خلوص نیت کے ساتھ اور اس عہد کے ساتھ کہ اگر سچائی اسے مل گئی تو وہ اسے قبول کر لے گا ان دلائل پر غور کرے تو یہ ہو نہیں سکتا کہ وہ اسلام کی حقانیت کا قائل نہ ہو جائے اور حلقہ بگوش اسلام ہو کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ پڑھنے لگے۔

جہاں تک ہمارے مسلمان بھائیوں کا تعلق ہے انہیں بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بار بار اس طرف متوجہ کیا ہے کہ تم امن کی فضا میں ہر قسم کے تعصّبات کو چھوڑتے ہوئے محض خدا تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے میری باتوں کو اور ان دلائل کو سنو جو آسمان سے میرے لئے تیار کئے گئے اور مہیا کئے گئے ہیں تا اللہ تعالیٰ تم پر یہ حق کھول دے کہ جماعت احمدیہ کا قیام غلبۂ اسلام کے لئے اور اشاعتِ اسلام کی تکمیل کے لئے کیا گیا ہے۔ جب تک سارے مسلمان اکٹھے ہو کر ان راہوں کو اختیار نہ کریں جو راہیں کہ اللہ تعالیٰ نے غلبۂ اسلام کے لئے مقرر کی ہیں اس وقت تک ہمیں اس میں صحیح معنی میں کامیابی نہیں ہو سکتی لیکن انہوں نے ابھی اس طرف توجہ نہیں دی اور آخر ایک ہی دروازہ رہ گیا جسے کھٹکھٹانا ہمارے لئے ضروری ہو گیا اور وہ دعا کا دروازہ ہے جب سب حربے ناکام ہو جاتے ہیں، جب سب تدابیر جو ہیں وہ بے نتیجہ ثابت ہو جاتی ہیں اور کچھ نظر نہیں آتا سوائے اس کے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی اور انکسار کے ساتھ جھکیں اور اس کی ذاتی محبت میں سرشار ہو کر اس کے لئے ایثار کے وہ نمونے بنی نوع انسان کے سامنے پیش کریں کہ جن کی مثال سوائے صحابہ کرامؓ کی زندگیوں کے اور کہیں ہمیں نہ ملتی ہو۔

اس وقت ان بہت سے ملکوں میں بھی جہاں اللہ تعالیٰ کے فضل سے احمدیت کو ترقی اور فروغ اور کامیابی حاصل ہو رہی تھی سیاسی بے چینی اور بدامنی پیدا ہو رہی ہے مثلاً انڈونیشیا (جاوا سماٹرا وغیرہ) ہے وہاں کے سیاسی حالات بھی ابھی سٹیبل (Stable) نہیں ہوئے، اطمینان نہیں لوگوں کو،

نہ وہ یہ جانتے ہیں کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا، کیا حالات پیدا ہوں گے، کب انہیں امن اور سکون کی زندگی ملے گی۔ کب وہ اپنی زندگیوں کو معمول کے مطابق گزارنے لگیں گے۔ مغربی افریقہ میں نائیجیریا میں بھی بدامنی کے سے حالات ہیں۔ غانا میں بھی پوری طرح ابھی سٹیبلٹی (Stability) قائم نہیں ہوئی۔ اطمینان نہیں گو حالات بہت حد تک بہتر ہیں نائیجیریا کے مقابل میں اور ابھی پچھلے دو چار روز میں سیرالیون میں بھی سیاسی فساد اور فتنہ پیدا ہو گیا ہے کیونکہ وہاں اسی ماہ کی سترہ تاریخ کو انتخابات ہوئے تھے لیکن جیسا کہ آج کی خبروں سے پتہ چلتا ہے قبل اس کے کہ انتخابات کا نتیجہ نکلتا وہاں کے گورنر جنرل نے حزبِ مخالف کو دعوت دی کہ وہ حکومت بنائیں یعنی ابھی سارے نتائج بھی نہیں نکلے تھے کسی وجہ سے، جس کا ہمیں علم نہیں ہو سکا، حزبِ مخالف کو دعوت دی گئی اس پر وہاں کی حکومت نے بغاوت کر دی اور حزبِ اختلاف کا جو قائد تھا اور جس نے وزارتِ عظمیٰ کا عہدہ سنبھالا تھا اور حلف لی تھی اس حلف کے معاً بعد ہی فوج نے اسے حراست میں لے لیا اور اعلان کیا کہ قبل اس کے کہ نتائج نکلیں گورنر جنرل کو یہ حق کہاں سے پہنچتا ہے کہ وہ حزبِ اختلاف کو حکومت بنانے کی دعوت دے۔ بہرحال بڑا پُرامن ملک تھا اس وقت تک لیکن اب ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہاں کیا حالات پیدا ہوں اور خصوصاً یہ ملک اور اسی طرح مشرقی افریقہ میں (پہلے جو ایک ملک تھا اب تین ملک ہو گئے ہیں یعنی) کینیا، یوگنڈا اور ٹانگانیکا (اور اب تنزانیہ کہلاتا ہے کیونکہ زنجبار کے ساتھ ان کی فیڈریشن قائم ہو گئی ہے اور نام انہوں نے ٹانگانیکا سے بدل کر اپنا تنزانیہ رکھ لیا ہے تو ان ملکوں) کے سیاسی حالات بھی اطمینان پیدا کرنے والے نہیں بلکہ تشویش پیدا کرنے والے ہیں اور یہ وہ ممالک ہیں جہاں (افریقہ کے اور ممالک میں بھی اس میں شک نہیں جماعتیں قائم ہیں) جماعت احمدیہ کو نسبتاً بہت زیادہ اقتدار اللہ تعالیٰ کے فضل سے حاصل ہو چکا ہے دوستوں کو یہ دعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس بے اطمینانی میں سے اطمینان کی کوئی ایسی صورت پیدا کر دے کہ وہ اسلام کے لئے مفید ہو اور جس کے نتیجہ میں جماعت احمدیہ پہلے سے بھی زیادہ مستحکم ہو جائے کہ سب طاقتیں اور قدرتیں اسی کے ہاتھ میں ہیں۔

(از رجسٹر خطباتِ ناصر غیر مطبوعہ)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعہ بیت اللہ کی ازسرِ نو تعمیر کے تئیس عظیم الشان مقاصد

خطبہ جمعہ فرمودہ ۳۱؍ مارچ ۱۹۶۷ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہّد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیاتِ قرآنیہ کی تلاوت فرمائی۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ - فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ - (اٰلِ عمران: ۹۷، ۹۸)

وَ اِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا ؕ وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَ الْعٰكِفِيْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ - وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّ ارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَ مَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ - وَ اِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَ اِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ - رَبَّنَا وَ اجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠ وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَ تُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ - رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ

وَ الْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۔(البقرۃ:۱۲۶ تا ۱۳۰)

اس کے بعد فرمایا:۔

میں نے اپنے اس مضمون کو عیدالاضحیہ کے روز شروع کیا تھا اور بتایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعہ بیت اللہ کی ازسرنوتعمیر کی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یہ عہد لیا کہ وہ اور ان کی نسل ایک لمبے عرصہ تک خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنی زندگیوں کو وقف کر کے ان ذمہ داریوں کو نباہیں گے جو بیت اللہ کی تعمیر سے تعلق رکھتی ہیں اور تدبیر اور دعا سے یہ کوشش کریں گے کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسل کو توفیق عطا کرے کہ جب خدا تعالیٰ کا آخری شارع نبی دنیا کی طرف مبعوث ہو تو وہ اسے قبول کریں اور اسلام کے قبول کرنے کے بعد جو انتہائی قربانی اس قوم کو خدا تعالیٰ کے نام کے بلند کرنے کے لئے دینی پڑے وہ قربانی خدا تعالیٰ کی راہ میں دیں۔

میں نے بتایا تھا کہ بیت اللہ کے ساتھ بہت سی اغراض اور بہت سے مقاصد وابستہ ہیں جن کا ذکر قرآن کریم میں ہمیں نظر آتا ہے۔ اور جن کا تعلق حقیقتاً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ہے۔ یہ آیات جو میں نے ابھی تلاوت کی ہیں جب ان کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو ہمیں مندرجہ ذیل مقاصد نظر آتے ہیں جن مقاصد کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کی ازسرنوتعمیر کروائی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی نسل سے قریباً اڑھائی ہزار سال تک وہ قربانیاں لیتا چلا گیا۔ پہلی غرض وُضِعَ لِلنَّاسِ بیان ہوئی ہے۔ دوسری مُبٰرَكًا تیسرے هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ میں ایک مقصد بیان ہوا ہے۔ چوتھے اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ پانچویں مَقَامِ اِبْرٰهِيْمَ چھٹے مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ساتویں وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ ۔ آٹھویں جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ نویں وَ اَمْنًا دسویں وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى گیارہواں مقصد طَهِّرَا بَيْتِيَ میں بیان کیا گیا ہے۔ بارہواں مقصد لِلطَّآئِفِيْنَ تیرہواں عٰكِفِيْنَ کے لفظ میں بیان ہوا ہے۔ چودہواں مقصد وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ کے اندر بیان کیا گیا ہے۔ پندرہواں مقصد رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا میں بیان کیا گیا ہے۔ سولہواں مقصد وَ ارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ میں بیان کیا گیا ہے۔ سترھواں مقصد رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا میں بیان کیا گیا ہے۔ اٹھارواں مقصد السَّمِيْعُ کے اندر بیان ہوا ہے۔ انیسواں مقصد الْعَلِيْمُ کے اندر بیان ہوا

ہے۔ بیسواں مقصد وَ مِنۡ ذُرِّیَّتِنَاۤ اُمَّۃً مُّسۡلِمَۃً لَّکَ میں بیان ہوا ہے۔ اکیسواں مقصد وَ اَرِنَا مَنَاسِکَنَا میں بیان ہوا ہے بائیسواں مقصد وَ تُبۡ عَلَیۡنَا میں بیان ہوا ہے اور تئیسواں مقصد رَبَّنَا وَ ابۡعَثۡ فِیۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ میں بیان کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ وہ پہلا گھر جو لِلنَّاسِ وضع کیا گیا ہے بنایا گیا ہے مکہ میں ہے۔ مختلف روایات اور قرآن کریم کی آیات میں جو مفہوم مختلف جگہوں میں بیان ہوا ہے۔ اس سے میرے ذہن نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ جب ہمارے آدم کی پیدائش اور بعثت ہوئی (میں نے ہمارے آدم کے الفاظ اس لئے استعمال کئے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمایا ہے کہ لاکھ کے قریب آدم اس دنیا میں پیدا ہوئے ہیں جو آدم پہلے گذرے تھے۔ ان کی اولاد میں سے بعض کو اولیائے اُمت نے اپنے کشف میں دیکھا بھی ہے۔ جس کا انہوں نے اپنی کتب میں ذکر کیا ہے) اس وقت دنیا ایک مختصر سے خطہ میں آباد تھی اور اللہ تعالیٰ نے اس وقت کے سب انسانوں کے لئے اپنی حکمتِ کاملہ سے آدم پر یہ وحی فرما کر بیت اللہ کی تعمیر کروائی ایک گھر بنوایا اور اس گھر کو تمام بنی نوع انسان کے ساتھ متعلق کر دیا جو اس آدم کی اولاد میں سے تھے۔ لیکن بعد میں جب یہ نسل بڑھی اور پھیلی اور دنیا کے مختلف خطوں کو انہوں نے آباد کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روحانی اور ذہنی نشوونما کو مدِّنظر رکھتے ہوئے ہر قوم اور ہر خطہ میں علیحدہ علیحدہ نبی بھیجنے شروع کئے تا ان کو ان راہوں پر چلانے کی کوشش کریں جن راہوں پر چل کر خدا تعالیٰ کا ایک بندہ اپنی استعداد کے مطابق عبودیت کی ذمہ داریوں کو نباہ سکتا ہے اور احادیث سے یہ بھی پتہ لگتا ہے کہ اس دنیا میں ایک لاکھ سے اوپر انبیاء گذرے ہیں تو جس آدم کی اولاد اس طرح منتشر اور متفرق ہوگئی تھی علیحدہ علیحدہ قوم بن گئی تھی جن کے اپنے اپنے نبی تھے انہوں نے اس گھر کی طرف توجہ دینی چھوڑ دی جو خدا کا گھر اور تمام بنی نوع انسان کے لئے کھڑا کیا گیا تھا اور اس سے اس قدر بے توجہی برتی کہ حوادثِ زمانہ کے نتیجہ میں اور مرمت اور آبادی نہ ہونے کی وجہ سے اس گھر (بیت اللہ) کے نشان تک مٹ گئے لیکن جب اللہ تعالیٰ کا یہ منشا پورا ہونے کا وقت آیا کہ پھر تمام دنیا عَلٰی دِیۡنٍ وَّاحِدٍ جمع کر دی جائے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس گھر کو از سرِ نو تعمیر کرنے اور اس

گھر کی حفاظت کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی نسل کو وقف کر دینے کا فیصلہ کیا تا ایک قوم اس بیت اللہ سے تعلق رکھنے والی ایسی پیدا ہو جائے جن کے اندر وہ تمام استعدادیں پائی جاتی ہوں جو اس قوم میں پائی جانی چاہئیں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کی پہلی مخاطب ہو۔ چنانچہ اڑھائی ہزار سال تک دعاؤں کے ذریعہ سے اور وقف کے ذریعہ سے ایک ایسی قوم تیار ہوئی جو اگر خدا تعالیٰ کی بن جائے تو اس کے اندر تمام وہ استعدادیں پائی جاتی تھیں جو روحانی میدانوں میں بنی نوع انسان کی راہ نمائی اور قیادت کر سکے اور چونکہ یہ استعدادیں اور قوتیں اپنے کمال کو پہنچ چکی تھیں ان کے غلط استعمال سے فتنہ عظیمہ بھی پیدا ہو سکتا تھا۔ اس لئے جب تک وہ گمراہ رہے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شدت سے مخالفت کی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنی ایذا پہنچائی کہ پہلی کسی اُمت نے اپنے نبی کو اس قسم کی ایذا نہیں پہنچائی غرض ان کے اندر استعدادیں بڑی تھیں ایک وقت تک وہ چھپی رہیں۔ ایک وقت تک شیطان کا ان پر قبضہ رہا لیکن جب وہ سوئی ہوئی استعدادیں بیدار ہوئیں اور انہوں نے اپنے ربّ کو پہچانا تو دنیا نے وہ نظارہ دیکھا کہ اس سے قبل کبھی بھی انسان نے خدا تعالیٰ کی راہ میں اس قسم کی قربانیوں کا نظارہ نہیں دیکھا تھا۔ غرض یہ وہ قوم تھی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانیوں اور ان کی دعاؤں اور ان کی نسل کی قربانیوں اور ان کی دعا کے نتیجہ میں پیدا ہوئی۔

غرض وُضِعَ لِلنَّاسِ کا مفہوم حقیقی معنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ جیسا کہ تمام اغراض و مقاصد جو بیت اللہ سے متعلق ہیں وہ حقیقی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق رکھنے والے ہیں لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ میں اس گھر کی جو میرا گھر ہے از سرِ نو تعمیر ان اغراض کے پیش نظر کروا رہا ہوں اور اس کے لئے تمہیں قربانیاں دینی پڑیں گی۔

غرض پہلا مقصد جس کا تعلق بیت اللہ سے ہے یہ ہے کہ یہ بیت اللہ وہ سب سے پہلا خدا کا گھر ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے تمام بنی نوع انسان کے دینی اور دنیوی فوائد رکھے ہوئے ہیں۔ وُضِعَ لِلنَّاسِ یعنی تمام لوگوں کی بھلائی کے لئے اس کی تعمیر کی گئی ہے۔ یہاں سے دنیا کی اقوام بلا امتیاز رنگ،

بلا امتیاز نسل اور قطع نظر ان امتیازات کے جو ایک کو دوسرے سے علیحدہ کر دیتے ہیں تمام اقوام عالم اس گھر سے دنیوی فوائد بھی حاصل کریں گی اور دینی فوائد بھی حاصل کریں گی۔ یہ پہلی غرض ہے اس گھر کی از سر نو تعمیر سے۔

دوسری غرض بیت اللہ کی تعمیر سے یہ ہے کہ ہم ایک اپنے گھر کو (بیت اللہ کو) ''مُبٰرَكًا'' بنانا چاہتے ہیں اور ''مُبٰرَكًا'' اس مقام کو کہتے ہیں جو نشیب میں ہو اور اگر بارش ہو تو چاروں طرف کا پانی وہاں آ کر جمع ہو جائے۔ چونکہ یہاں بارش کے موضوع پر اللہ تعالیٰ بات نہیں کر رہا۔ بلکہ انسان کی دینی اور دنیوی ترقیات اور بہبود کے متعلق بات ہو رہی ہے اس لئے یہاں ''مُبٰرَكًا'' کے معنی دو ہیں۔ ایک یہ کہ تمام اقوامِ عالم کے نمائندے اس گھر میں جمع ہوتے رہیں گے اور دوسرے یہ کہ ہم نے بیت اللہ کو اس لئے تعمیر کروایا اور اسے معمور رکھنے (آباد رکھنے) کا فیصلہ کیا ہے کہ یہاں ایک ایسی شریعت قائم کی جائے گی یہاں ایک ایسا آخری شریعت والا نبی مبعوث کیا جائے گا کہ جس کی شریعت میں تمام ہدایتیں اور صداقتیں (روحانی) جو مختلف اقوام کی شریعتوں میں متفرق طور پر پائی جاتی تھیں پھر اکٹھی کر دی جائیں گی اور کوئی ایسی صداقت نہ ہوگی جو اس شریعت سے باہر رہ گئی ہو۔

پس فرمایا کہ روحانی لحاظ سے ہم اس ''بیت اللہ'' کو ''مُبٰرَكًا'' بنانا چاہتے ہیں اور ہماری یہ غرض ہے کہ یہ مولد ہوگا ایک ایسی شریعت کا کہ تمام انبیاء کی شریعتوں میں جو ہدایتیں متفرق طور پر پائی جاتی ہوں گی وہ اس میں اکٹھی کر دی جائیں گی اور اس کے ساتھ برکت بھی ہوگی یعنی وہ تمام چیزیں جو پہلوں کے لئے ضروری نہیں تھیں اور وہ انہیں برداشت نہیں کر سکتے تھے وہ صداقتیں بھی اس میں بیان ہوں گی اور ایک کامل اور مکمل شریعت ہوگی جو تمام قوم کے فائدہ کے لئے قائم کی جائے گی اور یہ جو گھر ہے اور یہ جو بیت اللہ ہے یہ اس کامل اور مکمل اور ابدی شریعت کے لئے اُمَّ الْقُرٰى ٹھہرے گا۔

تیسری غرض بیت اللہ کے قیام کی هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ میں بیان کی گئی ہے۔ آپ اس بات کو مدِّنظر رکھیں کہ ان آیات کے شروع میں بیان کیا گیا تھا۔ وُّضِعَ لِلنَّاسِ کہ تمام دنیا، تمام اقوام اور

تمام زبانوں کے لئے ہم اس گھر کو بنارہے ہیں تمام اقوام کے ساتھ اس کا جو تعلق ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں بار بار دہرایا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تیسری غرض اس گھر کی تعمیر سے یہ ہے کہ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ تمام جہانوں کے لئے ہدایت کا موجب یہ بنے۔ لفظ هُدًى کے معنوں میں بھی عَالَمِيْن کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کیونکہ عقل اور فراست اور علم اور معارف جو مشترک طور پر سارے انسانوں کا حصہ ہیں ان کو ہدایت کہتے ہیں۔ اس کے بغیر آگے روحانی علوم چل ہی نہیں سکتے کیونکہ جس میں مثلاً عقل نہ ہو وہ پاگل ہو جائے اس کو مرفوع القلم کہتے ہیں یعنی اب اس کے اوپر شریعت کا حکم نہیں رہا غرض عقل بنیاد ہے شریعت کی اور ان معانی کی جو اس لفظ ہدایت کے اندر پائے جاتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ فرمایا کہ ہم اس گھر کے ذریعہ سے ثابت کریں گے کہ تمام اقوامِ عالم عقل کے لحاظ سے اور فراست کے لحاظ سے اور معارف کے لحاظ سے اور علوم کے لحاظ سے ایک جیسی قابلیت رکھتے ہیں۔ کسی قوم کو اس لحاظ سے کسی دوسری قوم پر برتری نہیں ہے۔

اس میں یہ اشارہ بھی پایا جاتا ہے کہ جس زمانہ میں حقیقتاً هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ کا جلوہ دنیا پر ظاہر ہوگا یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد اس وقت بعض قومیں دنیا میں ایسی بھی پیدا ہو جائیں گی جو یہ کہنے لگیں گی کہ ہم زیادہ عقل مند ہیں۔ ہمارے اندر زیادہ فراست اور علوم حاصل کرنے کی زیادہ قابلیت ہے اور بعض قومیں ایسی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بنایا ہی اس غرض سے ہے کہ وہ ہماری محکوم رہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس گھر کے ذریعہ سے ہم ثابت کریں گے کہ اپنی عقل اور فراست اور بنیادی علوم کے لحاظ سے قوم قوم میں تمیز نہیں کی جاسکتی۔ اللہ تعالیٰ نے تمام بنی نوع انسان کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے اور اس غرض کو حاصل کرنے کے لئے جس عقل کی، جس فراست کی، جن معارف کی اور جن علوم کی ضرورت تھی وہ سب اقوام کو برابر دئے ہیں یعنی ان کے اندر برابر کی استعدادیں ہیں۔ فرد فرد کی استعداد میں تو فرق ہوسکتا ہے لیکن کسی ایک قوم کو دوسری قوم پر برتری حاصل نہیں۔

دوسرے معنی هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ کے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس بیت اللہ کے مقام سے قرآن کریم کا نزول شروع کرے گا کیونکہ مفردات راغب میں ہے کہ هِدَايَة کے ایک معنی یہ ہیں کہ وہ

آسمانی ہدایت کہ جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے ذریعہ اور پھر قرآن کریم کے نزول کے ساتھ بنی نوع انسان کو بلایا ہو کہ اِدھر آؤ یہ ہدایت کے راستے ہیں ان پر چلو تب مجھ تک پہنچ سکتے ہو۔ تو ہدایت کے معنی میں تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور پہلے تمام انبیاء ایک سے شریک ہیں لیکن هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ کے معنی حقیقی طور پر سوائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی نبی پر چسپاں نہیں ہوتے کیونکہ باقی تمام انبیاء اپنے زمانوں اور اپنی اقوام کی طرف مبعوث کئے گئے تھے۔ پس یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ بیت اللہ قرآن کریم کے نزول کی جگہ ہے یہاں سے قرآن کریم نازل ہونا شروع ہوگا۔ اس غرض سے ہم اس کی حفاظت کر رہے ہیں اور اس کی تطہیر وغیرہ کا سامان پیدا کر رہے ہیں۔

هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ کے تیسرے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ بیت اللہ ایک ایسا مقام ہے کہ یہاں اس شریعت کی ابتدا ہوگی جو انسان پر غیر متناہی ترقیات کے دروازے کھولے گی کیونکہ ہدایت کے تیسرے معنی امام راغب کے نزدیک یہ ہیں کہ ایک شخص جب ہدایت کی راہوں پر چل کر بعض اعمالِ صالحہ بجالاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کو مزید ہدایت کی توفیق عطا کرتا ہے تو ہر عملِ صالحہ کے نتیجہ میں بہتر اور جو اللہ تعالیٰ کو نسبتاً زیادہ محبوب عملِ صالحہ ہے اس کی توفیق اس کو مل جاتی ہے یعنی تدریجی طور پر انسان کو روحانی ترقیات کے مدارج پر چڑھاتی چلی جائے گی اور اس اُمت پر اس کے ذریعہ سے غیر متناہی ترقیات کے دروازے کھولے جائیں گے اور پھر یہ فرمایا کہ بیت اللہ کے قیام کی غرض یہ ہے کہ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ (اپنے چوتھے معنی کے لحاظ سے) ایک ایسی اُمّتِ مسلمہ پیدا کی جائے گی جس کو اللہ تعالیٰ کے وہ انعامات ملیں گے جو ان سے پہلے کسی اُمت کو نہیں ملے اور قیامت تک بنی نوع انسان کو اس قسم کے کامل اور اکمل اور مکمل ثواب اور اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمتیں ملتی چلی جائیں گی کیونکہ ہدایت کے چوتھے معنی امام راغب نے یہ لکھے ہیں۔

اَلْهِدَايَةُ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَى الْجَنَّةِ

چونکہ ان کے نزدیک صرف آخرت میں ہی جنت ملتی ہے اس لئے انہوں نے ”فِي الْاٰخِرَةِ“

کے الفاظ (میرے نزدیک) اپنے اس عقیدے کی وجہ سے زائد کر دیئے۔ ورنہ لغوی لحاظ سے اس کے یہی معنی ہیں اَلْهِدَايَةُ اِلَى الْجَنَّةِ یعنی جس غرض کے لئے انسان کو پیدا کیا گیا ہے وہ غرض اسے حاصل ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا کہ یہ جنت صرف اُخروی زندگی میں ہی نہیں بلکہ اس دنیوی زندگی میں بھی ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ فرمایا تھا کہ بیت اللہ کو ہم اس لئے کھڑا کر رہے ہیں اور اس کی حفاظت کے ہم اس لئے سامان پیدا کر رہے ہیں کہ یہاں ایک ایسی اُمت جنم لے گی جو ثواب اور جزا ان کو ملے گی اور خدا تعالیٰ کی رضا کی جو جنت ان کے نصیب میں ہوگی وہ پہلی قوموں کے نصیب میں نہیں ہوئی ہوگی یعنی بہترین نتیجہ جو انسانی روحانی عمل کا نکل سکتا ہے وہ اس اُمت کے اعمال کا نکلے گا کیونکہ جو شریعت ان کو دی گئی ہے وہ ہر لحاظ سے کامل اور مکمل ہے۔ پہلوں کی شریعتیں چونکہ نسبتی طور پر ناقص تھیں۔ اگر ان پر پورے طور پر عمل بھی کیا جاتا تو ان کا نتیجہ عقلاً بھی وہ نہیں نکل سکتا تھا جو نتیجہ اس عمل کا نکل سکتا ہے جو ایسی شریعت کے مطابق ہو جو پورے طور پر کامل ہو تو اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ فرمایا کہ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ اس گھر سے جس عالمگیر شریعت کا چشمہ پھوٹے گا اس پر عمل کرنے کے نتیجہ میں ''اَلْجَنَّةَ'' ایک کامل جنت انسان کو ملے گی اس دنیا میں بھی اور اُخروی دنیا میں بھی۔ پس تیسری غرض (جو آگے بعض ذیلی اغراض میں تقسیم ہو جاتی ہے) بیت اللہ کے قیام کی هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ہے۔

چوتھا مقصد اس گھر کی تعمیر کا یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ ہے۔ قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم خاص قسم کی آیاتِ بینات کا وعدہ انسان کو دیتا ہے یا ان کے متعلق پیشگوئیاں بیان کرتا ہے تو یہاں میرے نزدیک آیاتِ بینات کے عام معنی نہیں ہیں بلکہ یہاں وہ آیاتِ بینات مراد ہیں جو اس پہلے گھر سے تعلق رکھتی ہیں جو ''وُضِعَ لِلنَّاسِ'' ہے، جو ''مُبٰرَكًا'' ہے اور جو ''هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ'' ہے۔ اس مفہوم کے بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ اور اس کے معنی یہاں یہ ہیں کہ اس گھر سے تعلق رکھنے والی ایسی آیات اور بینات ہوں گی اور یہ گھر ایسے نشانات اور تائیداتِ سماوی کا منبع بنے گا جو ہمیشہ کے لئے زندہ رہیں گی۔ جو آیات اور بینات پہلے انبیاء یا ان کی قوموں کو دیئے گئے وہ اپنے اپنے وقت پر ختم ہو گئیں اور

پہلی اُمتوں میں سے ہر ایک نے کوئی نہ کوئی منطقی اور غیر تسلی بخش دلیل ڈھونڈ کر یہ دعویٰ کر دیا کہ اللہ تعالیٰ سے ایسا تعلق قائم نہیں ہوسکتا کہ انسان اس کے قرب کو، اس کی وحی کو، سچے رؤیا اور کشوف کو اور آئندہ کے متعلق پیشگوئیوں کو حاصل کر سکے تو قرب کے ان دروازوں کو پہلی ہر اُمت نے اپنے پر بند کر لیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایک ایسی اُمّتِ مسلمہ کا قیام بیت اللہ کی تعمیر سے مدِّنظر ہے کہ قیامت تک ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے نشانات ظاہر ہوتے رہیں گے اور اپنے نشانات اور استجابت دعا اور قربانیوں کا دنیا میں پھل پانے کے نتیجہ میں وہ اُمت دنیا پر یہ ثابت کرتی رہے گی کہ اس دنیا کا پیدا کرنے والا ایک زندہ خدا ہے۔ ایک طاقت ور خدا ہے۔ وہ بڑا رحم کرنے والا اور پیار کرنے والا خدا ہے وہ ایسے بندوں کو جو اس کے سامنے جھکتے ہیں ضائع نہیں کرتا اور اس سے تعلق کو وہ قائم کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی عزت کو دنیا میں قائم کرنے کے لئے اور دنیا کو یہ بتانے کے لئے کہ یہ میرا محبوب بندہ ہے وہ اس پر وحی کرتا ہے کشوف و رؤیا اسے دکھاتا ہے وہ اس کی دعاؤں کو قبول کرتا ہے اور ایسے بندے اس اُمت میں پیدا ہوتے رہیں گے جو قیامت تک یہ ثابت کرتے رہیں گے کہ ہمارا خدا زندہ خدا ہے اور اس سے تعلق رکھنے والے آیاتِ بیّنات کو حاصل کرتے ہیں۔

پانچویں غرض اس کا تعلق بیت اللہ سے ہے اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کی ہے کہ یہ مقامِ ابراہیم ہے یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ دیکھو ہمارے بندے ابراہیم (علیہ السلام) نے اور بہتوں نے اس کی نسل میں سے انقطاعِ نفس کر کے اور تعشق باللہ اور محبتِ الٰہی میں غرق ہو کر سچے عاشق اور محب کی طرح اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کا نعرہ لگایا اور دنیا کے لئے ایک نمونہ بنایا۔ ہم نے اس بیت اللہ کی آبادی کا اس لئے انتظام کیا ہے کہ اس کے ذریعہ عشاق الٰہی کی ایک ایسی جماعت پیدا کی جاتی رہے جو تمام حجابوں کو دور کر کے اور دنیا کے تمام علائق سے منہ موڑ کر خدا تعالیٰ کے لئے اپنی مرضات سے ننگے ہو کر اور تمام خواہشات کو قربان کر کے فنا فی اللہ کے مقام کو حاصل کرنے والے ہوں اور اس عبادت کو احسن طریق پر اور کامل طور پر ادا کرنے والے ہوں جس کا تعلق محبت اور ایثار سے ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ عبادت دو قسم کی ہوتی ہے

ایک وہ عبادت ہے جو تذلل اور انکسار کی بنیادوں پر کھڑی ہوتی ہے اور ایک وہ عبادت ہے جو محبت اور ایثار کی بنیادوں پر قائم ہے۔ ہماری نماز جو ہے یہ اس قسم کی عبادت ہے جو تذلل اور انکسار کے مقام پر کھڑی ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ نماز دعا ہے اور دعا کے لئے انتہائی تذلل اور انکسار کو اختیار کرنا ضروری ہے۔ جس شخص کے دماغ میں اپنے ربّ کے مقابلہ میں ایک ذرّہ بھی تکبر ہو اس کی دعا کبھی قبول نہیں ہو سکتی۔ پس ہماری نمازیں صرف اس صورت میں عبادت بنتی ہیں کہ جب وہ حقیقتاً تذلل اور انکسار کے مقام پر کھڑی ہوں۔ اس کے مقابلہ میں دوسری عبادت وہ ہے جو محبت اور ایثار کی بنیادوں پر کھڑی ہوتی ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ عبادت جس کا تعلق تعمیرِ کعبہ سے ہے۔ جس کا تعلق حفاظتِ کعبہ سے ہے اور جس کا تعلق بیت اللہ کے لئے خود کو اور اپنی اولاد کو وقف کر دینے کے ساتھ ہے اور اس کے لئے دعائیں کرنے کا تعلق ہے یہ محبت والی عبادت ہے اور خدا تعالیٰ کی محبت اور خدا تعالیٰ کے عشق کا جو مظاہرہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا وہ عدیم المثال تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ مقام ابراہیم ہے اس مقام سے ہم ایک ایسی اُمت پیدا کریں گے جو لاکھوں کی تعداد میں ہوگی اور ہر زمانہ میں پائی جاتی ہوگی اور اس اُمت کے کسی فرد کا اگر تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس قربانی کے ساتھ مقابلہ کرو گے تو اس کو ان سے کم نہیں پاؤ گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسیہ کے نتیجہ میں اس قوم نے پیدا ہونا تھا لیکن اس قوتِ قدسیہ کے جو اثرات ہیں ان کو دنیا میں موثر طریق پر پھیلانے کے لئے قریباً اڑھائی ہزار سال پہلے خانہ کعبہ کی بنیاد از سرِ نو رکھی گئی تھی تو یہاں یہ فرمایا کہ ظاہری شکل حج کے ارکان کی، اس عبادت کی خود ہی ایسی ہے جس کا تعلق محبت سے ہے۔ مثلاً طواف کرنا ہے۔ اب یہ تخیل قریباً ساری اقوام میں پایا جاتا ہے کہ جب کسی کے لئے جان کی قربانی دینا ہوتی ہے تو اس کے گرد گھومتے ہیں۔ ہمارے بعض بادشاہوں کے متعلق بھی آتا ہے کہ ان میں سے کسی کا بچہ بیمار تھا۔ اس نے اس کا طواف کیا اور دعا کی میری زندگی اس کو مل جائے۔ پس جان قربان کرنے کا جو تخیل ہے وہ طواف کے ساتھ گہرا تعلق رکھتا ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ یہاں فرماتا ہے کہ یہاں سے ایک ایسی قوم پیدا کی جائے گی

جو ہر وقت اپنے محبوب کے گرد گھومتی رہے گی اور اس کے آستانہ کا بوسہ لیتی رہے گی۔ ایک طرف وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یاد کو تازہ رکھنے والی ہو گی اور دوسری طرف وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسیہ کو نہایت شان کے ساتھ ظاہر کرنے والی ہو گی۔ اللہ تعالیٰ نے اس قسم کی ایک قوم پیدا کر دی۔ صرف پہلے زمانہ میں ہی نہیں صرف عرب میں بسنے والوں میں ہی نہیں بلکہ دنیا کے ہر خطہ میں اور قیامت تک ہر زمانہ میں جو ابراہیمی عشق اور جو ابراہیمی محبت اپنے ربّ کے لئے رکھتے ہوں گے وہ اس کی راہ میں ہر قسم کی قربانیاں دینے والے ہوں گے۔

(باقی انشاء اللہ آئندہ خطبہ میں۔ وَبِهِ التَّوْفِيْقُ)

(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۳؍ اپریل ۱۹۶۷ء صفحہ ۱ تا ۴)

بیت اللہ کی تعمیر کے ساتھ تعلق رکھنے والے مقاصد کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے گہرا تعلق ہے

خطبہ جمعہ فرمودہ ۷؍اپریل ۱۹۶۷ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیاتِ قرآنیہ کی تلاوت فرمائی۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۔ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۔ (اٰلِ عمران: ۹۷، ۹۸)

وَ اِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا ؕ وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَ الْعٰكِفِيْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۔ وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّ ارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَ مَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ۔ وَ اِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَ اِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۔ رَبَّنَا وَ اجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَ تُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۔ رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ

وَ الۡحِکۡمَۃَ وَ یُزَکِّیۡہِمۡ ؕ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ۔(البقرۃ:۱۲۶ تا ۱۳۰)

فرمایا:۔

ایک اہم موضوع پر میں بعض خطبے پڑھ چکا ہوں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک گھر تمام بنی نوع انسان کے فائدہ کے لئے بنایا مگر انہوں نے اس کی عظمت کو نہ پہچانا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ برباد ہوگیا اور اس کا نام ونشان مٹ گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی کے ذریعہ نشان دہی کر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعہ سے اسے از سرِ نو تعمیر کروایا اور اس کی حفاظت کے لئے اور اس کی عظمت کے قیام کے لئے یہ انتظام کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی اولاد کو اس خانۂ خدا کی خدمت کے لئے وقف کریں۔ چنانچہ آپ کی اولاد ایک لمبا عرصہ اس خدمت پر لگی رہی اور دو ہزار پانچ صد سالہ خدمت اور دعاؤں کے نتیجہ میں وہ قوم تیار ہوئی جو کامل اور مکمل اور عالمگیر شریعت کی ذمہ داریوں کے بارِگراں کو اٹھانے کی قوت اور استعداد اپنے اندر رکھتی تھی۔

پھر میں نے بتایا تھا کہ یہ آیات جن کی میں نے تلاوت کی ہے ان میں اللہ تعالیٰ نے ان تیئیس اغراض ومقاصد کا ذکر کیا ہے جن کا تعلق تعمیر بیت اللہ سے ہے اور ان تمام مقاصد کے حصول کا تعلق بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ان اغراض میں سے پانچ کے متعلق میں نے گذشتہ خطبہ میں آپ دوستوں کے سامنے اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا اوّل یہ کہ یہ گھر وُضِعَ لِلنَّاسِ تمام بنی نوع انسان کے فائدہ کے لئے تعمیر کروایا جارہا ہے دوسرے یہ کہ مُبٰرَکًا اس کے اندر مبارک ہونے کی صفت پائی جاتی ہے۔ مادی لحاظ سے بھی اور روحانی لحاظ سے بھی تیسرے یہ کہ ھُدًی لِّلۡعٰلَمِیۡنَ تمام جہانوں کے لئے اسے ہم موجب ہدایت بنانا چاہتے ہیں اور ہدایت کے لئے ہر چہار معنی کی رو سے اسے اللہ تعالیٰ نے عالمین کے لئے ہدایت کا مرکز بنایا ہے چوتھے یہ کہ فِیۡہِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ۔ یعنی آسمانی نشانات کا ایسا سلسلہ یہاں سے جاری کیا جائے گا جو قیامت تک زندہ رہے گا اور ایک ایسا چشمہ آسمانی تائید کا یہاں سے پھوٹے گا جو کبھی خشک نہیں ہوگا۔اور پانچویں مَقَامِ اِبۡرٰہِیۡمَ کے الفاظ میں یہ بتایا کہ وہ عبادت جو محبت اور ایثار کی بنیادوں پر استوار کی جاتی ہے اس عبادت کا یہ مرکزی نقطہ ہوگا اور ایک قوم جو نمائندہ ہوگی تمام اقوام کی اور نمائندہ ہوگی ہر زمانہ کی، پیدا کی

جائے گی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح اللہ تعالیٰ کے گناہ سوز عشق سے سرشار ہوگی اور خدا تعالیٰ کے قرب کی راہیں اس پر ہمیشہ کھلی رہیں گی۔

یہ پانچ مقاصد تھے جن کے متعلق میں نے گذشتہ جمعہ میں تفصیل سے بیان کیا تھا کیونکہ مجھے ان مقاصد میں سے ہر ایک کی طرف پھر واپس آنا ہے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ ان میں سے ہر ایک کا تعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ہے اور یہ کہ وہ کس طرح اور کس شکل میں حاصل ہوا۔ اس لئے آج میرا ارادہ یہ ہے کہ میں بڑے ہی اختصار کے ساتھ ان مقاصد کو بیان کروں اور کوشش کروں کہ تیئس مقاصد میں سے جو باقی رہ گئے ہیں ان سب کو آج کے خطبہ میں بیان کر دوں آگے جو خدا کو منظور ہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا بیت اللہ کی تعمیر کی چھٹی غرض یہ ہے کہ جو بھی اس کے اندر داخل ہوگا یعنی ہر وہ شخص جو ان عبادات کو بجالائے گا جن کا تعلق بیت اللہ سے ہے دنیا اور آخرت کے جہنم سے وہ خدا کی پناہ میں آجائے گا اور اس کے تمام پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ پس چھٹی غرض بیت اللہ کی تعمیر کی یہ ہے کہ اللہ کا ایک ایسا گھر بنایا جائے کہ جس کے ساتھ بعض عبادات تعلق رکھتی ہوں اور جو شخص بھی خلوص نیت کے ساتھ اور کامل اور مکمل طور پر ان عبادات کو بجالائے گا اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے۔ کہ اس کے تمام پچھلے گناہوں کو معاف کر دیا جائے گا اور نارِ جہنم سے وہ محفوظ ہو جائے گا۔

ساتویں غرض بیت اللہ کی تعمیر کی اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ بتائی ہے کہ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد یا اہل عرب پر ہی یہ فرض نہیں کہ وہ بیت اللہ کا حج کریں بلکہ بیت اللہ کی تعمیر کا اصل مقصد تو یہ ہے کہ اقوام عالم بیت اللہ کے حج کے لئے اس مقام پر جمع ہوں (میں سمجھتا ہوں کہ یہ تمام اغراض و مقاصد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیت اللہ کی تعمیر کے وقت ہی بتا دیئے گئے تھے جیسا کہ بہت سے قوی قرائن اس کے متعلق قرآن کریم سے ملتے ہیں) غرض اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ کہا کہ یہ خدا تعالیٰ کا ایک ایسا گھر ہے کہ تمام اقوام عالم پر جو مجھ پر ایمان لائیں گی اور میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لائیں گی اور خاتم النبیین (صلی اللہ علیہ وسلم)

کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر میری اطاعت کا جوآ اپنی گردنوں پر رکھیں گی ان کے لئے حج بیت اللہ فرض قرار دیا جائے گا اور اس طرح اس جگہ کو مرجع خلائق اور مرجع عالَم بنا دیا جائے گا۔

آٹھویں غرض یا آٹھواں مقصد بیت اللہ کی تعمیر کا یہ بتایا کہ یہ مَثَابَةً ہے۔ اس لفظ میں یہ اشارہ پایا جاتا ہے کہ دنیا کی اقوام فرقہ فرقہ بن گئی ہیں اور جس وقت یہ فرقہ بندی اپنی انتہا کو پہنچ جائے گی اس وقت ایک ایسا رسول مبعوث کیا جائے گا جو بیت اللہ کی اس غرض کو پورا کرنے والا ہوگا اور ان متفرق اقوام کو ایک مرکز پر لا جمع کرے گا۔ وہ سب کو عَلٰی دِیْنٍ وَّاحِدٍ لے آئے گا۔ پس یہاں بتایا کہ باوجود اس کے کہ تفرقہ ایک وقت پر اپنی انتہا کو پہنچ جائے گا اللہ تعالیٰ کا منشا یہ ہے کہ اس وقت ایک ایسے رسول کو مبعوث فرمائے جو تمام اقوام کو اُمَّةً وَّاحِدَةً بنا دے۔

نواں مقصد یہاں یہ بیان کیا کہ اَمْنًا یعنی یہ گھر جو ہے یہ اَمْنًا لِّلنَّاسِ ہے۔ یہاں اس کے یہ معنی ہیں کہ ہم نے اپنے اس گھر کو ایسا بنانا چاہا ہے کہ اس کے ذریعہ اور صرف اس کے ذریعہ دنیا کو امن نصیب ہوگا کیونکہ صرف یہ ایک گھر ہوگا جسے بیت اللہ کہا جا سکتا ہے اس کو چھوڑ کر اور ان تعلیموں کو نظر انداز کر کے جن کا تعلق اس گھر سے ہے دنیا کی کوئی تنظیم امن عالم کے لئے کوشش کر کے دیکھ لے وہ کبھی اس میں کامیاب نہیں ہوگی۔ حقیقی امن دنیا کو صرف اس وقت اور صرف اسی تعلیم پر عمل کرنے کے نتیجہ میں مل سکتا ہے جو تعلیم وہ نبی دنیا کے سامنے پیش کرے گا جو خانہ کعبہ سے کھڑا کیا جائے گا۔

امن کے ایک دوسرے معنی کے لحاظ سے اَمْنًا لِّلنَّاسِ کے معنی یہ بھی ہیں کہ دنیا روحانی طور پر اطمینان قلب صرف مکہ معظّمہ اور صرف اس آخری شریعت کے ساتھ پختہ تعلق پیدا کرنے کے نتیجہ میں حاصل کر سکے گی جو آخری شریعت مکہ میں ظاہر ہوگی اور تمام اقوام عالم کو پکار رہی ہوگی اپنے ربّ کی طرف اور چونکہ اطمینانِ قلب ہر انسان کو اس وقت حاصل ہوتا ہے جب اس کے فطری تقاضوں کو وہ تعلیم پورا کرنے والی ہو اور اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر جتنی قوتیں اور استعدادیں پیدا کی ہیں ان سب کی راہ نمائی اور نشوونما کرنے کے قابل ہو پس یہاں یہ فرمایا کہ مکہ گھر ہوگا ایک ایسی تعلیم کا جو حقیقی طور پر دنیا کو اطمینانِ قلب پہنچانے والی ہوگی یعنی ہر دو معنی

یہاں چسپاں ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ دنیا کو اگر امن نصیب ہوسکتا ہے تو وہ مکہ کی وساطت سے دوسرے یہ کہ دنیا کی ارواح اگر اطمینانِ قلب حاصل کرسکتی ہیں۔ دنیا کی عقلیں اگر تسلی پاسکتی ہیں تو صرف اس تعلیم کے نتیجہ میں جو مکہ میں نازل ہوگی۔

دسویں غرض اور دسواں مقصد ان آیات میں خانہ کعبہ کا اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کیا ہے کہ اِتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِمَ مُصَلًّى اس سے پہلی ایک آیت میں مَقَامِ اِبْرٰهِمَ کا ذکر تھا۔ اس سے مراد یہ تھی کہ یہ مقام ایسا گھر ہے جہاں بنیاد ڈالی گئی ہے اس حقیقی عبادت کی جو محبت اور ایثار اور عشق الٰہی کے چشمہ سے بہہ نکلتی ہے اور اِتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِمَ مُصَلًّى میں اس عبادت کا ذکر ہے جو تذلل اور انکسار کے منبع سے پھوٹتی ہے۔

غرض اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا کہ بیت اللہ کی تعمیر کی ایک غرض یہ ہے کہ ایک ایسی قوم پیدا کی جائے جو تذلل اور انکسار کے ساتھ اپنے ربّ کی عبادت کرنے والی ہو اور جو تذلل اور انکسار کی عبادت کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقام کے ظل ساری دنیا میں قائم کرے اور اشاعت اسلام کے مراکز کو قائم کرنے والی ہو۔

گیارھویں غرض تعمیر بیت اللہ کی یہ بیان کی گئی ہے کہ طَهِّرَا بَيْتِيَ اور اس میں ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا منشا یہ ہے کہ خانہ کعبہ کو ظاہری صفائی اور باطنی طہارت کا سبق سیکھنے کے لئے ساری دنیا کے لئے بطور ایک جامعہ اور یونیورسٹی اور ایک مرکز کے بنایا جائے۔

بارھویں غرض تعمیر کعبہ کی یہ بتائی گئی ہے کہ لِلطَّآئِفِيْنَ یعنی اقوام عالم کے نمائندے بار بار یہاں جمع ہوا کریں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے قریباً اڑھائی ہزار سال پہلے یہ بتایا تھا کہ تمام اقوامِ عالم کے نمائندے بار بار یہاں آئیں گے طواف کرنے کے لئے بھی اور دوسری ان اغراض کے پورا کرنے کے لئے بھی جن کا تعلق خانہ کعبہ سے ہے۔

تیرھواں مقصد یہ بیان کیا گیا ہے کہ وَالْعٰكِفِيْنَ خانہ کعبہ اس غرض سے از سرنو تعمیر کروایا جارہا ہے کہ اس کے ذریعہ سے ایک ایسی قوم پیدا کی جائے جو اپنی زندگیاں خدا تعالیٰ کی راہ میں وقف کرنے والے ہوں اور اس طرح بیت اللہ کے مقاصد کو پورا کرنے والے ہوں۔

چودھواں مقصد یہاں یہ بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ایک ایسی قوم پیدا کی جائے جو توحید باری پر قائم ہو اور جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری سے اپنی زندگیوں کو گزارنے والی ہو۔

پندرھواں مقصد یہ بیان ہوا ہے کہ بَلَدًا اٰمِنًا۔ امن کا لفظ ان آیات میں تین مختلف مقاصد کے بیان کے لئے اللہ تعالیٰ نے استعمال کیا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم اس گھر کو دنیا کے ظالمانہ حملوں سے اپنی پناہ میں رکھیں گے اور کوئی ایسا حملہ جو خانہ کعبہ کو مٹانے کے لئے کیا جائے گا وہ کامیاب نہیں ہوگا بلکہ حملہ آور تباہ و برباد کر کے رکھ دیئے جائیں گے تا دنیا اس سے یہ نتیجہ اخذ کرے کہ وہ نبی جسے ہم یہاں سے مبعوث کرنا چاہتے ہیں وہ بھی خدا تعالیٰ کی پناہ میں ہوگا اور دنیا کی کوئی طاقت اس کی ذات کو ہلاک یا اس کے مشن کو ناکام نہیں کر سکے گی اور تا دنیا یہ بھی نتیجہ نکالے کہ جو شریعت نبیٔ معصوم کو دی جائے گی وہ ہمیشہ کے لئے ہوگی اور خدا تعالیٰ اس کی حفاظت کا خود ذمہ دار ہوگا۔

سولھویں غرض جو خانہ کعبہ سے وابستہ ہے وہ یہ ہے کہ وَارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ اس میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بتایا کہ میں بیت اللہ کو ازسرِ نو تعمیر کروا رہا ہوں اس غرض سے بھی کہ تا بیت اللہ اور اس کی برکات کو دیکھ کر دنیا اس نتیجہ پر پہنچے کہ جو لوگ خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنے پر موت وارد کرتے ہیں اور اس کے ہو کر اس کی راہ میں قربانی دیتے ہیں اور دنیا سے کٹ کر صرف اسی کے ہی ہو رہتے ہیں ان کے اعمال ضائع نہیں ہوتے بلکہ شیریں پھل انہیں ملتا ہے اور عاجزانہ اور عاشقانہ اعمال کے بہترین نتائج ان کے لئے مقدّر کئے جاتے ہیں۔

سترھویں غرض بیت اللہ کے قیام کی یہ بتائی کہ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا بیت اللہ کی تعمیر کی ایک غرض یہ ہے کہ تا دنیا یہ جانے اور پہچانے کہ روحانی رفعتوں کا حصول دعا کے ذریعہ سے ہی ممکن ہے۔ جب دعا میں انسان کا تضرع اور ابتہال انتہا کو پہنچ جاتا ہے اور موت کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے تب فضل الٰہی آسمان سے نازل ہوتا ہے اور معرفت کی راہیں بندہ پر کھولی جاتی ہیں۔

غرض اللہ تعالیٰ نے یہاں بیت اللہ کے قیام کی غرض بتائی کہ یہاں ایک ایسی قوم پیدا ہوگی

جو دعا اپنی تمام شرائط کے ساتھ کرے گی اور دعا میں ان پر ایک موت کی سی کیفیت وارد ہوگی اور ان کا وجود کلیۃً فنا ہو جائے گا اور پانی بن کر آستانہ ربّ پر بہہ نکلے گا اور وہ جانتے ہوں گے کہ ہم اپنے اعمال کے نتیجہ میں (محض اعمال کے نتیجہ میں) کچھ حاصل نہیں کر سکتے جب تک ہم دعا کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے فضل کو جذب نہ کریں اس لئے انتہائی قربانیاں دینے کے بعد بھی وہ اپنی قربانیوں کو کچھ چیز نہ سمجھیں گے اور ہر وقت اپنے ربّ سے ترساں اور لرزاں رہیں گے اور انتہائی قربانیوں کے باوجود ان کی دعا یہ ہوگی کہ جو کچھ ہم تیرے حضور پیش کر رہے ہیں وہ ایک حقیر سا تحفہ ہے۔ تیری شان تو بہت بلند ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ تیرے حضور ہمارا یہ تحفہ قبول ہونے کے لائق نہیں لیکن تو بڑا رحم کرنے والا ربّ ہے ہمارے اس حقیر تحفہ کو قبول فرما اور ہماری غفلتوں اور ہماری حقیر مساعی کو چشم مغفرت سے دیکھ اور رحمت کے سامان پیدا کرتا کہ ہماری مساعی اور کوششیں تیرے حضور قبول ہو جائیں۔ غرض اس قسم کی قوم پیدا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ کی بنیاد رکھی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ خانۂ کعبہ کی از سر نو تعمیر سے اٹھارہواں مقصد یہ ہے کہ دنیا یہ جانے کہ جو لوگ خدا تعالیٰ کے حضور اس رنگ میں دعائیں کرتے ہیں وہی ہیں جو اپنے ربّ کی صفت سمیع کا نظارہ دیکھتے ہیں اور پھر دنیا دیکھتی ہے کہ ہمارا ربّ جو ہے وہ سننے والا ہے۔ وہ ہماری دعاؤں کو سنتا ہے اور فرماتا ہے کہ میں نے تمہاری دعاؤں کو سنا۔ پس خانۂ کعبہ کے قیام کے نتیجہ میں خدائے سمیع کی معرفت دنیا حاصل کرے گی۔

انیسواں مقصد یہ ہے کہ دنیا اس کے ذریعہ سے خدائے علیم کی معرفت حاصل کرے گی یہ نہیں ہوگا کہ بندہ نے اپنے علم ناقص کے نتیجہ میں جو دعا کی اسے اللہ تعالیٰ نے اسی رنگ میں قبول کر لیا بلکہ بندہ دعا کرے گا اور دعا کو انتہاء تک پہنچائے گا تو اس کا ربّ اس کی دعا کو سنے گا اور قبول کرے گا مگر قبول کرے گا اپنے علم غیب کے تقاضا کو پورا کرتے ہوئے یعنی جس رنگ میں وہ دعائیں قبول ہونی چاہئیں اس رنگ میں۔ بعض دعاؤں کا رد ہو جانا یا بعض دعاؤں کا اس شکل میں پورا نہ ہونا جس رنگ میں کہ وہ کی گئی ہیں یہ ثابت نہیں کرے گا کہ خدا سمیع نہیں ہے یا قادر نہیں

ہے بلکہ وہ یہ ثابت کرے گا کہ خدا تعالیٰ ہی کی ذات علام الغیوب ہے۔تو خانہ کعبہ کی بنیاد اس لئے رکھی گئی کہ خدا تعالیٰ کے بندے خدائے علیم سے متعارف ہو جائیں اور اس کو جاننے لگیں اور پہچاننے لگیں۔

بیسویں غرض یہاں یہ بیان کی گئی ہے کہ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ یعنی اُمّتِ مسلمہ ہماری ذریت میں سے بنائیو۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ بتایا ہے کہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ جس وقت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کی طرف مبعوث ہوں تو آپ کی قوم ’’اُمَّةً مُّسْلِمَةً‘‘ بننے کی اہلیت رکھتی ہو اور ابراہیمی دعاؤں کے نتیجہ میں وہ اُمَّةً مُّسْلِمَةً بن بھی جائے گی اور اس کے یہ بھی معنی ہیں کہ وہ نبی جس کا وعدہ دیا گیا ہے کہ وہ مکہ میں پیدا ہوگا مگر تم دعا کرتے رہو کہ اے خدا! ہماری اور ہماری نسلوں کی کسی غفلت اور کوتاہی کے نتیجہ میں کہیں ایسا نہ ہو کہ تیرے نزدیک ہم اس قابل نہ رہیں کہ وہ وعدہ ہمارے ساتھ پورا نہ ہو بلکہ کسی اور قوم میں وہ نبی مبعوث ہو جائے تو فرمایا میری اولاد کو ہی اُمت مسلمہ بنانا۔ پہلے مخاطب وہی ہوں اور سب کے سب قبول کرنے والے بھی وہی ہوں۔

پس یہاں یہ بتایا ہے کہ وہ اُمت جو حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل (علیہما السلام) کی ذریت سے پیدا ہونے والی ہے وہ اُمت مسلمہ بنے۔ اس نبی کا انکار نہ کرے۔ اس نبی پر ایمان لا کر جو ذمہ داریاں ان کے کندھوں پر پڑیں وہ ان کو نباہنے کی قوت اور استعداد رکھنے والی ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم ان کو ایسی ہی قوم بنانا چاہتے ہیں اور اسی غرض سے ہم نے خانہ کعبہ کی از سر نو تعمیر کروائی ہے۔

اکیسواں مقصد یہاں یہ بیان فرمایا کہ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا اس میں اس طرف اشارہ فرمایا کہ مکہ معظّمہ سے ایک ایسا رسولؐ پیدا ہوگا جو دنیا کی طرف اس وقت آئے گا جب وہ اپنی روحانی اور ذہنی نشوونما کے بعد ایسے مقام پر پہنچ چکی ہوگی کہ وہ کامل اور مکمل شریعت کی حامل بن سکے۔ ایسی شریعت جس میں پہلی شریعتوں کے مقابلہ میں لچک ہے۔ ایسی شریعت جس میں مناسب حال عمل کرنے کی تعلیم دی گئی ہو اور ایسی شریعت جو ہر قوم اور ہر زمانہ کی ضرورتوں کو پورا کرنے والی ہو۔ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا ہمارے مناسب حال جو کام اور جو عبادتیں ہیں جو ذمہ داریاں ہیں وہ ہمیں دکھا اور

سکھا۔ یعنی قرآنی شریعت کو ہم پر نازل فرما۔

پس اَرِنَا مَنَاسِكَنَا میں یہ بتایا گیا ہے کہ جب وہ رسول آئے گا اس کا تعلق دنیا کی ساری اقوام سے ہوگا اور ہر زمانہ سے ہوگا۔ پس دعا کرتے رہو کہ اے ہمارے ربّ قوم قوم کی ضرورتوں اور طبیعتوں میں فرق اور زمانہ زمانہ کے مسائل میں فرق کے پیش نظر شریعت ایسی کامل اور مکمل بھیجنا کہ جو ہر قوم کے فطرتی تقاضوں کو پورا کرنے والی ہو اور ہر زمانہ کے مسائل کو وہ سلجھانے والی ہو۔ قیامت تک زندہ رہنے والی ہوتا جس غرض کے لئے اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ کی بنیاد رکھی ہے وہ پوری ہو۔

بائیسویں غرض اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ تُبْ عَلَيْنَا۔ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ جو آخری شریعت یہاں نازل کی جائے گی اس کا بڑا گہرا تعلق رَبِّ تَوَّاب سے ہوگا اور اس شریعت کے پیرو اس حقیقت کو پہچاننے والے ہوں گے کہ توبہ اور مغفرت کے بغیر معرفت کا حصول ممکن نہیں ہے اس لئے وہ بار بار اس کی راہ میں قربانیاں بھی دینے والے ہوں گے اور بار بار اس کی طرف رجوع بھی کرنے والے ہوں گے اور کہیں گے کہ اے خدا! ہماری خطاؤں کو معاف کر دے۔ وہ ایسی قوم ہوگی کہ جو نیکی کرنے کے بعد بھی اس بات سے ڈر رہی ہوگی کہ کہیں ہماری نیکی میں کوئی ایسا رخنہ نہ رہ گیا ہو جس سے ہمارا ربّ ناراض ہو جائے وہ ہر وقت استغفار اور توبہ میں مشغول رہنے والی قوم ہوگی۔

تیئسواں مقصد اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ کہ ہم محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کا مولد اسے بنانا چاہتے ہیں۔ ہم اسے ایسا مقام بنانا چاہتے ہیں کہ جس کے ماحول میں تضرع اور ابتہال کے ساتھ، عاجزی اور انکسار کے ساتھ، عشق اور محبت کے ساتھ کی گئیں دعاؤں کے نتیجہ میں ہم اپنے ایک عبد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو محمدیّت کے مقام پر کھڑا کریں گے اور اس کے ذریعہ سے ایک ایسی شریعت کا قیام ہوگا اور ایک ایسی اُمت کو جنم دیا جائے گا کہ جو زندہ نشان اپنے ساتھ رکھتی ہوگی يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ اور زندہ خدا کے ساتھ اور زندہ نبی کے ساتھ اور زندہ شریعت کے ساتھ ان کا تعلق ہوگا اور ان کو کامل شریعت کا سبق دیا جائے گا لیکن

ناسمجھ بچوں کو جس طرح کہا جاتا ہے ان سے یہ نہیں کہا جائے گا کہ ہم کہتے ہیں اور تم مانو۔ اللہ تعالیٰ ان کی عقل اور فراست کو تیز کرنے کے لئے اپنے احکام کی حکمت بھی ان کو بتائے گا اس نبی کے ذریعہ اور اس طرح وہ کچھ ایسے پاک کر دئے جائیں گے کہ اس قسم کی پاکیزگی کسی پہلی قوم کو حاصل نہ ہوئی ہوگی اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جسے ہماری عقل بھی تسلیم کرتی ہے کیونکہ اگر پہلی اُمتوں پر ناقص شریعتوں کا نزول ہوا اور اس ناقص راہ نمائی کے نتیجہ میں ان کا تزکیہ ہوتو وہ تزکیہ کامل نہیں وہ ان کی فطرت کے مطابق، ان کی استعداد کے مطابق، ان کی قوت کے مطابق تو ہے لیکن وہ کامل تزکیہ نہیں ہے کیونکہ جو تعلیم انہیں دی گئی ہے وہ کامل نہیں کیونکہ ان کی استعداد ابھی کامل نہیں۔ پھر جب وہ قوم پیدا ہوگئی جو کامل شریعت کی حامل ہونے کی استعداد رکھتی تھی تو ان میں سے جن لوگوں نے انتہائی قربانیاں دے کر اور خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے اس کے تمام احکام پر عمل کر کے اور تمام نواہی سے بچتے ہوئے اس کے حضور گریہ وزاری میں اپنی زندگی گزاری ان کو جو تزکیہ نفس حاصل ہوگا (محض خدا تعالیٰ کے فضل سے نہ کہ ان کے اعمال کے نتیجہ میں) وہ ایک ایسا کامل تزکیہ ہوگا۔ وہ ایک ایسی مکمل طہارت اور پاکیزگی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی ایسی خوشنودی اور رضا ہوگی کہ اس قسم کی رضا پہلی قوموں نے حاصل نہیں کی ہوگی۔

پس اللہ تعالیٰ یہاں فرماتا ہے کہ تیئیسویں غرض بیت اللہ کے قیام کی یہ ہے کہ ایک خیر الرسل صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کی طرف مبعوث کیا جائے اور پھر انسان کو اس اَرفع مقام پر لا کھڑا کیا جائے جس اَرفع مقام پر کھڑا کرنے کے لئے ہم نے اسے پیدا کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں بھی اپنے فضل سے ان بندوں میں شامل کرے کہ ہم تو انتہائی طور پر کمزور اور نالائق اور خطا کار اور گنہگار اور ناسمجھ اور شہوات نفسانیہ میں پھنسے ہوئے ہیں لیکن اگر وہ چاہے اور اس کا فضل ہم پر نازل ہوتو ہر قسم کے گند سے وہ ہمیں اٹھا کر پاکیزگی کی ان رفعتوں تک پہنچا سکتا ہے جن کا وعدہ اس نے اُمّتِ مسلمہ سے کیا ہے۔

آئندہ خطبات میں انشاء اللہ میں ان تئیس مقاصد اور اغراض کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ جس طرح پورا کیا گیا ہے اس کی تفصیل بیان کروں گا۔ آہستہ آہستہ میں آپ کو اس طرف

لا رہا ہوں جس کی طرف میں نے پہلے بھی اشارہ کیا ہے کہ ایک اہم امر کی طرف اللہ تعالیٰ نے میری توجہ کو پھیرا ہے اور جماعتی تربیت کے لئے وہ پروگرام بڑا ہی اہم ہے۔

بہرحال میں کوشش کر رہا ہوں آپ کو ذہنی طور پر تیار کرنے کی مگر میں کیا اور میری زبان میں اثر کیا؟ جب تک اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے میری زبان میں اثر پیدا نہ کرے اور آپ کے دلوں کو اس اثر کے قبول کرنے کی توفیق عطا نہ کرے۔ اس لئے آپ دعائیں کرتے رہیں میں بھی دعا کر رہا ہوں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہماری جماعت سے وہ کام لے جس کام کے لئے اس نے اسے قائم کیا ہے۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۳۰/اپریل ۱۹۶۷ء صفحہ ۱ تا ۴)

تمام اقوامِ عالم کے دینی اور دُنیوی فوائد بیت اللہ کے ساتھ وابستہ کر دیئے گئے ہیں

خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۱؍اپریل ۱۹۶۷ء بمقام مسجد مبارک ۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیات قرآنیہ کی تلاوت فرمائی۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىۡ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ۔ فِيۡهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبۡرٰهِيۡمَ ۚ وَمَنۡ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الۡبَيۡتِ مَنِ اسۡتَطَاعَ اِلَيۡهِ سَبِيۡلًا ؕ وَمَنۡ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الۡعٰلَمِيۡنَ ۔(اٰلِ عمران: ۹۷، ۹۸)

وَ اِذۡ جَعَلۡنَا الۡبَيۡتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمۡنًا ؕ وَ اتَّخِذُوۡا مِنۡ مَّقَامِ اِبۡرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَ عَهِدۡنَاۤ اِلٰۤى اِبۡرٰهٖمَ وَ اِسۡمٰعِيۡلَ اَنۡ طَهِّرَا بَيۡتِىَ لِلطَّآئِفِيۡنَ وَ الۡعٰكِفِيۡنَ وَ الرُّکَّعِ السُّجُوۡدِ ۔ وَ اِذۡ قَالَ اِبۡرٰهٖمُ رَبِّ اجۡعَلۡ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّ ارۡزُقۡ اَهۡلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنۡ اٰمَنَ مِنۡهُمۡ بِاللّٰهِ وَ الۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ ؕ قَالَ وَ مَنۡ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيۡلًا ثُمَّ اَضۡطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَ بِئۡسَ الۡمَصِيۡرُ ۔ وَ اِذۡ يَرۡفَعُ اِبۡرٰهٖمُ الۡقَوَاعِدَ مِنَ الۡبَيۡتِ وَ اِسۡمٰعِيۡلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ۔ رَبَّنَا وَ اجۡعَلۡنَا مُسۡلِمَيۡنِ لَكَ وَ مِنۡ ذُرِّيَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسۡلِمَةً لَّكَ ۪ وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَ تُبۡ عَلَيۡنَا ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ ۔ رَبَّنَا وَ ابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ

وَ الْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۔(البقرۃ:۱۲۶ تا ۱۳۰)

فرمایا:۔

میں نے گذشتہ دو خطبات میں بتایا تھا کہ ان آیات میں جو میں نے ان خطبات سے پہلے بھی تلاوت کی تھیں اور آج بھی تلاوت کی ہیں اللہ تعالیٰ نے ایسے تیئس مقاصد کا ذکر کیا ہے جن کا تعلق بیت اللہ سے ہے اور جن مقاصد کا حصول بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور اگرچہ یہ سب وعدے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قریباً اڑھائی ہزار سال پہلے دیئے گئے تھے۔ لیکن یہ باتیں، یہ وعدے اور یہ پیشگوئیاں حقیقی طور پر اس وقت پوری ہوئیں اور یہ سب مقاصد اس وقت حاصل ہوئے جس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کی طرف مبعوث ہوئے اور قرآن کریم کی شریعت آسمان سے نازل ہوئی۔

بیت اللہ کے قیام کی پہلی غرض اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں جیسا کہ میں نے اپنے پہلے ایک خطبہ میں بیان کیا تھا یہ بتائی ہے کہ وُضِعَ لِلنَّاسِ یہ اللہ کا گھر اس لئے از سرِ نو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھ سے تعمیر کروایا جا رہا ہے کہ تمام اقوام عالم کے دینی اور دنیوی فوائد اس بیت اللہ سے وابستہ کر دیئے جائیں اور ظاہر ہے کہ یہ اڑھائی ہزار سالہ زمانہ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے درمیان گزرا اس زمانہ میں یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ بیت اللہ سے تمام اقوام عالم دینی اور دنیوی فوائد حاصل کر رہی ہیں۔ بہت سی قومیں اس وقت ایسی بھی تھیں جو بیت اللہ یا مکہ کے جغرافیہ سے بھی واقف نہیں تھیں۔ اکثر اقوام عالم وہ تھیں کہ جن کے دلوں میں بیت اللہ کی کوئی محبت نہیں تھی۔ وہ اس کی طرف کھنچے ہوئے نہیں آتے تھے۔ ان کی نگاہ میں اس کی کوئی عزت اور احترام نہیں تھا اور انہیں یہ یقین نہیں تھا کہ بیت اللہ سے بعض ایسی برکات اور فیوض بھی وابستہ ہیں کہ اگر ہم ان کو جانیں اور پہچانیں تو ہم ان برکات اور فیوض سے حصہ لے سکتے ہیں لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا تو یہی گھر جسے دنیا بھول چکی تھی دنیا نے اس کو پہچان لیا اور اس کی برکات کو جان لیا اور دنیا کے دل میں، اکنافِ عالم میں بسنے والی اقوام کے سینہ میں اس کی محبت پیدا ہو گئی اور وہ تمام وعدے پورے ہونے لگے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ربّ

نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ربّ نے اور ہمارے ربّ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کئے تھے۔

اب میں یہ بتاؤں گا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ یہ وعدہ (وُضِعَ لِلنَّاسِ کا) کس طرح اور کس شکل میں پورا ہوا ظاہر ہے کہ چونکہ وعدہ تمام اقوام کے لئے تھا اور وعدہ یہ تھا کہ تمام بنی نوع انسان مکہ سے برکت حاصل کریں گے اور عقلاً یہ ممکن نہیں کہ شریعت کاملہ کے نزول کے بغیر ایسا ہو اس لئے قرآن کریم کی کامل شریعت کا نزول اس وعدہ کے پورا ہونے سے قبل ضروری تھا۔ قرآن کریم کا یہ دعویٰ ہے کہ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ (البقرۃ: ۳) یہ قرآن ایک کامل اور مکمل شریعت ہے اور اس دعویٰ کے دلائل قرآن کریم نے یہ دیئے کہ لَا رَيْبَ فِيْهِ۔ رَيْبَ کے چار معنی جو یہاں چسپاں ہوتے ہیں ان کی رو سے یہاں ہمارے سامنے چار دلائل بیان کئے گئے ہیں اس بات کے ثابت کرنے کے لئے کہ واقعہ میں یہ قرآن، یہ کتاب ہر لحاظ سے مکمل کامل اور اکمل اور اتم ہے۔

رَيْبَ کے ایک معنی کی رُو سے قرآن کریم کی تعریف یہ نکلتی ہے کہ انسان کی روحانی اور جسمانی اور معاشرتی اور اخلاقی اور اقتصادی اور سیاسی ضرورتوں کو پورا کرنے والی صرف یہی ایک کامل کتاب ہے اور یہی ایک کامل کتاب ہے جو فطرت انسانی کے سب حقیقی تقاضوں کو پورا کرتی ہے۔ کیونکہ یہ اپنے ذاتی کمالات اور فضائل اور بے نظیر تعلیمات کے ساتھ اپنی ضرورت اور صداقت کو ثابت کرتی ہے۔ اگر میں اس دلیل کو پھر ایک دعویٰ قرار دے کر اس کے دلائل بیان کرنے لگوں تو اس ایک دلیل پر ہی بڑا وقت خرچ ہو جاتا ہے قرآن کریم کو ایک حد تک سمجھنے والے بھی یہ جانتے ہیں کہ قرآن کریم کے دلائل اور فضائل اور بے نظیر تعلیمات اس قسم کی ہیں کہ جو تمام پہلی کتب پر اس کو افضل ثابت کرتی ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جب بنی اسرائیل کی الہامی کتب کے متعلق یہ سوال کیا گیا کہ ان کے ہوتے ہوئے قرآن کریم کی کیا ضرورت تھی؟ تو آپ نے یہ جواب دیا کہ سارے قرآن کریم کا نام نہ لو وہ تو بہت وسیع کتاب ہے بڑے علوم اس کے اندر پائے جاتے

ہیں۔ اس کے شروع میں سورۂ فاتحہ ہے اور سورۂ فاتحہ میں جو معارف اور حقانی دلائل بیان ہوئے ہیں ان معارف اور دلائل کے مقابلہ پر اپنی تمام روحانی کتب سے اگر تم وہ دلائل اور معارف نکال کر دکھا دو تو ہم سمجھیں گے کہ تمہاری کتابیں قرآن کریم کا مقابلہ کر سکتی ہیں۔ اس دعوتِ مقابلہ پر ایک لمبا زمانہ گذر چکا ہے اور کیتھولک ازم میں کئی پوپ یکے بعد دیگرے پیدا ہوئے اور کیتھولک چرچ کی سربراہی انہیں حاصل ہوئی۔ اسی طرح دوسرے فرقے تھے عیسائیوں کے ان میں سے کسی ایک کے سربراہ کو بھی یہ جرأت نہ ہوئی کہ وہ سورۂ فاتحہ کے مقابلہ میں اپنی کتب سماوی سے اس قسم کے دلائل نکال کر پیش کر سکے۔ جن کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دعویٰ تھا کہ ہم اس سورۃ سے نکال کر تمہارے سامنے رکھیں گے۔

پس لَا رَيْبَ فِيْهِ کے ایک معنی یہ ہیں کہ وہ کتاب جو اپنے ذاتی کمالات اور فضائل اور بے نظیر تعلیمات کے ساتھ اپنی ضرورت اور صداقت کو ثابت کر سکتی ہے اور جب آپ سے سوال کیا گیا کہ قرآنِ کریم کی ضرورت کیا ہے تو اس کا جو جواب دیا گیا اور اس جواب میں جس دعوتِ فیصلہ کی طرف بلایا گیا اس کو آج تک عیسائی فرقوں کے سربراہوں نے قبول نہیں کیا اور اس سے واضح طور پر ثابت ہوا کہ وہ سورۂ فاتحہ کے مضامین کے مقابلہ میں اپنی کتب سماوی کے مضامین کو پیش نہیں کر سکتے۔

اَلْكِتٰبُ کامل کتاب ہونے کی دوسری دلیل لَا رَيْبَ فِيْهِ میں اللہ تعالیٰ نے یہ دی ہے کہ قرآنی تعلیم انسان کو ظن اور گمان کے بے آب وگیاہ ویرانوں سے اٹھا کر دلائل اور آیات بینات کے ساتھ یقین کی رفعتوں تک پہنچاتی ہے اور یہ خوبی ہمیشہ اس میں قائم رہے گی۔ کیونکہ اسے اللہ تعالیٰ نے محفوظ کیا ہوا ہے۔ رَيْبَ کے ایک معنی کے لحاظ سے یہ مفہوم بھی پایا جاتا ہے کہ یہ کتاب خدا تعالیٰ کی حفاظت میں ہے۔ شیطانی دجل اس میں راہ نہیں پا سکتا۔ اس لئے اس کا جو اثر انسان کی روح پر آج پڑ رہا ہے وہی اثر اس کا قیامت تک انسان کی روح پر پڑتا چلا جائے گا۔ اس لئے یہ اَلْكِتٰبُ ایک کامل کتاب ہے۔ لَا رَيْبَ فِيْهِ کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ کوئی ایسی ہدایت اور صداقت جو ایک کامل کتاب میں ہونی چاہیے وہ اس سے باہر نہیں رہی اس کے متعلق بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

نے متعدد مقامات پر غیر ادیان کو فیصلہ کی طرف بلایا ہے۔ مثلاً آپ نے فرمایا کہ ہستی باری تعالیٰ کے متعلق کوئی ایسی سچی اور حقیقی دلیل تم اپنی کتابوں سے نکال کر دکھا دو جو میں قرآن کریم سے نکال کر نہ دکھا سکوں۔ پس ہر وہ صداقت جس کا کوئی دوسری کتاب دعویٰ کر سکتی ہے وہ اس کے اندر پائی جاتی ہے اور بہت سی ایسی صداقتیں بھی اس میں پائی جاتی ہیں جو دوسری کتابوں میں نہیں پائی جاتیں اس لئے یہ اَلْکِتٰبُ ایک کامل کتاب ہے۔

لَا رَیْبَ فِیْہِ کے چوتھے معنی کی رو سے یہاں یہ دلیل دی گئی ہے کہ اس پر عمل کر کے تو دیکھو تم ہر قسم کے مصائب اور آفات سے محفوظ ہو جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آ جاؤ گے پھر دنیا کا کوئی دجل یا دنیا کی کوئی طاقت یا دنیا کی کوئی سازش تمہارا حقیقی اور واقعی نقصان نہیں کر سکتی۔ نقصان تو وہ ہوتا ہے جو حقیقتاً ضائع ہو جائے لیکن اگر کسی کے پانچ روپے گم ہو جائیں اور اس کا والد اس کو کہے کہ پانچ روپے تو تمہارے پانچ روپے کے بدلہ میں میں دیتا ہوں اور یہ دس روپے اس تشویش کے بدلہ میں ہیں جو تم کو اُٹھانی پڑی ہے اور اس طرح اسے پندرہ روپے مل جائیں تو دنیا کا کوئی عقلمند یہ نہیں کہے گا کہ اس کا پانچ روپے کا نقصان ہوا ہے جبکہ اس کے بدلہ میں اس کو پندرہ روپے مل گئے ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ دعویٰ کیا کہ تم اس پر عمل کر کے کسی نقصان یا مصیبت میں نہیں پڑو گے۔

یہ نہیں کہا کہ تمہیں کوئی دکھ نہیں دے سکے گا کیونکہ ایک مومن کو خدا تعالیٰ کی راہ میں قربانیاں دینی پڑتی ہیں لیکن حقیقی مومن اس چیز کو جسے دنیا تکلیف سمجھتی ہے اپنے لئے راحت سمجھتا ہے اور اس کا خدا اور اس کا ربّ اور وہ جو اس کا مالک ہے اور جس کی خاطر وہ یہ تکالیف برداشت کر رہا ہوتا ہے اس کے سرور کے، اس کی مسرت کے اور اس کے آرام کے ایسے سامان پیدا کر دیتا ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ دکھ دینے والے نے مجھے تھوڑا دکھ دیا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ اگر وہ اس سے زیادہ دکھ دیتا تو میرے ربّ کا مجھے اس سے بھی زیادہ پیار حاصل ہو جاتا۔ تو چونکہ یہ ایسی کتاب ہے جس پر عمل کرنے والا حقیقی مومن کبھی بھی گھاٹے میں نہیں رہتا اور اس کے مقابلہ میں جو دوسری کتب ہیں ان کا یہ حال نہیں اس لئے یہ ثابت ہوا کہ یہی کتاب اَلْکِتٰبُ ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے سورۂ نساء

میں فرمایا کہ

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۔ (النسآء:۱۷۱)

اے تمام بنی نوع انسان سنو کہ ایک کامل رسول کامل صداقت لے کر تمہارے ربّ کی طرف سے تمہارے پاس پہنچ چکا ہے۔ تمہارا ربّ جس نے تمہیں ایک خاص مقصد کے لئے پیدا کیا تھا نشوونما اور ارتقاء کے مختلف مدارج میں سے تمہیں گزارتا ہوا وہ اس مقام پر تمہیں لے آیا ہے کہ اپنی کامل جنتوں میں تمہیں داخل کرے۔ سن لو کہ یہ رسول آ گیا فَاٰمِنُوْا جو وہ کہتا ہے اس پر ایمان لاؤ زبان سے بھی، دل سے بھی اور اپنے جوارح سے بھی تم اسے مانو اور اس کی تعلیم پر عمل کرو۔ اگر تم اس کامل رسول پر ایمان لاؤ گے اور جو اکمل شریعت ہے اس کے مطابق تم اپنی زندگیاں گزارو گے تو تم خیرِ اُمت بن جاؤ گے اور جب تم خیرِ اُمت بنو گے اور صرف اس وقت جب تم خیرِ اُمت بنو گے تو تم اس قابل ہو گے کہ تمام بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچا سکو تمہارے ذریعہ سے تمام اقوام اور ہر زمانہ کے لوگ دینی اور دنیوی فوائد حاصل کریں گے جب تک تم اس مقام کو نہیں پاتے ساری دنیا اور دنیا کے ہر حصہ میں بسنے والی اقوام تم سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتیں اور جب تک تم سے ساری اقوامِ عالم فائدہ نہ اٹھا سکیں اس وقت تک نہیں کہا جا سکے گا کہ تم کو (اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ) تمام دنیا کی بھلائی کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور جب تک تمہارے متعلق یہ نہیں کہا جا سکے گا کہ تمہیں تمام دنیا کی بھلائی کے لئے پیدا کیا گیا ہے اس وقت تک وہ وعدہ نہیں پورا ہو گا کہ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ

اس واسطے اٰمِنُوْا تم اس آواز پر لبیک کہتے ہوئے قرآنی شریعت پر ایمان لاؤ۔ اس کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالو۔ تم خیر اُمت بن جاؤ گے۔

پس نزولِ قرآن کے ذریعہ ’’وُضِعَ لِلنَّاسِ‘‘ کا مقصد حاصل ہوا اللہ تعالیٰ سورۂ آلِ عمران میں فرماتا ہے کہ

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَ لَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۔ (آلِ عمران:۱۱۱)

اس آیت میں دراصل یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ ابراہیمی پیشگوئی اور وعدہ کے مطابق اُمّتِ محمدیہ

بنی نوع انسان کے فائدہ کے لئے پیدا کر دی گئی ہے اور ایک اُمت ایسی تیار ہو چکی ہے جو اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ہے۔ وہ تمام بنی نوع انسان کے فائدہ کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ اور اس کی دلیل یہاں یہ دی ہے کہ یہ خیر اُمت ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ہے تمام دنیا کی بھلائی کے لئے اسے پیدا کیا گیا ہے اور یہ دلیل یوں ہے کہ اگر آپ تمام دنیا کی شریعتوں پر غور کریں تو آپ اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ تمام شریعتیں اس قوم کی استعداد کے مطابق نازل ہوتی رہی ہیں جس قوم کی طرف ان کو نازل کیا جاتا رہا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی طرف جو شریعت بھیجی گئی اس شریعت سے ہمیں پتہ لگتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی روحانی استعدادیں اور صلاحیتیں کیا تھیں جو شریعت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف نازل ہوئی اس سے ہمیں پتہ لگتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل کی روحانی صلاحیتیں اور استعدادیں کیا تھیں۔ باقی سارے انبیاء کی قوموں کا بھی یہی حال تھا بہرحال اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو شریعت بھی جس قوم کی طرف نازل کی جاتی ہے وہ اس قوم کی روحانی صلاحیتوں اور استعدادوں کو مدِّنظر رکھ کر نازل کی جاتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی فرد یا کسی قوم پر وہ بوجھ نہیں ڈالتا جس کو وہ برداشت نہ کر سکے۔

دوسری حقیقت جو بڑی واضح ہے وہ یہ ہے کہ قرآنی شریعت پہلی تمام شریعتوں کے مقابلہ میں اکمل اور اتم اور کامل اور مکمل ہے۔ اگر آپ پہلی شرائع کے احکام (اوامر ونواہی) کو قرآن کریم کے احکام کے مقابلہ پر رکھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ قرآن کریم میں چھ سات صد سے زائد احکام (اوامر ونواہی) اس اُمت کے لئے نازل کئے گئے ہیں ان کے مقابلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر معدودے چند احکام کا نزول ہوا۔ پھر سینکڑوں ایسے احکام قرآنیہ ہیں جو پہلی کسی شریعت میں بھی ہمیں نظر نہیں آتے اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ پہلی شرائع کے احکام (اوامر ونواہی) محدود تھے بوجہ اس کے کہ اس قوم کی استعدادیں محدود تھیں جس کی طرف انہیں نازل کیا گیا تھا اور قرآن کریم کا ایک کامل اور مکمل شریعت ہونا یہ ثابت کرتا ہے کہ بنی نوع انسان اس زمانہ میں جب قرآن کریم نازل ہوا کامل روحانی استعدادوں کے حامل تھے ورنہ قرآن کریم ان کی طرف نازل نہ ہوتا۔

پس قرآنی تعلیمات کے کمالاتِ خاصہ اس اُمت کے استعدادی کمالات پر شاہد ہیں۔

قرآن کریم کی تعلیم کے جو کمالات ہیں اور ان کی جو وسعت ہے اور اس کی جو شان ہے اس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ قرآن کریم کے مخاطب اپنی استعدادوں میں پہلی تمام اُمتوں سے بڑھے ہوئے ہیں ورنہ وہ قرآن کریم کے حامل نہیں ہو سکتے تھے یعنی قرآن کریم کے مخاطب اپنی صلاحیتوں اور استعدادوں میں پہلی سب اُمتوں سے افضل اور برتر اور بزرگ تر ہیں اور پھر جب یہ استعدادیں اور صلاحیتیں قرآنی تعلیم کی تربیت کے نیچے آئیں تو روح القدس کی معرفت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسیہ کے نتیجہ میں اور آپ کی متابعت کی برکت سے ایسے روحانی وجود پیدا ہوئے جو اپنی کمیت اور کیفیت اور صورت اور حالت میں تمام پہلے انبیاء کے روحانی بچوں سے اکمل اور اتم ٹھہرے اور جب تک یہ خیرِ اُمت پیدا نہ ہو جاتی کہ کوئی پہلی اُمت اس کے مقابلہ میں نہ ٹھہر سکتی اور یہ سب سے آگے نہ نکل جاتی اور آئندہ کوئی ایسی اُمت پیدا نہ ہو سکتی جو اس سے آگے بڑھ جائے یعنی وہ اپنے عروج اور کمال کو پہنچی ہوئی ہو اس وقت تک وُضِعَ لِلنَّاسِ کا وعدہ پورا نہیں ہوتا تھا کیونکہ ناقص شریعت کے نتیجہ میں اور ناقص تربیت سے یہ امید نہیں رکھی جا سکتی کہ وہ تمام اکناف عالم کو فائدہ پہنچانے والی ہو۔ غرض افاضۂ خیر میں نہ کسی اُمت نے آج تک اُمّتِ مسلمہ کا مقابلہ کیا اور نہ کوئی ایسی اُمت قیامت تک پیدا ہو سکتی ہے جو اُمّتِ مسلمہ کے مقابلہ میں آئے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا کہ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ اسی ابراہیمی وعدہ کے مطابق تمہیں لِلنَّاسِ پیدا کیا گیا ہے تمام دنیا تم سے فیوض حاصل کرے گی تم سے برکات پائے گی اور دلیل اس کی یہ ہے کہ تم خیرِ اُمت ہو ہر دو لحاظ سے استعداد کے لحاظ سے بھی اور تربیت کے نتیجہ میں جو رنگ اسوۂ رسولؐ اور اخلاق حسنہ کا تم نے اپنے اوپر چڑھایا ہے اس کے لحاظ سے بھی اور تم ہی وہ ہو سکتے ہو جن سے ساری دنیا فائدہ اُٹھا سکے۔ پس تمہارا خیرِ اُمت ہو جانا تمہاری صلاحیتوں اور استعدادوں کا اپنے کمال تک پہنچ جانا اور پھر ان صلاحیتوں اور استعدادوں کی تربیت کا اپنے کمال تک پہنچ جانا یہ بتاتا ہے کہ وہ وعدہ پورا ہو گیا کہ بیت اللہ کو وُضِعَ لِلنَّاسِ تمام اقوامِ عالم کے فائدہ اور بہبود کے لئے کھڑا کیا جاتا ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ انسان تمام بنی نوع انسان کو صرف اسی صورت میں فائدہ پہنچا سکتا ہے

جب وہ تمام بنی نوع انسان کو اخوت اور مساوات کے مقام پر لا کھڑا کرے اور کسی امتیاز یا تفریق کو جائز نہ سمجھے۔ چنانچہ وہ تمام باتیں جو انسانی عزت اور احترام کو قائم کرنے والی تھیں وہ اُمّتِ مسلمہ کی شریعت میں قرآن کریم یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ یا احادیث میں پائی جاتی ہیں۔ اسلام نے انسان انسان کے درمیان ہر امتیاز اور ہر تفریق کو مٹا کر رکھ دیا ہے اور اس طرح پر انسان کی عزت اور توقیر کو قائم کیا ہے۔

حجۃ الوداع کے موقع پر نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خطبہ دیا اس میں آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ اَلَا ہوشیار ہو جاؤ اور کان کھول کر سنو کہ تمہارا ربّ ایک ہے وہ ایک ذات ہے جس کی ربوبیت کے نتیجہ میں تمام اقوام مختلف فاصلے طے کرتے ہوئے اس مقام پر پہنچ گئی ہیں کہ ان تمام اقوام کی روحانی اور اخلاقی استعدادیں اور صلاحیتیں ایک جیسی ہوگئی ہیں اور اب وہ آخری شریعت کو قبول کرنے کے لئے تیار ہوگئی ہیں۔ تمہارا پیدا کرنے والا ایک ہے اس نے تمہاری جسمانی اور روحانی استعدادوں کو ایک جیسا پیدا کیا ہے۔ قوم قوم میں اس نے فرق نہیں کیا۔ یہ صحیح ہے کہ افراد کا اپنا اپنا ایک ترقی کا دائرہ ہوتا ہے لیکن قوم قوم میں کوئی تفریق نہیں کی جاسکتی۔ یہ نہیں کہ ایک قوم ذلیل یا حقیر ہے یا اس کی بناوٹ ہی ایسی ہے کہ وہ جسمانی یا روحانی یا علمی یا اخلاقی یا معاشرتی یا اقتصادی ترقی نہیں کرسکتی پس فرمایا کہ ہوشیار ہو جاؤ۔ کان کھول کر سنو کہ تمہارا ربّ جس نے تمہیں پیدا کیا، جس نے تمہارے قویٰ کو پیدا کیا، جس نے تمہاری صلاحیتوں کو پیدا کیا، جس نے تمہاری استعدادوں کو پیدا کیا پھر ان کی ربوبیت کی اور ارتقاء کے مدارج میں سے تم کو گذارا اور تمہاری نشوونما کو کمال تک پہنچایا وہ پاک ذات واحد ہے ایک ہے اور تم یہ بھی یاد رکھو کہ تمہارا باپ بھی ایک ہے یعنی تم سب آدم کی نسل سے ہو غرض تمہارا ربّ پیدا کرنے والا ایک ہے تمہارا باپ آدم ایک ہے۔ اگر تم مختلف باپوں کی اولاد ہوتے تو تم کہتے ہم نے اپنے اپنے باپوں سے ورثہ حاصل کیا ہے اور ہمارا باپ بزرگ تر اور برتر تھا اس کے ورثہ میں ہمیں از خود یہ برتر رتبہ مل گیا ہے مگر ایسا کہنا درست نہیں کیونکہ باپ ایک ہے۔ پھر اگر مختلف خدا ہوتے۔ مختلف ربّ ہوتے تو کوئی قوم کہہ سکتی تھی کہ جس ربّ نے ہمیں پیدا کیا ہے وہ زیادہ طاقت ور اور زیادہ عالم اور زیادہ قادر اور زیادہ

شفقت کرنے والا اور زیادہ رحم کرنے والا تھا اس نے ہمیں زیادہ دے دیا۔ دوسروں کو پیدا کرنے والا ربّ علم میں زیادہ نہیں تھا اس کی قدرت زیادہ نہ تھی اس میں رحم زیادہ نہ تھا اس کو اپنی مخلوق کے ساتھ وہ محبت نہیں تھی جو ہمارے ربّ نے ہم سے کی اس لئے ان کو کم چیزیں ملی ہیں اس لئے یہ اس لحاظ سے کم تر ہو گئے ہیں۔ مگر جب تمہارا ربّ ایک، جب تمہارا باپ ایک تو تمہیں یہ جان لینا چاہیے کہ کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے نہ کسی سیاہ کو سرخ رنگ والے پر کوئی فضیلت حاصل ہے اور نہ کسی سرخ رنگ والے کو سیاہ فام پر کوئی فضیلت حاصل ہے اور ایک اور جگہ آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ نہ کسی سرخ رنگ والے کو کسی سفید فام پر کوئی فضیلت حاصل ہے اور نہ کسی سفید فام کو سرخ رنگ والے پر کوئی فضیلت حاصل ہے فضیلت کا معیار تمہارے ربّ کی نگاہ میں اور ان استعدادوں کے نتیجہ میں جو تمہارے اندر اس نے پیدا کی ہیں ایک ہی ہے اور وہ ہے تقویٰ۔ خدا تعالیٰ کی نگاہ میں بزرگ تر وہ ہے جو زیادہ متقی ہے لیکن خدا تعالیٰ کی نگاہ کا تو تمہیں پتہ نہیں۔

لَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ۔(النّجم:۳۳)

جب بزرگی کا انحصار اللہ تعالیٰ کی نگاہ پر ہوا اور ہمیں اس نگاہ کا پتہ نہیں کہ وہ پیار کی ہے یا غضب کی ہے تو پھر ایک دوسرے پر بزرگی نہ جتایا کرو۔ یہ ایک مثال ہے جو میں نے دی ہے ورنہ اسلامی تعلیم ایسے احکام اور تعلیمات سے بھری پڑی ہے مثلاً اقتصادی لحاظ سے اسلام کسی کی برتری کو تسلیم نہیں کرتا بلکہ امیر کو یہ کہتا ہے کہ جب تک غربت قائم ہے تیرا تیرے مال پر کوئی حق نہیں۔ جیسے فرمایا:۔

وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّاۗىِٕلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۔(الذّٰریٰت:۲۰)

میرے نزدیک اس آیت کے یہ معنی ہیں کہ جب تک ضروریات زندگی ہر فردِ قوم کو نہیں مل جاتیں کسی مالدار کا اپنے مال پر حق باقی نہیں رہتا جب ضروریات زندگی پوری ہو جائیں پھر جو باقی بچتا ہے وہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے اسے جائز راہوں پر خرچ کرنے سے اسلام نہیں روکتا۔ لیکن اگر ہمسایہ بھوکا ہو اور تم پانچ یا سات کھانے کھاؤ تو اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ پس کسی لحاظ سے

بھی کسی قوم کو بحیثیت قوم کسی دوسری قوم پر کوئی فضیلت حاصل نہیں مثلاً علم کے میدان میں سب دماغ ایک جیسے ہیں، ہر قوم میں بڑے اچھی صلاحیت والے اور جینیئس (Genius) قسم کے دماغ بھی ہیں اور ہر قوم میں دماغی لحاظ سے خرد ماغ بھی ہیں۔ ان کی اپنی اپنی صلاحیتیں ہیں لیکن یہ بات غلط ہے کہ کوئی قوم ساری کی ساری علم کے میدان میں خرد ماغ ہو اور ایک دوسری قوم ساری کی ساری علم کے میدان میں جینیئس (Genius) ہو۔ یہ صحیح ہے کہ جو حاکم قومیں ہیں وہ اپنے گدھوں کو بھی رفعت کے مقام پر لے جاتی ہیں۔ مثلاً میرے ساتھ ایک طالب علم آکسفورڈ میں پڑھا کرتا تھا وہاں طریق یہ ہے کہ جو طالب علم پڑھائی میں چل نہ سکے اس کا روپیہ ضائع نہیں کرتے بلکہ ایک ٹرم کے بعد جب وہ اپنے گھر جاتا ہے اور اس ٹرم کا نتیجہ نکلتا ہے تو اسے گھر میں خط بھیج دیتے ہیں کہ تمہیں واپس تشریف لانے کی ضرورت نہیں تم وہیں کام کرو۔ انگریزی میں اسے کہتے ہیں Sent Home گھر بھیج دیا گیا۔ اتفاقاً میرے گروپ کا ایک لڑکا دوسری ٹرم میں واپس نہ آیا۔ مجھے اس وقت ان کے طریق کا علم نہیں تھا اِس لئے میں نے دوستوں سے پوچھا کہ فلاں طالب علم کیوں نہیں آیا؟ کیونکہ مجھے یہ خیال بھی پیدا ہوا کہ بعض موتیں بھی ہو جاتی ہیں اور پھر حادثات بھی ہو جاتے ہیں پتہ نہیں کیا بات ہے کہ وہ لڑکا واپس نہیں آیا۔ تو مجھے ایک دوست نے بتایا کہ He is sent home اس کو انہوں نے فارغ کر دیا ہے۔ 1944ء میں جب میں دہلی گیا تو پلیٹ فارم پر اتفاقاً ایک شخص پر نظر پڑی تو معلوم ہوا کہ یہ وہی لڑکا ہے وہ اس وقت انگریزی حکومت کا ایک بڑا افسر تھا اس نے مجھے پہچان لیا اور میں نے اس کو پہچان لیا۔ ہم ایک دوسرے سے ملے میں نے دل میں کہا کہ چونکہ اس قوم کو دنیوی اقتدار حاصل ہے اس لئے یہ ہمارے ملک کے محاورہ کے مطابق اپنے گدھوں کو بھی افسر بنا دیتے ہیں اور افسر بھی ہمارے اوپر۔ غرض ہر قوم میں اچھے دماغ بھی ہیں اور بُرے دماغ بھی ہیں کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس میں آپ کو یہ چیز نہ ملے۔ کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس کے سارے دماغ اچھے ہوں اور کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس کے سارے دماغ برے ہوں۔ اچھے اوسط درجہ کے اور بُرے سب ہی ہر قوم میں پائے جاتے ہیں غرض اسلام اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ کوئی امتیاز قائم رکھا جائے۔ بلکہ وہ مساوات

قائم کرتا ہے مثلاً تعلیم کے میدان میں دیکھو اسلام علم سیکھنے پر بہت زور دے رہا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جتنا جتنا علم کوئی سیکھ سکے جتنی جتنی کسی کے اندر صلاحیت اور استعداد ہو اس کو علم سکھانا چاہیے اور اس سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ کوئی تھرڈ کلاس لڑکا جو رعایتی پاس ہونے والا ہو اس کو وظیفہ نہیں دینا چاہیے کیونکہ وہ ضیاع ہے۔ لیکن جو ہوشیار طالب علم ہے اس کے دماغ کو ضائع کرنا اللہ تعالیٰ کی ناشکری اور قوم کو نقصان پہنچانے کے مترادف ہے غرض اسلام نے انسان انسان میں مساوات کو اور اس کے بعد اخوت کو قائم کر دیا ہے۔ اس نے دل کے سارے کینوں اور بغضوں کو نکال کر باہر پھینک دیا ہے اور اس نے کہا ہے تم بھائی بھائی کی طرح ایک دوسرے سے پیار کرو اور پھر اپنی بنیادی تعلیم کو تین بڑے ستونوں پر قائم کیا ہے اور وہ تین ستون عدل، احسان اور ایتاء ذی القربی ہیں۔ ہر وہ قوم جو بین الاقوامی حیثیت کی مالک ہو یا وہ رشتے اور تعلقات جو بین الاقوامی ہوں وہ اگر عدل کے اصول پر قائم ہوں اور اس سے بڑھ کر احسان کے اصول پر قائم ہوں اور پھر اس سے بھی بڑھ کر ایتاء ذی القربی کے اصول پر قائم ہوں تو آج دنیا کے سارے فسادات مٹ جاتے ہیں اور دنیا ایک دوسرے سے فائدہ اٹھانے لگتی ہے بجائے اس کے کہ وہ یہ سوچتی رہے کہ ہم دوسروں کو کس طرح نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ بنیادی حکم دے کر ہمیں بتایا ہے کہ تم میں سے بعض طبائع عدل سے آگے نکل سکیں گی۔ انہیں ہم کہتے ہیں کہ تم عدل کے مقام کو چھوڑ کر نیچے نہ گرنا ورنہ تم مسلمان نہیں رہو گے۔ بعض طبائع ایسی ہوں گی جو عدل کے مقام سے اوپر پرواز کریں گی اور احسان کے مقام پر پہنچ جائیں گی لیکن اس سے آگے نہیں جا سکیں گی ان کو ہم کہتے ہیں کہ اگر تم نے احسان کے مقام کو چھوڑ دیا اور باوجود اپنی استعداد کے تم گر کر عدل کے مقام پر آ گئے تو یاد رکھو تم اللہ تعالیٰ کی بہت سی ایسی نعمتوں سے محروم ہو جاؤ گے کہ جنہیں تم اس مقام پر قائم رہتے ہوئے حاصل کر سکتے تھے اور یہ کوئی معمولی خسران نہیں ہے بلکہ یہ بہت بڑا خسارہ ہے۔ پھر تم میں سے بعض لوگ ایسے ہیں جو ان ہر دو مقام سے اوپر ہو کر ایتاء ذی القربی کے مقام پر پہنچ جاتے ہیں اور پہنچ سکتے ہیں۔ ان کو ہم کہتے ہیں کہ تم احسان کے مقام پر راضی نہ ہو جانا ورنہ تم خدا تعالیٰ کی بے نظیر اور بے مثال نعمتوں اور فضلوں اور برکتوں سے محروم ہو جاؤ گے۔ غرض اسلام

نے انسان انسان کی مساوات اور اخوت اور پیار کو ان تین ستونوں پر قائم کیا ہے۔

اس وقت کافی دیر ہوگئی ہے۔ مگر میں یہ چاہتا تھا کہ اس مقصد پر تفصیل سے بات ہو جائے کیونکہ یہ مقصد تیئیس مقاصد میں سے ایک بنیادی چیز ہے۔ آخری مقصد بھی ایسا ہی اہم ہے بیچ میں سے ہم جلدی نکل جائیں گے۔ اس سلسلہ میں ایک دوست نے خواب بھی دیکھی ہے۔ (انہیں تو اس کی تعبیر سمجھ نہیں آئی تھی) چند دن ہوئے انہوں نے مجھے لکھا کہ میں نے دیکھا کہ میں (اور میرے ساتھ کچھ دوست اور بھی ہیں) قادیان کے اسی چوک میں ہوں جس میں مسجد مبارک کے اس حصہ کی سیڑھیاں اترتی ہیں جو بعد میں بڑھایا گیا تھا (یہاں بہت سارے عزیز بچے ایسے بھی ہوں گے جنہوں نے قادیان دیکھا ہی نہیں اور وہ سمجھ ہی نہیں سکتے لیکن جنہوں نے قادیان دیکھا ہے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ مسجد مبارک کے اس حصہ کو جو نیا بنا تھا سیڑھیاں ایک چوک میں اترتی تھیں۔ اس دوست نے لکھا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ہم اس چوک میں کھڑے ہیں) آپ بڑی تیزی سے آئے ہیں۔ آپ کے چہرے پر بشاشت اور رونق ہے۔ آپ کچھ سیڑھیاں چڑھتے ہیں اور پھر ہماری طرف دیکھتے ہیں پھر کچھ اور سیڑھیاں چڑھتے ہیں اور ہماری طرف دیکھتے ہیں۔ دو دفعہ آپ نے ایسا کیا ہے اور پھر آپ ساری سیڑھیاں چڑھ گئے ہیں۔ پھر آپ نے اذان دی ہے ہم سمجھتے ہیں کہ عصر کی نماز کا وقت ہے اس لئے آپ نماز عصر پڑھائیں گے۔ لیکن نماز سے پہلے جو اذان آپ نے دی ہے ہم نے محسوس کیا کہ وہ معمول سے زیادہ لمبی ہے اور یہ حصہ مضمون جو میں بیان کر رہا ہوں ایک خاص پروگرام کی طرف بلانے کا ہی رنگ رکھتا ہے۔ تا کہ جس وقت میں اس پروگرام پر آؤں تو آپ پس منظر سے پوری طرح واقفیت حاصل کرنے کے نتیجہ میں اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنے لگیں۔ (اور اذان کا زیادہ لمبا ہونا اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے)

غرض وُضِعَ لِلنَّاسِ ایک مقصد بیت اللہ کی تعمیر کا تھا اور چونکہ یہ اس لحاظ سے بڑا ہی اہم ہے کہ باقی سارے مقاصد کا اس پہلے مقصد کے ساتھ یا پھر جو آخری مقصد رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ الخ میں بیان ہوا میرا اس کے ساتھ گہرا تعلق ہے اور میں چاہتا تھا کہ اس مقصد کو تفصیل کے ساتھ بیان کروں تا آپ اچھی طرح سمجھ جائیں کہ وُضِعَ لِلنَّاسِ کی

پیشگوئی پوری نہیں ہوسکتی تھی جب تک ایک ایسی اُمت دنیا میں پیدا نہ ہو جائے جو خیر الامم ہو اور وہ اُمت پیدا نہیں ہوسکتی تھی جب تک کہ قرآن کریم کی شریعت جو کامل اور اکمل ہے اس کا نزول نہ ہو جائے اور ہر شریعت کا نزول قوم کی استعداد کے مطابق ہوتا ہے قرآن کریم کی شریعت چونکہ ہر پہلو اور ہر لحاظ سے کامل اور مکمل ہے اس لئے اس سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں (اور اس کے علاوہ کوئی نتیجہ اخذ نہیں کر سکتے) کہ وہ اقوام جو اس زمانہ میں اور پھر قیامت تک اس کی مخاطب تھیں اور مخاطب رہیں گی وہ اپنی صلاحیتوں اور استعدادوں کے لحاظ سے قرآن کریم کی حامل ہوسکتی تھیں اور قرآن کریم کی تربیت کو قبول کرنے کے بعد اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض اور برکات سے حصہ لینے کے بعد ان کی شکلیں ان کے حلئے کچھ اس طرح بدلے کہ ایک حقیقت بین نگاہ میں وہ نئے انسان بن گئے یعنی ان کی جو پہلی شکل تھی یا جو پہلے نقوش تھے ان کا کوئی حصہ باقی نہ رہا بلکہ نئے نقوش ابھر آئے جس طرح ریشم کا کیڑا جب ریشم بنا چکتا ہے تو اگر انسان اس کو موقع دے اور ریشم کا وہ جال جو اس نے اپنے اِردگرد بنایا ہوا ہوتا ہے اس میں سے باہر نکل آئے تو وہ پہلا کیڑا نہیں رہتا بلکہ اس کا پہلا سر۔ پہلی آنکھیں اور پہلا حلیہ بالکل بدل جاتا ہے پہلے اس کے پر نہیں ہوتے لیکن ۲۴ یا ۴۸ گھنٹوں کے اندر اندر اس کے پر نکل آتے ہیں۔ نیا سر پیدا ہو جاتا ہے، نئی آنکھیں پیدا ہو جاتی ہیں بالکل یہی مثال ان لوگوں کی ہے کہ جو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے پہلے وہ زمین کے کیڑے تھے اور بعد میں ان کو اللہ تعالیٰ نے نئی بصارت دی، نئی آنکھیں دیں، نئے دماغ دیئے۔ پرواز کی نئی قوت عطا کی پھر وہ آسمان کی وسعتوں میں اڑنے لگے اور جب یہ قوم پیدا ہوگئی تو وُضِعَ لِلنَّاسِ کا وعدہ بھی پورا ہو گیا۔

اس سے یہ بھی پتہ لگتا ہے کہ اس قوم پر جس کو قرآن کریم خیر اُمت کہہ رہا ہے دنیا کی خدمت کرنے کے سلسلہ میں کس قسم کی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی ذمہ داریوں کو نبھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

(روزنامہ الفضل ربوہ ۷/مئی ۱۹۶۷ء صفحہ ۱ تا ۵)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ذریعہ کعبۃ اللہ کی عالمگیر برکات کا ظہور

خطبہ جمعہ فرمودہ ۵ رمئی ۱۹۶۷ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور پُر نور نے آیت اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ہُدًی لِّلۡعٰلَمِیۡنَ (اٰل عمران: ۹۷) کی تلاوت فرمائی۔ پھر فرمایا۔

دو ایک روز سے شدید نزلہ کا حملہ پھر ہو گیا ہے جس کا اثر گلے پر بھی ہے ویسے بھی بڑی تکلیف ہے لیکن مجھ سے رہا نہیں گیا۔ میں نے سمجھا کہ میں دوستوں سے مل لوں اور جو مضمون میں نے شروع کیا ہوا ہے اس کا کچھ حصہ آج بیان کروں۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا کرے۔

میں بتا رہا ہوں کہ ان آیات کریمہ میں جو تئیس مقاصد تعمیر بیت اللہ کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ وہ بعثت نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کس طرح پورے ہوئے پچھلے ایک خطبہ میں وُضِعَ لِلنَّاسِ کی تفسیر اس پس منظر میں میں نے پیش کی تھی۔

دوسرا مقصد جو ان آیت میں بیان ہوا ہے وہ یہ ہے کہ خانۂ کعبہ مُبَارَكٌ ہے میں نے بتایا تھا مُبَارَكٌ کا لفظ یہاں دو معنوں میں لیا جا سکتا ہے۔ اوّل یہ کہ خانۂ کعبہ اقوام عالم کے نمائندوں کی قیام گاہ بنے گا اور تمام اقوام سے ایسے لوگ یہاں جمع ہوتے رہیں گے جو روحانی میدانوں کے شیر ہوں گے۔ بہادری کے ساتھ ثابت قدم رہنے والے ابطال کی یہ قیام گاہ ہوگی تاریخ اس

بات پر شاہد ہے کہ اس معنی میں بیت اللہ ساری دنیا کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل مُبَارَكًا کبھی نہیں ہوا یعنی اقوام عالم کے دلوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل خانہ کعبہ کی، اس بیت اللہ کی محبت اس رنگ میں کبھی پیدا نہیں ہوئی کہ یہ اس کی طرف کھچے چلے آتے اور خانہ کعبہ میں کوئی ایسا سامان بھی نہ تھا کہ اگر اقوام عالم کے نمائندے وہاں پہنچتے تو ان کے دلوں کی تسکین کا وہ باعث بنتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد اس لحاظ سے دنیا کا نقشہ بدل گیا اقوام عالم کے دلوں میں ایک طرف بیت اللہ کی محبت پیدا ہوئی تو دوسری طرف ایسے سامان بھی پیدا ہو گئے کہ لوگ وہاں جائیں اور روحانی یا منقولی یا عقلی یا دینی علوم سیکھیں اور وہ ایسے علوم ہوں جو تمام قوموں کو ہر زمانہ کے رہنے والوں کو دینی اور دنیوی فوائد پہنچا سکیں اس معنی کے لحاظ سے تاریخی ثبوت اتنا واضح ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ساتھ اس غرض کو پورا کیا گیا ہے کہ اس پر مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔

دوسرے معنی مُبَارَكًا کے جو یہاں چسپاں ہوتے ہیں یہ ہیں کہ مکہ کو مولد بنایا جائے گا ایک ایسی شریعت کا جس میں وہ تمام بنیادی صداقتیں اور ہدایتیں جمع کر دی جائیں گی جو انبیاء سابقین کی شریعتوں میں متفرق طور پر پائی جاتی تھیں۔ صرف قرآن کریم ہی ایک ایسی شریعت ہے جس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ میں نے تمام پرانی صداقتوں کو اپنے اندر جمع کیا ہوا ہے۔ قرآن کریم سے قبل کسی شریعت نے بھی ایسا دعویٰ نہیں کیا اور نہ وہ ایسا دعویٰ کر سکتے تھے۔ کیونکہ ان کو نازل کرنے والا خدا جانتا تھا کہ ان شرائع کا نزول خاص قوموں اور ایک خاص زمانہ تک کے لئے ہے۔

قرآن کریم نے یہ دعویٰ مختلف آیات میں کیا ہے۔ جن میں سے بعض میں اس وقت اپنے دوستوں کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سورۃ الانعام میں فرماتا ہے۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَ اتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ (الانعام: ۱۵۶)

یعنی یہ قرآن ایک ایسی کتاب ہے اور ایک ایسی شریعت ہے جو مُبَارَكٌ ہے تمام آسمانی کتابوں کی خوبیاں اور ان کی بنیادی صداقتیں گویا بہہ کر اس کے اندر آ گئی ہیں۔ اب تم اس

کتاب مبارک کی کامل پیروی کرو (اِتَّبِعُوْہُ) اس سے تمہیں دو فائدے پہنچیں گے۔ ایک تو یہ کہ تم خدا کی پناہ میں آ جاؤ گے خدا تمہاری ڈھال بن جائے گا اور وہ تمام شیطانی وساوس سے تمہیں بچائے گا کیونکہ اس کتاب مبارک کی اتباع کے بغیر تقویٰ کی صحیح راہوں کا عرفان بھی حاصل نہیں ہوتا اور ان پر چل کر اللہ تعالیٰ کی کامل حفاظت کے اندر بھی انسان نہیں آ سکتا اور دوسرا نتیجہ اس کا یہ نکلے گا کہ تُرْحَمُوْنَ اللہ تعالیٰ کے رحم کے تم مستحق ٹھہرو گے اور اس کے انعامات بے پایاں کے نتیجہ میں جسمانی اور روحانی آسودگی تمہیں حاصل ہوگی۔

اسی طرح دوسری جگہ (سورۃ الانعام کی آیت ۹۳ میں) اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَ هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَ مَنْ حَوْلَهَا۔

یعنی یہ قرآن عظیم الشان کتاب ہے جسے ہم نے اتارا ہے پہلی تمام اُمتوں کی ہر قسم کی برکات کی جامع ہے۔ (مُبَارَك) اور ان بشارتوں اور پیشگوئیوں کے مطابق نازل ہوئی ہے یہ کتاب، جو اس کتاب کے متعلق پہلی کتب میں پائی جاتی ہیں۔ نیز ان تمام شرائع سابقہ کی بنیادی صداقتوں اور ہدایتوں پر مہر تصدیق ثبت کرنے والی ہے (اس کے اندر ان کو جمع کر دیا گیا ہے) اسی طرح ابراہیمی قربانیوں اور دعاؤں کا یہ ثمرہ ہے اس لئے تم اہل مکہ اور اہل عرب کو خبردار کرو کہ جس اکمل شریعت کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا وہ پورا ہوا اور موجودہ شریعت تم پر نازل ہوگئی۔ اگر تم اس سے منہ پھیرو گے تو جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کے ذریعہ تمہیں پہلے سے خبردار کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کے غضب کے تم مورد بنو گے اور عَذَابُ النَّارِ کی طرف گھسیٹ کر تمہیں لے جایا جائے گا۔

اس آیت میں بڑی وضاحت سے یہ مضمون پایا جاتا ہے کہ مُبَارَك کا تعلق نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور ابراہیم کی پیشگوئیوں کے ساتھ ہے لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَ مَنْ حَوْلَهَا میں یہ مضمون بڑی وضاحت سے بیان ہوا ہے۔

تو ہر دو معنی کے لحاظ سے یہ خانۂ خدا مُبَارَك اس وقت بنا جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے دنیا کے دل میں مکہ کی محبت پیدا کی گئی اور دنیا کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے مکہ میں شریعت اسلامی کا نزول ہوا۔

تیسری غرض تعمیرِ کعبہ کی ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی کہ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ تمام جہانوں کے لئے اسے ہدایت کا مرکز بنایا جائے گا۔ یعنی یہاں ایک ایسی شریعت نازل ہوگی جس کا تعلق کسی ایک قوم یا کسی ایک زمانہ کے ساتھ نہ ہوگا بلکہ عٰلَمِيْنَ کے ساتھ ہوگا۔ تمام اقوام کے ساتھ ہوگا۔ تمام اکنافِ عالم کے ساتھ ہوگا تمام جہانوں کے ساتھ ہوگا اور تمام زمانوں کے ساتھ ہوگا۔

اس سلسلہ میں پہلی بات یاد رکھنے کے قابل یہ ہے کہ پہلی کتب سماوی کے نزول کے وقت انسان کی کمزور استعدادیں اس لائق نہ تھیں کہ وہ کامل اور مکمل شریعت کی متحمل ہوسکتیں۔ اس لئے ان میں سے کسی کا بھی یہ دعویٰ نہ تھا کہ وہ تمام اقوام عالم اور ہر زمانہ کے لئے ہیں۔ لِلْعَالَمِيْنَ ہونے کا دعویٰ قرآن سے پہلے کسی شریعت نے نہیں کیا۔ صرف قرآن کریم نے ہی یہ دعویٰ کیا ہے اور صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی دنیا کو پکار کر کہا کہ میں تم سب کی طرف خدا کا رسول ہوں۔ قرآن کریم میں بہت سی آیات اس مضمون کی پائی جاتی ہیں۔ میں نمونہ کے طور پر چند ایک یہاں بیان کروں گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ۔ (النّحل: ۹۰) یعنی ہم نے تیرے پر وہ کتاب اتاری ہے جس میں ہر ایک چیز اور ہر ایک تعلیم کو بیان کر دیا گیا ہے، جو ہم بنی نوع انسان کی روحانی ترقیات کے لئے بیان کرنا چاہتے تھے یعنی ہمارے علم کامل میں جو تعلیمیں بنی نوع انسان کی اعلیٰ روحانی ترقیات کے لئے ضروری تھیں وہ ہم نے اس کتاب میں بیان کر دی ہیں اور دوسری جگہ فرمایا مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ (الانعام: ۳۹) یعنی بنی نوع انسان کی کامل استعدادوں کی صحیح نشوونما کے لئے جس چیز کی بھی ضرورت تھی وہ اس میں بیان ہوگئی ہے اور کوئی تعلیم اس کے باہر نہیں رہی اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ دعویٰ کیا اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔ (المآئدۃ: ۴) یعنی قرآن کریم کے ذریعہ دین اپنے کمال کو اور روحانی نعمتیں اپنے انتہا کو پہنچ گئی ہیں۔ اب صرف اسلام کے ذریعہ خدا تعالیٰ کی رضا کو حاصل کیا جا سکتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ

”اس آیت میں صریح یہ بیان ہے کہ قرآن شریف نے ہی کامل تعلیم عطا کی ہے اور

قرآن شریف کا ہی ایسا زمانہ تھا جس میں کامل تعلیم عطا کی جاتی ۔ پس یہ دعویٰ کامل تعلیم کا جو قرآن شریف نے کیا۔ یہ اُسی کا حق تھا۔ اِس کے سوا کسی آسمانی کتاب نے ایسا دعویٰ نہیں کیا۔ جیسا کہ دیکھنے والوں پر ظاہر ہے کہ توریت اور انجیل دونوں اس دعوے سے دستبردار ہیں۔'' [۳۰]

آپ نے تورات اور انجیل کے متعلق جو دعویٰ کیا اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ تورات نے تو یہ کہا کہ تمہارے بھائیوں میں سے ایک نبی مبعوث کیا جائے گا وہ خدا کا کامل کلام تمہیں سنائے گا اور جو اس کی نہیں سنے گا اور اس کی اتباع نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس سے مواخذہ ہوگا۔ اگر تورات کامل ہوتی تو تورات کے بعد کسی ایسی شریعت کے نزول کا امکان بھی نہ رہتا جس کے نہ ماننے پر اللہ تعالیٰ کے غضب کے نیچے انسان آجاتا۔

اور انجیل نے یہ کہہ کر دستبرداری کا اعلان کیا کہ بہت سی باتیں قابل بیان ہیں مگر تم ان کی ابھی برداشت نہیں کر سکتے کیونکہ تمہاری استعدادیں ابھی کامل نہیں ہیں۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

''اسلام کی سچائی ثابت کرنے کے لئے یہ ایک بڑی دلیل ہے کہ وہ تعلیم کی رو سے ہر ایک مذہب کو فتح کرنے والا ہے اور کامل تعلیم کے لحاظ سے کوئی مذہب اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔''

کیونکہ ہر مذہب کو قرآن کریم اور اسلام فتح کرتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے دنیا کے سامنے یہ اعلان کیا۔ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۔(بنی اسرآءیل : ۸۲)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہاں اَلْحَقُّ سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات بھی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود بھی ہے اور قرآن کریم بھی ہے تو اس آیت کے معنی یہ بنے کہ قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ خدا تعالیٰ کا جلالی ظہور ہوا اور اس جلالی ظہور کے نتیجہ میں شیطان مع اپنے تمام لشکروں کے بھاگ گیا اور اس کی تعلیمیں ذلیل اور حقیر ثابت ہوئیں اور اس کی قائم کردہ بدرسوم اور بدعات شنیعہ کا گند ظاہر ہو گیا اور اس کے گروہ کو بڑی بھاری شکست ہوئی۔

پس قرآن کریم کا یہ دعویٰ ہے کہ اسی غرض کے لئے قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا چنانچہ سورۃ توبہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۔(التوبۃ:۳۳)

ضمناً میں یہ بتا دوں کہ اس آیت میں عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ تک کا جو ٹکڑا ہے قرآن کریم میں تین مختلف جگہوں پر آیا ہے اور ہر سہ جگہ علیحدہ علیحدہ معانی اور مضمون کو بیان کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ فرمایا کہ وہ خدا ہی ہے جو اپنی ذات میں اور اپنی صفات میں کامل ہے اس نے اس رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے اور اس بعثت اور اس ظہور کی غرض یہ ہے لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کہ تمام ادیان پر اس شریعت کی اور اس رسولؐ کی برتری کو وہ ثابت کرے۔ دین حق کی برتری ثابت ہوگی تو دین لانے والے کی برتری خودبخود ثابت ہوجائے گی۔ یہاں لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کہا گیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ تمام ادیان جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے دنیا میں موجود تھے لیکن ان کے حلئے اور شکلیں بگڑ چکی تھیں۔ جب بھی وہ اسلام کے مقابلہ پر آئیں گے شکست کھائیں گے۔ قرآن کریم میں ایسے سامان اللہ تعالیٰ نے رکھ دیئے ہیں اور اس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اسلامی شریعت کے بعد اگر کوئی جھوٹا دین قائم ہوگا تو اس کے اوپر بھی یہ غالب آجائے گا۔ کیونکہ یہاں دین کے ساتھ سابقہ ادیان کی کوئی شرط نہیں لگائی گئی مثلاً بہائی ہیں انہوں نے اپنا نیا دین بنایا قرآن کریم کے مقابلہ میں۔ قرآن کریم کا دعویٰ ہے کہ ایسے ادیان جو شریعت اسلامیہ کے بعد پیدا ہوں ان کا سر کچلنے کی بھی قرآن میں طاقت ہے۔ کیونکہ یہ اس خدا کا کلام ہے جو عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ہے جس کے علم میں ہیں وہ تمام باتیں جو آئندہ ظہور میں آنے والی ہیں۔ تو دین اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جس کے مقابلہ میں نہ اگلے نہ پچھلے کوئی دین بھی ٹھہر نہیں سکتے وہ ہر ایک پر اپنے عقلی دلائل کے ساتھ اور اپنی روحانی صداقتوں اور ہدایتوں کے ساتھ اپنی آسمانی تائیدات اور نصرتوں کے ساتھ غالب آنے کی طاقت رکھتا ہے تو هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ تمام جہانوں کے لئے ہدایت ہونے کا دعویٰ صرف قرآن کریم نے کیا اور عملاً اسے ثابت بھی کیا ہے۔

میں نے بتایا تھا کہ ھدایۃ کے چار معنی لغت میں بیان ہوئے ہیں۔ پہلے معنی کے متعلق جو خطبہ چھپا ہے اس میں کچھ تھوڑا سا ابہام ہے۔ اس کی میں وضاحت کر دیتا ہوں۔ ھدایۃ کے پہلے معنی یہ ہیں کہ عقل اور فراست کو جس راہنمائی کی ضرورت ہے اسے بھی ھدایۃ کہتے ہیں۔ یعنی عقل اور فراست میں اور علوم کے حصول میں اور اس کی تحقیق میں بھی انسان میں جو طاقتیں ودیعت کی گئی ہیں محض وہ کافی نہیں بلکہ ان کے لئے بھی آسمان سے کسی ہدایت کی ضرورت ہے۔

تو یہ قدرِ مشترک ہے تمام انسانوں میں، اس کا کسی مذہب کے ساتھ تعلق نہیں ہے۔ اس قدرِ مشترک کی راہنمائی بھی قرآن کہتا ہے کہ میں کرتا ہوں اور عقل تو خود اندھی ہے اگر نیر الہام اس کے ساتھ نہ ہو اور اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ بتانے کے لئے کہ جسمانی قابلیتیں اور روحانی استعدادیں کافی نہیں ہوتیں جب تک اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال ہو کر آسمان سے اس کی ہدایت کا سامان پیدا نہ کیا جائے۔ بہت سی مثالیں قرآن کریم میں دی ہیں مثلاً ایک مثال یہ دی ہے کہ شہد کی مکھی کو ہم الہام کرتے ہیں اور قرآن کریم کا محض یہ ایک دعویٰ ہی نہیں بلکہ الٰہی تصرف کے ماتحت انسانی تحقیق نے نہایت لطیف رنگ میں اور بڑی شان کے ساتھ قرآن کریم کے اس دعویٰ کو ثابت کیا ہے۔ چنانچہ شہد کی مکھی کے متعلق جو نئی تحقیق ہوئی ہے اس میں ایک یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ ان مکھیوں کی ملکہ (Queen) جب انڈے دے رہی ہو تو انڈا دیتے وقت اسے یہ الہام ہوتا ہے کہ اس انڈے میں نر بچہ پیدا ہوگا یا مادہ بچی ہوگی۔ چھتے میں مختلف جگہیں مقرر ہیں۔ ایک حصہ میں ماں وہ انڈے رکھتی ہے جن میں سے نر بچے پیدا ہونے ہوں اور چھتے کے ایک دوسرے حصہ میں ان انڈوں کو رکھتی ہے جن میں سے مادہ بچے پیدا ہونے ہوں تو سینکڑوں ہزاروں انڈے ایک مکھی جسے ملکہ کہتے ہیں دیتی ہے اور ہر موقعہ پر جب وہ انڈا دے رہی ہو اس کو یہ بتایا جاتا ہے کہ اس میں سے نر نکلے گا یا مادہ نکلے گی۔

تو اس قسم کی بہت سی مثالوں سے اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ سمجھایا ہے کہ محض اپنی طاقتوں اور قوتوں اور محض اپنی عقل اور فراست اور محض اپنے علم اور محض اپنی تحقیق پر بھروسہ نہ کرنا جب تک آسمان سے تمہارے لئے ہدایت نازل نہ ہو تم کسی میدان میں کبھی کامیابی حاصل نہیں کر سکتے اور

چونکہ عقل تمام انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے دی ہے اور وہ جو خدائے تعالیٰ کے بتائے قوانین پر عمل پیرا ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو الہام کرتا ہے اور نئے سے نئے مضامین ان کے دماغ میں ڈالتا ہے عقلی میدان میں، علم کے میدان میں، خواہ کوئی مسلمان ہو یا عیسائی ہو یا دہریہ ہو یا کسی مذہب کے ساتھ یا کسی بدمذہبیت کے ساتھ یا لامذہبیت کے ساتھ اس کا تعلق ہو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے عقل کو مشترک ورثہ بنا کر انسانوں کے لئے پیدا کیا ہے۔ قرآن یہ کہتا ہے کہ علاوہ بعض دوسری ہدایتوں کے جو آسمان سے نازل ہوتی ہیں ہم عقل کی بھی راہنمائی کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس مضمون کو بڑے لطیف پیرایہ میں بیان کیا ہے کہ وحی والہام کے ذریعہ انسانی عقلوں کو اللہ تعالیٰ تیز کرتا ہے اور پھر ذہن رسا سے جو علوم پرورش پاتے ہیں قرآن کریم ان سے خادموں کی طرح خدمت لیتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

’’خدائے تعالیٰ کی ہستی اور خالقیت اور اس کی توحید اور قدرت اور رحم اور قیومی اور مجازات وغیرہ صفات کی شناخت کے لئے جہاں تک علوم عقلیہ کا تعلق ہے استدلالی طریق کو کامل طور پر استعمال کیا ہے اور اس استدلال کے ضمن میں ......تمام علوم کو نہایت لطیف و موزوں طور پر بیان کیا ہے......اور......علوم مذکورہ سے ایک ایسی شائستہ خدمت لی ہے جو کبھی کسی انسان نے نہیں لی۔‘‘ [۳۱]

اور یہ قرآن کریم کا کمال ہے کہ باقی ادیان تو رائج الوقت علوم کے سامنے دب سکتے ہیں لیکن اسلام ہی ایک ایسا دین ہے اور قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے جو کسی عقلی علم کے سامنے دبتی نہیں بلکہ اس کو خادم سمجھتی اور اس سے خدمت لیتی ہے۔

ھدایۃ کے دوسرے معنی شریعت کے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہو۔ تو هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ شریعت جو عَالِمِیْنَ کے لئے، تمام جہانوں اور تمام زمانوں کے لئے ہے اور صرف قرآن کریم ہی هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ہے اسی لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو مخاطب کر کے فرمایا اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا۔ (الاعراف :۱۵۹) قرآن کریم بھرا

پڑا ہے اس مضمون سے کہ وہ تمام جہانوں اور تمام زمانوں کے لئے ہے۔ یہ صرف ایک دعویٰ نہیں بلکہ ایک ناقابلِ تردید صداقت ہے جس کی وضاحت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الفاظ میں سنیے۔ حضورؑ فرماتے ہیں:۔

''جس قدر معارف عالیہ دین اور اس کی پاک صداقتیں ہیں اور جس قدر نکات و لطائفِ علم الٰہی ہیں جن کی اس دنیا میں تکمیل نفس کے لئے ضرورت ہے۔ ایسا ہی جس قدر نفسِ امّارہ کی بیماریاں اور اس کے جذبات اور اس کی دوری یا دائمی آفات ہیں یا جو کچھ ان کا علاج اور اصلاح کی تدبیریں ہیں اور جس قدر تزکیہ و تصفیہ نفس کے طریق ہیں اور جس قدر اخلاقِ فاضلہ کے انتہائی ظہور کی علامات و خواص و لوازم ہیں یہ سب کچھ باستیفائے تام فرقان مجید میں بھرا ہوا ہے اور کوئی شخص ایسی صداقت یا ایسا نکتہ الٰہیہ یا ایسا طریق وصول الی اللہ یا کوئی ایسا نادر یا پاک طور مجاہدہ و پرستش الٰہی کا نکال نہیں سکتا جو اس پاک کلام میں درج نہ ہو۔'' [۳۲]

اس کی تفصیل آگے حضورؑ نے بیان فرمائی ہے۔ پس قرآن کریم کا ہی یہ دعویٰ ہے کہ انسانی نفس کو روحانی کمالات تک پہنچانے کے لئے جس جس ہدایت اور صداقت کی ضرورت تھی وہ سب میرے اندر پائی جاتی ہے، اگر تم میری اتباع کرو گے تو روحانی بیماریوں سے محفوظ ہو جاؤ گے اور روحانی ترقیات کے دروازے تم پر کھولے جائیں گے اور تم اپنے نفس کا کمال حاصل کر لو گے۔

اور ہر وہ شریعت جس کا یہ دعویٰ ہو عقلاً اس کا یہ دعویٰ بھی ہونا چاہیے کہ غیر متناہی رفعتوں کے دروازے میں تم پر کھول رہا ہوں اور قرآن کریم نے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کیونکہ قرآن کریم کے شروع میں ہی کہا کہ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (البقرۃ:۳) کہ کوئی تقویٰ کے کسی بلند اور اَرفع مقام تک ہی کیوں نہ پہنچ جائے قرآن کریم اس پر تقویٰ کی مزید راہیں کھولتا ہے۔ پھر وہ آگے جاتا ہے پھر وہ مزید بلندیوں کو حاصل کرتا ہے پھر اس سے بھی بلند تر روحانی رفعتیں اس کے سامنے آتی ہیں۔ پھر وہاں تک پہنچنے کی خواہش اس کے دل میں پیدا ہوتی ہے اور قرآن کریم اس کی انگلی پکڑتا ہے اور کہتا ہے تم میری اتباع کرو میں تمہیں ان مزید رفعتوں تک بھی لے جاؤں گا اسی طرح یہ سلسلہ چلا جاتا ہے اور اس کی انتہا نہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مضمون کو دو طرح بیان فرمایا ہے۔ ایک یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کے بے انتہا فیوض ہیں ان فیوض کی حد بندی نہیں کی جاسکتی اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر فیضانِ حضرت احدیت کے بے انتہا ہیں اس لئے درود بھیجنے والوں کو کہ جو ذاتی محبت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے برکت چاہتے ہیں بے انتہا برکتوں سے بقدر اپنے جوش کے حصہ ملتا ہے۔ اسی ضمن میں آپؑ ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ

”میں دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے فیوض عجیب نوری شکل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جاتے ہیں اور پھر وہاں جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سینہ میں جذب ہوجاتے ہیں اور وہاں سے نکل کر ان کی لا انتہا نالیاں ہوتی ہیں اور بقدر حصہ رسدی ہر حقدار کو پہنچتی ہیں۔“ [۳۳]

تو قرآن کریم یا اسلام کا یہ دعویٰ کہ میں هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ہوں انسانی نفس کو اس کے کمالات تک پہنچانے والا ہوں، یہ اس طرح پورا ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود خدائے تعالیٰ کی نگاہ میں ایک ایسا پاک وجود ہے کہ اللہ تعالیٰ کی غیر محدود رحمتیں آپ پر نازل ہوتی رہتی ہیں یا یوں کہنا چاہیے کہ خدا تعالیٰ کی صفات کے غیر محدود جلوے آپ پر ہر آن ظاہر ہوتے رہتے ہیں تو جو شخص بھی آپ سے محبت کرے گا اور آپ کے لئے برکت اور رحمت اور سلام چاہے گا اللہ تعالیٰ اسے ذاتی محبت کے بدلے کے طور پر ان تمام فیوض سے اس کو حصہ رسدی دیتا چلا جائے گا اور جب وہ شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل کچھ حاصل کر لے گا اس عرفان کے ساتھ کہ یہاں سے غیر محدود برکتیں حاصل کی جاسکتی ہیں تو مزید برکتیں آپ سے حاصل کرنے کے لئے اس کے دل میں خواہش پیدا ہوگی اور وہ زیادہ جوش کے ساتھ اور زیادہ قلبی محبت کے ساتھ آپ پر درود بھیجنے لگے گا اور پھر زیادہ برکات کا اس پر نزول شروع ہوجائے گا۔

اور دوسرے قرآن کریم کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ فرمایا ہے کہ قرآن کریم کا بھی یہ دعویٰ ہے کہ میں غیر محدود انوار کے، میں غیر محدود برکات کے، میں غیر محدود مقامات قرب کے دروازے اپنے ماننے والوں اور قرآن کریم کی اتباع کرنے والوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

سے پیار کرنے والوں پر کھولتا ہوں چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ بِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَ اغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ (التحریم:۹)

اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسلام کی اتباع اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کے نتیجہ میں اس دنیا میں نور عطا ہوتا ہے، وہ نور جس طرح اس دنیا میں ہمیشہ ان کے ساتھ رہتا ہے اور ان کی رہنمائی کرتا ہے اور روحانی راہوں کو ان پر روشن کرتا رہتا ہے اسی طرح دوسری دنیا میں بھی یہ نور مومن سے جدا نہیں ہوگا اور یہ نہ سمجھ لینا کہ قرآن کریم کی کامل اتباع کے نتیجہ میں صرف اس دنیا میں غیر محدود رحمتوں کے دروازے کھلتے ہیں بلکہ مرنے کے بعد بھی ان رحمتوں پر کوئی حد بندی نہیں لگائی جاسکتی۔ اس وقت بھی رحمتوں کے یہ دروازے کھلے رہیں گے کیونکہ دوسری جگہ فرمایا ہے کہ جو اس دنیا میں اندھا ہوگا وہ اس دنیا میں بھی بینائی کے بغیر ہوگا۔ یہاں اس کے مقابل یہ مضمون بیان ہوا ہے کہ جو اس دنیا میں روشنی اور نور رکھتا ہوگا وہ نور اس دنیا میں بھی اس کے ساتھ جائے گا اور یہ نہیں کہ اس دنیا میں روحانی ترقی کے دروازے تو ایسے شخص پر کھلے رہیں گے اور وہاں جا کے صرف فصل کٹنے کے بعد جو اس کے پھلوں کے کھانے کا وقت ہوتا ہے۔ وہی وقت ہوگا پھر اور مزید ترقی اسے نہیں ملے گی۔ جو پہلے اس نے حاصل کر لی ان نعمتوں سے صرف وہی حظ اور سرور حاصل کرتا رہے گا۔ یہ بات نہیں بلکہ مرنے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ نے انسانی روح کے لئے ایسے سامان پیدا کر دئے ہیں کہ جو نور وہ قرآن کریم کی متابعت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اس دنیا میں حاصل کرتا ہے۔ وہ اس کے ساتھ جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ وہاں بھی اس کی ترقیات کے دروازے کھولتا رہے گا اور اس کی راہوں کو روشن کرتا چلا جائے گا اور کہیں بھی اس راہ نے ختم نہیں ہونا۔ کیونکہ بندے اور خدا کے درمیان جو فاصلے ہیں ان کی انتہاء نہیں۔ پس بندے اور خدا کے درمیان جو مقامات قرب ہیں ان کی حد بندی اور تعین کیسے کی جاسکتی ہے؟ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

”اس آیت میں یہ جو فرمایا کہ وہ ہمیشہ یہی کہتے رہیں گے کہ ہمارے نور کو کمال تک

پہنچا یہ ترقیات غیر متناہیہ کی طرف اشارہ ہے یعنی ایک کمال نورانیت کا انہیں حاصل ہوگا، پھر دوسرا کمال نظر آئے گا اس کو دیکھ کر پہلے کمال کو ناقص پائیں گے پس کمال ثانی کے حصول کے لئے التجا کریں گے اور جب وہ حاصل ہوگا تو ایک تیسرا مرتبہ کمال کا ان پر ظاہر ہوگا پھر اس کو دیکھ کر پہلے کمالات کو ہیچ سمجھیں گے اور اس کی خواہش کریں گے۔ یہی ترقیات کی خواہش ہے جو اَتۡمِمۡ کے لفظ سے سمجھی جاتی ہے۔غرض اسی طرح غیر متناہی سلسلہ ترقیات کا چلا جائے گا۔تنزل کبھی نہیں ہوگا۔'' [۳۴]

تو قرآن کریم نے ایسا دعویٰ بھی کیا، قرآن کریم نے ایسا کر کے بھی دکھایا یعنی ہزاروں لاکھوں مقدس بندے خدا تعالیٰ کے اسلام میں ایسے پیدا ہوئے جنہوں نے اسلام سے نور حاصل کر کے جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے روشنی حاصل کر کے، جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے عشق سے ایک چنگاری لے کر ایسا نور حاصل کیا کہ وہ اس دنیا میں غیر متناہی ترقیات کے حامل ہوئے اور جو انہیں اُخروی زندگی میں ملے گا جس کا وعدہ ان سے کیا گیا ہے اس کا تو ہم تصور بھی نہیں کر سکتے جیسا کہ احادیث میں بیان ہوا ہے کہ وہ ایسی عجیب نعمتیں ہیں کہ ان کا تصور بھی انسان یہاں نہیں کرسکتا۔

ہدایت کے چوتھے معنی جیسا کہ میں نے بتایا تھا۔انجام بخیر ہونے کے ہیں یعنی جنت کے مل جانے کے اور مقصد حیات کے حصول کے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنۡ رَّبِّهِمۡ ‌ۚ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ (البقرۃ:۶) کہ وہ لوگ جو قرآن کریم کی تعلیم پر عمل کرنے والے ہیں اس پر وہ مضبوطی سے قائم ہیں اور ان کے ربّ کی ربوبیت کاملہ نے جس کامل ہدایت کو نازل کیا وہ اس ہدایت کے اوپر قائم ہیں۔ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔فلاح کا لفظ عربی زبان میں کامل کامیابی کو کہتے ہیں کہ جس کے مقابلہ میں کوئی کامیابی کامیابی نہیں رہتی جس میں کسی قسم کا کوئی نقص نہ ہو جس میں کسی قسم کی کوئی خامی نہ ہو جو بھرپور کامیابی ہو۔تو اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ فرمایا کہ جو لوگ اپنے ربّ کی (جو انسان کی ربوبیت کرتا ہوا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں ایک خاص بلند مقام پر ان کو لے آیا اور کامل استعدادیں اور کامل صلاحیتیں ان کو عطا

کیں) ہدایت پر قائم ہیں ۔ وہ ایک حقیقی اور کامل فلاح اور کامیابی کو پاتے ہیں اور پہلی تمام اُمتوں سے آگے نکل جاتے ہیں ۔

تو اس وقت اس خطبہ میں میں نے تعمیر کعبہ سے تعلق رکھنے والے دو مقاصد کے متعلق کچھ بیان کیا ہے ۔ ایک یہ کہ (مُبَارَكًا) اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ کعبہ کو مبارک بنائے ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ساتھ ہر دو معنی میں بیت اللہ مبارک بن گیا اور اللہ تعالیٰ یہ چاہتا تھا کہ یہاں ایک ایسی ہدایت بھیجے جو هُدًى لِلْعٰلَمِيْنَ ہو ۔ شریعت کے کمال کی وجہ سے بھی اور اپنے افاضہ کے لحاظ سے بھی اور یہ وعدہ بھی قرآن کریم کے ذریعہ پورا ہوا ہے ۔ ورنہ مکہ میں تو کوئی اور شریعت تھی ہی نہیں لیکن جو دوسری شریعتیں ہیں انہوں نے بھی نہ یہ دعویٰ کیا ۔ اور نہ وہ یہ دعویٰ کر سکتی تھیں قرآن کریم نے ہی یہ دعویٰ کیا ہے اور قرآن کریم نے اس دعویٰ کو عملی میدان میں ثابت بھی کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسلام میں ہزاروں لاکھوں ایسے مقدس وجود پیدا ہوئے جن کی زندگیاں دلیل ہیں اس بات پر کہ جو بھی قرآن کریم کی اتباع کرتا اور اس ہدایت کے پیچھے چلتا ہے جسے خدا تعالیٰ نے هُدًى لِلْعٰلَمِيْنَ قرار دیا ہے وہ خدا تعالیٰ کی انتہائی برکتوں سے حصہ لیتا اور اس کا انجام بخیر ہوتا ہے اور انسانی نفس کو کمال تک پہنچانے کے لئے اور اس کے تزکیہ کو پورا کرنے کے لئے جس چیز کی بھی ضرورت ہے وہ قرآن کریم میں پائی جاتی ہے کیونکہ ان لوگوں نے قرآن کریم پر عمل کیا اور خدا تعالیٰ کی نگاہ میں ان کا وجود مبارک اور کامل وجود بنا اور اللہ تعالیٰ کی فعلی شہادت اس بات پر گواہ ہے کہ فی الواقع یہ لوگ خدا تعالیٰ کے مقرب بندے ہیں اور روحانی میدانوں میں ہر لحظہ اور ہر آن ان کا قدم آگے ہی آگے کی طرف چلا جا رہا ہے ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس گروہ میں شامل کرے ۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۱۴ رمئی ۱۹۶۷ء صفحہ ۱ تا ۵)

بیت اللہ ایسی آیاتِ بینات اور تائیداتِ سماوی کا منبع ہے جو ہمیشہ زندہ رہیں گے

خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۲؍مئی ۱۹۶۷ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوّذ اور فاتحہ شریف کی تلاوت کے بعد حضور پر نور نے آیت

فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۔ (اٰل عمران: ۹۸) تلاوت فرمائی۔ پھر فرمایا:۔

میں اپنے خطبات میں ان تئیس مقاصد کے متعلق بیان کر رہا ہوں جن کے حصول کے لئے اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ کی بنیادوں کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعہ اُٹھوایا تھا اور یہ بتا رہا ہوں کہ کس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ان اغراض کو پورا کیا گیا۔ تین مقاصد کے متعلق میں اپنے پچھلے خطبات میں اپنے دوستوں کے سامنے اپنے خیالات کا اظہار کر چکا ہوں۔

چوتھی غرض تعمیرِ کعبہ سے یہ تھی یا یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا چوتھا وعدہ یہ تھا کہ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ میں نے بتایا تھا کہ اس فقرہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ خدا کا یہ گھر ایسی آیات و بینات اور ایسے نشانات اور تائیداتِ سماوی کا منبع بنے گا جو ہمیشہ کے لئے زندہ رہیں گی یعنی اس تعمیر سے ایسی اُمّتِ مسلمہ کا قیام مدّنظر تھا جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے نشان قیامت تک دنیا پر ظاہر ہوتے رہیں۔

قرآن کریم نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ صرف اس کی اتباع کے نتیجہ میں قیامت تک کے لئے یہ دروازہ کھولا گیا ہے اور یہ کہ ہر قوم اور ہر زمانہ میں ایسے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے جو اس کی برکتوں سے حصہ لیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ اپنے نشانوں کو ظاہر کرتا رہے گا۔

''آیات بینات'' پہلے انبیاء کو بھی دیئے گئے تھے لیکن وہ ایسی آیات بینات تھیں جن کا تعلق صرف ان کی قوم اور ان کے زمانہ سے تھا۔ تمام بنی نوع انسان سے ان کا تعلق نہ تھا اور ہر زمانہ سے ان کا کوئی واسطہ نہ تھا لیکن ان آیات میں تو مضمون ہی یہ بیان ہوا ہے کہ یہ وہ مقاصد ہیں جن کا تعلق تمام بنی نوع انسان کے ساتھ ہے ہر قوم اور ہر زمانہ کے ساتھ ہے اسی لئے اس مضمون کی ابتدا ہی اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ (ال عمران: ۹۷) میں لِلنَّاسِ کے ساتھ کی گئی ہے تو اگرچہ آیات بینات پہلی امتوں کو بھی دیئے گئے لیکن ایسی آیات بینات جن کا تعلق ہر قوم اور ہر زمانہ سے تھا وہ صرف اور صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیئے گئے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ وَ مَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَاۤ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ (العنکبوت: ۵۰) اس آیۂ کریمہ میں یہ مضمون بیان ہوا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوّتِ قدسیہ سے ہمیشہ ایسے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے جنہیں کامل علم اور کامل معرفت عطا ہوتی رہے گی اور اس کامل معرفت کے نتیجہ میں ان کے دلوں میں اپنے ربّ کے لئے کامل خوف بھی پایا جائے گا اور اس کے نتیجہ میں ان کے دلوں میں اپنے ربّ کے لئے کامل محبت بھی پیدا کی جائے گی اور وہ اپنے ربّ کی قدر کرنے والے ہوں گے تو ایسے لوگ چونکہ پیدا ہوتے رہیں گے اس لئے وہ آیاتِ بینات جن کا قرآن کریم کے ساتھ بڑا گہرا تعلق ہے بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن کریم مجسّم ہے آیاتِ بینات سے۔ وہ ان کے سینوں سے نکلتے رہیں گے۔ اور اس روشنی سے دنیا ہمیشہ منور ہوتی رہے گی لیکن کچھ لوگ اُمّتِ مسلمہ میں ایسے بھی پیدا ہوں گے جو ظالم ہوں گے اور قرآن کریم کے فیوض کے ان دروازوں کو اپنے پر بند کرنے والے ہوں گے ایسے لوگوں کے ذریعہ سے بے شک اللہ تعالیٰ کی آیات بینات ظاہر نہیں ہوں گی لیکن اُوْتُوا الْعِلْمَ یعنی وہ لوگ جنہیں کامل علم عطا کیا جائے گا وہ ہمیشہ اُمّتِ مسلمہ میں پیدا ہوتے رہیں گے اور آیاتِ بینات کا دروازہ قیامت تک

اُمّتِ مسلمہ پر کھلا رہے گا۔

یہ صرف ایک دعویٰ ہی نہیں ہے بلکہ تاریخ اسلام اس بات پر شاہد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی سچائی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت ثابت کرنے کے لئے زمین اور آسمان اور ہر زمانہ کو نشانوں سے بھر دیا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

’’دوسری علامت سچے مذہب کی یہ ہے کہ مردہ مذہب نہ ہو بلکہ جن برکتوں اور عظمتوں کی ابتدا میں اس میں تخم ریزی کی گئی تھی وہ تمام برکتیں اور عظمتیں نوع انسان کی بھلائی کے لئے اس میں اخیر دنیا تک موجود رہیں تا موجودہ نشان گزشتہ نشانوں کے لئے مصدّق ہو کر اس سچائی کے نور کو قصہ کے رنگ میں نہ ہونے دیں۔ سو میں ایک مدت دراز سے لکھ رہا ہوں کہ جس نبوت کا ہمارے سید و مولیٰ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعویٰ کیا تھا اور جو دلائل آسمانی نشانوں کے آنجناب نے پیش کئے تھے وہ اب تک موجود ہیں اور پیروی کرنے والوں کو ملتے ہیں تا وہ معرفت کے مقام تک پہنچ جائیں اور زندہ خدا کو براہ راست دیکھ لیں۔‘‘ [۳۵]

اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ’’تصدیق النبی‘‘ میں فرماتے ہیں۔

’’چوتھا معجزہ قرآن شریف کا اس کی روحانی تاثیرات ہیں جو ہمیشہ اس میں محفوظ چلی آتی ہیں یعنی یہ کہ اس کی پیروی کرنے والے قبولیت الٰہی کے مراتب کو پہنچتے ہیں اور مکالمات الٰہیہ سے مشرف کئے جاتے ہیں خدائے تعالیٰ ان کی دعاؤں کو سنتا اور انہیں محبت اور رحمت کی راہ سے جواب دیتا ہے اور بعض اسرار غیبیہ پر نبیوں کی طرح ان کو مطلع فرماتا ہے اور اپنی تائید اور نصرت کے نشانوں سے دوسری مخلوقات سے انہیں ممتاز کرتا ہے۔ یہ بھی ایسا نشان ہے جو قیامت تک امت محمدیہ میں قائم رہے گا اور ہمیشہ ظاہر ہوتا چلا آیا ہے اور اب بھی موجود اور متحقق الوجود ہے۔‘‘ [۳۶]

اسی طرح ’’کتاب البریہ‘‘ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

’’جس قدر اسلام میں اسلام کی تائید میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کی گواہی میں آسمانی نشان بذریعہ اس امت کے اولیاء کے ظاہر ہوئے اور ہو رہے ہیں ان

کی نظیر دوسرے مذاہب میں ہرگز نہیں اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس کی ترقی آسمانی نشانوں کے ذریعہ سے ہمیشہ ہوتی رہی ہے اور اس کے بے شمار انوار اور برکات نے خدا تعالیٰ کو قریب کر کے دکھلا دیا ہے۔ یقیناً سمجھو کہ اسلام اپنے آسمانی نشانوں کی وجہ سے کسی زمانہ کے آگے شرمندہ نہیں۔'' [۷]

اس کے بعد اسی جگہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا وجود دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے لاکھوں کی تعداد میں ان آیاتِ بینات کو ظاہر فرمایا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا وجود آپ کی زندگی کا ہر لمحہ اسلام کی صداقت پر ایک زندہ گواہ تھا۔ تازہ بتازہ نشان آسمان سے بارش کی طرح اتر رہے تھے اور صرف وہ آنکھ جس پر تعصب کی پٹی بندھی ہوئی تھی ان نشانوں کے دیکھنے سے محروم تھی۔ ذرا سی عقل رکھنے والا، سمجھ رکھنے والا، جو بے تعصب تھا وہ ان نشانوں سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ان آیاتِ بینات کا خاتمہ نہیں ہو گیا۔ بلکہ احیاء دین کے نتیجہ میں ایک تازگی اسلام کے اندر پیدا ہوئی اور وہ دروازہ جو بعض لوگوں نے اپنی جہالت کی وجہ سے اپنے پر بند کر دیا تھا، حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ثابت کیا کہ وہ کھلا ہے بند نہیں ہے۔ آپ کے بعد آپ کے خلفاء کے ذریعہ نشانوں کا یہ سلسلہ جاری رہا ہے حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کی زندگی ان لوگوں کی زندگی تھی جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اُوْتُوا الْعِلْمَ آیہ مذکور میں بیان کیا ہے۔ یہی حال حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کا تھا۔ سینکڑوں اور ہزاروں نشان دنیا نے آپ کے ذریعہ دیکھے اور اب بھی یہ دروازہ بند نہیں ہے ابھی چند دن کی بات ہے نماز فجر سے قبل میں استغفار میں مشغول تھا ایک خوف سا مجھ پر طاری تھا اور میں اپنے ربّ سے اس کی مغفرت کا طالب ہو رہا تھا۔ اس وقت اچانک میں نے محسوس کیا کہ ایک غیبی طاقت نے مجھے اپنے تصرف میں لے لیا ہے اور میری زبان پر یہ الفاظ جاری ہوئے ''قیامِ دین'' اور پھر ایک دھکے کے ساتھ جس نے میرے سارے جسم کو ہلا دیا میں پھر بیداری کے عالم میں آ گیا۔ اور اس کی تفہیم مجھے یہ ہوئی کہ موجودہ سلسلہ خطبات کے ذریعہ جو پروگرام میں جماعت کے سامنے رکھنے والا ہوں اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ دینِ اسلام کو قائم کرے گا۔ اس کے

استحکام کے سامان پیدا کرے گا انشاء اللہ۔ تو ہزاروں نشانات ہیں جن کا سلسلہ خلافتِ مسیحِ محمدی کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے جاری کیا ہے۔ مگر یہ بات یادرکھنی چاہیے کہ چونکہ خلیفہ راشد فنا کے اور نیستی کے مقام پر ہوتا ہے اس لئے عام طور پر وہ ایسی باتوں کا اظہار نہیں کیا کرتا۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے محبت کے اظہار کی باتیں ہوتی ہیں۔ سوائے ایسی باتوں کے جن کا تعلق سلسلہ کے ساتھ ہو اور جن کا بتایا جانا ضروری ہو۔ بلکہ اپنے تجربہ کی بناء پر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ خلفائے راشدین کو اللہ تعالیٰ ہمیشہ منع کرتا رہا ہے کہ اپنے مقامِ قرب کا کھل کر اظہار نہ کیا کریں اور اپنے ذاتی تجربہ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک فرمان اور تاریخی گواہیوں کے پیشِ نظر میں نے یہ نتیجہ نکالا ہے تاریخ نے خلفاء راشدین سابقین کی صرف چند ''اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ'' محفوظ کی ہیں۔ مثلاً میرے خیال میں پانچ دس سے زیادہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نشانات بیان نہیں کئے۔ یعنی جو پیش خبریاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دی گئیں یا جو بشارتیں آپ کو دی گئیں ان میں سے چند ایک تاریخ میں محفوظ ہیں زیادہ نہیں ہیں لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ ہزار ہا پیش خبریاں اور مکالمے مخاطبے ان بزرگ خلفاء راشدین سے ہوئے تھے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا فرمان تو حق اور صداقت ہے اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن تاریخ خاموش ہے نتیجہ یہ نکالنا پڑتا ہے کہ یہ لوگ ان باتوں کا پبلک میں اظہار نہیں کیا کرتے تھے۔ سوائے ضرورت کے وقت کے، سوائے ان باتوں کے جن کا سلسلہ کے نظام سے تعلق ہو اور ان کا بتایا جانا ضروری ہو۔ مثلاً ایک وقت میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے جب جماعت کے خلاف بہت فتنہ وفساد تھا فرمایا تھا کہ جن باتوں کا مجھے علم ہے اگر میں تمہیں بتا دوں تو تمہارا زندہ رہنا ہی مشکل ہو جائے گا (الفاظ مجھے یاد نہیں مفہوم اسی قسم کا تھا)۔

میں بتا یہ رہا ہوں کہ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ کا جو وعدہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کیا گیا تھا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وعدے کو پورا کرنے والے ہیں اور تاریخ اس بات پر شاہد ہے پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں دنیا نے اللہ تعالیٰ کے لاکھوں نشانات کا مشاہدہ کیا ہے اور آپؑ کے بعد آپ کے خلفاء کے ذریعہ سے بھی اور دوسرے جو بزرگ جماعت احمدیہ میں پائے

جاتے ہیں ان کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نشان ظاہر کرتا رہتا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی برکت کے طفیل آپ کے ماننے والوں پر یہ حقیقت بھی وضاحت کے ساتھ ثابت ہو چکی ہے کہ اس قسم کی باتیں عام طور پر ظاہر نہیں کرنی چاہئیں کیونکہ ان کے نتیجہ میں انانیت پیدا ہوتی ہے اور بعض دفعہ یہ خطرہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کو انسان مول لینے والا نہ ہو جائے۔

تو قرآن کریم سے نیز جو نمونہ اولیاء امت کا تاریخ میں محفوظ ہے اور جو سلوک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشاق اور اپنی رضاء کی راہوں میں فدا ہونے والوں سے اللہ تعالیٰ کرتا رہا ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے اور اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ تمام اقوام میں اور ہر زمانہ میں اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ موجود ہیں اور ان کا تعلق صرف مسلمانوں سے ہے۔ دوسرے مذاہب نہ ایسا دعویٰ کر سکتے ہیں اور نہ اسے ثابت کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔

پانچویں غرض تعمیر کعبہ سے یہ بتائی گئی تھی۔ مَقَامِ اِبْرٰهِيْمَ اور یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ اس ابراہیمی مقام کے ذریعہ سے عشاق الٰہی کی ایک ایسی جماعت پیدا کی جاتی رہے گی جو تمام دنیوی علائق سے منہ موڑ کر خدا کی رضاء پر اپنی تمام خواہشات کو قربان کر کے مقام فنا کو حاصل کرنے والی ہوگی۔ سوچا جائے تو اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ کے نتیجہ میں ہی مَقَامِ اِبْرٰهِيْمَ کا حصول ممکن ہوتا ہے ورنہ نہیں۔ یہ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ اور ’’مَقَامِ اِبْرٰهِيْمَ‘‘ کا آپس میں بڑا گہرا تعلق ہے۔ تو چونکہ امتِ محمدیہ میں اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ کا ایک سمندر ہمیشہ موجزن رہتا ہے اس لئے امتِ محمدیہ میں ممکن ہو گیا ہزاروں لاکھوں ایسے بزرگوں کا پایا جانا کہ جو مقامِ ابراہیم کو حاصل کرنے والے ہوں دراصل مقامِ ابراہیم مقامِ محمدیّت کا ظل ہے۔ عین اس مقام تک پہنچ جانا جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ہے یہ تو ممکن نہیں لیکن اس کے بعد جو دوسرا مقام ہے وہ مقام ابراہیم ہے۔ ایک ظل کی شکل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ سے حصہ لیا ہے۔ قرآن کریم نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ میرے ماننے والوں میں ایسے لوگ کثرت سے پیدا ہوں گے جو فنا کے اس مقام کو حاصل کرنے والے ہوں گے۔ یہ مقامِ فنا کیا چیز ہے؟ اس کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

’’ایک مقام محبتِ ذاتی کا ہے جس پر قرآن شریف کے کامل متبعین کو قائم کیا جاتا ہے

اور ان کے رگ و ریشہ میں اس قدر محبتِ الٰہیہ تاثیر کر جاتی ہے کہ ان کے وجود کی حقیقت بلکہ ان کی جان کی جان ہو جاتی ہے اور محبوب حقیقی سے ایک عجیب طرح کا پیار ان کے دلوں میں جوش مارتا ہے اور ایک خارق عادت انس اور شوق ان کے قلوبِ صافیہ پر مستولی ہو جاتا ہے کہ جو غیر سے بکلّی منقطع اور گُسستہ کر دیتا ہے اور آتشِ عشق الٰہی ایسی افروختہ ہوتی ہے کہ جو ہم صحبت لوگوں کو اوقاتِ خاصّہ میں بدیہی طور پر مشہود اور محسوس ہوتی ہے .... اور سب سے بزرگ تر ان کے صدقِ قدم کا نشان یہ ہے کہ وہ اپنے محبوبِ حقیقی کو ہر یک چیز پر اختیار کر لیتے ہیں اور اگر آلام اس کی طرف سے پہنچیں تو محبتِ ذاتی کے غلبہ سے برنگِ انعام ان کو مشاہدہ کرتے ہیں اور عذاب کو شربتِ عَذب کی طرح سمجھتے ہیں کسی تلوار کی تیز دھار ان میں اور ان کے محبوب میں جدائی نہیں ڈال سکتی اور کوئی بلیّہ عُظمیٰ ان کو اپنے اس پیارے کی یادداشت سے روک نہیں سکتی اسی کو اپنی جان سمجھتے ہیں اور اسی کی محبت میں لذات پاتے اور اسی کی ہستی کو ہستی خیال کرتے ہیں اور اسی کے ذکر کو اپنی زندگی کا ماحصل قرار دیتے ہیں۔ اگر چاہتے ہیں تو اسی کو، اگر آرام پاتے ہیں تو اسی سے۔ تمام عالم میں اسی کو رکھتے ہیں اور اسی کے ہو رہتے ہیں۔ اسی کے لئے جیتے ہیں، اسی کے لئے مرتے ہیں۔ عالم میں رہ کر پھر بے عالم ہیں اور باخود ہو کر پھر بے خود ہیں۔ نہ عزت سے کام رکھتے ہیں نہ نام سے، نہ اپنی جان سے، نہ اپنے آرام سے، بلکہ سب کچھ ایک کے لئے کھو بیٹھتے ہیں اور ایک کے پانے کے لئے سب کچھ دے ڈالتے ہیں۔ لایُدرک آتش سے جلتے جاتے ہیں اور کچھ بیان نہیں کر سکتے کہ کیوں جلتے ہیں اور تفہیم اور تفہم سے صُمٌّ وَ بُکْمٌ ہوتے ہیں اور ہر یک مصیبت اور ہر یک رسوائی کے سہنے کو طیار رہتے ہیں اور اس سے لذت پاتے ہیں۔'' [۳۸]

اس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس مقدس جماعت کا نقشہ یوں کھینچا اور بیان فرمایا ہے کہ ابراہیمی وعدہ کے مطابق اور ان بشارتوں کے مطابق جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے دی تھیں۔

’’لاکھوں مقدسوں کا یہ تجربہ ہے کہ قرآن شریف کی اتباع سے برکاتِ الٰہی دل پر نازل ہوتی ہیں اور ایک عجیب پیوند مولا کریم سے ہو جاتا ہے............اور ایک لذیذ محبتِ الٰہی جو لذتِ وصال سے پرورش یاب ہے ان کے دلوں میں رکھی دی جاتی ہے اگر ان کے وجودوں کو ہاونِ مصائب میں پیسا جائے اور سخت شکنجوں میں دے کر نچوڑا جائے تو ان کا عرق بجز حُبِّ الٰہی کے اور کچھ نہیں۔ دنیا ان سے ناواقف اور وہ دنیا سے دور اور بلند تر ہیں۔‘‘

یہ وہ مقامِ ابراہیم ہے جس کا وعدہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیا گیا۔ اس کی بشارت اپنے ربّ کی طرف سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پائی اور خدا تعالیٰ جو سچے وعدوں والا ہے اس نے اپنے اس وعدے کو سچا ثابت کر دکھایا اور امت مسلمہ میں لاکھوں وجود ایسے پیدا کئے جو مقام ابراہیم تک پہنچنے والے تھے۔

چھٹا وعدہ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کیا گیا تھا وہ ان آیات کے اس ٹکڑے میں بیان ہوا ہے ’’وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا۔‘‘ میں نے بتایا تھا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جو بیت اللہ میں داخل ہوگا یعنی ان عبادات کو بجا لائے گا جن کا تعلق خدا تعالیٰ کے اس گھر سے ہے۔ دنیا اور آخرت کے جہنم سے خدا کی پناہ میں آجائے گا اور اس کے تمام پچھلے گناہ معاف کر دئے جائیں گے اور نارِ جہنم سے وہ محفوظ ہو جائے گا وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا۔ جو اس گھر میں داخل ہوگا اس آگ سے محفوظ ہو جائے گا (جو خدا تعالیٰ نے منکروں کے لئے بھڑکائی ہے) چنانچہ اللہ تعالیٰ سورۂ نمل میں فرماتا ہے وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ(النّمل:۹۰) یعنی اسلامی ہدایت کے مطابق اعمالِ صالحہ بجالانے والوں کو اللہ تعالیٰ بہتر اور احسن بدلہ دے گا اور نفخ صُوْر کی گھڑی میں ایسے لوگ خوف جہنم سے محفوظ رہیں گے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ ان کو یہ بشارت دے گا کہ تمہیں نار جہنم کی طرف نہیں لے جایا جائے گا بلکہ جنت کی طرف لے جایا جائے گا اس واسطے کسی قسم کا خوف نہ کرو۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ۔ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ۔(الحجر:۴۶،۴۷)

متقی لوگ یقیناً باغوں اور چشموں والے مقام میں داخل ہوں گے انہیں کہا جائے گا کہ تم

سلامتی کے ساتھ بے خوف وخطر ان میں داخل ہو جاؤ تو یہ امن ہے جو قرآن کریم کے ذریعہ سے اس کے کامل متبعین کو ملتا ہے۔

فرمایا تھا ''مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا '' عین یہی الفاظ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمائے اور فرمایا کہ ہم نے تم سے وعدہ کیا تھا۔ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ (الفتح:۲۸) کہ تم مسجد حرام میں امن کے ساتھ داخل ہو گے اور وہ وعدہ پورا ہوا۔

ایک تو اس کی ظاہری تفسیر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ کے سامان پیدا کئے اور بغیر جنگ کے کفارِ مکہ نے (جنہوں نے اپنی ساری عمریں اسلام کو مٹانے کے لئے صرف کر دی تھیں) ہتھیار ڈال دیئے اور فرشتوں نے جن کا آسمان سے نزول ہوا ان کے دلوں میں اس قدر خوف پیدا کر دیا کہ لڑائی کی ان کو ہمت ہی نہ پڑی۔

لیکن اس کے دوسرے معنی یہ بھی ہیں کہ تم ہی وہ امت ہو جو اس وعدہ کو پورا کرنیوالی ہو جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ان الفاظ میں کیا گیا تھا کہ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا جو اس میں داخل ہوگا وہ امن میں آجائے گا تمہارے ذریعہ سے وہ وعدہ پورا ہوا میں اس کی وضاحت کر چکا ہوں کہ یہ تمام وعدے وہ ہیں جن کا تعلق تمام بنی نوع انسان سے ہے۔ ہر قوم اور ہر زمانہ کے ساتھ کسی خاص قوم یا کسی خاص زمانہ کے ساتھ یہ مخصوص نہیں ہیں تو مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا کے معنی یہ ہوئے کہ خواہ دنیا کی کسی قوم سے ہی تعلق نہ رکھتا ہو یا کسی زمانہ میں ہی رہنے والا کیوں نہ ہو جو شخص بھی مناسکِ حج خلوص نیت سے ادا کرے گا وہ نارِ جہنم سے محفوظ ہو جائے گا۔ چنانچہ حدیث میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ حَجَّ فَلَمْ يَرْفَثْ وَلَمْ يَفْسُقْ غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ (یادرکھیں کہ يَرْفَثْ اور يَرْفِثْ اور يَفْسُقْ اور يَفْسِقْ دونوں طرح عربی زبان میں یہ الفاظ بولے جاتے ہیں) کہ جو شخص گندی اور فحش باتوں سے پرہیز کرے یعنی جو شخص حج کرے اور مناسک حج ادا کرتے ہوئے فحش کلامی سے بچتا رہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا اندرونہ اس قدر پاکیزہ ہو کہ فحش بات اس کی زبان پر آہی نہ سکتی ہو۔ یہ مطلب نہیں کہ وہ باقی گیارہ ماہ کچھ دن تو ہر قسم کی فحش کلامی کرتا رہے صرف ان دنوں رفث سے بچے بلکہ

مطلب یہ ہے کہ جس کا اندرونہ اتنا پاک ہو چکا ہو اور گندگی اس کے سینہ سے اتنی دور ہو چکی ہو کہ فحش بات، گندی بات اس کے منہ پر آ ہی نہ سکے اور جو حق اور صلاح کے طریق سے خروج نہ کرے یعنی شرعی حدود سے باہر نہ ہو ان کی پابندی کرنے والا ہو اور اطاعت کا حق ادا کرنے والا ہو۔ تو جو شخص اس خالص نیت کے ساتھ اور ان خالص اعمال کے ساتھ اور ان پاکیزہ آداب کے ساتھ حجِّ بیت اللہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کا اس سے وعدہ ہے کہ اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور جس کے تمام پچھلے گناہ معاف ہو گئے وہ یقیناً نارِ جہنم سے بچا لیا گیا۔

ایک اور طرح بھی انسان اس دنیا میں بھی اور اُس دنیا میں بھی نارِ جہنم سے بچ جاتا ہے اور وہ اس طرح کہ ''مَنْ دَخَلَهٗ'' جو مقامِ ابراہیم میں داخل ہو ''كَانَ اٰمِنًا'' اللہ تعالیٰ کی امان میں اور امن میں آ جاتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔

''خدا میں بے انتہاء عجیب قدرتیں ہیں .... مگر اس کی یہ عجیب قدرتیں ان ہی پر کھلتی ہیں جو اس کے ہی ہو جاتے ہیں اور وہی یہ خوارق دیکھتے ہیں جو اس کے لئے اپنے اندر ایک پاک تبدیلی کرتے ہیں اور اس کے آستانے پر گرتے ہیں اور اس قطرے کی طرح جس سے موتی بنتا ہے صاف ہو جاتے ہیں اور محبت اور صدق اور صفا کی سوزش سے پگھل کر اس کی طرف بہنے لگتے ہیں تب وہ مصیبتوں میں ان کی خبر لیتا ہے اور عجیب طور پر دشمنوں کی سازشوں اور منصوبوں سے انہیں بچا لیتا ہے اور ذلت کے مقاموں سے انہیں محفوظ رکھتا ہے۔ وہ ان کا متولی اور متعہد ہو جاتا ہے۔ وہ ان مشکلات میں جبکہ کوئی انسان کام نہیں آ سکتا ان کی مدد کرتا ہے اور اس کی فوجیں اس کی حمایت کے لئے آتی ہیں۔ کس قدر شکر کا مقام ہے کہ ہمارا خدا، کریم اور قادر خدا ہے۔ پس کیا تم ایسے عزیز کو چھوڑ و گے؟ کیا اپنے نفس ناپاک کے لئے اس کی حدود کو توڑ دو گے؟ ہمارے لئے اس کی رضا مندی میں مرنا ناپاک زندگی سے بہتر ہے۔'' [۳۹]

یہ وہ امن ہے جو اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جو اپنے پر ایک موت وارد کر کے نیستی کا لبادہ

اوڑھنا اور مقام ابراہیم میں داخل ہوتا ہے۔ تب اللہ تعالیٰ کی فوجیں آسمان سے نزول کرتی ہیں اور اس کو ہر قسم کے عذابوں سے محفوظ کر لیتی ہیں، خدا تعالیٰ اپنے بندوں پر دو آگوں کو متسلّط نہیں کرتا۔ ایک تو اس کے وہ بندے ہیں جو محبت کی آگ میں جل کر فنا کا مقام حاصل کرتے ہیں تب دوسری آگ کے دروازے ان پر بند کر دیئے جاتے ہیں۔ ایک وہ اس کے بندے ہیں جو اس کی محبت کا خیال نہیں رکھتے جو اس کے پیار پر شکر کرنے والے نہیں جو اس کی رحمتوں پر کفر کرنے والے ہیں جو اس سے منہ موڑ کر دنیا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اس سے پیار کرنے کی بجائے دنیا سے پیار کرتے ہیں وہ اسے محبوب بنانے کی بجائے دنیا کے علائق کو اور دنیا کے رشتوں کو اپنا محبوب بنا لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر خدا کی حفاظت نازل نہیں ہوتی اور نہ اس کی فوجیں نازل ہو کر اس کو امن دیتی ہیں۔ بلکہ دوزخ کے دروازے ان لوگوں پر کھولے جاتے ہیں اور نارِ جہنم ان کا ٹھکانہ ہوتا ہے۔

پس خدا کے بندوں پر دو آگیں وارد نہیں ہوتیں۔ اب یہ ان کی مرضی ہے کہ محبت کی آگ کو پسند کریں اور گندگی کو جلا کر خاک کر دیں اپنے نفس کو بھی، اور اپنی خواہشات کو بھی، اپنے وجود کو بھی، اپنی ساری محبتوں کو بھی اپنے سارے رشتوں کو بھی، اپنے تعلقوں کو بھی اور یا وہ خدا کی محبت پر دنیا کی محبت کو ترجیح دیں اور اپنے لئے خود اپنے ہاتھ سے جہنم کے دروازے کھولیں۔

ساتواں وعدہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یہ کہا گیا تھا کہ صرف تیری نسل پر ہی یہ حج فرض نہ رہے گا بلکہ ایک ایسا نبی یہاں مبعوث کیا جائے گا جس کی شریعت عالمگیر ہو گی اور اس شریعت کے نزول کے بعد اقوام عالم پر حج کو فرض کر دیا جائے گا اور اس طرح اس خانۂ خدا کو مرجعِ خلائق اور مرجعِ عالم بنا دیا جائے گا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے یہ وعدہ پورا نہیں ہوا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور قرآنی شریعت آپ پر نازل ہوئی تب اس شریعت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے تمام بنی نوع انسان پر حج کو فرض کر دیا۔ چنانچہ سورۃ بقرہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَ لَا فُسُوْقَ ۙ وَ لَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ؕ وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ (البقرۃ:۱۹۸) کہ اے بنی نوع انسان! تم یاد رکھو کہ حج کے مہینے سب کے جانے پہچانے ہیں پس جو شخص حج کو اپنے

پر فرض سمجھتے ہوئے حج کرنے کا پختہ ارادہ کرے وہ حج کے ایام میں (جیسا کہ دوسرے دنوں میں) کوئی شہوت کی بات یا کوئی نافرمانی کی بات یا کسی قسم کے جھگڑے کی بات نہ کرے یہ اس کے لئے جائز نہ ہوگا اور پھر فرمایا کہ جو کام بھی تم کرو گے اللہ ضرور اس کی قدر کو پہچان لے گا۔ وہ یہ نہیں دیکھے گا کہ تمہارا تعلق سفید نسل سے ہے یا تمہارا تعلق سیاہ نسل سے ہے۔ بلکہ خواہ تم کسی بھی قوم کے فرد کیوں نہ ہو، کسی بھی خطہ زمین کے رہنے والے کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے حج کو خدا کے کہنے کے مطابق اپنے لئے ضروری عبادت سمجھو گے اور جب وہ شرائط تمہارے حق میں پوری ہو جائیں گی جن کا تعلق حج کرنے کے ساتھ ہے اور اس فریضہ کو فریضہ جانتے ہوئے تم حج کرو گے اور حج کے دوران بھی ان تمام ہدائتوں کا پاس کرو گے جو ہدائتیں اللہ تعالیٰ نے اس ضمن میں تمہیں دی ہیں تو پھر اے تمام بنی نوع انسان! یہ سن لو کہ نیکی کا جو کام بھی تم کرو گے اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں تمہاری قدر قائم ہو جائے گی۔ وہ تمہاری نیکی کو پہچانے گا۔ کوئی چیز اس کی نظر سے غائب نہیں ہے اور اس قدر کے نتیجہ میں اس کی بے شمار نعمتوں کے تم وارث ہو گے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ حج بیت اللہ صرف ظاہری مناسک حج کا ہی نام نہیں بلکہ ہر عبادت اسلامی کے پیچھے اس کی ایک روح ہے ظاہری عبادت جسم کا رنگ رکھتی ہے۔ اس کے پیچھے ایک روح ہے جو شخص روح کا خیال نہ رکھے اور صرف جسم پر فریفتہ ہو وہ ایک مردہ کی پرستش کرنیوالا ہے۔ اس کو ان عبادات کا جن کی روح کا خیال نہیں رکھا گیا۔ کوئی ثواب نہیں ملے گا۔ بلکہ اس کے ساتھ اس کے ربّ کا وہی سلوک ہوگا جو ایک مردہ پرست کے ساتھ ہونا چاہیے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حج کے متعلق فرمایا ہے۔

”اصل بات یہ ہے کہ سالک کا آخری مرحلہ یہ ہے کہ وہ انقطاع نفس کر کے تعشق باللہ اور محبتِ الٰہی میں غرق ہو جاوے۔ عاشق اور محب جو سچا ہوتا ہے وہ اپنی جان اور اپنا دل قربان کر دیتا ہے اور بیت اللہ کا طواف اس قربانی کے واسطے ایک ظاہری نشان ہے۔ جیسا کہ ایک بیت اللہ نیچے زمین پر ہے ایسا ہی ایک آسمان پر بھی ہے۔ جب تک آدمی اس کا طواف نہ کرے اس کا طواف بھی نہیں ہوتا۔ اس کا طواف کرنے والا تو تمام کپڑے اوتار

کر ایک کپڑا بدن پر رکھ لیتا ہے۔لیکن اس کا طواف کرنے والا بالکل نزع ثیاب کر کے خدا کے واسطے ننگا ہو جاتا ہے۔طواف عشاق الٰہی کی ایک نشانی ہے عاشق اس کے گرد گھومتے ہیں گویا ان کی اپنی مرضی باقی نہیں رہی وہ اس کے گرداگرد قربان ہو رہے ہیں۔“[۴۰]

تو یہ آسمانی حج ہے۔ جب تک کوئی شخص اس بیت اللہ کا حج نہیں کرتا زمین کا حج بھی قبولیت حاصل نہیں کرتا تو حج کرنے والوں حج کی نیت رکھنے والوں کو یہ نکتہ بھولنا نہیں چاہیے۔ ظاہری عبادتیں جو ہیں وہ ہم نے کر لیں اور جو باطنی عبادت ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا حکم صادر ہوتا ہے اس کے متعلق ہمیں کچھ پتہ نہیں کہ قبول ہوئے یا نہیں ہوئے تو اس ظاہری عبادت کے بعد کسی قسم کا فخر اور عجب اور خودی اور انانیت کیوں پیدا ہو۔ اس سے تو اور بھی دوری اپنے ربّ سے پیدا ہو جاتی ہے شکر کا مقام ہو اور حمد کے گیت گائے جائیں۔ یہ تو ٹھیک ہے لیکن وہ بھی اس طرح جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جس وقت خدا کا ایک پیارا بندہ اپنے ربّ کی عبادت میں مصروف ہوتا ہے اور عاجزی اور انکسار اور گریہ وزاری کے ساتھ سجدہ ریز ہوتا ہے اگر اس وقت کوئی دوسرا شخص اسے دیکھ لے تو اپنے دل میں اسے اتنی ہی شرمندگی محسوس ہوتی ہے جس طرح اس شخص کو شرمندگی محسوس ہوتی ہے جو دنیا کے تعلقات میں محو ہو اور کوئی شخص آ کے اس کو دیکھے۔

پس یہ پیار کی باتیں ظاہر کرنے والی نہیں ہوتیں۔محبت کی یہ باتیں تو بندے اور ربّ کے درمیان ایک راز ہوتا ہے اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔ دنیا ان سے واقف نہیں کیونکہ وہ دنیا سے دور ہیں اور دنیا سے بلند ہیں لیکن جو شخص خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر دنیا کے قریب آنا چاہتا ہے اور رفعتوں اور بلندیوں کو چھوڑ کر خُلُوْد اِلَى الْاَرْضِ کرتا ہے تا کہ اسے دنیا میں شناخت کیا جائے اور اس کی تعریف کی جائے تو دنیا کے تو وہ قریب آ گیا مگر خدا تعالیٰ سے وہ دور ہو گیا اور بلندیوں اور روحانی رفعتوں سے وہ ہاتھ دھو بیٹھا۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک شخص کو ہم میں سے اس سے محفوظ رکھے اور جیسا کہ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے وعدے دیئے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کے لئے بشارتیں دیں ان بشارتوں کے موافق

لاکھوں مقدس جو پیدا ہو چکے ہیں اور ہو رہے ہیں اور آئندہ ہوں گے ان مقدسوں کے گروہ میں ہمیں شامل کرے اور شامل رکھے ہم دنیا کی تعریف نہیں چاہتے۔ لیکن خدا ایسے سامان پیدا کر دے کہ وہ ہمارے دل کی کسی نیکی کی خواہ وہ رائی کے دانہ کے برابر ہی کیوں نہ ہو شناخت کرنے لگے اور اس رائی کے دانہ کے برابر نیکی کا بدلہ پیار و محبت سے دے اور ہم سے راضی ہو جائے۔ اللہ کرے کہ ایسا ہی ہو۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۱؍مئی ۱۹۶۷ء صفحہ ۱ تا ۵)

اقوامِ عالم کو ایک مرکزِ توحید پر جمع کر کے بین الاقوامی وحدت قائم کرنے کا وعدہ الٰہی

خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۹؍مئی ۱۹۶۷ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے آیہ وَ اِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَۃً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا ؕ وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰھٖمَ مُصَلًّی (البقرۃ:۱۲۶) تلاوت فرمائی۔ اور پھر فرمایا۔

ان تئیس مقاصد میں سے جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی ان آیات میں کیا ہے جن کا ایک ٹکڑا اس وقت بھی میں نے تلاوت کیا ہے سات کے متعلق میں اس سے قبل اپنے خطبات میں بیان کر چکا ہوں اور بتا چکا ہوں کہ وہ مقاصد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے کس طرح حاصل ہوئے۔

آٹھواں مقصد جس کا ذکر یہاں ہے مَثَابَۃً کے لفظ میں بیان ہوا ہے۔ میں نے بتایا تھا کہ خانہ کعبہ کی تعمیر کی یہ آٹھویں غرض ہے اور وہ یہ ہے کہ یہاں ایک ایسا رسول مبعوث ہوگا جو تمام اقوامِ عالم کو اُمَّۃً وَّاحِدَۃً بنا دے گا اور ایک ایسی شریعت نازل ہوگی جس کے ذریعہ سے تمام منتشر اور پراگندہ اقوام کو ایک مرکزِ توحید اور مرکزِ پاکیزگی پر لا جمع کیا جائے گا۔

یہ مقصد بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ہی حاصل ہوا۔ مَثَابَۃً کے لغوی معنی ایک تو یہ ہیں۔ مُجْتَمَعُ النَّاسِ بَعْدَ تَفَرُّقِھِمْ [۴۱] انتشار اور تفرقہ کے پیدا ہو جانے کے بعد پھر

دوبارہ جس جگہ وہ اکٹھے ہوں اسے مَثَابَةً کہتے ہیں۔

اور ایک دوسرے معنی اس کے یہ ہیں۔ مَکَانًا یُکْتَبُ فِیْهِ الثَّوَابُ وہ جگہ جہاں لوگوں کے لئے ثواب اور بدلہ اور جزا کے احکام جاری ہوتے اور لکھے جاتے ہیں۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ہم اس بیت اللہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد ایک ایسا مرکزی نقطہ بنانے والے ہیں کہ جہاں دنیا کی تمام منتشر اور پراگندہ اقوام پھر سے جمع ہوں گی اور ان کی کوئی اور جگہ باقی نہ رہے گی جہاں سے انہیں اپنے ربّ کے ثواب کے حصول کی امید اور توقع ہو۔

جیسا کہ میں نے بتایا ہے اس غرض کو پورا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور اسلامی شریعت کو نازل کیا اور جس طرح ابتدا میں خانہ کعبہ انسانیت کا مرکز تھا کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت ایک ہی نبی تھا اور ایک ہی قوم تھی اور ایک ہی شریعت تھی، ابھی انسان دنیا میں نہیں پھیلا تھا اور قوم قوم میں تقسیم نہیں ہوا تھا تو ابتدا میں خانہ کعبہ ہی انسانیت کا مرکز تھا روحانی طور پر۔ اس کے بعد آدم علیہ السلام کی نسل دنیا میں پھیلنی شروع ہوئی اور دور دراز کے علاقوں میں آباد ہوگئی۔ آپس کے تعلقات قائم نہ رہے ان کی روحانی ترقی اور نشوونما کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہر قوم میں علیحدہ علیحدہ نبی اور رسول بھیجنے شروع کئے اور اس طرح روحانی طور پر وہ ایک قوم نہ رہے بلکہ منتشر ہو گئے اور تفرقہ پڑ گیا اور نسل آدم قوم قوم میں بٹ گئی۔

تو جس طرح ابتدا میں خانہ کعبہ انسانیت کا مرکز تھا۔ آخری اور اکمل دور میں بھی خدا کا یہ گھر وحدتِ انسانی کا مرکز بننا مقصود تھا اور انبیاء کے سردار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے لئے بیت اللہ کو منتخب کیا گیا تا وحدت انسانی کا نبی اور وحدت انسانی کا قبلہ دونوں ایک جگہ جمع ہو جائیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے میں اس وقت حضور کے دو اقتباسات جو اس مضمون سے تعلق رکھتے ہیں اپنے دوستوں کو سناتا ہوں حضور فرماتے ہیں۔

’’ابتدائے زمانہ میں انسان تھوڑے تھے اور اس تعداد سے بھی کم تر تھے جو ان کو ایک قوم کہا جائے۔ اس لئے ان کے لئے صرف ایک کتاب کافی تھی۔ پھر بعد اس کے

جب دنیا میں انسان پھیل گئے اور ہر ایک حصہ زمین کے باشندوں کا ایک قوم بن گئی اور بباعث دور دراز مسافتوں کے ایک قوم دوسری قوم کے حالات سے بالکل بے خبر ہو گئی ایسے زمانوں میں خدا تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت نے تقاضا فرمایا کہ ہر ایک قوم کے لئے جدا جدا رسول اور الہامی کتابیں دی جائیں چنانچہ ایسا ہی ہوا اور پھر جب نوع انسان نے دنیا کی آبادی میں ترقی کی اور ملاقات کے لئے راہ کھل گئی اور ایک ملک کے لوگوں کو دوسرے ملک کے لوگوں کے ساتھ ملاقات کرنے کے لئے سامان میسر آ گئے اور اس بات کا علم ہو گیا کہ فلاں فلاں حصہ زمین پر نوع انسان رہتے ہیں اور خدا تعالیٰ کا ارادہ ہوا کہ ان سب کو پھر دوبارہ ایک قوم کی طرح بنا دیا جائے اور بعد تفرقہ کے پھر ان کو جمع کیا جاوے تب خدا نے تمام ملکوں کے لئے ایک کتاب بھیجی اور اس کتاب میں حکم فرمایا کہ جس جس زمانہ میں یہ کتاب مختلف ممالک میں پہنچے ان کا فرض ہوگا کہ ان کو قبول کر لیں اور اس پر ایمان لاویں اور وہ کتاب قرآن شریف ہے جو تمام ملکوں کا باہمی رشتہ قائم کرنے کے لئے آئی ہے۔ قرآن سے پہلی سب کتابیں مختص القوم کہلاتی تھیں یعنی صرف ایک قوم کے لئے ہی آتی تھیں...... مگر سب کے بعد قرآن شریف آیا جو ایک عالمگیر کتاب ہے اور کسی خاص قوم کے لئے نہیں بلکہ تمام قوموں کے لئے ہے ایسا ہی قرآن شریف ایک ایسی اُمت کے لئے آیا جو آہستہ آہستہ ایک ہی قوم بننا چاہتی تھی۔ سو اب زمانہ کے لئے ایسے سامان میسر آ گئے ہیں جو مختلف قوموں کو وحدت کا رنگ بخشتے جاتے ہیں۔ باہمی ملاقات جو اصل جڑ ایک قوم بننے کی ہے ایسی سہل ہو گئی ہے کہ برسوں کی راہ چند دنوں میں طے ہو سکتی ہے اور پیغام رسانی کے لئے وہ سبیلیں پیدا ہو گئی ہیں کہ جو ایک برس میں بھی کسی دور دراز ملک کی خبر نہیں آ سکتی تھی وہ اب ایک ساعت میں آ سکتی ہے۔ زمانہ میں ایک ایسا انقلاب عظیم پیدا ہو رہا ہے اور تمدنی دریا کی دھار نے ایک ایسی طرف رخ کر لیا ہے جس سے صریح معلوم ہوتا ہے کہ اب خدا تعالیٰ کا یہی ارادہ ہے کہ تمام قوموں کو جو دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں ایک قوم بنا دے اور ہزار ہا برسوں کے بچھڑے ہوؤں کو پھر باہم ملا دے۔“ [۴۲]

اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

’’چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا زمانہ قیامت تک ممتد ہے اور آپ خاتم الانبیاء ہیں اس لئے خدا نے یہ نہ چاہا کہ وحدتِ اقوامی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی کمال تک پہنچ جائے کیونکہ یہ صورت آپ کے زمانہ کے خاتمہ پر دلالت کرتی تھی، یعنی شبہ گذرتا تھا کہ آپ کا زمانہ وہیں تک ختم ہو گیا کیونکہ جو آخری کام آپ کا تھا وہ اسی زمانہ میں انجام تک پہنچ گیا اس لئے خدا نے تکمیل اس فعل کی جو تمام قومیں ایک قوم کی طرح بن جائیں اور ایک ہی مذہب پر ہو جائیں۔ زمانہ محمدی کے آخری حصہ میں ڈال دی جو قرب قیامت کا زمانہ ہے اور اس تکمیل کے لئے اسی اُمت میں سے ایک نائب مقرر کیا جو مسیح موعود کے نام سے موسوم ہے اور اسی کا نام خاتم الخلفاء ہے۔ پس زمانہ محمدی کے سر پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اس کے آخر میں مسیح موعود ہے اور ضرور تھا کہ یہ سلسلہ دنیا کا منقطع نہ ہو جب تک کہ وہ پیدا نہ ہو لے کیونکہ وحدتِ اقوامی کی خدمت اسی نائب النبوت کے عہد سے وابستہ کی گئی ہے اور اسی کی طرف یہ آیت اشارہ کرتی ہے اور وہ یہ ہے هُوَ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (الصّف:۱۰) یعنی خدا وہ خدا ہے جس نے اپنے رسول کو ایک کامل ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تا اس کو ہر ایک قسم کے دین پر غالب کر دے یعنی ایک عالمگیر غلبہ اس کو عطا کرے اور چونکہ وہ عالمگیر غلبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ظہور میں نہیں آیا اور ممکن نہیں کہ خدا کی پیشگوئی میں کچھ تخلف ہو اس لئے اس آیت کی نسبت ان سب متقدمین کا اتفاق ہے جو ہم سے پہلے گذر چکے ہیں کہ یہ عالمگیر غلبہ مسیح موعود کے وقت میں ظہور میں آئے گا کیونکہ اس عالمگیر غلبہ کے لئے تین امر کا پایا جانا ضروری ہے جو کسی پہلے زمانہ میں وہ پائے نہیں گئے۔

(۱) اوّل یہ کہ پورے اور کامل طور پر مختلف قوموں کے میل ملاقات کے لئے آسانی اور سہولت کی راہیں کھل جائیں اور سفر کی ناقابل برداشت مشقتیں دور ہو جائیں۔......

(۲) دوسرا امر جو اس بات کے سمجھنے کے لئے شرط ہے کہ ایک دین دوسرے تمام دینوں پر اپنی خوبیوں کے رو سے غالب ہے یہ ہے جو دنیا کی تمام قومیں آزادی سے باہم مباحثات کر سکیں اور ہر ایک قوم اپنے مذہب کی خوبیاں دوسری قوم کے سامنے پیش کر سکے اور نیز تالیفات کے ذریعہ سے اپنے مذہب کی خوبی اور دوسرے مذاہب کا نقص بیان کر سکیں اور مذہبی کشتی کے لئے دنیا کی تمام قوموں کو یہ موقعہ مل سکے کہ وہ ایک ہی میدان میں اکٹھے ہو کر ایک دوسرے پر مذہبی بحث کے حملے کریں...... اور یہ مذہبی کشتی نہ ایک دو قوم میں بلکہ عالمگیر کشتی ہو......

(۳) تیسرا امر جو اس بات کو تمام دنیا پر واضح کرنے کے لئے شرط ہے کہ فلاں دین بمقابل دنیا کے تمام دینوں کے خاص طور پر خدا سے تائید یافتہ ہے...... وہ یہ ہے کہ بمقابل دنیا کی تمام قوموں کے ایسے طور سے تائید الٰہی کے آسمانی نشان اس کے شامل ہوں کہ دوسرے کسی دین کے شامل حال نہ ہوں ...... اور دنیا کے اس سرے سے اس سرے تک کوئی مذہب نشان آسمانی میں اس کا مقابلہ نہ کر سکے باوجود اس بات کے کہ کوئی حصہ آبادی دنیا کا اس دعوت مقابلہ سے بے خبر نہ ہو۔“ [۴۳]

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ اب دنیا میں ایسے حالات پیدا ہو گئے ہیں کہ تمام دنیا کے مذاہب کی دین اور روحانیت کے میدان میں کشتی ممکن ہو گئی ہے۔ تمام اقوام اپنے نمائندوں کو ایک جگہ جمع کر کے دوسرے مذاہب سے مقابلہ کر سکتے ہیں اور چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دین کے میدان میں سب دنیا کے مذاہب کو پکارا، یہ مقابلہ آپؑ کے زمانہ میں شروع ہو گیا گذشتہ جلسہ سالانہ کے موقع پر مختلف دعوت ہائے فیصلہ میں نے بھی دنیا کے سامنے رکھی تھیں اور اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی سفر یورپ کی تو میں ارادہ رکھتا ہوں کہ وہاں کے ملکوں میں جو عیسائی دنیا سے تعلق رکھتے ہیں ان دعوت ہائے فیصلہ کو دہراؤں اور امن اور صلح کی فضا میں اسلام کے مقابلہ میں انہیں دعوت دوں کہ اپنی حقانیت کو (اگر وہ اپنے مذاہب کو حق سمجھتے ہیں) ثابت کریں اور میں اپنے ربّ سے امید رکھتا ہوں کہ اگر وہ میدان فیصلہ میں آئے تو اللہ تعالیٰ ایسے

سامان پیدا کر دے گا کہ دنیا کے سامنے انہیں اپنی شکست کو تسلیم کرنا پڑے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

تو آٹھواں مقصد ساری دنیا کی اقوام کو وحدت کے سلسلہ میں منسلک کرنا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کام کو پورا کرنے کا وعدہ دیا ہے اور جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بڑی وضاحت کے ساتھ فرمایا ہے کہ اس مقصد کے حصول کا تعلق جماعت احمدیہ سے ہے اور اس کے نتیجہ میں جماعت احمدیہ پر بڑی ہی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں جن کی طرف مجھے اور آپ سب کو توجہ دینی چاہیے۔

تو آٹھواں مقصد مَثَابَۃً میں بیان ہوا ہے اور ظاہر ہے یہ مقصد سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی اور کے ذریعہ سے حاصل نہیں ہوا اور نہ ہوسکتا ہے کیونکہ کسی اور نبی کو ایسی شریعت نہیں دی گئی جو مختص القوم نہ ہو جس کا تعلق صرف اس کی قوم اور اس کے زمانہ کے ساتھ نہ ہو۔ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے جن کو ایک ایسی شریعت اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوئی جو انسان کی تمام ضرورتوں کو پورا کرنے والی اور جس کا تعلق دنیا کی ہر قوم اور قیامت تک کے ہر زمانہ کے ساتھ ہے۔ اور وہ وعدے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ کی طرف سے دئے گئے وہ اپنے وقت پر پورے ہوتے رہے ہیں۔ یہ وعدہ جو ہے اس کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس کے پورا ہونے کا وقت مسیح موعودؑ کا زمانہ ہے اور اس کے پورا کرنے کی ذمہ داری جماعت احمدیہ پر ہے۔ اللہ تعالیٰ جماعت کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

نواں مقصد جس کا ان آیات میں ذکر ہے وہ اَمْنًا کے لفظ میں بیان ہوا ہے۔ مَثَابَۃً میں بین الاقوامی تعلقات کے مضبوط بنیادوں پر مستحکم ہونے کا ذکر تھا اور بین الاقوامی رشتۂ اخوت کے استحکام کے لئے یہ ضروری ہے کہ بین الاقوامی امن کے قیام اور قوموں کے باہمی تعلقات میں تسکین قلب کے سامان پیدا کئے جائیں اور ذرائع مہیا کئے جائیں۔ وعدہ یہ دیا گیا تھا کہ مَثَابَۃً کا وعدہ بھی پورا ہوگا اور اس کے لئے جو ضروری چیز ہے کہ بین الاقوامی امن کا ماحول پیدا کیا جائے وہ وعدہ بھی پورا ہوگا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دنیا کو جو شریعت دی جائے گی اس میں بین الاقوامی امن کے قیام کی تعلیم دی جائے گی اور وعدہ دیا گیا تھا کہ حقیقی امن دنیا کو صرف اس

تعلیم پر عمل کرنے سے مل سکتا ہے جو تعلیم کہ مکہ سے مبعوث ہونے والا خاتم النبیین دنیا کے سامنے پیش کرے گا کیونکہ اس آخری شریعت میں تمام فطری قوتوں اور استعدادوں کی صحیح نشوونما کے سامان رکھے جائیں گے اور انسانی عقل ان ہدایات سے تسلی پائے گی اور اس کا دل اطمینان حاصل کرے گا۔

امنِ عالم کے قیام کے متعلق جو تعلیم قرآن کریم میں پائی جاتی ہے وہ بڑی مفصل ہے اور اس وقت میں اس کی تفصیل میں جانا نہیں چاہتا۔ اس کے متعلق حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتاب ''احمدیت یعنی حقیقی اسلام'' اور ''نظامِ نو'' میں تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ ان کتب میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے یہ بیان کیا ہے کہ پانچ بنیادی باتیں امن عالم کے قیام کے لئے قرآن کریم میں پائی جاتی ہیں، جب تک ان اصولوں پر دنیا عمل نہیں کرے گی دنیا کی کوئی بین الاقوامی تنظیم کامیاب نہیں ہوگی۔ پہلے لیگ آف نیشنز ناکام ہوئی پھر اب جیسا کہ ہم دیکھ رہے ہیں یو۔این۔او ناکامی کی طرف جارہی ہے اور اس کی بڑی وجہ یا یوں کہنا چاہیے کہ ایک ہی وجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ قرآن کریم نے بین الاقوامی امن کے قیام کے لئے دنیا کو جو تعلیم دی تھی یہ لوگ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئے اور اس کو نہیں اپنایا ان اصولوں کو ٹھکرانے کے نتیجہ میں وہ ناکامیوں کے منہ دیکھتے چلے جارہے ہیں۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ اس بات کا ذکر کیا ہے کہ صرف بین الاقوامی معاہدہ (قرآن کریم کے بتائے ہوئے اصول پر) کی بجائے ایک ہی وقت میں دنیا دو قسم کے معاہدے کر لیتی ہے۔ ایک تو تعلق رکھتے ہیں تمام اقوام کے ساتھ اور ایک وہ معاہدے ہوتے ہیں جو بڑی بڑی قومیں آپس میں کر لیتی ہیں اور چونکہ دو کشتیوں میں ان کا پاؤں ہوتا ہے اس لئے وہ ناکام ہوجاتے ہیں۔ خود یو۔این۔او میں جو معاہدہ ہوا اس کے اندر ہی ایک اور معاہدہ مدغم کر دیا گیا۔ بجائے اس کے کہ یہ خالص بین الاقوامی معاہدہ ہوتا انہوں نے اس کے اندر ویٹو کو اپنا لیا یعنی بعض قوموں کو یو۔این۔او نے یہ فضیلت عطا کی کہ ان کی رائے کے بغیر بعض معاملات طے نہیں ہوسکیں گے حالانکہ جس طرح وہ قانون جو افراد پر لاگو ہوتا ہے اس میں امیر اور غریب، طاقت ور اور کمزور میں فرق نہیں کیا جاسکتا نہ کیا جانا چاہیے۔

اگر قانونی حکومت کو ملک میں رائج کرنا ہو۔ اسی طرح یہ ضروری ہے کہ بین الاقوامی معاہدات میں کسی قوم کو کسی دوسری قوم پر ترجیح نہ دی جائے۔ اگر ترجیح دی جائے گی تو وہ بین الاقوامی قانون لازماً ناکام ہو جائے گا۔

قرآن کریم نے یہ تعلیم دی تھی کہ کسی قوم کو کسی قوم پر ترجیح نہ دینا۔ انہوں نے سمجھا کہ ہم بڑے طاقت ور ہیں۔ اپنے زور سے جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ ویٹو کے حقوق بعض قوموں کو دیدئے یا بعض قوموں نے اپنے لئے یہ حقوق لے لئے اور بڑی وجہ اس وقت یو۔ این۔ او کی ناکامی کی یہی ہے کہ انہوں نے معاہدہ کرتے وقت صرف ایک قسم کا معاہدہ نہیں کیا جو صرف بین الاقوامی حیثیت کا ہوتا بلکہ اس کے اندر انفرادی معاہدے بھی شامل کر دئے گئے۔ جو صرف بعض اقوام سے تعلق رکھتے تھے۔ دنیا کی سب اقوام سے ان کو تعلق نہیں تھا۔

قرآن کریم نے دوسری ہدایت یہ دی تھی (بین الاقوامی امن کے قیام کے متعلق) کہ جس وقت جھگڑا ہو اسی وقت فیصلہ کرنے کی طرف توجہ دینی چاہیے۔ لیکن آج دنیا کا دستور اپنے ذاتی مفاد کے پیش نظر یہ بن گیا ہے کہ وہ جھگڑے کو لمبا ہونے دیتے ہیں لمبا کرتے چلے جاتے ہیں تا کہ بعض ذاتی مفاد کو حاصل کر سکیں اس طرح دنیا میں امن قائم نہیں ہو سکتا۔ پھر بین الاقوامی معاہدہ میں علاقائی تعصب مضر ہے بلکہ مہلک ہے لیکن بین الاقوامی معاہدہ جو یو۔ این۔ او کی شکل میں دنیا کے سامنا آیا اس کے باوجود ان قوموں نے جو اس کی ممبر بنیں بلکہ بازو بنیں علیحدہ علیحدہ معاہدے کرنے شروع کر دئے اور جن قوموں سے ان کے ذاتی تعلقات تھے ان کے حق میں تعصب اور جنبہ داری کے طریق کو اختیار کرنا شروع کر دیا۔

پس قرآن کریم نے کہا ہے کہ بین الاقوامی امن صرف اس صورت میں قائم کیا جا سکتا ہے جب قوم قوم کے درمیان جنبہ داری کے سلوک کو اختیار نہ کیا جائے اور کوئی ایک قوم دوسری قوم کی ناجائز حمایت کرنے پر نہ تلے۔

چوتھی چیز جس کے خلاف ہے قرآن۔ مگر جس کے حق میں ہو گئی ہے یہ ظالم دنیا وہ یہ ہے کہ جب جھگڑا ہو جائے تو باہمی صلح کروانے کی بجائے بعض قوموں کو تعصب کی بنا پر سزا دینے کی تجویز

کرتے ہیں اور جب اور جہاں بھی موقع ملتا ہے قوموں کے حصے بخرے کرنے شروع کر دیتے ہیں۔ جرمنی کے دو حصے کر دیئے گئے کوریا اور ویٹ نام کا بھی یہی حال ہے یو۔این۔او کی موجودگی میں اور یو۔این۔او کے تمام دعاوی کے ہوتے ہوئے کہ وہ امن عالم کو قائم کرنے والی تنظیم ہے۔

قرآن کریم کہتا ہے کہ میرے سایہ تلے چلو گے تو امن کو دنیا میں قائم کرسکو گے میرے سایہ سے باہر نکلو گے تو شیطانی دھوپ کی تمازت تمہیں تنگ کرے گی اور چین نہیں لینے دے گی۔

اور پانچویں تعلیم قرآن کریم نے یہ دی تھی کہ اگر بین الاقوامی امن کو قائم کرنا ہو تو پھر اس کے لئے ہر قوم کو قربانی دینی پڑے گی لیکن اب یہ حال ہے کہ بعض قومیں قربانی دیتی ہیں اور بعض انکار کر دیتی ہیں۔ تو صرف قرآن کریم کی ہی ایسی تعلیم ہے جس پر عمل کر کے دنیا میں بین الاقوامی امن قائم کیا جاسکتا ہے۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی کتاب ''احمدیت یعنی حقیقی اسلام'' میں نتیجہ اس ساری بحث کا یہ نکالتے ہیں کہ

> ''ان پانچوں نقائص کو دور کر دیا جائے تو قرآن کریم کی بتائی ہوئی لیگ آف نیشنز بنتی ہے اور اصل میں ایسی ہی لیگ کوئی فائدہ بھی دے سکتی ہے، نہ وہ لیگ جو اپنی ہستی کے قیام کے لئے لوگوں کی مہربانی کی نگاہوں کی جستجو میں بیٹھی رہے۔'' [۴۴]

پھر آپ نے ''نظامِ نو'' میں فرمایا:۔

لیگ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی۔ وہی لیگ کامیاب ہوسکتی ہے جو قرآن شریف کی بتائی ہوئی ہدایات کے مطابق قائم ہو

جیسا کہ میں نے بتایا ہے اللہ تعالیٰ نے ایک وعدہ یہ کیا کہ تمام اقوامِ عالم کو ایک سلسلہ میں پرو دیا جائے گا بین الاقوامی وحدت کو قائم کیا جائے گا۔

پھر یہ فرمایا کہ بین الاقوامی وحدت کے قیام کے لئے ضروری ہے کہ بین الاقوامی امن کی ضمانت دی جائے اور دعویٰ کیا کہ قرآن کریم کی شریعت بین الاقوامی امن کی ضمانت دیتی ہے اس شریعت کے احکام پر عمل کرو تو تمام دنیا کی اقوام میں اگر جھگڑے پیدا ہو بھی جائیں تو یہ انصاف

اور عدل کے اصول پر طے ہو جائیں گے اور امن کو کسی قسم کا دھکا نہیں لگے گا پس قرآن کریم نے بڑی تفصیل سے یہ تعلیم دی جس کے نتیجہ میں دنیا میں امن قائم ہو سکتا ہے۔ چونکہ مَثَابَةً کے مقصد کے حصول کی ذمہ داری جماعت احمدیہ پر ہے اس لئے اس کی ذمہ داری بھی جماعت احمدیہ پر ہے کہ وہ دنیا میں کثرت کے ساتھ اس تعلیم کی اشاعت کرے جو قرآن کریم نے دنیا میں قوموں کے درمیان امن قائم کرنے کے لئے ہمیں دی ہے کیونکہ اگر دنیا اندھیرے میں رہے تو قیامت کے روز کہہ سکتے ہیں کہ اے خدا! ہمیں تو علم نہیں تھا جن کو علم تھا اور جن کے کندھوں پر تو نے یہ ذمہ داری رکھی تھی کہ وہ ہمیں علم دیں انہوں نے ہم تک یہ علم نہیں پہنچایا اس لئے ہمیں بے قصور قرار دے اور جن کا قصور ہے ان پر اپنے غضب کا اظہار کر اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے غضب سے محفوظ رکھے۔

دسواں مقصد بیت اللہ کی تعمیر کا یہ بیان ہوا تھا۔ اِتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى جس میں یہ بتایا گیا تھا کہ مکہ کے ذریعہ بیت اللہ کے ذریعہ اور اس میں مبعوث ہونے والے عظیم الشان نبی کے طفیل اقوامِ عالم مقام عبودیت کا عرفان حاصل کریں گی اور اس حقیقی عبادت کی بنیاد یہاں ڈالی جائے گی جو تذلّل اور فروتنی اور انکسار کے منبع سے پھوٹتی ہے اور اس طرح قوم قوم میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظل پیدا ہوں گے اور زمین کے خطہ خطہ پر اشاعتِ اسلام کے لئے مراکز قائم کئے جائیں گے جہاں عاجزانہ دعاؤں کے ذریعہ خدا تعالیٰ کی عظمت اور جلال کا اقرار کیا جائے گا اور اظہار کیا جائے گا اور اس عاجزی اور تذلّل کے نتیجہ میں جو محض خدا کی خوشنودی اور رضا کے حصول کے لئے اختیار کیا جائے گا وہ اقوام آسمانی برکات حاصل کریں گی اور بخشش کی مستحق ٹھہریں گی۔

تو فرمایا تھا کہ یہاں مکہ کے ذریعہ اس شریعت کے طفیل جو یہاں نازل ہوگی صلوٰۃ کو اپنے تمام معانی اور تمام شرائط کے ساتھ ادا کرنے والی اُمت پیدا ہو جائے گی جو مقامِ عبودیت پر مضبوطی سے قائم ہوگی۔

دراصل اس کا تعلق بھی پہلے دو مقاصد سے ہے کیونکہ آٹھواں وعدہ یہ تھا کہ تمام اقوام کو ایک اُمّتِ مسلمہ بنا دیا جائے گا ایک قوم بنا دیا جائے گا یہ ہو نہیں سکتا جب تک امنِ عالم کا قیام نہ ہو تو

پہلے وعدہ دیا اور پھر اس وعدہ کو قرآن کریم کی شریعت کے رنگ میں پورا کیا کہ وہ کامل تعلیم امن جو اقوامِ عالم کے درمیان امن کو قائم کرنے کے لئے تھی وہ انسان کو دی گئی اور اب دسویں مقصد میں اللہ تعالیٰ یہ بتا رہا ہے کہ اس تعلیم پر عمل نہیں ہوسکتا جب تک کہ اُمت محمدیہ یا موعودہ اُمت تذلّل اور عاجزی کو اختیار کرنے والی نہ ہو۔ اس واسطے کہا اِتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى اس کے بغیر تم عالمگیر امن کو دنیا میں قائم نہیں کر سکتے تو یہاں وعدہ دیا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ایک ایسی اُمت پیدا کی جائے گی جو مقامِ عبودیت پر مضبوطی سے قائم ہوگی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کے کامل متبعین جو اپنے مقامِ عبودیت کو پہچانتے ہیں اور مضبوطی سے اس پر قائم ہیں۔ وہ ہیں جو

’’بشہود کبریائی حضرت باری تعالیٰ ہمیشہ تذلّل اور نیستی اور انکسار میں رہتے ہیں اور اپنی اصل حقیقت ذلت اور مفلسی اور ناداری اور پر تقصیری اور خطا واری سمجھتے ہیں اور ان تمام کمالات کو جو ان کو دئے گئے ہیں اس عارضی روشنی کی مانند سمجھتے ہیں، جو کسی وقت آفتاب کی طرف سے دیوار پر پڑتی ہے جس کو حقیقی طور پر دیوار سے کچھ بھی علاقہ نہیں ہوتا اور لباس مستعار کی طرح معرض زوال میں ہوتی ہے۔ پس وہ تمام خیر و خوبی خدا ہی میں محصور رکھتے ہیں اور تمام نیکیوں کا چشمہ اسی کی ذات کامل کو قرار دیتے ہیں اور صفات الٰہیہ کے کامل شہود سے ان کے دل میں حق الیقین کے طور پر بھر جاتا ہے کہ ہم کچھ چیز نہیں ہیں یہاں تک کہ وہ اپنے وجود اور ارادہ اور خواہش سے بکلّی کھوئے جاتے ہیں اور عظمت الٰہی کا پُرجوش دریا ان کے دلوں پر ایسا محیط ہو جاتا ہے کہ ہزار ہا طور کی نیستی ان پر وارد ہو جاتی ہے اور شرک خفی کے ہر یک رگ و ریشہ سے بکلّی پاک اور منزہ ہو جاتے ہیں۔‘‘ [۴۵]

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک دوسری جگہ فرمایا ہے۔

’’نماز کے اجزاء اپنے اندر ادب، خاکساری اور انکساری کا اظہار رکھتے ہیں قیام میں نمازی دست بستہ کھڑا ہوتا ہے جیسا کہ ایک غلام اپنے آقا اور بادشاہ کے سامنے طریقِ ادب سے کھڑا ہوتا ہے رکوع میں انسان انکسار کے ساتھ جھک جاتا ہے۔ سب سے

بڑا انکسار سجدہ میں ہے جو بہت ہی عاجزی کی حالت کو ظاہر کرتا ہے۔“[۴۶]

اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ فرمایا کہ ہم اپنے فضل سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین میں ایک ایسی جماعت پیدا کرتے رہیں گے جو انکسار اور تذلّل اور فروتنی اور تواضع کے مقام کو مضبوطی سے پکڑے اور اس تذلّل اور انکسار کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ اس امن کے قیام کے امکانات پیدا کرے گا جو اٰمَنَّا میں بیان ہوئے ہیں اور جس کی تعلیم قرآن کریم نے تفصیل سے ہمیں دی ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ حقیقی عبادت (۱) محبت و ایثار اور (۲) تذلّل و انکسار ہر دو کے خمیر سے پرورش پاتی ہے لیکن کبھی محبت کا پہلو نمایاں ہوتا ہے اور کبھی تذلّل اور فروتنی کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ جب خدا تعالیٰ کا حسن اور اس کا احسان جلوہ فگن ہوتا ہے تو انسان کا دل اپنے ربّ کی محبت سے بھر جاتا ہے اور ایک عاشق زار کی طرح وہ اس کی ہر آواز پر لبیک کہتا ہے وہ اس کے گرد گھومتا ہے وہ نیستی کا لبادہ پہن کر اسی میں کھو جاتا ہے اور اس کے اپنے وجود پر کلیتہً ایک موت وارد ہو جاتی ہے اور ایک نئی زندگی اس کے ربّ کی طرف سے اسے عطا ہوتی ہے۔ مگر دنیا اسے نہیں پہچانتی اور وہ اس کی کچھ پرواہ بھی نہیں کرتا۔

لیکن جب خدا تعالیٰ کی عظمت اور جلال کا جلوہ اس پر ظاہر ہوتا ہے تو اس کا دل خوف و رجاء اور امید و بیم سے لبریز ہو جاتا ہے عظمتِ الٰہی اور جلالِ الٰہی کے اس جلوہ کے بعد اس کی اپنی کوئی بزرگی اور عظمت باقی نہیں رہتی وہ فروتنی کا جامہ پہن لیتا ہے انکسار کو اپنا شعار بناتا ہے اور تذلّل کی گرد سے غبار آلود اور اَغْبَر نظر آتا ہے وہ عاجزانہ راہوں کو اختیار کرتا ہے اور عاجزی کے ساتھ اور خوف زدہ دل کے ساتھ لرزاں اور ترساں اپنے ربّ کے حضور جھکتا ہے اور اس کی عظمت اور جلال کا اقرار کرتا ہے اس کے جسم کا ہر ذرہ اور اس کی روح کا ہر پہلو اپنے ربّ کے خوف سے کانپ رہا ہوتا ہے اور عظمت و جلال کا یہ جلوہ اسے اس حق الیقین پر قائم کر دیتا ہے کہ اس عظمت کے مقابلہ میں سب مخلوق مردہ اور لاشئ محض ہے اور ان سے کسی بھلائی کی امید نہیں رکھی جا سکتی اور نہ وہ بذات خود اس کی طاقت رکھتے ہیں۔ اگر امید وابستہ کی جا سکتی ہے تو صرف ذوالجلال والاکرام سے۔ تب خوف کے ساتھ ایک امید و رجاء بھی اس کے سینہ صافی میں پیدا ہوتی ہے اور وہ اپنی

سب امیدوں کو اپنے ربّ سے ہی وابستہ کر لیتا ہے اور صرف اس پر توکل رکھتا ہے اور حاجت براری کے لئے صرف اس کے دروازہ کو کھٹکھٹا تا ہے اور اس کا دل اس یقین سے پر ہوتا ہے کہ جو کچھ ملنا ہے صرف اسی در سے ہی ملنا ہے جوتی کا ایک تسمہ ہو۔ یا دنیا جہان کی عزتیں۔

جس شخص پر عظمت وجلال کا یہ جلوہ ظاہر ہو وہ یہ نہیں کیا کرتا کہ کشوف ورؤیا کا ایک کشکول بنائے اور قبولیت دعا کے واقعات سے اسے سجا کر دَر دَر پھرے اور دنیا والوں سے دنیا کی عزت اور احترام اور توصیف اور تحسین کی بھیک مانگے اور دنیا کی نگاہوں میں اپنے لئے کسی احترام کا متلاشی ہو ایک مردہ سے اسے کیا لینا ہے؟ اور ایک لاشہ نے اسے کیا دینا ہے؟ جس کی عظمت اور جلال کے خوف نے اور جس کی بے پایاں رحمت کی امید نے جس در کا فقیر اسے بنا دیا وہ اسی در پر دھونی رمائے امید وبیم کے درمیان زندگی کے دن پورے کر دیتا ہے، تب اس کا ربّ اس سے راضی ہوتا ہے اور محبت سے اپنی گود میں اسے بٹھا لیتا ہے اور دنیا اور آخرت کی جنتیں اسے مل جاتی ہیں۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَ رَضُوْا عَنْہُ۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ایک ایسی اُمت کے معرضِ وجود میں آنے کی بشارت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دی گئی تھی اور خدا کی قسم اس نے اپنے وعدہ کو پورا کر دکھایا۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۸؍مئی ۱۹۶۷ء صفحہ ۱ تا ۵)

بیت اللہ روحانی اور جسمانی پاکیزگی کے حصول اور اُس کی ترویج کا مرکز ہے

خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۶؍مئی ۱۹۶۷ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

پچھلے خطبات میں میں نے تعمیر بیت اللہ کے متعلق دس مقاصد کا ذکر کیا تھا اور ان پر اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔ جو آیات میں ان خطبات کے شروع میں پڑھتا رہا ہوں ان میں مَیں نے بتایا تھا کہ ان میں تیئس مقاصد کا ذکر ہے دس کے متعلق میں اس سے پہلے کچھ کہہ چکا ہوں۔

گیارھواں مقصد یا گیارہویں غرض تعمیر بیت اللہ کی طَہِّرَا کے الفاظ میں بیان ہوئی تھی کہ تم اس بیت اللہ کی تطہیر کا انتظام کرو، اس کو پاکیزہ رکھنے کا انتظام کرو، اس کی صفائی کا انتظام کرو اور اس میں یہ اشارہ کیا گیا تھا کہ خدا تعالیٰ اس گھر کو ظاہری صفائی اور باطنی پاکیزگی اور طہارت کا مرکز بنانا چاہتا ہے یہ غرض بھی خاتم الانبیاء اور افضل الرسل محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پوری ہوئی۔ آپ کی شریعت میں ظاہری اور جسمانی صفائی اور روحانی پاکیزگی کے حصول کے متعلق ایک اکمل اور مکمل تعلیم ہمیں عطا ہوئی ہے اللہ تعالیٰ سورۂ بقرہ کی آیات ۱۵۱ اور ۱۵۲ میں فرماتا ہے کہ جہاں کہیں بھی تم ہو جو کام بھی اسلامی شریعت کی ہدایات کے مطابق تم کرو اس میں اس بات کا خیال رکھو کہ تمہیں خاص مقاصد اور اغراض کے پیشِ نظر پیدا کیا گیا ہے اور تم پر یہ

ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ تم ان مقاصد کو پورا کرو اور تمام دنیا میں، اقوام عالم میں شریعت اسلامیہ کو قائم کرو اور اسے زندہ رکھو۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں تمہیں جو اس طرف توجہ دلا رہا ہوں کہ تم بیت اللہ کے ساتھ تعلق رکھنے والے مقاصد کو ہر وقت اپنی آنکھوں کے سامنے رکھا کرو۔ یہ اس لئے ہے کہ میں اپنی نعمت کو تم پر پورا کرنا چاہتا ہوں وَلِاُتِمَّ نِعۡمَتِیۡ عَلَیۡکُمۡ ۔اتمام نعمت کی غرض سے یہ مقاصد میں نے تمہارے سامنے رکھے ہیں اگر تم ہماری بتائی ہوئی ہدایات کے مطابق ان مقاصد کے حصول کے لئے سعی کرو گے اور خلوص نیت سے ہمارے احکام بجالاؤ گے تو تم پر ہماری جو نعمتیں ہوں گی وہ اس طور کی ہوں گی اور اس نوعیت اور قسم کی ہوں گی کہ ان کے متعلق اتمام نعمت کا فقرہ بولا جاسکے گا اور لِاُتِمَّ نِعۡمَتِیۡ عَلَیۡکُمۡ کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا (آیت ۱۵۲) میں کہ ایک رسول تمہاری طرف بھیجا گیا ہے جو پاکیزگی کی تعلیم تمہیں دیتا ہے۔

چونکہ طبعاً سوال پیدا ہوتا تھا کہ اے خدا! مقاصد کا تو ہمیں پتہ چل گیا، مگر ہماری کوششوں کی راہوں کی ابھی تعیین نہیں کی گئی، اگر تعیین ہو جاتی تو ہمارے لئے سہولت ہوتی اس لئے دوسری آیت (۱۵۲) میں بتادیا کہ جو راہ تمہیں میرا پیارا محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) بتائے وہی وہ راہ ہے جو پاکیزگی کی طرف لے جاتی ہے اور جس راہ پر چل کر تم مقاصد تعمیر بیت اللہ کو حاصل کر سکتے ہو فرمایا کہ یَتۡلُوۡا عَلَیۡکُمۡ اٰیٰتِنَا وَیُزَکِّیۡکُمۡ کہ تمہارے تزکیہ کے سامان اس رسول کے ذریعہ سے ہم نے مہیا کر دیئے ہیں۔ اس لئے کہ وہ آیات پڑھ کر سناتا ہے کتاب کی تعلیم دیتا ہے اور اس کی حکمتیں بیان کرتا ہے۔

پس طَہِّرَا میں جو غرض بیان کی گئی تھی اور جس کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا گیا تھا، اس کو پورا کرنے والے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ خود قرآن کریم نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ آپ اس غرض کو پورا کرنے والے ہیں، کیونکہ یہاں مسجد حرام، مقاصد کا سامنے رکھنا، اتمام نعمت اور تزکیۂ نفوس اور اس کے طریق یہ تمام باتیں ان دو آیتوں میں اکٹھی کر دی گئی ہیں۔

سورۂ بقرہ کی آیات میں عام پاکیزگی کا ذکر تو ہے لیکن زیادہ زور روحانی اور دینی پاکیزگی

پر ہے لیکن سورۂ مائدہ کی آیت سات میں اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ اگر تم جنبی ہو تو نہا لیا کرو۔ اس میں یہ تعلیم دی کہ اسلام میں جسموں کو پاک اور صاف رکھنا ضروری ہے۔ اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی وضاحت اور تفصیل کے ساتھ جسم کی صفائی اور کپڑوں کی صفائی اور گھر کی صفائی اور ماحول کی صفائی اور مساجد کی صفائی اور ان کی پاکیزگی اور طہارت کا خیال رکھنا اور زبان کی صفائی اور کان کی صفائی اور آنکھ کی صفائی اور ناک کی صفائی کے اوپر بڑی شرح کے ساتھ تعلیم بیان کی ہے۔ اس تعلیم کی تفصیل میں مَیں اس وقت نہ جانا چاہتا ہوں اور نہ میرے لئے اس کی تفصیل میں جانا ممکن ہے بہرحال قرآن کریم پر غور کرنے سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ (جس سے کوئی شخص بھی انکار نہیں کر سکتا) کہ قرآنی شریعت میں جتنا زور ظاہری اور باطنی صفائی اور پاکیزگی پر دیا گیا ہے اس کا سواں حصہ، شاید ہزارواں حصہ بھی پہلے کسی مذہب نے ان باتوں پر زور نہیں دیا تو جو مقصد طَہِّرَا کے اندر بیان ہوا تھا اس کو پورا کرنے کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا اور آپ نے اس مقصد کا حصول اُمّتِ مسلمہ کے لئے ممکن بنا دیا کیونکہ صفائی کی ہر شاہراہ کی طرف ہمیں ہدایت دی اور ہر تعلیم جو صفائی سے تعلق رکھنے والی اور پاکیزگی اور طہارت سے تعلق رکھنے والی تھی کھول کر ہمارے سامنے بیان کر دی اور ان ہدایات پر عمل کرنے کی راہیں ہم پر آسان کر دیں۔ اس سے پہلے کسی نبی نے ان میدانوں میں اتنا عظیم کام نہیں کیا۔ پس مقصد ہے پاکیزگی اور طہارت اور اس کے حصول کا ذریعہ بنے ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے حصول کی ذمہ واری پڑتی ہے اُمّتِ مسلمہ پر اور اس زمانہ میں مسلمانوں میں سے اس جماعت پر جن کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت سے از سر نو خدا اور اس کے رسول کے لئے زندہ کیا گیا ہے۔ اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم تم پر کسی قسم کی تنگی اور سختی کرنا نہیں چاہتے۔ تمہیں پاک کرنا اور تم پر اپنے احسان کو پورا کرنا ہمارا مقصد ہے۔ اگر روحانی پاکیزگی کی تعلیم کے ساتھ ساتھ جسمانی صفائی اور پاکیزگی کی تعلیم نہ دی جاتی تو اللہ تعالیٰ کا انعام اور احسان اُدھورا رہ جاتا مگر وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ ۔ اس نے یہی پسند کیا کہ وہ اپنے احسان کو پورا کرے اور اتمامِ نعمت کرے۔ اس نے یہ تعلیم اس لئے دی ہے تا تمہارے اندر کوئی گند باقی نہ چھوڑے اور کامل اور

مکمل طور پر تمہیں پاک اور مطہر بنا دے۔

اسی طرح قرآن کریم نے پانی کے متعلق فرمایا کہ اس کے بہت سے فوائد ہیں ایک یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعہ سے تم ظاہری صفائی کرتے ہو، کپڑے دھوتے ہو، برتن دھوتے ہو، گلیاں صاف کرتے ہو، مکانوں کو دھوتے ہو، جسموں کو دھوتے ہو۔ ہزار پاکیزگیاں ہیں جو پانی کے ذریعہ سے حاصل کی جاتی ہیں مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ (الانفال:۱۲) تو قرآن کریم ظاہری اور باطنی صفائی اور پاکیزگی کی تعلیم سے بھرا پڑا ہے اور صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہی ہے جن کے ذریعہ تعمیر بیت اللہ کا یہ مقصد حاصل ہوتا ہے۔

خانۂ خدا کی تعمیر کی بارہویں غرض لِلطَّآئِفِيْنَ میں بتائی گئی تھی اور اس لفظ میں اس طرف اشارہ تھا کہ اقوام عالم کے نمائندے بار بار یہاں اس لئے جمع ہوں گے کہ وہ پاکیزگی اور طہارت کی تعلیم حاصل کریں اور پھر اپنے اپنے علاقہ میں جا کر اس تعلیم کو پھیلائیں اور اس کی اشاعت کریں۔ یہ غرض بھی حقیقی طور پر صرف اور صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ پوری ہوئی ہے قرآن کریم نے اسی مقصد کے پیش نظر یہ حکم دیا۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ۭ فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ۔(التوبۃ:۱۲۲)

یعنی مومنوں کے لئے یہ تو ممکن نہیں کہ وہ سارے کے سارے مرکزِ اسلام میں اکٹھے ہو جائیں۔ کیونکہ اسلام کے مخاطب اقوامِ عالم ہیں۔ اقوامِ عالم مرکزِ اسلام میں کسی وقت بھی اکٹھی نہیں ہو سکتیں لیکن مرکز کے ساتھ اقوامِ عالم کا پختہ تعلق قائم رہنا بھی ضروری ہے۔ تو اس کے لئے اللہ فرماتا ہے کہ ہم تمہیں یہ تعلیم دیتے ہیں کہ چونکہ سب کا اکٹھا ہونا یہاں ممکن نہیں اس لئے کیوں نہ ہوا کہ ان کی جماعت میں سے ایک گروہ نکل پڑتا تا کہ وہ دین کو پوری طرح سیکھتے اور واپس لوٹ کر اپنی قوم کو بے دینی سے بچاتے اور اس طرح گمراہ ہونے سے ان کو بچا لیتے۔ انذار کے ذریعہ اور تخویف کے ذریعہ۔

تو یہاں قرآن کریم نے اُمّتِ مسلمہ کو جو اقوامِ عالم پر مشتمل اور اکنافِ عالم میں پھیلی ہوئی

ہے یہ حکم دیا ہے کہ ہر قوم اور ہر ملک کی ایک نمائندہ جماعت مرکز میں آتی رہنی چاہیے تا کہ وہ دین سیکھے اور ضروریاتِ وقت سے آگاہ ہو اور اس بات کا علم حاصل کرے کہ اسلام کے لئے موجودہ زمانہ میں کس قسم کی قربانیوں کی ضرورت ہے اور ان کو معلوم ہو کہ ان کا امام وقت کن کاموں کی طرف اور کن منصوبوں کی طرف انہیں بلاتا ہے اور تا کہ وہ ان کی حکمتوں کو سمجھیں تا جب وہ واپس جائیں تو اپنے اپنے علاقہ میں اپنے دوسرے بھائیوں کو یہ بتائیں کہ اس وقت اسلام پر مثلاً فلاں فلاں طرف سے حملہ ہو رہا ہے اس کے جواب کے لئے تم تیار ہو جاؤ۔ اسلام کے خلاف دجل کے یہ طریق استعمال کئے جارہے ہیں اور اس وجہ سے اسلام کی حفاظت اور اسلام کی بقا کے لئے اور اسلام کی ترقی اور استحکام کے لئے جماعت کے سامنے یہ منصوبہ رکھا جارہا ہے۔ ان قربانیوں اور ایثار کے نمونوں کو پیش کرنے کے لئے ذہنی طور پر تیار ہو جاؤ اور عملی طور پر ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قبیلوں کے نمائندے مدینہ میں آپ کے پاس جمع ہوتے رہتے تھے علمِ دین سیکھتے اور علمِ قرآن سیکھتے قرآن کریم کے بعض حصوں کو یاد کرتے تَفَقُّهٌ فِي الدِّيْنِ حاصل کرتے اور پھر وہ اپنی قوم میں واپس جاتے اور اس طرح احیاءِ دین اسلام کے سامان پیدا کرتے۔ جو لوگ وہاں مدینہ میں آتے وہ بھی اپنے وقت کی قربانی دیتے علمِ دین سیکھنے کے لئے بھی اور علمِ دین سکھانے کے لئے بھی اور ان سے علمِ دین سیکھنے والے بھی اپنے وقت خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے، اگر وہ ایسا نہ کرتے تو مدینہ میں آنے کا ان کے نفسوں کو تو فائدہ پہنچ جاتا ان سے دوسروں کو کوئی فائدہ نہ پہنچتا لیکن اس سکیم اور اس منصوبہ کی اصل غرض تو تھی ہی یہ کہ لوگ باہر سے مرکز میں آئیں دین سیکھیں ضروریاتِ اسلام کا علم حاصل کریں پھر واپس جائیں اور یہ باتیں اپنے دوسرے بھائیوں کو بتائیں۔

پس ’’طواف‘‘ کا مقصد حاصل نہیں ہوتا جب تک یہ طائفہ و طائفین اور یہ لوگ وقت کی قربانی دینے والے نہ ہوں اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ اسلام نے پاکیزگی اور طہارت کی تعلیم دی ہے اور خدا تعالیٰ نے ایسی اُمت پیدا کر دی ہے جو اپنے وقتوں کو قربان کر کے خدا اور اس کے

رسول کے لئے مرکز میں جمع ہوتے ہیں اور واپس جا کر خدا اور رسول کی رضا کے لئے اپنے بھائیوں کوعلم قرآن سکھاتے علم دین ان کو بتاتے ۔ جوتدابیر اختیار کی جارہی ہیں اسلام کی حفاظت یا اسلام کی اشاعت کے لئے ۔ وہ باتیں ان کے سامنے رکھتے اوران کے دل میں خدا کی راہ میں قربانیاں پیش کرنے کے لئے بشاشت پیدا کرتے ۔

اس حکم کو اس وقت کی قوموں اور قبائل نے خوب اچھی طرح سمجھا تھا۔ چنانچہ ابن عباس کی روایت ہے۔

كَانَ يَنْطَلِقُ مِنْ كُلِّ حَيٍّ مِّنَ الْعَرَبِ عِصَابَةٌ فَيَأْتُوْنَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَسْأَلُوْنَهُ عَمَّا يُرِيْدُوْنَ مِنْ اَمْرِ دِيْنِهِمْ وَيَتَفَقَّهُوْنَ فِيْ دِيْنِهِمْ ۔ [۴۷]

ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ عرب کے ہر قبیلہ میں سے ایک جماعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کرتی تھی اور جن باتوں کا انہیں پہلے علم نہ ہوتا ان کے متعلق وہ پوچھتے بصیرت حاصل کرتے مسائل کی حکمتیں معلوم کرتے اور پختہ ہوجاتے ، اپنے دین پر۔ اور تَفَقُّهُ فِي الدِّين کو حاصل کرتے ، پھر وہ واپس جاتے اور دوسروں کو جا کر وہ سکھاتے تھے۔ چنانچہ بہت تفصیل کے ساتھ ان وفود کا ذکر ہماری تاریخ میں پایا جاتا ہے جو اس غرض کے لئے اور اس حکم کو پورا کرنے کے لئے مدینہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور دین سیکھنے کے لئے وہاں ٹھہرتے تھے ایک گروہ کے بعد دوسرا گروہ پھر تیسرا گروہ پھر ایک اور گروہ آجاتا تھا۔ ایک تسلسل جاری تھا اور اس تسلسل میں دین کی بقا کے سامان رکھے گئے تھے مثلاً تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ ایک وقت میں بحرین سے چودہ نمائندے آئے تھے اور اسی طرح حضرموت (یمن) سے اسّی نمائندے آئے تھے اور اسی طرح ستر اسّی افراد پر مشتمل ایک وفد بنوتمیم کا آیا دین سیکھنے کے لئے اور یہ وفود بَقَوْا بِالْمَدِيْنَةِ مُدَّةً يَتَعَلَّمُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَالدِّيْنَ ثُمَّ خَرَجُوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ دین سیکھا پھر اپنی قوم میں گئے اور انہیں دین سکھلایا۔

میں نے یہ چند مثالیں صرف اس لئے بیان کی ہیں تا کہ ہماری جماعتوں پر یہ حقیقت واضح ہوجائے کہ اب تو وہ شاید ایک نمائندہ بھی نہیں دیتیں ان کلاسز کے لئے جو یہاں جاری کی جاتی ہیں

لیکن اس طرح کام نہیں بنے گا بلکہ کافی تعداد میں لوگوں کو یہاں آنا پڑے گا تب ہم دینِ اسلام کی خدمت کما حقہ کر سکتے ہیں۔

بہرحال اس کی تفصیل تو میں اس وقت بتاؤں گا جب میں ان مقاصد پر بطور وعدہ کے بیان کو ختم کر چکوں گا اور ان وعدوں پر بطور ذمہ داری کے اپنے بیان کو شروع کروں گا کیونکہ یہ ساری ذمہ داریاں ہیں جو مسلمانوں پر اور خصوصاً اس وقت میں ہم احمدیوں پر عائد ہوتی ہیں۔

تیرھواں مقصد وَ الْعٰكِفِيْنَ میں بیان ہوا تھا اور بتایا گیا تھا کہ اس کے ذریعہ سے ایک ایسی قوم پیدا کی جائے گی جو اپنی زندگی خدا تعالیٰ کی راہ میں وقف کرنے والی ہوگی اور واقفین کے اس گروہ میں قوم قوم اور ملک ملک کے نمائندے شامل ہوں گے یہ غرض بھی صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود سے پوری ہوئی ہے اس سے پہلے اس کے پورا ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا کیونکہ قوم قوم کے نمائندے وہاں آ ہی نہ سکتے تھے مکہ کا نہ انہیں علم تھا نہ اس کی محبت ان لوگوں کے دلوں میں تھی۔ میں نے بتایا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مقاصد کو پورا کیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَ اَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ (البقرۃ:۱۸۸) اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ہم تم سے یہ امید رکھتے ہیں کہ تم مساجد میں اعتکاف بیٹھا کرو۔ دنیا کے تمام تعلقات سے منہ موڑ کر خالصۃً خدا کے لئے اپنی زندگی کے چوبیس گھنٹے چند ایام کے لئے گزارو تا کہ وقف کی روح کو زندہ کیا جائے اور چونکہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے لئے ساری زمین کو مسجد بنایا گیا ہے۔ اس لئے وَ اَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ کے معنی یہ ہوئے کہ میری خاطر تمہیں خطہ خطہ زمین میں بطور واقف کچھ وقت گزارنا پڑے گا کیونکہ جیسا کہ میں نے پہلے بھی اشارۃً بتایا تھا خانہء کعبہ یا بیت اللہ ایک مرکزی نقطہ ہے اور ہمیں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ تمہیں اس کے اظلال بھی بنانے پڑیں گے یعنی اسی کی نقل میں انہی مقاصد کے حصول کے لئے اسی قسم کی پاکیزگی اور طہارت کو پیدا کرنے کے لئے جگہ جگہ پر ایسے مراکز کھولنے پڑیں گے جو بیت اللہ کے ظل ہوں گے اور ان کے قیام کی غرض وہی ہوگی جو بیت اللہ کے قیام کی غرض ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ بتایا کہ اَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ کہ ہر اس جگہ پر جہاں اُمّتِ مسلمہ

تقویٰ کی بنیادوں پر بیت اللہ کا ظل قائم کرے گی۔ تمہیں بطور واقف کے بیٹھنا پڑے گا ورنہ یہ مقصد پورا نہیں ہوگا اس کے متعلق بھی میں زیادہ تفصیل میں نہیں جانا چاہتا، لیکن مجھے خیال آیا کہ اگر خانہ کعبہ کی تعمیر کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ واقفینِ اُمّت یعنی ہر مقام اور قبائل کے جو واقف ہیں وہ مرکز یا اس کے ظل میں آ کر جمع ہوں اور وہاں بیٹھیں تو وقف اور ہجرت میں بڑی مشابہت پائی جاتی ہے۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ صرف مکہ سے ہی نہیں بلکہ دوسرے علاقوں سے بھی قبائل کے بعض نمائندے اپنے علاقہ کو چھوڑ کے اور اپنے قبیلے کو چھوڑ کر مدینہ میں آ کے دھونی رما کے بیٹھ گئے تھے اور پھر وہیں بیٹھے رہے۔ ان کی جو ہجرت تھی اپنی قوم یا اپنے ملک سے وہ اس قسم کی نہیں تھی جو مکہ سے ہجرت تھی بلکہ اس قسم کی تھی جو ایک واقف کی ہجرت ہوتی ہے جو اپنا علاقہ چھوڑ کے، اپنی رشتہ داریاں چھوڑ کے، اپنے گھر بار کو چھوڑ کے، اپنی جائیداد کو چھوڑ کے خدا کے لئے مرکز میں آ جاتا ہے اور پھر مرکز کی ہدایت کے مطابق دنیا کے مختلف حصوں میں کام کرتا ہے۔ مثلاً یمن میں ایک قبیلہ اشعریین کا تھا وہاں کے ابو موسیٰ اشعری بڑے مشہور بزرگ صحابی ہیں ان کے ساتھ اسّی نفوس ہجرت کر کے مدینہ میں آ گئے اور اسی طرح اور بہت سے قبائل ہیں تاریخ میں جن کا ذکر آتا ہے کہ وہ مدینہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے استفادہ کے لئے وہاں آ گئے تھے جن میں سے ایک ابو ہریرہ بھی ہیں رضی اللہ عنہ۔

چودھواں مقصد وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ میں بیان ہوا تھا اور بتایا گیا تھا کہ اس کے ذریعہ سے اقوامِ عالم ذاتِ باری اور صفاتِ باری کا کامل عرفان حاصل کریں گی اور اس کے نتیجہ میں اطاعت، فرماں برداری، ایثار اور فدائیت اور قربانی کے وہ نمونے دکھائیں گی کہ جن کی مثال دنیا میں کوئی اور مذہب پیش نہ کر سکے گا اور جنہیں دیکھ کر دنیا حیرت میں ڈوب جائے گی۔

یہ مقصد بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے پورا ہوا اور آپؐ کی قوت قدسیہ کے نتیجہ میں نہ صرف آپ کے زمانہ میں بلکہ بعد میں بھی ہر صدی میں ایسے لوگ پیدا ہوتے رہے جو اس مقصد کو پورا کرنے والے تھے اس کی تفصیل میں بھی میں اس وقت جانا نہیں چاہتا اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا کی تو جب میں ذمہ داریوں کی طرف دوستوں کو توجہ دلاؤں گا اس وقت میں اس کی

تفصیل میں جاؤں گا۔ انشاء اللہ۔

پندرھواں مقصد بَلَدًا اٰمِنًا میں بیان ہوا تھا اور وعدہ دیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس گھر کو دنیا کے ظالمانہ حملوں سے اپنی پناہ میں رکھے گا اور اس کے مٹانے کی ہر کوشش ناکام کر دی جائے گی بلکہ حملہ آور تباہ اور برباد ہوں گے اور اس میں اس طرف اشارہ تھا کہ ہم نے مکہ کی حفاظت ایک خاص غرض کے ماتحت کی ہے اور بتایا تھا مکہ کی حفاظت اس لئے کی جائے گی تا دنیا پر یہ بات واضح کریں کہ جس نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہم اس مقام سے مبعوث کرنا چاہتے ہیں وہ ہماری حفاظت میں ہوگا اور تا دنیا یہ جان لے کہ جو شریعت ہم اس میں نازل کرنا چاہتے ہیں اس کے بھی ہم ہی محافظ ہوں گے۔

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خدا کی پناہ میں ہونا اور اس نبی معصوم پر جو شریعت نازل ہوئی ہے اس کا پوری طرح اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہونا۔ خانہء کعبہ کی حفاظت میں ان ہر دو کی حفاظت کا وعدہ دیا گیا تھا چنانچہ قرآن کریم نے یہ دعویٰ کیا کہ جو وعدہ کیا گیا تھا اس وعدہ کے مصداق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور فرمایا وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۔ اس آیت کی ابتداء یوں ہوتی ہے۔ يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ (المآئدۃ:۶۸) کہ جو ہدایت اور جو تعلیم اور جو شریعت تم پر نازل کی گئی ہے تم بلا خوف اور بغیر خطرے کے دلیری کے ساتھ اس کی تبلیغ کرو اور اس آبِ حیات کو دنیا کے کناروں تک پہنچاؤ، لیکن ہم تمہیں یہ بتاتے ہیں کہ اس تبلیغ پر دنیا راضی نہیں ہوگی اور خوش نہیں ہوگی بلکہ وہ ہزار منصوبے بنائے گی تمہیں قتل کرنے کے تمہیں ہلاک کرنے کے، تمہیں مٹا دینے کے، تمہاری تنظیم کو مٹا دینے کے۔ لیکن تم دنیا اور اس کے منصوبوں اور سازشوں کی پرواہ نہ کرو، کیونکہ ہمارا تم سے یہ وعدہ ہے کہ تم ہماری پناہ میں ہو، ہماری حفاظت میں ہو دنیا جو چاہے کرے، دنیا کی سب طاقتیں بھی اکٹھی ہونا چاہتی ہیں، ہو لیں تمہیں تباہ نہیں کر سکتیں تمہیں ہلاک نہیں کر سکتیں اس لئے تم بغیر کسی خوف اور خطرے کے اپنی تبلیغ میں لگے رہو کیونکہ ہم تمہاری حفاظت کرنے والے ہیں۔ ہمارے فرشتے آسمان سے نازل ہوں گے اور تمہیں ہلاکت سے بچائیں گے اور محفوظ رکھیں گے۔

اس آیت کو شروع کیا گیا ہے تبلیغ پر زور دینے سے اور پھر تسلی دلائی گئی ہے کہ جب تم تبلیغ کرو گے تو تمہارے خلاف فتنے تو کھڑے ہوں گے مگر تم ہلاک نہیں ہو گے۔ تکلیفیں تو دنیا میں دنیا والوں سے خدا تعالیٰ کے لئے خدا کے بندوں کو پہنچتی ہی ہیں لیکن تم خدا تعالیٰ کی پناہ میں ہو اور خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ تمہیں کوئی طاقت ہلاک نہیں کر سکتی، مٹا نہیں سکتی۔ اگر یہ وعدہ اُمتِ محمدیہ کو نہ دیا جاتا تو بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ کا جو فریضہ تھا وہ کبھی ادا نہ کر سکتی کیونکہ انہیں یہ فکر ہوتی کہ اگر دشمن نے ہمیں ہلاک کر دیا تو تبلیغ کا راستہ کلیۃً منقطع ہو جائے گا خدا تعالیٰ نے کہا تم میں سے بعض مارے جا سکتے ہیں، تم میں سے بعض ہلاک کئے جا سکتے ہیں، تم میں سے بعض قید کئے جا سکتے ہیں۔ تم میں سے بعض تبلیغ کے لحاظ سے پابند کئے جا سکتے ہیں تم میں سے بعض کی زبان بندی کی جا سکتی ہے۔ تم میں سے بعض کی قلم بندی کی جا سکتی ہے لیکن بحیثیت مجموعی اُمّتِ مسلمہ اس قسم کے ابتلا اور اس قسم کے مصائب سے خدائے تعالیٰ کی پناہ میں ہے اور اس قسم کی کوئی مصیبت اس پر نہیں آ سکتی جو صفحۂ ہستی سے ان کو مٹا دے۔

اگر آپ غور کریں تو ایک وقت وہ بھی تھا کہ اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی حفاظت میں نہ ہوتے تو مکہ کا ایک سر پھرا آپؐ کو قتل کر دیتا یعنی اسلام کو مٹانے کے لئے صرف ایک آدمی کی ضرورت تھی پھر ایک وقت وہ آیا کہ اگر تین ہزار آدمی مرنے کے لئے تیار ہو جاتے تو بظاہر اسلام کو مٹا دیتے، لیکن خدا نے کہا کہ میں اتنے آدمی اور اتنی طاقت اسلام کے مخالف کو نہیں دوں گا کہ وہ اسلام پر کاری ضرب لگا سکے چنانچہ بدر کے میدان میں قریباً تین گنا طاقت کے ساتھ وہ آئے تھے۔ بعض صحابہ شہید بھی ہوئے لیکن انہیں مٹنے نہیں دیا گیا۔ پھر جب تک مکہ میں اور عرب میں اسلام مضبوط نہیں ہو گیا، قیصر اور کسریٰ کو خدا نے اجازت نہیں دی کہ وہ اسلام کو مٹانے کی کوشش کر دیکھیں۔ لیکن جب اسلام ملک عرب میں مضبوط ہو گیا تو قیصر و کسریٰ کو بھی اجازت دی گئی کہ وہ اسلام کے خلاف جس قدر چاہیں زور لگا لیں اور جو کچھ ان سے بن آیا اسلام کی مخالفت میں انہوں نے کیا مگر ہمیشہ ناکامی کا منہ دیکھا اور سب سے بڑا معجزہ جو ہمیں نظر آتا ہے وہ یہ ہے کہ کسی وقت بھی مخالفین کو اتنی طاقت نہیں دی گئی کہ وہ اُمّتِ مسلمہ کو کلیۃً مٹا دیں۔ ایک حصہ نے قربانی دی ایک

حصہ سے اللہ تعالیٰ نے قربانی لینی چاہی اور بشاشت سے اس کی راہ میں انہوں نے مصائب کے پہاڑ جھیلے لیکن اُمّتِ مسلمہ بحیثیت ایک اُمت کے ہمیشہ خدا کی پناہ میں رہی اب مثلاً ہمارے زمانہ میں دجالی طاقتوں نے اس قدر قوت حاصل کر لی ہے کہ اگر وہ چاہتے یا اگر وہ چاہیں تو دنیا کے سارے مسلمانوں کو قتل کر سکتے ہیں لیکن خدا تعالیٰ نے جہاں پہلے دوسری قسم کے معجزے دکھائے اب یہ معجزہ دکھایا کہ انسان کی عقل پر فرشتوں کا پہرا بٹھا دیا اور ان کو کہا کہ یہ زمانہ تلوار کے ساتھ مذہب کو مٹانے کا نہیں دلائل سے مقابلہ ہونا چاہیے۔ ان کے پاس طاقت تو ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی توجہ کو اس طرف سے ہٹا دیا کہ وہ طاقت کے ذریعہ مسلمانوں کو مٹانے کی کوشش کریں۔ پس آج اگر دجال مادی طاقت کو استعمال کر کے ہر مسلمان کو قتل کرنا چاہے تو اس کے اندر یہ طاقت تو ہے لیکن خدا نے کہا کہ طاقت تو دے دی ہے لیکن اس کے استعمال کی اجازت نہیں دوں گا، اسلام کے خلاف اور مسلمانوں کے خلاف۔

جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وعدہ دیا گیا خصوصی حفاظت کا اسی وجہ سے اور اسی غرض کے پیشِ نظر اُمّتِ مسلمہ کو بھی خصوصی حفاظت کا وعدہ دیا گیا ہے اور عملاً دنیا میں کبھی بھی خدا تعالیٰ نے مخالفین کو یہ اجازت نہیں دی کہ وہ اُمّتِ مسلمہ کو کلیۃً دنیا سے مٹا دیں۔ اپنے ہی حالات دیکھ لو ایک وقت میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو قتل کرنے کے لئے ایک آدمی کافی تھا کوئی جماعت آپ کے اردگرد نہیں تھی ایک بار صرف بارہ آدمی آپ کے ساتھ تھے دہلی کے سفر میں بڑا بلوہ ہوا باہر کی دیوار یا دروازہ توڑ کے مخالف صحن میں گھس آئے اور اندر کے دروازے کو توڑ رہے تھے کہ پتہ نہیں کیوں؟ وہ وہاں سے بھاگ اٹھے اور واپس چلے گئے وہ کیوں بھاگے؟ اس سوال کا جواب اس آیۃ میں ہے جو شخص خدا تعالیٰ کی حفاظت میں ہو یا جو قوم خدا تعالیٰ کی حفاظت میں ہو، دنیا کا کوئی مکر، دنیا کا کوئی منصوبہ اور دنیا کی کوئی طاقت اسے یا انہیں مٹا نہیں سکتی اور یہ وعدہ جو ہے یہ دلوں کو مضبوط کرنے والا اور قربانیوں پر اُبھارنے والا ہے۔

دوسرے اس میں یہ اشارہ کیا گیا تھا کہ جو شریعت دی جائے گی اس نبی کو وہ بھی محفوظ ہو گی چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ (الحجر: ۱۰) کہ اس ذکر اور

اس قرآن کریم کو ہم نے اتارا ہے اور اس کی حفاظت کے سامان مہیا کرنا بھی ہماری ذمہ داری ہے جس طرح چاہا اس نے حفاظت کی اور کرتا چلا آ رہا ہے۔ جب کثرت کے ساتھ کاغذ پر قرآن کریم لکھا جا کر اس کی اشاعت کے ذریعہ اس کی حفاظت نہیں ہوسکتی تھی تو اللہ تعالیٰ نے لاکھوں ذہنوں کو اس بات کے لئے تیار بھی کیا اور اس کی طاقت بھی دی کہ وہ قرآن کریم کو حفظ کر لیں اور ان میں سے ہزاروں ایسے بھی پیدا ہوئے جن کا حافظہ اتنا اچھا تھا کہ وہ زیر وزبر کی غلطی بھی کبھی نہیں کرتے تھے لیکن سارے مل کے تو ایسا حافظہ رکھنے والے تھے کہ اگر کوئی غلطی کر جاتا تھا تو دوسرا فوراً اس کی تصحیح کرنے والا بھی موجود ہوتا تھا یعنی بحیثیت مجموعی حافظ قرآن غلطی نہیں کر سکتے تھے۔

پھر یہ بتانے کے لئے کہ حفاظ کی یہ کثرت اللہ تعالیٰ کی خاص مشیت کے ماتحت پیدا ہوئی تھی جب قرآن کریم کاغذ کے اوپر شائع ہونا شروع ہو گیا تو حفاظ کی تعداد کم ہونی شروع ہوگئی اور اس سے ہمیں یہ بھی پتہ چلا کہ وہ ذریعہ بھی اللہ تعالیٰ کا ہی پیدا کردہ تھا۔ انسانی تدبیر کا اس میں دخل نہ تھا معانی کے لحاظ سے ہر صدی میں اللہ تعالیٰ نے ایسے بزرگ اولیاء پیدا کئے صدی کے شروع میں بھی صدی کے وسط میں بھی اور صدی کے آخر میں بھی کہ جو خدا تعالیٰ کی توفیق سے خدا تعالیٰ کا اس قدر قرب حاصل کرنے والے تھے کہ اللہ تعالیٰ خود ان کو علم قرآن سکھاتا تھا خود ان کا معلم تھا اور اپنے وقت کی ضرورتوں کو پورا کرنے والے اور اپنے وقت کے مسائل کو وہ حل کرنے والے اور اپنے وقت کی الجھنوں کو وہ سلجھانے والے تھے۔

پھر اب بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ایک نہایت ہی زبردست تحریک دنیا میں جاری کی ہے تمام اکنافِ عالم میں اسلام کو غالب کرنے کی اور اسلام کے نور کو پھیلانے کی اور ہمیں اس نے محض اپنے فضل سے یہ توفیق عطا کی ہے کہ ہم آپ کی جماعت میں شامل ہوں اور ہمارے لئے یہ موقع مہیا کیا ہے کہ اگر ہم چاہیں تو وہ قربانیاں دے کر جو خدا تعالیٰ ہم سے لینا چاہتا ہے ہم اس کی رضا کو حاصل کرنے والے ہوں اور خدا کرے کہ ہم میں سے ہر ایک اس کی رضا کو حاصل کرنے والا بنے۔

تو لفظی حفاظت بھی اور معنوی حفاظت بھی قرآن کریم کی اللہ تعالیٰ نے کی ایسے حالات میں

ایسے طریق پر یہ حفاظت کی کہ کوئی عقل مند شخص اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ جو قرآن کریم کی حفاظت کی گئی ہے وہ کسی انسانی تدبیر کا نتیجہ نہیں ہے محض اللہ تعالیٰ کے فضل کا نتیجہ اور خاص اس کی حفاظت کی وجہ سے ہے جس کا اس نے وعدہ دیا تھا وہ اپنے وعدوں کا سچا، اپنے قول کا صادق ہے اس نے اپنے وعدے کو پورا کر دکھایا۔

اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ یہ دعا کرتے رہنا چاہیے کہ ہمیں بھی وہ ان بندوں میں شامل کر لے کہ جن کے ذمہ وہ یہ لگائے کہ قرآن کریم کی معنوی حفاظت کرو یعنی صحیح علم قرآن وہ حاصل کرنے والے ہوں۔ اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے والے نہ ہوں اپنے دنیوی مطلب کے حصول کے لئے قرآن کریم کو استعمال کرنے والے نہ ہوں۔ بلکہ قرآن کریم کے حقیقی علوم وہ اپنے ربّ سے سیکھنے والے ہوں اور خدا تعالیٰ کے ان پیاروں میں شامل ہوں جن پر خدا تعالیٰ اپنا فضل کرتا اور ان کے ذریعہ سے اس عظیم کتاب مکنون کے علومِ ضروریہ کے چہرہ سے پردوں کو ہٹاتا ہے اور وہ ہمیں ان لوگوں میں شامل نہ کرلے جن کی زبان پر تو قرآن ہوتا ہے لیکن جن کا دل قرآن کے نور سے خالی ہوتا ہے۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۴ رجون ۱۹۶۷ء صفحہ ۱ تا ۵)

اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے قربانیاں دینے والوں کے اعمال ضائع نہیں جاتے

خطبہ جمعہ فرمودہ ۲؍جون ۱۹۶۷ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

خانۂ کعبہ کی تعمیر کا سولھواں مقصد وَارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ میں بیان ہوا ہے اور بتایا گیا ہے کہ بیت اللہ کے فیوض اور برکات کو دیکھ کر دنیا اس نتیجہ پر پہنچے گی کہ جو لوگ بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے انتہائی قربانیاں دیتے ہیں اور دنیا سے منہ موڑ کر صرف اور صرف اُسی کے ہو رہتے ہیں ان کے اعمال ضائع نہیں جاتے بلکہ انہیں ان اعمال مقبولہ کا بہترین بدلہ اور شیریں پھل ملتا ہے اور ان کے عاجزانہ اور عاشقانہ اعمال کے بہترین نتائج نکلتے ہیں۔

قرآن کریم نے خود یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ مقصد بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور قرآنی شریعت سے پورا ہوا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ سورہ قصص میں فرماتا ہے۔

وَ قَالُوْۤا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ؕ اَوَ لَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰۤى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَیْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۔(القصص:۵۸)

یہاں اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ قرآن کریم کے مخاطب جب قرآن کریم کی شریعت قرآن کریم کی ہدایت اور تعلیم ان کے سامنے پیش کی جاتی ہے تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم اس ہدایت کی جو تو

لے کے آیا ہے اگر اتباع کریں تو اپنے ملک سے اُچک لئے جائیں گے، دنیا ہماری دشمن ہو جائے گی اور ہماری مخالف ہو جائے گی ہمیں تباہ و برباد کرنے کے لئے تیار ہو جائے گی ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے ہم اس ہدایت پر ایمان لاکر اپنی تباہی کے سامان کیوں پیدا کریں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَوَ لَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا کیا وہ جانتے نہیں کہ ہم نے اس نبی کا اور اس شریعت کا تعلق حرم کے ساتھ رکھا تھا اور بیت اللہ کو ایک علامت بنایا تھا اس بات کی کہ یہ نبی اور اس کے ماننے والے اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہوں گے اور جو شریعت اس پر نازل ہوگی اس کی حفاظت کی ذمہ داری بھی محض اور محض اللہ تعالیٰ کے اوپر ہوگی۔

دنیا کی تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حرم کعبہ کی حفاظت کا جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کر دکھایا حملہ آور ہمیشہ منہ کی کھاتے رہے اور ناکام ہوئے اور دنیا اس بات پر بھی گواہ ہے اور گواہ بنتی رہے گی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مقصد کو دنیا کی کوئی طاقت، دنیا کا کوئی منصوبہ، دنیا کی کوئی سازش کبھی تباہ نہیں کر سکتی اور نہ کوئی دجل قرآن کریم کی شریعت میں دخل پا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ فرمایا کہ کیا وہ دیکھتے نہیں کہ ہم نے ان کو محفوظ اور امن والے مکان میں جگہ دی ہے۔ حرمِ کعبہ میں بھی، حرمِ عصمت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی اور حرمِ شریعت اسلامیہ حرمِ قرآن کریم میں بھی۔ یہ تمام محفوظ چیزیں ہیں۔ محفوظ ہستیاں ہیں، محفوظ مقام ہیں، اگر تم اس حرم کے ساتھ اپنے تعلق کو قائم کرو گے تو جس طرح حرم خدا تعالیٰ کی حفاظت میں ہے، اسی طرح تم بھی اس کی حفاظت میں آجاؤ گے اور یہ بات غلط ہوگی کہ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا دنیا کی کوئی طاقت تمہیں برباد کر سکے۔

اور پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ يُجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ کہ اس حرم کے ساتھ ہم نے یہ بات بھی لگا دی ہے کہ ہر قسم کے پھل یہاں لائے جاتے ہیں یعنی اس سے تعلق قائم کر کے ہر قسم کے اعمالِ صالحہ بجالانا ممکن بھی ہو جاتا ہے۔ اس کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ سے انسان پاتا ہے اور اس کے بہترین نتائج کا وعدہ بھی دیا گیا ہے پس جو بھی خلوص نیت رکھتا ہو اور اس کے اندر کسی قسم کا

فساد نہ ہو وہ ان پھلوں کو حاصل کرتا ہے تو یہاں یُجْبٰٓی اِلَیْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَیْءٍ کو حرم کے ساتھ اور حرم کو ان کے موقف وَ قَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا۔ ان کے موقف کی تردید میں ایک دلیل ٹھہرا کر اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے واضح کیا ہے کہ ابراہیمی دعا میں جن پھلوں کا جن جزاؤں کا ذکر تھا، ان کا تعلق حقیقی طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اُمت محمدیہ کے ساتھ تھا اور ہے اور قائم رہے گا۔

یہ ثمرات جو ہیں (مِنَ الثَّمَرٰتِ) اس کی تفسیر قرآن کریم میں سورۂ محمد میں بیان فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ فِیْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَیْرِ اٰسِنٍ ۚ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ ۚ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ؕ وَ لَهُمْ فِیْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَ مَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ۔ (محمد: ۱۶)

اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ متقی جو اس ہدایت پر عمل کرتے ہیں جس کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ (سورہ بقرہ کے شروع میں ہی) ان کا پختہ ایمان اور ان کے صحیح اعتقادات جو ہیں ان کو ایک باغ کی شکل میں درختوں کی شکل میں پیدا کر دیا جاتا ہے اس دنیا میں بطور مجاز کے اور اس دنیا میں حقیقی طور پر وہ درختوں کی شکل کو اختیار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ فرمایا کہ ہماری ہدایت پر عمل کر کے جو حقیقی معنی میں متقی بن جاتے ہیں ان کو ایک جنت دی جاتی ہے جس میں ہر قسم کے درخت لگے ہوئے ہوتے ہیں اور فِیْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَیْرِ اٰسِنٍ ان کو اعمالِ صالحہ کی توفیق عطا کی جاتی ہے اور ان کو بشاشت قلبی عطا کی جاتی ہے کہ وہ اس کے مزے کو چکھ کر وہ ان اعمال کو چھوڑنے کے لئے کسی قیمت پر بھی تیار نہیں ہوتے پس فرمایا کہ ان اعمالِ صالحہ کو ایسی نہروں میں تبدیل کر دیا جائے گا، اس زندگی میں بھی اس دنیا میں بھی کہ جس میں ایسا پانی ہو جو خراب ہونے والا نہ ہو یعنی ایک دفعہ اعمالِ صالحہ کا چسکہ پڑ جانے کے بعد پھر یہ چسکہ کبھی چھوٹے گا نہیں پھر جب پختہ ایمان کے نتیجہ میں ان ہدایتوں کے مطابق جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر نازل ہوئی ہیں وہ صحیح معنی میں خلوص دل کے ساتھ اعمال صالحہ بجالانے لگیں گے تو مزید روحانی

ترقیات کے دروازے ان کے اوپر کھولے جائیں گے وہ باتیں جو پہلے بطور اسرار کے تھیں اور جو راز تھا روحانی، وہ ان پر منکشف اور ظاہر ہو جائے گا اور اس کے نتیجہ میں مومن کی روحانیت ترقی کرے گی اور یہ کیفیت اَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ایک ایسے دودھ کی شکل اختیار کر جائے گی جس کے خراب ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں ہوگا پھر ان روحانی علوم کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک حقیقی اور گناہ سوز عشق ان میں پیدا ہو جائے گا اپنے وجود پر وہ ایک موت وارد کر لیں گے۔ خدا تعالیٰ کی محبت میں کھوئے جائیں گے اس کے عشق میں ہمیشہ مست رہیں گے اور ان کیفیات کو اَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ کی شکل دے دی جائے گی یہاں یہ بھی بتایا کہ جو اس کا تجربہ نہیں رکھتا وہ اس کی لذت کو کیا جانے اور اسی وجہ سے ایسے لوگ عشق الٰہی کی طرف متوجہ نہیں ہوتے کیونکہ بہت سے ابتلاؤں کے کانٹے بھی اس نہر کے گرد بوئے گئے ہیں لیکن جو ایک دفعہ اس کو چکھ لے اور اللہ تعالیٰ کی محبت اسے حاصل ہو جائے وہی بتا سکتا ہے کہ وہ لذت جو عشق الٰہی میں ہے وہ کسی اور چیز میں نہیں اور پھر فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ کے عشق میں فنا ہو جائے اور اس کے مقدر میں اَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ہیں وہ تمام بیماریوں سے شفا حاصل کر لیتا ہے پھر کوئی بیماری اس کے اوپر حملہ آور نہیں ہو سکتی کلی شفا وہ پا لیتا ہے تمام شیطانی حملوں سے وہ محفوظ ہو جاتا ہے گویا کہ وہ خدا کی گود میں آ گیا اور کسی قسم کا کوئی خطرہ اس کو نہ رہا۔ یہ کیفیت ہے جو اَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى کی شکل میں اس دنیا میں بھی ایک رنگ میں اور اُس دنیا میں بھی اس دنیا کے رنگ میں پیدا ہو جائے گی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا لَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ کہ یہ پھل جو ہیں اسلام سے تم پاؤ گے یعنی ہر قسم کے پھل تمہیں دیئے جائیں گے ہر قسم کے درخت ہوں گے جو صحیح عقائد ہوں گے وہ درخت کی شکل اختیار کریں گے۔ پھر ایسا ایمان تمہیں دیا جائے گا کہ تم شوق و بشاشت کے ساتھ ہر قسم کی تکلیف کو برداشت کر کے اعمالِ صالحہ بجا لاؤ گے اور ان اعمال صالحہ کو پانی کی نہروں کی شکل میں بنا دیا جائے گا جن سے وہ باغ پرورش پائیں گے پانی کے بغیر باغ پرورش نہیں پا سکتا۔ اعمالِ صالحہ کے بغیر صحیح اعتقادات پر انسان قائم ہی نہیں رہ سکتا۔ جب عمل صالحہ نہ رہے تو پھر

اعتقاد بھی بدلنا پڑتا ہے۔ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ میں اسی طرف اشارہ ہے اس واسطے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ قرآنی شریعت سے اور خرابی پیدا ہو سکتی ہے کیونکہ قرآن کریم کے اندر کوئی خرابی پیدا نہیں ہو سکتی لیکن اس عقیدہ کے نتیجہ میں عمل کرنا ہے انسان نے۔ تو فرمایا کہ وہ اعمالِ صالحہ کی اللہ تعالیٰ سے توفیق پائے گا۔ اور ایسی توفیق پائے گا۔ کہ غَيْرِ اٰسِنٍ پھر اس کو یہ خطرہ نہیں ہوگا کہ کبھی شیطان بہکا کر اسے دوسری طرف لے جائے۔

پھر اس کے بعد روحانی علوم اور اسرار اس پر کھلیں گے اور دودھ کی شکل اختیار کر لیں گے اور پھر ان روحانی اسرار کے انکشاف سے اس کے دل میں بے انتہا محبت اپنے ربّ کے لئے پیدا ہوگی اور یہ محبت الٰہی اَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ کی شکل اختیار کر جائے گی۔ پھر اس کے نتیجہ میں وہ ہر قسم کی روحانی بیماری سے محفوظ ہو جائے گا یعنی اَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى اسے میسر آ جائیں گی۔ پس یہ پھل ہیں جو اسلام اسے دیتا ہے، یہ وہ پھل ہیں جن کا اس آیت میں ذکر ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی وَارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ۔ وَ مَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ پھل صرف تمہارے اعمال کے نتیجہ میں نہیں مل سکتا تھا جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں مغفرت حاصل نہ ہوتی پس اس مَغْفِرَةٌ کا وعدہ بھی تمہیں اسلام میں ہی دیا گیا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس آیت کی طرف اشارہ تو نہیں کیا لیکن میں نے غور کیا اور اگر آپ بھی غور کریں تو اسی نتیجہ تک پہنچیں گے۔ اسی آیت کا مفہوم اس اقتباس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بیان فرمایا ہے جو میں آپ کو ابھی پڑھ کر سناؤں گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام آئینہ کمالاتِ اسلام میں فرماتے ہیں:۔

''اب ہم کسی قدر اس بات کو ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ اسلام کے ثمرات کیا ہیں سو واضح ہو کہ جب کوئی اپنے مولیٰ کا سچا طالب کامل طور پر اسلام پر قائم ہو جائے اور نہ کسی تکلف اور بناوٹ سے بلکہ طبعی طور پر خدا تعالیٰ کی راہوں میں ہر ایک قوت اس کے کام میں لگ جائے تو آخری نتیجہ اس کی اس حالت کا یہ ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کی ہدایت کی اعلیٰ تجلیات تمام حُجب سے مبرا ہو کر اس کی طرف رخ کرتی ہیں اور طرح طرح کی برکات اس پر نازل

ہوتی ہیں اور وہ احکام اور وہ عقائد جو محض ایمان اور سماع کے طور پر قبول کئے گئے تھے اب بذریعہ مکاشفاتِ صحیحہ اور الہاماتِ یقینیہ قطعیہ مشہود اور محسوس طور پر کھولے جاتے ہیں اور مُغلقات شرع اور دین کے اور اسرار سربستہ ملتِ حنیفیہ کے اس پر منکشف ہو جاتے ہیں اور ملکوت الٰہی کا اس کو سیر کرایا جاتا ہے، تا وہ یقین اور معرفت میں مرتبہ کامل حاصل کرے اور اس کی زبان اور اس کے بیان اور تمام افعال اور اقوال اور حرکات سکنات میں ایک برکت رکھی جاتی ہے اور ایک فوق العادت شجاعت اور استقامت اور ہمت اس کو عطا کی جاتی ہے اور شرح صدر کا ایک اعلیٰ مقام اس کو عنایت کیا جاتا ہے اور بشریت کے حجابوں کی تنگ دلی اور خست اور بخل اور بار بار کی لغزش اور تنگ چشمی اور غلامی شہوات اور ردائت اخلاق اور ہر ایک قسم کی نفسانی تاریکی بکلّی اس سے دور کر کے اس کی جگہ ربانی اخلاق کا نور بھر دیا جاتا ہے۔ تب وہ بکلی مبدّل ہو کر ایک نئی پیدائش کا پیرایہ پہن لیتا ہے اور خدائے تعالیٰ سے سنتا اور خدائے تعالیٰ سے دیکھتا اور خدائے تعالیٰ کے ساتھ حرکت کرتا اور خدائے تعالیٰ کے ساتھ ٹھہرتا ہے اور اس کا غضب خدائے تعالیٰ کا غضب اور اس کا رحم خدائے تعالیٰ کا رحم ہو جاتا ہے اور اس درجہ میں اس کی دعائیں بطور اصطفاء کے منظور ہوتی ہیں نہ بطور ابتلا کے اور وہ زمین پر حُجّت اللہ اور امان اللہ ہوتا ہے اور آسمان پر اس کے وجود سے خوشی کی جاتی ہے اور اعلیٰ سے اعلیٰ عطیہ جو اس کو عطا ہوتا ہے مکالماتِ الٰہیہ اور مخاطباتِ حضرتِ یزدانی ہیں جو بغیر شک اور شبہ اور کسی غبار کے چاند کے نور کی طرح اس کے دل پر نازل ہوتے رہتے ہیں اور ایک شدید الاثر لذت اپنے ساتھ رکھتے ہیں اور طمانیت اور تسلی اور سکینت بخشتے ہیں۔“ [۴۸]

یہ وہ ثمرات ہیں جن کا وعدہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیا گیا تھا اور یہ وہ ثمرات ہیں جو اُمّتِ محمدیہ کو کثرت کے ساتھ عطا ہوئے کہ دیکھنے والی آنکھ انہیں دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے۔

سترھویں غرض رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّآ میں بیان ہوئی تھی اور بتایا گیا تھا کہ اعمال کوئی شے نہیں جب تک مقبول نہ ہوں اس لئے روحانی رفعتوں کا حصول صرف دعا کے ذریعہ سے ہی ممکن ہے اور

اس میں اشارہ تھا کہ ایک عظیم نبی یہاں مبعوث ہوگا اور اس کے فیوضِ روحانی کے طفیل ایک ایسی اُمت جنم لے گی جو اس حقیقت کو سمجھنے والی ہوگی کہ انتہائی قربانیاں بھی بے سود اور بے نتیجہ ہیں جب تک عاجزانہ دعاؤں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے فضل کو جذب نہ کیا جائے پس دعاؤں کے ذریعہ ہی معرفت کے بلند مقام کو وہ حاصل کرے گی اور دعاؤں کے طفیل ہی اپنے اعمال کے بہترین پھل وہ پائے گی۔

قرآن کریم نے بڑی وضاحت کے ساتھ ان تین مقاصد کا ذکر کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ دعا اور قبولیت دعا پر اسلام نے جو روشنی ڈالی ہے کسی اور مذہب نے نہیں ڈالی کوئی اور مذہب اس کے مقابلہ میں پیش ہی نہیں کیا جا سکتا اللہ تعالیٰ سورۂ فرقان کے آخر میں عباد الرحمٰن کا ذکر کرتا ہے کہ عباد الرحمٰن وہ ہیں جو یہ اعمال بجالاتے ہیں یا ان اعمال سے پرہیز کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اَلرَّحْمٰنُ کے معنی ہیں وہ پاک ہستی (اللہ) جو بغیر کسی عمل کرنے والے کے عمل اور بغیر کسی استحقاق حق کے اپنا احسان اس پر کرتی ہے۔ تو آگے عِبَادُ الرَّحْمٰنِ کے سارے اعمال کا ذکر ہے جس کا بظاہر صفت رحیمیہ کے ساتھ تعلق ہے۔

پس یہاں مضمون یہ بیان ہوا ہے کہ تم نیک اعمال جتنے چاہو بجالاؤ، جب تک رحیمیۃ کے ساتھ رحمانیت کا فیض شامل نہیں ہوگا تمہیں کوئی بدلہ نہیں مل سکتا۔ اسی لئے جب یہ مضون ختم کیا تو آخر میں بڑے پُرشوکت الفاظ میں یہ فرمایا قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْ لَا دُعَآؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا (الفرقان: ۷۸) یعنی یہ تو صحیح ہے کہ اعمال صالحہ بجالانا بھی ضروری ہے اور بد اعمال سے بچنا بھی انسان کے فائدہ کی چیز ہے لیکن یہ یاد رکھو تمہاری اور تمہاری نیکیوں کی تمہارے خدا کو کیا پرواہ ہے لَوْ لَا دُعَآؤُكُمْ ہاں اگر تم اس کی پرواہ کرتے ہو تو اپنی دعاؤں سے اس کے فضل کو جذب کرو۔ جب تم اپنی دعا کے ساتھ اس کے فضل کو جذب کرلو گے تب تمہارے یہ اعمال تمہیں فائدہ پہنچا سکیں گے۔ پھر دعا بھی بے معنی ہے جب دعا کے ساتھ قبولیت دعا حاصل نہ کی جائے۔ دعا کی قبولیت کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کا فضل ہی چاہیے اور اس کے لئے بھی دعا کرنی پڑتی ہے پس ہمیشہ دعا کرتے رہنا چاہیے کہ اے خدا! ہم کچھ کرتے ہیں یا نہیں کرتے ہم

اعمالِ صالحہ کی قبولیت کے لئے جو دعائیں کرتے ہیں وہ بھی تیرے تک تبھی پہنچ سکتی ہیں کہ جب تو ہماری دعاؤں کو قبول کرنے کا فیصلہ کر لے تو قبولیت دعا کے لئے پھر آگے دعا کی جاتی ہے۔تو اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ فرمایا کہ خدا کو تمہاری کوئی پرواہ نہیں، تمہارے اعمال کی کوئی پرواہ نہیں، تمہاری قربانیوں کی کوئی پرواہ نہیں، جو تم صدقہ وخیرات اس کی راہ میں دیتے ہو اس کو ان کی کیا پرواہ ہے۔ اس کے خزانے کیا خالی ہیں کہ تمہارے مال کی اس کو پرواہ ہو؟ تم اس کے احکام بجا لاتے ہو، انتہائی طور پر مجاہدہ کرتے ہو، کوشش کرتے ہو اس کی راہ میں، پھر بھی اسے تمہاری کوئی پرواہ نہیں تمہیں ان تمام چیزوں کا فائدہ اسی وقت پہنچ سکتا ہے جب تم دعا کے ذریعہ اس کے فضل کو جذب کرو۔ جب رحیمیت کے جلوہ کے ساتھ رحمانیت کا جلوہ بھی شامل ہو جائے تب تمہاری حقیر کوششیں بھی تمہیں ساتویں آسمان تک پہنچا سکتی ہیں۔لیکن اگر تم یہ سمجھو کہ اس کے فضل کے بغیر تم پہلے آسمان پر بھی پہنچ سکتے ہو تو تم غلطی خوردہ ہو، اس کے فضل کے بغیر تَحْتَ الثَّرٰی تک تو تم پہنچ سکتے ہو، شیطان کی گود میں تو تم جا سکتے ہو لیکن رحمان خدا کی گود میں اس کے فضل اور رحم کے بغیر کوئی نہیں جا سکتا۔ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ تم اس حقیقت کو جھٹلاتے ہو تم میں سے بعض بظاہر بڑے متقی اور پرہیز گار ہیں لیکن وہ اپنے اعمال پر اپنی دعاؤں پر اور اپنی شب بیداری پر اور دنیا کے لوگوں کی خدمت جو کرتے ہیں اس پر فخر کرنے والے ہیں۔خدا تعالیٰ کو ان کی کوئی پرواہ نہیں ہے جب تک کہ وہ دعا کو اپنی تمام شرائط کے ساتھ نہ کریں اور اللہ تعالیٰ ان کی دعا کو قبول کر کے رحمانیت کے جوش میں ان کے اعمال کو قبول نہ کر لے۔

فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا اب تمہارے جھٹلانے کے بدنتائج تمہارے ساتھ لگے رہیں گے۔ اب دیکھو اس وقت مسلمانوں کے بعض فرقوں میں انتہائی مجاہدہ کرنے والے لوگ بھی ہیں لیکن ان کے مجاہدات کا کیا نتیجہ ان کے حق میں نکل رہا ہے۔ جہاں تک ہم سمجھتے ہیں وہ نتیجہ نہیں نکل رہا جو ایک متقی کے ایسے ہی اعمال بلکہ اس سے ہزارویں حصہ اعمال کا نتیجہ نکلا کرتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام براہین احمدیہ میں فرماتے ہیں:۔

”حقیقت میں انہی دو چیزوں کا تصور دعا کے لئے ضروری ہے۔یعنی اوّل اس بات

کا تصور کہ خدائے تعالیٰ ہر یک قسم کی ربوبیت اور پرورش اور رحمت اور بدلہ دینے پر قادر ہے اور اس کی یہ صفات کاملہ ہمیشہ اپنے کام میں لگی ہوئی ہیں دوسرے اس بات کا تصور کہ انسان بغیر توفیق اور تائید الٰہی کے کسی چیز کو حاصل نہیں کرسکتا اور بلاشبہ یہ دونوں تصور ایسے ہیں کہ جب دعا کرنے کے وقت دل میں جم جاتے ہیں تو یکا یک انسان کی حالت کو ایسا تبدیل کر دیتے ہیں کہ ایک متکبر ان سے متاثر ہوکر روتا ہوا زمین پر گر پڑتا ہے اور ایک گردن کش سخت دل کے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ یہی کَل ہے جس سے ایک غافل مردہ میں جان پڑ جاتی ہے۔ انہیں دو باتوں کے تصور سے ہر یک دل دعا کرنے کی طرف کھینچا جاتا ہے غرض یہی وہ روحانی وسیلہ ہے جس سے انسان کی روح روبخدا ہوتی ہے اور اپنی کمزوری اور امدادِ ربّانی پر نظر پڑتی ہے۔ اسی کے ذریعہ سے انسان ایک ایسے عالمِ بےخودی میں پہنچ جاتا ہے جہاں اپنی مکدر ہستی کا نشان باقی نہیں رہتا اور صرف ایک ذاتِ عظمیٰ کا جلال چمکتا ہوا نظر آتا ہے اور وہی ذات رحمت کل اور ہر یک ہستی کا ستون اور ہر یک درد کا چارہ اور ہر یک فیض کا مبدء دکھائی دیتی ہے آخر اس سے ایک صورت فنا فی اللہ کی ظہور پذیر ہو جاتی ہے جس کے ظہور سے نہ انسان مخلوق کی طرف مائل رہتا ہے، نہ اپنے نفس کی طرف، نہ اپنے ارادہ کی طرف اور بالکل خدا کی محبت میں کھویا جاتا ہے اور اس ہستی حقیقی کی شہود سے اپنی اور دوسری مخلوق چیزوں کی ہستی کالعدم معلوم ہوتی ہے۔'' [۴۹]

اٹھارہویں غرض یہ بتائی گئی تھی کہ خانہ کعبہ کے قیام کے نتیجہ میں خدائے سمیع کی معرفت دنیا حاصل کر لے گی ایک ایسی اُمت یہاں پیدا کی جائے گی جو دنیا کو خدائے سمیع سے متعارف کرائے گی اور دنیا اس حقیقت سے انکار نہ کر سکے گی کہ تضرع اور ابتہال سے دعاؤں میں مشغول رہنے والے ہی اللہ تعالیٰ کی صفت سمیع کے جلوے دیکھا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سورۂ مومن میں فرماتا ہے۔ وَ قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْۤ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ (المؤمن: ٦١) کہ تمہارا ربّ کہتا ہے کہ مجھے پکارو میں تمہاری دعا سنوں گا لیکن وہ لوگ جو تکبر کرتے ہوئے میری حقیقی عبادت سے منہ پھیر لیتے ہیں یعنی ایسی عبادت سے جسے میں

قبول کیا کرتا ہوں اور جس کے متعلق میں دوسری جگہ قرآن کریم میں کہہ چکا ہوں کہ تمہاری عبادتوں کے ساتھ تمہاری دعاؤں کا ہونا ضروری ہے اور جو لوگ تکبر سے اپنی عبادت کو عبودیت کے اس مقام پر نہیں لائیں گے میں انہیں جہنم کی سزا دوں گا اور وہ ناکامی اور میرے قہر اور غضب کی جہنم میں داخل ہوں گے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔ وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَ لْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ (البقرۃ: ۱۸۷) اے رسول! اگر میرے بندے میرے متعلق تجھ سے سوال کریں کہ خدا تعالیٰ کی ہستی کا کیا ثبوت ہے؟ اور اس کی صفات کا علم ہم کیسے حاصل کریں تو تو ان کو جواب دے کہ خدا تو تمہارے قریب ہی ہے تم اس کے دَر کو کھٹکھٹاؤ وہ تمہارے لئے کھولا جائے گا اور تم اس سے دعائیں کرو (اس کی بتائی ہوئی شرائط کے مطابق) تمہاری دعائیں قبول ہوں گی اور قبولیت دعا کے نتیجہ میں تم ذاتِ باری اور صفات باری کا علم حاصل کرو گے اور اس معرفت اور عرفان کے بعد تمہارے دل اس کی محبت میں گم ہو جائیں گے۔

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کو چاہیے وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ کہ مجھ پر ایمان لائیں میری ذات پر اور میری صفات پر، تا وہ ہدایت پائیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کے متعلق ’’برکات الدعا‘‘ میں فرماتے ہیں:۔

’’اور دعا کی ماہیت یہ ہے کہ ایک سعید بندہ اور اس کے ربّ میں ایک تعلق مُجاذبہ ہے۔ یعنی پہلے خدا تعالیٰ کی رحمانیت بندہ کو اپنی طرف کھینچتی ہے پھر بندہ کے صدق کی کششوں سے خدا تعالیٰ اس سے نزدیک ہو جاتا ہے اور دعا کی حالت میں وہ تعلق ایک خاص مقام پر پہنچ کر اپنے خواص عجیبہ پیدا کرتا ہے۔ سو جس وقت بندہ کسی سخت مشکل میں مبتلا ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف کامل یقین اور کامل امید اور کامل محبت اور کامل وفاداری اور کامل ہمت کے ساتھ جھکتا ہے اور نہایت درجہ کا بیدار ہو کر غفلت کے پردوں کو چیرتا ہوا فنا کے میدانوں میں آگے سے آگے نکل جاتا ہے، پھر آگے کیا دیکھتا ہے کہ بارگاہ الوہیت ہے اور اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں تب اس کی روح اس آستانہ پر سر رکھ دیتی ہے اور

قوتِ جذب جو اس کے اندر رکھی گئی ہے وہ خدا تعالیٰ کی عنایات کو اپنی طرف کھینچتی ہے تب اللہ جل شانہ اس کام کے پورا کرنے کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس دعا کا اثر ان تمام مبادی اسباب پر ڈالتا ہے جن سے ایسے اسباب پیدا ہوتے ہیں جو اس مطلب کے حاصل ہونے کے لئے ضروری ہیں''۔ [۵۰]

انیسواں مقصد یہ بیان ہوا تھا کہ صفتِ سمیع کے ہی نہیں بلکہ صفتِ علیم کے جلوے بھی دنیا اس اُمت کے ذریعہ دیکھے گی بعض دعاؤں کا ردّ ہو جانا یا بعض دعاؤں کا اس رنگ میں پورا نہ ہونا جس رنگ میں وہ مانگی گئی تھیں، یہ ثابت نہیں کرے گا کہ ہمارا خدا عزوجل سمیع نہیں ہے یا تمام قدرتوں اور طاقتوں کا مالک نہیں ہے بلکہ یہ ثابت کرے گا کہ جہاں وہ قادر و توانا سمیع ہے وہاں وہ علیم بھی ہے اور قبولیت دعا کا اس کی صفتِ علیم کے ساتھ بڑا گہرا تعلق ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:۔

''اور یہ بھی یاد رہے کہ دعا کرنے میں صرف تضرع کافی نہیں ہے بلکہ تقویٰ اور طہارت اور راست گوئی اور کامل یقین اور کامل محبت اور کامل توجہ اور یہ کہ جو شخص اپنے لئے دعا کرتا ہے یا جس کے لئے دعا کی گئی ہے اس کی دنیا اور آخرت کے لئے اس بات کا حاصل ہونا خلافِ مصلحتِ الٰہی بھی نہ ہو کیونکہ بسا اوقات دعا میں اور شرائط تو سب جمع ہو جاتے ہیں۔ مگر جس چیز کو مانگا گیا ہے وہ عنداللہ سائل کے لئے خلاف مصلحت الٰہی ہوتی ہے اور اس کے پورا کرنے میں خیر نہیں ہوتی۔'' [۵۱]

یہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قبولیت دعا کے لئے جن شرائط کا ذکر کیا ہے یعنی تقویٰ، طہارت، کامل یقین، کامل محبت وغیرہ یہ اس قبولیتِ دعا سے متعلق ہیں جو اصطفاء کے رنگ میں ہو لیکن جو قبولیتِ دعا ابتلا کے رنگ میں ہو اس کا ان شرائط سے تعلق نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس مضمون پر بڑی تفصیل سے بحث کی ہے اور فرمایا ہے کہ کنچنیوں کو بھی اللہ تعالیٰ سچا خواب دکھاتا ہے۔ تا کہ ان کی ہدایت کے سامان پیدا کرے تا وہ ان کے دل میں یہ خیال پیدا کرے کہ وہ اس گند سے باہر نکلیں اور پاکیزگی کے منبع اور سرچشمہ کی طرف بھاگیں اور اپنے آپ

کو پاک کرنے کی کوشش کریں۔لیکن اگر دعا کرنے والے کا دل تقویٰ کے نور سے منور نہ ہو یا اس کا سینہ پاکیزگی کی خوشبو سے خالی ہو یا اس کی زبان راست گوئی کا طریق اختیا کرنے والی نہ ہو اور اس کا دل کامل یقین اور کامل محبت سے پر نہ ہو۔اس کا ذہن کامل توجہ سے اپنے ربّ کی طرف جھکنے والا نہ ہو یا جو چیز مانگی گئی ہے وہ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ کے نزدیک اس شخص کے لئے جس کے لئے وہ مانگی گئی خیر کا موجب نہ ہوتو تمام حالتوں میں دعا کو ردّ کر دیا جاتا ہے مگر آخری صورت میں اللہ تعالیٰ کسی اور رنگ میں ایسی دعا کا انسان کو بدلہ دے دیتا ہے۔جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

''کیا یہ تسلی بخش ثبوت نہیں ہے کہ قدیم سے خدا تعالیٰ کا ایک روحانی قانون قدرت ہے کہ دعا پر حضرت احدیت کی توجہ جوش مارتی ہے اور سکینت اور اطمینان اور حقیقی خوش حالی ملتی ہے اگر ہم ایک مقصد کی طلب میں غلطی پر نہ ہوں تو وہی مقصد مل جاتا ہے اور اگر ہم اس خطا کار بچہ کی طرح جو اپنی ماں سے سانپ یا آگ کا ٹکڑا مانگتا ہے اپنی دعا اور سوال میں غلطی پر ہوں تو خدا تعالیٰ وہ چیز جو ہمارے لئے بہتر ہو عطا کرتا ہے اور باایں ہمہ دونوں صورتوں میں ہمارے ایمان کو بھی ترقی دیتا ہے کیونکہ ہم دعا کے ذریعہ سے پیش از وقت خدا تعالیٰ سے علم پاتے ہیں اور ایسا یقین بڑھتا ہے کہ گویا ہم اپنے خدا کو دیکھ لیتے ہیں اور دعا اور استجابت میں ایک رشتہ ہے کہ ابتدا سے اور جب سے کہ انسان پیدا ہوا برابر چلا آتا ہے جب خدا تعالیٰ کا ارادہ کسی بات کے کرنے کے لئے توجہ فرماتا ہے تو سنت اللہ یہ ہے کہ اس کا کوئی مخلص بندہ اضطرار اور کرب اور قلق کے ساتھ دعا کرنے میں مشغول ہو جاتا ہے اور اپنی تمام ہمت اور تمام توجہ اس امر کے ہو جانے کے لئے مصروف کرتا ہے۔تب اس مردِ فانی کی دعائیں فیوض الٰہی کو آسمان سے کھینچتی ہیں اور خدا تعالیٰ ایسے نئے اسباب پیدا کر دیتا ہے۔جن سے کام بن جائے۔'' [۵۲]

تو اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں دعا کے متعلق تین بنیادی باتیں ہمیں بتاتا ہے۔

ایک یہ کہ جب تک ہم دعا کے ذریعہ سے مقبول دعا کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کے فضل کو

جذب نہ کریں اس وقت تک اپنے اعمال پر ہم خوش نہیں ہو سکتے۔ نہیں کہہ سکتے کہ اللہ تعالیٰ ان کو قبول کرے گا بھی یا کہ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صاف اور پُرشوکت الفاظ میں ہمیں بتا دیا ہے قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ (الفرقان: ۷۸) تمہاری کیا پرواہ ہے تمہاری نیکیوں کی کیا پرواہ ہے۔ تمہارے اعمال کی کیا پرواہ ہے میرے ربّ کو، اگر دعا کے ساتھ تم اس کی طرف جھکو نہ۔

لیکن ہمیں تو اس کی پرواہ ہے اور اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ وہ ہم پر اپنی محبت کے جلوے ظاہر کرتا رہے تو ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم دعاؤں کے ذریعہ سے، ان دعاؤں کے ذریعہ سے، ان دعاؤں کے ذریعہ سے جن میں تمام شرائط دعا پائی جاتی ہوں، اس کے فضل کو جذب کرنے والے ہوں اگر ہم ایسا نہیں کریں گے تو ہمارے اعمال کی اتنی بھی قیمت نہیں جتنی کیڑی کے ایک پاؤں کی قیمت دنیا کی نگاہ میں ہے۔

دوسرے اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ اسلام نے ایسی تعلیم ہمیں عطا کی ہے کہ اگر ہم اس تعلیم کو پیش نظر رکھیں اور اسلام کی ہدایات پر عمل کریں تو ہم امید رکھ سکتے ہیں کہ ہمارا خدا جو سمیع ہے ہماری دعاؤں کو سنے گا اور قبول فرمائے گا اور ہمارے لئے اپنی رحمت کے سامان پیدا کرے گا۔

اور تیسری بات ہمیں یہ بتائی کہ خدا تعالیٰ بے شک اَلسَّمِيْعُ ہے لیکن وہ عَلِيْمٌ بھی ہے ایک انسان دنیا کو دھوکا دے سکتا ہے وہ ظاہر میں بزرگی کا جبہ پہن سکتا ہے وہ ہزار تکلف کے ساتھ اپنی بزرگی کا اعلان کر سکتا ہے لیکن اپنے ربّ کو وہ دھوکا نہیں دے سکتا۔ پس وہی شخص خدا کے نزدیک مقبول ہے اور اسی کی دعائیں قبول کی جاتی ہیں جس کے دل میں کسی قسم کا فساد اور گند اور ناپاکی نہ ہو کبر، تکبر، نخوت، خود پسندی خود رائی، اپنے آپ کو کچھ سمجھنا اور دنیا کو حقیر سمجھنا یہ باتیں نہ ہوں، بلکہ خدا تعالیٰ کے حقیقی عشق سے جو گناہ سوز ہے اس کی تمام کمزوریاں اور گناہ خاک ہو گئے ہوں اور وہ ایک پاک دل کے ساتھ اور ایک مطہر سینہ کے ساتھ اور آنسو بہانے والی آنکھ کے ساتھ اپنے ربّ کے حضور جھکنے والا ہو تب اس کی دعا کو قبول کیا جاتا ہے۔

لیکن ہمارا خدا (نعوذ باللہ) جاہل نہیں ہے کوئی چیز اس سے چھپی ہوئی نہیں ہے وہ جیسا کہ

قرآن کریم نے فرمایا ہے۔ سینوں کی باتوں کو جانتا ہے وہ جیسا کہ قرآن کریم میں بڑی وضاحت سے بیان ہوا ہے۔ جانتا ہے کہ کون متقی ہے اور کون نہیں۔ وہ جانتا ہے کہ کون ہمارا دشمن ہے اور کون دوست۔ وہ جانتا ہے کہ کس چیز میں ہماری بھلائی ہے اور کس چیز میں ہمارا نقصان ہے پس ہماری دعاؤں کو علیم ہونے کی حیثیت سے قبول کرتا ہے۔ وہ (نعوذ باللہ) بے وقوف ماں کی طرح نہیں ہے کہ اگر بچہ آگ کا انگارہ اس سے مانگے تو بعض دفعہ چڑ چڑائے پن میں وہ آگ کا انگارہ اس کے سامنے رکھ دیتی ہے اور بچے کے ہاتھ کو جلا دیتی ہے وہ ماں سے زیادہ محبت کرنے والا ہے وہ باپ سے بھی زیادہ پیار کرنے والا ہے وہ جب دعاؤں کو قبول کرنے پر آتا ہے تو انہی دعاؤں کو اور اسی رنگ میں قبول کرتا ہے جو دعائیں جس رنگ میں ہمارے فائدہ کے لئے ہیں۔

لیکن جب دعا میں جو چیز مانگی گئی ہے وہ ہمارے فائدہ کے لئے نہ ہو تو وہ اسے ردّ کر دیتا ہے اور اس کی بجائے محض اپنے فضل اور رحم سے کسی اور شکل اور کسی اور رنگ میں اپنی رحمت کو ظاہر کرتا ہے وہ بڑا ہی پیار کرنے والا وہ بڑی ہی محبت کرنے والا ربّ ہے، ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اس کے شکر گزار بندے بن کر اپنی زندگیوں کے دن گذاریں اور جماعت کے اندر اتحاد اور اتفاق کو ہمیشہ قائم رکھیں اور اس حقیقت کو کبھی نظر انداز نہ کریں کہ سب بزرگیاں اور ساری ''ولایت'' خلافت راشدہ کے پاؤں کے نیچے ہے۔ جو شخص اس سے باہر اپنے آپ کو کچھ سمجھتا ہے اس کی دعائیں اگر قبول بھی ہوں تو وہ قبولیت اصطفاء کی نہیں وہ قبولیت ابتلا اور امتحان کی ہے پس اپنے ربّ سے ڈرتے رہنا چاہیے۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۱۱؍جون ۱۹۶۷ء صفحہ ۱ تا ۵)

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اُمّتِ مُسلمہ کا قیام

خطبہ جمعہ فرمودہ ۹؍جون ۱۹۶۷ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت فرمائی۔

رَبَّنَا وَ اجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَ تُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ - رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ -(البقرة:۱۲۹، ۱۳۰)

پھر فرمایا۔

تعمیرِ کعبہ سے تعلق رکھنے والے انیس مقاصد کے متعلق میں پہلے بتا چکا ہوں بیسویں غرض وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ میں بیان ہوئی تھی اور وعدہ دیا گیا تھا کہ موعود ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی تاثیروں اور قوت قدسیہ کے نتیجہ میں اقوامِ عالم کی سعید روحیں حقیقۃً اُمّتِ مسلمہ بن جائیں گی اور عرب جو ان کے پہلے مخاطب ہوں گے ان کے سب گند دھودیئے جائیں گے اور پاک اور صاف ہوکر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے سایہ تلے اپنے خالق حقیقی اور مالک حقیقی کے دربار میں آ جمع ہوں گے اور پھر دنیا کے ہادی بنیں گے اور اُسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری

دنیا میں قائم کریں گے۔

ابراہیمی دعاؤں اور ان پیشگوئیوں کے مطابق جو پہلی کتب میں پائی جاتی تھیں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ایک اُمّتِ مسلمہ کو قائم کیا۔ جیسا کہ قرآن کریم سورۂ حج میں فرماتا ہے۔

وَ جَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ۬ مِنْ قَبْلُ وَ فِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَ تَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚۖ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِيْرُ ۔(الحج:۷۹)

یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ اپنی تمام قوت اور اپنی تمام طاقت اور اپنی تمام استعداد کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرو اور اس کوشش اور جہاد کو اپنے کمال تک پہنچاؤ (حَقَّ جِهَادِهٖ) اس کے حق کو پورا کرو کیونکہ اس نے تمہیں مجتبیٰ بنایا ہے اور تمہیں بزرگی بخشی ہے اور کامل دین تمہیں دیا ہے۔ بہترین احکام تمہارے لئے نازل کئے ہیں اور ان احکام کی پیروی کرنے کے لئے جن قوتوں اور طاقتوں کی ضرورت تھی وہ بھی ساتھ ہی تمہیں عطا کی گئی ہیں۔ اس لئے ان حکام کی پیروی کرنے سے تم پر کوئی بوجھ نہیں پڑتا تمہارے باپ ابراہیم کی ملت! اللہ نے تمہیں اَلْمُسْلِمِيْنَ کا نام دیا ہے۔ اُمت مسلمہ قرار دیا ہے تمہارے متعلق یہ نام پہلی کتب میں بھی استعمال ہوا تھا اور قرآن کریم بھی تمہیں اُمَّةً مُّسْلِمَةً ۔ اَلْمُسْلِمِيْنَ کے نام سے یاد کرتا ہے اور یہ نام ان دعاؤں کے نتیجہ میں ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی تھیں کہ ایک اُمّتِ مسلمہ دنیا میں قائم کی جائے (اس افضل الرسل کی بعثت کے ساتھ) اور ان کی اولاد بھی اُمّتِ مسلمہ میں شامل ہو پس خانہء کعبہ کے مقاصد کے ساتھ تعلق رکھنے والی جو آیات ہیں ان میں وَ مِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ کی جو دعا تھی۔ قرآن کریم سورۂ حج کی اس آیت میں یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ دعا قبول ہوگئی اور جو پیشگوئیاں پہلی کتب میں دی گئی تھیں ان کے پورا ہونے کا وقت آ گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہو چکے ہیں اور اُمّتِ مسلمہ قائم ہوگئی ہے اور اس لئے قائم ہوئی

ہے کہ انسان کے اندر جو روحانی اور اخلاقی قوتیں اور استعدادیں اور طاقتیں ودیعت کی گئی تھیں ان کے اظہار کا وقت آ گیا ہے۔ اب دنیا یہ دیکھے گی کہ انسان اپنے ربّ کی راہ میں اپنی طاقتوں کو کس طرح خرچ کرتا ہے اور اپنی استعدادوں کو وہ اپنے کمال تک کس طرح پہنچاتا ہے۔

اسلام کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کے سامنے، اپنے ربّ کے سامنے اپنی گردن کو قربان کرنے کے لئے رکھ دینا۔ اپنے تمام ارادوں کو چھوڑ کر اپنی تمام خواہشوں کو چھوڑ کر خدا کی رضاء پر راضی رہنے کے لئے ہر وقت تیار رہنا یعنی اپنا کچھ بھی باقی نہ رہے سب کچھ خدا کو دے دیا جائے اور پھر خدا سے ایک نئی زندگی حاصل کر کے ایک خیر اُمت کی شکل میں اس دنیا میں زندگی کے دن گزارے جائیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس مضمون کے متعلق فرماتے ہیں۔

''اور اصطلاحی معنے اسلام کے وہ ہیں جو اس آیت کریمہ میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی یہ کہ بَلٰی ۚ مَنۡ اَسۡلَمَ وَجۡهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحۡسِنٌ فَلَهٗۤ اَجۡرُهٗ عِنۡدَ رَبِّهٖ ۪ وَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ (البقرۃ: ۱۱۳) یعنی مسلمان وہ ہے جو خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنے تمام وجود کو سونپ دیوے۔ یعنی اپنے وجود کو اللہ تعالیٰ کے لئے اور اس کے ارادوں کی پیروی کے لئے اور اس کی خوشنودی کے حاصل کرنے کے لئے وقف کر دیوے اور پھر نیک کاموں پر خدا تعالیٰ کے لئے قائم ہو جائے اور اپنے وجود کی تمام عملی طاقتیں اس کی راہ میں لگا دیوے۔ مطلب یہ ہے کہ اعتقادی اور عملی طور پر محض خدا تعالیٰ کا ہو جاوے۔ ''اعتقادی'' طور پر اس طرح سے کہ اپنے تمام وجود کو درحقیقت ایک ایسی چیز سمجھ لے جو خدا تعالیٰ کی شناخت اور اس کی اطاعت اور اس کے عشق اور محبت اور اس کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے بنائی گئی ہے اور ''عملی'' طور پر اس طرح سے کہ خالصۃً للہ حقیقی نیکیاں جو ہر ایک قوت سے متعلق اور ہر یک خداداد توفیق سے وابستہ ہیں بجالاوے۔ مگر ایسے ذوق وشوق وحضور سے کہ گویا وہ اپنی فرماں برداری کے آئینہ میں اپنے معبود حقیقی کے چہرہ کو دیکھ رہا ہے۔'' [۵۳]

اکیسواں مقصد اَرِنَا مَنَاسِکَنَا میں بیان ہوا تھا اور بتایا گیا تھا کہ اس نبیٔ موعود پر ایک ایسی شریعت

نازل ہوگی جو انسانی فطرت کے سب سچے اور حقیقی تقاضوں کو پورا کرنے والی ہوگی۔ ہر استعداد اس سے فیض یاب ہوگی اور ہر فطرتِ صحیحہ اپنے ظرف کے مطابق اس سے حصہ لے گی ہر زمانہ کے مناسب حال، ہر قوم کے مناسب حال، ہر فرد کی استعداد کے مناسب حال اس میں تعلیم موجود ہوگی اور موجود رہے گی۔

اَلْمَنَاسِكُ، اَلْمَنْسَكُ اور اَلْمُنْسِكُ کی جمع ہے۔ اس کے معنی ہیں زہد وعبادت، وہ کام جو حصول قرب الٰہی کے لئے کئے جاتے ہیں۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا اَرِنَا الْمَنَاسِكَ عبادت کے کامل طریق ہمیں بتا بلکہ یہ فرمایا ہے اَرِنَا مَنَاسِكَنَا ہمارے مناسب حال جو کامل طریق عبادت کے ہیں وہ ہمیں سکھا اور یاد رہے کہ صرف قرآنی شریعت ہی ایسی ہے جس میں یہ گنجائش موجود ہے پہلی شرائع میں یہ گنجائش موجود نہیں تھی جب اُمّتِ مسلمہ کا وجود قائم ہوگیا اور قرآن کریم کی شریعت ان پر نازل ہو چکی۔ تب اَرِنَا مَنَاسِكَنَا کی دعائے ابراہیمی قبول ہوئی تو اَرِنَا مَنَاسِكَنَا میں یہ دعا کی گئی ہے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں موقعہ اور محل کے مطابق احسن عمل کے انتخاب کی ہمیں توفیق عطا کر چنانچہ قرآن کریم نے بہت زور دیا ہے اس بات پر کہ قرآنی تعلیم کے مختلف پہلو ہوتے ہیں یعنی ہر حکم کے مختلف پہلو ہوتے ہیں، جو قرآن کریم نے دیا ہے تو جو پہلو موقعہ اور محل اور تمہاری اپنی استعداد کے مطابق ہے اس پہلو سے اس عمل کو اختیار کرو۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ بعض لوگ اپنی استعداد سے بڑھ کر عبادتوں میں مجاہدہ کا رنگ اختیار کرتے ہیں، بہت لمبا عرصہ روزے رکھتے ہیں یا نیند کو بہت کم کر دیتے ہیں۔ حالانکہ ان کے جسم اس کی برداشت نہیں کر سکتے اور نتیجہ اس کا یہ نہیں نکلتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قرب کو حاصل کرلیں بلکہ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ پاگل ہو جاتے ہیں یا ان کو بعض اور عوارض لاحق ہو جاتے ہیں کسی کو سل ہو جاتی ہے دق ہو جاتی ہے بعض اور بیماریاں ہیں جو ان کو لگ جاتی ہیں۔

دعا یہاں یہ سکھائی گئی ہے وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا ہر قوم ہر زمانہ کے لحاظ سے اور پھر ہر قوم اور ہر زمانہ کے ہر فرد کے لحاظ سے جو مناسب عبادتیں اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کے جو

مناسب طریق ہیں وہ ہمیں سکھا تا کہ ہم ہر قسم کی بیماری سے اور ضعف سے اور لغزش سے اور بد دلی سے محفوظ ہو جائیں اور تیرے قرب کو حاصل کر لیں۔

اَحۡسَنُ پر، یعنی جو بہتر پہلو ہے اس کے اختیار کرنے کی طرف بڑے زور سے اور بڑی کثرت سے قرآن کریم نے توجہ دلائی ہے مثلاً فرمایا ہے جَادِلۡهُمۡ بِالَّتِیۡ هِیَ اَحۡسَنُ (النحل: ۱۲۶) دوسرے کے ساتھ تبادلہ خیالات کرتے ہوئے تم مختلف پہلوؤں کو اختیار کر سکتے ہو تو جو اَحۡسَنُ پہلو ہے اس کو اختیار کرو ایک شخص ہے جو محبت سے بات سننے کے لئے تیار ہو جاتا ہے تم اسے ڈراؤ نہیں۔ ایک موقعہ ایسا آتا ہے کہ مخالف سمجھتا ہے کہ اگر میں نے ان کو فساد کی طرف آمادہ کر لیا تو ان کو نقصان ہوگا ہمیں فائدہ ہوگا اس وقت ایک احمدی کا فرض ہے کہ قرآن کریم کے اس حکم کے مطابق امن کی فضا کو قائم رکھنے کے لئے انتہائی کوشش کرے اور جَادِلۡهُمۡ بِالَّتِیۡ هِیَ اَحۡسَنُ میں جو احسن طریق اختیار کرنے کا حکم ہے اس پر عمل پیرا ہو، تا امن میں رخنہ نہ پیدا ہو۔ بہت سے احکام میں اللہ تعالیٰ نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ کئی طریقے اختیار کئے جا سکتے ہیں ایک حکم کی بجا آوری میں۔ تو جو احسن طریق ہے اس کو تم اختیار کرو۔ اصولاً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَ اتَّبِعُوۡۤا اَحۡسَنَ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکُمۡ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ (الزمر: ۵۶) قرآن کریم کی کامل اور مکمل شریعت تم پر اُتاری گئی ہے اور تمہیں حکم یہ دیا جاتا ہے کہ وَ اتَّبِعُوۡۤا اَحۡسَنَ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکُمۡ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ تمہارے ربّ نے جو تمہاری ربوبیت کرنا چاہتا ہے اپنی اس صفت کے تقاضا سے ایک ایسی شریعت نازل کی ہے جو مختلف پہلو رکھتی ہے اور ہر آدمی، ہر فرد، ہر قوم، ہر زمانہ کی ربوبیت کا تقاضا یہ ہے کہ مختلف پہلوؤں سے اس پر عمل کیا جا سکے تو ہر پہلو اس کے اندر آ گیا ہے اس شریعت کا نزول ربّ کریم کی طرف سے ہے اس لئے قیامت تک محفوظ ہے جو احسن طریق ہے اس کو تم اختیار کرو اور ہر حکم کو اس احسن طریق پر بجا لاؤ جو تمہارے مطابق حال ہو، جو زمانہ کے مناسب حال ہو۔ جس کے نتیجہ میں تمہارے قویٰ اور تمہاری استعدادیں صحیح نشوونما اور ربوبیت کو حاصل کر سکیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ ایک دوسری آیت میں فرماتا ہے فَبَشِّرۡ عِبَادِ۔ الَّذِیۡنَ یَسۡتَمِعُوۡنَ الۡقَوۡلَ فَیَتَّبِعُوۡنَ اَحۡسَنَهٗ (الزّمر: ۱۸، ۱۹) کہ میرے ان بندوں کو جو (اَلۡقَوۡلَ) اس بہترین شریعت کو

سنتے ہیں فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اس میں جو احکام انہیں سنائے جاتے ہیں ان میں سے وہ اَحْسَنَ کی پیروی کرتے ہیں ان کو تم بشارت دو، اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ (الزّمر:۱۹) کہ اللہ تعالیٰ ان کی ہدایت کے سامان کرے گا اور اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں یہی لوگ اُولُوا الْاَلْبَابِ (الزّمر:۱۹) ہوں گے عقلمند سمجھے جائیں گے اس میں یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اُولُوا الْاَلْبَابِ میں اس لئے شامل کیا ہے اور عقل اس لئے دی ہے کہ وہ اس کو اسلامی شریعت کے احکام کی بجا آوری میں استعمال کرے اور اگر وہ اپنی عقل سے کام لے اور موقع کو پہچانے اور محل کی شناخت رکھتا ہو مثلاً اگر کسی سے تبادلۂ خیال کرے تو اس کی سائیکلوجی کو وہ پہچانے اور اپنی عقل سے وہ فیصلہ کرے کہ اس رنگ میں میں بات کروں گا تو میری بات کا میرے مخاطب پر اثر ہوگا۔

پس یہاں بڑی وضاحت سے اللہ کے ان بندوں کو بشارت دی گئی ہے جو قرآن کریم کی شریعت کو سنتے اور اَحْسَنْ پر عمل کرتے ہیں۔ بشارت ان لوگوں کو نہیں دی گئی جو قرآن کریم کو سنتے اپنی عقل کو کام میں نہیں لاتے اور اَحْسَنْ کی بجائے کسی اور پہلو کو اختیار کرتے ہیں۔ پس ایسے بندوں کو اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ھدایۃ کی بشارت نہیں دیتا، انجام بخیر ہونے کی بشارت نہیں دیتا تو یہاں ایک معنی یہ ہوں گے کہ میرے وہ بندے جو اَلْقَوْلُ کو سنتے اور ان میں سے اَحْسَنْ کی پیروی کرتے ہیں ان کا انجام بخیر ہوگا جو ایسا نہیں کرتے ان کا انجام بخیر نہیں ہوگا۔

بائیسواں مقصد تُبْ عَلَيْنَا میں بیان ہوا تھا اور اس میں اشارتاً بیان کیا گیا تھا کہ جو آخری شریعت یہاں نازل ہوگی اس کا گہرا تعلق رَبِّ تَوَّاب سے ہوگا اور اس کے پیرو، اس کے متبعین اس بنیادی حقیقت کو پہچانیں گے کہ توبہ اور استغفار کے بغیر، معرفت الٰہی اور رضاء الٰہی کا حصول ممکن نہیں، پس جہاں وہ بار بار اس کی راہ میں قربانیاں دیں گے وہاں وہ بار بار استغفار کے ساتھ اس سے قوت حاصل کریں گے اور توبہ کے ساتھ اس کی طرف رجوع بھی کرنے والے ہوں گے، اپنی کوشش اور مجاہدہ اور قربانیوں کو رخنہ سے خالی اور خطا سے مبرا نہ سمجھیں گے۔

تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ کے معنی ہیں قَبِلَ تَوْبَتَهٗ مِنْهُ کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے بندہ کی جو توبہ کرنے والا ہے توبہ کو قبول کرلیا۔ یہاں یہ دعا ہے وَتُبْ عَلَيْنَا اور بتایا گیا ہے کہ اس حقیقت کو جو

توبہ اور استغفار کے اندر پائی جاتی ہے صحیح طور پر اور حقیقی معنی میں وہ اُمت سمجھنے والی ہوگی اور ان کو ایک ایسی شریعت دی جائے گی جو ان باتوں کو کھول کر بیان کرے گی۔

شرع میں اور اسلامی اصطلاح میں توبہ کے معنی میں چار باتیں پائی جاتی ہیں:۔

(۱) گناہ کو ترک کر دینا۔ مثلاً جس شخص کو جھوٹ کی عادت ہو وہ ایک گناہ کر رہا ہے تو جھوٹ کو چھوڑ دینے کا نام توبہ ہے۔ یہ اس کا ایک پہلو ہے۔

(۲) یہ کہ گناہ پر ندامت کا احساس پیدا ہو جانا۔ ہر آدمی ہر وقت تو جھوٹ نہیں بولتا لیکن ایک شخص ایک لمبے عرصہ تک جھوٹ نہیں بولتا مثلاً چھ مہینے اس نے کوئی جھوٹ نہیں بولا تو ترکِ گناہ تو ہوا (اس چھ ماہ میں) لیکن توبہ نہیں کیونکہ ترک گناہ کے علاوہ توبہ میں گناہ پر ندامت کے احساس کا پیدا ہو جانا بھی ضروری ہے۔

(۳) یہ کہ عزم یہ ہو کہ میں اس گناہ کی طرف لوٹوں گا نہیں، پورے عزم کے ساتھ گناہ کو چھوڑنے والا ہو اور

(۴) یہ کہ بعض گناہ ایسے ہوتے ہیں جن کا تدارک بھی کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً کسی کے سو روپے مارے ہوئے ہیں تو توبہ کے صرف یہ معنی نہیں ہوں گے کہ آئندہ لوگوں کا مال مارنے سے توبہ کر لی احساسِ ندامت کے ساتھ اور اس عزم کے ساتھ کہ میں کبھی بھی ایسے گناہ کی طرف نہیں لوٹوں گا لیکن قوت ہونے کے باوجود وہ سو روپیہ ادا نہ کرے حالانکہ وہ اتنا غریب نہیں کہ سو روپیہ ادا نہ کر سکے تو پھر بھی وہ توبہ نہیں ہے۔

ان ہر چہار باتوں کے کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے پیدا کرنے والے سے قوت حاصل کریں کیونکہ گناہ کا چھوڑنا خدا تعالیٰ سے حاصل کردہ قوت کے بغیر ممکن نہیں۔ گناہ پر ندامت کے احساس کا پیدا ہونا اس کی توفیق کے بغیر ناممکن ہے باقی رہا عزم! تو انسان کے اندر کیسے یہ ہمت ہو سکتی ہے کہ وہ یہ دعویٰ کرے کہ میں اللہ تعالیٰ کی طاقت کے بغیر، اللہ تعالیٰ سے طاقت حاصل کئے بغیر یہ عزم کر سکتا ہوں، پختہ ارادہ کر سکتا ہوں کہ آئندہ کوئی گناہ نہیں کروں گا۔ پس اس کے لئے بھی خدا تعالیٰ کی توفیق کی ضرورت ہے۔ اور جس حد تک ممکن ہو تدارک کرنا، اس کے لئے

بھی اللہ تعالیٰ سے قوت اور طاقت حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔

تو یہ طاقتیں اور قوتیں استغفار کے ذریعہ سے حاصل کی جاتی ہیں۔خدا کا بندہ اپنے ربّ کو تمام طاقتوں اور قوتوں کا سرچشمہ سمجھتا ہے اور اپنے اندر کوئی اپنی طاقت اور قوت نہیں پاتا اور نہ دیکھتا ہے اس لئے ہر کام کے کرنے سے پہلے وہ اپنے ربّ کی طرف رجوع کرتا اور استغفار کرتا ہے اور اپنے ربّ سے کہتا ہے کہ اے خدا جو تمام طاقتوں کا سرچشمہ ہے اور تمام قوتوں کا منبع ہے مجھے وہ قوتیں اور طاقتیں اور استعدادیں عطا کر کہ میں برائیوں کو کلیۃً چھوڑ دوں اور نیکیوں پر حقیقتاً قائم ہو جاؤں۔تو اس معنی میں پہلے استغفار ہے اور بعد میں توبہ۔توبہ استغفار کے بغیر ممکن ہی نہیں۔اس مضمون پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بڑی بسط سے روشنی ڈالی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

”استغفار اور توبہ دو چیزیں ہیں ایک وجہ سے استغفار کو توبہ پر تقدم ہے کیونکہ استغفار مدد اور قوت ہے جو خدا سے حاصل کی جاتی ہے اور توبہ اپنے قدموں پر کھڑا ہونا ہے۔عادۃ اللہ یہی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ سے مدد چاہے گا تو خدا تعالیٰ ایک قوت دے دے گا اور پھر اس قوت کے بعد انسان اپنے پاؤں پر کھڑا ہو جاوے گا۔اور نیکیوں کو کرنے کے لئے اس میں ایک قوت پیدا ہو جاوے گی۔جس کا نام تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ہے۔اس لئے طبعی طور پر بھی یہی ترتیب ہے غرض اس میں ایک طریق ہے جو سالکوں کے لئے رکھا ہے کہ سالک ہر حالت میں خدا سے استمداد چاہے سالک جب تک اللہ تعالیٰ سے قوت نہ پائے گا کیا کر سکے گا؟ توبہ کی توفیق استغفار کے بعد ملتی ہے اگر استغفار نہ ہو تو یقیناً یاد رکھو کہ توبہ کی قوت مر جاتی ہے۔پھر اگر اس طرح پر استغفار کرو گے اور پھر توبہ کرو گے تو نتیجہ یہ ہوگا يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ (ھود:۴) سنت اللہ اسی طرح پر جاری ہے کہ اگر استغفار اور توبہ کرو گے تو اپنے مراتب پالو گے ہر ایک شخص کے لئے ایک دائرہ ہے جس میں وہ مدارج ترقی کو حاصل کرتا ہے۔“ [۵۴]

آپؑ نے فرمایا کہ اپنے اپنے دائرہ کے اندر رہتے ہوئے جس حد تک تمہارے لئے ممکن

ہے روحانی رفعتوں کو حاصل کرو اور استغفار اور توبہ کے ذریعہ سے ان کو حاصل کر لو۔

دوسری جگہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

’’اس تمام تفصیل سے ظاہر ہے کہ استغفار کی درخواست کے اصل معنی یہی ہیں کہ وہ اس لئے نہیں ہوتی کہ کوئی حق فوت ہو گیا ہے بلکہ اس خواہش سے ہوتی ہے کہ کوئی حق فوت نہ ہو اور انسانی فطرت اپنے تئیں کمزور دیکھ کر طبعاً خدا سے طاقت طلب کرتی ہے............ اور یہ اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ انسان اعلیٰ درجہ کے مقام عصمت پر اور مرتبۂ شفاعت پر تب ہی پہنچ سکتا ہے کہ جب اپنی کمزوری کے روکنے کے لئے اور نیز دوسروں کو گناہ کی زہر سے نجات دینے کے لئے ہر دم اور ہر آن دعا مانگتا رہتا ہے اور تضرعات سے خدا تعالیٰ کی طاقت اپنی طرف کھینچتا ہے اور پھر چاہتا ہے کہ اس طاقت سے دوسروں کو بھی حصہ ملے جو بوسیلہ ایمان اس سے پیوند پیدا کرتے ہیں معصوم انسان کو خدا سے طاقت طلب کرنے کی اس لئے ضرورت ہے کہ انسانی فطرت اپنی ذات میں تو کوئی کمال نہیں رکھتی بلکہ ہر دم خدا سے کمال پاتی ہے اور اپنی ذات میں کوئی قوت نہیں رکھتی بلکہ ہر دم خدا سے قوت پاتی ہے اور اپنی ذات میں کوئی کامل روشنی نہیں رکھتی بلکہ خدا سے اُس پر روشنی اُترتی ہے اس میں اصل راز یہ ہے کہ کامل فطرت کو صرف ایک کشش دی جاتی ہے تا کہ وہ طاقت بالا کو اپنی طرف کھینچ سکے۔ مگر طاقت کا خزانہ محض خدا کی ذات ہے اسی خزانہ سے فرشتے بھی اپنے لئے طاقت کھینچتے ہیں اور ایسا ہی انسان کامل بھی اسی سر چشمۂ طاقت سے عبودیت کی نالی کے ذریعہ سے عصمت اور فضل کی طاقت کھینچتا ہے...... پس استغفار کیا چیز ہے؟ یہ اس آلہ کی مانند ہے جس کی راہ سے طاقت اُترتی ہے تمام رازِ توحید اسی اصول سے وابستہ ہے کہ صفت عصمت کو انسان کی ایک مستقل جائداد قرار نہ دیا جائے بلکہ اس کے حصول کے لئے محض خدا کو سر چشمہ سمجھا جائے۔‘‘ ۵۵

جب اللہ تعالیٰ کی حفاظت حاصل ہو جاتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ سے انسان طاقت حاصل کر لیتا ہے، تب وہ توبہ کی توفیق پاتا ہے اور تب اللہ تعالیٰ کے حضور اس کی توبہ قبول ہوتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی لئے فرماتے ہیں:۔

’’پس اُٹھو! اور توبہ کرو اور اپنے مالک کو نیک کاموں سے راضی کرو اور یاد رکھو کہ اعتقادی غلطیوں کی سزا تو مرنے کے بعد ہے اور ہندو یا عیسائی یا مسلمان ہونے کا فیصلہ تو قیامت کے دن ہوگا لیکن جو شخص ظلم اور تعدی اور فسق و فجور میں حد سے بڑھتا ہے اس کو اسی جگہ سزا دی جاتی ہے تب وہ خدا کی سزا سے کسی طرح بھاگ نہیں سکتا سو اپنے خدا کو جلد راضی کرلو اور قبل اس کے کہ وہ دن آوے............تم خدا سے صلح کرلو۔ وہ نہایت درجہ کریم ہے ایک دم کے گداز کرنے والی توبہ سے ستّر برس کے گناہ بخش سکتا ہے اور یہ مت کہو کہ توبہ منظور نہیں ہوتی۔ یاد رکھو کہ تم اپنے اعمال سے کبھی بچ نہیں سکتے۔ ہمیشہ فضل بچاتا ہے نہ اعمال۔ اے خدائے کریم و رحیم! ہم سب پر فضل کر کہ ہم تیرے بندے اور تیرے آستانہ پر گرے ہیں۔ آمین‘‘۔ ۵۶

آج مجھے گرمی کی وجہ سے تکلیف رہی ہے اور یہاں مسجد میں بھی بڑی گرمی ہے دوستوں کو بھی لمبے خطبہ سے تکلیف ہوگی اس لئے آج میں صرف اسی پر بس کرتا ہوں اور باقی مضمون اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کے فضل سے آئندہ خطبہ میں بیان کروں گا۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۱۸؍جون ۱۹۶۷ء صفحہ ۱ تا ۴)

تعمیرِ بیت اللہ کے تمام مقاصد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ذریعہ پورے ہوں گے

خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۶؍ جون ۱۹۶۷ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

کل قریباً سارا دن شدید دردِ سر کا دورہ رہا اور اس وقت میں کافی ضعف محسوس کر رہا ہوں لیکن میں چاہتا ہوں کہ جن تیئیس مقاصد کے متعلق (جن کا تعلق بیت اللہ سے ہے) میں نے سلسلہ خطبات شروع کیا ہے اس کو جاری رکھوں اور جو آخری غرض اور مقصد بیان ہونا رہ گیا تھا اس کے متعلق آج کے خطبہ میں اپنے خیالات کا اظہار کروں۔

تعمیر بیت اللہ کی تیئیسویں غرض رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۔(البقرۃ:۱۳۰) میں بیان ہوئی تھی اور اس آیت میں بتایا گیا تھا کہ ایک ایسا نبی یہاں مبعوث کیا جائے گا جو قیامت تک زندہ رہے گا اور اپنے فیوض کے ذریعہ اور افاضۂ روحانی کی وجہ سے اس پر کبھی موت وارد نہ ہوگی، ہمیشہ کی زندگی اس کو عطا کی جائے گی اور اسے ایک ایسی شریعت دی جائے گی جو ہمیشہ رہنے والی ہوگی، منسوخ نہیں ہوگی کیونکہ وہ اَلْكِتَابُ (ایک کامل اور مکمل شریعت) ہوگی اور ایک ایسی امت پیدا کی جائے گی جو بصیرت پر قائم ہوگی۔ حکمت انہیں سمجھائی جائے گی اور دلائل انہیں عطا کئے جائیں

گے اور زندہ خدا اور زندہ نبی اور زندہ شریعت سے ان کا تعلق ہوگا۔

یہ مقصد بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پورا ہوا ہے جیسا کہ خود قرآن کریم نے اس کا دعویٰ کیا ہے جس پر میں ابھی روشنی ڈالوں گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

”دیکھو! ابراہیم علیہ السلام نے ایک دعا کی تھی کہ اس کی اولاد میں سے عرب میں ایک نبی ہو۔ پھر کیا وہ اسی وقت قبول ہوگئی؟ ابراہیمؑ کے بعد ایک عرصہ دراز تک کسی کو خیال بھی نہیں آیا کہ اس دعا کا کیا اثر ہوا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی صورت میں وہ دعا پوری ہوئی اور پھر کس شان کے ساتھ پوری ہوئی۔“ ۵۷

اس آیۃ کریمہ میں پانچ باتوں کا ذکر ہے:۔

اوّل:۔ عبد کامل کے ظہور کا۔

دوسرے:۔ آیات بینات کے لامتناہی سلسلہ کا۔

تیسرے:۔ کامل شریعت کے نزول اور قیامت تک اس کے قائم رہنے کا۔

چوتھے:۔ احکام شریعت کی حکمت بیان کرنے کا اور

پانچویں:۔ یہ بتایا گیا ہے کہ اس کے نتیجہ میں قدوسیوں کی ایک جماعت قیامت تک پیدا ہوتی رہے گی۔

قرآن کریم کے متعدد مقامات پر یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ ان ابراہیمی دعاؤں کے نتیجہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی ہے۔ اس وقت میں سورۂ نمل کی چند آیات اپنے دوستوں کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِيْ حَرَّمَهَا وَ لَهٗ كُلُّ شَيْءٍ وَّ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔ وَ اَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ وَ مَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ۔ وَ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا وَ مَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ۔ (النمل: ۹۲ تا ۹۴)

جب ہم اس بات کا جو پہلی آیت میں بیان ہوئی ہے (یعنی رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ) تجزیہ کرتے ہیں اور سیاق وسباق کو سامنے رکھ کر اور ضمیر کو ظاہر کر کے دیکھتے ہیں تو اس کے یہ معنی ہماری سمجھ میں آتے ہیں کہ ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام کی دعا رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ کا یہ مفہوم ہے کہ اے ابراہیم اور اسمٰعیل کے ربّ جن کے ذریعہ سے تو نے از سر نو تعمیر کعبہ کروائی ہے اور اپنے معزز گھر کی حرمت کا اعلان کیا ہے تو اس بیت حرام میں رہنے والوں میں سے ایک عظیم روح کو کھڑا کر۔ اس کو اپنی ربوبیت میں لے۔ اسے مصطفی اور مجتبیٰ بنا اور اپنے انتہائی قرب سے اس کو نواز اور ایک کامل اور مکمل شریعت دے کر اپنے رسول اور کامل مقتدا کی حیثیت میں اسے دنیا کی طرف بھیج تا وہ بنی نوع انسان کو اللہ ربّ العالمین کی طرف بلائے اور توحید خالص پر انہیں قائم کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو قبول فرمایا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے دنیا میں یہ منادی کروائی

اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِيْ حَرَّمَهَا

ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام کی دعا قبول ہوئی اور مجھے ربّ العالمین نے حکم دیا ہے کہ میں اس بلدِ حرام، اس بیت اللہ کے ربّ کی عبادت کو اپنے کمال تک پہنچا کر ایک عبد کامل کی شکل میں ظاہر ہو کر بنی نوع انسان کو اللہ، ربّ کعبہ، ربّ بلدِ حرام کی طرف بلاؤں۔ اس ہستی کی طرف (وَلَهٗ كُلُّ شَيْءٍ) جو کامل قدرتوں والی ہے اور تمام اسمائے حسنیٰ سے متصف ہے۔ جو چاہتی ہے وہ ہستی کرتی ہے دنیا کی کوئی طاقت اس کے مقابل نہیں ٹھہر سکتی اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اَلْمُسْلِمُوْنَ کے گروہ میں شامل ہو کر ایک مسلم کا کامل نمونہ دنیا کے سامنے پیش کروں۔ غرض وہاں ابراہیمؑ اور ان کی نسل کے منہ سے یہ دعا نکلوائی اور قرآن کریم نے اسے محفوظ کیا اور یہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے دنیا میں یہ منادی کروائی کہ اس بلدِ حرام کے ربّ کی عبادت کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور ابراہیمی دعاؤں کے نتیجہ میں مَیں آج دنیا کی ہدایت کے لئے کھڑا ہوں۔

دوسری اور تیسری اور چوتھی بات جو یہاں بیان ہوئی تھی، وہ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ میں بیان ہوئی تھی یعنی ایک عبد کامل ظاہر ہوگا اور عبد کامل کے ظہور کے ساتھ دنیا

آیاتِ بینات کا ایک لامتناہی سلسلہ مشاہدہ کرنے لگے گی۔ وہ اَلْکِتٰبَ کی تعلیم دے گا اور جو احکام وہ اس کامل اور مکمل کتاب سے بیان کرے گا ان کی حکمت بھی ساتھ ہی ساتھ انہیں بتائے گا دیکھو وَ اَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ میں یہ تینوں باتیں پائی جاتی ہیں آیات کا بیان کرنا کتاب کا سکھانا اور حکمت اور وجوہ کے متعلق تفصیلی روشنی ڈالنا۔ یہ تینوں چیزیں جو اس دعا میں شامل تھیں وہ اَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ میں پائی جاتی ہیں کیونکہ قرآن کریم کے محاورہ میں تلاوت کا لفظ آیات کے بیان کرنے اور ان کے سیکھنے اور سکھانے اور ان سے اثر قبول کرنے اور ان کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالنے کے متعلق بھی بولا جاتا ہے اور کتاب اور اس کی حکمت کو پڑھنے، سنانے اور اس پر عمل کرنے اور کروانے کے لئے بھی بولا جاتا ہے مفردات راغب میں تِلَاوَۃٌ کے لغوی معنی یہ کئے گئے ہیں کہ

اَلتِّلَاوَۃُ تَخْتَصُّ بِاِتِّبَاعِ کُتُبِ اللّٰہِ الْمُنَزَّلَۃِ تَارَۃً بِالْقِرَآءَ ۃِوَتَارَۃً بِالْاِرْتِسَامِ لِمَا فِیْھَا مِنْ اَمْرٍ وَّنَھْیٍ وَتَرْغِیْبٍ وَتَرْھِیْبٍ۔

کہ تلاوت خاص طور پر مخصوص ہے اس معنی کے ادا کرنے میں کہ ان کتب کی اتباع کی جائے جو آسمان سے نازل ہوتی ہیں اور یہ اتباع دو طریق سے ہوتی ہے، قراءت کے ساتھ اور احکام پر عمل پیرا ہو کر (حکم کو تسلیم کرتے ہوئے اس کے اندر جو اَوامر و نواہی ہیں ان پر عمل پیرا ہونا بھی تلاوت کے اندر شامل ہے) اور ترغیب و ترہیب کے ذریعہ سے وہ کتاب جو اثر ڈالنا چاہتی ہے اس اثر کو قبول کرے یعنی جو حکمتیں بیان کی گئی ہوں ان حکمتوں سے متاثر ہونا یہ معنی بھی تلاوت کے اندر پائے جاتے ہیں۔

قرآن کریم میں سورۂ انفال میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا (الانفال:۳)

یعنی کہ مومن وہ ہیں کہ جب آیاتِ آسمانی ان پر تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کی زیادتیٔ ایمان کا باعث بنتی ہیں۔ میں یہاں یہ بتا رہا ہوں کہ آیات کے متعلق بھی تلاوت کا لفظ قرآن کے محاورہ میں استعمال ہوا ہے اسی طرح کتاب کے پڑھنے اور جو کچھ اس میں بیان کیا گیا ہے اس پر عمل کرنے اور دنیا کے لئے اپنا اسوہ پیش کرنے کے متعلق بھی تلاوت کا لفظ استعمال ہوا ہے جیسا کہ

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:۔اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ (العنکبوت:۴۶) کہ اپنے ربّ کی کتاب میں سے جو وحی تیرے پر نازل ہو رہی ہے (وحی کا سلسلہ اس وقت جاری تھا) اس کی تلاوت کر، یعنی اس پر عمل پیرا ہو اور اسے پڑھ (آدمی جو کچھ پڑھتا ہے وہ دوسروں کو سنانے کے لئے بھی پڑھتا ہے اور اپنے لئے بھی اور چونکہ پہلے مخاطب اس کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔اسی لئے اس کے معنی یہ ہوں گے کہ عمل پیرا ہو کر ان لوگوں کے لئے قابل تقلید نمونہ بن جا) انبیاء علیہم السلام کے متعلق قرآن کریم نے ہمیشہ یہ فرمایا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کا دعویٰ اور ندا یہی ہوتی ہے کہ میں اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ہوں یعنی سب سے پہلے میں ہی ان احکام اور نواہی پر عمل کرنے والا ہوں، میں اپنی گردن خدا کے حکم کے نیچے رکھتا ہوں اور اس رنگ میں تمہارے لئے بطور قائد کے ایک نمونہ پیش کرتا ہوں میں یہ نہیں کہتا کہ یہ راستہ اللہ تک پہنچاتا ہے تم اس پر چلو میں یہ کہتا ہوں کہ یہ راستہ خدا کی طرف پہنچانے والا ہے، میں اس پر چل رہا ہوں میرے پیچھے پیچھے آؤ تا کہ تم بھی خدا تک پہنچ جاؤ۔پس لغوی معنی کے لحاظ سے علم و عمل سے اس کی اتباع کرنا مفردات راغب کے نزدیک تلاوت کے معنی میں شامل ہے، علم سے اتباع کرنا حکمت کی باتیں بتا کر اور عمل سے اتباع کرنا ان باتوں کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھال کر۔غرض اللہ تعالیٰ نے یہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے یہ کہلوایا کہ وَ اَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ مجھے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ میں یہ قرآن تمہیں پڑھ کے سناؤں۔قرآن کا لفظ خود قرآن کریم نے آیات کے لئے بھی استعمال کیا ہے۔فرمایا بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ (العنکبوت:۵۰) کہ یہ آیات بینات ہیں اور اس لئے اَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ کے معنی یہ ہوں گے کہ میں آیات بینات تمہارے سامنے پڑھ کے سناؤں۔اسی طرح قرآن کریم کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ وہ ایک کامل شریعت ہے۔اس لئے اَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ کے معنی یہ ہوں گے کہ خدا نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ تمہارے سامنے کامل شریعت کتاب کی شکل میں بھی اور اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ کی شکل میں بھی رکھوں کیونکہ جب آپ کے اخلاق کے متعلق سوال کیا گیا تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا تم قرآن کو پڑھ لو (كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰنَ)۔

پس دعا یہ تھی کہ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وہ نبی آیات بینات دنیا کے سامنے پیش کرتا چلا جائے

اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ دعا قبول ہوئی اور خدا کے حکم سے مَیں اَتْلُوا الْقُرْاٰنَ قرآن کریم کی آیات و بینات دنیا کے سامنے رکھ رہا ہوں۔

پھر دعا یہ تھی کہ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَتْلُوا الْقُرْاٰنَ مَیں کامل شریعت اس دعا کی قبولیت کی وجہ سے دنیا کے سامنے رکھ رہا ہوں۔

پھر دعا یہ تھی کہ وہ حکمت کی باتیں سکھائے اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَتْلُوا الْقُرْاٰنَ مَیں یہ قرآن جو حکمت سے پُر اور بھرا ہوا ہے اور حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ ہے اسے دنیا کے سامنے رکھ رہا ہوں تو ان تینوں دعاؤں کی قبولیت کے نتیجہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے ایک دولفظی فقرہ کہلوایا اور تینوں باتوں کی طرف اشارہ کر دیا اور ان معنی کی لغت بھی تصدیق کرتی ہے۔

پانچویں چیز یہ تھی کہ يُزَكِّيْهِمْ وہ ان کا تزکیہ کرے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے يُزَكِّيْهِمْ کے مقابلہ میں ان آیات میں یہ فرمایا کہ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ (یونس:۱۰۹) یعنی (ابراہیمی) دعا کے مفہوم سے زائد مفہوم دنیا کے سامنے رکھا۔ فَمَنِ اهْتَدٰى میں یہ اعلان کیا کہ مَیں تزکیۂ نفس کے سارے سامان لے کر تمہارے پاس آیا ہوں۔ اس لئے يُزَكِّيْهِمْ والی دعا پوری ہوگئی۔ لیکن میں تمہیں یہ بتاتا ہوں کہ تمہارا تزکیۂ نفس کسی جبر کے نتیجہ میں نہیں کیا جائے گا۔ تزکیۂ نفس کے یہ سامان ہیں۔ میں ان سامانوں کو تمہارے سامنے رکھتا ہوں۔

فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ

اب تمہیں خود مجاہدہ کر کے، اب تمہیں خود قربانیاں دے کر، اب تمہیں خود خلوص نیت کا اظہار کرتے ہوئے خدا کی راہ میں اپنی جانوں کو لٹا کر اپنے لئے تزکیۂ نفس پیدا کرنا ہوگا سامان میں لے آیا ہوں مگر یہ تزکیۂ نفس جبراً تم پر ٹھونسا نہیں جائے گا بلکہ آزادیٔ ضمیر ہے اور تزکیہ کے سامان ہیں ان کا استعمال کرنا، ان سے فائدہ اُٹھانا اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کے قرب کو حاصل کرنا اور طہارت اور پاکیزگی کامل جانا اس کے لئے تمہیں کوشش کرنی پڑے گی کوئی غیر یا بالائی طاقت تمہیں مجبور کر کے تمہارا تزکیۂ نفس نہیں کرے گی اور نہ کر سکتی ہے۔ تو فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ہدایت کا سامان آ گیا ہے تزکیۂ نفس کا سامان آ گیا ہے جو شخص اس تزکیۂ نفس کے

سامان سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے لئے ہدایت کی راہ کو ڈھونڈھ لیتا ہے وہ اپنے نفس کو فائدہ پہنچانے والا ہے۔ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا (یونس:۱۰۹) اور جو تزکیۂ نفس کے سامانوں سے فائدہ نہیں اٹھاتا اور ہدایت کی راہوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتا ہدایت کی راہوں کی بجائے ضلالت کی راہوں پر چل پڑتا ہے اور اپنے پیدا کرنے والے ربّ کی بجائے شیطان کی طرف منہ کر کے اس کی پیروی کرنے لگتا ہے۔ تو میں اسے یہ بتا دیتا ہوں کہ تمہیں اس گمراہی سے روکنے کے لئے بھی جبر سے کام نہیں لیا جائے گا۔ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ (النمل: ۹۳) میں تو ڈرانے والے منذر رسولوں میں سے ایک رسول ہوں یہ صحیح ہے کہ سب سے بڑا ہوں، سب سے افضل ہوں، سب سے اعلیٰ ہوں اللہ تعالیٰ سے قریب تر ہوں لیکن میری حیثیت منذر کے علاوہ اور کچھ نہیں میں نے تم پر جبر نہیں کرنا میں نے جبر سے ضلالت کی راہوں سے تمہیں ہٹانا نہیں اور ہدایت کی راہوں کی طرف تمہیں لانا نہیں۔ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ یہ کہہ دے کہ اللہ ہی کی سب تعریف ہے جس نے اسلام میں آیات بینات اور اَلْکِتَابُ اور اَلْحِکْمَةُ اور تزکیہ کے سامان پیدا کر دیئے اور ایک ایسے رسول کو مبعوث فرمایا جس نے کامل نمونہ دنیا کے سامنے رکھا جس کی پیروی اور اتباع کے نتیجہ میں انسان اپنے ربّ کی محبت کو پا لیتا ہے اور اس کے انعامات کا وارث بن جاتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سب تعریفوں کا مستحق ہے وہ خدا سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا جو اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے وقت پھر اپنی آیات بینات اور قرآن کریم کے علوم کو ظاہر کرے گا اس کی حکمتوں کو بیان کرے گا اور ایسے سامان پیدا کر دے گا کہ دنیا کے لئے دین کی راہوں پر چلنا آسان ہو جائے گا اور بشاشتِ قلب کے ساتھ وہ اپنے ربّ کے لئے قربانیاں دینے لگیں گے اور تکمیل اشاعت دین کے وقت یعنی اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے زمانہ میں ایک عالم کا عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں آپؐ کی رحمت کے سایہ میں آ جائے گا اور اس وقت خدا تعالیٰ کے وہ وعدے بھی پورے ہوں گے جو اس نے ابتدا ہی میں دئے تھے کہ تمام بنی نوع انسان اللہ کی محبوب امت واحدہ بنا دیئے جائیں گے۔

غرض اس آیہ کریمہ میں یعنی رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ میں پانچ باتیں بیان ہوئی

تھیں ایک مقصد اور دعا تو یہ تھی کہ ان میں ایک ایسا رسول مبعوث ہو، جس کی یہ صفات ہوں جو یہاں بیان کی گئی ہیں، جو کامل اسوۂ حسنہ ہو جس کے ذریعہ سے ہمیشہ روحانی فیض جاری رہے اور دوسرے آیات بینات کا لامتناہی سلسلہ دنیا کو مل جائے تیسرے ایک ایسی کامل شریعت ہو کہ جس میں قیامت تک کوئی رخنہ اور فساد داخل نہ ہو سکے اور چوتھے انسانی عقل جو اپنے عروج اور کمال کو پہنچ چکی ہوگی اس وقت ان کو حکمت کی باتیں وہ بتائے، وجہ بتائے اور دلیل دے کہ یہ حکم اس وجہ سے دیا جارہا ہے اور پانچویں اس کے نتیجہ میں ان کے تزکیۂ نفوس کے سامان پیدا کر دے۔

دراصل تزکیۂ نفوس آیات بینات کے بغیر اور شریعت کے احکام جو کھول کر بیان کئے گئے ہوں جن کی حکمتیں بیان کی گئی ہوں، ان کے بغیر ممکن ہی نہیں اور اصل مقصد یہ تھا کہ امت محمدیہ کی پیدائش کی اور قیام کی جو بنیادی غرض ہے وہ پوری ہو اور جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسوۂ حسنہ سمجھتا اور اس کی پیروی کرتا ہے، جو شخص آیات بینات سے فائدہ اٹھاتا ہے جو شخص کامل شریعت کے احکام اور نواہی کا علم حاصل کرتا ہے اور اس کی حکمتوں سے واقف ہو جاتا ہے اور ان پر عمل کرتا ہے اور اس طرح پر وہ تزکیۂ نفس حاصل کر لیتا ہے، وہ شخص اور وہ قوم وہ ہے جس کے متعلق ان آیات کی ابتدا میں یہ کہا گیا تھا۔ کہ ’’وُضِعَ لِلنَّاسِ ‘‘ اور فرمایا تھا كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تو ان آیات کی ابتدا اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ سے ہوئی تھی اور انتہا جو ہے وہ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ میں بیان کی گئی ہے دراصل رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ میں جو باتیں بیان ہوئی ہیں ان کے بغیر وہ بائیس مقاصد حاصل نہیں ہو سکتے جن کا ذکر ان آیات میں ہے اور جن پر میں کچھ روشنی پہلے ڈال چکا ہوں اور جب تک وہ مقاصد حاصل نہ ہوں اس وقت تک اُمّتِ مسلمہ خیرِ اُمّت نہیں بن سکتی۔ قرآن کریم کے اَلْكِتٰب ہونے کے متعلق اور قرآن کریم کے شریعت کی حکمتوں کے بیان کرنے کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دو اقتباسات بھی اس وقت میں دوستوں کو سنانا چاہتا ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

’’آج روئے زمین پر سب الہامی کتابوں میں سے ایک فرقان مجید ہی ہے کہ جس کا کلامِ الٰہی ہونا دلائل قطعیہ سے ثابت ہے............جس کے عقاید ایسے کامل اور مستحکم ہیں جو

براہین قویہ ان کی صداقت پر شاہد ناطق ہیں جس کے احکام حق محض پر قائم ہیں ...... جس میں یہ خوبی ہے کہ ...... کسی اعتقاد کو زبردستی تسلیم کرانا نہیں چاہتا بلکہ جو تعلیم دیتا ہے اس کی صداقت کی وجوہات پہلے دکھلا لیتا ہے اور ہر ایک مطلب اور مدعا کو حجج اور براہین سے ثابت کرتا ہے اور ہر یک اصول کی حقیت پر دلائل واضح بیان کر کے مرتبہ یقین کامل اور معرفت تام تک پہنچاتا ہے اور جو جو خرابیاں اور ناپاکیاں اور خلل اور فساد لوگوں کے عقائد اور اعمال اور اقوال اور افعال میں پڑے ہوئے ہیں ان تمام مفاسد کو روشن براہین سے دور کرتا ہے اور وہ تمام آداب سکھاتا ہے کہ جن کا جاننا انسان کو انسان بننے کے لئے نہایت ضروری ہے اور ہر یک فساد کی اسی زور سے مدافعت کرتا ہے کہ جس زور سے وہ آج کل پھیلا ہوا ہے اس کی تعلیم نہایت مستقیم اور قوی اور سلیم ہے۔“ ۵۸

اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

”وہی معارف دقیقہ ہیں جن کو فرقان مجید میں حکمت کے نام سے موسوم کیا گیا ہے جیسا کہ فرمایا ہے۔

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا (البقرۃ:۲۷۰)

یعنی خدا جس کو چاہتا ہے حکمت دیتا ہے اور جس کو حکمت دی گئی اس کو خیر کثیر دی گئی ہے یعنی حکمت خیرِ کثیر پر مشتمل ہے اور جس نے حکمت پائی اس نے خیر کثیر کو پالیا۔ سو یہ علوم و معارف جو دوسرے لفظوں میں حکمت کے نام سے موسوم ہیں یہ خیر کثیر پر مشتمل ہونے کی وجہ سے بحر محیط کے رنگ میں ہیں جو کلام الٰہی کے تابعین کو دئے جاتے ہیں اور ان کے فکر اور نظر میں ایک ایسی برکت رکھی جاتی ہے جو اعلیٰ درجہ کے حقائق حقہ ان کے نفس آئینہ صفت پر منعکس ہوتے رہتے ہیں اور کامل صداقتیں ان پر منکشف ہوتی رہتی ہیں۔“ ۵۹

غرض یہ تیئیس مقاصد ہیں جن کا تعلق بیت اللہ کی از سرِ نو تعمیر سے ہے اور اس کے بیان کی ضرورت یہ پڑی کہ ایک دن اللہ تعالیٰ نے بڑے زور کے ساتھ مجھے اس طرف متوجہ کیا کہ موجودہ نسل کا جو تیسری نسل احمدیت کی کہلا سکتی ہے۔ صحیح تربیت پانا غلبۂ اسلام کے لئے اشد ضروری ہے

یعنی احمدیوں میں سے وہ جو ۲۵ سال کی عمر کے اندر اندر ہیں یا جن کو احمدیت میں داخل ہوئے ابھی پندرہ سال نہیں گزرے، اس گروہ کی اگر صحیح تربیت نہ کی گئی تو ان مقاصد کے حصول میں بڑی رکاوٹیں پیدا ہو جائیں گی جن مقاصد کے حصول کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جَرِیُّ اللّٰہِ فِیْ حُلَلِ الْاَنْبِیَآءِ کی شکل میں دنیا کی طرف مبعوث فرمایا اور جن مقاصد کے حصول کے لئے اللہ تعالیٰ نے جماعت احمدیہ کو قائم کیا ہے۔ پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے میری توجہ اس طرف پھیری کہ اس گروہ کی تربیت کے لئے جو طریق اختیار کرنے چاہئیں ان کا بیان ان آیات میں ہے جن کے اوپر میں خطبات دیتا رہا ہوں اور اگر ان مقاصد کو صحیح طور پر سمجھ لیا جائے اور ان کے حصول کی کوشش کی جائے تو خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ ہماری یہ پود صحیح رنگ میں تربیت حاصل کر کے وہ ذمہ داریاں نباہ سکے گی جو ذمہ داریاں عنقریب ان کے کندھوں پر پڑنے والی ہیں۔ کیونکہ میری توجہ کو اس طرف پھیرا گیا تھا کہ آئندہ بیس پچیس سال اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے لئے بڑے ہی اہم اور انقلابی ہیں اور اسلام کے غلبہ کے بڑے سامان اسی زمانہ میں پیدا کئے جائیں گے اور دنیا کثرت سے اسلام میں داخل ہوگی یا اسلام کی طرف متوجہ ہو رہی ہوگی۔ اس وقت اسی کثرت کے ساتھ ان میں مربی اور معلم چاہئیں ہوں گے وہ معلم اور مربی جماعت کہاں سے لائے گی اگر آج اس کی فکر نہ کی گئی اس لئے اس کی فکر کرو اور ان مقاصد کو سامنے رکھو جو ان آیات میں بیان ہوئے ہیں اور ان مقاصد کے حصول کے لئے جس رنگ کی تربیت کی ضرورت ہے اللہ تعالیٰ کے کلام پاک کی روشنی میں اسی قسم کی تربیت اپنے نوجوانوں کو دو۔ تا جب وقت آئے تو بڑی کثرت سے ان میں سے اسلام کے لئے بطور مربی اور معلم کے زندگیاں وقف کرنے والے موجود ہوں تا وہ مقصد پورا ہو جائے کہ تمام بنی نوع انسان کو عَلٰی دِیْنٍ وَّاحِدٍ جمع کر دیا جائے گا۔

ان خطبات کے دوران ایک بزرگ نے مجھے لکھا کہ آپ کے جو خطبات ہو رہے ہیں ان کا تعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک الہام سے بھی ہے جو ’’تذکرہ‘‘ کے صفحہ ۸۰۱ پر درج ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

’’جو شخص کعبہ کی بنیاد کو ایک حکمت الٰہی کا مسئلہ سمجھتا ہے، وہ بڑا عقلمند ہے کیونکہ اس کو

اَسرارِ ملکوتی سے حصہ ہے۔‘‘

پس میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے جو میری توجہ کو اس طرف پھیرا خدا یہ چاہتا ہے کہ قوم کے بزرگ بھی اور قوم کے نوجوان بھی قوم کے مرد بھی اور قوم کی عورتیں بھی اس حکمت الٰہی کو سمجھنے لگیں جس حکمت الٰہی کا تعلق خانہ کعبہ کی بنیاد سے ہے تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اُولُوا الْاَلْبَابِ ٹھہریں اور اس کی آواز کو اور اس کے احکام کو اور احکام کی حکمتوں کو سمجھنے کے قابل ہو جائیں اور ان قدوسیوں کے گروہ میں شامل ہوں کہ جن پر اللہ تعالیٰ کے ہر آن فضل ہوتے رہتے ہیں۔

اگرچہ جو منصوبہ یا سکیم میں جماعت کے سامنے رکھوں گا اس کا اصل مقصد ان نوجوانوں کی تربیت ہے جن کی عمر اگر وہ احمدیت میں پیدا ہوئے ہیں تو ابھی ۲۵ سال تک کی ہے یا ان کی عمر اگر وہ جماعت میں نئے داخل ہونے والے ہیں تو ۱۵ سال کی ہے لیکن اس تربیت کے لئے جو اِن بچوں کی ہم نے کرنی ہے ان کے بڑوں کی تربیت کرنا ضروری ہے تا کہ وہ اس نسل کی تربیت کر سکیں۔ پس دوسرے نمبر پر مخاطب جماعت کے سب مرد اور جماعت کی سب بہنیں ہیں جن کی عمر اس وقت ۲۵ سال سے اوپر ہے کیونکہ ان لاکھوں نوجوانوں کی تربیت جو ۲۵ سال سے کم عمر یا دوسرے لحاظ سے پندرہ سال سے کم عمر کے ہیں صرف میں اکیلا یا میرے چند ساتھی نہیں کر سکتے ہمیں ہر گھر کی تطہیر کرنی پڑے گی تا کہ ہر گھر میں پرورش پانے والا، خدا کا سپاہی بنے اور اس کی رضا کو حاصل کرنے والا ہو۔ ہمیں ہر محلہ، ہمیں ہر قصبہ، ہمیں ہر شہر کی پاکیزگی کے سامان پیدا کرنے پڑیں گے تا کہ اسی ماحول میں وہ نسل پیدا ہو جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت اور ناموس پر اپنی جانیں اور اپنے اوقات اور اپنی عزتیں اور اپنے اموال خرچ کرنے والے ہوں اور قربان کرنے والے ہوں۔

شاید مجھے یوں کہنا چاہیے کہ پہلے بڑوں کی تربیت کرنا ضروری ہے تا ان کے ذریعہ سے ان چھوٹوں کی تربیت کی جا سکے جن پر بڑی ہی اہم ذمہ داریاں عنقریب پڑنے والی ہیں۔ یاد رکھیں اگر ہم نے اس میں غفلت برتی تو ہم پر تو خدا کا غضب نازل ہوگا اور ایک اور قوم پیدا کی جائے گی جو خدا کے وعدوں کی وارث بنے گی پس اپنی جانوں کی فکر کرو اور ان ذمہ داریوں کے نباہنے کے لئے

تیار ہو جاؤ جو الٰہی منشا کے مطابق ایک سکیم کے ماتحت میں آپ پر ڈالنے والا ہوں اور جن کے متعلق انشاء اللہ تعالیٰ اور اسی کی توفیق سے آئندہ خطبات میں میں اپنے خیالات کا اظہار کروں گا۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۵؍جون ۱۹۶۷ء صفحہ ۱ تا ۵)

میں بدرسوم کے خلاف جہاد کا اعلان کرتا ہوں اُمید کرتا ہوں کہ ہر احمدی گھرانہ میرے ساتھ اس میں شریک ہوگا

خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۳؍جون ۱۹۶۷ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

پچھلے چند دن سے دوران سر اور بلڈ پریشر کی زیادتی اور گرمی اور ڈپریشن کی وجہ سے مجھے تکلیف رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فضل کیا ہے اور بہت سا افاقہ ہو چکا ہے لیکن ابھی تکلیف کا ایک حصہ باقی ہے۔ آج گرمی بھی بڑی ہے۔ میں کوشش کروں گا کہ جس حد تک ممکن ہو آج کے خطبہ کو مختصر کروں۔

قبل اس کے کہ میں اپنے اصل مضمون کی طرف آؤں۔ میں احباب سے دعا کی درخواست کرنا چاہتا ہوں۔ دوست جانتے ہیں کہ یورپ میں انگلستان کے علاوہ ہماری پانچویں مسجد پایۂ تکمیل کو پہنچ رہی ہے اور ۲۲؍جولائی کا دن اس کے افتتاح کے لئے مقرر ہوا ہے۔ وہاں کے دوستوں کی یہ خواہش تھی کہ میں خود اس مسجد کا افتتاح کروں اور جب ہم اس تجویز پر غور کر رہے تھے۔ تو دوسرے ممالک جو یورپ میں ہیں جہاں ہمارے مبلغ ہیں اور مساجد ہیں انہوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ اگر افتتاح کے لئے آپ نے آنا ہے تو اس موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تمام مشنز کا دورہ بھی کریں، حالات کو دیکھیں، ضرورتوں کا پتہ لیں اور اس کے مطابق سکیم اور منصوبہ تیار کریں۔

پھر انگلستان والوں کا یہ مطالبہ ہوا کہ اگر یورپ میں آنا ہے تو انگلستان کو بھی جہاں اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایک بڑی جماعت پیدا ہوگئی ہے اپنے دورہ میں شامل کریں۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے صرف لنڈن میں قریباً پانچ سو احمدی موجود ہیں بڑی جماعت تو لنڈن میں پائی جاتی ہے لیکن بعض دوسرے مقامات پر خاصی بڑی جماعتیں پائی جاتی ہیں۔

اس سلسلہ میں بعض دوستوں کو دعا کے لئے اور استخارہ کے لئے میں نے لکھا تھا بہت سی خوابیں تو بڑی مبشر آئی ہیں بعض خوابیں ایسی بھی (جن میں سے بعض تو میں نے دیکھی ہیں) جن سے معلوم ہوتا ہے کہ واپسی پر راستہ میں شائد کچھ تکلیف بھی ہو لیکن وہ قادر توانا جو وقت سے پہلے اس تکلیف کے متعلق اطلاع دے سکتا ہے وہ اگر چاہے تو ان تکالیف کو دور بھی کر سکتا ہے اور اسی سے نصرت اور امداد کے ہم طالب ہیں۔

پس میں چاہتا ہوں کہ تمام دوست اس سفر کے متعلق دعائیں کریں اور خدا تعالیٰ سے خیر کے طالب ہوں اگر یہ سفر مقدر ہو تو اسلام کی اشاعت اور غلبہ کے لئے خیر و برکت کے سامان پیدا ہوں۔ خدا جانتا ہے کہ سیر و سیاحت کی کوئی خواہش دل میں نہیں نہ کوئی اور ذاتی غرض اس سے متعلق ہے۔ دل میں صرف ایک ہی تڑپ ہے اور وہ یہ کہ میرے رب کی عظمت اور جلال کو یہ قومیں بھی پہچاننے لگیں جو سینکڑوں سال سے کفر اور شرک کے اندھیروں میں بھٹکتی پھر رہی ہیں اور انسانیت کے محسنِ اعظم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ان کے دلوں میں قائم ہو جائے تا کہ وہ ابدی زندگی اور ابدی حیات کے وارث ہونے والے گروہ میں شامل ہو جائیں، تا ان کی بدبختی دور ہو جائے تا شیطان کی لعنت سے وہ چھٹکارا پالیں تا شرک کی نحوست سے وہ آزاد ہو جائیں تا بدرسوم کی قیود سے وہ باہر نکالے جائیں اور خدا تعالیٰ کی رحمت اور اس کی محبت اور اس کے حسن اور اس کے احسان اور اس کے نور کے جلوے وہ دیکھنے لگیں، تا وہ وعدہ پورا ہو جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے دیا تھا کہ میں تیرے فرزند جلیل کے ذریعہ سے تمام قوموں کو تیرے پاؤں کے پاس لا جمع کروں گا، تا وہ دل جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے نا آشنا ہیں اور وہ زبانیں جو آج آپ پر طعن کر رہی ہیں وہ دل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے بھر جائیں اور ان

زبانوں پر درود جاری ہو جائے اور تمام ملکوں کی فضا نعرہ ہائے تکبیر اور درود سے گونجنے لگے اور وہ فیصلے جو آسمان پر ہو چکے ہیں زمین پر جاری ہو جائیں۔

پس میری درخواست ہے تمام احباب جماعت سے اپنے بھائیوں سے بھی اور بہنوں سے بھی، بڑوں سے بھی اور چھوٹے بچوں سے بھی کہ وہ ان دنوں خاص طور پر دعا کریں کہ اگر یہ سفر مقدر ہو تو اللہ تعالیٰ پوری طرح اسے بابرکت کر دے اور زیادہ سے زیادہ فائدہ اسلام کو اس سفر کے ذریعہ سے ہو اور اس عاجز اور کم مایہ انسان کی زبان میں ایسی برکت اور تاثیر رکھے کہ خدا کی توحید کے جو بول میں وہاں بولوں وہ لوگوں کے دلوں پر اثر کرنے والے ہوں اور میری ہر حرکت اور سکون کا اثر ان کے اوپر ہو اور ان کے دل اپنے رب کی طرف اور قرآن کریم کی طرف اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اور اسلام کی طرف متوجہ ہونے لگیں اور غفلت کے جو پردے ان کی آنکھوں اور ان کے دلوں اور ان کی عقلوں پر پڑے ہوئے ہیں خدا ان پردوں کو اُٹھا دے اور خدا کا حسن اور اس کا جلال نمایاں ہو کر ان کی آنکھوں کے سامنے، بصارت اور بصیرت کے سامنے چمکنے لگے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حسین چہرہ ان کے سامنے کچھ اس شان کے ساتھ ظاہر ہو جائے کہ وہ تمام دوسرے حسنوں کو بھول جائیں اور اسی کے ہو کر رہ جائیں۔ پس بہت دعائیں کریں بہت دعائیں کریں کہ اللہ تعالیٰ اس سفر کو مبارک کرے اور اللہ تعالیٰ میری غیر حاضری میں بھی جماعت کو ہر فتنہ سے محفوظ رکھے وہی سب کام بنانے والا ہے۔ لیکن دل جہاں آپ کی جدائی سے غم محسوس کرتا ہے وہاں یہ خیال بھی آتا ہے کہ ایسے موقعہ پر بعض منافق فتنے بھی پیدا کیا کرتے ہیں تو جماعت کے ہر فرد کا یہ فرض ہے کہ وہ ایسے منافقوں کو فوراً دبا دے۔

میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ایسے موقعوں پر بعض منافق طبع فتنہ پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اگر شروع میں ہی ان کو اس رنگ میں سمجھایا جائے کہ یہ جماعت خدا کے فضل سے اتنی مضبوط ہے کہ تمہارے فتنوں سے متاثر نہیں ہوگی، اگر تم باز نہ آئے تو تمہیں سزا دینے والے بھی یہاں موجود ہیں تو پھر یہاں تک نوبت نہیں پہنچتی کہ ضرور ایسے لوگوں کو سزا دی جائے ان کو سمجھ آجاتی ہے کہ ہماری دال اس قوم میں گلتی نہیں خدا تعالیٰ کے فضل سے چوکس جماعت ہے قربانی

کرنے والی جماعت ہے حالات کو سمجھنے والی جماعت ہے شیطان جن راہوں سے دل کے اندر گھس کے وسوسے پیدا کرتا ہے ان راہوں کو پہچانتی ہے اور شیطان کی جو دھیمی آواز ہے اس سے اچھی طرح واقف ہے کیونکہ وہ اس پُر شوکت آواز سے واقف ہے جو خدا کی طرف سے آتی ہے تو جس آواز میں وہ شوکت نہ ہو، وہ عظمت نہ ہو، وہ سرور اور لذت نہ ہو، اس کو یہ جانتے ہیں کہ یہ ہمارے خدا کی آواز نہیں ہے، یہ صرف شیطان کی آواز ہے۔ اگر یہ چیزیں ایسے لوگوں پر ظاہر ہو جائیں تو پھر بہت سے فتنوں سے جماعت بچ جاتی ہے۔

تو اس خیال سے بھی تشویش پیدا ہوتی ہے اور ہونی چاہیے، یہ طبعی چیز ہے۔ لیکن جو علم مَیں ذاتی مشاہدہ اور اللہ تعالیٰ کے سمجھانے پر اس جماعت کے متعلق رکھتا ہوں۔ اس سے مجھے یہ تسلی ہے کہ خواہ کتنا ہی بڑا فتنہ ہو انشاء اللہ اسی کے فضل کے ساتھ یہ جماعت اس قسم کی باتوں سے متاثر ہونے والی نہیں لیکن بہر حال چوکس اور ہوشیار رہنا چاہیے۔

تو یہ سوچ کے کہ اگر خدا تعالیٰ نے چاہا اور اس سفر میں اس نے برکت مقدر کی اور اس کے سامان پیدا کر دیئے کم و بیش ایک ماہ کے لئے آپ سے دور رہنا پڑے گا۔ طبیعت میں ایک اداسی بھی ہے اور جیسا کہ میں نے بتایا ہے ایک تشویش کا رنگ بھی ہے گو اس کے ساتھ امید بھی ہے کہ جماعت اس قسم کی باتوں کو کبھی پنپنے نہیں دے گی جو فتنے کی ہوں۔

بہر حال میں درخواست کرتا ہوں آپ سب سے بھائیوں سے بھی، بہنوں سے بھی، بڑوں سے بھی اور چھوٹوں سے بھی، کہ ان ایام میں خاص طور پر بہت دعائیں کریں، ایک یہ کہ اگر یہ سفر خدا تعالیٰ کی عظمت اور جلال کے اظہار کا موجب بننا ہو اور اسلام کی شوکت اس سے ظاہر ہونی ہو تبھی مجھے اس سفر پر جانے کی توفیق ملے اور جب میں جاؤں تو اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے ایسے سامان پیدا کر دے کہ وہ پیغام جو حقیقتاً خدا کا پیغام ہے جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کی طرف لے کے آئے جسے دنیا اب بھول چکی تھی اور اب سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند جلیل کی حیثیت سے دنیا پر ظاہر ہوئے وہ پیغام دنیا کو پہنچایا اسی غرض سے آپ کی بعثت ہوئی تو یہ پیغام صحیح طور پر اور ایسے رنگ میں کہ وہ قومیں اس پیغام کو سمجھنے لگیں

ان تک پہنچانا اس سفر کی غرض ہے اور یہی ایک مقصد ہے تو اللہ تعالیٰ اگر توفیق دے تو ایسے رنگ میں ان کو پیغام پہنچا دیا جائے کہ ان پر اتمامِ حجت ہو جائے کیونکہ جب تک کسی قوم پر اتمامِ حجت نہ ہو وہ انذاری پیشگوئیاں پوری نہیں ہوا کرتیں جو ان کے انکار کی وجہ سے ان کے حق میں خدا تعالیٰ نے قبل از وقت اپنے رسول کو دی ہوں۔ تو خدا کرے کہ وہ انذار وہ تنبیہ وہ جھنجھوڑنا میرے لئے ممکن ہو جائے یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کا پہنچانا صحیح رنگ میں اور موثر طریق پر ممکن ہو جائے تاکہ یا تو وہ اسلام کی طرف مائل ہوں ایک خدا کو ماننے لگیں، توحید کو پہچاننے لگیں، اللہ تعالیٰ کو ایک اپنی ذات میں اور ایک اپنی صفات میں سمجھنے لگیں، جس رنگ میں کہ اسلام نے اللہ تعالیٰ کو دنیا کے سامنے پیش کیا ہے اور یا پھر ایسے رنگ میں ان پر اتمام حجت ہو جائے کہ وہ انذاری پیشگوئیاں جن کو پڑھ کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں اور جن کا تعلق تمام منکرین اسلام سے ہے اور جو اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دی ہیں، وہ اتمامِ حجت کے بعد ان کے حق میں پوری ہوں تا اسلام اور مذاہبِ عالم کے درمیان جو فیصلہ ہونا مقدّر ہے وہ جلد ہو جائے اور دنیا یا تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رحمت کے سائے میں آ کر بچ جائے یا خدائی قہر کی تپش میں جا کر ہلاک ہو جائے اور اس قضیہ کا فیصلہ ہماری زندگی میں ہی ہو جائے کہ اسلام ہی سچا مذہب ہے۔

پھر میں تاکیداً کہتا ہوں کہ ان دنوں میں دوست دعائیں کریں اس سفر کے بابرکت ہونے کے لئے اور اسلام کے غلبہ کے لئے اور توحید باری کے قیام کے لئے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال کے ان قوموں پر ظاہر ہونے کے لئے اور اس بات کے لئے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو اصلاح کا موقع دے اور ان پر فضل کرتے ہوئے انہیں اس بات کی توفیق دے کہ وہ اسے اور اس کے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچاننے لگیں۔

اب میں اختصار کے ساتھ اصل مضمون کی طرف آتا ہوں میں نے اس سلسلۂ خطبات کے پہلے دو خطبے اپنی بہنوں کو مخاطب کر کے دیئے تھے اب میں اپنی سکیم میں بھی پہلے انہیں ہی مخاطب کرتا ہوں پچھلے خطبوں میں میں نے بتایا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی تھی کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کی نسل میں اس عظیم عبد کو پیدا کرے جو کامل عبد کی شکل میں دنیا پر

ظاہر ہوا اور جس کی تعلیم کے نتیجہ میں دنیا میں خالص توحید قائم ہو۔

بات یہ ہے کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ کی شہادت ہم صرف اس صورت میں ہی دے سکتے ہیں جب ہمیں مُحَمَّدٌ عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ کی پوری معرفت اور عرفان حاصل ہو تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک عبدِ کامل کی صورت میں دنیا میں ظہور پذیر ہوئے تا توحیدِ خالص دنیا میں قائم ہو۔

ہماری جماعت کا پہلا اور آخری فرض یہ ہے کہ توحیدِ خالص کو اپنے نفسوں میں بھی اور اپنے ماحول میں بھی قائم کریں اور شرک کی سب کھڑکیوں کو بند کر دیں ہمارے گھروں میں صرف توحید کے دروازے ہی کھلے رہیں اور شرک کی سب راہوں کو ہم کلیۃً چھوڑ دیں اور توحید کی راہوں پر بشاشت کے ساتھ چلنے لگیں ہم بھی اور ہمارے بھائی بھی اور نوعِ انسان کے رشتہ سے جو ہمارے بھائی ہیں وہ بھی اس توحیدِ خالص کی تعلیم پر قائم ہو جائیں۔

توحید کے قیام میں ایک بڑی روک بدعت اور رسم ہے یہ ایک حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہر بدعت اور ہر بدرسم شرک کی ایک راہ ہے اور کوئی شخص جو توحید خالص پر قائم ہونا چاہے وہ توحیدِ خالص پر قائم نہیں ہو سکتا جب تک وہ تمام بدعتوں اور تمام بدرسوم کو مٹا نہ دے۔

ہمارے معاشرے میں خاص طور پر اور دنیا کے مسلمانوں میں عام طور پر بیسیوں، سینکڑوں شاید ہزاروں بدرسمیں داخل ہو چکی ہیں۔ احمدی گھرانوں کا یہ فرض ہے کہ وہ تمام بدرسوم کو جڑ سے اکھیڑ کے اپنے گھروں سے باہر پھینک دیں چونکہ بدرسوم کا مسلم معاشرہ میں داخلہ زیادہ تر عورتوں کی راہ سے ہوتا ہے اس لئے آج میری پہلی مخاطب میری بہنیں ہی ہیں گو عام طور پر تمام احبابِ جماعت اور افرادِ جماعت مرد ہوں یا عورتیں وہ میرے مخاطب ہیں۔ میں نے بتایا ہے کہ سینکڑوں ہزاروں بدرسوم ہمارے معاشرہ میں ہماری زندگی میں داخل ہو چکی ہیں کچھ پنجاب میں ہوں گی، کچھ دوسری سرحد میں ہوں گی، کچھ سندھ میں ہوں گی۔ کچھ مصر میں کچھ انڈونیشین احمدیوں میں آ گئی ہوں گی ہم نے ہر گھر اور ہر مقام اور ہر شہر اور ہر ملک کے احمدی گھرانوں سے ان بدرسوم کو باہر نکال کے پھینکنا ہے یہ ہمارا مقصد ہے اس کی تفصیل میں مَیں اس وقت نہیں جا سکتا کیونکہ مجھے تکلیف

بھی ہے اور گرمی بھی بہت ہے۔ لیکن میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ کو اے میری محترم بہنو!
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک اشتہار پڑھ کر سناؤں ایک ایسا اشتہار جو حضور نے ۱۸۸۵ء میں دیا تھا اس کے بعض حصے میں سنانا چاہتا ہوں آپ غور سے سنیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:۔

''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۔ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

اشتہار بغرضِ تبلیغ وانذار

چونکہ قرآن شریف واحادیث صحیحہ نبویہ سے ظاہر وثابت ہے کہ ہر یک شخص اپنے کنبہ کی عورتوں وغیرہ کی نسبت جن پر کسی قدر اختیار رکھتا ہے سوال کیا جائے گا کہ آیا بے راہ چلنے کی حالت میں اس نے ان کو سمجھایا اور راہ راست کی ہدایت کی یا نہیں۔ اس لئے میں نے قیامت کی باز پرس سے ڈر کر مناسب سمجھا کہ ان مستورات ودیگر متعلقین کو (جو ہمارے رشتہ دار واقارب وواسطہ دار ہیں) ان کی بے راہیوں و بدعتوں پر بذریعہ اشتہار کے انہیں خبردار کروں کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ ہمارے گھروں میں قسم قسم کی خراب رسمیں اور نالائق عادتیں جن سے ایمان جاتا رہتا ہے، گلے کا ہار ہو رہی ہیں اور اُن بری رسموں اور خلافِ شرع کاموں سے یہ لوگ ایسا پیار کرتے ہیں جو نیک اور دینداری کے کاموں سے کرنا چاہیے۔ ہر چند سمجھایا گیا، کچھ سنتے نہیں ہر چند ڈرایا گیا، کچھ ڈرتے نہیں اب چونکہ موت کا کچھ اعتبار نہیں اور خدا تعالیٰ کے عذاب سے بڑھ کر اور کوئی عذاب نہیں اس لئے ہم نے ان لوگوں کے بُرا ماننے اور بُرا کہنے اور ستانے اور دکھ دینے سے بالکل لاپروا ہو کر محض ہمدردی کی راہ سے حق نصیحت پورا کرنے کے لئے بذریعہ اس اشتہار کے ان سب کو اور دوسری مسلمان بہنوں اور بھائیوں کو خبردار کرنا چاہا تا ہماری گردن پر کوئی بوجھ باقی نہ رہ جائے اور قیامت کو کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ہم کو کسی نے نہیں سمجھایا اور سیدھا راہ نہیں بتایا۔ سو آج ہم کھول کر بآواز بلند کہہ دیتے ہیں کہ سیدھا راہ جس سے انسان بہشت میں داخل ہوتا ہے یہی ہے کہ شرک اور رسم پرستی کے طریقوں کو چھوڑ کر دینِ اسلام کی راہ اختیار کی جائے

اور جو کچھ اللہ جلشانہ، نے قرآن شریف میں فرمایا ہے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت کی ہے اس راہ سے نہ بائیں طرف منہ پھیریں نہ دائیں اور ٹھیک ٹھیک اسی راہ پر قدم ماریں اور اس کے برخلاف کسی راہ کو اختیار نہ کریں۔ لیکن ہمارے گھروں میں جو بد رسمیں پڑ گئی ہیں اگرچہ وہ بہت ہیں مگر چند موٹی موٹی رسمیں بیان کی جاتی ہیں تا نیک بخت عورتیں خدا تعالیٰ سے ڈر کر ان کو چھوڑ دیں اور وہ یہ ہیں:۔

(۱) ماتم کی حالت میں جزع فزع اور نوحہ یعنی سیاپا کرنا اور چیخیں مار کر رونا اور بے صبری کے کلمات منہ پر لانا یہ سب ایسی باتیں ہیں جن کے کرنے سے ایمان کے جانے کا اندیشہ ہے اور یہ سب رسمیں ہندوؤں سے لی گئی ہیں۔ جاہل مسلمانوں نے اپنے دین کو بھلا دیا اور ہندوؤں کی رسمیں پکڑ لیں کسی عزیز اور پیارے کی موت کی حالت میں مسلمانوں کے لئے قرآن شریف میں یہ حکم ہے کہ صرف اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ کہیں یعنی ہم خدا کا مال اور ملک ہیں اسے اختیار ہے جب چاہے اپنا مال لے لے اور اگر رونا ہو تو صرف آنکھوں سے آنسو بہانا جائز ہے اور جو اس سے زیادہ ہے وہ شیطان سے ہے۔

(۲) دوم برابر ایک سال تک سوگ رکھنا اور نئی نئی عورتوں کے آنے کے وقت یا بعض خاص دنوں میں سیاپا کرنا اور باہم عورتوں کا سر ٹکرا کر چلا کر رونا اور کچھ کچھ منہ سے بھی بکواس کرنا اور پھر برابر ایک برس تک بعض چیزوں کا پکانا چھوڑ دینا اس عذر سے کہ ہمارے گھر میں یا ہماری برادری میں ماتم ہو گیا ہے یہ سب ناپاک رسمیں اور گناہ کی باتیں ہیں جن سے پرہیز کرنا چاہیے۔

(۳) سوم سیاپا کرنے کے دنوں میں بے جا خرچ بھی بہت ہوتے ہیں حرام خور عورتیں شیطان کی بہنیں جو دُور دُور سے سیاپا کرنے کے لئے آتی ہیں اور مکر اور فریب سے منہ کو ڈھانک کر اور بھینسوں کی طرح ایک دوسرے سے ٹکرا کر چیخیں مار کر روتی ہیں ان کو اچھے اچھے کھانے کھلائے جاتے ہیں اور اگر مقدور ہو تو اپنی شیخی اور بڑائی جتانے کے لئے صدہا روپیہ کا پلاؤ اور زردہ پکا کر برادری وغیرہ میں تقسیم کیا جاتا ہے اس غرض سے کہ تا لوگ

واہ واہ کریں کہ فلاں شخص نے مرنے پر اچھی کرتوت دکھلائی اچھا نام پیدا کیا۔سو یہ سب شیطانی طریق ہیں جن سے توبہ کرنا لازم ہے۔

(۴) اگر کسی عورت کا خاوند مر جائے تو گو وہ عورت جوان ہی ہو دوسرا خاوند کرنا ایسا برا جانتی ہے جیسا کوئی بڑا بھارا گناہ ہوتا ہے اور تمام عمر بیوہ اور رانڈ رہ کر یہ خیال کرتی ہے کہ میں نے بڑے ثواب کا کام کیا ہے اور پاک دامن بیوی ہوگئی ہوں۔حالانکہ اس کے لئے بیوہ رہنا سخت گناہ کی بات ہے عورتوں کے لئے بیوہ ہونے کی حالت میں خاوند کر لینا نہایت ثواب کی بات ہے ایسی عورت حقیقت میں بڑی نیک بخت اور ولی ہے جو بیوہ ہونے کی حالت میں بُرے خیالات سے ڈر کر کسی سے نکاح کر لے اور نابکار عورتوں کے لعن طعن سے نہ ڈرے۔ایسی عورتیں جو خدا اور رسول کے حکم سے روکتی ہیں خود لعنتی اور شیطان کی چیلیاں ہیں جن کے ذریعہ سے شیطان اپنا کام چلاتا ہے جس عورت کو اللہ، رسول پیارا ہے اس کو چاہیے کہ بیوہ ہونے کے بعد کوئی ایماندار اور نیک بخت خاوند تلاش کرے اور یاد رکھے کہ خاوند کی خدمت میں مشغول رہنا بیوہ ہونے کی حالت کے وظائف سے صدہا درجہ بہتر ہے۔.........................

(۸) ہماری قوم میں یہ بھی ایک نہایت بدرسم ہے کہ دوسری قوم کو لڑکی دینا پسند نہیں کرتے بلکہ حتی الوسع لینا بھی پسند نہیں کرتے یہ سراسر تکبر اور نخوت کا طریق ہے جو سراسر احکامِ شریعت کے برخلاف ہے بنی آدم سب خدا تعالیٰ کے بندے ہیں رشتہ ناطہ میں صرف یہ دیکھنا چاہیے کہ جس سے نکاح کیا جاتا ہے وہ نیک بخت اور نیک وضع آدمی ہے اور کسی ایسی آفت میں مبتلا نہیں جو موجب فتنہ ہو اور یاد رکھنا چاہیے کہ اسلام میں قوموں کا کچھ بھی لحاظ نہیں۔صرف تقویٰ اور نیک بختی کا لحاظ ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ یعنی تم میں سے خدا تعالیٰ کے نزدیک زیادہ تر بزرگ وہی ہے جو زیادہ تر پرہیزگار ہے۔

(۹) ہماری قوم میں یہ بھی ایک بدرسم ہے کہ شادیوں میں صدہا روپیہ کا فضول خرچ ہوتا ہے سو یاد رکھنا چاہیے کہ شیخی اور بڑائی کے طور پر برادری میں بھاجی تقسیم کرنا اور اس کا دینا

اور کھانا یہ دونوں باتیں عندالشرع حرام ہیں اور آتش بازی چلوانا اور کنجروں اور ڈوموں کو دینا یہ سب حرام مطلق ہے ناحق روپیہ ضائع جاتا ہے گناہ سر پر چڑھتا ہے صرف اتنا حکم ہے کہ نکاح کرنے والا بعد نکاح کے ولیمہ کرے یعنی چند دوستوں کو کھانا پکا کر کھلا دیوے۔

(۱۰) ہمارے گھروں میں شریعت کی پابندی کی بہت سستی ہے (یہ ایک بنیادی چیز ہے جس کی طرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے توجہ دلائی ہے) بعض عورتیں زکوٰۃ دینے کے لائق اور بہت سا زیوران کے پاس ہے وہ زکوٰۃ نہیں دیتیں۔ بعض عورتیں نماز روزہ کے ادا کرنے میں بہت کوتاہی رکھتی ہیں بعض عورتیں شرک کی رسمیں بجالاتی ہیں جیسے چیچک کی پوجا بعض فرضی بیویوں کی پوجا کرتی ہیں بعض ایسی نیازیں دیتی ہیں جن میں یہ شرط لگا دیتی ہیں کہ عورتیں کھاویں کوئی مرد نہ کھاوے یا کوئی حقہ نوش نہ کھاوے بعض جمعرات کی چوکی بھرتی ہیں مگر یاد رکھنا چاہیے کہ یہ سب شیطانی طریق ہیں ہم صرف خالص اللہ کے لئے ان لوگوں کو نصیحت کرتے ہیں کہ آؤ خدا تعالیٰ سے ڈرو ورنہ مرنے کے بعد ذلت اور رسوائی سے سخت عذاب میں پڑو گے اور اس غضب الٰہی میں مبتلا ہو جاؤ گے جس کا انتہا نہیں۔

وَالسَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی۔ خاکسار غلام احمد از قادیان‘‘ [۶۰]

بعض حصے اس میں سے میں نے چھوڑ دیئے ہیں بہرحال اس وقت جیسا کہ میں نے بتایا ہے رسوم تو بہت سی دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں اور ان میں سے بعض احمدی گھرانوں میں بھی یا گھس گئی ہیں یا گھس رہی ہیں اور اس تفصیل میں جانا میرے لئے ممکن نہیں میں نے چند مہینے ہوئے مختلف علاقوں سے مربیوں کے ذریعہ بدعات کے متعلق اور بدرسوم کے متعلق معلومات حاصل کی تھیں اور کسی وقت اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا کی تو بعض رسوم کے متعلق تفصیل سے بھی بیان کروں گا لیکن اس وقت اصولی طور پر ہر گھرانے کو یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں ہر گھر کے دروازے پر کھڑے ہو کر اور ہر گھرانہ کو مخاطب کر کے بدرسوم کے خلاف جہاد کا اعلان کرتا ہوں۔ اور جو احمدی گھرانہ بھی آج کے بعد ان چیزوں سے پرہیز نہیں کرے گا اور ہماری اصلاحی کوششوں کے باوجود اصلاح کی

طرف متوجہ نہیں ہوگا وہ یہ یاد رکھے کہ خدا اور اس کے رسول اور اس کی جماعت کو اس کی کچھ پرواہ نہیں ہے وہ اس طرح جماعت سے نکال کے باہر پھینک دیا جائے گا جس طرح دودھ سے مکھی۔ پس قبل اس کے کہ خدا کا عذاب کسی قہری رنگ میں آپ پر وارد ہو یا اس کا قہر جماعتی نظام کی تعزیر کے رنگ میں آپ پر وارد ہو اپنی اصلاح کی فکر کرو اور خدا سے ڈرو اور اس دن کے عذاب سے بچو کہ جس دن کا ایک لحظہ کا عذاب بھی ساری عمر کی لذتوں کے مقابلہ میں ایسا ہی ہے کہ اگر یہ لذتیں اور عمریں قربان کر دی جائیں اور انسان اس سے بچ سکے تو تب بھی وہ مہنگا سودا نہیں سستا سودا ہے۔

پس آج میں اس مختصر سے خطبہ میں ہر احمدی کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے منشا کے مطابق اور جماعت احمدیہ میں اس پاکیزگی کو قائم کرنے کے لئے جس پاکیزگی کے قیام کے لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام دنیا کی طرف مبعوث ہوئے تھے ہر بدعت اور بدرسم کے خلاف جہاد کا اعلان کر دیا ہے اور میں امید رکھتا ہوں کہ آپ سب میرے ساتھ اس جہاد میں شریک ہوں گے اور اپنے گھروں کو پاک کرنے کے لئے شیطانی وسوسوں کی سب راہوں کو اپنے گھروں پر بند کر دیں گے دعاؤں کے ذریعہ اور کوشش کے ذریعہ اور جدوجہد کے ذریعہ اور حقیقتاً جو جہاد کے معنی ہیں اس جہاد کے ذریعہ اور صرف اس غرض سے کہ خدا تعالیٰ کی توحید دنیا میں قائم ہو، ہمارے گھروں میں قائم ہو، ہمارے دلوں میں قائم ہو، ہماری عورتوں اور بچوں کے دلوں میں قائم ہو اور اس غرض سے کہ شیطان کے لئے ہمارے دروازے ہمیشہ کے لئے بند کر دیئے جائیں۔

اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ کو بھی ہر قسم کی نیکیوں کی توفیق عطا فرمائے۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۲ جولائی ۱۹۶۷ء صفحہ ۱ تا ۵)

والدین کو چاہیے کہ وہ چندہ وقفِ جدید کی اہمیت بچوں پر واضح کریں تا کہ ہر احمدی بچہ شوق سے اس میں حصہ لے

خطبہ جمعہ فرمودہ ۳۰ ؍جون ۱۹۶۷ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا۔

وہ سکیم جس کی طرف میں جماعت کو متوجہ کرنا چاہتا تھا اور جو جماعت میں جاری کرنا چاہتا ہوں وہ قریباً ساٹھ ستر حصوں پر منقسم ہے۔ اگر میں اس مضمون کو آج کے خطبہ میں شروع کروں تو پہلے حصے اور بعد کے حصوں میں کئی ہفتوں کا فرق پڑ جائے گا اس لئے میں نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ یورپ کے سفر سے واپسی پر جماعت کے سامنے میں اپنی سکیم کو رکھوں گا وَ بِاللّٰہِ التَّوْفِیْقُ اس وقت میں بعض دیگر نہایت ضروری امور کی طرف آپ کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہیں۔

میں نے جماعت کی توجہ اس طرف پھیری تھی اور تلقین کی تھی کہ وہ قرآن کریم کے پڑھنے پڑھانے کی طرف بہت توجہ کریں جماعت کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ احمدیت کی ترقی اور اسلام کا غلبہ اس بات پر منحصر ہے کہ ہم خود کو بھی اور اپنے ماحول کو بھی قرآن کریم کے انوار سے منور کریں اور منور رکھیں۔ اگر ہم ایسا نہ کریں تو ایک طرف ہم اپنے نفسوں پر اور اپنی نسلوں پر ظلم کر رہے ہوں گے اور دوسری طرف ہم عملاً اس بات میں شیطان کے ممد بن رہے ہوں گے کہ اسلام کے غلبہ میں التوا پڑ جائے۔ پس یہ ایک نہایت ہی اہم فریضہ ہے جسے ہم میں سے ہر ایک نے ادا کرنا ہے۔

باہر سے جو اطلاعات آ رہی ہیں ان سے جہاں یہ پتہ چلتا ہے کہ بعض جماعتیں اور بہت سی جماعتوں کے بعض افراد قرآن کریم کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں اور قرآن کریم کی عملاً وہ قدر کر رہے ہیں جو قرآن کریم کا حق ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی بعض جماعتوں کے متعلق یہ رپورٹ ہے کہ وہ اس اہم فریضہ کی طرف متوجہ نہیں ہو رہے اور قریباً ہر جماعت کے بعض افراد کے متعلق یہ اطلاع ہے کہ وہ اس فریضہ کی اہمیت کو ابھی تک سمجھ نہیں رہے اس لئے میں آج مختصر الفاظ میں پھر اپنے بھائیوں کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں اس بات کی طرف کہ یہ کوئی معمولی چیز نہیں یہ کوئی معمولی کام نہیں، یہ کوئی معمولی فریضہ نہیں جو میں نے آپ کے سامنے رکھا ہے اور جس کی طرف آپ کو میں نے توجہ دلائی ہے بلکہ فرائض میں سے ایک بنیادی فریضہ ہے۔ اگر ہم یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ قرآن کریم کی شریعت آخری شریعت ہے ایک کامل اور مکمل شریعت ہے جس کے بعد کسی دوسری شریعت کی ضرورت ہمارے لئے باقی نہیں رہتی تو پھر ہم کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں جو ہمیں اپنے رب کی طرف سے ملنا تھا وہ مل چکا۔ اگر ہم خدا کے اس عطیہ کی قدر نہ کریں تو ہم بڑے ہی ظالم ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے غضب کو اپنے اوپر وارد کرنے والے ہوں گے۔

پس اپنی ذمہ واری کو سمجھتے ہوئے خود بھی قرآن پڑھیں اور اپنے بچوں کو بھی قرآن پڑھائیں۔ خود بھی قرآن کریم کے معنی سیکھیں اور آئندہ نسل کو بھی قرآن کریم کے معنی سکھائیں۔ خود بھی قرآن کریم کی تفسیر سیکھنے کی کوشش کریں اور بہترین تفسیر اس وقت ہمارے ہاتھ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپؑ کے خلفاء کی تفسیر ہے تو خود بھی قرآن شریف کی تفسیر سیکھنے کی کوشش کریں اور اپنے بچوں کے دل میں بھی یہ محبت پیدا کریں کہ وہ قرآن کے علوم اور اس کے معارف اور اس کے دلائل اور اس کی برکات سے آگاہ ہوں اور فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں۔

اس سلسلہ میں میں سمجھتا ہوں کہ احمدی مستورات پر بڑی ذمہ واری عائد ہوتی ہے کیونکہ چھوٹے بچوں کی نگرانی کا کام ان کے ذمہ ہے پھر وہ ماں جو قرآن کریم پڑھنا جانتی ہے مگر اپنے بچے کو پڑھاتی نہیں وہ ایک ظالم ماں ہے اور ہر وہ ماں جو قرآن کریم کے معنی جانتی ہے مگر اپنے بچوں کو وہ معانی نہیں سکھاتی وہ قرآن کریم کی قدر نہیں کر رہی قرآن کی قدر کو پہچانتی نہیں اور

ان روحانی نعمتوں اور برکات سے خود کو بھی محروم کر رہی ہے اور اپنی نسل کو بھی آگے محروم کر رہی ہے اور ہر وہ ماں جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے قرآن کریم کے اسرار روحانی سمجھنے کی توفیق عطا کی ہے۔ اگر وہ ان اسرارِ روحانی کو اپنی نسل میں آگے نہیں چلاتی اس سے بڑھ کر ظلم کرنے والی کوئی ماں نہیں ہے۔

دوسری اور تیسری چیز جس کی طرف آج میں دوستوں کو توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ تحریکِ جدید کا دفتر سوم اور وقفِ جدید میں جو بچوں میں تحریک کی گئی تھی یہ دو باتیں ہیں۔

دفتر سوم کی طرف بھی جماعت نے ابھی پوری توجہ نہیں دی ہزاروں احمدی ایسے ہیں جو تحریکِ جدید میں حصہ نہیں لے رہے اور ان میں سے بڑی بھاری اکثریت ہماری احمدی مستورات کی ہے جیسا کہ دفتر کی طرف سے مجھے بتایا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ جماعت میں ہزاروں احمدی بہنیں ایسی ہیں اور ہزاروں احمدی بچے اور نوجوان ایسے ہیں اور ہزاروں احمدی بالغ مرد ایسے ہیں جنہوں نے ابھی تک تحریکِ جدید کی اہمیت کو سمجھا ہی نہیں اور اس کی برکات سے وہ واقف ہی نہیں اسلام کی ضرورتوں سے وہ آگاہ ہی نہیں ان ضرورتوں کے پیش نظر ان پر جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے وہ اس سے غافل ہیں۔

پس تحریکِ جدید کے دفتر سوم کی طرف خصوصاً احمدی مستورات اور عموماً وہ تمام احمدی مرد اور بچے اور نوجوان جنہوں نے ابھی تک اس طرف توجہ نہیں کی وہ اس طرف متوجہ ہوں اور اپنی ذمہ داریوں کو نبھانے کی کوشش کریں۔

میں نے یہ کہا تھا کہ وقفِ جدید میں اگر ہمارے بچے دلچسپی لینے لگیں اور صحیح معنی میں دلچسپی لینے لگیں تو میں سمجھتا ہوں کہ وقفِ جدید کا سارا مالی بار ہمارے بچے بڑی آسانی سے اپنے کندھوں پر اُٹھا سکتے ہیں لیکن بچے اپنی ناسمجھی کی وجہ سے کیونکہ ان میں سے بہتوں کی عمر ہی ایسی ہے جو اس ذمہ داری کو سمجھ ہی نہیں سکتی لیکن بہت سی مائیں اپنی جہالت کی وجہ سے بچوں کو اس طرف متوجہ نہیں کر رہیں۔ لجنہ کی یہ رپورٹ ہے کہ بہت سی مائیں ربوہ میں بھی ایسی پائی جاتی ہیں جن کو احساس ہی نہیں ہے کہ ان کے بچوں کو وقفِ جدید کے مالی بار کے اٹھانے کی طرف متوجہ ہونا

چاہیے۔ جو بچہ روپیہ یا ڈیڑھ روپیہ یا اٹھنی یا چونی گندی چیزوں کے کھانے پر صرف کرتا اور صحت کو خطرہ میں ڈالتا ہے اگر اس کو اس طرف متوجہ کیا جائے کہ یہ چند آنے تم وقفِ جدید میں دو اور اس طرح اپنی روحانی صحت کے بنانے کی کوشش کرو اور وقفِ جدید کی اہمیت ان پر واضح کی جائے اور احمدی بچے کی جو شان ہے اور اللہ تعالیٰ اسے جس مقام پر دیکھنا چاہتا ہے وہ شان اور وہ مقام اسے اچھی طرح سمجھایا جائے اس زبان میں جس زبان میں کہ بچہ سمجھ سکتا ہے۔ چھوٹے سے چھوٹا بچہ بھی اگر اس کی زبان میں بات کی جائے تو بڑی گہری باتوں کو بھی سمجھنے کے قابل ہوتا ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ اس کی زبان میں بات کی جائے سادہ طریقہ سے اس کو سمجھایا جائے تو وہ سمجھ سکتا ہے بلکہ بعض بوڑھوں سے بعض دفعہ بعض بچے زیادہ جلدی سمجھ جاتے ہیں اور زیادہ شوق سے اپنی ذمہ داری کو نباہنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن نہ مائیں اس طرف متوجہ ہیں اور نہ باپوں کو کچھ خیال ہے کہ ہم اپنی ذمہ داری کو نباہیں۔

اس وقت تک میں سمجھتا ہوں کہ جو ذمہ داری میں نے وقفِ جدید کے سلسلہ میں احمدی بچوں پر ڈالی تھی جماعت کے احمدی بچوں میں سے ابھی ۲۰ فیصدی بمشکل ایسے ہیں جنہوں نے اپنی ذمہ داری کو سمجھا ہے اور اس کی ادائیگی کی کوشش کر رہے ہیں باقی اسّی فیصدی بچے جماعت کے ایسے ہیں کہ جو اپنی ذمہ داری کو نہیں سمجھ رہے ہیں اور اس کے نتیجہ میں اس کی ادائیگی کی طرف بھی متوجہ نہیں ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ جماعت کے اسّی فیصدی باپ اور جماعت کی اسّی فیصدی مائیں ایسی ہیں جنہیں یہ احساس ہی نہیں ہے کہ انہوں نے اپنے بچوں کے لئے خدا کی رضا کی جنت کو کس طرح پیدا کرنا ہے کیا آپ اس بات کو پسند کریں گی اے احمدی بہنو! اور کیا آپ اس بات کو پسند کریں گے اے احمدی بھائیو!! کہ آپ کو تو خدا کی رضا کی جنت نصیب ہو جائے لیکن آپ کے بچے اس جنت کے دروازے سے دھتکارے جائیں اور دوزخ کی طرف ان کو بھیج دیا جائے یقیناً آپ میں سے کوئی بھی اس بات کو پسند نہیں کرے گا جب آپ ان چیزوں کو پسند نہیں کرتے تو پھر آپ ان ذمہ داریوں کی طرف متوجہ کیوں نہیں ہوتے۔ پس اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں اور بچوں کے دلوں میں دین کی راہ میں قربانیاں دینے کا شوق پیدا کریں۔

ہماری جماعت میں امیر بھی ہیں اور غریب بھی ہیں میں یہ نہیں کہتا کہ ہر بچہ اٹھنی دے مگر میں یہ ضرور کہتا ہوں کہ ہر بچہ جتنا دے سکتا ہے ضرور دے اگر وہ دھیلا دے سکتا ہے، اگر وہ ایک پیسہ دے سکتا ہے، اگر وہ ایک آنہ دے سکتا ہے دونی دے سکتا ہے، چونی دے سکتا ہے تو اتنا اس کو ضرور دینا چاہیے ورنہ آج اس کے دل میں اسلام کی محبت کا وہ بیج نہیں بویا جائے گا جو بڑے ہو کر درخت بنتا اور شیریں پھل لاتا ہے۔

پس اپنی نسلوں پر رحم کرو اور اپنے بچوں سے اس محبت کا اظہار کرو جو ایک مسلمان ماں اپنے بچے سے کرتی ہے اور اس پیار کا اس سے سلوک کرو جو ایک مسلمان باپ اپنے بچے سے کرتا ہے اور ان بچوں کے دل میں سلسلہ کے لئے قربانیوں کا شوق پیدا کرو اور ان کے دل میں یہ احساس پیدا کرو کہ خدا تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے انسان کو بہرحال جدوجہد اور کوشش کرنی پڑتی ہے اس کے بغیر خدا تعالیٰ کی رضا حاصل نہیں ہوتی۔ اگر انسان خدا کی راہ میں قربانیاں نہ دے تو اس کے نتیجہ میں شیطان تو خوش ہو سکتا ہے مگر خدا خوش نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی ذمہ داریوں کے سمجھنے اور ان کے نباہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۹ جولائی ۱۹۶۷ء صفحہ ۲، ۳)

غلبۂ اسلام خدا تعالیٰ کے فیصلہ کے مطابق اس دنیا میں ضرور ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ اُس کو دنیا کی کوئی طاقت نہیں مٹا سکتی

خطبہ جمعہ فرمودہ ۷؍جولائی ۱۹۶۷ء بمقام کراچی

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا۔

دوست جانتے ہیں کہ انشاء اللہ تعالیٰ کل صبح اُداس مگر پُر امید اور پُر یقین دل کے ساتھ یورپ کے سفر پر میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ روانہ ہو رہا ہوں۔

اس سفر کی وجہ تو یہ بنی کہ کوپن ہیگن میں ہماری احمدی بہنوں کے چندہ سے ایک مسجد تیار ہو رہی ہے جو قریباً مکمل ہوگئی ہے۔ اس مسجد کے افتتاح کے لئے بعض دوستوں نے مشورہ دیا تھا کہ مجھے وہاں جانا چاہیے مسجد کے افتتاح کا تو ایک بہانہ ہے۔ کیونکہ خدا کے گھر کا انسان نے کیا افتتاح کرنا ہے۔ لیکن اس خیال سے کہ یہ ایک تقریب باہر سفر کی پیدا ہوگئی ہے۔ اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ وہاں جانے کا پروگرام بنایا، ایسے وقت میں بنایا کہ جب مشرقِ وسطیٰ کے حالات ابھی پوری طرح خراب نہ ہوئے تھے۔ لیکن آثار سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ وہاں جنگ غالباً شروع ہو جائے گی۔ اس لئے ہم نے راستہ لیا ہے۔ طہران، ماسکو، فرینکفورٹ کا۔ اس وقت بھی میں نے ہدایت دی تھی کہ یہ راستہ اختیار کیا جائے مشرقِ وسطیٰ کے بعض ملکوں میں جو فلائٹس اُترتی ہیں وہ راستہ نہ لیا جائے اب تو بعض ایروڈرام اسلامی ملکوں کے پھر کھل گئے ہیں (ہوائی جہازوں کے لئے) لیکن

ایک عرصہ بند بھی رہے ہیں۔اب بھی بعض ملک ایسے ہیں کہ وہاں کی فلائٹس ابھی جاری نہیں ہوئیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس میں بھی شاید اللہ تعالیٰ کی کوئی حکمت ہے۔اس لئے کہ جب یہ سفر سامنے آیا اور پھر ہم نے غور کیا اور پھر فیصلہ کیا کہ ہم روانہ ہونگے۔تو اس کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعدد الہامات کے متعلق غور کرنے کا موقع ملا اور بعض ایسی باتیں توجہ کے سامنے آئیں۔ پڑھتے تو ہم پہلے بھی تھے۔لیکن توجہ خاص طور پر ان کی طرف مبذول ہوئی جو اس طرح نمایاں طور پر نظر کے سامنے نہیں تھیں۔مثلاً ایک بڑی نمایاں چیز ہمیں یہ نظر آتی ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جن پانچ عالمگیر تباہیوں کے متعلق خبر دی ہے جن میں سے دو جو ہیں وہ پہلی عالمگیر جنگ اور دوسری عالمگیر جنگ کی شکل میں ظاہر ہو چکی ہیں بڑی تباہی ان کی وجہ سے دنیا میں ہوئی اور لاکھوں اموات انسانوں کی ہوئیں ایک تیسری عالمگیر تباہی (پانچ میں سے تیسری) قریب ہمیں نظر آرہی ہے۔تو جب ان تینوں کے متعلق اور ان الہامات پر سوچا گیا اور غور کیا گیا تو بعض نئی باتیں سامنے آئیں۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جہاں ان عالمگیر تباہیوں کا ذکر فرمایا ہے وہاں بڑی تفصیل کے ساتھ ان کی علامات بھی بتائی ہیں جو چیز سامنے آئی اور بڑی دلچسپ تھی وہ یہ کہ بعض ایسی علامتیں بتائی گئیں ہیں جو پہلی جنگ پر تو چسپاں ہوتی ہیں لیکن دوسری بعد میں ہونے والی کے متعلق ہم نہیں کہہ سکتے۔بعض ایسی علامتیں ہیں جو پہلی اور دوسری عالمگیر جنگ اور عالمگیر تباہی جو دنیا پر آئیں ان پر تو چسپاں ہی نہیں ہوتیں نہ ہوسکتی تھیں۔اس وقت ایسے حالات ہی نہیں تھے کہ وہ واقعہ جس کا تعلق موجودہ تباہی کے ساتھ ہے وہ واقعہ ان عالمگیر تباہیوں کے حالات میں ہو ہی نہیں سکتا تھا ناممکنات میں سے تھا۔مثلاً ایک بات حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کسی ایک عالمگیر تباہی کے متعلق یہ بیان فرمائی ہے کہ اس موقع پر علاقے کے علاقے ایسے ہوں گے جہاں سے زندگی ختم ہو جائے گی یہ نہیں کہ انسان مر جائیں گے یا بعض چرند اور پرند جو ہیں اس کی لپیٹ میں آجائیں گے بلکہ وہاں لائف نہیں رہے گی۔لائف ایگزیسٹ نہیں کرے گی۔ (اس علاقہ میں) بڑی وضاحت کے ساتھ واضح الفاظ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس بات کو بیان کیا ہے۔پہلی عالمگیر تباہی اور دوسری عالمگیر تباہی

کے موقع پر کوئی علاقہ ایسا نہیں تھا۔ جہاں زندگی ختم ہوگئی ہو نہ ایسا ہونا ممکن تھا سوائے ایک نمونہ کے جو دوسری عالمگیر تباہی کے آخر میں دنیا کو دکھایا گیا اور میں سمجھتا ہوں کہ اس میں دنیا کو یہ سبق لینا چاہیے جو انہوں نے نہیں لیا کہ جو تیسری عالمگیر تباہی ہے۔ اس تباہی کے موقع پر اس قسم کے حالات پیدا ہونگے یعنی جو ایٹم بم امریکہ نے جاپان پر پھینکا وہ ایک چھوٹا سا علاقہ تھا۔ جس میں زندگی ختم ہوگئی انسان کی زندگی نہیں، پرندکی زندگی نہیں، چوپایوں کی زندگی نہیں بلکہ کوئی کیڑا مکوڑا ابھی وہاں زندہ نہیں رہا۔ صحیح طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس جگہ سے زندگی ختم ہوگئی ہے۔ تو اس قسم کی تباہی جو ہے اس کی خبر دی گئی ہے دنیا کو۔ جس وقت یہ خبر دی گئی تھی۔ اس وقت کسی انسان کو بھی وضاحت کے ساتھ یہ علم نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ایٹم کے اندر اس قدر توانائی رکھی ہے۔ ایک اَنہونی بات تھی۔ اس واسطے ہم پڑھتے تھے اور گزر جاتے تھے۔ کوئی کچھ خیال کرتا ہوگا کوئی کچھ!!! سمجھ میں نہ آسکتی تھی یہ چیز۔ لیکن اب ہماری سمجھ میں آنے لگ گئی ہے ایک اور ایسی چیز جو بالکل ناممکن ہے اس وقت۔ اس کی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خبر دی ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ نے کہا کہ

رشیا میں مَیں جماعت کے آدمیوں کو دیکھ کر........★

ایسی زبردست پیشگوئی ہے کہ انہونی بات ہے عقل کے نزدیک، خدا کے نزدیک تو ہونی بات ہے ہو کر رہے گی۔ لیکن عقل کے نزدیک یہ انہونی بات ہے اس قوم کا مذہب کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ وہ قوم یہ دعویٰ لے کر کھڑی ہوئی ہے کہ ہم زمین سے خدا تعالیٰ کے نام کو اور آسمان سے اس کے وجود کو مٹادیں گے اور اس قوم کے متعلق یہ پیشگوئی کی جارہی ہے کہ وہ نہ صرف اپنے اس دعویٰ میں ناکام ہوگی بلکہ بتایا یہ جارہا ہے کہ یہ قوم جو دنیا میں اس دعویٰ کے ساتھ کھڑی ہوئی کہ مذہب ہے ہی سارا دھوکا بازی اور نہ خدا اور نہ اس قسم کی ہستی ممکن ہوسکتی ہے نہ یہ مذاہب خدا کی طرف سے ہیں۔ عام طور پر یہ مشہور ہے کہ ایک لاکھ بیس ہزار یا چوبیس ہزار پیغمبر دنیا میں آیا۔ ان لوگوں کے نزدیک یہ ایک لاکھ چوبیس ہزار مقدس وجود جنہوں نے نہ صرف دلائل کے

★ میں اپنی جماعت کو رشیا کے علاقہ میں ریت کی مانند دیکھتا ہوں۔

ساتھ بلکہ آسمانی نشانوں کے ساتھ اپنی صداقت دنیا کے سامنے پیش کی تھی سارے فراڈ تھے۔

تو اس قوم کے متعلق دو باتوں کا ذکر کیا گیا ہے اور بظاہر وہ دونوں ہی انہونی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ اگر یہ ایٹامک ورلڈ میں ہوگئی ایٹم کی جنگ کے اندر یہ ملوث ہوئے اور لڑ پڑے دوسرے گروہوں کے ساتھ، تو جہاں بڑی کثرت سے تباہی آئے گی اور اس کے ملک میں بھی بعض علاقے ایسے ہوں گے کہ جہاں زندگی کا خاتمہ ہوجائے گا وہاں ساتھ ہی یہ بھی بتایا ہے کہ اس ملک میں بسنے والوں کی کافی تعداد بچ جائے گی مرے گی نہیں اور پھر وہ اپنے ملک میں پھیلے گی اور اسے آباد کرے گی اور دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ اس قسم کے آسمانی نشان ظاہر کرے گا کہ وہ خدا کی طرف رجوع کریں گے اور تیسرے یہ کہ جب وہ خدا کی طرف رجوع کریں گے تو سوائے احمدیت کی گود کے اور کہیں ان کو پناہ نہیں ملے گی۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ اگر ہم نے اللہ تعالیٰ سے حقیقی اور سچا تعلق قائم کرنا ہے تو احمدیت ہی اس کا ذریعہ ہے۔ جس کے نتیجہ میں ہم اپنے پیدا کرنیوالے اپنے ربّ سے حقیقی اور سچا تعلق قائم کرسکتے ہیں۔ یہ ساری باتیں آج ناممکن نظر آتی ہیں۔ یا کم از کم ایسا دعویٰ کر دینا بڑا ہی عجیب معلوم ہوتا ہے۔ ہمیں یہ تو نظر آ رہا ہے کہ شاید ایٹم کی جنگ ہوجائے لیکن یہ دعویٰ کرنا کہ اگر ایٹم کی جنگ ہوجائے تو امریکہ کے متعلق جہاں تک مجھے علم ہے یہ نہیں بتایا گیا کہ سارے مرجائیں گے تباہ ہوجائیں گے یا بچیں گے نہیں بچیں گے۔ لیکن روس کے متعلق بتایا گیا ہے کہ اگرچہ اس کے بعض علاقے تباہ ہوجائیں گے لیکن اس قوم کی اکثریت زندہ رہے گی وہ اسلام کو قبول کرے گی اور اپنے ربّ سے تعلق قائم کرے گی۔ اتنا زبردست دعویٰ اور اتنی انہونی بات حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دنیا کے سامنے رکھی۔ دنیا اس وقت تک بھی اس بات کو ہنسی اور ٹھٹھے میں اڑاتی رہی ہے لیکن یہ واقعہ تو ہو کر رہنے والا ہے اور جب میں کہتا ہوں کہ یہ واقعہ ہو کر رہنے والا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک یا دو باتیں دنیا کے سامنے ایسی نہیں رکھی ہیں جو انہونی نظر آتی تھیں دنیا کو بلکہ ایک سلسلہ ایسی باتوں کا آپ نے رکھا۔ اس میں سے پہلی بات تو ہو چکی۔ آپ نے فرمایا تھا ۱۹۰۲ء میں کہ اس وقت مغربی طاقتیں صرف مغربی طاقتوں

کو طاقت سمجھتی ہیں یعنی دنیا میں صرف ان کا اقتدار ہے اور جو وہ چاہیں باقی اقوام سے منواتی ہیں۔ اور دوسرے کسی ملک یا قوم کو یہ طاقت ہی نہیں کہ ان کے مقابل پر کھڑا ہو جائے لیکن آپ نے فرمایا کہ مشرقی طاقتیں اُفقِ سیاست اور اُفقِ انسانیت پر اُبھرنے والی ہیں۔ ۱۹۰۲ء میں آپ نے یہ فرمایا اور یہ بتانے کے لئے کہ یہ میری پیشگوئی کے مطابق اُبھرنے والی ہیں۔ آپ نے ساتھ ہی یہ فرمایا کہ جو مشرقی طاقتیں اُبھرنے والی ہیں ان کے صاحبِ اقتدار ہونے کے بعد اور ان کی وجہ سے کوریا کی حالت نازک ہو جائے گی۔ تو ان مشرقی طاقتوں کے ابھرنے کو کوریا کی نازک حالت کے ساتھ وابستہ کر دیا اس وقت یہ کسی کے وہم میں بھی نہ آ سکتا تھا۔ پہلے جاپان ایک مشرقی طاقت کی حیثیت میں اُفقِ انسانیت پر اُبھرا، پھر چین اُبھرا اور ہر دو طاقتیں جو ہیں وہ ایسی ہیں کہ ان کی وجہ سے کوریا بچارے کو مصیبت اُٹھانی پڑی۔ اس کی حالت زار رہی، اور نازک رہی اور لمبا عرصہ رہی۔ وہ بڑی عبرت ناک داستان ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے پڑھے لکھے احمدی بچوں اور دوستوں کو چاہیے کہ انسائیکلو پیڈیا اور دوسری ایسی کتابیں جن میں آرٹیکلز ہوں، اس کے متعلق، یا جو کوریا کی نازک حالت کی تفصیل بیان کرتی ہوں ان کا مطالعہ کریں۔ آدمی حیران ہوتا ہے کہ جس کو دنیا نہیں جانتی تھی۔ وہ دنیا کی خبریں دے رہا ہے اور خبریں بھی ایسی جنہوں نے تاریخِ انسانی کا رخ بدل دیا ہے اور وہ پیشگوئیاں جنہوں نے آگے جا کر تاریخِ انسانیت کا رخ بدلنا تھا۔ پہلی یہ بات بتائی اس سلسلہ میں، اس رنگ میں مَیں نے سوچا ہے۔ بڑا لمبا سلسلہ ہے لیکن بڑے اہم واقعات ہیں یہ۔ دو مشرقی طاقتوں کا اُبھر آنا اور مغرب کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جانا کہ یہ طاقت ہیں اور ہمارے مقابلہ کی طاقت ہیں۔ انسان حیران ہوتا ہے کہ وہ چین جو کسی شمار میں نہیں تھا ۱۹۰۲ء میں، جس کی وجہ سے کوریا کی نازک حالت ہوئی اب جو اس وقت جو سیاست دنیا کی چل رہی ہے۔ امریکہ (یونائیٹڈ سٹیٹس آف امیریکا) اور روس کو آپس میں قریب لانے کی وجہ ہی یہ چین ہے۔ تو یہ دونوں ملک سمجھتے ہیں کہ اگر ہم لڑ پڑے تو پھر دنیا پر چین کی حکومت ہوگی۔ اس واسطے بہتر یہ ہے کہ ہم نہ لڑیں آسمان سے کیا مصیبت آئے گی یہ تو وقت آنے پر پتہ چلے گا تو بہرحال عجیب واقعہ رونما ہونا ہے اور بالکل اَن ہونا، ناممکن۔ کوئی کھڑے ہو کر بڑے سے بڑا فلاسفر بھی اگر یہ بات کہتا اور کہتا

کہ میں ان باتوں سے نتیجہ نکالتا ہوں تو جو اس کے ماننے والے، اس کی قدر کرنیوالے اور اس کو بڑا اچھا دماغ والا سمجھنے والے لوگ بھی سمجھتے کہ اس بچارے کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ لیکن ایک مذہبی انسان دنیا کا جس کو پتہ ہی نہیں ظاہری حالات میں۔ جو کچھ اس نے علم حاصل کیا وہ منبع ہے علمِ غیب کا لیکن ظاہری حالات میں وہ دنیا کو نہیں جانتا اور دنیا اس کو نہیں جانتی اور وہ خبریں دے رہا ہے چین اور جاپان کے متعلق اور پھر وہ پوری بھی ہو رہی ہیں۔

پھر شاہی نظام کا روس کے اندر تباہ ہو جانا، اس کی خبر وقت سے پہلے دی بڑی زبردست پیشگوئی ہے۔ یہ ایک بادشاہت کی تباہی کی خبر نہیں بلکہ ایک ایسی بادشاہت کی تباہی کی خبر ہے جس کے بعد وہ چیز پیدا ہونی تھی جس نے دنیا کا رنگ بدل دینا تھا اور وہ کمیونزم ہے۔ دنیا میں بادشاہتیں قائم بھی ہوتی ہیں دنیا میں بادشاہتیں جو ہیں وہ مٹتی بھی ہیں۔ یہ نہیں کہا کہ مصر کا بادشاہ فاروق تباہ ہو جائے گا اس کی بجائے جمہوریت آ جائیگی اگرچہ وہ ایک واقعہ ہونا تھا اگرچہ وہ ایک غیب کا واقعہ تھا۔ یعنی وقت سے پہلے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بتاتے تو یہ علم غیب کی بات تھی جو آپ بتاتے۔ لیکن اس قدر اہمیت کی وہ حامل نہیں تھی جتنا کہ زار روس کا تباہ ہونا تھا اور نہ مصر کے بادشاہ کی تباہی ایسی تھی کہ انسان کی تاریخ کا دھارا اس نے بدل دینا تھا۔

تو جو بادشاہتیں تباہ ہوتی ہیں۔ ان میں سے اس بادشاہت کا انتخاب کیا جس کے نتیجہ میں دنیا کی تاریخ نے رنگ ہی اور پکڑنا تھا پھر کمیونزم کے برسر اقتدار آنے کی پیشگوئیاں ہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بتایا گیا اس لنک میں۔ پھر پانچ زلزلوں کی پیشگوئی ہے اور ان کی تفصیل بتائی گئی ہے، جیسا کہ میں نے بتایا ہے۔ اس تفصیل پر آپ غور کریں تو اس وقت تک دو واقعات اور ایک کی بعض باتیں ہمارے سامنے آ گئی ہیں۔ یہ شکل جو اختیار کر سکتی ہے اس کے متعلق تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور ان کو ہم نکال کے جنگ نمبر ایک کے ساتھ، جنگ نمبر دو کے ساتھ پھر تیسری ہونے والی کے ساتھ ملا کے دیکھ سکتے ہیں۔ جیسا کہ ایک بڑی نمایاں چیز میں نے آپ کے سامنے یہ رکھی ہے کہ علاقہ میں زندگی کا خاتمہ یہ ابھی تک نہیں ہوا ناممکن تھا۔ لیکن اب ممکن ہو گیا ہے ہمیں نظر آ رہا ہے جہاں ایک ہزار بم گر جائے ایٹم، وہاں زندگی ختم ہو جائے گی۔ کوئی

سارا ملک ہوا نگلستان جیسا، یا کسی ملک کا پچاس فیصد یا تیس فیصد یا دس فیصد لیکن جس جگہ وہ حملہ ہوگا وہاں زندگی باقی نہ رہے گی۔ پہلی دو جنگوں میں ایسا نہیں ہوا تیسری عالمگیر تباہی جو ہمارے سامنے آ رہی ہے۔اس میں ایسا ہونا ممکن بن گیا ہے۔ یہ نہیں ہم کہہ سکتے کہ ایسا ہو جائے گا اس کی ایک وجہ ہے۔اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دنیا میں مبعوث ہو کر یہ دعویٰ کیا ہے کہ میں بڑی بشارتیں لیکر آیا ہوں ان لوگوں کے لئے جو مجھ پر ایمان لاتے ہیں اور مجھے ڈرانے کا اور انذار کا حکم دیا گیا ہے ان لوگوں کے لئے جو میری طرف منہ نہیں کرتے ، اور اسلام پر ایمان نہیں لاتے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کو نہیں سمجھتے۔اپنے ربّ قدیر کے ساتھ پیار کا اور محبت کا تعلق قائم نہیں کرتے۔کیا ہمارا فرض نہیں کہ ہم یہ باتیں دنیا کو بتائیں اور بغیر کسی مزاحمت کے بتائیں بغیر کسی خوف کے بتائیں ، بغیر اس ڈر کے بتائیں ، کہ اگر ہم نے یہ باتیں کیں تو یہ لوگ ہم سے ناراض ہو جائیں گے یا ہمیں گالیاں دینے لگ جائیں گے یا بُرا بھلا کہنے لگ جائیں گے یا ہمیں تکلیف دینے کی کوشش کریں گے، کیونکہ ہمیں اس لئے پیدا نہیں کیا گیا کہ ہم اپنے نفسوں کو تکالیف دنیوی سے بچائیں ہمیں تو پیدا ہی اس لئے کیا گیا ہے کہ ہم دنیا کو تکالیف سے بچانے کی کوشش کریں۔

تو یہ باتیں میں چاہتا تھا کہ ان اقوام کے سامنے پیش کروں اب وہاں مجھے خوشی ہے اس لحاظ سے کہ حالات اس لحاظ سے بہتر ہو گئے ہیں کہ وہ چھپا ہوا تعصب جو ان لوگوں کے دلوں میں اسلام کے خلاف تھا وہ مشرق وسطیٰ کی جنگ سے ابھر آیا ہے۔اب کل یا صبح راستہ میں بعض حصے ڈاک کے میں نے پڑھے ہیں۔اس میں یورپ سے یہ خط آیا ہے کہ وہ افسران حکومت سوئٹزرلینڈ جنہوں نے پہلے یورپ کی ریسپشن میں آنا قبول کر لیا تھا، وعدہ کیا تھا، ہم آئیں گے انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا ہے کہ اس جنگ کے بعد اب ہم اس میں شامل نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ مسلمانوں نے جہاد کا اعلان کر دیا ہے مسلمانوں نے تو زبان سے جہاد کا اعلان کیا ہے۔دوسری طرف سے تو ہر قسم کے ہتھیار لیکر انہوں نے عملاً جا کر اعلان کیا اور بڑی تباہی مچائی اور بڑا مظلوم ہے اس وقت وہاں کا مسلمان۔کئی ملکوں سے تعلق رکھنے والا، گھروں سے بے گھر، زخمی، بالکل جیب میں ایک پیسہ

نہیں ،لنگڑے، لولے، وہ اپنے علاقوں کو چھوڑنے پر مجبور ہوئے ہیں اور دوسری جگہ پناہ لے رہے ہیں۔سوچ کے بھی انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

تو وہ تو بھول گئے سارا کچھ۔لیکن لفظ جہاد سے چڑ گئے ہیں۔تو ٹھیک ہے تمہارے چڑنے سے کیا حاصل ہوگا۔تم آج چند ہزار یا کم و بیش سمجھیں کہ زخمی اور جو وہاں مارے گئے میدان جنگ میں یا پھر جو شہری زخمی ہوئے، یا مارے گئے ایک لاکھ کے لگ بھگ ہوں گے۔تو ایک لاکھ تو کوئی چیز ہی نہیں اس تباہی کے مقابلہ میں جو تمہاری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے تمہارے سامنے کھڑی ہے۔جس کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ تم جو مرضی ہے کرلو اپنی طرف سے اس کو ٹال نہیں سکتے کوئی مصنوعی خدا تمہاری مدد کو نہیں آئے گا کوئی ماں جایا جو ہے، اس کو یہ ہمت نہیں پڑے گی کہ وہ آکے تمہیں اس تباہی سے بچالے اور تمہاری یہ تعلّی کہ خدا نہیں ہے، اور سب کچھ ہم ہی ہیں اور ہمیں سب کچھ طاقت ہے یہ تعلّی بھی تمہارے کام نہیں آئے گی خدا زور آور حملوں کے ساتھ اپنے وجود اور توحید کو آج منوانا چاہتا ہے اور وہ منوا کے رہے گا۔صرف ایک صورت ہے بچنے کی انبیاء کی اصل غرض تبشیر ہے بشارتیں دینا ہے، ان کو جوڑنے کے لئے ان کو راہ راست پر لانے کے لئے انذاری پیشگوئیاں کی جاتی ہیں۔ایک صورت ہے صرف بچنے کی اور وہ یہ ہے کہ وہ اصلاح کو قبول کریں اسلامی تعلیم کی حقانیت کو ان کے دل تسلیم کرنے لگیں اور آسمان کا نور جو ہے وہ ان کے سینوں کو اور انکی آنکھوں کو منور کر دے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بُرا بھلا کہنے کی بجائے آپ پر درود بھیجنے لگیں۔اس لئے کہ وہ حقیقتاً محسن اعظم ہے دنیا کا۔تو پھر وہ محسن اعظم اپنی شفاعت کے نتیجہ میں تمہیں بچا سکتا ہے۔(مغربی اقوام کو) اس کے علاوہ حفاظت کا کوئی ذریعہ ان کے پاس نہیں ہے۔احمق ہیں وہ لوگ اگر وہ اپنے آپ کو محفوظ سمجھتے ہیں۔

ان باتوں کا انکے کانوں میں ڈالا جانا ضروری ہے اور یہی میں بتا رہا ہوں کہ یہی مقصد ہے میرے سفر کا میں کھل کر ان سے بات کرنا چاہتا ہوں ایک دو نوٹ تو میں نے تیار کئے ان میں یہ ہوگا کہ بعد میں بعض ایسے قلبی سامان پیدا ہو گئے کہ دل ہی نہیں کچھ اور نوٹ تیار کرنے کا۔میں نے سمجھا وہی ہوگا جو کچھ ہوگا گھبرانے کی بات نہیں تسکین ہوگئی لیکن کھول کے انہیں بتانا چاہیے کہ کیا

کر رہے ہو تم۔ اپنے نفسوں پر ظلم، اپنی نسلوں پر ظلم۔ یہ پیشگوئیاں ہیں جو پوری ہو چکی ہیں اور یہ وہ واقعات ہیں جن کے پورا ہونے کا تصور بھی انسان نہیں کر سکتا تھا اس وقت جس دن یہ اعلان کیا گیا تھا کہ یوں واقع ہوگا اور یہ ایک سلسلہ ہے یوں ہوگا یوں ہوگا یوں ہوگا یوں ہوگا اور اس کے آخر پر یہ ہے کہ غلبۂ اسلام ہوگا وہ غلبۂ اسلام خدا کے فیصلہ کے مطابق اس دنیا میں ضرور ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ اس کو دنیا کی کوئی طاقت جو ہے مٹا نہیں سکتی۔

غلبۂ اسلام دو طرح ہو سکتا ہے یا یہ قومیں مسلمان ہو جائیں یا یہ قومیں تباہ ہو جائیں کیونکہ اسلام کے دشمن ہیں۔ تو ان کو یہ بتانا ہے انشاء اللہ جا کے کہ تم تباہ ہونے کا جو راستہ ہے۔ اس کی بجائے بچنے کا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے حصول کے راستے کو اختیار کرو۔ یہاں بھی میری طبیعت پر اثر ہے کہ ہم لوگ انذاری حصے کو نمایاں نہیں کرتے۔ تھوڑی سی مزاحمت پیدا ہوگئی ہے ہمارے میں اور یہ ظلم ہے۔ یعنی اگر حقیقتاً سچا جذبہ ہمدردی اور غمخواری کا ہے اور آپ کو نظر آ رہا ہے کہ آپ کا ایک بھائی تنور کے کنارے پر کھڑا ہے اگر یہ گر گیا تو جل جائے گا، راکھ ہو جائے گا۔ اس کے وجود کا نام و نشان مٹ جائے گا۔ اس وقت آپ کہیں جناب عالی! ذرا اِدھر متوجہ ہوئیے اور قبل اس کے کہ آپ اپنا فقرہ ختم کریں وہ اندر جا پڑے اس وقت تو ہمدردی کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو پکڑ کر بازو سے اسے جھٹکا دے کے پیچھے کریں۔ کہاں جا رہے ہو تمہیں نظر نہیں آ رہا آگے کیا ہے تمہاری ہمدردی کا یوں جذبہ ہونا چاہیے!!!

۱۹۴۷ء کی بات ہے مسجد اقصیٰ (قادیان) کے غربی دروازہ پر بعض ہمارے بھائی اور بہنیں تھیں جو احمدی نہیں تھے۔ وہاں وہ پھنس گئے تھے ان کو نکالنے کے لئے میں سامان کر رہا تھا میں اور میرے ساتھی۔ تو اوپر سے ایک سکھ بندوق لئے ہوئے آیا سامنے جو مکان تھا اس کی چھت پر، وہ رائفل اپنی یوں اُٹھا رہا تھا میری طرف نشانہ باندھنے کے لئے تو میرا ایک ساتھی جو میرے پاس کھڑا تھا اس کی اس پر نظر پڑ گئی۔ میری نظر اس طرف نہیں گئی کیونکہ میں دوسرا کام کر رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے میری حفاظت کرنی تھی اس کے دماغ کو صحیح راستہ پر ڈال دیا اگر وہ مجھے کہتا کہ میاں صاحب! جناب! آپ کی جان بڑے خطرہ میں ہے مہربانی فرما کر آپ اندر ہو جائیں تو

اتنے عرصہ میں اس کی رائفل چل پڑتی۔ اس نے ایک لفظ مجھ سے نہیں کہا اس نے اتنے زور سے مجھے دھکا دیا کہ میں پلٹیاں کھاتا ہوا مسجد کے اندر چلا گیا اور میں حیران کہ کہیں پاگل تو نہیں ہو گیا میرا یہ ساتھی !!! اس کے بعد ایک قدم لیا اور وہ اندر آ گیا تو مجھے کہنے لگا کہ رائفل کا نشانہ آپ کی طرف ہو رہا تھا اور کوئی صورت نہ تھی۔

ایسے وقت میں اپنے بھائی کو یا کوئی بزرگ بھی ہو اس کو دھکا دینا یہ محبت کی علامت ہے۔ یہ ہمدردی اور غمخواری کی علامت ہے۔ یہ بغض اور حسد اور کینہ کی علامت نہیں ہے۔ تو ان لوگوں کو آپ کو سمجھانا چاہیے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے یہ جو انذاری پیشگوئیاں ہیں ان کے متعلق ایک یہ وعدہ بھی دیا ہے یا اطلاع دی ہے کہ کبھی میں خاموشی اختیار کروں گا اور کبھی میں اپنے قہر کے جلوے دکھانا شروع کروں گا، کبھی میں روزہ رکھوں گا کبھی میں افطار کروں گا۔ بیچ میں ایسا زمانہ آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ مہلت دیتا ہے کہ شاید دلائل کے ساتھ اور محبت کے جو آسمانی نشان ہیں ان کے ساتھ دنیا سمجھ جائے۔ کبھی اللہ تعالیٰ اپنے غضب میں ہوتا ہے مجھ پر نامعلوم وجہ سے بھی اور بعض قرائن سے بھی یہ اثر ہے۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ آج خدا غضب میں ہے۔ پس خدا کے اس غضب سے اپنے بھائیوں کو بچانے کے لئے آپ سے ہر ممکن کوشش جو ہو سکتی ہے وہ کریں۔ دنیا کے ہر ملک میں جہاں بھی احمدی ہیں ان کا فرض ہے۔ اگر آپ پچھلے دو سال کے سارے اس قسم کے واقعات جن سے انسانی جانیں تلف ہوئیں ہیں وہ نکالیں اور ان کا مقابلہ کریں آج کل سے دس سال پہلے کے حالات سے یا سات سال پہلے کے حالات سے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ واقعی خدا غضب میں ہے۔ زلزلے ہیں، طوفان ہیں، قحط ہیں، آسمان کا پانی خشک ہو رہا ہے زمین کا پانی خشک ہو رہا ہے۔ ابھی راستہ میں ہی میں نے ایک خط پڑھا دیہات کے ایک احمدی دوست کا کہ اب تاریخ کے لحاظ سے مون سون کا موسم ہو گیا ہے مگر بارش کوئی نہیں ہوئی۔ خبریں یہ آئی تھیں کہ بعض گاؤں والے پینے کے لئے پانی پندرہ پندرہ میل سے لا رہے ہیں۔ پندرہ میل کے اندر اور کوئی کنواں نہیں جس کا پانی خشک نہ ہو چکا ہو بعض جگہوں کے متعلق یہ خبر بھی تھی کہ حکومت نے وہاں گہری کھدائی کے لئے سامان بھیجے تو نیچے سے پانی ہی نہیں ملا۔

جب آسمان کا پانی خشک ہو جاتا ہے تو زمین کا پانی بھی ساتھ ہی خشک ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ بھی سبق دینا چاہتا ہے کہ تم اپنی عقلوں سے خدا تعالیٰ کا قرب حاصل نہیں کر سکتے۔ خدا کے قرب کے حصول کے لئے تمہیں آسمانی پانی کی ضرورت ہے اور یہ آسمانی پانی آج محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند جلیل کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کی طرف بھیجا ہے۔ یہ کہنا کہ ہم آسمانی پانی کے محتاج نہیں کیونکہ ہماری عقلیں ہی ہماری سب بھلائی کا سب سامان پیدا کر سکتی ہیں اس سے زیادہ حماقت کی کوئی بات نہیں اور یہ دیہات کے واقعات بھی ثابت کر رہے ہیں آسمانی پانی خشک ہوا ساتھ ہی زمین کا پانی بھی خشک ہو گیا۔ زلزلے ہیں، آتش فشاں پہاڑ ہیں، بیماریاں ہیں، قحط ہیں، ہزار قسم کی بلائیں ہیں جو دنیا پر نازل ہو رہی ہیں اور تباہی کا جو مرکزی نقطہ ہے اس کی طرف جا رہی ہے۔ یہ ایک قانون قدرت ہے آہستہ آہستہ مینٹل ٹینشن کرتا ہے ہر چیز۔ تو یہ تباہی کے واقعات جو ہیں ان کے اندر شدت پیدا ہوتی چلی جا رہی ہے اور تباہی کے ان واقعات کا رُخ اس مرکزی نقطہ کی طرف ہے جو تیسری عالمگیر تباہی کی شکل میں دنیا پر ظاہر ہونی ہے جس کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئی ہے۔ اگر ہم انسان سے اور انسانیت سے محبت رکھتے ہیں ان کے ہمدرد اور خیر خواہ ہیں تو ہمارا فرض ہے کہ بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اور بغیر کسی خوف کے بغیر کسی مزاحمت کے ان باتوں کو ان کے سامنے رکھیں ورنہ اللہ تعالیٰ کے غضب کے مستحق ہوں گے۔

تو ارادہ ہے کہ ان حالات میں جو پیدا ہو گئے ہیں یعنی تعصب اور بھی بڑھ گیا ہے۔ اس قسم کی صاف صاف باتیں ان لوگوں کو بتائی جائیں تا کہ ان پر اتمام حجت ہو جائے۔ میں نے بعض دفعہ سوچا ہے کہ شاید ایسی عالمگیر تباہی اس وجہ سے رُکی ہوئی ہو کہ ہم نے ابھی تک ان قوموں پر اِتمامِ حجت نہیں کی اور خدا تعالیٰ نہیں چاہتا کہ قبل اس کے کہ اِتمامِ حجت ہو ان کو اپنی گرفت میں لے لے تو بڑی کثرت کے ساتھ اور بڑی تضرع کے ساتھ اور عاجزی کے ساتھ اور انتہائی ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبہ میں یہ دعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ان کی آنکھیں کھولے اور ان کو سمجھ عطا کرے اور عقل دے ان کو اور وہ صداقت کو پہنچاننے لگیں اور خدا تعالیٰ کے غضب سے بچ جائیں کیونکہ آج خدا تعالیٰ کے غضب سے بچانے کے لئے اور کوئی کشتی نہیں ہے۔ سوا اس کشتی

کے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے پیش فرمائی ہے اس سے باہر تباہی ہی تباہی ہے۔

پس اس سفر کے متعلق نئی اور پرانی بہت سی خوابیں دوستوں نے دیکھیں اور مجھے لکھیں۔ انجام کے لحاظ سے تو ساری مبشر ہیں ویسے بڑی مبشر خوابیں ہیں بعض لیکن بہت سی خوابوں میں بعض پریشانیوں کی طرف بھی اشارہ ہے سفر کی پریشانیاں۔ اللہ تعالیٰ جو اس بات پر قادر ہے کہ وقت سے پہلے ان پریشانیوں کی خبر دے دے وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ ہماری دعاؤں کے نتیجہ میں اور اپنی رحمت کو جوش میں لا کے ان پریشانیوں کو دور کر دے تو دوست دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ پریشانیوں سے تو بچائے اور جو بشارت کی باتیں ہیں جو خوشخبریاں ہیں ان کو پورا کرے۔ ایسا نہ ہو کہ ہماری کسی غفلت یا کوتاہی کے نتیجہ میں ان میں کوئی روک پیدا ہو جائے۔ میں نے خود ایک بڑی تفصیلی خواب دیکھی ہے وہ چند روز کی بات ہے بڑی مبشر خواب ہے مختصراً بتا دیتا ہوں۔ ورنہ بہت دیر ہو جائے گی۔ پہلے ہی دیر ہو چکی ہے میں نے دیکھا کہ ہم قادیان میں ہیں اور مجھے اور منصورہ بیگم (جو میری بیگم ہیں) ان کو عرفانی صاحب کے گھر کسی تقریب پر بلایا گیا ہے اور جب ہم وہاں پہنچے ہیں تو وہی گلی جو ہماری آنکھوں کے سامنے گلیاں پھرتی رہتی ہیں قادیان کی اسی گلی میں سے گزرے ہیں جو ماتھا ہے گلی کی طرف عرفانی صاحب کے گھر کا وہ بھی وہی ہے جو ہم نے دیکھا تھا لیکن جس وقت ہم اندر داخل ہوئے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک بہت بڑا حلقہ ہے جس کا دروازہ جو ہے اندر داخل ہونے کے لئے وہ بھی قریباً اتنا بڑا ہے جتنی یہ مسجد اور دو منزلہ اوپر تک گیا ہوا ہے۔ دونوں طرف اس کے کمروں کی قطار ہے اور جہاں وہ ختم ہوتے ہیں وہاں ہماری حویلیاں، چاروں طرف کمرے ہوتے ہیں۔ تو جو مجھے نظارہ نظر آیا اس سے ایک کمرہ پھر دونو طرف ایک ایک کمرہ وہاں بھی ہے اور سامنے ایک اونچی جگہ ہے سبز گھاس سے ڈھکی ہوئی اور ساری اس تقریب کا انتظام وہاں ہے اور ہمیں وہ لے گئے ہیں اور سب سے اونچی جگہ جو اس قلعہ کے اندر کی دیوار کی طرف منہ کر کے ایک کاؤچ بچھا ہوا ہے اس کے اوپر جا کے بٹھا دیا ہم دونوں کو اور اس وقت میں نے دیکھا کہ سامنے کی دیوار جو اندازے کے مطابق شاید دوسَو یا تین سَو فٹ ہوگی جس کا ہال ہی اتنا بڑا تھا داخلے کا اندازہ کر سکتے ہیں آپ۔ اتنی خوبصورتی کے ساتھ سجائی ہوئی ہے کہ

انسان اس زندگی میں اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔مختلف رنگ ہیں جو نکل رہے ہیں دیوار میں سے پھوٹ پھوٹ کر، نہ کوئی بلب ہے وہاں اور نہ کوئی ٹیوب ہے اور اس خوبصورتی میں میں محو ہو جاتا ہوں اتنی خوبصورتی ہے۔ میں تفصیل میں نہیں جاتا۔یعنی جب پہلی نظر اس پر پڑی ہے تو میں محو ہو گیا ہوں خوبصورتی میں۔ کچھ عرصہ کے بعد پھر میں نے اس کی تفصیل میں جانا شروع کیا تو پہلی چیز جو میرے سامنے نمایاں ہوئی وہ یہ تھی کہ سامنے بالکل اس بلندی پر جو دوسری منزل کی چھت کے قریب ہے بہت خوبصورت پھول جو پہلے نظر آرہے تھے وہ اُبھرے ہوئے تھے تو پہلے ہی لیکن توجہ نے انہیں اور اُبھار دیا اور میں نے دیکھا کہ وہاں پورے اس کی چوڑائی میں جو قریباً اتنی تھی جتنی یہ سامنے کی دیوار ہے۔اس کے اوپر لکھا ہوا ہے اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ اور مختلف رنگ ہیں جیسا کہ میں نے بتایا ہے اس کے بیچ سے پھوٹ رہے ہیں۔اس کے بعد میں نے زیادہ غور کرنا شروع کیا خوبصورتی کی تفصیل پر،تو میں نے دیکھا (ویسے میں مختصر کر رہا ہوں کیونکہ دیر ہوگئی ہے بعض حصہ عام آپ کو بتانے کے لئے تا کہ آپ کو دعا کی طرف زیادہ توجہ ہو) کہ وہ سارے خوبصورت پھول سے جو ہیں، وہ سارے شعر ہیں جن کو لکھا اس طرح گیا ہے۔سبز رنگ کی روشنی ان میں سے نکل رہی ہے کہ وہ پھول نظر آتے ہیں پہلی نظر میں،لیکن ہیں وہ شعر۔ جب میں نے غور کیا۔ مجھے یاد نہیں رہا کوئی شعر لیکن مجھے یہ یاد ہے کہ میں نے دو چار شعر پڑھے ہیں جب میں نے پڑھے تو مجھے یہ محسوس ہوا کہ یہ تو میرا سہرا ہے۔شادی کے موقع پر جو سہرا کہا جاتا ہے۔ وہ ساری دیوار کے اوپر کئی سَو شعر لکھا ہوا ہے اور سارا سہرا ہے اور مَیں دل میں حیران ہوتا ہوں اور اس کی تعبیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ غیر متوقع حالات میں خوشخبریوں کے سامان پیدا کرے گا۔ میں دل میں سوچتا ہوں کہ یہ عجیب لوگ ہیں انہوں نے مجھے بتایا ہی نہیں اور میرا یہ انتظام کر دیا ہے یہاں اور سہرا بھی وہاں لکھ دیا اور سارے پہ سجا دیا اور فنکشن کر دیا۔ یہ کیا انہوں نے کیا ہے؟ یہ عجیب بات ہے کہ نہ کوئی مشورہ نہ کچھ اور یہ ہو گیا ہے کیا۔

تو اس کے بعد میں نے اور غور کیا ہے تو میں نے دیکھا کہ دائیں طرف کا برج اوپر سے نیچے تک نہایت خوبصورتی کے ساتھ سجا ہوا تھا اور جس کے ہر ابھار اور پھول کی شکل میں سے روشنی

مختلف رنگوں کی نکل رہی تھی وہ سب کیلے کا ہے یعنی کیلے ہیں اس طرح ترتیب سے رکھے ہوئے کہ انہی سے الفاظ بنتے ہیں اوران کے اندر سے ہی روشنی نکل رہی ہے۔ کیلا اپنی تاثیر کے لحاظ سے بہت اچھا ہے اور درمیان میں ساری دیوار کے اوپر جو سجاوٹ ہے وہ خشک پھل کی ہے۔ بادام اور پستہ اوراس قسم کی دوسری جو چیزیں ہیں ان کے ہی سارے پھول بنائے گئے ہیں اوران سے ہی وہ شعر لکھے گئے ہیں اورحروف بنائے گئے ہیں اور ہر ٹکڑا جو ہے یعنی ایک بادام جو ہے اس کے اندر سے روشنی نکل رہی ہے۔کسی میں سے سرخ، کسی میں سے سبز، کسی میں سے کچھ اور قسم کی مختلف روشنیاں ہیں اور وہ اندر سے پھوٹ پھوٹ کر جس طرح پانی بہہ رہا ہوتا ہے چشمہ سے نکل کے اسی طرح روشنیاں نکل رہی ہیں ان سے۔ پھر میں نے دیکھا تو دائیں طرف ایک کمرہ جو اکیلا ہی ہے اس حصہ کا اوراس بازو کا اس پر میری جب نظر پڑی یعنی مجھے خیال نہیں آتا خواب میں کہ اس وقت اُبھری ہے لیکن میری نظر پڑی تو بیس فٹ اونچائی اور بارہ پندرہ فٹ چوڑائی کی دیوار کے اوپر ایک عورت کی تصویر ہے اور جب میں نے اس کوغور سے دیکھا تو مجھے یہ نظر آیا کہ وہ عورت قیام میں ہے۔اس طرح اس نے ہاتھ باندھے ہوئے ہیں، آنکھیں اس کی نیچی ہیں سجدہ گاہ کی طرف اورسر ڈھکا ہوا ہے تو میرے دیکھتے دیکھتے یعنی پہلے تو میں سمجھا تھا کہ تصویر ہے دیوار کے اوپر بن گئی لیکن میرے دیکھتے دیکھتے اس میں زندگی پیدا ہوئی اوراس کے ہونٹ ہلنے لگے اور ہے وہ کافی فاصلے پر مجھ سے کیونکہ میں اس کے مقابلہ پر کاؤچ کے اوپر بیٹھا ہوا ہوں لیکن وہ بڑی نمایاں مجھے نظر آرہی ہے اوراس کے ہونٹ اس طرح ہل رہے ہیں جس طرح وہ سورۃ فاتحہ پڑھ رہی ہو یا قرآن کریم کی کوئی اورسورۃ پڑھ رہی ہو اور پھراس کے بعد میں نے دیکھا کہ دائیں طرف مجھے وہ لے گئے ہیں دکھانے کے لئے تو جو دائیں طرف کمرہ تھا جب میں وہاں پہنچا ہوں میں اور جو میرے ساتھی ہیں تو جو سب کا مالک اوران کا کرتا دھرتا ہے اس نے مجھے کہا یہ دیکھیں دائیں طرف!!! اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا جب میں نے اس طرف دیکھا تو وہاں پانچ آٹھ گز کی کارڈ بورڈ پر جس طرح کارڈ پر آدمیوں کی شکلیں بنائی گئی ہوں اس طرح پہلو بہ پہلو وہ کھڑی ہیں وہ پانچ شکلیں جن میں سے یا دوعورتیں تھیں یا تین لڑکیاں دومرد یا دولڑکیاں اور تین مرد اب مجھے یاد

نہیں رہا اور جب میں نے یوں دیکھا تو ان کے اندر بھی زندگی پیدا ہوئی اور انہوں نے ہونٹ ہلانے شروع کئے۔ لیکن میں یہ نہیں سمجھا کہ یہ ہونٹ قرآن کریم کی تلاوت یا خدا تعالیٰ کی حمد کر رہے ہیں لیکن ہونٹوں کو ہلتے ہوئے میں نے دیکھا اور کہنے والے نے اس وقت یہ کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں ہمارے جو مر چکے ہیں تو میں نے اس کو جواب دیا جو تمہارے لوگ مر چکے ہیں مجھے ان سے کوئی دلچسپی نہیں اور یہ کہہ کر کہ مجھے ان سے کوئی دلچسپی نہیں میں اپنی بائیں طرف گھوم گیا اور وہاں کچھ قرآن مجید رکھے ہوئے تھے میں نے انہیں غور سے دیکھنا شروع کر دیا۔

ویسے تو بڑی مبشر خواب ہے اس کے دو حصے یہ بھی ہیں کہ ان اقوام کا ایک حصہ اسلام کی طرف مائل ہو جائے گا اور کچھ حصے جو ہیں انہوں نے اپنے لئے ہلاکت اور موت کو اختیار کرنا ہے۔ ہمیں جس چیز میں دلچسپی ہے وہ یہ ہے کہ جتنوں کو ہم موت اور ہلاکت سے بچا سکیں ہم انہیں بچا لیں۔

حافظ مبارک احمد صاحب نے جو آج کل سندھ میں ہیں مجھے لکھا ہے (خط جو مجھے ابھی ابھی دراز سے ملا ہے) کہ انہوں نے دو تین خوابیں دیکھی ہیں ان میں سے ایک یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تشریف لائے ہیں۔ حافظ صاحب لکھتے ہیں کہ میں کھڑا ہوا پھر مصافحہ کیا اور پھر سامنے کھڑا ہو گیا اتنی دیر میں ایک سانپ اُڑتا ہوا آیا اور ہم دونوں کے درمیان میں آ کر گرا، حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے اوپر پاؤں رکھا اس کا سر کچلا اور اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ کہتے ہیں تب میں نے دیکھا کہ یہ اصل سانپ بھی نہیں تھا بلکہ بچوں کا کھلونا تھا تو لکھتے ہیں کہ تعبیر میرے ذہن میں یہ آئی کہ مخالفت ضرور ہوگی کسی نہ کسی رنگ میں لیکن اس کی حیثیت بچوں کے کھلونے سے زیادہ نہ ہوگی۔

دوسرا انہوں نے لکھا کہ میں نے کشفی حالت میں دیکھا کہ ایک بزرگ سفید کپڑوں میں ملبوس میرے پاس آیا (یعنی حافظ صاحب کے پاس جنہوں نے خواب دیکھا) اور اس نے مجھ سے عربی میں باتیں شروع کیں تو حافظ صاحب سے وہ پوچھتا ہے کہ تمہیں پتہ ہے حضرت امیر المومنین یورپ کے سفر پر جا رہے ہیں؟؟؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں مجھے علم ہے۔ اس پر وہ مجھے کہنے لگا

پوچھنے لگا کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اجازت لے لی ہے؟؟ کہتے ہیں کہ جب اس نے یہ سوال کیا تو میں نے دیکھا کہ آپ آئے ہیں۔ ایک مسجد ہے اس کی محراب میں کھڑے ہو گئے ہیں تو میں بھاگ کے آپ کے پاس پہنچا ہوں، یعنی یہ سارا کشفی نظارہ ہے اور میں پوچھتا ہوں کہ کیا آپ نے اللہ تعالیٰ سے اجازت لے لی ہے؟؟ تو میں نے حافظ صاحب کو جواب دیا کہ ہاں!!! میں نے اجازت لے لی ہے اور اللہ تعالیٰ نے مجھے بڑی مبارک بشارت اور بڑی اعلیٰ درجے کی کامیابی کی خبر دی ہے تو اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ میں آپ کے پاس سے ہٹ کے پھر اسی بزرگ کے پاس (جو سفید کپڑوں میں ملبوس تھے) آ گیا اور کافی لمبا عرصہ وہ مجھ سے عربی میں گفتگو کرتے رہے۔ تو بیسیوں خوابیں ایسی ہیں اس خواب میں بھی، سانپ کا ایک ذکر ہے۔ خود میں نے خوابیں دیکھی تھیں کہ راستے میں کچھ پریشانی ہے جہاں تک اللہ تعالیٰ کی راہ میں پریشانی اور دکھ کا سوال ہے وہ تو خدا تعالیٰ کے بندے کے لئے دکھ نہیں ہوتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کسی نے سوال کیا کہ خدا کے بندوں کو دکھ کیوں پہنچتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ان سے جا کر پوچھو کہ وہ دکھ سمجھتے بھی ہیں کہ نہیں۔ تو جب وہ دکھ سمجھتے ہی نہیں تو تمہارے اعتراض کے کیا معنی؟؟؟ تو وہ تو کوئی چیز ہی نہیں لیکن اگر اصل مقصد حاصل ہو جائے اگر ہم اسلام کی فتح کے دن جلد لانے میں کامیاب ہو جائیں اتمامِ حجت کے بعد ان اقوام کی تباہی کی وجہ سے یا اتمامِ حجت کے بعد ان اقوام کو حلقہ بگوش اسلام بنانے کی وجہ سے جس طرح بھی ہو ہمارے لئے خوشی کا باعث ہے۔ اصل خوشی ہماری غلبۂ اسلام میں ہے۔ اصل خوشی ہماری اس چیز میں ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ یہ شیطان اور رحمٰن کی آخری جنگ ہے اور اس میں مقدر ہے کہ شیطان کا سر کچلا جائے تو ہم اپنے ربّ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ اے خدا! جو فیصلہ تو آسمانوں پر کر چکا ہے زمین پر ہماری زندگیوں میں اسے جاری کر دے۔ جاری تو وہ ضرور ہو گا بعد میں آنے والی نسلیں اس غلبہ کو دیکھیں گی اس دنیا میں بھی۔ اُس دنیا میں جا کے تو خوشی ہی خوشی ہے مومن کو۔ (اللہ تعالیٰ اپنی مغفرت کی چادر میں ہم میں سے ہر ایک کو لپیٹے) تو جس کو مغفرت مل گئی وہاں تو کوئی رنج نہیں ہے۔ لیکن انسان کی طبیعت کو اللہ تعالیٰ نے ایسا بنایا ہے کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ اسلام کے حق میں جو فیصلے ہیں ہماری زندگیوں میں

جاری ہو جائیں اور وہ باتیں جو ہیں وہ پوری ہو جائیں۔ وہ بشارتیں جو ہیں ان کو ہماری آنکھیں اسی کے مطابق ہوتا دیکھ لیں جو ہمیں بتایا گیا ہے تو ہماری یہ خواہش ہے اور ہم میں سے ہر ایک کی یہ خواہش ہونی چاہیے کہ ایسا ہو۔ شاید کچھ زیادہ تفصیل ہو گئی ہے تفصیل میں صرف اس لئے جا رہا ہوں کہ شاید اس کے نتیجہ میں آپ پہلے سے بھی زیادہ دعائیں کرنے لگیں کہ اس وقت دعاؤں کی بڑی ضرورت ہے، دعاؤں کی ضرورت ہے۔ اس سفر کو کامیاب کرنے کے لئے بھی کہ بغیر دعا کے ہمارا کوئی سہارا نہیں ہے۔ دعاؤں کی ضرورت ہے غلبۂ اسلام کے لئے بھی کہ آج سب سے زبردست ہتھیار اسلام کو اللہ تعالیٰ نے دعا کا ہی دیا ہے اور دعا کی ضرورت ہے آج انسان کو کہ اگر آج کی دعائیں اس کے حق میں قبول نہ ہوئیں تو خدا تعالیٰ کے قہر کا فیصلہ ان کے حق میں جاری ہو جائے گا۔

پس ہر نقطۂ نگاہ سے دعائیں کریں دعائیں کریں پھر دعائیں کریں کہ اللہ تعالیٰ کا عرش جنبش میں آجائے اور وہ یہ سمجھے کہ میرے بندوں نے اپنی زاری کو انتہاء تک پہنچایا اس لئے میں بھی اب اپنے رحم کو اپنی انتہاء تک پہنچاؤں گا۔

(از رجسٹر خطباتِ ناصر غیر مطبوعہ)

احباب قرآن کریم کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وابستگی پیدا کرنے کی کوشش کریں

خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۴؍جولائی ۱۹۶۷ء بمقام ہیگ۔ ہالینڈ

حضور اقدس نے انگریزی زبان میں ایک مختصر مگر ایمان افروز خطبہ ارشاد فرمایا جس کا ملخص یہ ہے کہ احباب قرآن کریم کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وابستگی پیدا کرنے کی کوشش کریں اور اس کی برکات حاصل کرنے کے لئے جن وسائل اور طریقۂ کار کی ضرورت ہے اس کو صحیح طور پر بروئے کار لائیں۔ اس ضمن میں حضور نے عربی زبان سیکھنے کی طرف خاص طور پر توجہ دلائی۔ حضور نے فرمایا کہ انسان جب اس محنت اور کوشش کے نتیجہ میں ظاہری طور پر قرآن کریم تک پہنچنے کے قابل ہو جائے گا تو اس کے بعد اس کے لئے بطن قرآن اور اس کی دیگر گہرائیوں تک پہنچنے کی منزل بھی آسان اور قریب تر ہو جائے گی جو کہ اصل مقصود ہے۔ یہ پاک اور اہم مقصد خدا تعالیٰ کے فضل کے بغیر حاصل ہونا ممکن نہیں۔ مگر اس کے فضلوں کو جذب کرنے کے لئے خلوصِ نیت کے ساتھ عملاً سچی محنت کی ضرورت بھی ہے جس کی طرف توجہ دینا ہمارا اوّلین فرض ہے۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۱۳؍اگست ۱۹۶۷ء صفحہ ۳)

اسلام میں احمدیت ایک ایسا قلعہ ہے جس میں داخل ہو کر انسان سب شیطانی حملوں سے بچ جاتا ہے

خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۸؍جولائی ۱۹۶۷ء ۔ بمقام مسجد فضل ۔ لنڈن

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا:۔

انشاء اللہ تعالیٰ میں اپنے بھائیوں سے لمبی گفتگو تو جلسہ سالانہ کی تقریب پر جو یہاں ہو گی کروں گا۔ آج میں آپ لوگوں کو اس طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ یہ زمانہ جس میں ہم رہ رہے ہیں نہایت تاریک زمانہ ہے۔ یہ براعظم اور اس کا یہ جزیرہ جس میں آپ اور دیگر پاکستانی رہائش پذیر ہیں روحانی طور پر تاریک براعظم ہے۔

اگر خدا تعالیٰ کا ایک فرستادہ دنیا کو یہ نہ بتاتا کہ ’’اس زمانہ کا حصن حصین میں ہی ہوں۔‘‘ (اور جس کی آمد سے دنیا کا یہ مضبوط قلعہ شیطان کے وساوس سے بچنے کی وجہ سے قہر الٰہی سے محفوظ رہا) تو یہ دنیا آج مر چکی ہوتی۔ خدا تعالیٰ نے جو بندوں سے پیار کرنے والا ہے اس دنیا کی نازک حالت کو دیکھتے ہوئے اپنے ایک بندے کو اس کی طرف مبعوث فرمایا اور اس دنیا کو ایک حصن حصین، ایک قلعہ بنادیا جس میں تمام دنیا کو پناہ مل سکتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک الہام جس کا کچھ حصہ یوں ہے۔ (الفاظ مجھے پوری طرح یاد نہیں) ’’محمد رسول اللہ پناہ گزیں ہوئے قلعۂ ہند میں۔‘‘

اس کا بھی یہ مطلب ہے کہ اسلام میں احمدیت ایک ایسا قلعہ ہے جس میں داخل ہو کر انسان سب شیطانی حملوں سے بچ جاتا ہے۔ ایک ایسا قلعہ جس میں خدا تعالیٰ کے فضل سے انسان اس کے غضب سے محفوظ رہنے کے بعد خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کر لیتا ہے۔

جب ہم ان اندھیروں میں بسنے والی اقوام کے ان لوگوں کو جو ایسے قلعوں میں داخل ہوئے یعنی ان اقوام کے احمدی افراد کے شاندار نمونہ، اخلاص، اسلام کے ساتھ تعلق، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کے دلوں میں عشق اللہ، ایک اللہ کی توحید پر ایمان اور اس کی صفات سے ان کے دلی لگاؤ اور ان کی فطرت میں خدا تعالیٰ کی صفات کے پَرتو کو دیکھتے ہیں تو ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ یہ الہام سچ اور برحق ہے کہ ’’اس زمانہ کا حصن حصین میں ہی ہوں‘‘۔

بڑی قربانیاں دینے والے لوگ اپنے اموال، اپنے اوقات، اپنے جذبات، اپنی عزتوں کو قربان کرنے والے لوگ ان میں پیدا ہو چکے ہیں۔ کوپن ہیگن میں وہاں کی جماعت نے یہ انتظام کیا تھا کہ احمدی بہنیں اور بھائی خود ہی کھانا پکاتے، برتن دھوتے اور دیگر امور رضا کارانہ طور پر سرانجام دیتے تھے۔ وہاں پر مَیں نے دیکھا کہ صبح سے رات کے بارہ بجے، ایک بجے تک ہمارے احمدی نومسلم بھائی اور بہنیں کام کرتی تھیں اور ہنستے ہوئے چہروں اور دلی بشاشت کے ساتھ رات کے بارہ بجے، ایک بجے واپس جاتی تھیں۔ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو وصیت کا چندہ دینے کے علاوہ سینکڑوں روپیہ احمدیت اور اسلام پر خرچ کرتے ہیں۔

ڈنمارک کے ایک دوست جن کی ماہانہ آمد ۳۰۰۰ کرون ہے جن میں سے وہ ۱۰۰۰ کرون ٹیکس میں دیتے ہیں اس آمد سے وصیت کا چندہ دیتے ہیں اور خطوط کے ذریعہ اگر کوئی اسلام سے متعلق سوال کرے یا اعتراض کرے تو اس کا تفصیلی جواب دیتے ہیں۔ اگر کوئی فون پر اسلام کے متعلق کوئی بات پوچھے یا اعتراض کرے تو اسے بھی تفصیلی تسلی بخش جواب دیتے ہیں ایک دفعہ ایک مہینہ میں محض فون کا بل ۲۰۰۰ کرون ہو گیا۔ انہوں نے دعا کی اور خدا تعالیٰ نے بل ادا کرنے کا سامان پیدا فرما دیا تو اس قسم کا جذبۂ محبت و عشق ان کے دلوں میں موجزن ہے۔

جہاں یہ نقشہ، یہ حالت، یہ عشق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے لئے یہاں کے

لوگوں میں نظر آتا ہے وہاں یہ سوچ کر دل کچھ گھبراتا ہے کہ ہمارے سینکڑوں ہزاروں پاکستانی آدمی جو یہاں بستے ہیں، کیا ہم جو پاکستان کی طرف منسوب ہوتے ہیں ان ذمہ داریوں کو نبھا رہے ہیں یا نہیں ۔کیا ہم نمونہ کی زندگی بسر کر رہے ہیں یا نہیں پاکستان میں اس وقت جماعتِ احمدیہ کا مرکز ہے۔ وہ ملک جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ ذمہ داری عائد کی ہے کہ تمام دنیا میں اسلام کو پھیلائے اور اس عالمی مہم کے لئے بنیاد کا کام کرے وہ ملک جس کے باشندے خدا تعالیٰ کی آواز کے پہلے مخاطب ہیں۔ وہ کندھے جن پر سب سے پہلے اسلام کی ذمہ داریاں عائد ہوئیں کیا یہ لوگ نئے آنے والوں کے استاد بنیں گے یا بطور شاگرد ان کے سامنے بیٹھیں گے۔

مجھے انتہائی شرم محسوس ہوئی جب زیورک میں ایک ہمارے احمدی نو مسلم نے مجھے یہ بات بتائی (یہ احمدی دوست زیورک میں تین ہزار مزدور ترکوں کی دیکھ بھال کرتے ہیں) کہ میں ان مسلمان ترکوں کو اسلام سکھاتا ہوں یہ مسلمان کس قدر گر گئے ہیں یہ لوگ یورپ میں آئے جہاں کی زندگی انتہائی گندی ہے جس کا تصور کر کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ قومیں تباہی کے گڑھے پر کھڑی نظر آتی ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئی ہے کہ اگر یہ لوگ خدا تعالیٰ کی طرف رجوع نہ کریں گے تو دنیا سے مٹا دئے جائیں گے۔ یہاں پر ایک شخص اسلام لاتا اور احمدیت قبول کرتا ہے وہ ان لوگوں کو جو نسلاً بعد نسلٍ اسلام میں پیدا ہوئے اسلام سکھاتا ہے وجہ یہ ہے کہ یہ اقوام اسلام سے کلیتہً غافل ہو گئی ہیں اور انہیں چھوٹے چھوٹے مسائل کا بھی علم نہیں۔ ان کے علماء انہیں اس کی طرف توجہ نہیں دلاتے یہ لوگ رسم و رواج کی پابندی کرتے ہیں مگر احکام الٰہی کی طرف توجہ نہیں کرتے۔

اگر آپ ان رسوم کا مطالعہ کریں جو مسلمانوں میں رائج ہوئیں عام رسوم کو چھوڑتے ہوئے اگر وہ رسوم دیکھی جائیں جو اسلام سے ٹکراتی ہیں اور جنہوں نے مسلمانوں میں رواج پکڑ لیا ہے اس کی وجہ سے ان لوگوں نے خدا تعالیٰ کے احکام کو طاقِ نسیان میں رکھ دیا ہے۔

ہمارے اسی احمدی نو مسلم نے ایک مسئلہ کا ذکر کیا کہ ایک ترک رمضان میں بیمار ہو گیا اسے دوائی دی گئی تو اس نے انکار کر دیا اور روزہ رکھنے پر بہت اصرار کیا میں نے جب اسے قرآن مجید

سے دکھایا کہ بیمار روزہ نہیں رکھ سکتا تو اس نے روزہ افطار کیا۔ انہیں تو چھوٹی چھوٹی باتوں کا بھی علم نہیں یہ تو عام مسئلہ کی بات ہے لیکن دلائل و براہین تو ایک طرف ہیں دنیا آپ کو اس نگاہ سے نہیں دیکھ سکتی کہ اس شخص کو وہ دلائل و براہین آتے ہیں یا نہیں جو مسیح موعودؑ کے ذریعہ ان کو سکھائے گئے وہ تو آپ کا نمونہ دیکھے گی! وہ آپ کے دل میں گھس کر آپ کے اخلاص کا پتہ نہ لگائے گی! آپ کے دماغ میں گھس کر آپ کے نیک خیالات کا پتہ نہ لگائے گی! وہ تو آپ کا ظاہری نمونہ دیکھے گی۔ اگر وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ ایک احمدی، احمدی کی زندگی نہیں گزار رہا تو وہ کہے گی کہ اگر دلائل کا نتیجہ، آسمانی نشانوں کا نتیجہ کچھ بھی نہیں نکلتا تو آپ کے دلائل و براہین کا ہمیں کچھ بھی فائدہ نہیں۔

اگر وہ دیکھے کہ احمدی اپنی زندگی میں اسلام کا سچا اور کامل نمونہ ہیں، اگر وہ دیکھے کہ ایک احمدی جہاں اپنے ربّ سے سچا اور زندہ تعلق رکھتا ہے وہاں وہ اپنے ربّ کے حکم کی وجہ سے بنی نوع انسان کا سچا غم خوار اور ہمدرد بھی ہے اور ان کے چہروں پر روحانی اثر ہے۔ تو یہ چیز ان لوگوں پر دلائل و براہین سے زیادہ اثر کرے گی اگر وہ محض یہ دیکھیں کہ ایک دعویٰ تو ہے مگر اس کا ان پر اثر نہیں چھلکا تو ہے مگر مغز نہیں۔ دعویٰ تو ہے مگر نتیجہ نہیں اگر وہ یہ دیکھنا چاہیں کہ خدا سے جو زندہ تعلق ہوتا ہے کہاں ہے مگر وہ نظر نہ آئے تو خالی دعوؤں سے ہم یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ خدا تعالیٰ سے زندہ تعلق رکھنا چاہیے خواہ ہم کتنے ہی خیالی پلاؤ پکاتے رہیں اس کا اثر نہ ہوگا۔ اگر کسی جگہ کوئی انسان نورانی شمع جلتی ہوئی دیکھے گا تو وہ اس سے منور ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جو لوگ ان اقوام میں سے مسلمان ہوئے ہیں وہ خدا تعالیٰ کی برکتوں کو اپنے اوپر نازل ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں۔

اسی طرح افریقہ ہے میری نگاہ میں تاریک براعظم (Dark Continent) تو یہی مغرب کی سرزمین ہے مگر دنیوی لحاظ سے افریقہ مغربی اقوام کی نظر میں Dark Continent ہے وہاں اسلام و احمدیت ترقی پذیر ہے۔ ایک وقت تھا کہ عیسائی پادری علی الاعلان کہتے تھے کہ وہ وقت قریب ہے کہ جب پورے کا پورا Dark Continent عیسائیت کی گود میں ہوگا لیکن یہ بات خدا تعالیٰ کو منظور نہ تھی۔ سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت کے بعد یہ لوگ احمدی ہوئے اور اسلام کے سچے فدائی ثابت ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی معجزانہ تائید انہیں حاصل ہوئی انہیں سچی خوابیں آنے

لگیں اس وقت وہی پادری کہتے ہیں کہ اب افریقہ میں اگر ایک شخص عیسائی ہوتا ہے تو دس مسلمان ہوتے ہیں۔ یہ عجیب اور انہونی بات کیسے معرضِ وجود میں آئی؟ صرف ایک ہی چیز نظر آتی ہے کہ جب یہ لوگ احمدی ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اس تاریک علاقہ کے لوگوں کو ایسے سامان دیئے کہ ان کی روحانی ترقی بہت جلد ہونے لگی۔ ایسی ترقی جو وہ ۳۰۔ ۴۰ سال بعد حاصل کر سکتے انہوں نے بہت جلد حاصل کر لی۔ انہیں سچی خوابیں آنی شروع ہوئیں اپنے اور غیروں کے متعلق جو بعد میں سچی بھی ثابت ہوئیں دنیوی طور پر بھی انہیں جلد جلد ترقی ملنے لگی ان چیزوں کی وجہ سے اور ان روحانی ترقیوں کی وجہ سے ان کے دلوں میں عجیب عشق پیدا ہو گیا جب یہ لوگ دوسروں کو تبلیغ کرتے ہیں تو وہ اسلام کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔ یہ روحانی دولت ایسی دولت ہے جو دنیا سے نہیں ملتی۔ مالدار انسان اپنی ساری دولت دے کر بھی اللہ تعالیٰ کی دولت حاصل نہیں کر سکتا۔ اس دولت کو لینے کے لئے سب کچھ قربان کرنا پڑتا ہے اور جب خدا تعالیٰ مل جاتا ہے تو ساری دولتیں مل جاتی ہیں۔

آپ کو مَیں اس طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ اگلے زمانوں کی تعلیم بے شک کتابِ مکنون ہے لیکن ہر زمانہ کی تعلیم اپنے زمانہ میں کتابِ مبین کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے اس زمانہ میں اسلامی تعلیم کو اس رنگ میں پیش کیا ہے کہ ایک زندہ دل اثر قبول کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مگر محض قرآنی تعلیم کسی کو فائدہ نہیں دے سکتی جب تک اعمال صالحہ نہ ہوں یعنی موقع کے مطابق ہوں۔ بعض احکام تو مستقل ہیں مثلاً نماز روزہ وغیرہ لیکن بعض احکام کی شکلیں ہر زمانہ میں بدلتی رہتی ہیں مثلاً غریب کا خیال رکھنا۔ پہلی صدی، دوسری صدی، تیسری صدی اور چودھویں صدی میں بھی یہ تعلیم قائم رہی اور کس طرح غرباء کا خیال رکھنا چاہیے ہر زمانہ میں خدا تعالیٰ کا ایک بندہ کھڑا ہو کر راہنمائی کرتا رہا لیکن جہاں تک اسلام کے اعتقاد کا ذکر ہے حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت سے قبل سب درخت خشک ہو چکے تھے کیونکہ ظاہری اعتقاد کچھ نہیں جب تک ایمان نہ ہو اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ ایمان کا درخت اس وقت تک سرسبز نہیں ہوتا جب تک اعمالِ صالحہ کے پانی سے سیراب نہ کیا جائے نیک اعتقاد کا درخت مر جاتا ہے اگر اعمالِ صالحہ

نہ ہوں، وہ درخت بچ جاتے ہیں جنہیں موزوں وقت پر اعمالِ صالحہ کا پانی دیا جائے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسے براہین عیسائیت کے مقابلہ میں پیش کئے ہیں کہ ہمارے بچہ کے مقابلہ میں عیسائی پادری نہیں ٹھہر سکتا لیکن ظاہری لحاظ سے اس کا کچھ فائدہ نہیں جب تک وہ عیسائی یہ نہ سمجھ لے کہ روحانی انعام جو اسلام میں ملتا ہے وہ اس کی اپنی تعلیم میں نہیں۔

اسلام کے عقائد کا علم ہونے کے بعد اگر عمل کے وقت پیچھے ہٹ جائیں عمل صالحہ کی بجائے فسادوالا عمل کریں اور اس کی بو سے سارا علاقہ بدبودار ہو جائے تو ان عقائد کے علم کا کوئی فائدہ نہیں۔ اسلام کے مطابق زندگی گزاریں۔ اگلے ۲۰، ۳۰ سال دنیا کے لئے انتہائی نازک اور انتہائی خطرناک ہیں جس کا آپ کو تصور بھی نہیں آپ بھی اس عذاب سے بچ نہیں سکتے جب تک اپنے اموال اپنی جان اور عزت کی قربانی نہ دیں ورنہ اس کے قہر کا تازیانہ آپ پر بھی پڑے گا۔ خدا تعالیٰ کسی کا ذمہ دار نہیں ہے اپنے اعمال کی اصلاح کریں آپ نے صداقت قبول کر لی ہے اب اعمال صالحہ بجالانا آپ کے لئے مشکل نہیں یہ چیزیں غیروں کے پاس نہیں آپ روحانی کامیابی کے قریب ہیں جو زبان سے دعویٰ کرے عمل سے ثابت نہ کرے جس کے منہ سے براہین کے پھول جھڑ رہے ہوں مگر عمل سے اس کی خوشبو نہ آ رہی ہو ایسا شخص خدا تعالیٰ کی خوشنودی حاصل نہیں کر سکتا۔ ایمان کے ساتھ عمل ضروری ہے اس کے بغیر آپ خدا تعالیٰ کو خوش نہیں کر سکتے۔

عمل صالح کی توفیق بھی خدا ہی دیتا ہے اسی سے اس کی توفیق مانگنی چاہیے اللہ تعالیٰ آپ کو ایک احمدی کی سی زندگی گزارنے کی توفیق دے جہاں یہ زمانہ بڑا نازک ہے وہاں خدا تعالیٰ کی نعمتوں کے بھی دروازے کھلے ہیں بڑا بدبخت ہے وہ شخص جس کو دونوں دروازوں کا علم ہو مگر وہ اچھے دروازہ کو منتخب نہ کرے۔ آپ دنیا کے استاد بنائے گئے ہیں دعا کریں کہ اپنی غفلت کے نتیجہ میں دنیا کے شاگرد نہ بن جائیں۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۶ / اگست ۱۹۶۷ء صفحہ ۳ تا ۵)

دُعا کے ذریعہ ہی مغربی اقوام کو اسلام کی طرف متوجہ کیا جا سکتا ہے

خطبہ جمعہ فرمودہ ۴؍اگست ۱۹۶۷ء بمقام ونڈرمیئر لیک ڈسٹرکٹ ۔ برطانیہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا کہ

میری ایک رؤیا کا تعلق اسلام کی ترقی سے ہے میں نے دیکھا کہ کچھ لوگ کھڑے ہیں ایک شخص جس کا نام خالد ہے کہتا ہے کہ آپ نام رکھ دیں لیکن یہ یاد نہیں رہا کہ وہ کسی بچے کا نام رکھوانا چاہتا ہے یا کسی بڑے کا یا اپنا نام بدلوانا چاہتا ہے۔ میں نے کہا کہ میں ''طارق'' نام رکھتا ہوں۔ پھر میں نے کہا کہ طارق نام ہی نہیں دعا بھی ہے اور یہ دعا بہت کرنی چاہیے۔اس خواب کی مجھے یہ تفہیم ہوئی ہے کہ طارق رات کے وقت آنے والے کو کہتے ہیں۔ رات کے وقت ملائکہ کا نزول بھی ہوتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسلام کی نشأۃ ثانیہ کو صبح صادق کے ظہور سے تعبیر کیا ہے اور طارق کے معنی روشن اور صبح کے وقت طلوع ہونے والے ستارے کے بھی ہیں اور یہ ستارہ اس بات کی علامت ہوتا ہے کہ رات گزر گئی ہے اور دن چڑھنے والا ہے۔ پس اس خواب کا مطلب یہ ہوا کہ مغربی اقوام جو بظاہر مہذب کہلاتی ہیں لیکن درحقیقت انتہائی غیر مہذب اور گندی زندگی بسر کر رہی ہیں اور بظاہر اسلام کی طرف ان کی توجہ ممکن نظر نہیں آ رہی دعا کے ذریعہ ممکن ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ

کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ عقلی دلائل یہ سننے کو تیار نہیں ان کو تو دعا ہی خدا تعالیٰ کی طرف لا سکتی ہے۔ دلائل کے علاوہ دو صورتیں رہ جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ اگر یہ اپنے خالق حقیقی کی طرف متوجہ نہ ہوں تو عذابِ الٰہی ان پر نازل ہو جائے گا۔ جس کے نتیجہ میں ان کے دلوں میں تبدیلی پیدا ہو جائے گی۔ دوسرے ملائکہ کا نزول ہو جو ان کے دلوں کو اسلام کی طرف پھیریں۔ لیکن اس کے لئے بھی دعاؤں کی ضرورت ہے خصوصاً رات کے وقت کی دعاؤں کی۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے لئے فرشتوں کے نزول کے ذریعہ انقلابِ عظیم پیدا فرمائے گا اور خواہ میرا ذکر کہیں پہنچے یا نہ پہنچے۔ خدا تعالیٰ کے حکم سے ملائکہ لوگوں کے دلوں میں تغیر پیدا کریں گے اور ان کو حق کے قبول کرنے اور اسلام پر عمل کرنے کی طرف لائیں گے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں یسوع مسیح کی محبت یورپ میں بسنے والوں کے دلوں میں بہت زیادہ رچی ہوئی تھی اور یہ لوگ عیسائیت پر ایمان لائے بغیر نجات کو ناممکن سمجھتے تھے لیکن آج خدا تعالیٰ نے ملائکہ کے نزول کے ذریعہ سے ان کے دلوں سے عیسائیت کے بت سے نفرت پیدا کر دی ہے۔ یہاں تک کہ خود عیسائی پادری بھی یسوع مسیح پر الزام لگانے میں پیش پیش ہیں۔ نیز ایک عظیم بنیادی گناہ شرک دنیا سے مٹ رہا ہے اور اس سے کمتر گناہ یعنی دہریت نے اس کی جگہ لے لی ہے اس میں شک نہیں کہ شرک اور دہریت ہر دو ہی بڑے گناہ ہیں لیکن دہریت شرک سے کم ہے۔ قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو نہ ماننا اتنا بڑا گناہ نہیں جتنا شرک کرنا کیونکہ دہریہ تو روحانیت سے بالکل بے بہرہ ہے لیکن مشرک خدا تعالیٰ کو پہچان کر اس کے ساتھ شریک پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے اور یہ گناہ یقیناً دہریت سے زیادہ ہے اسی لئے قرآن کریم نے بار بار یہ فرمایا ہے کہ شرک کا گناہ معاف نہیں ہو سکتا۔ غرض ایک بڑے گناہ سے ہٹ کر یہ اقوام ایک نسبتاً چھوٹے گناہ کی طرف آ رہی ہیں اور ایک بڑی روک جو جذباتی تھی یعنی مسیح سے پیار اس کو فرشتوں نے مٹا دیا ہے۔ اب ایک خلاء پیدا ہوتا جا رہا ہے۔ اس خلاء کو اللہ تعالیٰ احمدیت اور اسلام کے ذریعہ ہی پُر کرے گا۔ انشاء اللہ۔

لیکن اس خلاء کو پُر کرنے کے لئے بھی دعاؤں کی ضرورت ہے اور جو خواب میں نے شروع میں بیان کی ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے مجھے اور میرے ذریعہ جماعت کو یہ توجہ دلائی ہے کہ اگرچہ کام بہت بڑا ہے اور ہم کمزور ہیں لیکن اگر ہم اپنے خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائیں تو خدا تعالیٰ معجزے دکھا کر اور ملائکہ کو نازل کر کے اور انذاری نشانات دکھا کر اسلام کی طرف ان اقوام کو متوجہ کر دے گا اور جو ہمارے دل کی خواہش ہے کہ یہ لوگ اسلام میں داخل ہوں پوری ہو جائے گی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ نے جو یہ وعدہ دیا تھا کہ اسلام کے غلبہ کے ایسے سامان پیدا کر دیئے جائیں گے کہ دنیا کا کوئی مذہب اس کا مقابلہ نہ کر سکے گا وہ سامان پیدا ہو جائیں گے۔ یہی ہم پر پہلی اور آخری ذمہ داری دعا کی ہے۔ ہمارا ہتھیار دعا ہی ہے جس سے کامیابی ہوگی۔ ہماری تمام تدبیریں تبھی کامیابی کا منہ دیکھ سکیں گی اگر ہم اس کے ساتھ دعاؤں کو شامل کر لیں۔ دعا ہی ہمیں دنیا میں فتح دے سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنے اور ان کو ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۱۶؍اگست ۱۹۶۷ء صفحہ ۲، ۳)

تیسری عالمگیر جنگ کے ساتھ غلبۂ اسلام کا زمانہ وابستہ ہے

خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۱؍اگست ۱۹۶۷ء بمقام مسجد فضل۔لنڈن

لنڈن ۱۱؍اگست ۱۹۶۷ء: آج اڑھائی بجے بعد دوپہر حضور نے مسجد فضل لنڈن میں تشریف لا کر خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا اور نماز جمعہ پڑھائی حضور کے خطبہ کا خلاصہ اپنے الفاظ میں درج ذیل کیا جاتا ہے۔

حضور نے تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

امریکہ سے بھی ہماری جماعت کے چند ممبر یہاں آئے ہوئے ہیں جو صرف انگریزی زبان ہی سمجھتے ہیں۔اس لئے میں نے ارادہ کیا ہے کہ آج کا خطبہ اُردو کی بجائے انگریزی زبان میں ہی دوں۔

ہم احمدی مسلمان ہیں اور اللہ تعالیٰ، قرآن مجید اور حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں۔خدا تعالیٰ پر ہمارا اعتقاد رسمی نہیں ہے بلکہ ہم اسے زندہ خدا سمجھتے ہیں اور یہ یقین رکھتے ہیں کہ ہم اس کے ساتھ زندہ تعلق قائم کر سکتے ہیں۔ہم میں سے سینکڑوں ہزاروں بلکہ لاکھوں اس کا ذاتی تجربہ رکھتے ہیں۔ہم اس بات پر بھی یقین رکھتے ہیں کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر روحانی فرزند تھے اور آپ دنیا میں مسیح موعود بنا کر بھیجے گئے تھے تا کہ آپ روحانی وجسمانی بیماریاں دور فرماویں۔یہ میرا ذاتی تجربہ

ہے کہ اسلام ایک عظیم الشان مذہب ہے اسلام نے صلح و آشتی کی جو تعلیم دی ہے اس کے مطابق تمام انبیاء سچے نبی تھے اور منجانب اللہ تھے اسی طرح جن مذاہب کی ان انبیاء نے تعلیم دی اور دنیا کے مختلف حصوں میں اپنی تعلیم رائج کی اور وہ مقبول ہوئی وہ اپنے محدود زمانہ تک قابل عمل رہی۔

ان انبیاء میں سے کوئی ایک نبی بھی جھوٹا نہیں تھا۔ خدا تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ کوئی جھوٹا نبی دنیا میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔ خدا تعالیٰ کا قہر جھوٹے مدعی نبوت پر نازل ہوتا ہے وہ اسے تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ اس کے تمام منصوبوں کو خاک میں ملا دیتا ہے اور اس کے متبعین کو منتشر کر دیتا ہے اور جو انبیاء اپنے مشن میں کامیاب ہوئے اور انہوں نے دنیا میں شہرت حاصل کی اور ایک عالم نے انہیں قبول کر لیا۔ یقیناً وہ خدا تعالیٰ کے برحق فرستادہ تھے۔

اسلام ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ ہم تمام انبیاء پر ایمان لائیں اور ان کا احترام کریں خواہ وہ بنی اسرائیل کی طرف بھیجے گئے ہوں یا دنیا کی کسی اور قوم کی طرف۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہم جب کسی مذہب کا انکار کرتے ہیں تو صرف اس کی موجودہ مسخ شدہ شکل اور محرف و مبدل تعلیم کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں۔

آج سوائے اسلام کے اور کوئی مذہب ایسا نہیں ہے جو کہ اپنی صحیح تعلیم پیش کر سکتا ہو۔ انسانی ہاتھوں کی دست بُرد سے یہ مذاہب محفوظ نہیں رہے اور پہلے مذاہب اپنے مذہبی نقطۂ نظر کے لحاظ سے صرف محدود لوگوں کے لئے ہی تھے۔ ان کا مقصد محدود وقت کے لئے سماجی و اخلاقی و روحانی ضروریات پوری کرنا تھا۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ سابقہ انبیاء جنہیں ابتدا میں لاکھوں لوگوں نے صدیوں تک برحق نبی کے طور پر تسلیم کئے رکھا۔ مسلمانوں کا دل ان سب کے لئے جذبۂ احترام و محبت سے معمور ہے۔ کیونکہ ایک سچا مسلمان اس بات پر کامل یقین رکھتا ہے کہ جو مذہبی تعلیم ان انبیاء نے دی تھی وہ اپنی اصل شکل میں ہرگز ہرگز غلط نہ تھی مگر آج محض اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس کی حقیقی تعلیم بالکل محفوظ ہے اور خدا تعالیٰ نے ان الفاظ میں ابتدا سے ہی اس کا وعدہ فرمایا کہ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ۔ (الحجر: ۱۰) کہ یہ شریعت ہم نے ہی نازل کی ہے اور ہم ہی اس کی یقیناً حفاظت کریں گے۔ قرآن مجید کے لاکھوں نسخے دنیا میں پائے جاتے ہیں اور

لاکھوں حفاظ قرآن مجید دنیا میں موجود ہیں جو کہ اس کی حفاظت کا ایک بین ثبوت ہیں۔

لاکھوں مسلمانوں نے خدا تعالیٰ کے ساتھ زندہ تعلق قائم کر کے اسلامی تعلیمات دنیا میں قائم رکھیں۔ خدا تعالیٰ نے انہیں اپنی جناب سے اسرارِ غیبیہ اور قرآنی نکاتِ معرفت سے بہرہ اندوز کیا ان مسلمانوں نے اخلاقی و روحانی مسائل کو اپنے اپنے زمانہ میں حل کیا۔ ہمارے زمانہ میں حضرت سید و مولا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک غلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسیہ کے طفیل ہماری اصلاح کے لئے مبعوث ہوئے۔ آپؑ نے اپنی تحریروں اور کلمات طیبات سے یہ ثابت فرمایا کہ تعلیمِ اسلام کامل و اکمل ہے اور اس کا مقابلہ دنیا کے کسی دوسرے مذہب کی تعلیم نہیں کر سکتی۔

زندہ نشانات اور آسمانی بشارات جو آپ پر ہر روز تائیدِ اسلام میں نازل ہوتے رہے ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام ہی ایک زندہ مذہب ہے۔ باقی تمام مذاہب ان زندہ نشانوں سے عاری ہیں۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ مردہ مذاہب ہیں ہم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہو کر خدا تعالیٰ کا چہرہ دیکھ سکتے ہیں اور تجلیاتِ الٰہیہ کا ذاتی طور پر مشاہدہ کر سکتے ہیں۔

ایک زندہ مذہب کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ کامل و اکمل ہو جس میں انسان اپنے طور پر کوئی اصلاح نہ کر سکے۔ اسلام نے یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ وہی درحقیقت ایک کامل مذہب ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا:۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔

(المآئدۃ:۴)

اس قسم کا دعویٰ کسی اور مذہب نے نہیں کیا۔ نہ ہی تورات نے اور نہ ہی انجیل نے اس بات کا دعویٰ کیا ہے۔

عہد نامہ قدیم میں یہ الٰہی وعدہ ہے:۔

”میں ان کے لئے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا اور

جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا نہ سنے تو میں ان کا حساب اس سے لوں گا۔'' [۶۱]

اگر عہد نامہ قدیم کی تعلیم پر عمل کرنے سے مستقبل کے مسائل کا حل ممکن ہوتا تو کسی نئے نبی کی بعثت کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا اور خدا تعالیٰ کے قہر اور اس کی تباہیاں اس نبی کے منکرین پر نازل نہ ہوتیں۔

عہد نامہ جدید نے بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اس کی تعلیم مکمل ہے جیسا کہ لکھا ہے:۔

''مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہیں مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ یعنی روحِ حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔'' [۶۲]

پس موسیٰ علیہ السلام نے بھی اس بات کا اقرار کیا ہے کہ تورات نامکمل کتاب ہے اور ایک موعود نبی کی کامل شریعت کی بشارت دی ہے۔ مسیحؑ نے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ ان کی تعلیم بھی مکمل نہیں ہے کیونکہ وہ وقت کامل واکمل شریعت کے لئے سازگار نہ تھا۔ انسانی دماغ اس بات کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا کہ وہ کامل شریعت کا مخاطب ہو۔ یہ کوئی بے بنیاد دعویٰ نہیں ہے بلکہ حضرت مسیح موعودؑ نے اسلام کے مخالفین کو چیلنج کیا کہ وہ اسلام کی کامل تعلیم کے مقابلہ میں اپنی تعلیم پیش کریں اور یہ ثابت کریں کہ ان کی تعلیم اسلامی تعلیم سے افضل ہے مگر کسی مذہب کا کوئی نمائندہ بھی میدانِ مقابلہ میں نہ آیا۔ مثال کے طور پر ایک دفعہ آپؑ سے ایک عیسائی نے یہ سوال کیا کہ قرآن مجید کے نزول کی کیا ضرورت تھی جبکہ مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ سچے نبی ہیں اور تورات ایک الہامی کتاب ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ یہ سچ ہے کہ موسیٰؑ خدا تعالیٰ کے نبی تھے اور یہ بھی درست ہے کہ تورات اپنی اصل شکل میں ایک الہامی کتاب تھی لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی تعلیمات کا دور ختم ہو چکا ہے اور آپ کی تعلیمات کا چشمہ خشک ہو چکا ہے۔ لہٰذا انسان کی روحانی پیاس اس سے نہیں بجھ سکتی۔ آج اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس کا روحانی سمندر

دلائلِ قاطعہ اور براہینِ ساطعہ سے ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ قرآنی علوم کے مقابلہ میں بائبل کی کچھ بھی حیثیت نہیں ہے۔ صرف سورۂ فاتحہ کی سات آیات ہی کو لے لیجئے ان کا مقابلہ بھی پوری تورات وانجیل نہیں کر سکتے چہ جائیکہ تورات اور انجیل مکمل قرآن کے مقابلے میں ٹھہر سکیں۔

آپ نے عیسائی مبلغین کو للکارا کہ وہ تورات اور انجیل کی تعلیمات کو قرآن کے مقابلے میں پیش کریں۔ صرف سورۂ فاتحہ ہی ایک ایسی جامع اور مکمل تعلیم پیش کرتی ہے جس کے مقابلے میں ان کی کئی کتب کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ چیلنج آج بھی قائم ہے اور میں اس بات کا آج بھی اعادہ کرتا ہوں کہ رومن کیتھولک اور عیسائیوں کے دوسرے فرقوں کے سربراہ اس چیلنج کو قبول کریں اور اسلام اور عیسائیت کی سچائی کا فیصلہ کرلیں۔

اسلام کی دوسری خصوصیت جو کہ دنیا کے کسی اور مذہب کو حاصل نہیں ہے یہ ہے کہ وہ اپنے پیدا کرنے والے کے ساتھ زندہ تعلق اور تازہ معجزات پر مبنی ہے۔

جب یہ دو خصوصیات ایک مذہب میں جمع ہو جائیں اس وقت اس کی روحانی روشنی سے سارا عالم جگمگا اٹھتا ہے اور اس کی ضیاء پاشی سے سارے شک وشبہات دور ہو جاتے ہیں۔ اور دلوں کو اس کی روشنی یقین اور ایمان کی دولت سے مالا مال کر دیتی ہے۔

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے اسلام کی صداقت کے ثبوت کے طور پر سینکڑوں بلکہ ہزاروں نشانات دنیا کے سامنے پیش کئے جن میں سے ایک یہ ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے اطلاع پا کر پانچ عظیم تباہیوں کے بارے میں پیشگوئی فرمائی۔ دو، پہلی اور دوسری جنگ عظیم کی صورت میں عظیم الشان طور سے پوری ہوئیں۔ تیسری ہولناک تباہی کے مہیب آثار آسمان پر ہویدا ہیں جس کے اثرات نہایت ہی خوفناک اور تباہ کن ہوں گے۔ اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یہ خبر بھی دی کہ اس تیسری تباہی کے ساتھ غلبۂ اسلام کا زمانہ بھی وابستہ ہے۔

اس تباہی سے بچنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ انسان سچے راستے کو اختیار کرے اور وہ راستہ اسلام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قہر عنقریب اس دنیا پر نازل ہونے والا ہے۔ تباہی

کی آگ بھڑک اٹھی ہے آؤ اور استغفار کے آنسوؤں سے اس آگ کے لپکتے ہوئے شعلوں کو سرد کرو۔ آؤ! اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رحم و کرم کے ٹھنڈے سائے تلے پناہ حاصل کرلو۔ اُٹھو اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک زندہ تعلق قائم کرو۔ آؤ! اگر تم اس بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنا چاہتے ہو۔

اللہ تعالیٰ آپ سب کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین

حضور نے خطبہ ثانیہ کے دوران اردو میں انگلستان کے احمدی احبابِ جماعت سے مخاطب ہوکر فرمایا:۔

’’میں آپ کو فضل عمر فاؤنڈیشن کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ مکرم ومحترم مولوی قدرت اللہ صاحب سنوری نے اپنی پیرانہ سالی کے باوجود اس ضمن میں بڑی محنت سے کام کیا ہے اور بہت سے دوستوں نے فضل عمر فاؤنڈیشن کی طرف توجہ کی ہے۔ اگر احمدی مستورات ڈنمارک کی مسجد کا تمام خرچ برداشت کرسکتی ہیں تو میں نہیں سمجھ سکتا کہ انگلستان کے احمدی بھائی فضل عمر فاؤنڈیشن میں کیوں اس رقم سے کم چندہ پیش کریں۔ جو احمدی بہنوں نے ڈنمارک کی مسجد کے لئے دی ہے۔

میں محبت و پیار کی ایک مثال آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ ایک دن دفتر نے (ملاقات کے پروگرام کے دوران) مجھے اطلاع دی کہ ایک بزرگ دوست گجرات سے آئے ہیں اور آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ وہ اتنے ضعیف اور بوڑھے ہیں کہ سیڑھیاں نہیں چڑھ سکتے۔ میں نے پیغام بھجوایا کہ اگر وہ سیڑھیاں نہیں چڑھ سکتے تو میں تو خدا تعالیٰ کے فضل سے نیچے اتر سکتا ہوں۔ میں سیڑھیاں اتر کے ان کے پاس گیا۔ وہ کھڑے ہو گئے اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے انہوں نے اپنی جیب یا دھوتی کی گرہ سے ایک رومال نکالا اور اسے کھول کر مجھے ۱۴۰؍ روپے دیئے کہ یہ فضل عمر فاؤنڈیشن کا چندہ ہے میں گجرات سے چل کر صرف یہی چندہ دینے آیا تھا۔

ایک غریب آدمی جس کی ساری پونجی شاید وہی تھی وہ حضرت فضل عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت میں گجرات سے چل کر ربوہ آکر وہ رقم پیش کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جہاں دعویٰ محبت ہو وہاں اس کے مطابق عمل بھی ہونا چاہیے۔ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھو۔ مولوی قدرت اللہ صاحب

۲۰؍ستمبر تک ابھی یہاں ٹھہریں گے۔آپ فاؤنڈیشن کی طرف توجہ کریں۔

میں یہ بھی بتانا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ سے مستقبل قریب میں اس سے بھی بڑی قربانیوں کا مطالبہ کرنا چاہتا ہے۔ اس وقت جماعت ایک نازک دور میں داخل ہے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ وہ بشارتیں جن کا وعدہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیا گیا تھا ہماری زندگی میں ہی پوری ہوں تو ہمیں عظیم الشان قربانیاں دینی ہوں گی۔ اتنا اشارہ ہی کافی ہے۔ خدا تعالیٰ ہم سب کو اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کی توفیق دے۔ آمین۔‘‘

(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۲؍اگست ۱۹۶۷ء صفحہ ۲ تا ۴)

صرف اسلام ہی دنیا کو ہولناک تباہی سے بچا سکتا ہے

خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۵ /اگست ۱۹۶۷ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا۔

احباب جماعت اور اس عاجز بندے پر اللہ تعالیٰ کے فضل کی بارش اور اس کی رحمت کے نشانات اُترتے دیکھ کر دل اللہ تعالیٰ کی حمد سے معمور ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے سارے سمندر محبت اور حمد اور تعریف کا پیراہن پہن کر اس چھوٹے سے دل میں سما گئے ہیں اور خدا کی حمد چاروں طرف بڑی موجوں کی شکل میں ابھر رہی اور موجزن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے (جیسا کہ اس نے اس سفر سے قبل خود بتایا تھا) اس سفر کو محض اپنے فضل سے اسلام کے لئے بہت ہی بابرکت ثابت کیا ہے۔

قبل اس کے کہ میں اپنی وہ رؤیا بیان کروں جو میں نے جانے سے قبل دیکھی تھی میں ایک اور دوست کی رؤیا بیان کرنا چاہتا ہوں۔ ایک دوست نے مجھے لکھا (مجھے یاد نہیں رہا کہ روانگی سے چند روز قبل یا روانہ ہونے کے بعد چند روز کے اندر اندر مجھے یہ خط ملا تھا) کہ میں نے رؤیا میں دیکھا ہے کہ کچھ مخالفت ہو رہی ہے بیرونی بھی اور اندرونی بھی۔ اور بعض معترض یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ رؤیا اور خواب بہت سنانے لگ گیا ہے۔

اس خواب کی دو تعبیریں میرے ذہن میں آئیں جن میں سے ایک کا ذکر میں اپنی کراچی والی تقریر میں کر چکا ہوں اور ہر دو کا ذکر اس وقت یہاں کرنا چاہتا ہوں۔ جب میں نے اپنے اس

دوست کی خواب پڑھی تو میری توجہ اللہ تعالیٰ نے اس طرف پھیری کہ اس سفر کے دوران بہت سی بشارتیں ملیں گی اور دوسرے یہ کہ مجھے ان بشارتوں کا ذکر جماعت کے سامنے کر دینا چاہیے۔ کیونکہ جب تک بشارتیں نہ ملیں اور ان کا ذکر بھی جماعت کے سامنے نہ کیا جائے۔ معترض اعتراض نہیں کرسکتا۔ یعنی اگر بشارت ہی کوئی نہ ملے تو اس قسم کا اعتراض کرنے والا ذہن سوچ ہی نہیں سکتا۔ اگر بشارتیں ملیں اور انکا ذکر نہ کیا جائے۔ تب بھی یہی حال ہے۔ پس اس دوست کی اس خواب سے میں ایک طرف بہت خوش ہوا کہ اللہ تعالیٰ بہت سی بشارتوں کے سامان پیدا کرے گا اور حاسد کے لئے حسد کے سامان بھی بہت سے پیدا کرے گا اور دوسری طرف میں نے خیال کیا کہ مجھے خاموش نہیں رہنا چاہیے بلکہ جماعت کے سامنے ان باتوں کا ذکر کر دینا چاہیے۔

اس رؤیا کے بتانے کے بعد اب میں اپنی وہ رؤیا بتاتا ہوں جو روانگی سے چند روز قبل میں نے دیکھا۔ جس وقت تحریک جدید کی طرف سے اس خواہش کا اظہار کیا گیا کہ کوپن ہیگن کی مسجد کا افتتاح میں خود وہاں جا کر کروں اور دراصل یہ وہاں کی جماعت کی خواہش تھی جو انہوں نے مجھ تک پہنچائی تھی اور جب یورپ کے دوسرے مشنوں کو معلوم ہوا کہ میں مسجد کے افتتاح کے لئے کوپن ہیگن آرہا ہوں تو وہاں سے مطالبے آنے شروع ہوئے کہ اگر آپ ڈنمارک آئیں تو ہمارے مشن میں بھی آئیں چنانچہ یہ پروگرام بنا کہ اگر جائیں تو یورپ کے سارے مشنوں کا دورہ بھی کریں۔ لیکن میرے دل میں پورہ انشراح پیدا نہیں ہوا تھا اور تحریک مطالبہ کر رہی تھی کہ کافی وقت پہلے ان کو اطلاع دینی چاہیے تا وہاں انتظامات ہوسکیں۔ اس پر میں نے انہیں کہا کہ ان سے یہ کہہ دیا جائے کہ وہ اپنی طرف سے پوری تیاری کرلیں۔ تا کہ اگر جانے کا پروگرام بنے تو ان کو کوئی دقت پیش نہ آئے لیکن اپنے ذہن میں یہ بھی رکھیں کہ ضروری نہیں کہ میں اس سفر کو اختیار کروں تا کہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مایوس نہ ہوں۔ غرض یہ مشروط پروگرام ان کو دیا گیا اور یہاں میں نے جماعت میں دعا کے لئے تحریک کی۔ بعض دوستوں کو خاص طور پر خطوط لکھوائے اور بعض کو کہلوا کے بھیجا۔ دوستوں نے بھی بڑی دعائیں کیں اور میں بھی اپنی طاقت اور استعداد کے مطابق دعائیں کرتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے بہت دعائیں کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ لیکن پورا انشراح

نہیں ہو رہا تھا۔ بہت سے دوستوں نے مبشر خوابیں بھی دیکھیں بعض نے بشارتوں کیساتھ بعض منذر حصے بھی دیکھے۔ خود میں نے دو تین خوابیں ایسی دیکھیں جن میں مجھے یہ بتایا گیا تھا کہ واپسی پر کچھ بدمزگی وغیرہ پیدا ہوگی یا کوئی خطرہ پیش آئے گا۔ لیکن وہ سارے نظارے واپسی کے تھے جس میں یہ اشارہ پایا جاتا تھا کہ سفر کے لئے روانگی ہوگی کیونکہ روانگی کے بغیر واپسی نہیں ہوا کرتی۔ لیکن پھر بھی طبیعت میں پورا انشراح نہیں تھا۔ تب قریباً آٹھ دس روز پہلے میں نے اپنے ربّ کے عظیم نور کا ایک حسین نظارہ دیکھا۔ میں نے رؤیا میں دیکھا کہ ہم قادیان میں ہیں اور عرفانی صاحبؓ کے مکان میں کوئی تقریب ہے جس میں مجھے اور منصورہ بیگم کو بھی بلایا گیا ہے اور وہ تقریب عصر کے بعد ہے چنانچہ اس کے لئے ہم روانہ ہوئے۔ ہم حضرت مرزا سلطان احمد صاحبؓ کے مکانوں میں سے گزر کر اس گلی میں سے گزرے جو اس چوک میں داخل ہوتی ہے جہاں ڈاکٹر احسان علی صاحب کی دوکان تھی اور وہیں سے بائیں طرف الحکم سٹریٹ میں داخل ہو جاتی ہے۔ ہم بھی اس چوک سے ہو کر الحکم سٹریٹ میں داخل ہوئے۔ ہمارے ساتھ کچھ اور آدمی بھی ہیں (وہی قادیان کا نظارہ ہے۔ جس کی اینٹ اینٹ ہمیں یاد ہے اور ہم اسے کبھی نہیں بھول سکتے) بہرحال ہم عرفانی صاحب کے مکان پر آئے۔ اس مکان کا فرنٹ بالکل وہی تھا جو پہلے تھا وہی چھوٹا سا دروازہ جو اس کا ہوا کرتا تھا ہم اس دروازے میں سے داخل ہوتے ہیں۔ لیکن جب میں اس گھر میں داخل ہوتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ عرفانی صاحب کا مکان نہیں بلکہ وہ ایک بہت بڑے قلعے کا دروازہ ہے۔ جس میں سے ایک وقت میں پانچ سات کاریں گزر سکتی ہیں غرض وہ اتنا بڑا دروازہ ہے۔ اس دروازے میں سے گزر کر ہم صحن میں آئے۔ پرانے قلعوں کے دروازے خالی دروازے نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ قلعہ کا دروازہ ایک کمرہ کے اندر کھلتا تھا۔ اور پھر اس کمرہ کا دروازہ آگے صحن میں کھلتا تھا۔ بہرحال اس قلعہ کا بہت بڑا انٹرنس ہال ہے جس میں ہم داخل ہوئے ہیں اور جو صحن ہے وہ اس طرح کا ہے جیسے کوئی ٹیلہ ہو اور نہایت خوبصورت سبزہ اس پر اُگا ہوا ہے اور پھول بھی ہیں۔ پھر خوب سجایا گیا ہے۔ اور وہ قلعہ کا باغیچہ جو ایک ٹیلہ پر ہے اس طرح ہے کہ سامنے کی طرف اور ہر دو پہلوؤں کی طرف کچھ سلوپ اور ڈھلوان ہے مجھے یاد نہیں اور نہ ہی خواب میں مجھے پتہ لگا کہ

کون ہمیں اس طرف لے جا رہا ہے بہرحال کوئی ہمیں اس طرف لیجانے والا تھا اور وہ ہمیں اس ٹیلہ کے اوپر لے گیا جہاں ایک کاؤچ بچھا ہوا ہے۔ اور اس نے مجھے اور منصورہ بیگم کو کہا کہ آپ یہاں بیٹھیں۔ وہاں کئی سو آدمی موجود ہیں جو ان کرسیوں پر بیٹھے ہوئے ہیں جو گھاس کے تختوں پر بچھی ہوئی ہیں۔ اس وقت تک کہ ہم اس کاؤچ یعنی صوفہ سیٹ کے اوپر بیٹھیں۔ ہمیں پیچھے کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔ سامنے ہی نظر آرہا تھا۔ لیکن جب ہم وہاں بیٹھے (بائیں طرف منصورہ بیگم ہیں اور دائیں طرف میں ہوں) اور منہ اوپر کیا تو کیا دیکھتے ہیں کہ اس قلعے کی دیوار کے اندر کا حصہ جو ہمارے سامنے تھا۔ ایسی خوبصورتی سے سجایا گیا تھا کہ کوئی انسانی ہاتھ ایسی خوبصورتی پیدا نہیں کرسکتا اور نہ کسی انسان کے تصور میں وہ چیز آسکتی ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ اپنی کسی خاص مشیت کے ماتحت اسے وہ خوبصورتی نہ دکھائے اور جتنا بڑا دروازہ اور ڈیوڑھی اس قلعہ کی تھی۔ اسی نسبت سے وہ دیوار تھی۔ یعنی کئی سَو گز، نصف اس کے دائیں طرف اور نصف بائیں طرف ہمارے آگے اور جہاں وہ دیوار ختم ہوتی ہے اس کے ساتھ ہی (قلعے مستطیل ہوتے ہیں) ایک ایک کمرہ دونوں طرف کا مجھے نظر آیا تھا۔ اس کے علاوہ میں نے اسکا کچھ نہیں دیکھا اور ان کمروں کی دیواریں بھی اسی خوبصورتی سے سجائی گئی ہیں اور یہ قلعہ دو منزلہ تھا جس ڈیوڑھی میں سے ہم گزر کے آئے ہیں وہ دو منزلہ عمارت سے اوپر نکل جاتی تھی اور جیسا کہ قلعوں کے اندر عام طور پر گنبد ہوتے ہیں۔ اس کے دونوں کناروں پر گنبد تھے اور وہ سارا حصہ جس پر ہماری نظر پڑتی تھی نہایت خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔ کوئی بلب یا ٹیوب ہمیں نظر نہیں آتی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قلعے کی دیوار کے ہر ذرّہ سے روشنی چھن کے باہر آرہی ہے اور وہ روشنی مختلف رنگوں کی تھی یعنی سرخ زرد۔ سبز اور گلابی وغیرہ۔ میں ان رنگوں کو گن نہیں سکا۔ بہرحال وہ مختلف رنگ تھے اور ان کے ملنے سے نہایت ہی خوبصورت منظر بنتا تھا اتنا خوبصورت کہ میں اپنی پوری توجہ کیساتھ اس حسن میں کھویا گیا اور ایک لمبا عرصہ میں خود فراموشی کے عالم میں الٰہی حسن کے اس حسین منظر میں گم رہا۔ پھر کچھ عرصہ بعد میں نے اس حسن کی تفصیل پر غور کرنا شروع کیا۔ جس جگہ یہ کاؤچ تھا وہ دوسری منزل کی چھت کے عین سامنے اس سے ذرا نیچے تھا۔ یعنی ہمارے سامنے دوسری منزل کی چھت کے نیچے وہ جگہ آتی

تھی ۔ جیسا کہ میں نے کہا ہے کہ ڈیوڑھی کی چھت دومنزلوں سے بھی اوپر تیسری منزل تک چلی گئی تھی ۔ جب میں نے تفصیلی غور کرنا شروع کیا تو میری پہلی تفصیلی توجہ ڈیوڑھی کے اس حصہ پر پڑی جو دوسری منزل کی چھت کے اوپر نکلا ہوا تھا اور کافی غور کرنے کے بعد میں نے یہ دیکھا کہ قریباً ۵۵-۶۰ فٹ چوڑی ڈیوڑھی کے اوپر نہایت خوبصورت رنگوں سے لکھا ہوا یہ الہام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا میرے سامنے نمودار ہوا اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ اسے دیکھ کر میرے اندر ایک عجیب روحانی کیفیت پیدا ہوئی ۔ پھر میں نے اس حسین اور منور دیوار پر اور زیادہ تفصیلی غور کرنا شروع کیا تو میں نے دیکھا کہ جو سبز رنگ کے قطعے دیوار کے اوپر مجھے چار لائنوں میں نظر آتے ہیں اور نظر کو وہ ایک چوکھٹہ سا معلوم ہوتا ہے ۔ وہ محض خوبصورتی کے لئے ہی نہیں بلکہ وہ اشعار ہیں اور ساری دیوار کے اوپر سبز رنگ میں لکھے ہوئے ہیں ۔ کہیں وہ شعر (پورا قطعہ) مربع بناتے ہیں اور کہیں ایک شعر (دو مصرعے) ایک مستطیل بنا رہے ہیں اور ان کو نہایت خوبصورتی کے ساتھ ساری دیوار کے اوپر سجایا گیا ہے اور میرے دل میں ڈالا گیا کہ یہ میرا سہرا ہے اور مجھے خیال آتا ہے کہ مجھے ان لوگوں نے بتایا ہی نہیں تھا اور میری شادی کا انتظام کر دیا ہے ۔ اور میرا سہرا یہاں اس خوبصورتی کیساتھ لکھ دیا ہے ۔

پھر میں نے اس سجاوٹ پر اور غور کیا تو میں نے یہ دیکھا کہ ساری دیوار کے اوپر وہ سارے پھول اور اشعار اور اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ جو نظر آتے تھے وہ خشک میووں بادام اور پستہ وغیرہ سے بنائے گئے ہیں ۔ اور ان کو اس طرح سجایا گیا ہے کہ شکلیں الفاظ کی نظر آ رہی ہیں اور ان کے نیچے سے روشنی چھن کے آ رہی ہے ۔ سوائے ہر دو برج کی دیواروں کے جن کی سجاوٹ کیلوں (پھل) سے کی گئی تھی ۔ پھر میں نے ان اشعار میں سے ایک شعر پڑھا لیکن بیدار ہونے کے بعد وہ مجھے یاد نہیں رہا ۔ پھر میں نے دائیں طرف دیکھا ۔ وہ دو منزلہ کمرہ جو ایک ہی کمرہ دائیں بازو کا مجھے نظر آ رہا تھا اور سجا ہوا تھا اس کی دوسری منزل اتنی بڑی تھی جتنی یہ ہماری چھت ہے ۔ اس کی پوری دیوار پر ایک کم عمر لڑکی کی تصویر ہے اور جب میں نے اس کو غور سے دیکھنا شروع کیا تو وہ مجھے ایک شبیہ نظر آئی جس کے سر پر دوپٹہ تھا اور سر آگے جھکا ہوا تھا ۔ جیسا کہ وہ کوئی مسلمان لڑکی ہو

پھر میں نے دیکھا کہ وہ نماز کی (قیام کی) حالت میں ہے۔یعنی اس نے ہاتھ باندھے ہوئے ہیں۔ پھر جب میں نے غور کیا۔تو میں نے اس کے ہونٹوں کو ہلتے پایا اور میری طبیعت پر یہ اثر ہوا کہ یہ سورۃ حمد پڑھ رہی ہے اور ہونٹ اس کے ہل رہے تھے۔اس کے بعد وہ شخص جو ہمیں وہاں لے گیا تھا اس وقت ذہن میں نہیں تھا کہ وہ کون ہے اور نہ بعد میں ہی ذہن میں آیا،اس نے کہا آئیں،آپ کو عجائب گھر اس قلعہ کا دکھائیں۔ چنانچہ میں اور منصورہ بیگم اُٹھے اور اس کے ساتھ گئے۔ وہ ہمیں بائیں طرف لے گیا۔اس کمرے کی طرف جو سامنے کی دیوار کے پہلو میں (دوسرے بازو کا ایک ہی کمرہ) نظر آتا تھا۔ جب ہم اس کے اندر داخل ہوئے تو میں نے دیکھا کہ داہنی طرف نوجوانوں کی پانچ تصویریں ہیں جو گتہ کو کاٹ کر بنائی گئیں ہیں اور ان کے قد ساڑھے پانچ فٹ یا چھ فٹ نہیں بلکہ وہ تصویریں بڑے سائز میں بنائی گئیں ہیں اور قریباً دس فٹ قد ہیں ان کے۔ یہ مجھے یاد نہیں رہا کہ ان میں سے تین نوجوان مرد اور دو نوجوان لڑکیاں تھیں یا دو مرد اور تین نوجوان لڑکیاں تھیں لیکن وہ شکلیں کارڈ بورڈ کاٹ کر بنائی گئیں ہیں اور وہ پہلو بہ پہلو کھڑی کی ہوئی ہیں۔ جس وقت میں نے اس طرف منہ کیا تو ان کے ہونٹ ہلنے شروع ہوئے جس طرح وہ اپنا تعارف کروانا چاہتی ہیں اور اس شخص نے جو ہمیں لے جا رہا تھا کہا کہ یہ ہم میں سے وہ لوگ ہیں جو مر چکے ہیں۔اس پر میں نے اُس کو جواب دیا کہ تم میں سے جو لوگ مر چکے ہیں ان میں مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور یہ کہہ کر میں بائیں طرف گھوما اور اس عجائب گھر کی طرف چلا گیا جو وہ مجھے دکھانا چاہتا تھا اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔اس رؤیا کے بعد میری طبیعت میں بڑی بشاشت پیدا ہوئی اور میں نے فیصلہ کیا کہ اس سفر پر مجھے ضرور جانا چاہیے اللہ تعالیٰ برکت کے سامان پیدا کرے گا۔ یہ رؤیا اس قسم کی ہے کہ الفاظ اس کو بیان نہیں کر سکتے۔اس وقت تک بھی میری روح اور میرا دماغ اور میرا دل اور میرا جسم اس کا سرور محسوس کر رہے ہیں۔ چونکہ یہ بڑی اہم رؤیا تھی اور انسان کی زندگی کا کوئی اعتبار نہیں اس لئے میں نے اپنے گھر میں محترمہ اُمِّ متین صاحبہ کو بڑی پھوپھی جان نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کو اور کراچی میں چھوٹی پھوپھی جان نواب امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ کو اور بعض دوسرے عزیزوں کو یہ رؤیا سنا دی۔

خیر ہم یورپ کے سفر پر روانہ ہوئے۔ وہاں جس رنگ میں برکتوں کا نزول ہوا ہے اس کے بیان سے قلم قاصر ہے۔ لنڈن میں ہی مجھے ایک احمدی بہن کی رؤیا کا علم ہوا جوان کے ایک عزیز نے مجھے لکھی اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کا تعلق دراصل اس رؤیا سے ہے جس کو میں نے ابھی آپ کے سامنے بیان کیا ہے وہ دوست لکھتے ہیں (خواب دیکھنے والی ان کی ایک عزیزہ ہے) کہ پندرہ اور سولہ جولائی کی درمیانی شب بوقت چار بجے صبح خواب میں دیکھا کہ ایک بہت بڑا وسیع میدان ہے جو ایک بڑے شہر جتنی جگہ میں سمایا ہوا ہے اور سبزہ زار ہے اس میدان کے درمیان ایک گلدستہ پڑا ہوا ہے جس میں نہایت ہی خوبصورت پھول لگے ہوئے ہیں جو دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ گلدستہ ایک درخت کی شکل میں تبدیل ہونا شروع ہو جاتا ہے اور بالآخر ایک تناور درخت بن کر اس تمام میدان میں سایہ فگن ہو جاتا ہے۔ اتنے میں ایک بزرگ رونما ہوتے ہیں جو سفید لباس میں ملبوس ہیں اور ان کا حلیہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملتا ہے۔ وہ بزرگ فرما رہے ہیں کہ جو شخص اس تناور درخت کے نیچے پناہ نہیں لے گا وہ تباہ ہو جائے گا اس پر حمیدہ بیگم (خواب دیکھنے والی) نے پوچھا کہ یا حضرت کون سے درخت کے نیچے۔ جس پر اس بزرگ نے فرمایا حضرت ناصر کے درخت کے نیچے۔ گویا وہ گلدستہ جس نے ایک تناور درخت کی صورت اختیار کی وہ جس شخص کا ہے اس سے مراد اس خاکسار کا وجود ہی ہے۔ پھر اس کے بعد دیکھا کہ اس میدان کے ایک کونہ میں ایک بہت بڑی دعوت کا انتظام ہو رہا ہے جس میں بہت عمدہ عمدہ کھانے بہت بڑی تعداد میں لگے ہوئے ہیں اور جس میں شمولیت کے لئے جماعت کے دوست جمع ہو رہے ہیں۔ اس میں دہی کے کونڈے بھی ہیں اور دو سیاہی مائل کتے ان دہی کے کونڈوں کی طرف لپکتے ہیں جس پر حمیدہ بیگم نے شی شی کر کے ان کتوں کو ڈرانے کی کوشش کی تو ان بزرگ صاحب نے فرمایا۔ نہ۔ آپ ان کو رہنے دیں یہ خود بخود دہٹ جائیں گے۔ اس پر آنکھ کھل گئی۔ تو گویا یہ خواب بھی میری رؤیا سے ملتی جلتی ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ مومن کو رؤیا دکھائی بھی جاتی ہے اور اس کے لئے دوسروں کو بھی رؤیا دکھائی جاتی ہے۔ ویسے تو سینکڑوں کی تعداد میں دوستوں نے مبشر خوابیں دیکھیں لیکن میں نے ان میں سے آج کے خطبہ میں سنانے کے لئے

صرف دو کا انتخاب کیا۔

اب ایک دوسری خواب ہے جو ان واقعات کی طرف اشارہ کر رہی ہے جو وہاں ہونے تھے۔ یعنی اس سفر کے نتیجہ کے متعلق ہے جو کسی کے خیال میں بھی نہیں آ سکتا اور وہ یہ ہے کہ ایک دوست لکھتے ہیں کہ خاکسار نے ۶۷۔۸۔۶ کو خواب میں دیکھا کہ حضرت اماں جان سیدہ نصرت جہاں بیگم کے ہاتھ میں اسلام کی فتح کا جھنڈا ہے۔ اس کے نچلے حصہ میں (جو پکڑنے کی جگہ ہے) انگریزی ہندسوں میں 1412 لکھا ہے اور آپ کو (یعنی مجھے) فرماتی ہیں کہ ان دوستوں کے نام شکریہ کی چھٹیاں لکھ دیں جنہوں نے فتح کے نزدیک لانے میں مدد دی ہے۔ غرض ہمارے سارے سفر کا جو انجام ہے وہ اس رؤیا میں دکھایا گیا ہے اور وقت کی تعیین ۲۵ سال کی گئی ہے اور میں نے بھی یورپین اقوام کو یہی کہا تھا کہ تیس سال کے اندر اندر ایک عظیم روحانی انقلاب رونما ہونے والا ہے۔ گو یہ بات الفضل میں بھی غلط چھپ گئی ہے اور وہاں کے بعض اخباروں نے بھی میری اس بات کو غلط طور پر شائع کر دیا تھا۔ میں نے جو انہیں تنبیہ کی تھی اس میں جس زمانہ کی تعیین کی تھی وہ ۳۰ سال نہیں تھا یعنی میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ جس عظیم تباہی کے متعلق میں کہہ رہا ہوں وہ تیس سال کے بعد آئے گی بلکہ میں نے یہ کہا تھا بیس تیس سال کے اندر اندر تم لوگ مجبور ہو جاؤ گے کہ اسلام کی طرف جھکو اور اسے قبول کرو یا پھر تباہ کر دئے جاؤ۔ تمہارے لئے اب ان دو راستوں کے سوا کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ یا تو تمہارے لئے تباہی کا راستہ ہے یا پھر اسلام کا صراطِ مستقیم ہے ان کے سوا اور کوئی تیسرا راستہ تمہارے لئے ممکن ہی نہیں ہے اور آگے اپنے وقت پر جا کر میں آپ کو بتاؤں گا کہ میں نے کس رنگ میں اور کس تمہید کے بعد کس وضاحت کے ساتھ اور کس زور کے ساتھ یہ باتیں ان کے ذہن نشین کروائیں اور اللہ تعالیٰ نے ایسا فضل کیا کہ اخباروں نے ان باتوں کو لیا اور سارے ملک میں پھیلا دیا۔ براڈ کاسٹ ٹیلی ویژن پر بھی آ گیا اور یہ اپنی جگہ ایک علیحدہ مضمون ہے جب میں اس حصہ میں داخل ہوں گا تو اس کے متعلق بتاؤں گا۔

بہر حال دوستوں نے سینکڑوں نہیں تو بیسیوں کی تعداد میں (یقیناً سَو سے اوپر ہی ہیں) مبشر خوابیں دیکھیں جن میں سے بعض میں کچھ منذر حصے بھی ہیں۔ جہاں تک مجھے یاد ہے میری اپنی خوابوں

میں بھی بعض منذر حصے تھے لیکن بہر حال تمام خواب انجام بخیر بھی بتا رہے تھے۔ ہاں ان سے یہ ضرور ظاہر ہوتا تھا کہ واپسی پر کچھ تکالیف اور پریشانیاں بھی ہونگی۔ چنانچہ کراچی میں میری ایک بچی رہتی ہے۔ بعض کاموں کی وجہ سے وہ ایروڈرام پر نہیں آسکتی تھی۔ جس دن ہم نے کراچی میں لینڈ کرنا تھا اس دن اسکی طبیعت بہت گھبرائی ہوئی تھی۔ وہ بے چین تھی کہ جلدی آئیں اور ملیں۔ ایروڈرام والوں نے انہیں کہا کہ آج اتنی تیز بارش ہو رہی ہے کہ اگر یہی حالت رہی تو ہم ہوائی جہاز کو یہاں اُترنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ بلکہ وہ سیدھا لاہور چلا جائے گا۔ وہاں جن لوگوں کو اس بات کا پتہ لگا ان کو بھی پریشانی ہوئی۔ عملاً جہاز والوں نے ہمیں یہ اطلاع دی کہ بیلٹ کس لیں دو ایک منٹ میں جہاز اُترنے والا ہے۔ اس کے بعد بیس منٹ تک وہ جہاز اوپر اُڑتا رہا اور کراچی شہر بھی پیچھے رہ گیا۔ میرے اندازہ کے مطابق ہم تیس چالیس میل کے قریب کراچی سے آگے نکل گئے۔ پھر اس نے چکر لگایا اور واپس کراچی آکر وہ اُترا۔ یہ بھی ایک قسم کی پریشانی ہی تھی۔ پھر سامان وغیرہ کی وجہ سے کچھ پریشانی ہوئی۔ بہر حال انجام بخیر ہوا اور ہم خوش تھے کہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر یہ پریشانیاں ٹل گئیں۔ اللہ تعالیٰ فضل کرنے والا ہے۔ دعائیں بھی جماعت نے بہت کیں اور ہم کو بھی اللہ تعالیٰ نے بہت دعائیں کرنے کی توفیق دی اور وہ بڑی قدرتوں والی ہستی ہے جب وہ اس قسم کی چیز انسان کے علم میں لاتا ہے تو اس کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ دعائیں کرو میری قدرت کو اپیل کرو اور عرش تک اپنے نالوں کو پہنچاؤ۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے فضل کیا۔

جس وقت ہم یورپ گئے اس وقت ہمارا یہ راستہ تھا۔ پہلے فرینکفورٹ پھر زیورک پھر ہیگ پھر ہیمبرگ۔ پھر کوپن ہیگن اور پھر لنڈن اور گلاسگو۔ زیورک میں ایک دن صبح میری آنکھ کھلی تو میری زبان پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ الہام تھا۔ مُبَارِكٌ وَّ مُبَارَكٌ وَّكُلُّ اَمْرٍ مُّبَارَكٍ يُّجْعَلُ فِيْهِ۔

یہ الہام اخبار الفضل میں بھی چھپ چکا ہے۔ اس سے دوسرے دن تین بجے کے قریب میری آنکھ کھلی اور میری زبان پر قرآن کریم کی ایک آیت تھی اور ساتھ ہی مجھے اس کی ایک ایسی تعبیر بھی بتائی گئی جو بظاہر انسان ان الفاظ سے نہیں نکال سکتا اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ تعبیر مجھے اللہ تعالیٰ

نے ہی سکھلائی تھی۔ میں خوش بھی ہوا لیکن مجھے حیرت بھی ہوئی کہ بعض دفعہ کیا کیا تعبیریں نکل آتیں ہیں۔ اگر میرے ذہن پر چھوڑا جاتا یا آپ میں سے کوئی ماہر تعبیر بتانے والا بھی ہوتا تو اس کی وہ تعبیر نہ کرتا جو اس وقت میرے ذہن میں آئی اور ابھی اس خواب کو دیکھے چار پانچ گھنٹے ہی ہوئے تھے کہ وہ پوری ہوگئی چونکہ طبیعت پر اثر تھا کہ یہ خواب جلد پوری ہونے والی ہے اس لئے جس وقت منصورہ بیگم کی آنکھ کھلی میں نے انہیں بتادیا کہ میری زبان پر یہ آیت جاری ہوئی ہے اور مجھے اس کی یہ تعبیر بتائی گئی ہے اس کو یادرکھ لو۔ پھر چار پانچ گھنٹوں کے بعد ہمیں پتہ لگ گیا کہ اس تعبیر کے لحاظ سے وہ خواب پوری ہوگئی جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ مجھے دلی اطمینان کے لئے اس کی ضرورت ہے۔ باقی ایمان تو مجھے ہے۔ اسی طرح ہمیں ایمان تو تھا لیکن دلی اطمینان کے لئے اللہ تعالیٰ نے دوسرے ہی روز ایک ایسی بات بتادی کہ جو چند گھنٹوں میں پوری ہونے والی تھی اور شاید اس وقت دنیا کے اس حصہ میں پوری ہو رہی تھی جس کے متعلق وہ خبر دی گئی تھی۔ اسی طرح وہ میرے لئے بھی اور دوسروں کے لئے بھی تقویتِ ایمان اور تسکینِ قلب کا موجب ہوئی۔ وہ خواب کیا تھی اور وہ تعبیر کیا تھی جو مجھے بتائی گئی۔ وہ ایک خاص مصلحت کے ماتحت میں اس وقت نہیں بتا رہا۔ ویسے وہاں بھی اور یہاں بھی میں نے بعض دوستوں کو وہ خواب اور تعبیر بتادی ہے۔

اسی طرح کوپن ہیگن میں صبح کی نماز سے پہلے جاگتے ہوئے (گو آنکھیں میری بند تھیں) میں نے ایک نظارہ دیکھا۔ وہ نظارہ اپنی ذات میں غیر معمولی نہیں لیکن اس کا جو اثر تھا وہ بڑا عجیب اور غیر معمولی تھا کہ دل و دماغ اور جسم کی روئیں روئیں سے سرور اور حمد کے چشمے پھوٹنے لگ گئے اور اللہ تعالیٰ کے فضلوں کو دیکھ کر جو کیفیت ایک مومن کی ہوتی ہے (وہ عجیب رنگ میں کچھ جذباتی بھی ہوتی ہے اور کچھ مجذوبانہ بھی۔ وہاں عقل کو کوئی دخل نہیں ہوتا محبت اور پیار کو دخل ہوتا ہے) پیدا ہوگئی۔ نظارہ تو میں نے صرف یہ دیکھا کہ میں ایک مسجد میں ہوں اور محراب میں تین صفیں پیچھے کھڑا ہوں یعنی تیسری صف میں اور گویا میں انتظار کر رہا ہوں کہ نمازی آئیں تو میں نماز پڑھاؤں۔ میں نے دیکھا کہ دائیں طرف سے دیوار کیساتھ ساتھ ایک دوست جن کا نام عبدالرحمٰن

ہے مسجد میں داخل ہوئے ہیں۔ چہرے سے معلوم ہوتا ہے کہ وضو کرتے ہی سیدھے چلے آ رہے ہیں اور دیوار کے ساتھ ساتھ پہلی صف کی طرف خراماں خراماں چل رہے ہیں (پہلی صف میں اس وقت صرف دو تین آدمی ہیں) میرے سامنے ان کے چہرہ کا بایاں حصہ آیا ہے اور عجیب بشاشت اور مسکراہٹ ان کے چہرہ پر پھیل رہی ہے اور اس کو دیکھ کر میرے دل میں بھی عجیب سرور پیدا ہوا میرے پیچھے ایک شخص کھڑا ہے جس کا نام بشیر ہے۔لیکن میں نے اسے نہیں دیکھا۔ میں نے یہ خواب اس وقت کسی کو بتائی نہیں تھی لیکن اس روز مبلغین کی کانفرنس تھی شام کو چار بجے کے قریب تبادلہ خیالات اور رپورٹوں کے بعد بعض تجاویز زیر غور آئیں۔آخر میں مَیں نے کچھ نصائح کرنی تھیں۔ اس وقت میں نے انہیں بتایا کہ آج صبح میرے ساتھ اللہ تعالیٰ نے پیار کا یہ سلوک کیا ہے اور سرور کی یہ روحانی کیفیت میرے اندر اب بھی موجود ہے اس پر چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ کہنے لگے کہ میں نے اور بشیر احمد صاحب آرچرڈ نے گیارہ بجے یہ باتیں کی تھیں کہ کوئی بات ضرور ہے حضور وہ نہیں جو روز ہوا کرتے تھے۔تو گویا اس وقت وہ بھی ایک روحانی کیفیت محسوس کر رہے تھے اور میں اس وقت بھی سرور محسوس کر رہا تھا۔ گیارہ بجے کے قریب پندرہ منٹ کے لئے ہم نے کانفرنس کو بند کر دیا تھا کہ مبلغین ایک ایک پیالی چائے پی لیں کیونکہ وہاں لوگوں کو اس وقت ایک پیالی چائے پینے کی عادت ہے اور بشیر احمد آرچرڈ انگریز ہیں اور سکاٹ لینڈ میں ہمارے مبلغ ہیں۔

پس رحمٰن کی رحمانیت نے ایک بشارت دی اور کوپن ہیگن میں ہم نے اللہ تعالیٰ کے فضل کے پیارے نظارے دیکھے اور لوگوں میں اس قدر رجوع تھا کہ وہاں بڑی تعداد میں آ رہے تھے اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ ان لوگوں کو کچھ پتہ نہیں کہ کیا ہو رہا ہے اور فرشتے انکو دھکے دے کر لا رہے ہیں مثلاً عیسائی بچے جو دس سال اور پندرہ سولہ سال کے درمیان عمر کے تھے مسجد میں آ جاتے تھے اور ہمارے ساتھ نماز میں شریک ہوتے تھے۔ان کی تعداد کوئی چالیس پچاس ہوگی جو مختلف وقتوں میں آئے۔ پھر وہ بچے صرف فرائض میں ہی شامل نہیں ہوتے تھے کہ ہم سمجھیں کہ وہ عجوبہ سمجھ کر ایسا کرتے تھے بلکہ مغرب وعشاء کی نمازیں جمع ہوتیں تھیں اور بعد میں ہم وتر ادا کرتے تھے تو دس دس بارہ بارہ سال کی بعض لڑکیاں ہماری احمدی مستورات کے ساتھ وتر بھی

پڑھ کے جایا کرتی تھیں ایک دن ہم میں سے کسی نے انہیں کہا کہ تمہارے ماں باپ کو پتہ لگ گیا تو وہ تمہیں ماریں گے تو وہ کہنے لگیں نہیں، ان کو پتہ ہے کہ ہم یہاں آتی ہیں۔ غرض صبح سے لے کر شام تک ایک تانتا سا بندھا رہتا تھا۔ لوگ آرہے ہیں مسجد دیکھنے کے لئے اور واپس جارہے ہیں ایک دن چوہدری محمد علی صاحب کی آنکھ رات کے ڈیڑھ بجے کھلی اور وہ اپنے کمرہ سے باہر نکلے تو انہوں نے دیکھا کہ ایک شخص مسجد کی تصویر لے رہا ہے۔ رات کے ڈیڑھ بجے وہ مسجد کی تصویر لے رہا تھا۔ پھر آج کل ڈنمارک میں باہر کے سیاح بہت بڑی تعداد میں آئے ہوئے تھے یہی موسم ہے سیر کا۔ وہاں سال میں صرف ایک دو ماہ ایسے ہوتے ہیں جن میں لوگ سیاحت کے لئے نکلتے ہیں۔ پھر موسم خراب ہو جاتا ہے۔ جھکڑ اور سرد ہوائیں چلتی ہیں۔ سیر و سیاحت کے ان مہینوں میں وہاں بعض کارخانے بند ہو جاتے ہیں۔ یہ نہیں ہوتا کہ بعض کو چھٹی دے دی اور بعض کو نہ دی بلکہ کچھ عرصہ کے لئے کارخانہ ہی بند کر دیا جاتا ہے اور ملازموں سے کہا جاتا ہے کہ جاؤ سیر کرو ہماری طرف سے تمہیں چھٹی ہے اور چونکہ ان ملکوں میں سیر و سیاحت کا زمانہ زیادہ لمبا نہیں ہوتا اس لئے لوگ ان دنوں میں بڑی کثرت سے سیر و سیاحت کے لئے باہر نکلتے ہیں۔ غرض جو لوگ سیاحت کی غرض سے وہاں آئے ہوئے تھے وہ بھی بڑی کثرت سے مسجد دیکھنے آئے ہمارا جو مشن ہاؤس ہے۔ یعنی مبلغ کے رہنے کا جو گھر ہے اس کے دروازے اور مسجد کے دروازے میں تیس چالیس فٹ کا فاصلہ ہے۔ وہاں دراصل ایک میٹنگ روم بنانے کے لئے نقشہ دیا گیا ہے لیکن ابھی اس پر چھت ڈالنے کے لئے کارپوریشن کی طرف سے اجازت نہیں ملی۔ اس وقت وہ جگہ ایک صحن کی شکل میں ہے۔ جمعہ کے روز افتتاح کے وقت لوگ اتنی کثرت سے آئے کہ جب میں گھر سے باہر نکلا تو میں نے دیکھا کہ لوگ کثرت سے آئے ہوئے ہیں اور کندھا سے کندھا ملا ہوا ہے اور میں مسجد کے دروازہ تک نہیں پہنچ سکتا بعد میں تین چار رضا کار آئے۔ انہوں نے بڑی مشکل سے رستہ بنایا تب میں مسجد میں پہنچا۔ آنے والوں میں بڑے بڑے لوگ بھی تھے جن کی طرف اس وقت ہماری توجہ بھی نہ ہوئی۔ خود ہی وہ افتتاح کی تقریب میں شامل ہوئے اور پھر واپس چلے گئے۔

ان لوگوں میں ہمارے علاقہ کا لارڈ میئر بھی تھا جو بڑا شریف انسان ہے اور جماعت کے

دوستوں کے ساتھ تعلق بھی رکھتا ہے۔ ہمارے ملک میں تو رواج نہیں وہاں یہ رواج ہے کہ اگر کوئی آدمی جس کو وہ بڑا سمجھیں ان کے ملک میں آجائے تو وہ اسے ریسیو کرتے ہیں۔ Reception دیتے ہیں اور یہ ایک فارمل سی چیز ہے پندرہ منٹ کے قریب عرصہ کے لئے یہ تقریب منائی جاتی ہے اور سمجھا جاتا ہے کہ ہم اس شخص کو اپنے میں شامل کر رہے ہیں اور یہ اس شخص کے لئے احترام اور عزت کا ایک مظاہرہ ہوتا ہے۔ چنانچہ افتتاح سے دوسرے روز انہوں نے میرے اعزاز میں ری سپشن دی تو وہاں انہوں نے مجھے بتایا کہ میں بھی افتتاح کے موقعہ پر موجود تھا حالانکہ ہم میں سے کسی نے بھی انہیں نہیں دیکھا۔ چنانچہ معذرت کی گئی کہ لوگ چونکہ بڑی تعداد میں جمع تھے اس لئے ہم نے آپ کو دیکھا نہیں۔

افتتاح کے روز قریباً سوا سوا آدمیوں کے لئے کھانا کا انتظام بھی کیا گیا تھا۔ چائے اور پیسٹری کا انتظام تھا لیکن یہ کھانا ان لوگوں کو بھی کھلایا گیا جو اس موقع پر بلائے نہیں گئے تھے ہمارے آدمی باہر جاتے اور بعض لوگوں کو پکڑ کر اندر لے کر آتے اور انہیں کھانا کھلاتے۔ کھانا میں خدا تعالیٰ نے ایسی برکت دی کہ وہ ختم ہونے میں نہیں آتا تھا۔ کوئی تین سو کے قریب آدمیوں نے کھانا کھایا۔ ہمارے مقامی احمدی دوست بڑے حیران تھے کہ چھوٹے پیمانہ پر انتظام تھا جو ختم ہونے میں نہیں آتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لنگر کے کھانے کو بھلا کون ختم کر سکتا ہے۔

وہاں کے پریس نے پہلے اسلام کے خلاف بعض غلط باتیں شائع کر دیں لیکن بعد میں خود ہی ان باتوں کی تردید بھی کر دی۔ السٹریٹڈ ویکلی اور دوسرے کئی اخباروں نے ایک ایک صفحہ مسجد کے افتتاح کے لئے دیا جو ان ملکوں کے لئے تو کیا دوسرے ملکوں کے لئے بھی ممکن نہیں۔ غرض اللہ تعالیٰ نے ہر رنگ میں اس سرور کے سامان کر دیئے جو مجھے رؤیا میں دکھایا گیا تھا اور ابھی اس کے بہت سارے حصے باقی ہیں جب میں ان تک پہنچوں گا تو ان کے متعلق کسی قدر تفصیل سے بیان کروں گا۔ میں آج خطبہ لمبا کرنا چاہتا ہوں۔ نمازیں (جمعہ وعصر) جمع کراؤں گا۔ آج شام تک اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو دوستوں کے لئے پروگرام بنایا ہوا ہے سوائے اس کے کہ آپ تھک جائیں۔ اگر آپ تھک جائیں تو مجھے بتا دیں۔

پھر ڈاک میں روزانہ کوئی نہ کوئی خط ایسا ہوتا جس میں کوئی مبشر خواب ہوتی اور میں اسے پڑھ کر بڑا خوش ہوتا۔ کیونکہ ’’اعتراض‘‘ والی خواب سے جو دو نتیجے میں نے نکالے تھے انہیں پورا ہوتے دیکھتا بشارتیں مل رہی تھیں اور ان کا اعلان ہو رہا تھا اور ہم اس بات سے خوش ہو رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے سرور کے سامان پیدا کر دیئے ہیں۔ اگر کوئی دماغ اعتراض کرتا ہے تو ہمیں اس سے کیا۔ ہمیں ایسے دماغ پر رحم آتا ہے غصہ نہیں آتا کیونکہ وہ قابل رحم ہوتا ہے۔ ایک طرف اللہ تعالیٰ اپنی بشارتوں کی بارش برسا رہا ہے اور دوسری طرف ایک ایسا شخص ہے جس کے دماغ کو اعتراض سوجھ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انسانی وساوس سے ہر ایک کو ہی محفوظ رکھے۔ غرض ہر بات میں ہمیں سرور مل رہا تھا اور ہم خوش ہو رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لئے سرور کے سامان کر رہا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بڑی وضاحت سے یہ فرمایا ہے کہ سچی اور جھوٹی خواب میں ایک فرق ہے۔ جھوٹا خواب جو انسان کا نفس بنائے یا وہ شیطان کا اِلقا ہو اس کے پیچھے طاقت نہیں ہوتی۔ ایسا خواب پورا نہیں ہوتا۔ لیکن خدا تعالیٰ کی قدرتوں کا انسان احاطہ نہیں کر سکتا۔

خدا تعالیٰ جو بشارتیں دیتا ہے ان کو پورا کرنے کے بھی وہ سامان پیدا کرتا ہے۔ ان کو پورا کرنے کی ذمہ داری خدا تعالیٰ پر ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ اس ذمہ داری کو اٹھا رہا ہوتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں تمہیں یہ بتا رہا ہوں اور میں اسکو پورا بھی کروں گا۔ انسانی غفلت کے نتیجہ میں کوئی نسل ان بشارتوں سے محروم رہ جائے تو یہ ان کی بدبختی ہے ورنہ خدا تعالیٰ کی کوئی بشارت ایسی نہیں ہوتی جو پوری نہ ہو۔ غرض خدا تعالیٰ اپنی بشارتوں کو بہر حال پورا کرتا ہے۔ اگر کوئی ابتلا آ جائے اور کوئی حصہ قوم کا ان سے محروم رہ جائے تو یہ اور بات ہے۔

میں نے بتایا ہے کہ بشارتیں مل رہی تھیں اور ہمارے لئے خوشی کے سامان ہو رہے تھے۔

اب میں ان سامانوں کو لیتا ہوں جو اس سفر کے دوران اللہ تعالیٰ نے مختلف رنگوں میں کئے۔

میرے دورے کی دو اغراض تھیں ایک اپنے بھائیوں بہنوں اور بچوں بچیوں کو ملنا ان سے واقفیت حاصل کرنا اور معلوم کرنا کہ کس قوم میں کس قسم کی کمزوری ہے تا ہم کسی نہ کسی رنگ میں

تربیت کر کے ان کمزوریوں کو دور کر دیں۔ان کے لئے خاص طور پر دعائیں کرنے کا بھی موقع ملتا تھا اور باہمی مشورہ اور تبادلۂ خیالات کے بعد زیادہ اچھا پروگرام بھی بنایا جا سکتا تھا اور دوسری غرض میرے اس سفر کی یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں بڑے زور کیساتھ یہ ڈالا تھا کہ ان قوموں کی تباہی کا وقت قریب آ گیا ہے اس لئے ان پر اتمامِ حجت ہونی چاہیے۔ چنانچہ ہر پریس کانفرنس میں مَیں ان کو یہی کہتا تھا کہ جو بات میں آپ کو آج بتانے والا ہوں اس وقت آپ اس کو انہونی خیال کریں گے اور تم مجھے پاگل سمجھو گے۔لیکن اگر تم نے اپنے پیدا کرنے والے کی طرف رجوع نہ کیا تو یہ تباہی تم پر ضرور آئے گی۔ پھر جو آپ میں سے بچیں گے وہ میرے گواہ ہوں گے۔ وہ اس بات کی گواہی دیں گے کہ آج میں تمہارے ساتھ سچی باتیں کر رہا ہوں۔ پس یہ دو اغراض تھیں جن کے لئے یہ سفر کیا گیا تھا۔

اب میں پہلے پریس کو لیتا ہوں جیسے اخباروں کے ایڈیٹر آزاد ہوتے ہیں کہ جو مرضی ہو لکھ دیں اور غلط بات کی تردید بھی شائع نہ کریں اسی طرح پریس بھی آزاد ہوتا ہے وہ بھی انہی کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ جو بیان وہ چاہیں لکھ دیں۔ایک بات میں نہ کہوں اور وہ میری طرف منسوب کر دیں تو انہیں کون پوچھ سکتا ہے یا میں ایک بات کہوں تو وہ آدھی شائع کریں اور آدھی شائع نہ کریں۔وہ اس بات کا وہ حصہ دیں کہ اگر اس کا دوسرا حصہ لوگوں کے سامنے نہ آئے تو بہت سی غلط فہمیاں پیدا ہو جائیں تو انہیں کون روک سکتا ہے اس لئے ہمارے مبلغ پریس کانفرنسز سے خائف تھے خصوصاً اس لئے بھی کہ آج کل یورپ میں اسلام کے خلاف تعصّب اپنی انتہا کو پہنچا ہوا ہے آپ اس تعصّب کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ مجھے ذاتی مشاہدہ سے یہ علم حاصل ہوا ہے کہ وہ قومیں جواب تک یہ ظاہر کرتیں رہی ہیں کہ ہم میں بڑی رواداری پائی جاتی ہے۔ہم میں بڑی (Tolerance) ہے دراصل ان کے اندر اسلام کے خلاف بڑا تعصّب پایا جاتا ہے۔اور کبھی اللہ تعالیٰ ایسے سامان پیدا کر دیتا ہے کہ وہ تعصّب ننگا ہو کر نمایاں ہو جاتا ہے اور وہ اسے چھپا نہیں سکتے۔آج کل سارا یورپ (انگلستان سمیت) اس قسم کے تعصّب کی مرض میں مبتلا ہے۔ یہاں تک کہ پچھلے دو چار مہینوں میں بعض عرب باشندوں پر چاقو اور چھری سے حملے بھی کئے گئے ہیں جو ان ملکوں کے لئے بالکل

نئی بات ہے۔غرض ان کے اندر اسلام کے تعصّب کو بھڑکا یا گیا ہے۔ ہمارے اپنے مبلغ پریس کانفرنس سے اتنے خائف تھے کہ آپ ان کے خوف کا اندازہ بھی نہیں لگا سکتے اور مجھے کہنا پڑا تم کیوں ڈرتے ہو۔تم تسلی رکھو سوال مجھ سے ہونا ہے اور جواب بھی میں نے دینا ہے۔ میں انہیں خود ہی سنبھال لوں گا اور میں نے انہیں کیا سنبھالنا تھا میں اللہ تعالیٰ سے صرف دعا ہی کرسکتا تھا اور میں دعائیں کرتا تھا۔ چنانچہ کسی جگہ بھی پریس کے کسی نمائندہ نے ادب اور احترام کو نہیں چھوڑا۔ میرا ان پر کیا حق تھا مجھے وہ کیا جانتے تھے۔میرے عاجزی اور تواضع کے مقام کو تو میرا ربّ ہی جانتا تھا۔غرض میرے ربّ نے ایسا انتظام کر دیا تھا کہ اس عاجز اور لاشئ محض سے سب ادب واحترام کے ساتھ پیش آئے میرے سامنے کسی نے شوخی نہیں دکھائی۔کسی نے میری طرف غلط بات منسوب نہیں کی۔کسی نے میری آدھی بات رپورٹ نہیں کی۔ جب میری بات رپورٹ کی ہے تو پوری کی ہے اور یہ عام نقشہ ہے ساری پریس رپورٹ اور نقشہ یہ اللہ تعالیٰ کے بہت بڑے فضل کا آئینہ دار ہے۔

سب سے پہلے ہم فرینکفورٹ پہنچے تھے۔ وہاں ہمارا سب سے کم قیام تھا یعنی صرف ایک دن گو ہم وہاں دو راتیں سوئے لیکن دن ایک ہی ٹھہرے۔ ہفتہ کی شام کو مغرب کے قریب وہاں پہنچے اور پیر کی صبح کو ہم زیورک کے لئے روانہ ہوگئے۔ہمیں کچھ پروگرام بدلنا پڑا۔ پہلے زیورک کا پروگرام تھا پھر بعض حالات کی وجہ سے ہم نے وہ جہاز لیا جو ماسکو کے راستہ جانا تھا جہاز تو وہ بھی پی۔آئی۔اے کا تھا لیکن اس کے ذریعہ جانے میں پہلے فرنیکفورٹ آتا تھا۔ پہلا جہاز بھی پی۔آئی۔اے کا تھا لیکن اس پر جانے میں پہلے زیورک آتا تھا۔ پہلے انہوں نے ہفتہ کی شام کو ری سپشن (Reception) رکھ دی تھی۔ دعوت نامے بجھوائے جا چکے تھے۔ان ملکوں میں یہ بڑی مشکل ہے کہ ایک آدمی کو مثلاً ہفتہ کے لئے دعوت نامے ملے اور عین وقت پر اسے یہ کہا جائے کہ تم ہفتہ کی بجائے اتوار کو آؤ اس طرح ان کا کسی دعوت میں آنا بہت مشکل ہے لیکن بعض حالات ہی ایسے پیش آ گئے تھے کہ ہمیں وہ پروگرام بدلنا پڑا اور ری سپشن (Reception) ہفتہ کی بجائے اتوار کو رکھی گئی اور میرا خیال تھا کہ یہاں اخبار والوں نے ہمارا کوئی نوٹس نہیں لینا۔

اخباروں میں ہمارے متعلق کوئی خبر نہیں آئے گی اور پریس کانفرنس بھی کوئی نہیں تھی۔صرف ایک ری سپشن تھا جس میں پریس کے نمائندے بھی مدعو تھے اور انکے علاوہ کوئی پادری تھا،کوئی سکالر تھا،کوئی وزیر تھا،کوئی ہائی کورٹ کا جج تھا۔غرض اس قسم کے تیس چالیس آدمی تھے جو مدعو تھے۔ مختصر سی پارٹی تھی اس موقع پر کچھ باتیں ہوئیں مختصر سی تقریر ہوئی جس کا جرمن میں ترجمہ ہوا یہاں الفضل میں وہ تقریر چھپی ہے بڑی مختصر وہ تقریر تھی لیکن اس قسم کی تقریر کو بھی وہاں اڑہائی گنے وقت لگ جاتا ہے(میں نے وہاں انگریزی اور اُردو دونوں زبانیں استعمال کی ہیں) پہلے میں ایک فقرہ کہتا پھر ترجمہ کرنے والا اس کا جرمن میں ترجمہ کرتا پھر میں اگلا فقرہ کہتا۔اگر تقریر لکھی ہوئی نہ ہوتو بڑی مشکل پیش آتی ہے میرا وہ مضمون لکھا ہوا تھا لیکن بعض جگہ میں نے بغیر لکھے بھی تقریر کی ہے۔ بہر حال اگر تقریر لکھی ہوئی نہ ہوتو بڑی مشکل پیش آتی ہے یعنی ایک فقرہ کے بعد انتظار کرنا اور پھر اس کا اگلے فقرے کے ساتھ جوڑ لگانا اور یہ بھی دیکھنا کہ ترجمہ صحیح ہوا ہے۔لیکن اللہ تعالیٰ مجھے سمجھ دے دیتا تھا گو میں جرمن نہیں جانتا تھا لیکن مجھے اس بات کا پتہ لگ جاتا تھا کہ ترجمہ کرنے والے نے فلاں حصے کا ترجمہ نہیں کیا اور میں کہہ دیتا تھا کہ تم فلاں حصہ کا ترجمہ چھوڑ گئے ہو تم اس کا ترجمہ کرو اس سے وہ لوگ سمجھتے تھے کہ میں بڑی اچھی زبان جانتا ہوں لیکن یہ بات نہیں تھی اللہ تعالیٰ ہی مدد کر دیتا تھا ویسے میں تھوڑی سی جرمن زبان جانتا بھی ہوں۔بہر حال وہاں تقریر میں بہت دیر لگتی ہے۔وہاں ہمارے ایک بڑے ہی مخلص نوجوان محمود اسماعیل زولش ہیں وہ میری تقریر کا جرمن میں ترجمہ کرتے تھے۔جب میں وہاں کے احمدیوں کے حالات بتاؤں گا تو میں بتاؤں گا کہ وہاں اللہ تعالیٰ کس قسم کی جماعت تیار کر رہا ہے اور اس جماعت سے مل کر اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے نہایت خوشی کے سامان پیدا کئے اور آپ کے لئے بھی یہ بات غور طلب ہے کہ وہ اب آپ کے پہلو بہ پہلو کھڑے ہو گئے ہیں اب یا تو آپ آگے نکلیں گے اور یا پھر وہ آگے نکل جائیں گے اور خدا تعالیٰ کسی کا رشتہ دار نہیں اگر وہ آگے نکل گئے تو پھر اللہ تعالیٰ ان کے ہاتھ میں انتظام دے دے گا کیونکہ وہ جس کو اہل دیکھتا ہے اسکو خدمت کا موقع دے دیتا ہے۔خیر وہاں ایک مختصر سی ری سپشن ہوئی اور اگلے دن ہم نے دیکھا کہ وہاں کے ہر اخبار نے رپورٹ شائع کی ہوئی ہے بڑے اچھے نوٹ

دیئے تھے اور تصویریں بھی دی تھیں مجھے قطعاً امید نہیں تھی کہ کوئی ایک اخبار بھی تصویر کیساتھ خبر شائع کرے گا لیکن اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا کہ وہاں بھی ہمارے متعلق خبریں شائع ہوگئیں اور اسلام کا پیغام قریباً ہر شخص کے کان تک پہنچ گیا۔

یہاں میں ایک اور واقعہ بیان کرنا چاہتا ہوں وہاں سے یہ مطالبہ آرہا تھا کہ آپ پہلے مضمون لکھیں اور ہمیں بھیج دیں ہم اس کا ترجمہ کردیں گے میں بڑا مصروف آدمی ہوں میرے لئے مضمون لکھنا بھی بڑا مشکل تھا اور پھر وقت پر مضمون لکھنا تو اور بھی مشکل تھا لیکن جب مجھ پر زیادہ دباؤ پڑا تو میں نے لکھنا شروع کردیا۔ پہلا مضمون میں نے فرینکفورٹ کے لئے لکھا لیکن مجھے اپنا لکھا ہوا مضمون بھی پسند نہ آیا میں نے اسے ایک طرف رکھ دیا پھر میں نے ایک دوست کو کہا کہ میں ڈکٹیٹ کراتا ہوں تم لکھتے جاؤ چنانچہ میں نے ایک مضمون ڈکٹیٹ کرایا۔ لیکن مجھے وہ بھی پسند نہ آیا میں نے اسے بھی چھوڑ دیا یہ مضامین تو میں نے کوشش کر کے لکھے تھے۔ لیکن دوسری صبح کو میں بیٹھا تو آمد شروع ہوگئی فقرہ پر فقرہ آتا چلا گیا لیکن بجائے اس کے کہ وہ پندرہ منٹ کا مضمون بنتا وہ ۴۵ منٹ کا مضمون بن گیا اس میں بڑا زور تھا، دلائل تھے اور وہ بڑا اثر رکھنے والا مضمون تھا۔ غرض اللہ تعالیٰ کے فضل سے بڑی اچھی تقریر تیار ہوگئی یہاں میں نے اس کا ترجمہ کروایا جب چیک کیا تو بعض نے کہا یہ مضمون لمبا ہے میں نے کہا اس کو چھوٹا کردو لیکن مجھے کہا گیا کہ یہ چھوٹا نہیں ہوسکتا اگر اسے چھوٹا کیا گیا تو اس کا زور ختم ہوجائے گا میں نے کہا اچھا رہنے دو وہاں جا کے دیکھیں گے کیا ہوتا ہے وہاں جا کے وہ مضمون جب مبلغین کو دکھایا تو وہ کہنے لگے کہ ان ملکوں کے حالات ایسے ہیں کہ ان میں یہ مضمون نہیں پڑھا جانا چاہیے کیونکہ یہ بڑا تیز ہے میں نے کہا ٹھیک ہے چنانچہ میں نے اسے رکھ لیا اور کہا اللہ تعالیٰ جو سمجھائے گا وہ کہتے چلے جائیں گے۔

زیورک پہنچے تو وہاں پہلی پریس کانفرس ہوئی وہاں ایک اخبار بہت پائے کا ہے اس کے متعلق ہمارے مبلغ چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ کی رپورٹ ہے کہ یہ ہمیشہ اسلام کے خلاف لکھتا ہے لیکن جب میں اس کی تردید کرتا ہوں تو یہ اُسے شائع نہیں کرتا۔ ہمارے خلاف لکھتا چلا جاتا ہے لیکن تردید میں ایک لفظ بھی شائع نہیں کرتا اور پتہ نہیں کہ اس کا نمائندہ پریس کانفرنس میں

آ تا ہے یا نہیں۔ پہلی کانفرنس تھی اور وہ بڑے ڈرے ہوئے تھے کہ پتہ نہیں پریس والے کیا کرتے ہیں وہ میری وجہ سے بھی زیادہ ڈرے ہوئے تھے وہ سمجھتے تھے کہ اگر انہوں نے کوئی نامناسب بات کہہ دی تو ہمیں غصہ آئے گا اور ہمیں تکلیف ہوگی غرض میری محبت اور پیار کی وجہ سے بھی انہیں خوف تھا اور یہ بھی ڈر تھا کہ ہمارے مشن کو کامیابی ہوتی ہے یا نہیں۔ لیکن ہوا یہ کہ سب اخباروں کے نمائندے آئے اور نہایت آرام کے ساتھ سوا گھنٹہ کے قریب پریس کانفرنس جاری رہی۔ وہ لوگ سوال کرتے رہے اور میں ان کو جواب دیتا رہا۔ بعض دفعہ وہ سیاسی سوال بھی کر دیتے تھے اور میں انہیں کہہ دیتا تھا کہ میں سیاسی آدمی نہیں ہوں آپ مجھ سے مذہب کی باتیں کریں۔ اس اخبار کا نمائندہ جو اسلام کے خلاف لکھتا رہتا تھا اور اس کے حق میں اس نے کبھی کوئی لفظ نہیں لکھا تھا ایک نوجوان تھا اس کو مجھ سے دلچسپی پیدا ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کے فرشتوں نے اس کے دل کی تاروں کو ہلایا پریس کانفرنس ختم ہوگئی لیکن وہ نوجوان اس کے بعد بھی پندرہ منٹ کے قریب مجھ سے باتیں کرتا رہا آخر میں اس نے کہا میں آپ سے ایک آخری سوال پوچھنا چاہتا ہوں آپ مجھے بتائیں کہ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے بانی کی بعثت کا مقصد کیا ہے (اب دیکھو اللہ تعالیٰ ہی ہمارے لئے خوشی کے سامان پیدا کرتا ہے اس کی بشارتیں اور رحمتیں ہم نے دیکھیں چھوٹی چھوٹی باتوں میں اس کی رحمت کا ہاتھ نظر آتا تھا۔) جب اس نوجوان نے سوال کیا تو اسی وقت اس کا جواب بھی میرے ذہن میں آ گیا۔ میں نے اس سے کہا میں آپ کی بعثت کا مقصد تمہیں اپنے الفاظ میں کیوں بتاؤں میں بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کے الفاظ میں ہی تمہیں بتاتا ہوں کہ ان کی بعثت کا مقصد کیا تھا۔ آپ نے لکھا ہے کہ میں دلائل کے ساتھ اس صلیب کو توڑنے کے لئے آیا ہوں جس نے مسیح کی ہڈیوں کو توڑا اور اس کے جسم کو زخمی کیا۔ وہ نوجوان اچھل پڑا اور کہنے لگا کہ مجھے حوالہ چاہیے۔ اب وہ شخص تو احمدی نہیں تھا اسے کیا غرض تھی کہ وہ اس حوالہ کو شائع کرتا لیکن اس نے کہا مجھے اصل حوالہ چاہیے۔ اب دیکھو خدائے عَلَّامُ الْغُیُوْبِ کو تو پتہ تھا کہ اس حوالہ کا مطالبہ ہونا ہے میں نے یہاں مضمون لکھنے شروع کئے تو میں نے بعض حوالے نکلوائے تھے بعد میں مَیں نے مضمون تو تیار نہ کئے اور نہ میں تیار کر سکا کیونکہ میری طبیعت میں انقباض پیدا ہو گیا تھا لیکن میں نے چوہدری محمد علی صاحب

سے کہا یہ حوالے ساتھ رکھ لیں شاید وہاں کام آئیں ان حوالوں میں وہ حوالہ بھی تھا اور پھر وہ اُردو میں نہیں تھا بلکہ اس کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا ہوا تھا میں نے وہ حوالہ منگوایا اور اس نوجوان کے ہاتھ میں دے دیا اور کہا یہ ہے حوالہ اس نے اسے پڑھا تو کہا میں نے اسے نقل کرنا ہے میں نے کہا بڑی خوشی سے نقل کرو اور اگلے دن اس اخبار میں جس میں اسلام کے حق میں کبھی ایک لفظ بھی نہیں چھپا تھا ایک لمبا نوٹ چھپا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ ساری عبارت بھی نقل کردی گئی اس نے لکھا کہ آپ کا دعویٰ تھا اور آپ نے فرمایا تھا کہ میں اس غرض کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں کہ اس صلیب کو دلائل کے ساتھ توڑ دوں جس نے مسیح کی ہڈیوں کو توڑا تھا اور آپ کے جسم کو زخمی کیا تھا۔ میں نے جب اسے وہ حوالہ دیا تھا تو اسے یہ بھی کہا تھا کہ دیکھنا یہ غلطی نہ کرنا کہیں ’’دلائل سے‘‘ کے الفاظ چھوڑ دو اس سے غلط فہمی پیدا ہوسکتی ہے چنانچہ اس نے پورا حوالہ شائع کیا سارے حیران تھے اور کہتے تھے کہ ہمیں تو کوئی توقع نہیں تھی کہ اس قسم کی پریس کانفرنس ہوسکتی ہے سارے اخباروں میں خبریں شائع ہوئیں اُن میں سے کسی نے مسجد کی فوٹو دی اور کسی نے نہ دی لیکن ہمارے فوٹو کے ساتھ نوٹ شائع کئے غالباً مسجد کی فوٹو اس لئے شائع نہ کی گئی کہ اس کے فوٹو اخبارات میں آچکے ہیں اور وہ پرانی مسجد ہے۔

اس کے بعد ہم ہیگ پہنچے۔ (میں اس وقت صرف پریس کانفرنسوں کو لے رہا ہوں) وہاں حافظ قدرت اللہ صاحب مجھے کہنے لگے کہ یورپ کے دوسروں ملکوں کی نسبت یہاں مسلمانوں اور اسلام کے خلاف تعصّب بہت زیادہ ہے اور میں ڈر رہا ہوں پتہ نہیں پریس کانفرنس میں کیا ہوگا اور غالباً میں نے ان سے ہی کہا تھا کہ آپ فکر نہ کریں سوال مجھ سے ہونے ہیں اور میں نے ہی ان کے جواب دینے ہیں وہاں بھی پریس والوں نے بڑے ادب اور احترام کے ساتھ مجھ سے باتیں کیں ایک نوجوان جو بڑا لمبا اور صحت والا تھا اور غالباً کسی کیتھولک اخبار کے ساتھ تعلق رکھتا تھا اس نے ایک سوال کیا سوال تو اس نے بڑے ادب سے کیا لیکن اس کی آنکھوں میں شوخی تھی وہ نوجوان کہنے لگا آپ مجھے یہ بتائیں کہ آپ نے ہمارے ملک میں کتنے مسلمان کئے ہیں غالباً اسے علم تھا کہ یہاں احمدی تھوڑی تعداد میں ہیں مَیں نے اس کو کہا کہ تمہارے نزدیک مسیح علیہ السلام کی

جتنی زندگی تھی گو اس مسئلے میں ہمارا اور تمہارا اختلاف ہے لیکن میں اس وقت اس اختلاف کو چھوڑتا ہوں تمہارے خیال میں جتنے سال مسیح علیہ السلام اس دنیا میں زندہ رہے اس ساری عمر میں انہوں نے جتنے عیسائی بنائے تھے ان سے زیادہ اس ملک میں ہم نے مسلمان بنائے ہیں اس پر ایسا رُعب طاری ہوا کہ دوسرے نمائندے تو سوال کرتے رہے لیکن وہ خاموش رہا تیس چالیس منٹ کے بعد میں نے اس کی طرف توجہ کی اور کہا کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ تم نے مجھ میں دلچسپی لینی چھوڑ دی ہے لیکن میری تم میں دلچسپی ابھی تک قائم ہے تم سوال کرو میں اس کا جواب دوں گا خیر اس کے بعد اس نے بعض سوال کئے اور میں نے ان کا جواب دیا۔ زیورک میں تو میں پریس کانفرنس کے بعد وہیں ٹھہرا رہا لیکن ہیگ میں مَیں پریس کانفرنس کے معاً بعد اس جگہ کو چھوڑ کر اپنے کمرہ میں چلا گیا تھا اور وہ نوجوان قریباً ایک گھنٹہ تک دوستوں سے گفتگو کرتا رہا اس نے قیمتاً ہمارا لٹریچر بھی خریدا اور کہنے لگا میں اسے ضرور پڑھوں گا۔ غرض اس پر اتنا اثر تھا وہاں کے سارے اخباروں نے صرف یہ خبر ہی شائع نہیں کی تھی کہ ہم اس ملک میں آئے ہیں بلکہ ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ وہ کہتے ہیں کہ اسلام لاؤ ورنہ تباہ ہو جاؤ گے اور دراصل یہی بات ان دو غرضوں میں سے ایک تھی جن کے لئے میں وہاں گیا تھا مجھ سے وہ باتیں کرتے ان کو بھی شائع کرتے اور ساتھ ہی ہماری تصویریں بھی شائع کرتے لیکن اگر وہ صرف میری تصویر شائع کرتے تو اس میں میری کوئی عزت افزائی نہیں تھی جس کو خدا تعالیٰ نے عزت دی ہو وہ دنیا کی عزتوں کی کیا پرواہ کرتا ہے میرے وہاں جانے کی جو اصل غرض تھی وہ پوری ہونی چاہیے تھی میں نے ان کو جو انتباہ دینا تھا وہ ہر ایک کے پاس پہنچنا چاہیے تھا اور مجھے خوشی اس بات سے ہوئی تھی کہ انہوں نے صاف طور پر لکھ دیا تھا کہ میرا پیغام یہ ہے کہ دو راستے تمہارے لئے کھلے ہیں یا تو تم اسلام لاؤ یا تباہ ہونے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ میں ویسے وہاں یہ فقرہ بولتا تھا کہ اپنے ربّ کی طرف رجوع کرو Come back to your Creator اور اس کا مفہوم وہ سارے سمجھتے تھے چنانچہ ان میں سے ایک نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کا مطلب تو اسلام سے ہے نا۔ میں نے کہا ہاں اللہ وہی تو ہے جو اسلام نے پیش کیا ہے وہ لوگ ذاتِ باری اور صفاتِ باری کے متعلق تو کچھ جانتے نہیں تھے لیکن وہ مفہوم کے لحاظ میرے فقرہ کا ترجمہ کر لیتے

تھے اور انہوں نے یہ شائع کیا کہ یہ کہتے ہیں کہ تم اسلام کو قبول کر و ورنہ تباہ ہو جاؤ گے۔

اس کے بعد ہم ہمبرگ پہنچے ہیمبرگ میں چار روزانہ اخبار ہیں جرمنی میں صرف دو اخبار ایسے ہیں جو سارے جرمنی میں پڑھے جاتے ہیں بلکہ ساری دنیا میں پڑھے جاتے ہیں اور لندن ٹائمز کے ہم پلہ ہیں باقی سارے اخبار مقامی ہیں۔ بہر حال ہیمبرگ میں چار روزانہ اخبار ہیں جن میں سے تین صبح کو چھپتے ہیں اور ایک شام کو چھپتا ہے جو اخبار صبح کو چھپتے ہیں ان میں سے ایک ان دو اخبارات میں سے ہے جو صرف جرمنی میں ہی نہیں پڑھے جاتے بلکہ ساری دنیا میں جہاں جرمن زبان بولی جاتی ہے پڑھے جاتے ہیں اور یہ اطلاع مجھے کراچی میں پریس میں کام کرنے والے ایک غیر احمدی دوست نے دی جب میں نے اخبار کا نام لیا، ڈی ویلٹ، تو اس نے کہا اچھا یہ اخبار ہے یہ تو ساری دنیا میں جاتا ہے اور جرمنی کے دو بڑے اخباروں میں سے ایک ہے اس کے علاوہ تین اور اخبار ہیں اور وہ اپنے علاقہ میں پڑھے جاتے ہیں۔ گویا صرف چار اخبار ہیں باقی نیوز ایجنسیز جیسے ہمارے ہاں اے پی پی وغیرہ ہے پھر ریڈیو ہے وغیرہ وغیرہ، ہمارے مبلغوں کا اثر ورسوخ ہے حکومت سے بھی ان کے تعلقات ہیں محکمہ اطلاعات وانفارمیشن کو جب پریس کانفرنس کے متعلق علم ہوا تو انہیں خیال آیا کہ کہیں یہ مایوس نہ ہو جائیں چنانچہ انہوں نے فون کر کے بتایا کہ حکومت کی طرف سے ہم پریس کانفرنس بلاتے ہیں، بڑا زور لگاتے ہیں، روپیہ خرچ کرتے ہیں، تب جا کر کہیں سات آٹھ یا نو نمائندے آتے ہیں اگر آپ کی پریس کانفرنس میں تھوڑے نمائندے ہوں تو آپ مایوس نہ ہوں ہمارے ملک کا یہی طریق ہے۔ خیر انہوں نے وارننگ دی اور وارننگ بھی اپنی محبت اور تعلق کی وجہ سے دی تا کہ ہم مایوس نہ ہو جائیں وہاں ایک اٹلانٹک ہوٹل ہے جس میں یہ پریس کانفرنس ہوئی میں جب وہاں گیا تو میں نے دیکھا کہ وہاں ۳۵ نمائندے بیٹھے ہوئے ہیں ان چاروں اخباروں کے نمائندے تھے ہفتہ وار اخباروں کے نمائندے تھے دو نمائندے ریڈیو کے تھے۔ (وہاں دو مختلف ریڈیو پروگرام ہیں اور ان میں سے ہر ایک نے علیحدہ علیحدہ اپنی انڈی پینڈنٹ ٹیم بھیجی ہوئی تھی) نیوز ایجنسیز کے نمائندے تھے پھر وہاں رواج ہے کہ فوٹو گراف مہیا کرنے والی بھی انڈی پینڈنٹ ایجنسیاں ہیں وہ فوٹو لے لیتی ہیں اور ہر اخبار کو بھیج دیتی ہیں اور

کہلا بھیجتی ہیں اگر تم نے اس واقعہ کے متعلق کوئی نوٹ دینا ہو تو یہ تصویریں ہیں تم ان میں سے کوئی ایک یا دو منتخب کرلو اور اس کے وہ پیسے لے لیتی ہیں یہ ان کے کمانے کا ایک ذریعہ ہے اخبار کو اپنے علیحدہ فوٹو گرافر رکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بہرحال وہاں یہ سسٹم ہے اور ان فوٹو لینے والی ایجنسیوں کے نمائندے بھی وہاں موجود ہوتے تھے کل نمائندے ۳۵ تھے اور ایک گھنٹہ پچیس منٹ تک ہم باتیں کرتے رہے وہ اُٹھنے کا نام ہی نہ لیتے تھے میں خود کھڑا ہو گیا اور کہا اب ہم اس پریس کانفرنس کو ختم کرتے ہیں۔

اس پریس کانفرنس میں دو عورتیں بھی تھیں میں نے ان سے ہاتھ نہیں ملایا تھا اور اس پر ان میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے کہا آپ نے ہم سے ہینڈ شیک یعنی مصافحہ کرکے ہماری عزت افزائی تو کی ہے لیکن ان عورتوں کی عزت افزائی نہیں کی یہ کیا بات ہے۔ میں نے اسے کہا کہ میں تمہارا بڑا ممنون ہوں کہ تم نے یہ سوال کرکے بات کی وضاحت کروالی ہے ورنہ تم یہاں سے اُٹھ جاتے تو غلط فہمی قائم رہتی۔ اسلام کا یہ مسئلہ ہے اور یہ ایک عورت کی بے عزتی کے خیال سے نہیں بلکہ اس کی عزت اور احترام کو قائم کرنے کے لئے ہے۔ تم یہ تو کہہ سکتے ہو کہ ہمارا نظریہ درست نہیں مگر ہم پر یہ الزام نہیں لگ سکتا کہ ہم عورت کی عزت اور احترام نہیں کرتے خیر بات ان کی سمجھ میں آگئی اور ان کی تسلی ہوگئی بڑی لمبی چوڑی گفتگو ہوئی ان سے۔ اس موقعہ پر ایک بڑی اچھی تصویر بھی لی گئی جو مجھے بہت پسند آئی میں نے ایک وارننگ دیتے ہوئے جوش میں اپنی انگلی (ایک خاص انداز سے) ہلائی جونہی میں نے انگلی ہلائی ایک فوٹو گرافر نے چھلانگ لگائی میرا خیال تھا کہ وہ تصویر نہیں لے سکے گا لیکن وہ اپنے فن میں بڑے ماہر ہوتے ہیں پتہ نہیں کس طرح اس نے تصویر لے لی دوسرے دن وہ تصویر اخبار میں آگئی۔ ہیمبرگ کے ٹیلی ویژن کو ایک کروڑ سے زیادہ آدمی دیکھتے ہیں جرمنی کے چھوٹے چھوٹے کئی صوبے ہیں اور ہیمبرگ کا ٹیلی ویژن تین چار صوبوں میں دیکھا جاتا ہے ہیمبرگ کا ٹیلی ویژن جس علاقہ میں دیکھا جاسکتا ہے اس کے متعلق اندازہ ہے کہ اس میں اسے ایک کروڑ سے زیادہ آدمی دیکھتے ہیں ہم نے اس میں چالیس فیصدی کاٹ دیا کہ بہت سے لوگ باہر گئے ہوئے ہوتے ہیں بعض لوگ سیر و سیاحت کے لئے گھروں

سے نکلے ہوئے ہوتے ہیں پھر بھی ۶۰، ۷۰ لاکھ کے درمیان لوگوں نے ہمیں ٹیلی ویژن پر دیکھ لیا اور جو باتیں وہاں ہوئی وہ یہی تھیں کہ اسلام لاؤ اور اپنے اللہ کی معرفت حاصل کرو۔ یہ پیغام براڈ کاسٹ بھی ہو گیا اور پھر سارے اخباروں میں بھی آ گیا اخباروں کی وجہ سے شہر میں ہمارا اس طرح چرچہ ہوا کہ ہمارے لئے باہر نکلنا مشکل ہو گیا دو ایک بار ہم بازار میں گئے تو جہاں تک نظر جاتی تھی مرد عورتیں اور بچے اپنا کام کاج چھوڑ کر ہماری طرف دیکھنے لگ جاتے تھے اور سینکڑوں کیمرے نکل آتے تھے۔ جس دوکان میں بھی جاؤ سودے کے متعلق بات بعد میں ہوتی پہلے اخبار ہمارے سامنے کر دیا جاتا تھا اور اس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ وہ ہمیں جانتے ہیں اور اس بات کا اظہار وہ بڑی خوشی اور بشاشت سے کرتے تھے۔ میرا بتانے کا یہ مطلب ہے کہ ہر گھر میں ہمارا یہ پیغام پہنچ گیا کہ اسلام لاؤ یا تباہ ہو جاؤ کیونکہ میری باتوں کا خلاصہ یہی تھا کہ اپنے ربّ سے تعلق پیدا کرو ورنہ تباہی تمہارے سامنے ہے۔

اس کے بعد ہم کوپن ہیگن گئے پہلے اس کے کہ میں کچھ کوپن ہیگن کے متعلق بتاؤں میں ایک واقعہ بتانا چاہتا ہوں زیورک میں جو ٹیم ٹیلی ویژن کے لئے انٹرویو لینے آئی تھی وہ تین اشخاص پر مشتمل تھی ان میں سے دو مرد اور ایک عورت تھی جو عورت تھی اس نے کہا میں ریکارڈ کرنے سے پہلے آپ سے بعض سوال کر کے جواب لینا چاہتی ہوں کیونکہ پروگرام چھوٹا ہے اور سوال زیادہ ہیں میں جو جواب اچھے سمجھوں گی انہیں ٹیلی ویژن کے لئے ریکارڈ کر لوں گی میں نے کہا ٹھیک ہے اس نے ایک سوال یہ کیا کہ آپ ہمارے ملک میں اسلام کس طرح پھیلائیں گے۔ میں نے اسے فوری طور پر یہ جواب دیا کہ دلوں کو فتح کر کے اس کو یہ جواب اتنا اچھا لگا کہ وہ کہنے لگی میں یہ فقرہ ضرور ٹیلی ویژن پر لانا چاہتی ہوں میں نے کہا ٹھیک ہے اس کے بعد انہوں نے ٹیلی ویژن کے لئے ریل (فلم) تیار کی منظر یہ تھا کہ پیچھے مسجد تھی اور سامنے میں تھا۔ میں جو کچھ بول رہا تھا وہ اس فلم پر آ گیا اور نشر ہوا۔

کوپن ہیگن کی پریس کانفرنس میں بھی ایک نمائندہ نے یہ سوال کر دیا کہ آپ ہمارے ملک میں اسلام کیسے پھیلائیں گے میں نے اسے کہا کہ بالکل یہی سوال زیورک میں ایک عورت نے کیا

تھا اور میں نے اسے یہ جواب دیا تھا کہ دلوں کو فتح کر کے۔اس جواب پر ایک عورت نمائندہ بڑے وقار سے کہنے لگی کہ ان دلوں کو لے کر آپ کریں گے کیا؟ میں نے اسے جواب دیا کہ ’’پیدا کرنے والے ربّ کے قدموں میں جا رکھیں گے‘‘ اس جواب کا اس پر اس قدر اثر ہوا کہ وہ پریس کانفرنس کے بعد بھی کافی دیر وہاں ٹھہری رہی۔اس نے ہمیں نماز پڑھتے دیکھا۔اس نے کہا میں واپس جا کر ایک مضمون لکھوں گی۔خیر وہاں بھی پریس انٹرویو ہوا اور بڑا اچھا ہوا اور تمام اخبارات میں وہ چھپا۔پریس کانفرنس سے پہلے مسجد کے افتتاح کی جو تصویریں چھپیں ان میں ایک اخبار نے یہ کیا کہ نماز کی تصویر دے کر اس کے نیچے یہ نوٹ دے دیا کہ یہ لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عبادت کر رہے ہیں اگلے دن پادریوں کے ایک گروپ نے مجھ سے انٹرویو کا وقت لیا ہوا تھا اس دن صبح ہی وہ اخبار آ گیا میں نے دوستوں کو یہ ہدایت دی کہ جب پادری آئیں تو یہ اخبار میرے ہاتھ میں دے دیں چنانچہ میٹنگ سے پہلے وہ اخبار میرے ہاتھ میں دے دیا گیا اس گروپ کا جو لیڈر تھا میں نے اس سے کہا کہ اس فقرہ کا ترجمہ کر کے مجھے بتاؤ مجھے اس کے مفہوم کا علم تو تھا لیکن میں اس کے منہ سے کہلوانا چاہتا تھا شرمندگی سے اس کا منہ سرخ ہو گیا اور اس نے کہا ہم یہ نوٹ پہلے دیکھ چکے ہیں اور بڑے شرمندہ ہیں میں نے کہا اب دو صورتیں ہیں یا تو میں اس کی تردید کروں اور یا تم اس کی تردید کرو اگر میں اس کی تردید کروں گا تو اس سے بدمزگی پیدا ہوگی کیونکہ میں تو اپنے رنگ میں اس کی تردید کروں گا۔چنانچہ اس پادری نے اس کی تردید شائع کرائی ایک لمبا نوٹ لکھا گیا جو اس اخبار میں شائع ہو گیا اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے ایک اور موقعہ ہمارے نظریہ کو پھیلانے اور اسلام سے تعارف کرانے کا پیدا کر دیا بہرحال جیسا کہ میں نے بتایا ہے وہاں کی ہر اخبار نے ہمارے متعلق لکھا اور بعض اخبارات نے ایک ایک صفحہ اس کے لئے دیا۔

پھر جیسا کہ میں نے اشارۃً بتایا ہے کہ ہمارے ملکوں میں تو رواج نہیں لیکن اس ملک میں یہ رواج ہے کہ باہر سے آنے والے ایسے آدمیوں کو جن کو وہ بڑا سمجھتے ہیں لارڈ میئر ری سپشن دیتا ہے اور اس کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ وہ اسے اپنے شہر میں خوش آمدید کہہ رہے ہوتے ہیں۔کوپن ہیگن میں دوسرے ملکوں کے رواج کی طرح صرف ایک کارپوریشن نہیں جس کے آگے مختلف یونٹ

ہوں وہاں مختلف کارپوریشنز ہیں جن میں سے ہر ایک انڈی پینڈنٹ ہے۔آپس میں ان کا کوئی تعلق نہیں۔ان میں سے اُس کارپوریشن کا جس کے علاقہ میں ہماری مسجد ہے الگ لارڈ میئر ہے اس کے علاوہ ایک اور کارپوریشن ہے جس میں کوپن ہیگن کا پرانا شہر واقع ہے۔اس کی میئرس ایک عورت ہے ان دونوں کارپوریشنوں نے ہمیں ری سپشن دی ہوئی تھی۔ہمارے علاقہ کی کارپوریشن کا لارڈ میئر مشن سے اتنا تعلق رکھتا ہے کہ وہ چھٹیوں پر گیا ہوا تھا اور وہاں سے وہ صرف مسجد کے افتتاح میں شامل ہونے اور مجھے ری سپشن دینے کے لئے واپس آیا اور بڑے پیار سے اس نے مجھ سے گفتگو کی میں نے اسے بتلایا کہ ہمارے احمدی مسلمان تمہاری کارپوریشن کے بہترین شہریوں میں سے ہوں گے کیونکہ ہمارا یہ مذہبی عقیدہ ہے کہ ہم ملکی قانون کی پابندی کریں اسلام نے ہمیں یہی سکھایا ہے۔لارڈ میئر نے ہمیں اپنی کارپوریشن کا جھنڈا دیا اور ہم نے اسے قرآن کریم دیا۔پھر ہم دوسری کارپوریشن کی طرف سے دی ہوئی ری سپشن میں شریک ہوئے اس میں لارڈ میئرس نے ہمیں اپنی کارپوریشن سے متعلق ایک معلوماتی کتاب دی اور ہم نے اس کو قرآن کریم پیش کیا باتیں بھی ہوتی رہیں۔اس موقعہ پر پریس کے نمائندے بھی موجود تھے اگلے دن اس ری سپشن کی تصویر بھی اخباروں میں آگئی۔جس میں لارڈ میئرس کو قرآن کریم وصول کرتے ہوئے دکھایا گیا تھا ایک اخبار نویس نے شرارتاً اسے کہا کہ انہوں نے تم کو اپنا ہاتھ نہیں دیا۔یعنی مصافحہ نہیں کیا وہ عورت پڑھی لکھی تھی اور بڑی ہوشیار تھی اس نے فوراً یہ جواب دیا کہ انہوں نے مجھے اپنا ہاتھ تو نہیں دیا لیکن مجھے قرآن کریم دیا ہے اور اگلے دن اس کا یہ فقرہ بھی اخباروں میں چھپ گیا۔

اس کے بعد ہم یورپ کو چھوڑ کر لنڈن پہنچے لنڈن کے پریس نے ہمارے ساتھ پہلے تو کوئی تعاون نہیں کیا یعنی انہوں نے ہمارے متعلق کوئی خبر نہیں دی۔صرف ایک اخبار نے خبر دی جس کا نمائندہ ائیر پورٹ پر آیا ہوا تھا اور اس سے گفتگو بھی ہوئی تھی لیکن عام طور پر پریس نے ہمیں نظرانداز کیا تین دن ہم وہاں رہے پھر ہم سکاٹ لینڈ چلے گئے وہاں بھی پریس کانفرنس ہوئی اور وہاں کی اخباروں نے خبریں بھی دیں اس کے بعد ہم چند روز ’’ونڈرمیئر‘‘ ٹھہرے اس دوران

ایک مقامی اخبار نے امام رفیق (مسجد لنڈن کے امام) کو فون کیا اور کہا کہ لوگ پوچھتے ہیں کہ یہ کون لوگ ہیں جو ہمارے علاقہ میں ٹھہرے ہوئے ہیں یہاں تو ایک ہنگامہ بپا ہے کہ مقامی اخبار نے کچھ لکھا نہیں اور لوگ حیران ہیں آخر انہیں پتہ لگنا چاہیے کہ یہ کون ہیں چنانچہ امام رفیق نے اسے بتایا اور اس نے اگلے روز ایک خبر شائع کر دی۔

ابھی ہم ونڈرمئیر میں ہی تھے کہ ہمیں وہاں ایک پیغام ملا کہ ٹائمز لنڈن سپیشل انٹرویو لینا چاہتا ہے میں نے کہا ٹھیک ہے لیکن وقت ہم وہاں مقرر کریں گے۔ ٹائمز لنڈن چوٹی کے اخباروں میں سے ہے دوست یہ نہ سمجھیں کہ میں چھوٹی چھوٹی باتوں کا ذکر کر رہا ہوں میرے نزدیک یہ باتیں بڑی اہم ہیں کیونکہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ہاتھ نظر آتا ہے ٹائمز لنڈن کا جو نوجوان نمائندہ انٹرویو لینے آیا اس نے مجھے بتایا کہ وہ آسٹریلیا کا رہنے والا ہے لندن کا رہنے والا نہیں اور وہ صرف چھ ماہ سے یہاں کام کر رہا ہے میں جب آکسفورڈ میں پڑھا کرتا تھا اس وقت میرے بعض گہرے دوست آسٹریلیا کے طالب علم تھے میں نے کہا مجھے تم سے مل کر بہت خوشی ہوئی ہے ویسے تو مجھے ہر ایک سے مل کر خوشی ہوتی ہے لیکن تمہارے ساتھ مل کر اس لئے بھی خوشی ہوئی کہ آسٹریلیا کے بعض طالب علموں سے میری بڑی گہری دوستی تھی اور بڑے لمبے زمانہ کے بعد آج میں ایک آسٹریلین سے مل رہا ہوں۔ بہرحال ایک بے تکلفی کا ماحول پیدا ہو گیا وہ نوجوان بڑا عقلمند تھا اور زیرک تھا وہ مجھ سے مختلف باتیں کرتا رہا وہاں پریس کے نمائندے مجھے سیاست میں گھسیٹنے کی کوشش کرتے تھے لیکن یورپ کا پریس بڑا سمجھدار ہے جب میں نے ان سے کہہ دیا کہ مجھ سے صرف مذہبی باتیں کرو تو وہ اس پر زور نہیں دیتے تھے میں نے اس سے بھی کہا کہ مجھ سے سیاست کی باتیں نہ کرو تو وہ رک گیا میں نے اس کو یہ بھی بتایا کہ اسلام امن اور سلامتی کا مذہب ہے نیز مذہب کا تعلق دل سے ہے اور دل کو طاقت کے ذریعہ بدلا نہیں جا سکتا۔ مذہب کے نام پر خواہ مخواہ جھگڑنا ہی غیر معقول ہے اب ہم دونوں یہاں بیٹھے ہیں میں ایک مسلمان ہوں اور ایک مذہبی فرقہ کا سربراہ ہوں اور تم ایک عیسائی نوجوان ہو میرے دل میں تمہارے متعلق دشمنی، نفرت کا یا حقارت کا کوئی جذبہ نہیں اور مجھے یقین ہے کہ تمہارے دل میں میرے خلاف دشمنی، نفرت یا

حقارت کا کوئی جذبہ نہیں اور اگر ہم یہاں اس کمرہ میں اس قسم کی فضا پیدا کر سکتے ہیں تو ساری دنیا میں بھی پیدا کر سکتے ہیں۔ دوسرے دن اس نے اخبار میں بڑا اچھا نوٹ دے دیا ہمیں یہ خیال بھی نہیں تھا کہ اس قسم کا نوٹ اخبار میں آجائے گا ٹائمز کو اتنی اہمیت حاصل ہے کہ اگر اس میں کوئی چیز چھپ جائے تو اس کے متعلق یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ انگلستان کے سارے پریس میں وہ چیز آ گئی بہرحال وہاں بھی اللہ تعالیٰ نے اعلاءِ کلمۃ اللہ کے سامان پیدا کر دیئے۔

پھر کراچی میں انٹرویو ہوا یہ لوگ ا اپنے رنگ کے ہیں یہ لوگ بار بار مجھ سے سیاسی سوال کر دیتے تھے اور بار بار مجھے یہ کہنا پڑتا تھا کہ میں کسی سیاسی سوال کا جواب نہیں دوں گا ویسے سب ہی اچھے تھے انہیں یہی اچھا معلوم ہوتا تھا کہ میں ان سے سیاسی گفتگو کروں ہر ایک کا اپنا اپنا خیال ہوتا ہے لیکن یہاں بھی اخبارات میں اچھے نوٹ آ گئے تھے۔ ان پریس کانفرنسز سے میری کوئی ذاتی غرض وابستہ نہ تھی میں نے صرف یہی مقصد اپنے سامنے رکھا تھا کہ ان لوگوں کو جھنجھوڑا جائے اور اسلام کے عالمگیر غلبہ کا آسمانوں پر جو فیصلہ ہو چکا ہے اس حقیقت کی طرف انہیں متوجہ کیا جائے اور یہ غرض اخباروں کے تعاون سے پوری ہو گئی اور یہ مقصد ہمیں حاصل ہو گیا۔

ساری قوم کو انتباہ کر دیا گیا اس لحاظ سے کہ اکثریت کے کانوں میں یہ آواز پہنچ گئی اور یہ بات ان کے ذہن نشین کر دی گئی کہ ہمیں ایک انتباہ دیا گیا ہے اور ایک وارننگ دینے والے نے ہمیں وارننگ دے دی ہے۔

جس تیز مضمون کے متعلق میں نے پہلے بیان کیا ہے اس کے متعلق میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ جب ہم لندن گئے تو ہمیں ایک ری سپشن دی گئی جس میں تین سو آدمیوں نے شامل ہونا تھا۔ گو یہ ری سپشن جماعت کی طرف سے تھی لیکن اس میں اس علاقہ کے میئر بھی مدعو تھے جس میں ہماری مسجد ہے ایک ایم پی تھے، پاکستان ایسوسی ایشن کے پریذیڈنٹ تھے اور بعض دوسرے انگریز بھی تھے اور یہ سب کوئی تیس چالیس آدمی تھے میں نے سوچا کہ میں نے اپنی محنت سے تو یہ مضمون تیار نہیں کیا بلکہ یہ آمد تھی اور میرے ربّ کی عطا۔ اس لئے اس کا جو مقصد تھا وہ پورا ہونا چاہیے اور یہی وہ جگہ ہے کہ جہاں یہ مقصد پورا ہو سکتا ہے اس کے بعد مجھے اور کوئی موقعہ نہیں ملے گا۔ چنانچہ

میں نے محترمی مخدومی چوہدری ظفر اللہ خان صاحب سے کہا کہ آپ اسے پڑھیں اور مجھے مشورہ دیں کہ آیا ری سپشن کے بعد میں یہ تقریر کروں یا نہ کروں میں نے انہیں اس کا پس منظر بھی بتایا۔ اگلے دن صبح ان کا پیغام مجھے آیا کہ آپ یہ تقریر ضرور کریں تقریر کے انگریزی ترجمہ کے فقرات میں بعض جگہ انہوں نے لفظی اصلاح بھی کی انگریزوں کا یہ طریق تھا کہ وہ ڈنر کے بعد ہلکی پھلکی تقریریں کرتے ہیں اور وہ تین تین چار چار منٹ کی ہوتی ہیں یہی کہ ایک دو لطیفے سنا دیئے اور بیچ میں کوئی کام کی بات کہہ دی میں اس بات کی وجہ سے بڑا پریشان تھا۔ کیونکہ مجھ سے پہلے چار تقریریں تھیں سب سے پہلے مئیر کھڑا ہوا اور اس نے پاکستان کی بھی اور جماعت کی بھی بڑی تعریف کی اور تین چار منٹ کے بعد وہ بیٹھ گیا اس کے بعد ایم پی کھڑا ہوا ان کی طبیعت میں مزاح تھا انہوں نے ایک دو لطیفے سنائے اور خوب ہنسایا پھر پاکستان ایسوسی ایشن کا پریذیڈنٹ کھڑا ہوا اور اس نے اپنے لحاظ سے کچھ سنجیدہ اور کچھ ہلکی پھلکی تقریر کی۔ آخر میں (مجھ سے پہلے) چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب تھے وہ کھڑے ہوئے انہوں نے ایک دو فقروں کے بعد میرے متعلق کہا کہ انہوں نے اس وقت بعض بڑی اہم باتیں کرنی ہیں اس لئے میں زیادہ وقت نہیں لیتا گویا انہوں نے میرے پیغام کا تعارف بھی کرا دیا اور وہ سارے اس بات کے لئے تیار ہو گئے کہ کوئی اہم پیغام آنے والا ہے میرے ذہن سے بوجھ اُتر گیا اور میں نے مضمون پڑھنا شروع کیا ۴۵ منٹ میں وہ مضمون ختم ہوا اس سارے عرصہ میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سامعین مسحور ہیں کوئی آواز وہاں پیدا نہ ہوئی بعد میں احمدیوں نے مجھے بتایا کہ ہمیں پسینے آ رہے تھے اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ بڑا تیز مضمون تھا لیکن وہ مضمون میرا نہیں تھا یہ نہیں تھا کہ میں نے سوچ کر اور عقل پر زور دے کر اسے بنایا ہو بلکہ جب میں لکھنے لگا تو مضمون ذہن میں آتا گیا اور میں لکھتا گیا۔ ایک احمدی کہنے لگا کہ میرے ساتھ ایک انگریز بیٹھا ہوا تھا جب آپ نے مضمون پڑھنا شروع کیا تو اس نے حیرانی سے منہ کھولا اور پھر ۴۵ منٹ تک اس کا منہ کھلا ہی رہا جس وقت میں نے مضمون ختم کیا اور سلام کیا اس وقت شاید کوئی چیونٹی بھی چلتی تو مجھے آواز آ جاتی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا سارے سٹنڈ (Stunned) ہو گئے ہیں اپنے بھی اور پرائے بھی۔ اس خاموشی کی حالت میں مَیں نے سلام کیا اور باہر نکل گیا جب تک

میں ہال سے باہر نہیں نکلا میرے کان میں کوئی آواز نہیں پڑی علاقہ کے میئر میرے ساتھ تھے وہ بڑے عقل مند آدمی تھے ہمارے احمدیوں کو یہ خیال نہ آیا کہ میں اکیلا باہر نکل گیا ہوں وہ سارے وہیں بیٹھے رہے تھے انہیں یہ بھی خیال نہ آیا کہ یہ اکیلے موٹر میں کیسے چلے جائیں گے وہاں موٹر ڈرائیور بھی نہیں تھا میئر مجھے کہنے لگا آپ تھکے ہوئے ہوں گے اِدھر آئیں ہم ذرا یہاں بیٹھتے ہیں میں نے کہا۔ ٹھیک ہے ہال اوپر تھا ہم سیڑھیوں سے نیچے اُتر کے نیچے کے کمرے میں چلے گئے اور وہاں کھڑے کچھ دیر تک باتیں کرتے رہے وہاں وہ ایم پی بھی آ گئے وہ کہنے لگے مجھے امید ہے کہ جس تباہی کا آپ نے ذکر کیا ہے اس کی پیش گوئی ہمارے حق میں پوری نہیں ہوگی۔ قبل اس کے کہ میں اس کا کوئی جواب دیتا میئر نے کہا کہ ان کی تقریر کا خلاصہ تو یہ ہے کہ ایک تو دنیا میں امن ہونا چاہیے اور دوسرے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا کرنا چاہیے جب اس نے اس رنگ میں جواب دیا تو وہ خاموش اور سنجیدہ ہو گئے ویسے تو وہ بڑا اچھا آدمی تھا لیکن بعض آدمیوں کی طبیعت ایسی ہوتی ہے کہ وہ ہنسی مذاق کرتے رہتے ہیں اور جس وقت میئر نے دیکھا کہ لوگ نیچے اُتر آئے ہیں (سامنے کا دروازہ کھلا ہوا تھا) تو کہنے لگے اچھا اب چلئے تب مجھے پتہ لگا کہ اس کے دماغ میں یہ نہیں تھا کہ میں تھکا ہوا ہوں اور آرام کروں بلکہ یہ تھا کہ میں اکیلا ہوں سارے ساتھی وہاں بیٹھے ہیں اور موٹر چلانے والا بھی وہاں بیٹھا ہے کیونکہ وہاں ڈرائیور استعمال نہیں ہوتا سارے لوگ کاریں آپ ہی چلاتے ہیں۔

پھر میں نے جماعت کو ہدایت دی کہ میرا یہ مضمون بہت تھوڑے آدمیوں نے سنا ہے اب اسے گھر گھر پہنچاؤ اور خرچ کا اندازہ لگاؤ انہوں نے کہا پچاس ہزار کاپیوں پر کوئی ڈیڑھ سَو پونڈ خرچ آئے گا یعنی پچاس ہزار کاپیوں پر دو ہزار روپے میں نے کہا ٹھیک ہے اگر پیسے نہیں ہیں تو میں انتظام کر دیتا ہوں وہ کہنے لگے رقم کا انتظام ہم کر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے وہاں رہنے والے احمدیوں کو قربانی کی بڑی توفیق دی ہے چنانچہ چند دوستوں نے باہم مل کر یہ فیصلہ کیا کہ ہم اسے شائع کریں گے چنانچہ پچاس ہزار کاپیاں اس مضمون کی وہاں چھپ چکی ہیں۔ اب میں نے ہدایت دی ہے کہ اس کا جرمن، ڈینش اور ڈچ زبانوں میں ترجمہ ہو جائے اور پھر اگر موقعہ ملا

توسپینش اور اٹالین میں بھی اس ترجمہ کو کروایا جائے گا اور سارے یورپ میں اسے پہنچا دیا جائے گا۔ میں نے انہیں کہا کہ وقف عارضی کو جاری کرو اور واقفین سے یہ کام لو اسے ہر گھر میں پہنچاؤ اس کی تعداد کم ہے اور گھر زیادہ ہیں اس لئے پڑھے لکھے اور صاحب رسوخ لوگوں کی فہرست بناؤ اور ان تک اسے پہنچاؤ شہروں اور دیہات دونوں میں اسے تقسیم کرو یہ نہیں کہ شہروں میں اسے تقسیم کروا اور دیہات میں نہ کرو۔ دیہات میں ابھی تک عیسائیت سے کچھ نہ کچھ پیار ضرور پایا جاتا ہے شہروں میں نہیں پایا جاتا۔

اگر خدا تعالیٰ نے چاہا اور اس نے توفیق دی تو دو ایک خطبات میں وہاں کے واقعات اپنے رنگ میں بیان کر دوں گا۔ اس نیت کے ساتھ کہ ان چیزوں کا جو نتیجہ میرے دماغ نے نکالا ہے جب اس نتیجہ تک میں پہنچوں تو آپ میرے ساتھ پورا پورا تعاون کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی توفیق دے۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۷ ۲ ستمبر ۱۹۶۷ء صفحہ ۲ تا ۱۱)

یورپ کے نومسلم احمدی اپنے ایمان اخلاص اور قربانی میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت ترقی کر رہے ہیں

خطبہ جمعہ فرمودہ یکم ستمبر ۱۹۶۷ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

گذشتہ خطبہ جمعہ میں مَیں نے بتایا تھا کہ ایک خواب کی بِنا پر میں چند رؤیا احباب کی خدمت میں رکھنا چاہتا ہوں۔ آج بھی میں اپنے اس خطبہ کو چند خوابوں اور رؤیا سے شروع کرنا چاہتا ہوں ویسے تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے بیسیوں مبشر خوابیں میرے سفر یورپ کے دوران اور واپسی کے بعد بھی دوستوں نے مجھے لکھی ہیں مردوں نے بھی خوابیں دیکھی ہیں اور ہماری احمدی بہنوں نے بھی خوابیں دیکھی ہیں۔ بڑوں نے بھی دیکھی ہیں اور بچوں نے بھی دیکھی ہیں کہا گیا تھا کہ اس زمانہ میں بچے بھی نبوت کریں گے یعنی خبریں اللہ تعالیٰ سے حاصل کریں گے جو سچی ہوں گی اور جن کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اور طاقت کا اظہار ہوگا۔

آج کے لئے میں نے تین خوابوں کا انتخاب کیا ہے اور یہ تینوں خوابیں عورتوں کی ہیں۔ ایک خواب میری بزرگ کی ہے، ایک میری بیوی کی، ایک میری بچی کی ہے۔ اصل غرض اس سفر کی کوپن ہیگن کی مسجد کا افتتاح تھا اور اس افتتاح سے میں یہ فائدہ اٹھانا چاہتا تھا کہ ان اقوام کے سامنے اللہ تعالیٰ کی اس مشیت کو کھول کر اور وضاحت سے رکھ دیا جائے کہ اسلام کے غلبہ کے

سامان آسمانوں پر مقدر ہو چکے ہیں اور زمین پر ظاہر ہونے والے ہیں اور اگر ان اقوام نے اللہ تعالیٰ کے اس منشا کو نہ سمجھا تو پھر ایک ایسی ہلاکت ان کے سروں پر منڈلا رہی ہے کہ جو انسانی تاریخ میں کبھی دیکھنے میں نہیں آئی۔ لیکن چونکہ وجہ اس سفر کی کوپن ہیگن کی مسجد کا افتتاح بن گیا تھا اور اس مسجد کو احمدی مستورات کی مالی قربانیوں نے بنایا تھا اس لئے آج کے لئے میں نے مستورات کی خوابوں میں سے تین کا انتخاب کیا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ مکرمہ مخدومہ محترمہ آپا مریم صدیقہ صاحبہ آج کل یہاں نہیں ہیں انہوں نے ایک بڑی مبشر خواب دیکھی تھی لیکن زبانی مجھے سنائی تھی ہوسکتا ہے کہ بعض حصے چھوڑ جاؤں اس لئے میں نے ان کی اس خواب کا آج کے خطبہ کے لئے انتخاب نہیں کیا۔ لیکن قبل اس کے کہ میں یہ تین رؤیا آپ دوستوں کو سناؤں۔ میں یہ بھی آج بیان کرنا چاہتا ہوں کہ سفر پر روانگی سے چند روز قبل ایک دن صبح کے وقت جب میں اٹھا تو میری زبان پر یہ مصرع جاری ہوا۔

تشنہ روحوں کو پلا دو شربتِ وصل و بقا

یہ مصرع بطور طرح مصرع کے میں نے محترمہ مخدومہ پھوپھی جان صاحبہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کو دیا تھا اور انہوں نے ایک آدھ شعر بھی کہا ہے نظم تو مکمل نہیں کر سکیں (یہ نظم اب الفضل کے ایک شمارہ میں شائع ہو چکی ہے) لیکن بعض اور احمدی شاعروں نے اس مصرع کو سامنے رکھ کر بعض نظمیں بھی لکھی ہیں بعض چھپ گئی ہیں بعض شائد آئندہ الفضل میں چھپ جائیں۔ اس میں بھی دراصل اجازت دی گئی تھی اس سفر پر روانہ ہونے کی اور اس ضرورت کا احساس پیدا کیا گیا تھا کہ اقوام یورپ روحانی طور پر پیاسی ہیں اور انہیں قرآن کریم کے چشمہ سے سیراب ہونے کی ضرورت ہے اس وقت اس کے بغیر نہ وہ اقوام اللہ تعالیٰ کا فضل حاصل کر سکتی ہیں اور نہ اس دنیا میں باقی رہ سکتی ہیں اور جو غرض اس سفر سے تھی اس کی تفصیل کی طرف اشارہ اس چھوٹے سے مصرع میں کیا گیا تھا۔

سفر پر روانہ ہونے سے قبل ہماری بڑی پھوپھی جان نے لاہور میں یہ خواب دیکھی جو انہی دنوں انہوں نے اپنے خط میں لکھ کر بھجوائی تھی میں وہ آج سنانا چاہتا ہوں۔

حضرت پھوپھی جان صاحبہ نے عزیزم مکرم مرزا مظفر احمد صاحب کے متعلق بھی ایک منذر سی خواب دیکھی تھی اوران کے لئے مجھے بھی لکھا تھا دعا کے لئے اور خود بہت دعا کر رہی تھیں۔ آپ لکھتی ہیں کہ ''آج صبح نماز کے بعد (جس میں خصوصی دعا زیادہ تر ہمیشہ کی طرح آپ کے لئے اور سفر کے لئے تھی اور مظفر احمد یا جو بلا ہو کسی کی بھی ہو اس کے رفع ہونے کے لئے ہی زیادہ تر کی) سو گئی تو آنکھ کھلنے کے قریب عربی میں آواز کسی کی آ رہی ہے جیسے کوئی خوش الحان قرآن شریف پڑھتا ہے مگر اثر یہ ہے کہ جیسے کسی کو مخاطب کر کے کوئی بات کرتا ہے بہت صاف آواز ہے۔ صرف زبان عربی میں کلمات ادا ہو رہے ہیں یعنی کسی سورت قرآن مجید کا خیال نہیں تھا مجھے وہ الفاظ جو یاد رہ گئے تھے وہ یہ تھے اَلَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ اِلٰی رَحْمَۃِ اللّٰہِ۔ اَلَّذِیْنَ سے پہلے کیا تھا یہ مجھے کچھ یاد نہیں۔ اس کے بعد کے الفاظ کا بھی بہت مبارک اور مبشر ہونے کا اثر تھا مگر یاد نہیں رہا صرف وہی جو میں اپنی زبان سے ساتھ ساتھ کہہ رہی تھی، یاد ہے بس یہی الفاظ زبان پر جاری تھے کہ آنکھ کھل گئی مگر ساتھ ساتھ اور کلمات بھی گویا کہے جا رہے تھے جاگتے جاگتے ان کا پختہ احساس تھا مگر یاد صرف مجھے اتنا رہ گیا۔ دل پر اچھا خوشکن اثر تھا'' تو ''اَلَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ اِلٰی رَحْمَۃِ اللّٰہِ'' الٰہی سلسلہ جنہیں بھی مخاطب کرتا ہے اور اسلام نے ساری دنیا کو اور تمام اقوام کو مخاطب کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی طرف ہی بلا رہا ہوتا ہے سب انذاری پیشگوئیاں انسانوں کو جھنجھوڑتی ہیں تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم نہ ہو جائیں۔ یہ بھی بڑی مبشر خواب ہے۔

سفر کے دوران انگلستان میں منصورہ بیگم نے دو دفعہ خواب میں الفاظ سنے جو انہوں نے لکھ کر دئے میں پڑھ دیتا ہوں وہ لکھتی ہیں کہ گلاسکو جاتے ہوئے راستہ میں سکاچ کارنر ہوٹل میں ٹھہرے ہیں کہ جیسے کسی بات کا کوئی جواب دے رہا ہو۔ جواب جو دے رہا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔ ''اسلام کا ہی جھنڈا بلند رہے گا''۔ خواب پوری یاد نہیں صرف ذہن میں یہ ہے کہ روس اور انگلستان کی کسی مخالفانہ کوشش یا بات کا جواب ہے اور یہ الفاظ تمام رات سوتے جاگتے کیفیت میں زبان دہراتی رہی۔

کوپن ہیگن میں سوتے میں ایک آواز سنائی دی ''اللہ تعالیٰ کی رحمت کے فرشتے اترنے

لگے ہیں۔‘‘ آنکھ کھلی تو یہی الفاظ زبان پر جاری تھے۔ رات کے بقایا حصہ میں صبح تک یہی الفاظ بار بار سنائی دیتے رہے اور ساتھ آنکھ کھلتی رہی اور اسی طرح زبان تکرار کے ساتھ یہی الفاظ دہراتی رہی بغیر ارادہ کے۔

تیسری رؤیا میں اپنی بچی امتہ الشکور کی سنانا چاہتا ہوں۔ یہ بڑی دعا گو بچی ہے اور بڑی صابرہ۔ وہی بچی ہے جس کا پہلا بچہ ولادت کے وقت فوت ہوا اور اسی وقت آدھے گھنٹے کے بعد جب ڈاکٹر نے فارغ کیا میں اسے ملنے گیا تو مسکراتے ہوئے چہرہ کے ساتھ وہ مجھے ملی۔ بچی نے نو مہینے کی تکلیف اٹھائی ہو لیکن پیدائش کے وقت بچہ فوت ہو جائے کچھ تو گھبراہٹ ہونی چاہیے تھی چہرہ پر؟؟ لیکن اس قدر خوش میں نے اس کا چہرہ دیکھا کہ میں خود حیران ہو گیا اور میرے دل نے اس وقت کہا کہ اللہ تعالیٰ اس کو جلد ہی اس کا اجر بھی دے گا۔ اتنا صبر کا اس نے مظاہرہ کیا ہے۔ چنانچہ اپنے وقت پر جب دوسرا بچہ پیدا ہوا تو وہ بھی لڑکا تھا۔ (اور پہلے جو بچہ پیدا ہوا وہ بھی لڑکا تھا) اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے صحت مند ہے وہ۔

تو اس صابرہ ذہنیت کی بچی ہے یہ! جب میں ابھی سفر پر روانہ نہیں ہوا تھا تو اس نے ایک خواب دیکھی جو بظاہر بڑی منذر تھی اور اس کا دل دہلا دینے والی تھی۔ اس نے مجھے کہا کہ میں نے یہ خواب دیکھی ہے۔ اس کے چار پانچ اجزاء تھے جن میں ہر جزو کی تعبیر نہایت ہی مبشر تھی۔ میں نے اس کو تسلی کا خط لکھا کہ فکر کرنے کی کوئی بات نہیں بڑی مبشر خواب ہے یہ تو۔

دوسری خواب اس نے ہمارے یہاں سے روانہ ہونے کے بعد دیکھی۔ وہ لکھتی ہے آپ کے یورپ تشریف لے جانے کے چند دن بعد خواب میں آپ کی یورپ کو روانگی کا نظارہ دیکھا کہ ایک بہت بڑا گھر ہے اور وہاں پر سب خاندان اور دوسرے احباب بھی آئے ہوئے ہیں میں دوسری منزل کی کھڑکی سے کھڑی نیچے جھانک رہی ہوں جہاں کاریں تیار کھڑی ہیں اور ابا حضور (یعنی حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ) آپ کو رخصت کرنے کے لئے تشریف لائے ہوئے ہیں۔ آپ لوگ سب سے پچھلی کار کے پاس کھڑے ہیں آپ نے اور ابا حضور نے تیز نیلے رنگ کی اچکنیں اور سفید پگڑیاں پہنی ہوئی ہیں۔ (ہمارے بچے حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو

ابا حضور کہتے ہیں) ابا حضور کا جسم دبلا پتلا اور چہرہ بھی ویسا ہے جیسا کہ جوانی کی تصاویر میں دکھائی دیتا ہے اور آپ کا قد ابا حضور سے کافی لمبا ہے اتنا کہ ابا حضور آپ کے شانوں تک آرہے ہیں اور میں سوچ رہی ہوں کہ آپ تو ابا حضور کے برابر ہوا کرتے تھے اب اتنے لمبے کس طرح ہو گئے؟ ابا حضور آپ کو کچھ ہدایات دے رہے ہیں اور آپ کے پاس کھڑے لوگوں سے آپ کی تعریف کرتے جارہے ہیں اور وہ جملے جو آنکھ کھلنے تک یاد تھے اب یاد نہیں رہے پھر دور سے کوئی آواز دیتا ہے (شاید کوئی ڈرائیور ہے) کہ گاڑی کا وقت ہو گیا ہے۔ میں سوچتی ہوں کہ آپ نے تو گاڑی پر جانا ہی نہ تھا کاروں سے کراچی جانا تھا۔ وہ آواز سن کر آپ چلنے کی تیاری کرتے ہیں تو ابا حضور آپ کا ہاتھ پکڑ کر بڑی تیزی اور بیتابی کے ساتھ جھٹکے سے آپ کو اپنی طرف کھینچتے ہیں اور کہتے ہیں کہ '' گلے تو مل لو'' اور آپ فوراً اس طرح ابا حضور کے سینے کے ساتھ لگ جاتے ہیں جیسے کہ وہ مقناطیس ہوں۔ اور ابا حضور بڑی بے تابی اور پیار کے ساتھ آپ کا چہرہ، پیشانی اور گردن چوم رہے ہیں۔ آنکھوں میں آنسو ہیں شاید بہہ بھی رہے ہیں یہ اچھی طرح یاد نہیں۔ آپ کے ایک طرف ہو کر امی کالا برقعہ پہن کر کھڑی ہیں۔ میں انہیں آواز دے کر کہتی ہوں۔ امی! مجھے مل لیں امی اس کھڑکی کے نیچے آتی ہیں جہاں میں کھڑی ہوں اور امی کا قد بھی اتنا لمبا ہے کہ دوسری منزل کی کھڑکی تک پہنچ رہا ہے وہیں سے وہ مجھے گلے لگ کر پیار کرتی ہیں پھر سب کاروں میں بیٹھ کر چل پڑتے ہیں اس وقت میری آنکھ کھل گئی۔

یہ تینوں خوابیں (ایک تو قریباً کشفی نظارہ ہے) بہت ہی مبارک ہیں اور ان کے مطابق ہی ہم نے اپنے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سلوک کو پایا۔

اس دورہ میں جیسا کہ میں نے بتایا ہے ہمارے تینوں جرمن مشنز کے پاکستانی احمدی اور جرمن احمدی مرد اور عورتیں مجھ سے ملے۔ پھر سوئٹزرلینڈ میں ہمارا تبلیغی مرکز ہے وہاں بھی خاصی جماعت ہے مقامیوں کی ہمبرگ کا بھی یہی حال ہے پھر کوپن ہیگن میں سویڈن، ناروے اور ڈنمارک کے لوگ جمع ہوئے ہوئے تھے اور ہمارے مبلغ بھی تھے تیس اور چالیس کے درمیان تو کھانے پر ہی ہوتے۔

پھر انگلستان میں دوستوں سے ملنے کا موقع ملا جہاں اُردو بولنے والی ہندوستان اور پاکستان کے بعد سب سے بڑی جماعت ہے کئی ہزار احمدی اس وقت انگلستان میں موجود ہیں وہاں کے مقامی احمدی مسلمان اقلیت میں ہیں ہمارے زیادہ احمدی پاکستانی ہی ہیں اور میں نے ان کو توجہ بھی دلائی کہ آپ کوشش کریں کہ درجنوں کی بجائے ہزاروں لاکھوں مقامی باشندے مسلمان ہو جائیں۔ وہاں کی قلبی حالت جماعت کی بہت کچھ یہاں کی جماعتوں کی قلبی حالت سے ملتی جلتی ہے۔ وہاں بھی بعض انگریز نو احمدی ایثار اور اخلاص کا ایک عجیب نمونہ دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں جیسا کہ یورپ میں بسنے والے نو احمدی مسلمان پیش کر رہے ہیں۔ جب میں انگلستان میں پڑھا کرتا تھا اس وقت انگلستان میں چند ایک احمدی پائے جاتے تھے ان میں سے بعض فوت ہو چکے ہیں ان میں سے اکثر ایسے تھے جن کی عقل کو اسلام نے اپیل کی یعنی اسلام کے دلائل اور براہین کے وہ قائل ہوئے اور اپنے مذہب یا لا مذہبیت کو انہوں نے چھوڑا اور اسلام کو انہوں نے قبول کیا لیکن اس عقلی ایمان کے علاوہ ان کے دلوں میں اسلام کی محبت (بشاشت ایمانی جسے کہا جاتا ہے) وہ نہیں پائی جاتی تھی عقلاً وہ تسلیم کرتے تھے کہ اسلام ایک سچا مذہب ہے کیونکہ اس کے دلائل اس قدر مضبوط ہیں کہ اس کے دلائل کا مقابلہ کوئی دوسرا مذہب نہیں کر سکتا لیکن حسن اور احسان کے جلوے جو ایک سچے مسلمان کو اسلام میں نظر آتے ہیں وہ ان پر ابھی جلوہ گر نہیں ہوئے تھے۔

اس دفعہ جو میں وہاں گیا ہوں تو میں نے وہاں کی جماعتوں میں یہ حالت نہیں پائی۔ ہر جگہ میں نے یہ محسوس کیا کہ اسلام کے دلائل نے ان کی عقلوں کو گھائل کیا اسلام کے حسن نے ان کی بصیرت اور بصارت کو خیرہ کیا اور ان کے دلوں میں اس قدر محبت اپنی پیدا کر دی ہے کہ اس سے زیادہ محبت تصور میں بھی نہیں آسکتی اور یہ احساس ان کے دلوں میں پایا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات دنیا کے لئے ایک محسنِ اعظم کی حیثیت رکھتی ہے اسلام کے حسن اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احسان کے وہ شکار ہیں اور اس کے نتیجہ میں آج وہ اتنی قربانی دینے والے ہیں کہ (میں بعض مثالیں بیان کروں گا) اس کی وجہ سے تم میں سے بعض کو شرم آ جائے۔ اتنی دور بیٹھے

ہوئے کہ مرکز میں آنا جانا ان کے لئے قریباً ناممکن ہے کبھی ساری عمر میں ایک دفعہ آ جائیں مرکز میں تو اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھیں لیکن اللہ تعالیٰ نے آسمانوں سے فرشتوں کو نازل کر کے ان کے دلوں میں اس قدر اور کچھ اس قسم کی تبدیلی پیدا کر دی ہے کہ یہ لوگ صحابہ رضوان اللہ علیہم کے نقش قدم پر چلنے والے ہمیں نظر آتے ہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لئے ان کے دلوں میں محبت کا بڑا مقام ہے اور ہونا بھی چاہیے کیونکہ آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزندِ جلیل کی حیثیت میں مبعوث ہوئے اس لئے ان کے دل میں محبت کا شدید جذبہ پایا جاتا ہے۔ میں ایک رات کھانے اور نمازوں سے فارغ ہونے کے بعد ہمبرگ کی مسجد میں بیٹھ گیا دو چار وہاں ہمارے پاکستانی احمدی تھے اور میرا خیال ہے کہ سات آٹھ وہاں کے جرمن احمدی مرد بیٹھے ہوئے تھے (جرمن احمدی بہنیں بھی تھیں لیکن وہ ہماری مستورات کے پاس بیٹھی تھیں) گویا مسجد میں قریباً دس بارہ کچھ پاکستانی اور زیادہ تر جرمن احمدی بیٹھے ہوئے تھے مجھے خیال آیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی ایک آیت ۱۸۶۸ میں الہام کی یعنی ”اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ۔“ اور اسی وقت آپؑ نے ایک انگوٹھی بنائی تھی جس میں پتھر کا نگینہ ہے اور جس پر یہی الہام کندہ ہے (اپنا ہاتھ اونچا کر کے حضورؒ نے فرمایا کہ یہ وہ انگوٹھی ہے) یہ بڑی برکت والی چیز ہے الہام بھی بڑا برکت والا ہے ہمارے پاکستانی احمدی تو اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ والی انگوٹھیاں کثرت سے پہنتے ہیں مجھے خیال آیا کہ اس کی برکتوں کا میں ان کے سامنے بھی ذکر کروں تا کہ ان کے ایمانوں میں تازگی پیدا ہو اس انگوٹھی کا نگینہ کچھ ہلتا ہے اس لئے میں اس کے اوپر کپڑا لپیٹے رکھتا ہوں تا کہ اس کی حفاظت رہے میں نے قینچی منگوائی اس کپڑے کو اُتارا اور میں نے ان کو بتایا کہ اس پتھر پر یہ الہام کندہ ہے پھر تذکرہ منگوایا اور اس میں سے وہ الہام ان کو دکھایا کہ اس سن میں یہ الہام ہوا تھا اس سال یہ انگوٹھی بنائی گئی تھی جو بڑی برکت والی ہے ہم اس سے برکتیں حاصل کرتے ہیں تم بھی اس سے برکت حاصل کرو اور میں نے وہ انگوٹھی اُتاری ان کو کہا کہ ہر ایک اس کو بوسہ دے۔ اخیر انہوں نے جو پیار کیا وہ تو میرے کہنے سے کیا جو کپڑا کئی ماہ اس انگوٹھی پہ رہا تھا اور جو اس کی برکت سے بابرکت بن چکا تھا کپڑے کا وہ چھوٹا سا ٹکڑا میں نے ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا میرے سامنے

پاکستانی احمدی بھی بیٹھے ہوئے تھے اور جرمن احمدی بھی بیٹھے ہوئے تھے میرے دل میں شدید خواہش پیدا ہوئی کہ کوئی جرمن اس کپڑے کو بطور تبرک مجھ سے مانگے مجھے خطرہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی پاکستانی پہل کر جائے اور یہ لوگ اس سے محروم رہ جائیں میرے دل میں یہ خواہش تو تھی لیکن میں اس کا اظہار نہیں کر سکتا تھا کیونکہ میں چاہتا تھا کہ کسی جرمن احمدی کے دل میں خود یہ جذبہ، شوق اور محبت پیدا ہو اور وہ اسے حاصل کرے۔ پہلا ہاتھ جو آگے بڑھا کہ میں لینا چاہتا ہوں وہ ایک جرمن احمدی کا تھا میرا دل خوشی سے بھر گیا یہ دیکھ کر کہ محبت کامل دل میں موجزن ہے جس نے فوراً اس کے ہاتھ کو کہا ہے کہ آگے بڑھو۔ پھر ایک پاکستانی نے اسے کہا کہ اس کا آدھا مجھے دے دو اس نے کہا میں نے بالکل نہیں دینا اگر تم نے لینا ہی ہے تو ایک دھاگا نکلا ہوا تھا وہ اس نے نکالا اور کہا کہ یہ لے لو۔

کھانے پر باتوں باتوں میں مَیں نے دوستوں کو بتایا کہ میری تاریخ پیدائش ۱۶؍نومبر ۱۹۰۹ء ہے اس پر ایک بوڑھا جرمن جو کھانے میں شریک تھا اور میرا خیال تھا وہ احمدی ہے (لیکن وہ ابھی احمدی نہیں ہوا صرف تعلق رکھتا ہے) وہ اپنی کرسی سے کھڑا ہوا اور جیب میں سے اپنا آئیڈنٹیٹی کارڈ نکال کے اس نے میرے سامنے رکھ دیا۔ اس کی تاریخ پیدائش بھی ۱۶؍نومبر (۱۸۸۶ء) تھی۔ سن مختلف تھا لیکن ۱۶؍نومبر کی تاریخ پیدائش ہماری دونو کی ایک ہی تھی کھانے کے بعد جب ہم بیٹھے تو مجھے خیال آیا کہ تاریخ پیدائش سے انسان کا ایک لگاؤ ہوتا ہے ان ملکوں میں تو خاص طور پر زیادہ لگاؤ ہے ہمارے ہاں تو یہ رسمیں نہیں ہیں لیکن ان ملکوں میں برتھ ڈے پارٹیز کی جاتی ہیں برتھ ڈے کو وہ لوگ یاد رکھتے ہیں اور انہیں ایک گونہ تعلق اس خاص دن سے ہوتا ہے اگر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ان تاریخوں کے الہام ان کو نکال کے دوں تو ان کی برتھ ڈے اور وہ الہام بریکٹ ہو جائیں گے اس طرح کم از کم ایک الہام یہ یاد رکھیں گے کہ اس تاریخ کو یہ الہام ہوا۔ میں نے تذکرہ منگوا کر (۱۶؍نومبر ۱۸۸۶ء کا جہاں تک مجھے یاد ہے کوئی الہام نہیں ملا) اس میں سے نومبر ۱۸۸۶ء کا ایک الہام نکال کر لکھا اور اس کا جرمن ترجمہ کروایا اور اس بوڑھے کو دے دیا بعد میں مجھے پتہ چلا کہ وہ احمدی نہیں ہے لیکن اس نے بڑی محبت اور پیار

سے وہ مجھ سے لیا اور تہ کر کے اپنے بٹوے میں رکھا اس کے بعد تو پھر سارے میرے پیچھے پڑ گئے اور جتنے وہاں کے جرمن احمدی تھے کہنے لگے کہ ہمیں بھی الہام نکال کے دیں میں بھی یہی چاہتا تھا ہر ایک کے لئے اس کی تاریخ اور سنہ کا الہام تو نہ مل سکا (سوائے ایک کے جس کی تاریخ کا الہام غالباً مل گیا تھا) کیونکہ ان میں سے اکثر وہ تھے جن کی پیدائش ۱۹۰۸ء کے بعد ہوئی سال تو بہر حال نہیں مل سکتا تھا لیکن مہینے اور تاریخیں مل جاتی تھیں وہ الہام میں نے ان کو نکال کے اور ترجمہ کروا کے دیئے تا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک ایک الہام ان کو یاد رہے اور اس سے ان کا تعلق قائم ہو جائے ہر ایک نے پیچھے پڑ کے وہ الہامات مجھ سے نکلوائے اور کافی دیر تک وہاں بیٹھے رہے کیونکہ ترجمہ بھی کروانا تھا اور پھر ٹائپ بھی کرنا تھا ہر ایک نے بڑی محبت سے ان الہامات کو لیا اور سنبھال کے رکھا۔ ایک کی والدہ بھی آئی تھیں اس نے کہا مجھے الہام نکال کے دیا ہے تو میری والدہ کے لئے بھی نکال دیں وہ بڑی خوش ہوگی وہ بڑا ہی مخلص جرمن نوجوان ہے چنانچہ اس کی والدہ کے لئے بھی میں نے الہام نکال کے دیا اور اتفاق کی بات ہے کہ وہ بیوہ ہے بچاری جو تنگی کی حالت میں دن گذار رہی تھی اس کے لئے الہام یہ نکلا (اس وقت مجھے الفاظ یاد نہیں) کہ بعد کے جو دن ہیں وہ پہلے دنوں کی نسبت زیادہ خوشحالی کے ہیں، کچھ اس قسم کا ذکر ہے الہام میں ویسے بھی مطلب کے لحاظ سے یہ الہام اس کو خوش کرنے والا تھا۔ برکت کے لحاظ سے تو بہر حال حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام میں برکت ہے۔ یہ ان لوگوں کے جذبات ہیں جو چھوٹی چھوٹی باتوں سے ظاہر ہو رہے تھے اصل میں یہ باتیں چھوٹی نہیں ہیں محبت کا اظہار جس رنگ میں بھی ہو اس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا نہ چھوٹا کہا جا سکتا ہے دنیا دار کی نگاہ میں وہ چھوٹی باتیں ہیں مگر پھوٹ پھوٹ کر ان کے دلوں سے محبت بہتی ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھی یہ نو مسلم قربانی کرنے والے ہیں مالی لحاظ سے بھی اور وقت کے لحاظ سے بھی اس وقت زیادہ تر دو ہی قربانیاں ہیں نا؟؟؟ جن کا جماعت یا ہمارا اللہ مطالبہ کرتا ہے ایک مال کی قربانی ایک وقت کی قربانی۔ وقت کی قربانی میں ہی آرام کی قربانی بھی آ جاتی ہے اور ہمارے یہ بھائی دونو قسم کی قربانی دینے والے ہیں۔ وہاں موصی پائے جاتے ہیں اور بشاشت کے ساتھ خود وصیت کا چندہ ادا

کرتے ہیں علاوہ دوسرے چندوں کے۔ اس کے علاوہ اپنے طور پر خرچ کرتے ہیں، اسلام کی اشاعت پر ان میں بڑی عمر کے بھی ہیں اور نوجوان بھی ہیں اخلاص اور محبت ان میں کوٹ کوٹ کے بھری ہے ان سے مل کے طبیعت میں خوشی پیدا ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس کے دل میں ایمان کی بشاشت ایک دفعہ پیدا ہو جائے شیطانی حملوں کا خطرہ اس کے لئے باقی نہیں رہتا۔

یہ بشاشت ایمانی اس گروہ کے دلوں میں اس نے پیدا کر دی ہے اپنے فضل سے ڈنمارک میں ایک شخص ہے عبدالسلام میڈیسن وہ احمدی ہوا اس نے اسلام کو سیکھا قرآن کریم کے ترجمے جو حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے شائع کروائے ان میں سے ہر ایک کو لے کر اس نے بڑے غور سے پڑھا پھر ڈینش زبان میں اس نے قرآن کریم کا ترجمہ کیا، ان تراجم کی روشنی میں اور وہ بڑا مقبول ہوا ایک کمپنی نے اس سے معاہدہ کیا اور دس ہزار شائع کیا جس میں سے غالباً تین چار ہزار چند مہینوں کے اندر فروخت بھی ہو چکا ہے۔ کچھ رقم بطور معاوضہ کے (اس کو رائلٹی کہتے ہیں) اس کمپنی نے اس کو دی وہ ساری کی ساری رقم اشاعت اسلام کے لئے اس نے وقف کر دی ایک پیسہ نہیں لیا۔ وہ دونوں میاں بیوی سکول میں کام کرتے ہیں ہر ایک کی قریباً ہزار ہزار روپیہ تنخواہ ہے اور ٹیکس لگ جاتا ہے ان پر قریباً ایک ہزار۔ تو ایک ہزار بچتا ہے ہر دو کی تنخواہ سے۔ اب جس شخص کی ایک ہزار روپیہ ماہوار آمد ہے اور اسے ٹیلی فون کا دو ہزار کا بل آ جائے تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ کس قدر اسلام کا درد رکھتا ہے وہ شخص۔ اگر کوئی شخص اس کو خط لکھے اسلام پر اعتراض کرے یا اسلام کے متعلق کوئی بات پوچھے اور اس کے خط میں ٹیلی فون نمبر ہے تو وہ ٹیلی فون اٹھا کے اس کو ٹیلی فون کرتا ہے وہاں ٹیلی فون کا انتظام کچھ مختلف ہے جتنی دیر مرضی ہو کوئی بات کرتا ہے یہ نہیں کہ تین منٹ کے بعد کہیں کہ تمہارا وقت ختم ہو گیا صرف بل آ جائے گا ایک گھنٹہ بھی کوئی بات کرے ایک گھنٹہ کا بل دے دیں گے وہ ویسے سستا بھی ہے کافی سستا ہے ہم ہمبرگ سے لندن فون کرتے تھے تو پتہ چلا کہ اس کے اوپر پانچ چھ روپے خرچ ہوتے ہیں تو کوئی اعتراض کر دے تو یہ شخص ٹیلی فون کے اوپر تبلیغ شروع کر دیتا ہے اعتراض دور کرتا ہے مسئلے اس کو بتانے لگتا ہے۔ ایک مہینہ میں دو ہزار روپے کا

بل اس شخص کے نام آ گیا جس کی ایک ہزار روپیہ آمد تھی۔ تو بے دریغ اور بے دھڑک اسلام کی اشاعت پر اپنے اموال خرچ کرنے والے ہیں یہ دوست۔ جب امام کمال یوسف صاحب کو اس کا پتہ چلا تو انہوں نے کہا کہ یہ تمہارا ذاتی خرچ تو ہے نہیں (انہوں نے سوچا کہ ایک مہینہ میں دو مہینے کی آمد کے برابر بل وہ کیسے ادا کرے گا)۔ تم کو اشاعت قرآن سے جو آمد آ رہی ہے وہ ہمارے پاس جمع ہو رہی ہے میں اس میں سے یہ بل ادا کر دوں گا سو دو سو کا بل ہو تو وہ خود ہی ادا کر دیتا ہے ایک ماہ میں دو ہزار روپے کے بل کا مطلب یہ ہے کہ دو ہزار روپیہ کا بل جتنا وقت خرچ کرنے پر آتا ہے اتنا وقت بھی تو اس نے خرچ کیا ہے نا؟؟؟ میرا اندازہ ہے کہ کئی گھنٹے روزانہ اوسط بنے گی پس بڑی ہی قربانی ہے اس شخص کی جو پورے چندے بھی دیتا ہے اور دین کے کاموں پر بہت سا وقت بھی خرچ کرتا ہے اور اس کے علاوہ گھنٹوں ٹیلیفون پر تبلیغ اسلام کرتا ہے اور ٹیلی فون کا بل بھی اپنی گرہ سے دیتا ہے۔ یہ دوست بڑی غیرت رکھنے والے ہیں اسلام کے لئے بڑی قربانیاں کرنے والے ہیں اسلام کے لئے بڑی محبت رکھنے والے ہیں اللہ سے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے اور آپ کے غلاموں سے اور اللہ تعالیٰ کی محبت پانے والے بھی ہیں کیونکہ جو خدا کی راہ میں دیتا ہے وہ خدا سے اس سے زیادہ حاصل بھی کرتا ہے ورنہ بشاشت قائم نہیں رہ سکتی جب تک اللہ تعالیٰ کے پیار کا سلوک اس کا ایک بندہ اس دنیا میں نہیں دیکھتا بشاشت ایمانی نہ پیدا ہوتی ہے نہ قائم رہتی ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ضائع نہیں کرتا وہ ان سے اس دنیا میں ہی اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے۔ ادھار رکھنا نہیں چاہتا وہ غیر محدود جلووں کا مالک ہے بے شمار رنگ ہیں ہمارے تصور میں بھی وہ رنگ نہیں آتے جس رنگ میں اللہ تعالیٰ اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے۔ یہ لوگ اپنے ربّ سے اس محبت کو پاتے ہیں اور جو ایثار اور قربانی اور فدائیت کے نمونے یہ دکھاتے ہیں اللہ تعالیٰ پہلے سے بڑھ کر ان پر انعام کرتا ہے اور رحمتیں نازل کرتا ہے سو اس طرح یہ ایک چکر ہے جو چلا ہوا ہے یہ چکر جیسے یہاں چلا ہوا ہے وہاں بھی چل پڑا ہے اور درجنوں ایسے آدمی ہیں مرد بھی اور عورتیں بھی جنہوں نے خدا کی راہ میں فدائیت اور ایثار کا نمونہ دکھایا اور اللہ تعالیٰ نے انتہائی محبت اور پیار کا

سلوک ان سے کیا اور ان کے سینوں کو اپنے نور سے اور اپنی محبت سے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے فرزند جلیل کی محبت سے بھر دیا اور یہ ایک نمونہ بن گئے ہیں اس دنیا کے لئے۔ میں تو ان سے کہتا تھا کہ تمہیں دیکھ کے کچھ امید بندھتی ہے ورنہ جن قوموں سے تم نکلے ہو اگر ان کے کردار اور گزری زیست پر نگاہ کریں تو وہ اس قابل ہیں کہ ہلاک کر دیئے جائیں لیکن جس قوم سے تمہارے جیسے خدا کے پیارے پیدا ہو سکتے ہیں اس قوم میں سے جہاں بارہ نکلیں بارہ لاکھ بھی نکل سکتے ہیں اس لئے ہمیں امید بندھتی ہے کہ شاید تمہاری قومیں بچ جائیں اللہ تعالیٰ کے قہر سے اور قہر کی بجائے رحمت اور پیار کے جلوے جو ہیں وہ ان کو ملاحظہ کریں۔

دیکھو میں ہوں ایک ذرہ ناچیز مجھ سے اگر کوئی احمدی پیار کرتا ہے تو صرف اس لئے کہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا پیار ہے اس کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیار ہے اس کے دل میں مسیح موعودؑ کا پیار ہے۔ وہ یہ دیکھتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس شخص کو ایک مقام پر فائز کیا ہے اور اس کے وعدے ہیں کہ وہ اس کے ساتھ ہے۔ اس لئے اور صرف اس لئے وہ مجھ سے پیار کرتا ہے ورنہ مجھ میں ذاتی کوئی خوبی نہیں اور اسی قسم کا پیار میں نے وہاں دیکھا کہ دل چاہتا تھا کہ جسم کا ذرہ ذرہ اپنے ربّ پر قربان ہو جائے اور ان بھائیوں پر بھی جن کے دل کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح سراپا محبت بنا دیا۔ کوپن ہیگن کی مسجد کے افتتاح کے موقعہ پر ہمارا یہ غیور اور محبت کرنے والا بھائی میڈیسن میری حفاظت اور پہرے کا بھی خیال رکھتا رہا پھر افتتاح کے موقع پر کم وبیش تین منٹ اس نے بولنا تھا۔ ایک ایک لفظ اس کے گلے میں اٹکتا اس قسم کا جذباتی وہ ہو گیا تھا حالانکہ سکنڈے نیویا کے لوگ اپنے جذبات کا لوگوں کے سامنے اظہار اتنا بُرا سمجھتے ہیں کہ آپ اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ ایک دفعہ ہمارا ایک آنریری مبلغ وہاں آیا ہوا تھا اس کو اطلاع ملی کہ اس کا باپ فوت ہو گیا ہے لیکن امام کمال کو پتہ بھی نہیں لگا نہ اس کی زبان نے ظاہر کیا نہ اس کے چہرے نے ظاہر کیا نہ اس کی طرف سے یہ ظاہر ہوا کہ اس کو کوئی تکلیف پہنچی ہے اس قدر ضبط ہے ان کو اپنے نفسوں پر۔ اس کے باوجود پانچ چھ دن جو ہم ٹھہرے معلوم نہیں کتنی دفعہ آبدیدہ ہوئے جذباتی ہو گئے وہ دوست۔

ایک ہمارے بہت ہی مخلص آنریری مبلغ ناروے کے ہیں۔ ان کا نام ہے نور احمد۔ اس

نے اپنی بیوی کو تبلیغ کر کے احمدی کیا وہ اس کا نام رکھوانا چاہتے تھے کیونکہ اسے احمدیت قبول کئے ابھی تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا۔ انہوں نے کہا کہ ہم اکیلا ملنا چاہتے ہیں۔ ان کی بیوی اور ایک چھوٹی بچی ہے دو اڑھائی سال کی بڑی پیاری۔ سب ملنا چاہتے ہیں۔ میں نے ان کو وقت دے دیا۔ اتفاقاً ان کی بیوی تو بیمار ہوگئی تو وہ خود اکیلے آئے میرے سامنے جب آکر بیٹھے تو میں نے دیکھا کہ وہ کانپ رہے ہیں اور خاموش ہیں بات کرتے ہیں تو ایک فقرہ بھی ان کے منہ سے پورا نہیں نکل سکتا۔ اس قدر جذباتی ہو گئے تھے۔ میں نے ان سے اِدھراُدھر کی باتیں شروع کر دیں پانچ سات منٹ تک میں باتیں کرتا رہا ان کے حالات وغیرہ کے متعلق۔ جب باتوں سے میں نے اندازہ لگایا کہ اب یہ شخص اپنے نفس پر قابو پا چکا ہے اور جذبات بے قابو نہیں ہیں تو میں نے ان سے پوچھا کہ کیا کام ہے تو کہنے لگے کہ میں نے اپنی بیوی کا نام رکھوانا ہے اور بچی کا۔ بیوی کا نام میں نے ''محمودہ'' رکھا اور بچی کا نام رکھا ''نصرت جہاں'' کیونکہ نصرت جہاں ہمیں مسجد بھی ملی اور ایک بچی بھی اللہ تعالیٰ نے دی۔ بچی کا نام نصرت جہاں سن کر تو اس کی باچھیں کھل گئی میرا خیال ہے کہ اس کی اپنی خواہش یہ تھی کہ یہی نام رکھا جائے لیکن اس نے اپنی خواہش کا اظہار نہیں کیا تھا۔

خیر نام رکھا گیا۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ اس کا جسم پھر کانپنا شروع ہو گیا اور اس کے ہونٹ پھڑ پھڑانے لگے اور بڑی مشکل سے اس نے یہ فقرہ ادا کیا کہ ''دل میں جو جذبات ہیں وہ زبان پر نہیں آسکتے۔'' یہ کہہ کر وہ کھڑا ہو گیا۔ میں نے اسے گلے سے لگا لیا۔ اس نے السلام علیکم کہا اور چلا گیا۔

آنکھیں اس کی آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں بات ہی نہیں کر سکتا تھا اس قسم کا جذباتی ہو رہا تھا وہ، اور تھا وہ اس قوم میں سے کہ اگر اس کا باپ بھی مر جاتا تو وہ نہ بتاتا کہ اس کا باپ مر گیا ہے اور نہ چہرے پر غم کے آثار ظاہر ہوتے لیکن اب ان کے دل اللہ تعالیٰ نے بدل دئے ہیں اب وہ ایسی قوم بن گئے ہیں کہ اپنے اخلاص اور تقویٰ اور اس فضل کی وجہ سے اور اس رحمت کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ ان پر نازل کر رہا ہے اس پیار کی وجہ سے جس کے وہ نمونے دیکھتے ہیں۔ یہاں کے مخلص بزرگوں کے پہلو بہ پہلو کھڑے ہیں اب ان کی حیثیت ایک شاگرد کی نہیں رہی وہ شاگرد کی

حیثیت سے آگے بڑھ گئے ہیں اور جس طرح یہاں کے مخلصین دنیا کے استاد ہیں اور استاد ثابت ہو رہے ہیں اسی طرح وہ بھی دنیا کے استاد ثابت ہو رہے ہیں اور اگر ہم نے سستی سے کام لیا اور وہ قربانیاں نہ دیں جو ہمیں دینی چاہئیں ایسے احمدی کی حیثیت سے جن کا مرکز کے ساتھ تعلق ہے اور جو پاکستان میں رہنے والے ہیں۔ نیز اگر ہم نے اپنی نسلوں کی اعلیٰ تربیت نہ کی تو پھر اللہ تعالیٰ تحریک غلبۂ اسلام کا مرکز ایسی قوم میں منتقل کر دے گا جو اس کی راہ میں سب سے زیادہ قربانی دینے والی ہوگی۔ بے شک ہمیں ایک عظیم بشارت دی گئی ہے مگر یہ بشارت ہم پر ایک عظیم ذمہ داری بھی عائد کرتی ہے جس کی طرف ہر وقت متوجہ رہنا از بس ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تو کسی سے رشتہ داری نہیں ہے اس لئے اس عظیم ذمہ داری کے پیش نظر ہمیں ہر وقت ڈرتے ڈرتے زندگی کے دن گذارنے چاہئیں کہ ہماری غفلت اور کوتاہی کے نتیجہ میں کہیں اللہ تعالیٰ سلسلہ کے مرکز کو ہم سے چھین کر یا ہماری نسلوں سے چھین کر کسی اور کے سپرد نہ کر دے بوجہ اس کے کہ وہ ہماری یا ہماری نسلوں کی نسبت زیادہ قربانیاں دینے والے اور اللہ سے زیادہ محبت کرنے والے اللہ کی راہ میں فدائیت اور ایثار کے بہتر نمونہ دکھانے والے بن جائیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں بھی توفیق دے بہتر سے بہتر خدمت دین اسلام کی۔ لیکن اللہ تعالیٰ ہم میں کوئی خامی اور نقص اور کمزوری پیدا نہ ہونے دے ہمیں دعائیں بھی کرنی چاہئیں اور کوشش بھی کرنی چاہیے کہ اس کی توفیق سے ہم ہمیشہ اپنی ذمہ داریوں کو احسن طور پر نبھاتے رہیں۔

اس وقت انسانیت جس دور میں سے گذر رہی ہے وہ انسانیت کے لئے بڑا ہی نازک دور ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جب میں موجودہ انسان کے حالات پر غور کرتا ہوں تو میرا چین چھن جاتا ہے اور مجھے بڑی پریشانی لاحق ہو جاتی ہے کیونکہ اس دور میں اگر کسی انسان پر باقی سب انسانوں کو ہلاکت اور تباہی سے بچانے کی ذمہ داری پڑتی ہے تو وہ ہم ہیں اگر ہم اپنی ذمہ داریوں کو پوری طرح ادا نہ کریں تو ایک طرف اللہ تعالیٰ کی ناراضگی مول لینے والے ہوں گے اور دوسری طرف ہم ذمہ دار بن جائیں گے ان قوموں کی ہلاکت کے۔ کیونکہ جو ان سے تعلق رکھنے والی ہماری ذمہ داریاں تھیں وہ ہم نے پوری نہیں کیں حقیقت یہ ہے (اور اگر ضرورت محسوس ہوئی تو

میں اس حقیقت کو دہراتا چلا جاؤں گا۔ جب تک کہ میں اپنے مقصد کو حاصل نہ کرلوں یا اس دنیا سے گذر نہ جاؤں) کہ ہر احمدی کو دنیا کا رہبر اور قائد اور استاد بننے کی اپنے اندر اہلیت پیدا کرنی پڑے گی اور پیدا کرنی چاہیے کیونکہ آج بھی دنیا کو ان سے کہیں زیادہ تعداد میں استادوں اور مبلغین کی ضرورت ہے جو آج ہمارے پاس ہیں لیکن وہ زمانہ آنے والا ہے کہ جب اس ضرورت کی ہماری موجودہ اہلیت کے ساتھ کوئی نسبت ہی نہ ہوگی بلکہ دنیا لاکھوں آدمی مانگے گی دنیا جماعت احمدیہ سے یہ کہے گی کہ ہم سیکھنے کے لئے تیار ہیں تم ہمیں آکر سکھاتے کیوں نہیں؟ کیا جواب ہوگا آپ کے پاس اگر آپ ان کے مطالبات کو پورا کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں گے؟ میں نے غور بھی کیا میں نے دعائیں بھی کیں اس کے متعلق اور اللہ تعالیٰ نے بڑے زور سے میرے دل میں ڈالا ہے کہ اگلے بیس تیس سال دنیا پر۔ انسانیت پر اور جماعت پر بڑے نازک ہیں۔ ایک نہایت ہی خطرناک عالمگیر تباہی کی خبر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے الہاماً دی ہے جس کے متعلق یہ بتایا گیا ہے کہ اگر وہ تباہی دنیا پر آ گئی تو دنیا میں علاقے کے بعد علاقہ ایسا ہوگا کہ جہاں سے زندگی ختم ہو جائے گی۔ پہلی دو عالمگیر جنگوں میں، نہ ایسا ہوا نہ ایسا ہونا ممکن تھا کچھ آدمی مارے گئے کچھ پرندے بھی مارے گئے ہوں گے کچھ چرندے بھی مارے گئے ہوں گے کچھ کیڑے مکوڑے بھی مارے گئے ہوں گے لیکن کوئی ایک علاقہ ایسا نہیں ہوسکتا تھا جہاں سے زندگی ختم ہوگئی ہو (سوائے دو استثناء کے جو جاپان پر دو ایٹم بم گرانے کے ہیں)۔

لیکن تیسری عالمگیر تباہی کے متعلق یہ پیشگوئی واضح الفاظ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب میں موجود ہے کہ ایسے علاقے ہوں گے کہ جن میں زندگی کا خاتمہ ہو جائے گا پھر یہ بھی پیشگوئی ہے کہ اس عظیم ہلاکت کے بعد (اگر اس ہلاکت سے قبل یہ اقوام اسلام کی طرف اور اپنے پیدا کرنے والے اللہ کی طرف نہ آگئیں) اسلام بڑی کثرت سے دنیا میں پھیل جائے گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یہ نظارہ دکھایا گیا آپ نے دیکھا کہ روس میں اس قدر احمدی ہیں جس قدر کہ ریت کے ذرے ہوتے ہیں۔ آپؑ نے فرمایا کہ ریت کے ذروں کی طرح میں نے وہاں احمدیوں کو دیکھا ہے۔

میں نے اپنے سفر میں یورپ والوں کو کہا کہ جہاں تک روس کا تعلق ہے پیشگوئی بڑی واضح ہے لیکن یورپ کی طاقت کے تباہ ہونے اور ان اقوام کے کثرت سے بچ جانے کے متعلق کوئی واضح الہام میرے علم میں نہیں ہے اور اس لئے مجھے تمہارے متعلق زیادہ فکر ہے اس لئے ہوشیار ہو جاؤ اور اپنے بچاؤ کی فکر کرو تمہیں سوائے اللہ کے آج اور کوئی بچا نہیں سکتا اپنے پیدا کرنے والے کی طرف رجوع کرو تا کہ تمہیں بچایا جائے۔

اگر آج وہ میری نصیحت کو مانیں اور اپنے پیدا کرنے والے کی طرف رجوع کریں تو کل وہ ہم سے مطالبہ کریں گے کہ ہمیں دس ہزار (یا شاید اس سے بھی زیادہ) مبلغ اور استاد چاہئیں جو ہمیں دین اسلام سکھائیں تو میں انہیں کیا جواب دوں گا؟ کیا میں یہ کہوں گا کہ میں نے تمہیں اس ابدی صداقت کی طرف بلایا تو تھا لیکن تمہارے دلوں میں صداقت کو قائم کرنے کے لئے میرے پاس کوئی انسان نہیں ہے اسی لئے میں پریشان رہتا ہوں اور اسی لئے میں چاہتا ہوں کہ ہر احمدی مرد اور احمدی عورت دنیا کا رہبر بننے کی اہلیت پیدا کرلے تا کہ جب انسان ہمیں یہ کہہ کر پکارے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اپنی طرف بلایا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دنیا کو پکار کے کہا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے جمع ہو جاؤ۔ ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے ہم اس جھنڈے تلے جمع تو ہو رہے ہیں لیکن اس جھنڈے کا سایہ جو اسلام سیکھنے اور اس پر عمل کرنے سے ہی ہمیں حاصل ہوسکتا تھا (ٹھنڈا رحمت کا سایہ) وہ ہم پر نہیں پڑا۔ معلم اور استاد بھیجو تا وہ ہمیں دین اسلام سکھائیں اور تا وہ ان باتوں کو واضح کریں۔ وہ تعلیم وہ ہدایتیں ہمیں دیں جو خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے ضروری ہیں اور اس کے جواب میں مَیں یا کوئی اور جو میرے بعد آنے والا ہے۔ وہ یہ کہے کہ میرے پاس تو آدمی نہیں میں تمہاری مدد کیسے کروں؟ کیا خلیفۂ وقت کا یہ جواب جو آپ کی طرف سے دیا جائے ہمارے خدا کو پیارا ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

پس اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنے کی کوشش کریں اپنے بچوں کے ذہنوں میں، ان کے دلوں میں یہ چیز گاڑ دو کہ ہر چیز کو قربان کر کے بھی دین اسلام سیکھنے انوار قرآن حاصل کرنے کی طرف توجہ دو نہ پہلوں نے دنیا کمانے سے آپ کو روکا نہ میں روکتا ہوں دنیا کمائیں دین کی مضبوطی کے لئے دنیا

کے عیش کے لئے نہیں اور دنیا کماتے ہوئے بھی اتنا دین سیکھ لیں کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے بندے کی آواز آپ کے کان میں پہنچے کہ اعلائے کلمۂ اسلام کے لئے اور دین اسلام کو دنیا میں قائم کرنے کے لئے اور ان اقوام کو جو اسلام کی طرف جھک رہی ہیں اور رجوع کر رہی ہیں ان کو اسلام کی تعلیم سکھانے کے لئے آدمی چاہئیں تو آپ میں سے ہر ایک اس قابل ہو کہ انہیں اسلام سکھا سکے اور اس بات کا عزم اپنے دل میں رکھتا ہو کہ وہ دنیا کے ہر کام کو چھوڑ دے گا اور اسلام کے سکھانے کے لئے جہاں ضرورت ہوگی چلا جائے گا۔ تو یہ تڑپ ہے جو میرے دل میں ہے یہ پریشانی ہے جو لاحق ہے جو بعض دفعہ میری نیند کو بھی حرام کر دیتی ہے۔ میں ہمیشہ دعائیں کرتا رہتا ہوں آپ کے لئے بھی اور اپنے لئے بھی اور ساری دنیا کے لئے بھی اور میں اپنے ربّ سے کہتا ہوں کہ اے میرے پیارے ربّ! تو نے آج تک ہمیشہ پیار کی نگاہ مجھ پر رکھی ہے آئندہ بھی ہمیشہ پیار ہی کی نگاہ رکھنا اور مجھے یہ توفیق دینا کہ جماعت کی رہبری اور قیادت کے لئے جو ذمہ داری مجھ پر عائد ہوتی ہے وہ میں اچھی طرح نبھا سکوں۔ تا کہ یہ تیری پیاری جماعت اور میری پیاری جماعت تیرے سامنے شرمندہ نہ ہو خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۴؍اکتوبر ۱۹۶۷ء صفحہ ۲ تا ۷)

یورپ میں ایک خلا پیدا ہو چکا ہے اُسے پُر کرنا اور غلبۂ اسلام کے لئے کوشش کرنا ہمارا فرض ہے

خطبہ جمعہ فرمودہ ۸ ؍ستمبر ۱۹۶۷ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

میں نے دوستوں کو بتایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے یورپ کے مختلف ممالک میں نہایت ہی اخلاص رکھنے والی، خدا اور اس کے رسول سے محبت رکھنے والی دین اسلام کے لئے ہر قسم کی قربانیاں دینے والی جماعتیں پیدا ہو چکی ہیں۔ یورپ میں بسنے والے ان دوستوں سے ملاقات کے علاوہ باہر کے بعض ملکوں سے بھی احمدی وہاں آئے ہوئے تھے اور ان سے ملنے اور ان سے باتیں کرنے اور ان کو سمجھنے کا بھی موقعہ ملا۔ امریکہ سے قریباً نو احمدی مرد اور عورتیں کوپن ہیگن یا لنڈن آئے اسی طرح ماریشس سے بعض احمدی لنڈن پہنچے ہوئے تھے محض ملنے کی خاطر اور وہاں کی تقریبات میں شمولیت کے لئے۔ اسی طرح نائیجیریا سے بھی مقامی دوست وہاں پہنچے ہوئے تھے اور بعض دوسرے ملکوں کے احمدی بھی وہاں آئے ہوئے تھے ان کو مل کے بھی طبیعت نے بڑی خوشی محسوس کی اور اللہ تعالیٰ کا بڑا شکر ادا کیا کہ ان ملکوں کے رہنے والوں کے دلوں میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لئے اور اپنے دین کے لئے اور اپنے رسول کے لئے بڑی ہی محبت پیدا کر دی ہے۔

امریکہ سے جو دوست کوپن ہیگن پہنچے تھے ان میں سے ایک کے تاثرات تو وہاں کے بلیٹن

میں شائع ہو گئے ہیں اس نے بہت کچھ وہاں کے حالات سے متاثر ہو کر لکھا ہے۔تحریک جدید میں بھی وہ بلیٹن پہنچ گئی ہے ان کو چاہیے کہ وہ الفضل کے ذریعہ بھی اس قسم کے تاثرات کو جماعت کے دوستوں کے سامنے رکھیں وہاں کی لجنہ کی پریذیڈنٹ بھی آئی ہوئی تھیں وہ لنڈن پہنچی تھیں بعد میں کوپن ہیگن جا کر انہوں نے مسجد دیکھی مجھے ان کا خط ملا ہے کہ مسجد دیکھ کر مجھے بڑی خوشی ہوئی اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایک نہایت ہی خوبصورت گھر اللہ تعالیٰ کا ڈنمارک میں بن گیا ہے۔ چونکہ لنڈن یا انگلستان کی جماعتیں زیادہ تر پاکستانیوں یا اُردو بولنے والوں پر مشتمل ہیں اس لئے میں ان سے زیادہ تر اُردو میں مخاطب ہوتا رہا جو تقریر رات کے کھانے کے موقعہ پر انگریزی میں مَیں نے کی اس میں صرف مرد شامل تھے مستورات مدعونہ تھیں اس لئے صدر لجنہ اماء اللہ امریکہ اس میں شامل نہ ہوسکتی تھیں۔ ایک دن جمعرات کو مجھے کہنے لگیں کہ کئی دن سے ہم آئے ہوئے ہیں تقاریر میں شامل ہوتے ہیں لیکن ہم نے انگریزی زبان میں کوئی چیز نہیں سنی کہ ہم کچھ تو اپنے ملک میں لے کر جائیں کل کے خطبہ میں آپ کچھ انگریزی میں بھی کہیں۔ چنانچہ ان کی اس خواہش اور ضرورت کو دیکھتے ہوئے اور یہ سوچ کر کہ بہت سے اور دوست بھی ہوں گے یہاں جو باہر سے آئے ہیں اور بڑی محبت اور پیار سے آئے ہیں۔ایسی زبان میں بھی بات کرنی چاہیے کہ وہ سمجھ سکیں اور ان کے دلوں کو تسلی ہو سکے۔ میں نے وہ خطبہ سارا انگریزی میں دیا تھا اور بتانے والوں نے مجھے بتایا کہ سارے خطبہ کے دوران اس بہن کی آنکھوں سے آنسو بہتے رہے اس کے بعد وہ مجھے ملیں گھنٹہ سوا گھنٹہ میں نے ان دو بہنوں کو وقت دیا جو امریکہ سے آئی ہوئی تھیں مختلف مسائل ان کو سمجھائے بعض انتظامی معاملات کے متعلق انہوں نے بعض باتیں مجھے بتائیں اور ان کا حل میں نے انہیں بتایا اس وقت بھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کے جسم کا ذرہ ذرہ اپنے اللہ پر فدا ہونے کے لئے تیار ہے اس قسم کا اخلاص ان لوگوں میں پیدا ہو چکا ہے اسی طرح جو ماریشس سے آئے ہوئے تھے ان کی بھی یہی حالت تھی نائیجیریا کے مقامی دوست جو وہاں پہنچے تھے ان میں سے ایک وہ ہیں جو طلباء کی فیڈریشن کے وائس پریذیڈنٹ یعنی نائب صدر ہیں ان کے صدر بھی احمدی ہیں لیکن ایک چھوٹا سا حصہ کسی وقت آج سے کافی عرصہ پہلے (حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کی بات ہے)

علیحدہ ہو گیا تھا لیکن علیحدہ ہونے کے باوجود اپنے عقائد میں وہ پختہ ہیں انتظام میں وہ علیحدہ ہو گیا۔ ان کے ساتھ یہ نوجوان جا شامل ہوا میں نے اس کو کہا (نائب صدر کو) کہ تم اپنے صدر کو اپنی طرف کھینچو اس کو سمجھاؤ مسائل۔ کہنے لگا میں نے ان سے بہت باتیں کی ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ بس مجھے پتہ نہیں کیا ہوا، عدمِ علم کی بِنا پر میں ان کے ساتھ شامل ہو گیا ہوں اب حقیقت مجھ پر ظاہر ہو گئی ہے اب آہستہ آہستہ انہیں چھوڑ کے جو چیز حقیقی احمدیت اور اسلام ہے اس کی طرف واپس لوٹ آؤں گا۔

تو ان نوجوانوں کے دل میں بھی محبت ہے اسلام اور احمدیت کی اور ان کے ذہنوں میں نور ہے۔ اسلام کے دلائل اور براہین عقل میں جو نور پیدا کرتے ہیں وہ نور ان کی عقلوں میں ہے اور خدا اور رسول کے لئے محبت کے جو جذبات ایک مسلمان کے دل میں پیدا ہو سکتے ہیں وہ جذبات ان لوگوں کے دلوں میں ہیں۔

بڑی ہی مخلص جماعتیں وہاں پیدا ہو چکی ہیں اللہ تعالیٰ نے اس وقت آسمان سے کچھ ایسے سامان پیدا کئے ہیں کہ جن ملکوں کو میں نے دیکھا ہے اور امریکہ وغیرہ جن کے متعلق میں نے باتیں سنیں اس سے میں اس یقین پر قائم ہو گیا ہوں کہ ان ملکوں میں عیسائیت ختم ہو چکی ہے۔ وہ چیزیں جو میں نے دیکھیں یا وہ باتیں جو آج خود پادری کہتے ہیں اور اخباروں میں شائع کرتے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ عیسائیت یقینی طور پر مٹ چکی ہے ان کا ذکر تفصیل کے ساتھ تو انشاء اللہ کسی اور موقع پر بیان کروں گا یا رسالے یا دو ورقوں کی شکل میں احمدیوں کے سامنے بھی اور دیگر مسلمان بھائیوں کے سامنے بھی آ جائیں گی اور عیسائیوں کے سامنے بھی آ جائیں گی ان کے اپنے مونہوں سے نکلی ہوئی باتیں جو ثابت کرتی ہیں کہ عیسائیت ختم ہو چکی ہے اُس دنیا کے سامنے تو آ چکی ہیں اور اس دنیا کے سامنے یعنی ہمارے ملکوں میں اپنے وقت پر پیش کر دی جائیں گی۔ اس وقت میں یہ حقیقت بیان کرنا چاہتا ہوں کہ عیسائیت ان ملکوں میں مر چکی ہے اور ایک خلاء پیدا ہو گیا ہے اس خلا کو پُر کرنا، اسلام کے غلبہ کے لئے وہاں کوشش کرنا یہ ہمارا کام ہے کیونکہ اس خلاء کو سوائے اسلام کے اور کوئی مذہب پُر نہیں کر سکتا اور اگر ایک ظلمت دور ہوا اور اس کی جگہ ایک دوسری ظلمت

لے لے تو اس سے انسانیت کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے؟ اگر انسان نے ابدی صداقتوں سے استفادہ کرنا ہے تو یہ ضروری ہے کہ جھوٹ کی جگہ سچ لے۔ یہ ضروری ہے کہ اندھیرے کی جگہ روشنی لے، یہ ضروری ہے کہ ظلمت کی جگہ نور لے، یہ ضروری ہے کہ بتوں کی محبت کی جگہ خدا تعالیٰ کی محبت قائم ہو اور یہ سوائے اسلام کے نہیں ہوسکتا اور یہ جماعت احمدیہ کی ذمہ داری ہے کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جماعت کے قیام کی غرض ہی یہ ہے کہ گمشدہ معرفت کو دنیا میں پھر سے قائم کیا جائے۔ تو ہم پر بڑی اہم ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ان ممالک میں جو خلا پیدا ہو رہا ہے اس خلا کو اسلام کے نور سے، اس خلا کو قرآن کریم کے دلائل و براہین سے، اس خلا کو اللہ تعالیٰ کی محبت سے پُر کر دیں تا شیطان پھر کبھی ان فضاؤں میں داخل ہونے کی جرأت نہ کر سکے۔

اس ذمہ داری کو نباہنے کے لئے پہلے یہ ضروری ہے کہ ہم خود توحید کے ایک اعلیٰ اور ارفع مقام پر قائم ہوں۔ ضروری ہے کہ ہم خود معرفت اور عرفان کے یقینی مقام پر قائم ہوں یہ ضروری ہے کہ ہم اپنے نفسوں میں اللہ تعالیٰ کی صفات کو ظاہر کرنے والے ہوں یہ ضروری ہے کہ ہم قرآن کریم کے علوم سے اچھی طرح واقف ہوں کہ اس کے بغیر ہم اپنی ذمہ داریوں کو صحیح طور پر نباہ نہیں سکتے۔

ان ذمہ داریوں کو نباہنے کے قابل بننا ہمارے لئے ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ محض زبان کے دعووں کو پسند نہیں کرتا۔ قرآن کریم نے منافقوں کے متعلق یہ بیان کیا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو صرف زبان سے دعویٰ کرتے ہیں اور اس دعویٰ کے بعد جو ذمہ داریاں ان پر عائد ہوتی ہیں ان کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَ لَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً۔ (التوبۃ:۴۶) یہ کہتے ہیں کہ ہم بھی مخلص مومنوں کے ساتھ جہاد پر جانے کے لئے ہر وقت تیار ہیں۔ اگر وہ اپنے دعویٰ میں سچے ہوتے تو ایک اخلاص رکھنے والے ایک ایثار رکھنے والے مسلمان نے جو جہاد کے لئے تیاری کی تھی یہ لوگ بھی اسی طرح اس کے لئے تیاری کرتے مگر یہاں ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ دعویٰ تو ہے لیکن اس کے لئے تیاری نہیں۔

جب تلوار سے دشمنِ اسلام، اسلام پر حملہ آور ہوا تو اللہ تعالیٰ نے مومن سے کہا کہ جتنی طاقت تمہیں ہے جتنے مادی سامان تم اکٹھے کر سکتے ہو کرو اور میرے اس دشمن کا مقابلہ کرو میں تمہیں

کامیابی عطا کروں گا اور خدا نے جو کہا وہ پورا کیا۔ آج اسلام کے مقابلہ میں جھوٹے دلائل، غلط باتیں، ہر قسم کا افتراء، بودے اعتراضات، نفرت کے جذبات کو اُبھارنا، دجل کے تمام طریقوں کو استعمال کرنا، یہ وہ ہتھیار ہیں جو اسلام کے خلاف استعمال کئے جارہے ہیں۔ ان کا آج ہم نے مقابلہ کرنا ہے ان کا مقابلہ تلوار سے یا مادی سامانوں سے نہیں ہوسکتا غلط دلائل کا مقابلہ سچے دلائل سے کیا جاسکتا ہے۔ دجل کے اندھیروں کا مقابلہ اللہ کی رضا کے نتیجہ میں جو نور حاصل ہوتا ہے اس نور سے کیا جاسکتا ہے تو اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لئے ایثار اور فدائیت کا دعویٰ کرنا یا عزم کا اظہار زبان سے کرنا یہ کافی نہیں ہے اس کے ساتھ ہی (باستثناء منافقین کہ جن کا ذکر قرآن کریم میں آتا ہے کہ دعویٰ ہے مگر تیاری نہیں ہے۔ ان منافقین کے گروہ کے علاوہ) ساری جماعت کو تیار ہونا پڑے گا ہر قسم کی قربانیاں دینے کے لئے اور ہم جو ذمہ دار ہیں ہم پر یہ فرض ہے کہ ہم جماعت کو تیار کریں۔ یہ ایک عظیم موقع اشاعتِ اسلام اور دینِ حق کے غلبہ کا اللہ تعالیٰ نے آسمانی فیصلوں کے ذریعہ اور فرشتوں کے نزول کے ساتھ پیدا کر دیا ہے۔ ہمارے سامنے میدان خالی پڑا ہے ہم نے آگے بڑھنا ہے دلائل کے ہتھیار لے کر۔ ہم نے آگے بڑھنا ہے نور کی شمعیں ہاتھ میں لئے ہوئے۔ ہم نے آگے بڑھنا ہے توحیدِ خالص کی جو کرنیں جسموں سے پھوٹتی ہیں جب توحیدِ خالص ایک دل میں قائم ہو جاتی ہے ان کرنوں کے سہارے اور اس کے لئے ہمیں خود کو اور جماعت کو تیار کرنا ہے۔

اس کی تیاری کے لئے تفصیلی منصوبہ تو انشاء اللہ تعالیٰ اور اس کی توفیق سے میں اپنے وقت پر بیان کروں گا (ممکن ہے کئی خطبات دینے پڑیں) لیکن اصولاً میں اس وقت یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ کو اپنی عادتیں بدلنی پڑیں گی آپ کو بہت سی بدعات جو آہستہ آہستہ ہم میں نفوذ کر گئی ہیں ان کو چھوڑنا پڑے گا آپ کو ذہنی طور پر اس بات کے لئے تیار ہونا پڑے گا کہ اگر اسلام کی ضرورت ہمیں پکارے کہ اپنا سب کچھ چھوڑ دو ادھر آؤ اور اس ضرورت کو پورا کرو تو جس طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں اسلام کی آواز سُن کر سب کچھ چھوڑ کر میدان جہاد کی راہ لی تھی اسی طرح ہم بھی اس آواز پر اپنا سب کچھ چھوڑ کر اسلام کی خاطر اور اسلام کی

اشاعت کے لئے اور توحید کے قیام کے لئے وہاں پہنچ جائیں جہاں ہماری ضرورت محسوس کی جائے۔

یہ ذہنیت ہمیں پیدا کرنی پڑے گی اور ہمیں اس وقت بڑا چوکس بھی رہنا پڑے گا۔ کیونکہ جیسا کہ کہا گیا ہے ظلمت کے ساتھ نور کی یہ آخری جنگ ہے اور ظلمت خاموش نہیں رہے گی وہ ہم پر باہر سے بھی حملہ آور ہوگی اور اندر سے بھی ہم پر حملہ آور ہوگی وہ (منافقوں کے ذریعہ) جماعت کے اتحاد کو پاش پاش کرنے کی کوشش کرے گی۔

جو رپورٹیں میرے تک پہنچ رہی ہیں ان میں سے بعض اس طرف بھی اشارہ کر رہی ہیں کہ بعض لوگ یہ کہتے سنے گئے ہیں کہ اب تو کوئی چارہ نہیں رہا یہ کوشش کرنی چاہیے کہ ان کا اتحاد قائم نہ رہے بلکہ جس طرح دوسرے لوگ منتشر ہیں اور پراگندہ ہیں اسی طرح یہ جماعت بھی منتشر اور پراگندہ ہو جائے۔ اسلام دوستی تو اس سے ظاہر ہوتی ہے ان کی۔ لیکن انہوں نے اپنی نہج پر سوچنا ہے اور ہم نے ان طریقوں پر کام کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ ہمیں بتائے۔

اس وقت اللہ تعالیٰ کی توفیق سے جماعت نے اتحاد کا اتنا حسین مظاہرہ کیا ہے کہ بہرحال مخالف اس کو پسند نہیں کرتا نہ کر سکتا ہے وہ رخنہ ڈالنے کی کوشش کرے گا اندرونی فتنوں کے ذریعہ سے۔ اور جیسا کہ میں نے کہا ہے ظلمت جو ہے وہ بیرونی حملوں کو بھی تیز کرے گی لیکن آسمان سے فرشتوں کا نزول ہو چکا ہے اور عیسائیت دنیا سے ختم ہو چکی ہے عیسائیت اب اس بات کے ماننے پر مجبور ہو گئی ہے کہ اگر ایک شخص کا عقیدہ یہ ہو کہ مسیح خدا نہیں تھا تب بھی وہ عیسائی ہی رہتا ہے۔ اگر اُس کا عقیدہ یہ ہے کہ بائیبل الہامی کتاب نہیں تب بھی وہ عیسائی ہی رہتا ہے اگر اس کا عقیدہ یہ ہو کہ حضرت مریم کنواری نہیں تھیں اور مسیح بِن باپ نہیں تھے تب بھی وہ عیسائی ہی رہتا ہے اگر جتنے عقائد ہیں عیسائیت کے کوئی شخص ایک ایک کر کے چھوڑتا چلا جائے تب بھی وہ عیسائی رہتا ہے اگر مسیح کو کوئی عیسائی (نعوذ باللہ) بااخلاق انسان نہ سمجھے تب بھی وہ عیسائی ہی رہتا ہے لیکن صرف یہ فقرہ ابھی منہ سے نہیں نکالتے کہ عیسائیت دنیا میں باقی نہیں رہی اس دنیا میں جس کا میں ذکر کر رہا ہوں یعنی یورپ اور امریکہ میں۔

پس آسمان سے فرشتے نازل ہو چکے اور انہوں نے عیسائیت کو ان ملکوں سے مٹا دیا اب

ہمارا کام ہے کہ ہم اپنی انتہائی کوشش کر کے خدائے واحد کے جھنڈے ان ملکوں میں گاڑ دیں یہ ہے ہماری ذمہ داری!!! اور اس ذمہ داری کے نباہنے کے لئے جس حد تک ہمیں استطاعت ہو اس حد تک تیاری کرنا ہمارا فرض ہے اور ان فرائض کی طرف مختصراً میں اشارہ کرنا چاہتا ہوں اور خصوصاً دوستوں کو اس طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ ہم کوئی طاقت اور کوئی استطاعت اور کوئی اثر و رسوخ نہیں رکھتے اور نہ ہمارے پاس وسائل ذرائع اور تدبیر کے مادی سامان اتنے ہیں جتنے وسائل کی آج ہمیں اپنی عقل کے مطابق ضرورت محسوس ہو رہی ہے لیکن ہمارا ربّ تمام طاقتوں کا منبع اور سرچشمہ ہے۔ تمام علوم کے خزانے اس کے پاس ہیں کوئی چیز اس سے چھپی ہوئی نہیں ہے کوئی طاقت اس کے مقابلہ میں ٹھہر نہیں سکتی اگر ہم دعا کے ذریعہ اس کے فضل کو جذب کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو صرف اسی صورت میں ہم کامیاب ہو سکتے ہیں ورنہ نہیں۔ پس بہت دعائیں کرو، بہت دعائیں کریں، دعائیں کرتے ہوئے تھکیں نہ، ماندہ نہ ہوں کہ صرف دعا کے ذریعہ سے ہمیں وہ چیز مل سکتی ہے جو آج ہمیں اپنے فرائض پورا کرنے کی توفیق دے سکتی ہے اور اپنے مقصد کے حصول کی توفیق دے سکتی ہے اور ہمیں کامیاب کر سکتی ہے اور اس کے بغیر ہمارا کوئی چارہ ہی نہیں۔

پس دعائیں کریں۔ دعائیں کریں۔ دعائیں کریں کہ اللہ تعالیٰ وہ دن جلد لائے کہ آخری فیصلہ جو مقدر ہو چکا ہے آسمانوں پر، ظلمت اور نور کے درمیان، وہ فیصلہ ہماری زندگیوں میں ہماری آنکھوں کے سامنے نافذ ہو جائے اور ہمیں بھی اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے خدمت کی کچھ توفیق عطا کرے اور اپنی رضا کے عطر سے ہمارے اندر اس قدر خوشبو پیدا کر دے کہ یہ زمین اور وہ آسمان اس خوشبو سے بھر جائیں اور فرشتے ہم پر درود بھیجنے لگیں۔ وَ بِاللّٰہِ التَّوْفِیْقُ۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۱۱ر اکتوبر ۱۹۶۷ء صفحہ ۲ تا ۴)

ایک عظیم سلسلہ بشارتوں کا اس زمانہ میں جماعت احمدیہ کو ملا اور وہ خدا اپنے وعدہ کا سچا ہے

خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۵ ؍ستمبر ۱۹۶۷ء بمقام راولپنڈی

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی اس جماعت کو دنیا میں اسلام کی اشاعت اور دوسرے ادیان پر اسلام کے غلبہ کے لئے پیدا کیا ہے اور بے شمار، ان گنت اس کے احسان ہمیشہ اس جماعت پر رہے ہیں اور ہم امید رکھتے ہیں اور دعا بھی کرتے ہیں کہ جب تک یہ مقصد ہمیں حاصل نہ ہو جائے کہ تمام دنیا اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر لے اور اپنے محسن اعظم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچاننے لگے، اس کی رحمت اور اس کا فضل اور اس کی برکت ہمیشہ ہی ہمارے شامل حال رہے۔

بعض موقعوں پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے زیادہ سامان پیدا کر دیتا ہے اور اپنے احسان معمول سے زیادہ ہم پہ کر رہا ہوتا ہے۔ میرا یورپ کا سفر کچھ اس قسم کا تھا ایک چھوٹے سے عرصہ میں (چھ ہفتہ میں) اللہ تعالیٰ نے جماعت کو جس قدر فضلوں اور رحمتوں سے نوازا ہے اور جس قدر احسان اس نے ہم پر کئے ہیں، ان کا شمار نہیں ہو سکتا اور دل اس کی حمد سے معمور اور جسم اور روح اس کے حضور شکر کے سجدوں میں لگے ہوئے ہیں۔

آج میں چاہتا ہوں کہ جماعت کے دل میں بھی اس احساس میں شدت پیدا کروں اور ان کو

ابھاروں کہ اللہ تعالیٰ نے بڑے عظیم احسان ہم پہ کئے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ عظیم احسان اپنے بندوں پر کرتا ہے تو بہت سی ذمہ داریاں بھی ان پر عائد کرتا ہے پس اس عظیم احسان کو بھی پہچانو اور ان عظیم ذمہ داریوں کو بھی نبھانے کی کوشش کرو۔

احسان جیسا کہ میں نے بتایا ہے گنے نہیں جا سکتے۔ لیکن بعض مثالیں اس کے احسانوں کی میں اس وقت دوستوں کے سامنے رکھتا ہوں۔ جب یہ انتظام ہو رہا تھا کہ میں سفر پہ جاؤں مختلف یورپین ممالک کی جماعتوں کی یہ خواہش تھی کہ میں اس سفر کو اختیار کروں، تحریک جدید والے کہتے تھے کہ کوپن ہیگن کی مسجد کا خود جا کے افتتاح کریں لیکن دل میں ابھی پورا انشراح پیدا نہیں ہوا تھا، کیونکہ خدا کا ایک بندہ خدا کی منشا کے بغیر اور اس کے اذن کے بغیر کوئی کام نہیں کرتا، تب میں نے خود بھی دعائیں کیں اور جماعت کے دوستوں کو بھی اس طرف متوجہ کیا کہ وہ دعائیں کریں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اگر یہ اہم سفر بابرکت ہو تبھی یہ سفر اختیار کیا جائے اگر یہ مقدر نہ ہو تو روک پیدا ہو جائے۔

ان دعاؤں کے بعد اور ان دعاؤں کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کا ایک عظیم نشان میں نے دیکھا اس کے نور کا حسین ترین جلوہ مجھے دکھایا گیا، جس کی تفصیل میں ربوہ والے خطبہ میں بیان کر چکا ہوں اور کسی وقت الفضل کے ذریعہ آپ تک پہنچ جائے گی۔ اس لئے اس کی تفصیل میں مَیں اس وقت جانا نہیں چاہتا اور مجھے یہ تسلی دی گئی تھی کہ بے شک تم ایک عاجز انسان ہو، ایک کم مایہ وجود ہو لیکن خدا تمہارے ساتھ ہے اور رہے گا اور جب اللہ تعالیٰ کسی کے ساتھ ہو جائے تو کسی اور چیز کی، کسی اور وجود کی، کسی اور منبع اور سرچشمہ کی اسے ضرورت نہیں رہتی۔ اسی حسین نظارہ میں جس کی تفصیل انشاء اللہ آپ پڑھ لیں گے میں نے ایک یہ نظارہ بھی دیکھا تھا کہ ایک عجیب نور جو مختلف رنگوں سے بنا ہوا ہے وہ ایک دیوار سے پھوٹ پھوٹ کے باہر نکل رہا ہے اور بہت موٹے حروف میں جو قریباً کم و بیش (پہلے خطبہ میں جو اندازہ کیا تھا وہ میں غلط کر گیا تھا) نظر کا اندازہ یہ ہے کہ اتنا پھیلاؤ تھا جتنا ربوہ میں قصر خلافت کا ہے۔ وہاں اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ کے حروف اُبھرے ہیں اور اس کے پیچھے سے نُور چھن چھن کے باہر آ رہا ہے اس دن جب میں نے نظارہ دیکھا تو میری

طبیعت میں بشاشت پیدا ہوئی اور میں نے فیصلہ کیا کہ اس سفر پہ میں ضرور جاؤں گا۔ اس زمانہ میں سندھ کے ایک احمدی دوست کو یہ کشف ہوا، لکھتے ہیں کہ میں نے بیداری کی حالت میں دیکھا کہ ایک بزرگ سفید کپڑوں میں ملبوس آئے ہیں اور عربی زبان میں مجھ سے گفتگو شروع کر دی ہے اور پوچھتے ہیں کہ تمہیں علم ہے کہ خلیفۃ المسیح یورپ کے سفر پر جا رہے ہیں۔ میں نے انہیں کہا کہ ہاں مجھے علم ہے اس پر وہ بزرگ کہنے لگے کہ کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اجازت لے لی ہے اس سفر پر جانے کی؟

تب وہ کہتے ہیں کہ میرے سامنے یہ نظارہ آیا کہ مسجد مبارک میں (غالباً انہوں نے لکھا ہے کہ قادیان کی مسجد مبارک میں) آپ آئے ہیں اور محراب کے قریب آپ کھڑے ہو گئے ہیں، میں آپ کے پاس پہنچا ہوں اور پوچھتا ہوں کہ کیا آپ نے اللہ تعالیٰ سے اس سفر پر جانے کی اجازت لے لی ہے آپ نے جواب دیا کہ ہاں! میں نے اپنے اللہ سے اجازت لی اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اجازت دی ہے اور بڑی بشارت اور نہایت اعلیٰ کامیابی کا وعدہ فرمایا ہے۔

وہ لکھتے ہیں کہ پھر میں واپس گیا اور اس بزرگ سے جو عربی میں باتیں کر رہے تھے مزید باتیں کرتا رہا اور یہ سارا نظارہ بیداری کے عالم میں مَیں نے دیکھا۔

تو اللہ تعالیٰ کے اذن سے اور اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ پر کہ وہ خود مدد کرے گا اور اس رنگ میں مدد کرے گا کہ کسی اور کی حاجت محسوس نہ ہوگی۔ میں نے اس سفر کو اختیار کیا تھا اور جیسا کہ میں نے بتایا ہے اللہ تعالیٰ نے اس سفر کے دوران بڑے بڑے عظیم احسان مجھ پر اور آپ پر کئے ہیں پہلا سلسلہ احسانوں کا تو وہ بشارتیں ہیں جو بیسیوں کی تعداد میں جماعت کو ملیں، بڑوں نے بھی، چھوٹوں نے بھی، مردوں نے بھی اور عورتوں نے بھی اللہ تعالیٰ سے بشارتیں پائیں۔ ان بشارتوں کا تعلق صرف میری ذات سے نہیں، ان بشارتوں کا تعلق صرف آپ میں سے بعض کی ذات سے نہیں بلکہ ان بشارتوں کا تعلق ہم میں سے ہر ایک کے ساتھ ہے جو جماعت احمدیہ کی طرف منسوب ہونے والے ہیں۔ تو یہ بشارتیں اللہ تعالیٰ کے احسان ہیں جو جماعت پر بڑی کثرت سے ان دنوں میں ہوئے۔ وہاں بھی ہوئے، یہاں بھی ہوئے، افریقہ اور دوسرے ملکوں کے رہنے والوں

نے بھی مجھے اپنے رؤیا اور کشوف لکھے۔ شروع میں ہی ایک دوست نے لکھا کہ میں نے یہ خواب دیکھی ہے کہ ایک فتنہ سا ہے بیرونی بھی اور اندرونی بھی اور اندرونی فتنہ جو ان کو خواب میں دکھایا گیا تھا یہ تھا کہ بعض لوگ آپ پر یعنی مجھ خاکسار پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ رؤیا اور کشوف بہت سنانے لگ گیا ہے۔

جب انہوں نے اپنی یہ خواب لکھی تو میں نے اس سے دو نتیجے اخذ کئے اور میرے ذہن میں اس کی دو تعبیریں آئیں، ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ بہت بشارتیں دے گا اور دوسرا یہ کہ مجھے اس کا اظہار کر دینا چاہیے، کیونکہ جب تک یہ دونوں چیزیں نہ ہوتیں۔ معترض اعتراض نہیں کر سکتا۔ اگر بشارتیں ہی نہ ہوتیں تو ان کو بتائے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اعتراض کا بھی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اور اگر بشارتیں ہوں اور خاموشی اختیار کی جائے تو کوئی شخص اعتراض نہیں کر سکتا، نہ کسی کے علم میں بات آئے گی اور نہ وہ اعتراض کرے گا۔

تو یہ دو باتیں میری سمجھ میں آئیں اور اسی وجہ سے میں نے اپنی عام عادت کے خلاف واپسی پر بہت سے کشوف اور رؤیا، اپنے بھی اور اپنے بھائیوں اور بہنوں کے بھی مختلف خطبوں اور تقاریر میں بیان کر دیئے اور یہ کہہ کر بیان کئے کہ ان کو ہم تحدیث نعمت کے طور پر بیان کرتے ہیں اور ان حاسد معترضین کو بھی موقع دیتے ہیں کہ وہ اپنی معترض طبیعت کو بہلا لیں اس میں ہمارا تو کوئی حرج نہیں۔

تو ایک عظیم سلسلہ بشارتوں کا اس زمانہ میں جماعت احمدیہ کو ملا اور خدا جو اپنے وعدہ کا سچا ہے، جیسا کہ اس نے کہا تھا۔ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ اس نے اپنے وعدہ کو پورا کیا اور اس قسم کے سامان پیدا کر دیئے کہ کسی اور کی مدد اور نصرت کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی اور آسمان سے (ایسا معلوم ہوتا تھا) فرشتوں کا نزول ہو رہا ہے اور اس علاقہ اور فضا کو اپنے تصرف میں لے لیتا ہے جہاں ہم سفر کر رہے ہوتے ہیں۔ ایک موقعہ پر (ہے تو یہ چھوٹی سی بات لیکن لطف بڑا دیتی ہے۔) ہمیں سفر کے انتظامات کے سلسلہ میں کچھ فکر تھی اس کے لئے ہم انتظام کر رہے تھے اور ناکام ہو رہے تھے، یہاں تک کہ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب جیسے مشہور انسان جن کی لوگ

بات سنتے ہیں ، انہوں نے کوشش کی اور ان سے انکار کر دیا گیا کہ ہم یہ انتظام نہیں کریں گے، تب اللہ تعالیٰ نے مجھے بتایا کہ تمہارے تو سارے انتظام ناکام ہو جائیں گے لیکن میں انتظام کر دوں گا۔ چنانچہ جن باتوں سے ہمیں ڈرایا گیا تھا ان سے اُلٹ ہم نے وہاں دیکھا پتہ نہیں کیا ہوا۔ ہمیں اسباب کا علم نہیں ہوا لیکن ہر وہ چیز جو ہم چاہتے تھے کہ ہو جائے ۔ اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ نے انتظام کر دیا تھا اس کے بعد حالانکہ (جیسا کہ میں نے بتایا ہے) کہ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب سے انکار کر دیا گیا، کہہ دیا گیا تھا کہ ہم انتظام نہیں کر سکتے ۔

یہ تو ایک چھوٹی سی ظاہری مثال ہے جس سے ظاہر بین آنکھ بھی اندازہ لگا سکتی ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ ہمیں دراصل اپنے احسانوں کے نیچے دبا دینا چاہتا تھا وہ ہمیں ایک نئی قوم بنانا چاہتا تھا تا کہ ہم اپنی نئی ذمہ داریوں کو نبھانے کے قابل ہو سکیں ۔

تو پہلا سلسلہ احسانوں کا، بشارتوں کا سلسلہ ہے جو بڑی کثرت سے جماعت پر کئے گئے اور ہم الفاظ میں اس کا شکر بجا نہیں لا سکتے (جو شکر کرنے کے طریق ہیں میں ان کے متعلق بعد میں کچھ کہوں گا) دوسرا سلسلہ اللہ تعالیٰ کے احسانوں کا یوں شروع ہوا کہ آج کل بعض وجوہات کی بِنا پر تمام یورپ کے ممالک میں اسلام کے خلاف تعصب اپنی انتہاء کو پہنچا ہوا ہے وہ مسلمان کی شکل تک دیکھنا برداشت نہیں کرتے اور کئی بیچارے مسلمانوں پر ان ملکوں میں جہاں یہ بات بظاہر ناممکن نظر آتی ہے چھرے سے حملے بھی ہوئے ۔ تعصب اس حد تک پہنچا ہوا ہے کہ ہمارے بہت سے مبلّغین نے مجھے مشورہ دیا تھا کہ بہتر یہ ہے کہ پریس کانفرنس نہ بلائی جائے کیونکہ پتہ نہیں کس قسم کے تمسخر اور استہزا کے ساتھ وہ سوال کریں گے اور کیا اپنے اخباروں میں لکھ دیں گے کیونکہ اس وقت اس قسم کا تعصب ہے کہ وہ ہر قسم کا جھوٹ اسلام کے خلاف بولنے کے لئے تیار ہیں ۔ ان میں سے ہمارے ایک مبلّغ بہت ہی زیادہ گھبرائے ہوئے تھے مجھے انہیں کہنا پڑا کہ تم فکر نہ کرو مجھ سے سوال ہوں گے میں نے جواب دینے ہیں تم خواہ مخواہ پریشان ہو رہے ہو انتظار کرو، لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا تصرف کیا ان لوگوں کے دماغوں پر کہ جو لوگ کانفرنس میں آتے تھے انہوں نے اس قسم کا کوئی سوال ہی نہیں کیا جن سے یہ لوگ ڈرتے تھے پھر طریق اتنا ادب اور احترام کا کہ جیسے کوئی احمدی

مجھ سے بات کر رہا ہو میں نے صرف ایک شخص کی آنکھوں پر شوخی دیکھی ساری پریس کانفرنسز میں جو ان ملکوں میں بلائی گئیں اگر ان کے وقت کو جمع کیا جائے ، تو مجموعہ قریباً آٹھ گھنٹے بنتا ہے آٹھ گھنٹے کے قریب مختلف ملکوں میں پریس کانفرنسز ہوئیں اور صرف ایک مقام پر ایک شخص کی آنکھوں میں شوخی تھی زبان ادب اور احترام لئے ہوئے تھی بڑے پیار سے اس نے وہ فقرہ کہا مگر اس کی آنکھوں سے مجھے نظر آرہا تھا کہ شرارت اور شوخی ہے اس نے مجھے پوچھا کہ ہمارے ملک میں آپ نے اب تک کتنے مسلمان بنائے ہیں اور چونکہ تعداد ہماری وہاں اس وقت تک کم ہے اس کی آنکھوں میں یہ شوخی تھی کہ بڑے سال سے تم کام کر رہے ہو اور بڑے تھوڑے احمدی ہیں اللہ تعالیٰ نے مجھے اسی وقت جواب سمجھایا میں نے اسے کہا کہ تمہارے نزدیک مسیح علیہ السلام نے اس دنیا میں جتنی زندگی گزاری (اور اس مسئلہ میں ہمارا تمہارا اختلاف ہے لیکن میں اس اختلاف میں پڑنا نہیں چاہتا) بہر حال جتنا تم سمجھتے ہو کہ اتنے برس وہ یہاں رہے اپنی ساری زندگی میں انہوں نے جتنے عیسائی بنائے تھے تمہارے ملک میں اس سے زیادہ احمدی ہیں۔ وہ ایسا خاموش ہوا کہ مجھے معلوم ہوا.... میں نے تو اس وقت دراصل اس کی آنکھ کی شوخی کا جواب دیا تھا، ہے تو یہ حقیقت مگر ایسے رنگ میں دیا تھا کہ اس کو سمجھ آ گئی کہ یہاں شوخی چلے گی نہیں اور وہ خاموش ہو گیا پھر اس نے سوال کرنے چھوڑ دیئے چالیس پینتالیس منٹ کے بعد میں نے اسے کہا تم مجھ میں کوئی دلچسپی نہیں لے رہے تمہارا جہاں تک تعلق ہے میں تم میں دلچسپی رکھتا ہوں اور سوال کرو میرے کہنے پر اس نے ایک دو اور سوال کئے پھر بعد میں ایک گھنٹہ ہمارے دوستوں سے گفتگو کی، کتابیں خرید کے لے گیا اور کہا کہ مجھے بڑی دلچسپی پیدا ہوئی ہے میں ان کا مطالعہ کرنا چاہتا ہوں۔

تو اللہ تعالیٰ نے ایسا تصرف کیا ان لوگوں پر جو نمائندہ بن کے آئے تھے کہ وہ سارے خطرات جو ہمارے مبلغوں کے دلوں میں تھے ہوا میں اڑ گئے اور ہر شخص نے نہایت ادب اور احترام کے ساتھ اور دوستانہ رنگ میں وہ سوال کئے اور میں نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ایسے جواب ان کو دیئے کہ ان کی تسلی ہو گئی یہاں تک تصرف الٰہی تھا کہ مثلاً ٹیلی ویژن میں چھوٹا سا پروگرام ہوتا ہے، ہمارے اس پروگرام میں بھی وہ خود جو چیز سمجھتے تھے کہ اثر انداز ہونے والی ہے اس کا وہ انتخاب

کرتے تھے (باتیں کرنے کے بعد) حالانکہ چاہیے تو ان کو یہ تھا کہ وہ ایسی باتوں کا انتخاب کرتے جو ان کے نزدیک T.V دیکھنے والوں پر اثر انداز نہ ہوسکتیں اس کی تفصیل میں T.V کے ذکر میں بیان کروں گا۔ انشاء اللہ

پریس، جو وہاں بڑا آزاد پریس ہے وہ بادشاہوں کی بھی پرواہ نہیں کرتا، لکھ دیتے ہیں جو دل میں آئے تعصب کا یہ عالم کہ ہمارے مبلّغ ڈر رہے ہیں کہ پتہ نہیں کیا ہوگا پریس کانفرنس ہی نہ بلائی جائے وہ آتے ہیں سوال کرتے ہیں ایک آدھ دفعہ تقریباً ہر جگہ سیاست کے متعلق وہ ضرور سوال کرتے میں ان کو آرام سے کہہ دیتا تھا کہ میں تو سیاسی آدمی نہیں ہوں میں مذہبی آدمی ہوں مجھ سے مذہب کے متعلق جو چاہو سوال کرو پھر ہماری مذہبی گفتگو ہوتی رہتی تھی جو باتیں میں کہہ رہا تھا وہ ان کے عقیدہ کے خلاف اور جو ان کی کمزور اور ظلمت کی زندگی گزارنے والی عقلیں ہیں وہ ان عقلوں کے خلاف اور جو بات میں کہتا تھا باوجود اس کے کہ ان کے عقائد یا ان کی سمجھ کے خلاف ہوتی تھی وہ اخبار میں شائع کر دیتے ایسا تصرف الٰہی تھا۔

سویٹزرلینڈ میں ہمارے باجوہ صاحب نے بتایا کہ ایک اخبار ہے وہ تعلیم یافتہ لوگوں کا اخبار سمجھا جاتا ہے، اشاعت کے لحاظ سے دوسرے نمبر پر ہے، لیکن تمام تعلیم یافتہ لوگ اس کو لیتے ہیں مزدور اس کو نہیں پڑھتے بڑے پایہ کا اخبار ہے اور بڑا متعصب، ہمیشہ اسلام کے خلاف لکھتا ہے جب میں تردیدی خط لکھوں تو انکار کر دیتا ہے ایک لفظ نہیں لکھتا نہ تردید میں اور نہ اسلام کے حق میں تو پتہ نہیں اس کا نمائندہ آئے یا نہ آئے، اگر آئے تو پتہ نہیں وہ کچھ لکھتا بھی ہے، یا نہیں پھر اس کا جو نمائندہ آیا اللہ تعالیٰ نے اس کے دل پر تصرف کیا اور اس نے خاص دلچسپی لی پہلے سے ہی اس کے دل میں ڈالا گیا تھا کہ تم نے اس میں دلچسپی لینی ہے۔ چنانچہ وہ اکیلا نہیں آیا بلکہ اپنی سٹینو کو ساتھ لے کے آیا یوں تو مجھے پتہ نہیں چلا لیکن بعد میں جو تصویریں آئی ہیں ان سے پتہ چلا کہ وہ سٹینو جو تصویر میں آ گئی ہے وہ ساتھ ساتھ شارٹ ہینڈ میں بڑی تیزی سے لکھتی رہی ہے۔ گفتگو کے وقت وہ نمائندہ ہی میرے سامنے تھا اور میری ساری توجہ اس کی طرف تھی اور اس کے سوالوں کی طرف تھی جو وہ پہلے تیار کر کے لایا تھا۔ چنانچہ جب کانفرنس ختم ہوگئی تو بعد میں وہ میرے پاس آ گیا

اور باتیں کرتا رہا اس وقت بھی وہ سٹینو اس کے ساتھ تھی اور نوٹ لے رہی تھی آخر میں اس نے سوال کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت کا مقصد کیا تھا؟؟ میں نے کہا میں اپنے الفاظ میں تمہیں نہیں بتلاتا۔ خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کے الفاظ میں تمہیں بتلاتا ہوں کہ آپ نے کیا دعویٰ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کیوں مبعوث کیا ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اس لئے مبعوث کیا ہے کہ میں دلائل کے ساتھ اس صلیب کو توڑ دوں جس نے حضرت مسیح علیہ السلام کی ہڈیوں کو توڑا اور آپ کے جسم کو زخمی کیا۔

وہ یہ جواب سن کر کھڑے کھڑے گویا اچھلنے لگ گیا، معلوم ہوا کہ اس پر اس جواب کا اتنا اثر ہوا ہے کہ وہ برداشت نہیں کر سکا اور کہنے لگا مجھے حوالہ دکھائیں۔

یہ ان لوگوں کی عادت ہے کہ اگر کسی اور کی طرف کوئی بات منسوب کی جائے تو اس کا حوالہ دکھانے کے لئے تیار رہنا چاہیے۔ مجھے قطعاً علم نہ تھا کہ اس قسم کا کوئی سوال ہوگا اور میرے منہ سے یہ جواب دلوا دیا جائے گا، لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ پتہ تھا میں یہاں سے چند ایک حوالے جو میرے یہاں کام نہیں آئے تھے اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ میں نے کہا تھا رکھ لو کبھی کام آجاتے ہیں ان میں یہ حوالہ اور اس کا انگریزی ترجمہ بھی تھا، یوں ہو گیا تھا جانے سے پہلے۔ لیکن میرے ذہن میں پختہ نہیں تھا کہ وہ ہے بھی یا نہیں؟؟؟ میں نے اپنے پرائیویٹ سیکرٹری کو کہا مجھے یاد پڑتا ہے کہ ان حوالوں میں یہ حوالہ بھی ہے جا کے سارے حوالے لے آئیں۔ جب وہ لائے تو ان میں یہ حوالہ بھی موجود تھا، میں نے اسے دکھایا اس نے کہا کہ میں اسے نقل کرنا چاہتا ہوں میں نے کہا ضرور نقل کرو اس نے وہ نقل کیا اور اگلے دن اس اخبار میں جو ایک لفظ نہیں لکھا کرتا تھا، پورا ایک کالم بلکہ اس سے بھی کچھ سطریں زیادہ اس کا مضمون شائع ہوا۔ جس میں ہماری باتیں جو اس سے ہوئیں وہ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ حوالہ درج تھا۔

دوسرے جو نوٹ شائع ہوئے وہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ لیکن جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کوئی نوٹ وہ شائع کر دیں تو میری طبیعت میں اس سے بہت بڑی خوشی اور بشاشت پیدا ہوتی تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک مرسل کو دنیا کی اصلاح کے لئے بھیجا ہے جو اثر آپ

کے الفاظ میں ہے وہ کسی اور کے الفاظ میں نہیں ہوسکتا۔

تو جب اس نے وہ حوالہ نقل کر دیا میں بہت خوش ہوا اور یہاں بھی ہمارے بعض واقف اور دوسرے لوگ بھی ملے ہیں جب ان کو پتہ چلتا ہے کہ اس اخبار نے اتنا بڑا نوٹ دیا ہے تو وہ بڑے حیران ہوتے ہیں۔ زیورک میں سارے اخباروں نے ہمارے متعلق نوٹ دیئے، کوئی ایک اخبار نہیں تھا جو پیچھے رہ گیا ہو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دوڑ لگی ہوئی ہے۔ ہر ایک چاہتا تھا کہ میں دوسروں سے آگے نکلوں اور باتیں وہ بیان کروں جو وہاں کے مذہب کے، وہاں کے معاشرے کے اور وہاں کے اخلاق کے خلاف ہوں۔ ہر وہ آدمی جس کے ہاتھ میں کوئی اخبار جاتا ہے اسے اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام پہنچ گیا کہ میری طرف رجوع کرو اور میرے محبوب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں آؤ ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔

میں نے زیورک سے شروع کیا اور کوئی گھر ایسا نہیں جس میں کوئی اخبار پہنچتا ہو اور پھر اسے یہ پیغام نہ پہنچا ہو کیونکہ زیورک کا کوئی اخبار ایسا نہیں جس نے ہمارا یہ پیغام شائع نہ کیا ہو۔

اسی طرح ہم ہمبرگ پہنچے وہاں چار اخبار چھپتے ہیں ایک ساری دنیا میں جاتا ہے تین وہاں کے مقامی ہیں۔ جو اخبار ساری دنیا میں جاتا ہے وہ ٹائم لنڈن کے پایہ کا اخبار ہے اور ہمیں تو اس کی اتنی اہمیت کا پتہ نہیں تھا کراچی میں ہمارے ایک غیر احمدی عزیز ہیں وہ مجھے ملے وہاں کسی نے کہا تو ضرور ہوگا، لیکن حافظہ نے اسے یاد نہیں رکھا اور کچھ ہیں بھی وہ متعصب، تو میں نے جب ان کے سامنے De`Welt کا نام لیا اور کہا کہ یہ سارے جرمنی میں پڑھا جاتا ہے تو کہنے لگے سارے جرمنی میں نہیں ساری دنیا میں پڑھا جاتا ہے اور بہت بڑا فوٹو اور نیچے اچھا لمبا نوٹ اس میں ہمارے متعلق شائع ہوا اور جو دوسرے اخبار تھے انہوں نے بھی نوٹ دیئے۔

پھر کوپن ہیگن میں گئے کوپن ہیگن میں (جو ہمارے بعد کی اطلاع ہے) تیس پینتیس اخبار اور بھی لکھ چکے ہیں۔ افتتاح کے متعلق بھی اور اس پیغام کے متعلق بھی جو ان کے نام میں نے دیا تھا اور اس کے متعلق نوٹ بھی۔ سویڈن کے ''ایمبیسڈر'' یہاں ہیں ان کو شوق پیدا ہوا کہ وہ مجھے ملیں، کہنے لگے کہ میں ان دنوں چھٹی پر تھا۔ (وہاں سویڈن میں) افتتاح ہمارا ہوا تھا ڈنمارک میں۔

کہنے لگے کہ میں نے وہاں تین آرٹیکل اخباروں میں پڑھے۔ پھر مجھے دلچسپی پیدا ہوئی اور میں نے پاکستان کے ''ایمبیسڈر'' سے فون کر کے کچھ اور معلومات حاصل کیں اور اب مجھ کو ملنے کا شوق تھا۔ میں نے جب ان کو ڈنمارک کے اخباروں کے کٹنگز دکھائے۔ تو بے ساختہ ان کے منہ سے نکلا کہ بڑی پبلسٹی ہوئی ہے اور ایک ویکلی ہے اور باتصویر ہے ہمیں علم تھا کہ ڈنمارک میں کوئی ایسا گھر نہیں جہاں وہ اخبار نہ پہنچتا ہو اس نے پورا ایک صفحہ ہماری تصاویر اور نوٹوں کے لئے دیا۔

انگلستان پہنچے۔ پہلے لنڈن کے اخبارات نے خاموشی اختیار کی ہم گلاسکو چلے گئے دو تین دن بڑی مصروفیت کے تھے۔ گلاسکو کے اخباروں نے انٹرویو لئے، پریس کانفرنس ہوئی، تو اخباروں نے لکھا پھر راستے کے جو اخبار تھے، انہوں نے لکھا۔ پھر ان کو خیال آیا کہ ہم سے غلطی ہوئی ہے ہمیں صبر کرنا چاہیے تھا۔ ٹائم لنڈن جس پر یہاں بھی بعض لوگوں کے دل میں حسد پیدا ہوا ہے۔ م۔ش نے بھی ایک لایعنی نوٹ ''نوائے وقت'' میں شائع کروا دیا ہے اور وضاحت کو سننے کے لئے اب تیار نہیں خیر بہر حال یہ تو ضمنی بات ہوئی۔ دنیا کے دو چار اخبار ہوں گے جنہیں ساری دنیا توقیر کی نظر سے دیکھتی ہے، ان کی عزت اور احترام کرتی ہے ان کو وقعت دیتی ہے ان میں سے ایک اخبار ہے ''ٹائم لنڈن'' ہم ابھی واپس لنڈن نہیں پہنچے تھے کہ ہمارے پاس ان کا فون آیا کہ ہم آپ سے ایک خصوصی انٹرویو لینا چاہتے ہیں میں نے کہا بڑی اچھی بات ہے، میں لنڈن آ کے بتاؤں گا کہ کس دن اور کس وقت؟؟ چنانچہ ان کا نمائندہ آیا۔ اس کو میں نے خود ہی کہہ دیا کہ آج شام کو چائے ہمارے ساتھ پینا۔ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹے تک باتیں کرتا رہا اور پھر اس نے ''ٹائم لنڈن'' میں بڑا اچھا نوٹ دیا اور بجائے اس کے کہ ساری اسلامی دنیا خوش ہوتی۔ ساری دنیا ویسے بڑی خوش ہوئی کہ یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ اسلامی دنیا خوش نہیں ہوئی لیکن اسلامی دنیا میں م۔ش جیسے دو چار آدمی ایسے بھی ہیں جو خوش نہیں ہوتے اس سے اسلامی دنیا پر کوئی فرق نہیں پڑتا میں اتنی وضاحت کر دوں کہ بعض دفعہ ہمارے احمدی بھی کہہ دیتے ہیں اسراف کے رنگ میں کہ خوش نہیں ہوئے، یہ غلط بات ہے۔ میں آگے بتاؤں گا۔ خوش ہوئے اور ہوتے ہیں، لیکن اس قسم کے آدمی ہمیشہ رہے اور ہمیشہ رہیں گے ان کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل

اخباروں کے ذریعہ نازل ہوتا ہوا ہمیں نظر آیا، ہمارا اندازہ تھا کہ اگر لاکھوں روپیہ بھی ہم خرچ کرتے تو اس قسم کی تبلیغ اور اشاعتِ اسلام ہمارے لئے ممکن نہ ہوتی جتنی کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے مفت میں ہوگئی۔

تیسرا فضل یا تیسرا سلسلہ اللہ تعالیٰ کے احسانوں کا یہ ہے اسے سمجھنے کی کوشش کریں۔ آپ کے لئے ہے تو مشکل اس کا سمجھنا کیونکہ یہ واردات مجھ پر گزری ہے کہ جس چیز کی ضرورت ہوتی تھی وہی مجھے وہ سمجھا دیتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی ایسی عجیب شان میں نے دیکھی ہے کہ میں اندھیرے میں ہوتا تھا اور سوال کرنے والا روشنی میں ہوتا تھا اس نے اپنی ایک سکیم بنائی ہوئی ہوتی تھی کہ یہ یہ سوال کرنے ہیں اور میں اندھیرے میں ہوتے ہوئے بھی اس کو ایسا جواب دیتا تھا۔ کہ وہ حیران رہ جاتا تھا۔ اور جو اس کا مقصد ہوتا وہ ظاہر ہی نہ ہوتا تھا اس کا قصہ یوں ہے، ہے لمبا اگر آپ اکتائیں نہ میں بولتا جاتا ہوں ابھی کچھ زیادہ وقت نہیں ہوا۔

وہاں سے مطالبہ آیا کہ آپ لکھی ہوئی تقریریں کریں عام طور پر مجھے لکھی ہوئی تقریر پڑھنے کی عادت نہیں اور اس وجہ سے کچھ گھبراہٹ بھی ہوتی ہے لکھ کر پڑھنے سے زبانی بولنے سے اتنی گھبراہٹ نہیں ہوتی اور دعا کے بغیر تو نہ میں کبھی بولتا ہوں اور نہ اس پر یقین رکھتا ہوں کہ بغیر دعا کے بولا جائے لیکن بہرحال عادت ہوتی ہے وہ زور دے رہے تھے کہ لکھی ہوئی تقریر پڑھیں۔ جب بہت زور دیا تو میں نے کہا اچھا لکھنا شروع کرتے ہیں پہلے میں نے فرینکفرٹ میں تقریر کرنے کی نیت سے نوٹ لکھنا شروع کیا جب لکھ چکا اور اسے پڑھا تو مجھے پسند نہ آیا اسے ایک طرف رکھ دیا۔ پھر میں نے ایک دوست کو کہا کہ میں ڈکٹیٹ کراتا ہوں تم لکھتے جاؤ جب میں ڈکٹیٹ کروا چکا اور انہوں نے پڑھا تو وہ بھی مجھے پسند نہ آیا اسے بھی میں نے ایک طرف رکھ دیا۔ اگلے دن صبح جب پھر میں لکھنے بیٹھا تو وہ میں نہیں تھا جو لکھ رہا تھا پیچھے سے مضمون آ رہے تھے اور میری قلم ان کو لکھتی جا رہی تھی۔ عملاً یہ ہوا کہ جب ایک فقرہ ختم ہوا تو اگلا جملہ خود قلم لکھ گئی تو ایک محبت اور علم کا چشمہ تھا جبکہ اللہ تعالیٰ نے ایک نمونہ اس طرح ظاہر کیا۔ وہ پنتا لیس منٹ کا مضمون بن گیا بڑا زور والا، بڑے مضبوط دلائل پر مشتمل اور بڑی وضاحت سے جھنجھوڑ کے انتباہ کرنے والا اور

وارننگ دینے والا میں نے جب اندازہ لگوایا تو منتظمین نے کہا کہ یہ پندرہ بیس منٹ میں تو ختم نہیں ہوگا جو مطالبہ تھا ان ملکوں کا کہ آپ کا کوئی مضمون پندرہ بیس منٹ سے زیادہ کا نہ ہو۔ انہوں نے کہا کہ یہ تو پینتالیس منٹ کا ہے تو میں نے اپنی طبیعت کے مطابق کہا کہ جو مرضی ہے کاٹ دو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس کو پندرہ بیس منٹ کے اندر لے آؤ۔ تو ہمارے دوست جو کام کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ ایک فقرہ بھی نہیں کٹے گا کیونکہ کوئی فقرہ ہمیں نظر نہیں آیا جو کٹنے کے قابل ہو تو میں نے کہا کہ پھر رہنے دو دیکھیں گے وہاں کیا ہوتا ہے۔

جب ہم فرینکفرٹ پہنچے تو تین ہمارے مبلّغ تھے ان کو میں نے ایک کمرے میں بٹھایا اور کہا کہ یہ مضمون پڑھو اور مجھے رائے دو کہ آیا تمہارے ملک کے حالات ایسے ہیں کہ میں یہ پڑھ دوں یہ سارا انہوں نے پڑھا، مشورہ کیا اور فیصلہ کیا کہ بالکل نہیں پڑھنا چاہیے۔ ہمارے ملک کے حالات ایسے ہیں کہ یہ یہاں نہ پڑھا جائے میں نے وہ بند کر دیا اور اپنی عادت کے مطابق پھر اکثر سوائے ایک آدھ جگہ کے جہاں نوٹ لئے زبان پہ جو آتا تھا وہ میں کہہ دیتا تھا۔ آدھ گھنٹہ کی پریس کانفرنس، ہر قسم کے انہوں نے سوال پیش کئے۔ پریس کانفرنس کے علاوہ ڈیڑھ گھنٹہ کا عیسائی سوسائٹیز کے نمائندوں کے ساتھ ایک انٹرویو تھا (کوپن ہیگن میں) وہ تین سوسائٹیوں کے نمائندے تھے اور بارہ افراد پر مشتمل تھے۔ جن میں سے اکثر پادری اور جو باقی تھے وہ سکالر تھے اور انہوں نے اس انٹرویو کو اتنی اہمیت دی کہ انہوں نے مجھ سے اس وقت، وقت لیا جب میں کوپن ہیگن آنے سے پہلے جرمنی میں پھر رہا تھا۔ پھر انہوں نے (جیسا کہ ان کے لیڈر نے مجھے بتایا کہ ہم نے) کئی دن میٹنگیں کی تھیں اور اب آپ کے پاس آنے سے پہلے بھی تین گھنٹے سر جوڑا اور مشورہ کیا ہے اور ایک سوال نامہ تیار کیا ہے کاپی کھول کر کہنے لگا کہ یہ ہم نے سوال لکھے ہیں اس سے آپ سمجھ لیں کہ کتنی اہمیت انہوں دی کئی گھنٹے وہ یہ غور کرتے رہے تھے کہ ہم کیا سوال کریں کیا نہ کریں، کس مقصد کے پیش نظر ہم سوال کریں۔ مجھے تو کچھ پتہ نہیں تھا کہ انہوں نے کیا مشورے کئے اور وہ کیا حاصل کرنا چاہتے تھے لیکن ان کے ایک سوال سے پتہ لگا کہ ان کے سوالوں کا جو ایک سلسلہ تھا اس کا مقصد یہ تھا کہ میرے منہ سے یہ کہلوائیں کہ جماعت کا امام ہونے کی حیثیت

سے میرا اور پوپ کا مقام ایک جیسا ہی ہے یا ملتا جلتا ہے کیونکہ ڈنمارک کے شہری ڈین جو ہیں وہ مذہب میں بھی ایک انسان کی قیادت کو پسند نہیں کرتے بلکہ اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ وہاں لوتھرن چرچ ہے جو سٹیٹ چرچ ہے، سٹیٹ چرچ کا مطلب ہے کہ ہر آدمی جو پیدا ہوتا ہے تو وہ اس چرچ کا ممبر سمجھا جاتا ہے گو بعد میں وہ دہریہ ہو جو مرضی ہو۔ وہ کہتے ہیں تم ہمارے ملک میں پیدا ہو گئے تو لوتھرن چرچ کے ممبر ہو گئے اس چرچ کو گورن ایک آدمی نہیں کرتا بلکہ مجلس کرتی ہے اور مجلس منتظمہ کا نام انہوں نے رکھا ہوا ہے۔ کمیٹی آف اِیکواَل اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ایک انسان کی قیادت کے خلاف ان کے دلوں میں کس قدر زہر بھرا ہوا ہے اور انہوں نے بڑی ہشیاری سے سوالوں کا یہ سلسلہ بنایا کہ یہ جواب دیوے۔ اس کو تو کچھ پتہ نہیں کہ ہمارے دماغ میں کیا بات ہے۔ اگر کہیں یہ پکڑا جائے تو ہم کہیں گے کہ ان کے نزدیک ان کا مقام پوپ جیسا ہی ہے اور پوپ سے قوم نفرت کرتی ہے اس لئے قوم احمدیت کی طرف متوجہ نہیں ہوگی بلکہ احمدیت سے نفرت کرنے لگ جائے گی۔ اسی طرح جس طرح وہ پوپ سے اور ایک فرد سے نفرت کرتی ہے۔ ان کو سب کچھ پتا تھا مجھے تو کچھ پتہ نہیں تھا پہلا سوال انہوں نے اسی سلسلہ سے شروع کیا اور کہنے لگے کہ جماعت احمدیہ میں آپ کا مقام کیا ہے؟؟ میں نے انہیں کہا کہ تمہارا سوال میرے نزدیک غلط ہے کیونکہ میرے نزدیک جماعت احمدیہ اور میں ایک ہی وجود ہیں اس واسطے یہ پوچھنا کہ جماعت میں آپ کا کیا مقام ہے یہ سوال درست نہیں۔ وہ بڑے گھبرائے کہ ہمیں یہ کیا جواب مل گیا ہے اور یہ جواب اسی وقت اللہ تعالیٰ نے سکھایا تھا جیسا کہ اس کی بڑی واضح ایک مثال ہے (اسی انٹرویو میں ایک واقعہ ہوا) آپ کو بتاؤں گا اللہ تعالیٰ کے احسان جتانے کے لئے۔ دوسرا سوال اس نے یہ کیا پھر کیا یہ درست نہیں ہے کہ جماعت پر فرض ہے کہ آپ کے سب احکام کی تعمیل کرے میں نے کہا ہرگز درست نہیں صرف ان احکام کی تعمیل ضروری ہے جو معروف ہیں۔ یہ ہم عہد لیتے ہیں جو معروف حکم آپ دیں گے اس کی ہم اطاعت کریں گے تو ہر حکم کی اطاعت ضروری نہیں معروف حکم کی اطاعت ضروری ہے وہ پھر سَٹ پٹایا کہ یہ کیا ہو گیا؟ اور پھر بے جوڑ سوال کر دیا اگلا جس نے ایکسپوز کیا ان کو یعنی ظاہر کر دیا کہ ان کے دل میں کیا تھا۔ کہنے لگا کہ اس

کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کا مقام اور پوپ کا مقام ایک جیسا ہے۔ حالانکہ پہلے دو جوابوں کے نتیجہ میں یہ سوال پیدا نہیں ہوتا تھا میں نے کہا ہرگز نہیں۔ میں قرآن کریم کے احکام اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ کا پابند ہوں پوپ کے اوپر کوئی ایسی پابندی عائد نہیں ہوتی اس لئے بنیادی طور پر ہم دونوں کا مقام مختلف ہے پھر وہ سمجھے کہ یہ چال کامیاب نہیں ہوئی، نہیں چلی۔ پھر اور سوال تھے جو بڑے سوچے سمجھے اور فتنہ پیدا کرنے والے تھے۔ لیکن وہاں اللہ تعالیٰ جواب ایسا سکھا دیتا تھا کہ بعد میں پھر وہ دفاع پر آ گئے تھے بجائے اس کے کہ وہ حملہ آور ہوں جیسا کہ انہوں نے سوچا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اسی وقت سمجھایا کہ ان سے ایک بات کرو وہ بات میں اس خطبہ میں بیان نہیں کرتا۔ میں نے ان کو کہا کہ تمہاری عیسائیت کی حالت قابل رحم ہو چکی ہے ہمیں تم پر رحم آتا ہے۔ تو حیران ہو کے اس نے میری طرف دیکھا جب میں نے اس کو بتایا کہ کیوں قابل رحم ہے تو ان لوگوں کا جو لیڈر تھا (ویسے وہ بڑا شریف آدمی تھا اور بڑی سلجھی ہوئی طبیعت کا) اس کا منہ سرخ ہو گیا اور ہونٹ پھڑ پھڑانے لگے، بات نہیں کر سکتا تھا۔ حتی کہ ایک لفظ اس کے منہ سے نہیں نکل رہا تھا میں نے کہا اس وجہ سے تمہاری حالت قابل رحم ہے۔

تو یہ سلسلہ ہے اللہ تعالیٰ کے احسان کا۔ میں وہاں مرزا ناصر احمد کی حیثیت سے تو نہیں گیا تھا، نہ کوئی میری ذاتی غرض تھی اس سفر کے اختیار کرنے کی۔ میں تو خدا تعالیٰ کے ایک ادنیٰ بندہ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک عاجز اور کم مایہ خادم کی حیثیت سے وہاں گیا تھا، میں ان کی نمائندگی کر رہا تھا اور جب اللہ تعالیٰ مجھ پر احسان کر رہا تھا تو وہ میرزا ناصر احمد پہ نہیں تھا، میرزا ناصر احمد پر بھی اس کے بڑے احسان ہیں، وہ جماعت کے اوپر احسان تھے اور اللہ تعالیٰ آپ بتا رہا تھا کہ تم میدانِ عمل میں نکلو میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبۡدَہٗ تمہیں خوف کس چیز کا ہے، آگے بڑھو اور کام کرو اللہ تعالیٰ کی نصرت تمہارے شامل حال ہے۔

تو شروع سے لے کر آخر تک سوال کا مجھے پتہ نہیں ہوتا تھا، ادھر فوری جواب!!! یہاں تک کہ ''بی بی سی'' کا نمائندہ آیا اور انہوں نے تین ہفتے ''آؤٹ لک'' میں میرے انٹرویو کو نشر کیا۔ وہ ویکلی پروگرام ہے۔ ہفتہ میں ایک دفعہ آتا ہے تو تین دفعہ تین ہفتوں میں اسے نشر کیا اس طرح

انہوں نے اسے بڑی اہمیت دی ہے اور جب وہ آیا (اور بغیر وقت مقرر کرنے کے آیا کہ آدمی ویسے ہی سوچ لیتا ہے کہ جو اس قسم کے سوال کرے گا، تو میں ذہنی طور پر تیار ہو جاؤں) میں نے اس کو بلا لیا۔ میں نے کہا کہ پہلے بات کرلو کہ کون سے سوال کرنے ہیں، براڈ کاسٹنگ کی ریل پر کون سے آئیں کون سے نہ آئیں۔ کہنے لگا نہیں جی، اسی طرح ٹھیک ہے میں سوال کرتا جاتا ہوں آپ جواب دیتے جائیں۔ ایک سیکنڈ کے لئے دل میں گھبراہٹ پیدا ہوئی پھر میرے دل نے کہا کہ پہلے تم نے کون سا جواب دیا تھا کہ اب تم گھبرا رہے ہو جو پہلے جواب سکھاتا تھا اب بھی وہی سکھائے گا، کوئی گھبرانے کی بات نہیں۔ وہ سوال کرتا تھا اور میں اس کو جواب دیتا تھا مجھے اب یاد نہیں کہ میں نے اس کو کیا جواب دیئے تھے۔ بہرحال وہ ایسا اچھا پروگرام یقیناً بن گیا جو ایک ہفتہ نہیں، دو ہفتے نہیں، بلکہ تین ہفتے اس میں آیا۔ کیونکہ آخری دفعہ جو آیا ہے وہ ۲۳ تاریخ کو آیا ہے پہلی دفعہ دس کو ہوا تھا اور سیرالیون میں ہمارے ایک احمدی ٹیچر جو یہاں سے گئے ہوئے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ اچانک میں نے (ریڈیو) لگایا تو اعلان ہو رہا تھا کہ آپ کا انٹرویو آ رہا ہے، ہم نے سنا اور بڑے خوش ہوئے اور ہماری آنکھوں کے سامنے یہ الہام آ گیا کہ میں تیری تبلیغ کو دنیا کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔

تو میں یہ بات کر رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ سلسلہ تھا احسانوں کا، فضل کا اور رحمت کا کہ جس چیز کی ضرورت ہوتی تھی وہ خود مہیا کر دیتا تھا، ورنہ جیسا کہ میں نے کہا ہے، میں نے بڑی دعائیں کیں مجھے بڑی گھبراہٹ تھی جب میں اپنے نفس کو دیکھتا تھا تو پریشان ہو جاتا تھا کہ میں کیسے اپنی ذمہ داری کو نبھا سکوں گا لیکن جب اللہ تعالیٰ نے وعدہ کر دیا تو نفس بیچ میں سے غائب ہو گیا صرف خدا اور اس کا وعدہ سامنے تھا، تو دلیری کے ساتھ ہم گئے اور اللہ تعالیٰ نے ہر قدم پر ہر جگہ اپنے وعدہ کو پورا کیا۔

چوتھا سلسلہ اس کے فضل کا یہ ریڈیو ہے اور ریڈیو والے بھی بڑے متکبر ہوتے ہیں وہاں وہ آزاد ہیں یہ نہیں کہ حکومت کی پالیسی کے ساتھ چلیں، پالیسی ان کی اپنی ہوتی ہے۔ مجھے ایک دفعہ خیال آیا کہ میں ساری دنیا کے احمدی بھائیوں اور بہنوں کے کان تک اپنی آواز پہنچا دوں۔ کیونکہ

محبت کا یہ تقاضا ہے وہ چاہتے ہیں کہ میری آواز بھی سنیں۔تو میں نے سیلون کے وائس آف امریکہ کو لکھوایا جو ویز یلین کے اشتہار بھی ریڈیو پر براڈ کاسٹ کرتا ہے بلکہ دو دو چار چار آنے کی چیزیں براڈ کاسٹ کرتا ہے میں نے ان کو تحریک جدید کے ذریعہ لکھوایا کہ ہم اتنا وقت لینا چاہتے ہیں اور جو تمہارے ریٹ ہیں ان کے مطابق تمہیں پیسے دیں گے۔تو انہوں نے انکار کر دیا، کہا کہ ہم مذہبی پروگرام شائع نہیں کرتے اور مجھے بڑا صدمہ پہنچا کہ اس وقت میری یہ خواہش پوری نہیں ہوئی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے یہاں ایسا انتظام کیا کہ ''بی بی سی'' کے ذریعہ ساری دنیا میں اور ''بی بی سی'' کے علاوہ بھی (کیونکہ کوپن ہیگن میں جو افتتاح کی ریل تیار کی گئی تھی وہاں ریڈیو والوں کے مدِّنظر یہ بھی تھا کہ وہ دنیا کے مختلف ریڈیو اسٹیشنوں سے سنائی جائے گی) چنانچہ آج انہوں نے اطلاع دی ہے کہ مراکو میں تین دفعہ وہ ریل براڈ کاسٹ ہوئی ہے اور مجھے امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ دوسرے ملکوں میں بھی سنائی جائے گی۔ادھر ہم پیسے خرچ کرنے کے لئے تیار تھے اور وہ ہمارے ساتھ تعاون کرنے کے لئے تیار نہیں تھے اور جب اللہ تعالیٰ نے کہا کہ میں تمہارا انتظام کروں گا تم اپنا کام کرو۔تو پھر ہر ملک میں مثلاً فرینکفرٹ میں گئے وہاں ریڈیو پر آ گیا۔زیورک میں ریڈیو پر آ گیا۔ جرمنی میں آیا، ہالینڈ میں آیا کوپن ہیگن میں آ گیا۔ انگلستان میں آیا۔تو جہاں جہاں یہ آواز پہنچتی تھی ریڈیو والوں نے ان کے کانوں تک پہنچا دی۔

پھر نئی چیز نکلی ہے ٹیلی ویژن، کم ہے نسبتاً ریڈیو سے، صرف ٹیلی ویژن پر اندازہ ہے کہ ایک کروڑ اور دو کروڑ کے درمیان لوگوں نے وہ پروگرام دیکھا ہے۔ ویسے ٹیلی ویژن کے پروگرام مختلف جگہ تھے، زیورک میں تھا وہ تو ہم نے بھی دیکھا شام کو، پھر ہمبرگ میں بھی تھا، اس کے متعلق اخبار میں بھی آ چکا ہے کہ ساٹھ ستّر لاکھ آدمیوں نے وہ ٹیلی ویژن دیکھی۔ پھر کوپن ہیگن میں تھا، پھر کوپن ہیگن کی پہلی ٹیلی ویژن کی ریل تمام جرمن ٹیلی ویژن اسٹیشنوں نے براڈ کاسٹ کی اور دکھائی۔ پھر جس سے مجھے بے انتہاء خوشی ہوئی ہے اور میں سمجھتا ہوں، وہ اللہ تعالیٰ کے فضلوں میں سے ایک فضل ہے کہ کوپن ہیگن میں افتتاح کی ٹیلی ویژن کی تصویر سعودی عرب میں دو دفعہ دکھائی جا چکی ہے، اس اعلان کے ساتھ کہ سکنڈے نیویا میں مسلمانوں کی یہ پہلی مسجد ہے

اور وہ اچھی خاصی تین چار منٹ کی ٹیلی ویژن ہے، اس کو دو دفعہ دکھانے سے نتیجہ ہم یہ نکالتے ہیں کہ ان کو دلچسپی تھی تبھی تو دوسری دفعہ دکھائی گئی ورنہ کبھی ایسا پروگرام دوبارہ نہ دکھاتے جس پر کچھ اعتراض ہوا اور ان لوگوں کا خیال یہ تھا کہ اور بہت سے ملکوں میں بھی ٹیلی ویژن کی یہ ریل دکھائی جائے گی تو کتنا بڑا فضل اور احسان ہے اللہ کا کہ اخبار کے ذریعہ اور براڈ کاسٹنگ کے ذریعہ، ٹیلی ویژن کے ذریعہ کروڑوں آدمیوں کے کان تک یہ آواز پہنچ گئی کہ خدائے واحد پر ایمان لاؤ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ٹھنڈے سایہ تلے آ کر جمع ہو جاؤ ورنہ ہلاکت تمہارے سروں پر منڈلا رہی ہے اور اس عاجز بندہ کی شکل انہوں نے دیکھی اور اس کی زبان سے نکلتے ہوئے الفاظ انہوں نے سن لئے خدا تعالیٰ کے ایک نمائندہ کی حیثیت سے۔

تو کروڑوں آدمیوں تک چند ہفتوں کے اندر یہ پیغام پہنچا دینا یہ آسان کام نہیں ہے، الٰہی تصرف کے بغیر یہ ممکن ہی نہ تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے تصرف کیا ان کے دلوں پر بھی، ان کی قلموں پر بھی اور ان کی فضا پر بھی اور وہ مجبور ہو جاتے تھے۔

وہ دشمن ہیں اور ان کی دشمنی بھی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے ٹیلی ویژن کے لئے ان کو سوال تو ایسا منتخب کرنا چاہیے تھا کہ جو طبیعت پر اثر نہ کرے لیکن ہوتا اس سے الٹ ہے۔ پہلا ٹیلی ویژن آیا زیورک میں، یہ پہلا موقع تھا تین آدمیوں کے سامنے جن میں سے دو مرد تھے ایک عورت تھی۔ وہ عورت مجھے کہنے لگی کہ میں پہلے سوال و جواب کر لیتی ہوں تا کہ ہم انتخاب کر لیں کہ کون سے سوال و جواب ہم ٹیلی ویژن پر لائیں گے پروگرام چھوٹا ہے میں سوال زیادہ لکھ کے لائی ہوں تین منٹ کا پروگرام تھا میں نے کہا ٹھیک ہے اس نے جہاں اور سوال کئے ایک سوال یہ بھی کیا کہ آپ ہمارے ملک میں اسلام کو پھیلائیں گے کیسے؟؟؟ فوراً میں نے جواب دیا ''دلوں کو فتح کر کے''۔ اتنی خوش ہوئی وہ کہ کہنے لگی میں یہ فقرہ ضرور ٹیلی ویژن پر لانا چاہتی ہوں میں یہ سوال کروں! میں نے کہا ٹھیک ہے۔ تم سوال کرنا میں جواب دوں گا۔ آگے لطیفہ یہ ہوا کہ کوپن ہیگن کی پریس کانفرنس میں کسی نے پھر یہی سوال کیا، میں نے کہا زیورک میں بھی یہ سوال کیا گیا تھا، جو جواب میں نے وہاں دیا، وہی جواب میں یہاں دیتا ہوں کہ دلوں کو فتح کر کے۔ اس کانفرنس میں ایک دو عورتیں بھی تھیں نمائندہ

اور ایک بڑی باوقار عورت، وقار سے بیٹھی ہوئی جب میں نے کہا ’’دلوں کو فتح کر کے‘‘ تو اسی طرح وقار سے بیٹھے بیٹھے آرام سے کہنے لگی، آپ ان دلوں کو کریں گے کیا؟؟ ایک عورت کے منہ سے جب یہ فقرہ نکلا تو ایک سیکنڈ کے لئے میں بڑا پریشان ہوا لیکن اللہ تعالیٰ، حسبِ وعدہ کہ میں تیری مدد کروں گا میری مدد کو آیا۔ میں نے اسے کہا ’’پیدا کرنے والے کے قدموں پہ جا رکھیں گے‘‘ اس جواب سے تو سارے ہی صحافی جو تھے ان پر خاموشی طاری ہو گئی ایک آدھا منٹ کے بعد ان کو ہوش آئی۔ پھر انہوں نے آگے سوال کئے۔ ہر ایک پر اس کا اثر تھا مگر اس عورت پر تو اتنا اثر تھا کہ وہ پچاس میل دور سے آئی ہوئی تھی وہ وہاں ٹھہری رہی۔ مغرب اور عشاء کی نمازیں ہمیں پڑھتے دیکھا پھر دوستوں سے گفتگو کرتی رہی اور وعدہ کر کے گئی تھی کہ لکھوں گی اور اس نے اس کے متعلق لکھا بھی۔ وہ کسی ویکلی (ہفتہ وار) کی نمائندہ تھی۔

تو یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ جو چیز ہمارے حق میں تھی اور ان کے خلاف، ان کے نزدیک طبائع پر اثر کرنے والی، اس کو وہ انتخاب کرتے تھے اخبار میں شائع کرنے کے لئے۔ ٹیلی ویژن میں دکھانے کے لئے اور ریڈیو پر بولنے کے لئے۔

تو یہ عظیم احسان اللہ تعالیٰ نے وہاں کئے جن کے کئی سلسلے میں گنا چکا ہوں، شاید پانچواں آئے گا۔ ہاں ابھی ایک قصہ رہ گیا ہے کہ وہ مضمون جو اللہ تعالیٰ کی منشا کے مطابق اور اس کے دیئے ہوئے علم کے ماتحت میں نے یہاں تیار کیا تھا اور یورپ میں کہا گیا تھا کہ نہ سنایا جائے۔ میں نے ان کی رائے کا احترام کرتے ہوئے وہاں نہیں سنایا تھا۔ لنڈن میں مجھے وہ مضمون سنانے کا موقع ملا پینتالیس منٹ After dinner speech (رات کے کھانے کے بعد) جو انگریز کی عادت کے مطابق نہایت ہی ہلکی پھلکی تقریر ہونی چاہیے کوئی لطیفے یا اور لطائف کے اندر کوئی کام کی بات کر دی اور مختصر لیکن چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب سے میں نے مشورہ کیا میں نے کہا کہ یہ ایک موقع ہے جو پھر ہاتھ نہیں آئے گا اور اس مضمون کو میں پڑھنا ضرور چاہتا ہوں، یہ میری اپنی کوشش کا نتیجہ نہیں، اللہ تعالیٰ کے فضل سے تیار ہوا ہے، ان کو یہ مضمون میں نے رات کو دے دیا، اگلے دن انہوں نے کہا میں نے پڑھا ہے آپ اسے ضرور پڑھیں۔ خیر وہ مضمون جب میں نے پڑھا ہے

تو آپ اندازہ نہیں کر سکتے کہ کیا اثر سننے والوں پر وہ مضمون کر رہا تھا ہمارے ایک احمدی ہیں ان کی ساری عمر ولایت میں ہی گزری ہے (پارک کارنر میں جہاں بہت ٹف آدمی تقریر کر سکتا ہے، لفنگے آدمی بھی وہاں جمع ہوتے ہیں اور تمسخر اور استہزاء اور اعتراض عجیب عجیب وہاں ہوتے رہتے ہیں۔ وہاں کھڑے ہو کے دلیری کے ساتھ تقریر کرنے والے ہیں) کہنے لگے کہ آپ تقریر کر رہے تھے اور مجھے پسینہ آرہا تھا اور کہنے لگے کہ ایک انگریز میرے پاس بیٹھا تھا شروع میں حیرت سے اس کا منہ کھلا اور پھر پینتالیس منٹ تک کھلا ہی رہا ایک فقرہ کے بعد دوسرا فقرہ اسی قسم کا آجاتا تھا۔

اب وہ یہاں چھپ گیا ہے وہاں انگلستان والوں نے ایک دن میں رقم اکٹھی کر کے پچاس ہزار کا انتظام کر لیا تھا اس کی اشاعت کا۔ اور وہ پچاس ہزار وہاں شائع ہو چکا ہے میں نے انہیں کہا تھا کہ کچھ باہر کے لئے بھیج دیں سارے ہیڈ ماسٹرز کو، سارے M.P.S کو، بڑے بڑے بشپز کو اور بڑے بڑے کلارجز کو، سارے لارڈز کو اور اس طرح انہوں نے ساڑھے سات ہزار پتے منتخب کر کے ان پتوں پر وہ بھجوا دیئے ہیں۔ اور باقی وہ انتظام کر رہے ہیں۔

پھر اس کا جرمن میں ترجمہ ہو چکا ہے پہلے تو وہ راضی نہیں تھے اور پہلے اس وقت سارا تو اخباروں نے شائع نہیں کرنا تھا اب پورا مکمل شائع ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شاید یہی حکمت ہو۔ جرمنی کے گھر گھر میں پہنچانے کا میں نے ان کو پروگرام بتایا ہے اسی طرح سوئٹزرلینڈ، ہالینڈ سارے ملکوں میں ساری زبانوں میں ترجمہ ہو کے وہ وہاں تقسیم کیا جائے گا اور ایک دفعہ پوری طرح اتمامِ حجت کرنے والا۔ بات یہ ہے کہ جس وقت میں یہاں سے گیا تو سوچ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے بندے جب دنیا کی طرف مبعوث ہوتے ہیں تو ان کے دو کام ہوتے ہیں ایک بشیر کی حیثیت سے، ایک نذیر کی حیثیت سے، بہت سی انذاری پیشگوئیاں دی جاتی ہیں اور جماعت کا یہ فرض ہوتا ہے کہ علی الاعلان اور بغیر ڈرے دنیا میں وہ پھیلائیں اور تمام دنیا پر اتمام حجت کریں کہ اگر تم نے اپنی اصلاح نہ کی تو اللہ تعالیٰ کے یہ انذاری وعید ہیں تمہارے متعلق، تم تباہ ہو جاؤ گے۔ اور اگر تم ان سے بچنا چاہتے ہو تو توبہ کرو۔ فقرہ تو میں یہی بولتا تھا۔ رجوع Come back to your Creator جس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ اس کی طرف تم رجوع کرو۔ اسلام ایک حسین ترین تعلیم اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

دنیا کے ایک محسنِ عظیم ہیں ان کو پہچانو اور اس تعلیم کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالنے کی کوشش کرو تو یہ سب کچھ تقریر میں ساری تفصیل سے تو آنا نہ تھا۔ اگر میں وہاں تقریر کر دیتا انہوں نے اسے ترجمہ کرنا تھا کیونکہ وہ انگریزی زبان بولنے والے نہیں تھے۔ (انگلستان کے اخباروں میں ابھی نہیں آیا) تو اب ساری زبانوں میں انشاءاللہ ترجمہ ہو کے اللہ کا یہ پیغام گھر گھر پہنچ جائے گا اسی کی توفیق سے۔ بڑا احسان کیا ہے اللہ تعالیٰ نے، سارے دلوں کو اس طرف پھیر دیا۔

پانچواں سلسلہ احسانوں کا جماعت کی تربیت ہے میرے جانے کا ایک مقصد یہ بھی تھا۔

وہاں دو قسم کے احمدی ہیں ایک مقامی اور ایک اردو بولنے والے یہاں سے گئے ہوئے اور بعض ہندوستان سے آئے ہوئے ہیں۔ لیکن اکثریت پاکستانیوں کی ہے۔ ان میں سے ننانوے فی صدی وہ ہیں جن کو کچھ علم نہیں تھا اس قیامت کا جو حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت جماعت پر گزری کیونکہ وہ یہاں نہیں تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے جماعت کو سنبھالا اور ایک ہاتھ پر متحد کر دیا وہ ہاتھ بے زور اور کم طاقت کا تھا لیکن خدا نے کہا کہ جتنا بوجھ مرضی ہے پڑے، گھبرانا نہیں کیونکہ اس ہاتھ کے نیچے میرا ہاتھ ہے اور جو کہا اس وقت وہ کر دکھایا۔ میں چاہتا تھا کہ یہ لوگ مجھ سے ملیں باتیں سنیں اور بہت سی غلط فہمیاں یا غلط خیال جو عدم علم کی وجہ سے پیدا ہو جاتے ہیں وہ دور ہو جائیں۔ اگر خدا چاہے تو پھر یہ کہ میں ان کو جانوں کہ وہ کس قسم کے احمدی ہیں، خصوصاً جوان ملکوں کے باشندے ہیں۔

تو جہاں تک ان لوگوں کو دیکھنے کا مجھے موقع ملا، میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا اتنا عظیم احسان ہے کہ صرف ایک احسان کا بھی ہم شکر ادا نہیں کر سکتے حالانکہ وہ بے شمار احسانوں میں سے ایک احسان ہے۔ وہاں اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایسی مخلص جماعتیں پیدا ہو چکی ہیں۔ جن کے ذہن ہی مسلمان اور احمدی نہیں بلکہ ان کے دل اور ان کی روح اور ان کے جسم کا ذرہ ذرہ احمدیت میں یوں رچ گیا ہے۔ انگریزی میں کہتے ہیں سیچوریشن پوائنٹ اس پوائنٹ تک احمدیت ان کے اندر پہنچ چکی ہے گو روحانی دنیا میں سیچوریشن پوائنٹ کبھی نہیں آتا مطلب یہ ہے کہ اس وقت وہ اعلیٰ اور اَرفع مقام پر ہیں جیسے اعلیٰ ترقیات کے دروازے ہر ایک کے لئے کھلے ہیں اس کے لئے کوئی انتہا نہیں اتنی

عظیم محبت کرنے والے اپنے اللہ سے، نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے، حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے، سلسلہ سے، خلیفۂ وقت سے کہ آدمی دیکھ کے حیران ہو جاتا ہے۔ اتنی دور بیٹھے ہوئے یہ لوگ ذاتی طور پر کوئی واقفیت نہیں رکھتے اور ان کے دل ہیں کہ ایک محبت کا سمندر ہے جو ان میں موجیں مار رہا ہے، کیا یہ الٰہی تصرف کے بغیر ممکن ہے؟؟ ہرگز نہیں!!! ایک آدمی کے دل میں آپ اپنا پیار اور محبت پیدا نہیں کر سکتے۔ بعض دفعہ ایک شخص ایک آدمی کے دل میں بھی محبت اور پیار پیدا نہیں کر سکتا۔ کتنے خاندان ہیں کہ جو خاوند ہیں اپنی بیوی کے دل میں اپنا پیار پیدا نہیں کر سکتے اور اس طرح اپنی زندگی کو بگاڑ لیتے ہیں۔ لیکن یہاں یہ نظارہ ہے کہ لاکھوں آدمی ہیں کہ ان کے دلوں میں خدا تعالیٰ کی محبت کے ساتھ امامِ وقت کی محبت بھی پیدا ہوگئی اور وہ ایک دل ہے جس میں پتہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پیار اور محبت کے کتنے سمندر سما دیئے ہیں۔ ہر ایک کے لئے ویسا ہی پیار وہاں پیدا کر دیا۔

یہ ایک عظیم معجزہ ہے اور ایسا عظیم احسان ہے کہ اس احسان کو دوسروں کے لئے پہچاننا بھی ممکن نہیں ہے۔ آج ہمیں یہ سمجھ آتی ہے کہ صحابۂ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دلوں میں وہ محبت کیسے پیدا ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے خود پیدا کر دی تھی (اور دوسرے اس کو سمجھ نہیں سکتے) ان کی فدائیت اور ایثار کے کارنامے جب ہم پڑھتے ہیں تو عقل کے نزدیک ان کی کوئی ایکسپلینیشن نہیں۔ عقل نہیں بتا سکتی کہ ایسا کیوں ہوا؟؟؟ جب کئی لاکھ کی فوج کے مقابلہ پر گنتی کے چند درجن، وہ جو آخری فتح ہوئی ہے قیصر کے خلاف۔ خالد بن الولید کی فوج، کسی نے پچیس ہزار کسی نے تیس ہزار، کسی نے چالیس ہزار، کسی نے بیس ہزار لکھی ہے۔ تاریخ دانوں میں اختلاف ہے میں اس اختلاف میں نہیں جاتا۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ فوج سے حملہ کروانے سے پہلے انہوں نے کچھ نوجوانوں کو اکٹھا کیا تھا جن میں عکرمہ بھی شامل تھے اور ان کو کہا تھا کہ ساری عمر تم اسلام کی مخالفت کرتے رہے اور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھ پہنچاتے رہے آج موقع ہے اپنے سارے دھبے جو ہیں وہ دھولو اور ان گنتی کے چند آدمیوں نے لاکھوں کی فوج پر حملہ کیا تھا اور دراصل ان لوگوں کے حملہ کی وجہ سے ہی ان لوگوں کے دلوں پر یہ رعب پیدا ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے انہوں نے

شکست کھائی اور جتنی مسلمان فوج تھی اس سے کہیں زیادہ مقتول اور لاشیں میدان میں چھوڑ کر وہاں سے بھاگے۔

تو محبت کے یہ عظیم کارنامے صفحۂ تاریخ پر کیسے ابھرے، عقل اس کا جواب نہ دے سکتی تھی آج حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے طفیل ہم اپنے دلوں میں جو محبت محسوس کرتے ہیں اس نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ یہ معجزانہ عمل جو ہیں، وہ کس طرح اور کیوں ظہور پذیر ہوتے ہیں؟؟ یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے۔ خداوند کریم نے واضح الفاظ میں یہی کہا ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت نہیں جو اس طرح کی محبت دلوں میں پیدا کرسکتی ہو۔

میں ان کو انتباہ تو بڑا سخت کرتا تھا ان کو یہی کہتا تھا کہ دیکھو کہ انسان نے ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم بنا لئے۔ ساری دنیا میں جتنے بھی ایٹم اور ہائیدروجن بم ہیں وہ سارے مل کر بھی ایک دل کو بدل نہیں سکتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو مذہب دنیا میں بھیجا جاتا ہے وہ لاکھوں اور کروڑوں دلوں کو بدلتا چلا جاتا ہے۔ اس واسطے مذہب کے میدان میں لڑائی جھگڑے کا نہ کوئی فائدہ ہے نہ کوئی معقولیت ہے۔ امن اور صلح کی فضا میں ہم سے یہ فیصلہ کرو کہ عیسائیت سچی ہے یا اسلام سچا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو مختلف دعوت ہائے فیصلہ دنیا کو دیئے ان میں سے تین میں نے اس سفر میں ان کے سامنے رکھے۔ دو ان پادریوں کو دیئے اور ان کو کہا کہ جہاں تم نے مجھے ملنے سے قبل دنوں مشورہ کیا۔ اب تم دن اور ہفتے لگاؤ اور سوچو اور کمیٹی آف اِیکواَل کو اس بات پر راضی کرو کہ وہ ہمارے ساتھ ان طریقوں پر فیصلہ کرے کہ اسلام سچا ہے یا عیسائیت سچی ہے مجھے امید نہیں کہ وہ اس بات کو مانیں گے کیونکہ وہ اپنی کمزوریوں کو سمجھتے ہیں زبان سے تسلیم کریں یا نہ کریں۔ تو یہ ایک عظیم احسان مجھے نظر آیا کہ وہ چھپی ہوئی محبت یعنی جس کا بہت سا حصہ چھپا ہوا تھا۔ وہ میرے جانے سے ظاہر ہوا اور عجیب رنگ میں ظاہر ہوا۔ گو پہلے بھی میں نے ایک دو جگہ بتایا ہے کہ سکنڈے نیویا کے باشندے جو ہیں وہ پبلک میں لوگوں کے سامنے اپنے جذبات کے اظہار کو اتنا معیوب سمجھتے ہیں کہ موت کو اس سے بہتر سمجھتے ہیں۔ ہمارے ایک آنریری مبلّغ ہیں ہمارے امام صاحب کہتے ہیں کہ وہ ہمارے پاس تھے کہ ان کے والد کی وفات کی خبر آئی تو

انہوں نے امام صاحب کو بھی نہیں بتایا۔ چہرہ پر بھی کوئی آثار ظاہر نہیں ہوئے تھے کہ والد فوت ہو گیا ہے۔لیکن اب ان کا یہ حال تھا کہ دن میں دو تین مرتبہ ان کی آنکھیں پُرنم ہو جاتیں۔

ہمارے ناروے کے ایک مبلّغ ہیں وہ مجھے ملنے آئے۔ان سے بات نہ کی جائے۔ان کے جسم پر رعشہ طاری تھا اور وہ کانپ رہے تھے۔زبان ان کی چل نہ رہی تھی میں نے انہیں اِدھر اُدھر کی باتوں میں لگا کے یہ کوشش کی کہ وہ اپنے نفس پر قابو پالیں۔ وہ اپنی بیوی اور بچی کا نام رکھوانا چاہتے تھے۔ بیوی کا نام میں نے محمودہ رکھا اور بچی کا نام میں نے ''نصرت جہاں'' رکھا۔جس سے وہ بہت خوش ہوئے اور میں نے سمجھا کہ اب یہ اپنے قابو میں آ گئے ہیں۔لیکن اس کے بعد پھر ہونٹ ہلنا شروع ہوئے اور صرف اتنا کہا کہ جو دل میں ہے وہ زبان پر نہیں آ سکتا اور بڑی مشکل سے اپنا رونا روکا۔ پھر وہ کھڑے ہوئے میں نے انہیں گلے لگا لیا۔اس کے بعد وہ چلے گئے۔ یہ ان کی حالت تھی!!!

تو ان کے بعض ایسے روحانی اور اخلاقی اور قوت کے ساتھ تعلق رکھنے والے حسن تھے جو دنیا کو نظر نہیں آئے تھے۔ میرے اس سفر سے ان کی وہ چیزیں ابھر آئیں۔ عجیب قوم پیدا ہو گئی ہے۔آپ کے لئے قابل رشک ہے۔ یہاں بھی جو قابل رشک ہیں ہمارے لئے ہمارے بزرگ، ان کے پہلو بہ پہلو وہ کھڑے ہوئے ہیں ہر قسم کی قربانی کرتے ہیں، ہر قسم کی قربانی کے لئے تیار ہیں۔

پھر انگلستان میں کئی ہزار ہمارا احمدی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے، بڑی بھاری اکثریت ایسی ہے۔ جو اُردو بولنے والی ہے۔ میرا یہ مضمون تو انگریزی میں تھا ریسپشن پر۔لیکن جلسہ سالانہ میں مَیں ان سے اُردو میں بات کرنا چاہتا تھا کیونکہ ان میں سے عام طبقہ مزدور پیشہ ہے۔تو علمی زبان میں ان کے لئے سمجھنا مشکل ہے ان میں عورتیں بھی تھیں۔ بہر حال میرا یہ فیصلہ تھا کہ میں اردو میں بات کروں گا اور ۸؍نومبر ۶۵ء کے واقعات سے شروع کروں گا۔ چنانچہ میں بھی جذباتی ہوا ہوا تھا وہ بھی جذباتی ہوئے ہوئے تھے۔ ان کو سارے حالات بتائے گئے۔ ایک نوجوان ایسا تھا جس نے ابھی تک بیعت نہ کی تھی اور پتہ نہیں کیوں؟ واللہ اعلم۔ جب جلسے کے او پر وہاں اجتماعی بیعت

ہوئی تو اس نے بیعت کر لی۔ اگلے دن وہ مجھے ملنے آیا کسی نے کہہ دیا کہ اس نے کل پہلی دفعہ بیعت کی ہے۔ اس نے رونا شروع کر دیا اس کا رونا بند ہی نہ ہوا۔ میں نے اسے گلے سے لگا یا کئی منٹ تک اس کو تھپکی دیتا رہا۔ تب اس نے تھوڑا سا اپنے نفس پر قابو پایا۔

تو اندر کوئی چیز چھپی ہوئی تھی جس کو کسی شیطانی وہم نے دبایا ہوا تھا میرے جانے سے وہ شیطان بھاگ گیا اور اندرونی حسن جو تھا وہ ظاہر ہو گیا۔ اتنا پیار انہوں نے مجھے دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے مجھ سے بھی لیا ہے۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ میری یہ ڈیوٹی ہے اور آپ لوگوں کا احسان ہے۔ میں اپنے فرض کو پورا کرتا ہوں آپ مجھ پر احسان کرتے چلے جاتے ہیں۔ پہلے بھی میں نے کئی دفعہ بتایا ہے وہ تصویر میں مرتے دم تک نہیں بھول سکتا۔ ایک چھوٹا بچہ تھا جو میرے پہلو میں کھڑا تھا جب ہم آرہے تھے۔ تو دعا ہوئی۔ بہت عاجزی اور تضرع سے ہوئی اس کے بعد میں چند منٹ تک سر نیچا کر کے کھڑا رہا اپنی طبیعت پر قابو پانا چاہتا تھا اس کے بعد سر اٹھایا، سلام کیا۔ بعض جو لوگ قریب تھے وہ مجھ سے تحفہ چاہتے تھے۔ انہیں تحفے بھی دیئے۔ جو میری جیب میں تھا نکال کے دیتا چلا گیا۔ کئی منٹ کے بعد اچانک میری نظر پڑی تو ایک بچہ معصوم بارہ تیرہ سال کا رو رہا تھا اور اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے۔

تو یہ محبت میں نہیں پیدا کر سکتا تھا، نہ آپ پیدا کر سکتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کے تصرف سے پیدا ہوتی ہے یہ اس کا بڑا عظیم احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس جماعت کو اپنے فضلوں سے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت خلیفۃ المسیح الاول ؓ (جن کو معترضین نے بڑے دکھ پہنچائے تھے) اور حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی دعاؤں کے نتیجہ میں اتحاد کا ایک ایسا مظاہرہ کرنے کی توفیق دی ہے جو دشمن کو حیرت میں ڈالنے والا اور اس کے حسد کو اور شدید کرنے والا ہے وہ پریشان ہو گئے کہ یہ کیا ہو گیا ہم تو سمجھتے تھے کہ کچھ نہ کچھ فتنہ ضرور پیدا ہو گا۔ لیکن صفر۔ سوائے نفاق کے فتنہ کے جو ہمارے ساتھ ہمیشہ لگا رہے گا۔ جس چیز نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اسلام کو نہیں چھوڑا وہ آج ہمیں کیسے چھوڑ دے گی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کے تو کوئی شخص قوت قدسی کا مالک اور حامل نہیں ہو سکتا۔ آپؐ کے ساتھ بھی منافق لگے ہوئے تھے۔

ہمارے ساتھ بھی لگے ہوئے ہیں لیکن اس استثناء کے علاوہ ساری جماعت متحد ہوگئی ہے ایک معجزہ ہے، جو ہماری تاریخ میں لکھا جائے گا اور دنیا قیامت تک اس پہ رشک کرے گی، یہی میں نے بتایا تھا۔ ان دنوں ہزارہا کی تعداد میں خطوط آتے تھے اور دنیا کے ہر ملک اور ہر گوشہ اور قریباً ہر قوم کے لوگوں کی طرف سے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ خطوط گویا ایک کلاس میں ڈیکٹیٹ کرائے گئے ہیں۔ تین جذبات ہر خط میں پائے جاتے تھے۔ انتہائی صدمہ نمبر ایک۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی وفات پر گویا ایک قیامت آ گئی۔ انتہائی فکر نمبر دو کہ معلوم نہیں جماعت کیا کرے گی کوئی غلطی نہ کر بیٹھے۔ انتہائی شکر کے جذبات اللہ تعالیٰ کے لئے نمبر تین کہ جماعت ایک ہاتھ پر پھر متحد ہوگئی۔ یہ تین جذبات ہر ایک خط میں پائے جاتے تھے۔ خواہ وہ فجی سے لکھا ہوا ہو جنوبی امریکہ سے آنے والا ہو۔ کسی کی زبان انگریزی، کسی کی انڈونیشین، کسی کی جرمن اور کسی کی سویس اور کسی کی سواحیلی۔ بیسیوں زبانوں میں وہ خط تھے اور تین باتیں ہر خط میں پائی جاتی تھیں جس سے یہ نتیجہ نکلا کہ وہ جو ساری دنیا کا استاد ہے۔ اس نے سب کو ڈیکٹیٹ کرایا تھا۔ اللہ!

تو یہ معجزہ بھی ہم نے دیکھا اور وہاں بھی نئے سرے سے ان نئے نئے لوگوں میں گئے اور ان جماعتوں سے میرے پاس خط آتے ہیں پیار کے، شکریہ کے، کہ آپ نے بڑا احسان کیا کہ یہاں آ گئے ہیں۔ جماعت کے اندر ایک بیداری اور ایک روح پیدا ہوگئی ہے۔ جو پیچھے ہٹے ہوئے تھے ذاتی رنجشوں کی بِنا پر یعنی یوں مخلص تھے سب کچھ تھا۔ پیچھے ہٹے ہوئے تھے۔ بعض کے دلوں میں یہ تھا (اور ایک دو آدمی ہی ایسے تھے جو سمجھتے تھے) کہ میں ان سے ناراض ہوں اور ان کو یہ پتہ نہیں تھا یہ علم نہیں تھا کہ میرے دل کی تختی تو ۸ رنومبر کو اللہ تعالیٰ نے صاف کر دی تھی۔ اب ان کو پتہ چلا تو وہ ان کے لئے حیرت کا باعث بھی تھا اور خوشی کا باعث بھی۔ جو کبھی مسجد میں نہیں آتے تھے امام رفیق سے لڑے ہوئے تھے میرے ساتھ گلہ وشکوہ، رات کے دو دو بجے تک مسجد میں بیٹھے رہتے تھے۔ ایک شخص نے خوب لکھا ہے اپنے متعلق (میں اس کا نام بیان کرنا نہیں چاہتا) کہ لوگ کہتے ہیں کہ اس میں بھی ایک انقلاب عظیم پیدا ہو گیا ہے۔ وہ چھ مہینہ سے خود گیا نہیں تھا۔ ان کے ساتھ بھی تھا ان کو پتہ بھی تھا ان کے ساتھ بیٹھتا بھی تھا رات کو، بچوں کو ساتھ

لے کے آتا تھا۔

تو تربیت کے میدان میں بھی اللہ تعالیٰ نے انتہائی احسان کیا ہے اب اس احسان عظیم (اگر مفرد کا لفظ ہی بولا جائے) یا کئی ایک جن میں سے بعض سلسلوں کا نام میں نے لیا ہے اور چند مثالیں دی ہیں بے شمار قسم کے بے شمار گنتی میں احسان اللہ تعالیٰ نے ہم پر کئے ہیں اور کیا کرتا ہے۔ ان دنوں میں تو بہت زیادہ کئے ہیں۔ہم پر اس کے نتیجہ میں بہت سے فرائض عائد ہوتے ہیں۔

پہلا فرض تو یہ ہے۔کہ ہم اپنے اللہ کے حقیقی معنی میں شکر گزار بندے بنیں۔

دوسرا فرض یہ ہے کہ ہم اپنے اللہ پر سچے دل سے توکل رکھنے والے ہوں اور سوائے خدا کے کسی اور کی طرف ہماری نگاہ نہ اٹھے۔ چند مثالیں میں نے دی ہیں سوائے اللہ کے وہاں کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا اور اللہ تعالیٰ نے ہماری مدد کی تو جس نے اپنے عمل سے ثابت کیا کہ میں ہی تمہارے لئے کافی ہوں کسی اور طرف جانے کی ضرورت نہیں۔ اب سارا کچھ دیکھنے کے بعد ہم کس طرف جائیں گے۔ ہماری بڑی بدقسمتی ہوگی اگر ہم اللہ کو چھوڑ کے یا اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک کر کے اس پر یا ان پر توکل شروع کر دیں تو سوائے خدا کے کسی اور کے لئے حمد کے جذبات ہمارے دلوں میں نہیں ہیں اور نہ ہونے چاہئیں اور سوائے خدا کے کسی ہستی پر، کسی وجود پر توکل نہیں کر سکتے نہ کسی شے پر ہم توکل کرتے ہیں دنیا جانتی ہے (اور ہم سے بھی یہ حقیقت چھپی ہوئی نہیں) کہ ہم ایک کمزور جماعت ہیں ہم ایک غریب جماعت ہیں ہم ایک کم علم جماعت ہیں ہم ایک ایسی جماعت ہیں جس کے پاس کوئی سیاسی اقتدار نہیں نہ اس میں دلچسپی رکھتے ہیں ہم وہ جماعت ہیں جس کے پاس بادشاہتیں نہیں اور نہ یہ جماعت بادشاہتوں کو حاصل کر کے کوئی خوشی حاصل کر سکتی ہے کیونکہ وہ ہمیں مل گیا ہے اسی کے فضل سے اور جب وہ (اللہ) مل جائے تو کسی اور چیز کی ضرورت نہیں رہتی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک جگہ فارسی کے شعر میں فرمایا ہے۔ کہ جو تجھ سے پیار کرے اور جسے تو پیار کرے اسے تُو دو جہاں دے دیتا ہے۔ لیکن جو تیرا ہو جائے وہ ان دونوں جہانوں کو کیا کرے اس کے نزدیک یہ بے معنی چیز ہیں۔تو اصل چیز یہ ہے کہ رضاءِ الٰہی فضلِ الٰہی کے نتیجہ میں ہمیں حاصل ہوئی ہے۔ ہمیں ہر چیز قربان کر کے اس رضاءِ الٰہی کو ہاتھ سے

کھو نہ دینا چاہیے۔ اس لئے جو قربانی بھی ہم سے مانگی جائے بشاشت سے ہمیں دینی چاہیے کیونکہ جو ہمیں ملا ہے یہ دنیا اس کی قیمت لگا ہی نہیں سکتی اندازہ بھی نہیں کر سکتی اور جو ہم سے مانگا جارہا ہے وہ چند ٹکے ہیں پھر ہم پر تیسرا یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم اس اتحاد کو جماعت کے اندر قائم رکھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک معجزہ سے یہ اتحاد ہم میں پیدا کیا ہے اور قائم رکھا ہے۔ وہ ہم سے یہی چاہتا ہے کہ ہم منافق کے نفاق کو کامیاب نہ ہونے دیں منافق جو ہے وہ اِدھر کی اُدھر بات نکالتا ہے وہ جھوٹی باتیں کرتا ہے اور منافق کی علامت ہی یہ ہے کہ وہ جھوٹ بولتا ہے اور جس راہ سے بھی فتنہ پیدا کر سکے وہ کرتا ہے۔ ایک ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو جمع کیا ہے جہاں تک اس دل کا تعلق ہے۔ جس کے ساتھ اس ہاتھ کا تعلق ہے۔ دل سمجھتا ہے کہ مجھ میں کوئی طاقت، کوئی علم، کوئی بزرگی، کوئی خوبی، کوئی حسن نہیں لیکن اس کو یہ یقین دلایا گیا ہے کہ جس چیز کی بھی تمہیں ضرورت ہوگی وہ میں مہیا کروں گا۔ کسی کے لینے دینے کی ضرورت نہیں خواہ وہ بادشاہ وقت ہی کیوں نہ ہو اور کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں خواہ وہ ساری دنیا کے انسان ہی کیوں نہ ہوں اور کسی ہستی کے سامنے جھکنے کی ضرورت نہیں خواہ وہ عظیم ترین رفعتوں کی مالک ہی کیوں نہ ہو۔ جب تم میرے ہو گئے تو پھر تمہیں کسی اور چیز کی ضرورت نہیں۔

لیکن منافق آتا ہے اور اس اتحاد (مرکزی نقطہ) پر ضرب لگا کے اسے کمزور کرنا چاہتا ہے وہ ہمیشہ ناکام ہوتا ہے پھر بھی ہمیں ہمیشہ چوکس رہنے کی ضرورت ہے یہ ہماری ذمہ داری ہے ہم نے اس اتحاد کو جماعت میں قائم رکھنا ہے ہر قربانی دے کر اور منافق تو اللہ تعالیٰ نے بڑی حکمتوں کے ساتھ ہمارے ساتھ لگایا ہوا ہے۔ اس کو ہم نے کامیاب نہیں ہونے دینا۔ منافق کی مثال وہ پِن ہے جس کی ایک نوک ہے اس کی ایک نوک آپ کو چبھ سکتی ہے، وہ پن آپ کے اندر داخل نہیں ہو سکتی۔ اگر کوئی شخص اپنے اس بچے کے بستر پر جس نے رات کو امتحان کی تیاری کے لئے پڑھنا ہو ایک پِن اس طرح لگا دے کہ چبھن ہو مگر زخم بھی نہ پڑے کہ اگر یہ کرسی چھوڑ کے لیٹے تو پن اس کو چبھ جائے سونے نہ دے تو اس باپ کو ظالم نہیں کہیں گے بڑا پیار کرنے والا کہیں گے۔ کیونکہ اس نے ہلکی سی تکلیف سے جاگتے رہنے کے سامان بھی پیدا کر دیئے اور جو تکلیف واقع میں پہنچ سکتی تھی

اس سے محفوظ بھی کر لیا۔ کیونکہ ’’پِن پرک‘‘ سے زیادہ اور کوئی سامان نہیں کیا گیا۔ یہ پِن کی وہ نوک ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے پہلو میں رکھی ہوئی ہے چبھتی تو ہے لیکن ہمارے جسم پر زخم نہیں پیدا کرتی نہ کر سکتی ہے جب تک ہم زندہ ہیں۔ جب مر جائیں اور ساری ٹہنیاں خشک ہو جائیں۔تو ایک خشک دوسرے خشک میں فرق نہیں رہتا نہ اس درخت کو کوئی پرواہ ہوتی ہے سارے جو مر گئے۔

ابھی تو ہم نے زندہ رہنا ہے بڑا عرصہ اور ہم نے ساری دنیا میں اسلام کو غالب کرنا ہے اور ساری دنیا کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے فتح کرنا ہے اور ہر دل میں توحید خالص کو قائم کرنا ہے۔ہم نے بڑے کام کرنے ہیں ابھی۔ بڑی ذمہ داریاں ہیں، بڑی قربانیاں اللہ تعالیٰ ہم سے لے گا۔تو اس وقت تک کہ ہم خدا کی نگاہ میں زندہ رہیں یہ پِن کی نوک جو ہے۔ ہمارے جسموں کے ساتھ لگی رہے گی اگر کوئی فرد (جماعت کو نقصان تو نہیں پہنچا سکتا) بیوقوفی سے پن کا زائد حصہ بھی باہر نکال لے اور پھر اپنے جسم کے اندر خود ہی چبھو لے۔تو یہ اس کی بڑی حماقت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اس قسم کی حماقت سے محفوظ رکھے۔

تو ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ ہم چوکس اور بیدار رہیں اور اس اتحاد کو کمزور نہ ہونے دیں جو کہ اللہ تعالیٰ کے فضل نے ہم میں پیدا کیا ہے یہ اتحاد اللہ تعالیٰ کے فضل کا نتیجہ ہے ایک چھوٹی سی جماعت! کس شمار میں ہیں آپ اس دنیا میں!!!! اندازہ کر لیں!! میرا یہی اندازہ ہے Just Three Million بس تیس لاکھ سے کچھ زائد ساری دنیا میں اور دنیا کی آبادی کے لحاظ سے تیس لاکھ حقیقت ہی کیا رکھتے ہیں دنیا آپ کی کیا پرواہ کر سکتی ہے؟؟؟ ایک ایک ملک تیس لاکھ سے زیادہ آدمی اپنی مصلحتوں کی بِنا پر اور بعض دنیوی مقاصد کے حصول کے لئے قربان کر دیتے ہیں، اگر دنیا مل کے آپ کو قربان کر دینا چاہے تو آپ کے وجود کی قربانی کا احساس بھی ان کے دلوں میں پیدا نہیں ہو سکتا۔اسی طرح ہی انسان دنیا میں چلتے پھرتے نظر آئیں گے لیکن خدا نے کہا کہ میں تمہارا خیال رکھتا ہوں اور میں نے تمہیں اپنے لئے چنا ہے تم میرے بنے رہو پھر دیکھو کہ دنیا کس طرح میری قدرتوں کے نظارے کس رنگ میں اور کس طور پر اور کس طریق سے دیکھتی ہے۔ اتنا بڑا افضل

اس جماعت پر ہو اور پھر وہ سستیاں دکھائے ؟؟؟

میں یہ نہیں کہہ رہا کہ آپ سستیاں دکھاتے ہیں لیکن میں یہ ضرور کہوں گا اور اصل میرے مخاطب وہی ہیں کہ جو نسبتاً کمزور ہیں۔ اب نسبتاً کمزور کا برداشت کرنا بھی کم از کم میرے لئے مشکل ہے، جو کچھ مجھے نظر آ رہا ہے، دنیا جس جہت کی طرف حرکت کر رہی ہے، جن مصیبتوں میں انسان گرفتار ہونے والا ہے، جس دوا کی اسے ضرورت پڑنے والی ہے، اس دوا کو مہیا کرنے والے سوائے آپ کے اور کوئی نہیں۔ ساری دنیا کا آپ کو خدا تعالیٰ نے استاد اور امیر بنایا ہے جو فیصلہ ہو چکا ہے اور آپ استاد اور امیر بننے کے لئے تیاری نہ کریں اس بات سے تکلیف ہوتی ہے ہمارا تو ہر بچہ، ہماری تو ہر عورت، ہماری ہر لڑکی، ہمارا ہر مرد، ہمارا ہر نوجوان، ہمارا ہر بوڑھا تیار رہنا چاہیے پتہ نہیں کون زندہ ہوگا جب آواز آئے گی کہ ہر شخص جماعت احمدیہ کا میدان میں آئے اور دنیا کو استادوں کی ضرورت ہے وہ دنیا کے استاد بنیں اس کے لئے آپ کو تیاری کرنی پڑے گی ورنہ قرآن کریم کی زبان میں آپ منافق کہلائیں گے۔ قرآن کریم کہتا ہے۔ ’’لَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً‘‘ (التوبۃ:۴۶) کہ اگر انھوں نے میدانِ عمل میں عملی طور پر جہاد کرنا ہوتا تو وہ اس کے لئے ضرور تیاری کرتے۔

آپ نے جہاد کرنا ہے علمی میدان میں!

آپ نے جہاد کرنا ہے مذہب کے میدان میں!

آپ نے جہاد کرنا ہے۔ آسمانی تائیدات کے میدان میں!

آپ کو علم سیکھنا پڑے گا۔ آپ کو دعاؤں کی مضبوط بنیاد پر اپنی زندگیوں کو کھڑا کرنا پڑے گا تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی نیستی کو دیکھ کر، آپ کے دلوں میں اپنی محبت کو دیکھ کر، آپ کے لئے اپنی معجزانہ قدرت کو ظاہر کرے کہ اس کے بغیر نہ آپ دنیا کے رہبر بن سکتے ہیں نہ اس کے معلم بن سکتے ہیں۔

تو اور بھی ذمہ واریاں ہیں لیکن دیر کافی ہو گئی ہے میں بس کرتا ہوں اس دعا کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ ہم میں سے ہر ایک کو یہ توفیق عطا کرے کہ وہ ان ذمہ واریوں کو سمجھ لے جو اس پر پڑنے والی ہیں خواہ وہ براہِ راست اپنے ربّ سے علم حاصل کریں اور میرے معاون بنیں یا جب میں

ان کو کسی منصوبہ کی طرف کسی امر کی طرف دعوت دوں خدا تعالیٰ کے منشا کے مطابق تو وہ سو فی صدی میرے ساتھ تعاون کرنے والے ہوں تا کہ ہمارا وہ مقصد ہماری زندگیوں میں حاصل ہو جائے، کہ ہم اسلام کو تمام عالم میں غالب دیکھ لیں اپنی ان آنکھوں سے۔ ہمارے دل یہ محسوس کر لیں کہ جس طرح ہمارے دل کی دھڑکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے۔ اسی طرح ہر دل میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پیدا ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ ہماری حقیر کوششوں کو قبول فرمائے اور اللہ تعالیٰ جب تک مجھے زندگی دے، تو توفیق بھی عطا کرے کہ جس قسم کی رہبری کی اور قیادت کی آپ کو ضرورت ہے میں آپ کے لئے اس کے فضل سے اس کے سکھانے پر اس کی منشا کے مطابق وہ قیادت میں آپ کو دیتا چلا جاؤں۔

(از رجسٹر خطباتِ ناصر غیر مطبوعہ)

اللہ تعالیٰ جن لوگوں کو نبوت یا خلافت کے مقام پر فائز کرتا ہے وہ ان سے وعدہ کرتا ہے کہ میں تمہاری مدد کروں گا

خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۲؍ستمبر ۱۹۶۷ء بمقام مری

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

سفرِ یورپ میں اللہ تعالیٰ کے احسانوں کو دیکھ کر ہم پر بہت سی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اور یہ دیکھتے ہوئے کہ وہاں غلبۂ اسلام کے لئے امکانات واضح ہیں ہماری ذمہ داریاں اور بھی بڑھ جاتی ہیں اللہ تعالیٰ نے غلبۂ اسلام کا یہ اہم کام ہمارے سپرد کیا ہے لیکن ہم ہر لحاظ سے کمزور ہیں جہاں تک مادی طاقت کا سوال ہے ہمیں مادی طاقت نہیں دی گئی سیاسی اقتدار بھی ہمارے پاس نہیں نہ ہمیں ضروری سامانوں کی فراوانی حاصل ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے اس اہم مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے ایک ہتھیار ہمارے ہاتھ میں دیا ہے اور وہ ہتھیار دعا ہے اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کو جن سے وہ پیار کرتا ہے اور جنہیں وہ اپنا قرب بخشتا ہے اور ان کمزوروں کو بھی جن پر اللہ تعالیٰ محبت کی نگاہ رکھے قبولیت دعا کا نشان دیتا ہے بعض دفعہ ایک انسان دعا کرتا ہے اور دوسروں سے بھی دعا کراتا ہے مگر وہ ناکامی کا منہ دیکھتا ہے اور آخر وہ خدا کے ایک بندے کے پاس پہنچتا ہے جس کی دعا قبول ہوتی ہے اور پھر وہ اس کے لئے دعا کرتا ہے اور خدا تعالیٰ اسے قبول فرما لیتا ہے۔

جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نبوت یا خلافت کے مقام پر فائز کرتا ہے وہ ان سے وعدہ کرتا ہے کہ میں تمہاری مدد کروں گا اور اپنے وعدے کے مطابق جو وہ سامان اس کی کامیابی اور تمکنتِ دین کے لئے دیتا ہے ان میں سے ایک قبولیت دعا کا بھی ہوتا ہے۔

افریقہ سے مقامی احمدیوں کے قریباً روزانہ ہی خطوط آتے ہیں جو اپنے مقاصد کے لئے دعا کی درخواست کرتے ہیں بڑی بڑی ضروریات کے لئے بھی اور معمولی معمولی تکالیف کے سلسلہ میں بھی۔ افریقہ میں یہ جو لکھنے والے ہیں میں ان کو توجہ دلاتا رہتا ہوں کہ تم خود بھی دعا کرو اور خود اپنی ضروریات کو خدا تعالیٰ کے سامنے پیش کرو، ساتھ ہی میں بھی تمہارے لئے دعا کروں گا۔

قبولیت دعا کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں اپنی محبت، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، اسلام کی محبت، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی محبت، احمدیت کی محبت اور خلافت کی محبت پیدا کرتا ہے حال میں ایک افریقن نوجوان کا خط مجھے ملا ہے کہ قریباً چار ماہ ہوئے میں نے آپ کی خدمت میں لکھا تھا کہ میرے ہاں کوئی بچہ پیدا نہیں ہوتا، دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اولاد عطا فرمائیں، اب آپ کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا ہے اور میرے ہاں بچہ پیدا ہونے والا ہے، دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اسے زندگی دے اور عمر والا ہو۔

لیکن باوجود اس کے کہ بعض بندوں کی دعائیں عام طور پر (اگر وہ سنی جانے کے قابل ہوتی) قبول ہو جاتی ہیں۔ یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ خدا تعالیٰ کا کوئی مقرب بندہ، بندوں کو خدا سے دور نہیں لے جاتا، وہ تو خدا تعالیٰ کے قرب کی راہیں ان پر کھولتا ہے اور ہر دم اس کوشش میں رہتا ہے کہ اس کا ہر بھائی خدا تعالیٰ سے ذاتی تعلقِ محبت کو قائم کر لے اور اللہ تعالیٰ اس کی دعائیں بھی سنے اللہ تعالیٰ کی راہ میں وہ روک بن کے کھڑا نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ سے لوگوں کو بے نیاز نہیں کرتا، وہ ایک بت نہیں بن جاتا، جو یہ کہے کہ خدا تک جانے کی ضرورت نہیں میرے پاس آؤ میں تمہارے لے دعا کروں گا وہ قبول ہو جائے گی اس کے بالکل برعکس وہ ان کے ذہن میں یہ بات پورے زور کے ساتھ ڈالتا ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے بندے سے پیار کرتا ہے وہ اس سے بولتا ہے اور اس کی دعاؤں کو قبول کرتا ہے لیکن بندہ خود اس سے دور ہو جاتا ہے اور اس سے منہ پھیر لیتا ہے اور اس کی

طرف نہیں جھکتا۔

تو خدا تعالیٰ کے بندے لوگوں کو کہتے ہیں کہ تم خدا کو پہچانو اس کی معرفت کو حاصل کرو، اس کی صفات کو اپنے اندر منعکس کرو اور اس کا قرب حاصل کر کے اس سے محبت کا تعلق قائم کرو وہ انہیں خدا سے پھیر کر اپنی طرف متوجہ نہیں کرتے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ خدا تعالیٰ خود ہر ایک بندہ کی دعا کو سن سکتا ہے اور اس کی دعا کو قبول کر سکتا ہے۔

دنیا نہیں جانتی اور احمدی بھی جو اس مسئلہ کو سمجھتے ہیں وقتی طور پر بھول جاتے ہیں ابھی چند روز کی بات ہے راولپنڈی میں ایک ایسے نوجوان سے ملاقات کروائی ایک احمدی دوست نے جو ابھی احمدیت میں شامل نہیں انہوں نے جب مجھے دعا کے لئے کہا تو میں نے انہیں یہی مسئلہ سمجھانے کی کوشش کی کہ تم خود دعائیں کرو اپنے ربّ سے مانگو، میں بھی دعا کروں گا، اللہ تعالیٰ تمہاری تکلیف کو دور کرے اس وقت بعض دوست بیچ میں بول پڑے اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ مسئلہ پھر وہ ٹھیک طرح سمجھ نہیں سکے اس شخص کو جو علم ہی نہیں رکھتا کہ ہمارا ربّ کتنی قدرتوں والا، ہمارا ربّ کتنا پیار کرنے والا اور کتنی دعائیں سننے والا ہے۔ پہلے یہ سمجھانے کی ضرورت تھی اور ویسے تو ساری دنیا میں ایسے لوگ پائے جاتے ہیں، جن کو یہ سمجھانے کی ضرورت ہے کہ تم اپنے ربّ کو پہچانو اور یہ نہ سمجھ لو کہ ہمیں خدا کی طرف جانے کی ضرورت نہیں ہمیں خدا سے مانگنے کی ضرورت نہیں۔ ہمیں اللہ تعالیٰ نے جو احکام دیئے ہیں ان پر عمل کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہمیں ایک بت کی تلاش کی ضرورت ہے جو ہمارے اور خدا کے درمیان واسطہ بن جائے، ہمارے لئے وہ مانگے اور اللہ تعالیٰ سنے، اگر اس راہ کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو پھر بندے کا اللہ تعالیٰ سے تعلق کس طرح پیدا ہوگا۔

تو اللہ تعالیٰ کے جو بندے ہوتے ہیں اور جو عاجزانہ راہوں کو اختیار کرتے ہیں اور عاجزانہ راہوں کا سبق دیتے ہیں وہ بت نہیں بنا کرتے، وہ دوسروں کو خدا کا چہرہ دکھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ تو دعا کے متعلق یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ خود دعا کرنے کی ضرورت نہیں، خود ملک بننے کی ضرورت نہیں، خود قرآن کریم کے نور سے منور ہونے کی ضرورت نہیں۔ خلیفۂ وقت کو جا کے کہو اور دعا قبول کروا لو، ایسے شخص کے لئے خلیفۂ وقت کی دعا بھی قبول نہیں ہو گی رد کر دی جائے گی۔

کیونکہ یہ راہ تو خدا سے دور لے جانے کی راہ ہے خدا کے قرب کی راہ نہیں۔

لیکن خلیفۂ وقت کو اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق یہ مقام ضرور دیا ہے کہ اگر کسی اور کی دعا ردّ ہو جائے اور خدا فضل کرنا چاہے اور پیار کا مظاہرہ کرنا چاہے تو خلیفۂ وقت کی دعا قبول ہو جائے گی باوجود اس کے کہ دوسروں کی وہی دعا ردّ ہو چکی ہے اور اگر خلیفۂ وقت کی دعا اللہ تعالیٰ کسی مصلحت کی بِنا پر رد کر دے اور اپنی منوانا چاہے تو پھر دنیا میں کوئی ایسا شخص آپ کو نہیں ملے گا کہ جو اس کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ سے اپنی بات منوالے۔ لیکن اصولاً دعا کا فلسفہ یہی ہے کہ انسان خدا تعالیٰ کے مقابلہ پر وہ حیثیت بھی نہیں رکھتا جتنی ہمالیہ کے مقابلہ پر ایک چیونٹی۔ اللہ تعالیٰ بہت دفعہ اپنی منوانا چاہتا ہے اور منواتا ہے۔ کوئی ہے دنیا میں جس کا زور اس پر ہو اور کہے کہ میں نے زبردستی منوانا ہے سوائے کسی پاگل کے، کوئی ایسا دعویٰ نہیں کر سکتا، کوئی مجنون شاید اپنے جنون میں یہ دعویٰ کر دے۔ ذرا سی سمجھ والا انسان جو خدا تعالیٰ پر ایمان لاتا ہو نہیں کہہ سکتا کہ دنیا میں کوئی وجود ایسا ہے جو اپنے زور سے اللہ تعالیٰ سے بھی بات منوالے۔ کئی مذہبی پاگل ہوتے ہیں، کئی دنیوی پاگل ہوتے ہیں ایسے پاگل دنیا میں پائے جاتے ہیں لیکن جنون حقیقت میں قابلِ عمل تو نہیں ٹھہر سکتا حقیقت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز زبردستی نہیں لی جاسکتی جب وہ دیتا ہے تو یہ اس کا احسان ہوتا ہے جب وہ سنتا ہے تو یہ اس کا احسان ہوتا ہے۔ جب وہ مانتا ہے اور دوستانہ تعلق کا اظہار کرتا ہے تو یہ اس کا احسان ہوتا ہے بندے میں کوئی خوبی نہیں ہوتی اور کبھی اپنی منواتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نہیں مانتا۔

ہماری اسلامی تاریخ میں کئی ایسے بزرگ جنہوں نے اپنی زندگیاں اپنے ربّ کی راہ میں وقف کی ہوئی تھیں گزرے ہیں کہ سالہا سال تک انہوں نے بعض دعائیں کیں اور ان کو جواب ملتا رہا کہ تمہاری نہیں سنی جائے گی لیکن وہ اپنے مقام کو پہچانتے تھے انہوں نے یہ بھی نہیں کہا کہ جب ہماری سنی نہیں جاتی تو ہم جا کے دنیا کمائیں۔ انہوں نے کہا کہ سنی جاتی ہے یا نہیں سنی جاتی ہمارا مقام یہی ہے کہ ہم اپنے ربّ کی عبادت کرتے رہیں اور اس کی حمد کے ترانے گاتے رہیں اور پھر ایک وقت ایسا بھی آیا (جیسا کہ ایک مشہور قصہ ہے اس کی تفصیل میں میں نہیں جاتا) کہ اللہ تعالیٰ

نے کہا کہ جتنی دعائیں تم نے آج تک کی ہیں سب قبول کی جاتی ہیں۔ جب ردّ کرنے پر آیا تو سالہا سال تک ردّ کرتا چلا گیا اور جب ماننے پہ آیا تو ایک منٹ میں سب مان لیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے احسان، اس کے فضل اور اس کے پیار کا سلوک ہے ورنہ بندے کی اس میں کوئی خوبی، نہ بندے کو اس پر کوئی فخر زیبا ہے تو وہ کبھی اپنے قادر ہونے کا ثبوت دیتا ہے اور دعا کو ردّ کر دیتا ہے، کبھی وہ اپنے علام الغیوب ہونے کا ثبوت دیتا ہے اور وہ بندے کو کہتا ہے کہ جو تم مانگ رہے ہو وہ تمہارے حق میں مفید نہیں، اس لئے میں تمہاری نہیں مانتا اور دل میں سکون پیدا ہو جاتا ہے اور بندہ سمجھتا ہے کہ میرے ربّ نے مجھ پر بڑا ہی احسان کیا ہے کہ اس نے میری بات نہیں مانی کیونکہ اگر وہ میری بات مان لیتا تو مجھے نقصان پہنچ جاتا۔

آپ میں سے جو قبولیت دعا کا تجربہ رکھنے والے ہوں وہ میرے ساتھ اس بات کی گواہی دیں گے کہ بعض دفعہ ایک آدمی دعا کرتا ہے اور وہ قبول ہو جاتی ہے اور بعد میں انسان پچھتاتا ہے کہ یہ دعا کیوں کی عام دعا کرنی چاہیے تھی، خود کوئی مخصوص چیز نہیں مانگنی چاہیے تھی۔ کیونکہ تھوڑا لو، اگر عام دعا کی جاتی تو زیادہ مل جاتا تو بعض دفعہ اللہ تعالیٰ دعا رد کر دیتا ہے اپنے پیار کے اظہار کے لئے، بعض دفعہ اللہ تعالیٰ دعا قبول کر لیتا ہے اس بات کے ثابت کرنے کے لئے کہ تمہیں تو غیب کا علم ہی نہیں ہے غلط باتیں تم مجھ سے مانگ لیتے ہو اور اگر میں مان لوں تو تھوڑا سا فائدہ تمہیں پہنچتا ہے اگر تم مجھ پر چھوڑتے تو پھر تمہیں اس سے زیادہ فائدہ پہنچتا۔ اپنے بندوں سے اللہ تعالیٰ مختلف رنگ میں پیار کا سلوک کرتا ہے اور انہیں سبق دیتا ہے اپنے حسن کے جلوے بھی ان پر ظاہر کرتا ہے اور اپنے احسان کے جلوے بھی ان پر ظاہر کرتا ہے۔

تو بنیادی چیز دعا کے متعلق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے بندہ زبردستی کوئی چیز اس سے لے نہیں سکتا، بہت دفعہ وہ اپنی منوانا چاہتا ہے اور منواتا ہے کیونکہ وہ قادر ہے بہت دفعہ وہ احسان کرتے ہوئے اپنے بندے کی مانتا اور اپنے پیار کا اس سے سلوک کرتا ہے کوئی شخص خود کو اس کے مقربین میں سے بت بنا کے اس کی راہ میں حائل نہیں ہوتا اس کے بندے ''کارے یک... باشد'' کا سلوک بھی مشاہدہ کرتے ہیں۔ (اپنی زندگیوں میں) اور اس کے بندے دعاؤں کے رد ہو

جانے کے بعد بھی اپنے دلوں کو اس کی محبت سے لبریز اور سکون سے پُر پاتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ جو بھی اس نے ہم سے سلوک کیا ہے پیارا سلوک کیا ہے۔ ہم سے غصے کا، یا نفرت کا، یا حقارت کا یا قہر کا سلوک نہیں کیا کیونکہ ان کی زندگیوں میں یہی نظر آتا ہے۔ ساری عمر میں ان کا مشاہدہ یہی ہوتا ہے۔ کچھ اور ہیں جو یا تو اپنے ربّ کو پہچانتے نہیں یا اگر پہچانتے ہیں تو اس کی محبت کے جلووں سے بالکل غافل ہیں اور اپنی زندگیوں میں انہوں نے اس محبت کے جلوے کا کبھی مشاہدہ نہیں کیا۔ ان کو اپنے ربّ کی طرف، اپنے پیدا کرنے والے کی طرف، اپنے محسن کی طرف، اس کی طرف جس سے انسان سب کچھ پاتا اور جس کو چھوڑ کے ہر چیز ضائع کر دیتا ہے لانا ضروری ہے اور اس کو یہ سمجھانا ضروری ہے کہ اگر تم خدا تعالیٰ کا فضل حاصل کرنا چاہتے ہو تو تمہیں مجاہدہ کرنا پڑے گا۔ خود مجاہدہ نہ کرو، خود قربانیاں نہ دو خود ایثار کے نمونے نہ دکھاؤ خود احکام الٰہی کے کاربند نہ بنو اور یہ سمجھ بیٹھو کہ کوئی پیر یا مرشد اور شخص جو ہے فقیر یا مجذوب تمہارے لئے خدا کے پاس جائے گا اور تمہارے لئے اس کی دعا قبول ہو جائے گی، یہ غیر معقول بات ہے اور غیر اسلامی، نہ عقل اسے تسلیم کرتی ہے نہ اسلام نے اس کی تعلیم دی ہے۔ نبی کی دعا اسی کے لئے قبول ہوتی ہے کہ جو خود اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرنے والا ہو اور نبی کے ساتھ یکجائی ہو جائے، اس کا اپنا فکر اور تدبر کوئی نہ رہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت مثلاً صحابہ نے یہ رنگ اختیار کیا وہ چلتے پھرتے، حسب استعداد ایک نمونہ تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ بالکل وہی رنگ، اسی نہج پر سوچنا، اسی راستہ پر خدا کی راہ میں قدم مارنا، کوئی فرق نہیں تھا۔ کیونکہ انہوں نے ''فنا فی الرسول'' کا مقام حاصل کر لیا تھا۔ تب خدا تعالیٰ طفیلی طور پر ان کی دعائیں قبول کر لیتا تھا اور بعض دفعہ اللہ تعالیٰ یہ بتانے کے لئے کہ تمہاری دعائیں جب قبول ہوتی ہیں تو طفیلی طور پر قبول ہوتی ہیں ان کی دعائیں تو رد کر دیتا تھا، لیکن وہی دعا جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ربّ سے مانگتے تھے تو وہ قبول کر لیتا تھا تا کہ ان لوگوں کو پتہ لگے کہ اس پاک اور مقدس وجود کے مقابلہ پر کھڑا نہیں ہونا، کیونکہ تمہیں روحانیت میں جو کچھ ملا ہے وہ طفیلی طور پر ملا ہے۔ ایک حد تک چھوٹے پیمانے پر خلفاء وقت کا بھی یہی حال ہوتا ہے کیونکہ جو کچھ انہوں نے لیا ہوتا ہے وہ اپنے رسول متبوع سے لیا

ہوتا ہے جس کے وہ نائب ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی طفیلی طور پر ان پر اپنا فضل کر رہا ہوتا ہے۔ ہمیں اُمّتِ مسلمہ میں جو کچھ ملتا ہے حقیقت ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ملتا ہے۔ کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آزاد ہو کر کوئی روحانی رتبہ یا مقام حاصل کرے یہ ناممکن ہے۔ ہماری پہلی تاریخ میں ایسا نہ کبھی ہوا نہ آئندہ کبھی ہو سکتا ہے جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کی کسی برکت کی امید رکھتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ پہلے اپنے آپ کو طفیلی بنائے۔ كُلُّ بَرَكَةٍ مِّنْ مُّحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَبَارَكَ مَنْ عَلَّمَ وَتَعَلَّمَ۔ کہ برکت کا منبع انسان کے لئے اس دنیا میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے آپؐ کو چھوڑ کے کچھ حاصل نہیں کیا جا سکتا خواہ کوئی ایک عام مسلمان ہو خواہ کوئی ولی اللہ ہو خواہ وہ مجدد ہو خواہ کوئی ظلی نبی ہو خواہ کوئی اس نبی کا خلیفہ ہو، خلیفۂ وقت کو بھی جو کچھ ملتا ہے وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں، آپؐ کے ظل کی حیثیت سے آپؐ کے سلسلہ کے ایک نائب کی حیثیت سے ملتا ہے، آزادانہ طور پر کچھ بھی نہیں ملتا۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دنیا کو خدا کی طرف بلایا تھا اور کوئی ایسی بات نہ کی تھی، نہ دعا کے میدان میں نہ کسی اور میدان میں جو دنیا کو خدا سے دور لے جانے والی ہو تو جن کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اور آپؐ کے ظل کی حیثیت سے مل رہا ہے وہ کس طرح اس مقام کو حاصل کر سکتے ہیں یا اس مقام کو اپنا سکتے ہیں کہ وہ بندے اور خدا کے درمیان حائل ہو جائیں۔

تو یہ نکتہ میں دراصل اس نوجوان کو سمجھانا چاہتا تھا جو ابھی احمدیت میں داخل نہیں ہوا کہ یہ نہ سمجھو کہ میں بڑا آدمی یا انسان ہوں یا کوئی اور بندہ دنیا میں ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ تم تو خدا سے دور بھاگو اور تمہارے لئے وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اور نعمتوں کی جھولیاں بھر کے لائے اور تمہاری گود میں ڈال دے، پھر لوگوں کو خدا کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہی باقی نہ رہے گی، پھر تو وہ دنیا کی عیش میں یا دنیا کے دھندوں میں مبتلا رہیں گے اور مطمئن بھی ہوں گے کہ جب ضرورت پڑی فلاں واسطہ ہے ہم اپنا مطلب اس کے ذریعہ حاصل کر لیں گے۔

یہ واسطے اسلام نے ہمیں نہیں بتائے نہ اسلام انہیں صحیح اور درست سمجھتا ہے ہر ایک کو

اپنی اپنی استعداد کے مطابق مجاہدہ اور تدبیر کو اپنی انتہا تک پہنچانا لازمی ہے اور بہت دفعہ جب ایک انسان اپنی استطاعت کے مطابق اپنے مجاہدہ کو انتہاء تک پہنچا دیتا ہے تب بھی وہ ناکامی کا منہ دیکھتا ہے تب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کے ذریعہ احسان کرتے ہوئے، دعا کو قبول کرتا اور کامیابی کا راستہ اسے دکھا دیتا ہے تا یہ بندہ اپنے ربّ کو پہچانے۔ یہ خیال کرنا کہ تدبیر اور مجاہدہ اور قربانیاں اور ایثار تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں دکھایا نہ جائے، لیکن کسی کے ذریعہ سے جو چاہا حاصل کر لیا یہ بھی درست نہیں ہے۔

ایک تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ایسے ناچیز بندے کو (جیسا میں ہوں) جب ایک مقام پر فائز کرتا ہے تو اسے سمجھ بھی دیتا ہے کہ بات کرنے والے کی سمجھ کے مطابق اور عقل کے مطابق اس کو مسئلہ سمجھائے ایسے موقع پر کسی اور کا بیچ میں بول پڑنا اس بیچارے کے لئے مشکلات پیدا کر سکتا ہے اور اصل مقصد فوت ہو جاتا ہے ایسے موقع پر آرام سے بات سننی چاہیے اور بیچ میں بولنا نہیں چاہیے۔ باقی اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ دعا کا مسئلہ میرے لئے کوئی چھپا ہوا تو نہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسے بیان کیا، قرآن کریم نے بڑا کھول کر اس کو بیان کیا۔ مثلاً ایک دوست نے بیچ میں کہہ دیا وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ (المؤمن:۵۱) اور بالکل بے موقع اس آیت کو پڑھ دیا۔ ان کو میں نے کہا کہ اس آیت کے ایک معنی یہ ہیں کہ کافر کی دعا جو اللہ تعالیٰ کے سلسلہ کے خلاف کی گئی ہے وہ رد کر دی جاتی ہے اور رائیگاں جاتی ہے اور اس کے ایک اور معنی بھی ہیں کہ جس وقت کافر کو سزا دی جا رہی ہوگی اس وقت اس سزا سے نجات حاصل کرنے کے لئے جو دعا وہ کرتا ہے وہ رائیگاں جاتی ہے، کیونکہ توبہ کا جو وقت تھا وہ اس نے کھو دیا اور توبہ کا وقت کھو چکنے کے بعد جزا کے میدان میں جو کچھ اس نے کیا تھا، وہ ساری چیز اس کے سامنے آ گئی۔ اس وقت ایمان بالغیب کا تو کوئی پہلو رہتا نہیں اور ایسے موقع پر توبہ قبول نہیں ہوا کرتی (اسے قرآن کریم نے بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے۔) اس وقت وہ چاہے کتنی دعائیں کرے رد کر دی جائیں گی کیونکہ یہ بے وقت دعائیں ہیں اس نے یہ ہنر سمجھا ہوتا کہ اپنے وقت اور موقع پر اس کے مطابق شرائط کو پورا کرتے ہوئے جو دعا کی جاتی ہے وہ قبول ہوتی ہے ایسے کافر کا حال تو یہی ہے نا!! جیسے ایک لڑکا جس نے ایف۔اے کا

امتحان دیا تھا اور وہ فیل ہو گیا جب نتیجہ نکل آیا تو پھر اس نے دعا کرنی شروع کی کہ اے اللہ! مجھے اس امتحان میں پاس کر دے جس میں فیل ہو چکا ہوں، تو ایسی دعا کیسے قبول ہو گی؟؟؟ بے وقت کی دعا ہے یعنی وہ تو اس کی سزا کا وقت شروع ہو گیا ہے نا!!! شرمندگی کی سزا، ایک سال اور ضائع کرنے کی سزا، اگر اس نے پڑھنا ہے۔ تو ساتھ اس کے ماں باپ کو سزا کہ اس پر خرچ کرو تو ایسے موقع پر دعا نہیں قبول ہوا کرتی نہ ہو سکتی ہے۔ نہ اس دنیا میں ہماری عقل کہتی ہے مضحکہ خیز بات ہے ایسی دعا قبول نہ ہو گی اور اس دنیا کے متعلق بالکل بے معنی چیز ہے۔ چونکہ وہ دنیا ہماری نظروں کے سامنے نہیں۔ بعض دفعہ ہماری عقل میں وہ بات آتی بھی نہیں۔ لیکن بات وہی ہے کہ جب ایک واقعہ ہو گیا اور اس کے جو بدنتائج تھے ان کے بھگتنے کا زمانہ آ گیا، اس وقت اگر دعا کی جائے کہ اے اللہ مجھے پاس کر دے اور بدنتائج نہ بھگتوں تو یہ غیر معقول دعا، رد کی جانے کے قابل دعا اور رد ہو جانے والی دعا ہے، ایسی دعا نہیں قبول ہوتی۔ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ پھر ایک کافر کی یہ دعا کہ ایک مومن بندے کے مجاہدہ کا اچھا نتیجہ نہ نکلے وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے ایک سلسلہ کو قائم کرے اور ایک تحریک کو جاری کرے اور پھر جو اس پر ایمان نہ لائیں اور اللہ تعالیٰ کی معرفت اور عرفان نہ رکھتے ہوں، وہ یہ تدبیر بھی کریں اور دعا بھی کریں کہ وہ سلسلہ کامیاب نہ ہو اور مومنوں کے مجاہدات اور قربانیوں کے وہ اچھے نتائج نہ نکلیں جو عام طور پر اللہ تعالیٰ نکالا کرتا ہے ایسی دعا کو وہ نہیں سنتا بلکہ ایسی دعا کے متعلق فرماتا ہے کہ پرے رکھو، یہ میرے بندے ہیں اور میری راہ میں کوشاں ہیں میں ان کی کوششوں اور مجاہدات کا بہترین نتیجہ نکالوں گا اور ان کو بہترین جزا دوں گا۔ تم اگر دعائیں کرتے ہوئے اپنی ناک بھی رگڑ لو تو کوئی فائدہ نہیں ہو گا یہ ہے مطلب وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ لیکن وہ شخص جو اپنے خدا کو پہچانتا نہیں جب ان کو کہا جاتا ہے کہ اپنے ربّ کو پہچانو، خود مجاہدہ کرو خود دعا کرو جس حد تک تم دعا کے فلسفہ کو سمجھ سکتے ہو۔ جس حد تک تم دعا کی شرائط کو سمجھ سکتے ہو ان کے مطابق تم دعائیں کرو میں بھی تمہارے ساتھ دعا کروں گا۔ خدا کرے کہ تمہارے اس ادھورے مجاہدہ اور کوشش کے ساتھ جب میری دعا شامل ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اسے قبول کرے اپنے فضل سے نہ اس لئے کہ اس پر

ہمارا کوئی حق ہے انسان کا کوئی حق اپنے ربّ پر نہیں اور ہمارے ربّ کے سب حقوق ہم پر ہیں ان کو پہچاننا چاہیے اور دعا اپنی شرائط کے ساتھ کرنی چاہیے اور دعا جو ہے اس کے فلسفہ کو سمجھنا چاہیے اور دعا کرتے وقت اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر قادر سمجھنا چاہیے۔ جو شخص خدا کو قادر نہیں سمجھتا اس کی دعا کیسے قبول ہوگی، کیونکہ وہ اپنی دعا میں اس ہستی کو مخاطب نہیں کر رہا جس کو ہم اللہ کہتے ہیں، جس کو اسلام نے پیش کیا ہے اس میں نہ کوئی کمزوری ہے اور نہ کوئی نقص ہے۔

میں نے ایک واقعہ پہلے بھی بتایا ہے ہمارے ایک یا دو احمدی تھے وہ غلط طور پر قتل کے کیس میں ملوث ہو گئے میں نے تسلی کر لی تھی کہ وہ قاتل نہیں، لیکن ہماری دنیا میں گواہوں پر فیصلے ہوتے ہیں ان کا نام مخالفوں نے رکھ دیا اور سیشن جج نے انہیں پھانسی کی سزا بھی دے دی، پھر ہائی کورٹ میں پھانسی کی سزا، پھر سپریم کورٹ میں پھانسی کی سزا قائم رہی۔ ان کے رشتہ داروں نے اس موقع پر کہ سپریم کورٹ نے بھی پھانسی کی سزا کو قائم رکھا تھا اور انہوں نے رحم کی اپیل کی تھی۔ مجھے خط لکھا اور اس میں لکھا کہ اس مقدمہ کا یہ پس منظر ہے اور بڑا ہی مشکل بلکہ ناممکن ہے کہ ان حالات میں رحم کی اپیل منظور ہو جائے، لیکن ہم چاہتے ہیں کہ آپ دعا کریں اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو قبول ہو جائے، انہوں نے اس کے اس طرح خطرناک حالات لکھے کہ قریب تھا کہ میری قلم یہ فقرہ لکھ جائے کہ اللہ کی جو رضا ہو اس پر راضی رہنا۔ یکدم پیچھے سے ایک غیبی طاقت نے مجھے اپنے تصرف میں لے لیا اور میں اس سوچ میں پڑ گیا کہ کیا میں ایک احمدی کو یہ سبق دوں کہ اس قسم کے مایوسی اور ناامیدی کے حالات میں ہمارے ربّ کے پاس طاقت اور قدرت باقی نہیں رہتی اور میرے قلم سے جو فقرہ نکلنے لگا تھا اس کی بجائے میں نے یوں لکھا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی بات انہونی نہیں ہے اس واسطے مایوس نہیں ہونا چاہیے، چندروز کے بعد ان کی اپیل منظور کر لی گئی اور وہ بری کر دیئے گئے۔ اس کا اس دوست پر اتنا اثر تھا کہ انہوں نے مجھے خط لکھا کہ میں اپنے غیر احمدی رشتہ داروں کو آپ کا وہ خط دکھاتا رہتا ہوں کہ یہ دیکھو اس طرح دعائیں قبول ہوتی ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔

پس اللہ تعالیٰ کو قادر جاننا چاہیے کُنْ آخری سانس تک، مثلاً اس میں طاقت ہے کہ سارے ڈاکٹر کہہ دیں کہ یہ مریض مر جائے گا اور اس کا حکم آ جائے تو وہ شخص زندہ رہے گا۔ میں نے اپنی خلافت

کے چھوٹے سے زمانہ میں کئی ایسی مثالیں دیکھی ہیں کہ ڈاکٹروں کی متفقہ رائے تھی کہ فلاں مریض مرجائے گا مگر اللہ تعالیٰ نے فضل کیا اور وہ بچ گیا۔

سات سات بچیاں ہوئی ہیں بچہ نہیں ہورہا اب عام حالات میں کہیں گے کہ شاید میاں بیوی کے جسمانی اعضاء ہی کچھ اس قسم کے ہیں کہ لڑکی ہوگی اور وہ مایوسی کے عالم میں ہیں اور چھ سات بچے تو ویسے ہی ماں کے لئے پیدا کرنا اور ان کو پالنا بڑی کوفت کا کام ہے بڑی قربانی کا کام ہے لیکن پھر بھی ان کی خواہش ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی جاتی ہے تو لڑکا پیدا ہوجاتا ہے، یہاں بھی اور افریقہ میں بھی بعض ایسی مثالیں ہیں کہ دعا کروائی اور لڑکا ہوگیا، اس لئے نہیں کہ دعا کرنے والے میں کوئی خوبی تھی بلکہ اس لئے کہ جس سے مانگا گیا تھا اس میں ساری قدرت اور طاقت تھی۔

تو اللہ تعالیٰ کو قادر مطلق سمجھنا چاہیے کسی وقت بھی یہ خیال نہیں آنا چاہیے کہ کوئی چیز اس کی طاقت سے پرے ہے کونسی چیز ہے جو خدا کی طاقت میں نہیں ہے؟؟؟ تو دعا کرتے وقت اس کی طاقت کو پہچاننا چاہیے اور ہر چھوٹی اور بڑی چیز میں اپنے کو اس کا محتاج سمجھنا چاہیے دعا کے لئے بڑی ضروری شرط ہے یہ!!! اسی واسطے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بوٹ کا ایک تسمہ اگر چاہیے تو یہ نہ سمجھنا کہ بوٹ کا تسمہ ایک چھوٹی سی چیز ہے ہم خود لے لیں گے بلکہ اس کے لئے بھی تم دعا کرو، کیونکہ اگر خدا تعالیٰ اپنا فضل نہ کرے تو تم بوٹ کا تسمہ بھی حاصل نہیں کرسکتے اپنی طاقت اور زور اور کوشش سے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک شخص کو تسمہ چاہیے بازار جائے تو راستہ میں کسی موٹر کے نیچے آ کر مرجائے ختم ہونے والی چیز ہے۔

تو ہر وقت خود کو اللہ تعالیٰ کا محتاج سمجھنا چاہیے چھوٹی سے چھوٹی چیز کے لئے بھی ہمیں اس کی مدد کی ضرورت ہے اور بڑی سے بڑی چیز کے لئے بھی ہمیں مدد کی ضرورت ہے۔ ہمارے لئے کوئی چیز بڑی ہے کوئی چھوٹی ہے مگر اس کے لئے ہر چیز ہی آسان ہے اس کے لئے تو چھوٹی بڑی کوئی چیز نہیں نہ!!! جب وہ دینے پر آئے تو ہمالیہ جیسی نعمتیں دے دے اس کے خزانہ میں کوئی فرق نہیں پڑتا جب وہ نہ ماننے پہ آئے تو کہہ دے کہ جوتی کا تسمہ بھی نہیں دوں گا اس کی شان ہے جو چاہے کرے۔

تو اس کی قدرتوں پر یقین کامل اور اپنی احتیاج کا احساس کامل ہونا چاہیے اور یہ یقین ہونا

چاہیے کہ یہ ضروری نہیں کہ اگر دعا رد ہو جائے تو اس سے ہمیں نقصان پہنچے گا، کیونکہ بہت سی دعائیں غلط طور پر مانگی جاتی ہیں ان کا قبول ہوجانا تکلیف دہ ثابت ہوسکتا ہے اوران کا رد کیا جانا کوئی تکلیف نہیں دیتا، بلکہ اس شخص کے لئے مفید ہوگا۔

توان ساری باتوں کو دعا کے متعلق ذہن نشین رکھنا چاہیے اور ہر احمدی کو اس بات پر یقینِ کامل رکھنا چاہیے کہ ہم بڑے کمزور ہیں ہم بڑے غریب ہیں، ہمیں کوئی اثر ورسوخ اور سیاسی اقتدار حاصل نہیں اور دنیا میں غلبۂ اسلام کی ذمہ داری ہمارے کندھوں پر ڈالی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ کے باوجود کہ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (البقرۃ:۲۸۷) وہ کون سی وسعت ہے جو اس نے ہمیں دی ہے؟؟ وہ دعا کی وسعت ہے اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو روک لیا کہا کہ ہم تمہیں نہیں دیں گے اور کہا کہ یہ کام تمہارے سپرد کرتے ہیں، نکلو دنیا میں اور یہ کام پورا کرو، دنیا اس کام کو اَن ہونا سمجھتی ہے اور اَن ہونا یقین کرتی ہے (اپنی حماقت کے نتیجہ میں) لیکن اللہ تعالیٰ نے جس کا یہ وعدہ ہے کہ میں تمہارے ذمہ کوئی چیز نہیں لگاؤں گا جو تمہاری طاقت میں نہ ہو، یہ کام ہمارے ذمہ لگا دیا تو ہمیں سوچنا چاہیے کیونکہ اس نے ہمیں عقل دی ہے کہ اس نے ہمیں کیا چیز دی ہے، کون سا ہتھیار ہے، جس کے ذریعہ ہم غالب آسکتے ہیں؟؟ وہ ہتھیار دعا کا ہے۔ اس نے مادی طاقتیں ہم سے لے لیں اور اپنا پیار اور دعا ہمارے ہاتھ میں پکڑا دی اور کہا کہ میں تم سے پیار کرتا ہوں تمہاری دعاؤں کو سنوں گا، کسی اور چیز کی تمہیں ضرورت نہیں ہے جاؤ اور دنیا پر اسلام کو غالب کرو، میں تمہارے ساتھ ہوں، گھبراؤ نہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں سچا اور حقیقی احمدی بننے کی توفیق عطا کرے اور جو علوم ہمیں سکھائے گئے ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ وہ ہمارے ذہن میں ہمیشہ حاضر رہیں اور ہماری نسلوں میں وہ ہمیشہ محفوظ رہتے چلے جائیں اور اللہ تعالیٰ ہماری کمزوریوں پر مغفرت کی چادر ڈالے اور محبت اور پیار کا سلوک جو وہ آج تک ہم سے کرتا چلا آیا ہے آئندہ بھی اس کا اسی محبت اور پیار کا سلوک ہمارے ساتھ رہے۔

(از رجسٹر خطباتِ ناصر غیر مطبوعہ)

یہ احساس ہمیشہ زندہ اور بیدار رکھو کہ ہمارے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے غلبۂ اسلام کی عظیم الشان مہم جاری کی ہے

خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۹ ؍ستمبر ۱۹۶۷ء بمقام گلڈنہ۔ مری

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

جماعت میں یہ احساس زندہ اور بیدار رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرما کے اور سلسلہ عالیہ احمدیہ کے قیام سے توحیدِ خالص کے قیام اور غلبۂ اسلام کی ایک عظیم مہم جاری کی ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ وہ اس زمانہ میں اسلام کو تمام ادیانِ باطلہ پر غالب کرے گا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوئے تلے دنیا کی ہر قوم کی گردن کو لے آئے گا۔

اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ بھی ہے کہ مخالف کی تدبیریں اگر اس حد تک بھی پہنچ جائیں کہ ان کے نتیجہ میں پہاڑ اپنی جگہوں سے ہلا دیئے جائیں تب بھی وہ کامیاب نہیں ہوں گے بلکہ ناکام ہی رہیں گے۔ کامیابی اللہ تعالیٰ کی اس خادمِ اسلام جماعت کو ہی نصیب ہوگی۔

اس مہم کے اجرا سے جماعت پر بڑی اہم ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اور اس احساس کو زندہ اور بیدار رکھنے کے لئے خدا تعالیٰ کی راہ میں قربانی اور ایثار کا نمونہ ہمیں دکھانا پڑتا ہے اور آئندہ نسلوں میں بھی اس احساس کو بیدار رکھنا ضروری ہے کیونکہ جو کام ہمارے سپرد کیا گیا ہے وہ

ایک نسل کا کام نہیں۔ اس وقت بھی ہماری اکثریت تابعین کی ہے یعنی انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا نہیں۔ دیکھنے والے تو بہت تھوڑے رہ گئے ہیں لیکن صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دیکھنے والے کثرت کے ساتھ اس وقت جماعت احمدیہ میں ہیں تو احمدیت کے لحاظ سے آئندہ نسل احمدیت کی تیسری نسل ہے اور ابھی ہم کامیابی کی راہوں پر چل رہے ہیں۔ اپنی منزلِ مقصود تک نہیں پہنچے اور نہیں کہا جا سکتا کہ کب ہم اپنی منزلِ مقصود تک پہنچیں گے۔

میں نے بڑا غور کیا ہے اور میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ہم پر جو دوسری نسل احمدیت کی اس وقت ہے اور ہماری اگلی نسل پر جو اس وقت بچے ہیں۔ ان دونسلوں پر قربانیاں دینے کی انتہائی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کیونکہ ہم ایک ایسے زمانہ میں داخل ہو چکے ہیں جس میں ترقئ اسلام کے لئے جو مہم جاری کی گئی ہے وہ اپنے انتہائی نازک دور میں داخل ہو چکی ہے اور ہمیں اور آنے والی نسل کو انتہائی قربانیاں دینی پڑیں گی تب ہمیں اللہ تعالیٰ وہ عظیم فتوحات عطا کرے گا جس کا اس نے ہم سے وعدہ کیا ہے۔ پس ضروری ہے کہ ہم اپنے بچوں کے دلوں میں بھی اس احساس کو زندہ کریں اور زندہ رکھیں کہ عظیم فتوحات کے دروازے اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے کھول رکھے ہیں اور ان دروازوں میں داخل ہونے کے لئے عظیم قربانیاں انہیں دینی پڑیں گی اور ان سے ہم ایسے کام کرواتے رہیں کہ ان کو ہر آن اور ہر وقت یہ احساس رہے کہ غلبۂ اسلام کی جو مہم اللہ تعالیٰ نے جاری کی ہے اس میں ہمارا بھی حصہ ہے ہم نے بھی کچھ کنٹری بیوٹ کیا ہے ہم نے بھی اس کے لئے کچھ قربانیاں دی ہیں۔ ہم بھی اللہ تعالیٰ کے فضل کے ویسے ہی امیدوار ہیں جیسا کہ ہمارے بڑے ہیں اس کے لئے میں نے علاوہ اور تدابیر کے جو ذہن میں آتی رہیں یا جو پہلے سے ہماری جماعت میں جاری ہیں یہ تحریک کی تھی کہ ہمارے بچے وقف جدید کا مالی بوجھ اٹھائیں اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر جماعت کے سارے بچے اور وہ ماں باپ جن کا ان بچوں سے تعلق ہے اپنی ذمہ داری کو سمجھیں اور اس بات کو اچھی طرح جاننے لگیں کہ جب تک بچے کو عملی تربیت نہیں دی جائے گی اللہ تعالیٰ کی فوج کا وہ سپاہی نہیں بن سکے گا اگر وہ دین کے لئے ابھی سے ان سے قربانیاں لیں تو یہ نسل اللہ تعالیٰ کے فضل سے پوری طرح تربیت یافتہ ہوگی اور جب ان کے کندھوں پر جماعت کے کاموں کا

بوجھ پڑے گا تو وہ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں گے اور ان کو نباہنے کے لئے کوشاں رہیں گے۔

میرے دل میں یہ احساس ہے کہ جماعت نے بحیثیت مجموعی اس کی طرف وہ توجہ نہیں دی جو اس کو دینی چاہیے۔ بڑے نیک نمونے بھی ہیں ہماری جماعت میں۔ ایسے بچے جن کو تحریک نہیں کی گئی اور پھر بھی ان کے دل میں یہ احساس پیدا ہوا کہ ہمارے بڑوں پہ ہی نہیں ہم پر بھی قربانیوں کی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اور وہ قربانیاں دیتے ہیں۔

افریقہ کے ایک بچے کی مثال میں اس وقت دوستوں کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔ افریقہ میں ہمارے ایک احمدی بھائی ہیں لئیق احمد ان کا نام ہے بڑے مخلص دعا گو ہیں اور ہر وقت ان کو یہ احساس رہتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ ہم پر فضل کر رہا ہے ہمیں اپنی راہ میں قربانیاں دینے کی توفیق عطا کرتا ہے۔ ہمارے بچے بھی اس کے فضلوں کے وارث بنیں اور اس کی راہ میں قربانیاں دیں۔ چند دن ہوئے انہوں نے مجھے خط لکھا جو کل ہی مجھے ملا ہے۔ انہوں نے اپنے بچوں سے کہا (ایک بچہ بہت چھوٹا ہے) بڑے بچے جو ہیں ان کو انہوں نے کہا کہ اگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ قصیدہ تم حفظ کر لو (جو نعتیہ قصیدہ ہے

یَا عَیْنَ فَیْضِ اللّٰہِ وَالْعِرْفَانِ
یَسْعٰی اِلَیْکَ الْخَلْقُ کَالظَّمْاٰنِ)

تو میں تمہیں پچاس شلنگ انعام دوں گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ فرمایا ہے کہ جو شخص اس قصیدہ کو زبانی یاد کرے اور دہراتا رہے اللہ تعالیٰ اس کا حافظہ تیز کر دیتا ہے تو بچوں کو یہ قصیدہ حفظ کروانے میں ان کا دنیوی فائدہ بھی ہے کیونکہ بچپن کی عمر حافظہ سے فائدہ اُٹھانے کی عمر ہے۔ جب وہ بڑے ہو جاتے ہیں تو پھر ذہن سے فائدہ اٹھانے کی عمر میں وہ داخل ہو جاتے ہیں بہر حال انہوں نے اپنے بچوں کو ۵۰ شلنگ انعام کا وعدہ دے کر انہیں اس طرف متوجہ کیا اور شوق ان میں پیدا کیا اور انہوں نے یاد کرنا شروع کر دیا۔ بڑے بچے نے سارا قصیدہ حفظ کر لیا تو انہوں نے اسے ۵۰ روپے انعام دیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ میری اور میری بیوی کی یہ خواہش تھی کہ ہم اسے ترغیب دیں کہ جب اسے یہ انعام ملے تو اس کا ایک حصہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں دے اور

ایک حصہ وہ اپنے بھائیوں کو دے تا کہ وہ اس کی خوشی میں شریک ہوں اور ایک حصہ وہ اپنے پر خرچ کرے۔ چنانچہ ان کے والد صاحب اپنے خط میں لکھتے ہیں:۔

’’یہ قصیدہ حفظ کرنے کے دوران میں ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے عزیز کو خوابوں میں سیدالانبیاء حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضور پُرنور ایدکم اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی زیارت کا شرف بخشا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ثُمَّ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔‘‘

پھر وہ لکھتے ہیں:۔

’’عزیز فرید احمد کی امی کا اور میرا خیال تھا کہ انعام دینے سے قبل بچے کو تربیت کے طور پر کسی رنگ میں کبھی ترغیب دلائیں گے کہ اس رقم میں سے کچھ چندہ دے دے اور کچھ حصہ اپنے بھائیوں اور بہن کو دے اور بقیہ رقم اپنے استعمال میں لے آئے لیکن قصیدہ حفظ کرنے سے پہلے ہی ایک دفعہ عزیز نے ہماری تحریک کے بغیر خود اپنا عندیہ یہ ظاہر کر دیا کہ وہ انعام کی ساری رقم حضور انور کی خدمت اقدس میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی جاری کردہ تحریک وقف جدید کے چندہ کے طور پر پیش کر دے گا کیونکہ حضور اقدس ایدکم اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اس عظیم الشان تحریک کی مالی مضبوطی کا کام اپنے بچوں کے سپرد کیا ہے۔ پس عزیز کے منشا کے مطابق میں پچاس شلنگ کا چیک حضور پُرنور کو بھجوا رہا ہوں۔‘‘

اور عزیز فرید احمد اپنے خط میں لکھتا ہے:۔

"Waleed, Amatul-Naseer and I were Promised by our father gifts of sh 50/- each for memorising the Qasida, and I am first to have recieved this gift, Al-Hamdulillah!!!

On my part, I have undertaken to present the whole of this amount to your holiness for the purpose of Waqf-e-Jadid. This is because you have kindly made the children of Ahmadiyyat responsible for the finance of the

Waqf-e-Jadid, and I fully realize that your needs for the spreading of Islam must have priority over my personal needs.

Please, therefore, accept the enclosed cheque for Rs. 50/- and grant me the opportunity of earning swab.

I may assure your holiness that your children, though young, are as willing to serve Islam as the grown-ups."

یہ اس بچے کا خط ہے تو اس قسم کی نہایت حسین مثالیں بھی ہیں جو ہمارے بچوں میں پائی جاتی ہیں لیکن بچے کا ذہن اس قسم کے خیالات کا اظہار صرف اس وقت کر سکتا ہے جب وہ یہ دیکھے کہ اس کے ماحول میں ایسی باتیں ہو رہی ہیں اگر اس کے ماں باپ کو اسلام کی ضرورت کا خیال ہی نہ ہو اگر اس کے ماں باپ اسلام کی ضرورتوں کے متعلق اپنے گھر میں باتیں ہی نہ کرتے ہوں اگر اس کے ماں باپ اس کا تذکرہ گھر میں نہ کرتے ہوں کہ ہمیں اپنی ضرورتیں چھوڑ دینی چاہئیں اور آج اسلام کی ضرورت کو مقدم رکھنا چاہیے اگر یہ نہ ہو گھر کا ماحول تو گھر کے بچوں کی تربیت ایسی ہو ہی نہیں سکتی۔ جیسا کہ آپ نے ابھی سنا کہ کس قسم کی تربیت اس بچے کی ہے۔ چھوٹا بچہ ہے اور وہ اس قسم کا خط نہیں لکھ سکتا دلی جذبات سے، جب تک ایک پاک ماحول میں اس کی تربیت نہ ہوئی ہو۔ یہ احساس کہ میری ضرورتیں اسلام کی ضرورتوں پر قربان ہو جانی چاہئیں اگر ہر بچے کے دل میں پیدا ہو جائے تو ہمیں کل کی فکر نہ رہے۔ ہم اس یقین سے پُر ہو جائیں کہ جب آئندہ کسی وقت ہمارے بچوں کے کندھوں پر جماعت احمدیہ کا بوجھ پڑے گا وہ اسے خوشی اور بشاشت کے ساتھ اور اس بوجھ کا حق ادا کرتے ہوئے اس کو ادا کریں گے۔

اس خطبہ کے ذریعہ میں اپنے تمام بچوں کو جو احمدی گھرانوں سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کے والدین اور گارڈینز (سرپرستوں) کو اس طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ اگر آپ یہ پسند کرتے

ہوں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی رحمتیں آپ پر نازل ہو رہی ہیں اسی طرح آپ کی اولاد اور نسل پر بھی نازل ہوں تو آپ اپنے بچوں کی تربیت کچھ اس رنگ میں کریں کہ ہر ایک کے دل میں یہ احساس زندہ ہو جائے اور ہمیشہ بیدار رہے کہ ایک عظیم مہم اللہ تعالیٰ نے توحید کے قیام اور غلبۂ اسلام کے لئے جاری کی ہے احمدیت کی شکل میں اور اب ہمیں اپنا سب کچھ قربان کر کے اس مہم میں حصہ لینا اور اسے کامیاب کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ان انتہائی فضلوں اور رحمتوں کا وارث بننا ہے جن کا وعدہ اس نے ہم سے کیا ہے۔

دوسرا امر جس کی طرف میں آج جماعت کو توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۔ (ابراھیم: ۳۵)

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ مضمون بیان کیا ہے کہ چاند اور سورج اور عالمین کی دوسری چیزیں ہم نے پیدا کیں اور ان کو تمہاری خدمت میں ہم نے لگا دیا اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس آیت میں یہ فرماتا ہے کہ تم نے اس سے جو کچھ بھی مانگا وہ اس نے تمہیں عطا کیا اور اس سے زیادہ بھی دیا کیونکہ تم نے جو کچھ مانگا وہ محدود تھا لیکن اس نے جو کچھ تمہیں دیا اس کا شمار نہیں۔ حد بندی اس کی نہیں ہو سکتی۔ قیمت اس کی نہیں لگائی جا سکتی اس کی ایک تفسیر تو یہ کی جاتی ہے جو اپنی جگہ درست ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری پیدائش سے قبل ہماری ضرورتوں کو پورا کر کے ہم پر بے شمار احسان کئے ہیں اور ان احسانوں کا بھی ہم اپنی زندگی میں شکر ادا نہیں کر سکتے اور وہ شمار نہیں ہو سکتے اور جو تم نے مانگا کے معنی یہ ہوں گے کہ جو تم نے زبان حال سے مانگا یعنی جس مقصد کے لئے تمہیں پیدا کیا گیا تھا اس مقصد کے حصول کے لئے جس چیز کی بھی تمہیں ضرورت تھی اس کا سامان بغیر تمہارے علم کے اور بغیر تمہارے مانگے کے ہم نے تمہیں عطا کر دیا تھا لیکن اس کے ایک دوسرے معنی یہ بھی صحیح طور پر کئے جا سکتے ہیں کہ جو تم مانگتے ہو وہ بھی ہم دیتے ہیں۔ مگر تمہیں صرف اتنا ہی نہیں دیتے جتنا تم مانگتے ہو بلکہ اس سے کہیں زیادہ دیتے ہیں اور ہمارے فضلوں کا تم شمار نہیں کر سکتے اتنی کثرت سے ہم دیتے ہیں۔ اب دیکھیں میں یورپ کے سفر پر جا رہا تھا میں نے بھی بڑی دعائیں کیں۔ جماعت کو بھی اللہ تعالیٰ نے توفیق دی کہ وہ بہت دعائیں کریں۔ پس ساری

جماعت نے اس سفر سے متعلق اللہ تعالیٰ سے بہت کچھ مانگا۔ یہ مانگا کہ جس غرض کے لئے سفر اختیار کیا جارہا ہے اللہ تعالیٰ اس غرض کو پورا کرے، یہ مانگا کہ ان قوموں پر اتمام حجت ہو جائے اللہ تعالیٰ انہیں توفیق دے کہ ان کے جو ذرائع ان تک بات کو پہنچانے والے ہیں وہ مجھ سے تعاون کریں۔ اخبار ہیں، ریڈیو ہے، ٹیلی ویژن ہے۔ آپس کی گفتگو ہے۔ مجھ سے ملنے کے بعد مثلاً ایک شخص دوسری جگہ جا کے باتیں کرتا ہے وہ بھی ایک ذریعہ ہے میری بات کو بعض اور دوسروں تک پہنچانے کا۔ تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے یہ مانگا کہ جس غرض کے لئے میں گیا ہوں جو اتمام حجت کرنا چاہتا ہوں اللہ تعالیٰ ان قوموں کو اور ان کے نمائندوں کو یہ توفیق عطا کرے کہ جو باتیں اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات سے تعلق رکھنے والی اور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانِ عظیم سے تعلق رکھنے والی اور قرآن کریم کے نور اور اس کے حسن اور اس کی خوبی سے تعلق رکھنے والی ہیں ان کے کانوں تک پہنچانا چاہتا ہوں یہ لوگ میری باتیں ان کے کانوں تک پہنچا دیویں۔ آپ نے یہ بھی مانگا (جَزَاكُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ الْجَزَآءَ) کہ اللہ تعالیٰ مجھے خیریت سے رکھے اور اپنی ذمہ داری کو ادا کرنے کی توفیق عطا کرے اور پھر خیریت سے واپس لے کے آئے۔ ہر آن ہمیں اس کے فضل کی ضرورت ہے اس کے سہارا کے بغیر تو ہم ایک سانس بھی نہیں لے سکتے تو میں آپ کے لئے دعائیں کرتا ہوں آپ میرے لئے دعائیں کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ صحت کے ساتھ زندگی عطا کرے اور توفیق دے کہ اس خدمت کو احسن طور پر بجا لاؤں جو میرے سپرد کی گئی ہے اور آپ وہ کام بجا لائیں جو آپ کے سپرد کیا گیا ہے۔ تو بہت کچھ مانگا جماعت نے اور میں نے۔ گویا ہم سب نے مل کے۔ کیونکہ ہمارا ایک ہی وجود ہے لیکن ہم نے جو مانگا وہ غیر محدود نہیں تھا معدودے چند نیک خواہشات تھیں جن کے پورا ہونے کے لئے دعا کی گئی تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے جیسا کہ اس آیت میں وعدہ کیا ہے آپ کی دعاؤں کو قبول کر کے وہ بھی دیا جو آپ نے اس سے مانگا تھا۔ وَ اٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ جو بھی آپ نے مانگا وہ بھی اس نے دیا اور اس سے بڑھ کر دیا۔

وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اتنا دیا کہ ہم اس کا شمار نہیں کر سکتے۔ بارش کے قطروں کا گن لینا ممکن ہے مگر اللہ تعالیٰ کے فضلوں کا شمار بالکل ممکن نہیں قطعاً ناممکن ہے اور ان دنوں میں تو

اللہ تعالیٰ کے بے حد فضل اور رحمتیں آسمان سے نازل ہو رہی تھیں اتنی کہ ان کا کوئی شمار نہیں۔ ان بے شمار فضلوں کے نتیجے میں ایک تو ہمیں اللہ تعالیٰ کا ہر وقت شکر ادا کرتے رہنا چاہیے کیونکہ خدا تعالیٰ کا وہ بندہ جو اپنے ربّ کے اَرفع اور اعلیٰ مقام نیز اپنے مقام کو جو عاجزی اور نیستی کا مقام ہے پہچانتا ہے وہ ہر وقت اس کے شکر میں محو رہتا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی میں نے یہ بھی سوچا کہ اب جماعت کو اللہ تعالیٰ کے بے شمار فضلوں کی بارش اپنے پر پڑتے دیکھ لینے کے بعد یہ خواہش پیدا ہو گئی ہے کہ اسی کثرت سے اللہ تعالیٰ کے فضل اس پر نازل ہوتے رہیں جس طرح بعض لوگ اپنے جسم کی بناوٹ اور عادت کے نتیجہ میں بہت زیادہ کھاتے ہیں اور بعض ہیں جو اپنے جسم کی بناوٹ اور عادت کے نتیجہ میں بہت کم کھانے والے ہیں تو جو کم کھانے والے ہیں ان کو کم ملے تو انہیں کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ لیکن جس کے جسم کی بناوٹ اور اس کی عادت یہ ہو جائے کہ وہ زیادہ کھائے اس کو اگر آپ پانچ روٹیاں بھی دیں گے تو وہ کہے گا کہ میں تو ابھی بھوکا ہی ہوں میری تو سیری نہیں ہوئی۔ اسی طرح جماعت اب اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کی متواتر اور کثرت سے برسنے والی بارش سے ہی سیر ہو سکتی ہے اور اس روحانی سیری کے حصول کے لئے تمہیں ''شکر'' کو انتہا تک پہنچا دینا چاہیے تا کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے مطابق کہ لَئِنۡ شَكَرۡتُمۡ لَاَزِيۡدَنَّكُمۡ۔(ابراھیم:۸)

تمہارے انتہائی شکر کو دیکھ کے اپنی رحمتوں اور فضلوں کو پہلے کی نسبت بھی زیادہ کثرت کے ساتھ تم پر نازل فرمائے اور رحمتوں کے نزول کے اس نے جو ذرائع ہمیں بتائے ہیں یا ہم پر جو دروازے کھولے ہیں۔ ہم ان کو پہچانیں اور ان سے فائدہ اٹھائیں۔

رحمتوں اور برکتوں کے نزول کا ایک دروازہ جو اس نے ہم پر کھولا ہے وہ جلسہ سالانہ ہے ہمارا۔ جلسہ سالانہ پر اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ بے شمار برکتیں نازل ہوتی ہیں خدا تعالیٰ کی اور بہت سارے گناہ اور غفلتیں اور کوتاہیاں اور کمزوریاں اور نقائص مغفرت کی چادر میں ڈھانپ دیئے جاتے ہیں۔

احمدیوں کا کثرت سے جلسہ پر آنا بھی ایک معجزہ ہے خدا کے مسیح کا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کے عظیم روحانی فرزند کا اور بڑی قربانی ہے جماعت کی، جو اس موقع پر بھی وہ پیش کرتی ہے یہ تو درست ہے کہ ہماری جماعت میں بعض امیر بھی ہیں جن پر جلسہ میں شمولیت کی وجہ سے کوئی مالی بار نہیں پڑتا نہ وہ کوئی تنگی محسوس کرتے ہیں جس طرح وہ گھروں میں خرچ کر رہے ہوتے ہیں اس موقع پر بھی خرچ کرتے ہیں ان کو یہ احساس ہی نہیں ہوتا کہ ہم پہ کوئی بار پڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں بھی اپنی برکتوں اور رحمتوں سے نوازتا ہے۔ لیکن اکثریت ایسے لوگوں کی ہے کہ جو سال بھر جلسہ میں شمولیت کی تیاری کرتے رہتے ہیں پیسہ پیسہ جوڑتے ہیں بعض کھانے کے خرچ میں سے ایک حصہ بچاتے ہیں کپڑے نہیں بناتے بچوں کو ننگے پاؤں پھرنے دیتے ہیں تا کہ ان کے پاس اتنے پیسے جمع ہو جائیں کہ وہ جلسہ میں شریک ہو سکیں اگر آپ اس تفصیل میں جائیں اور آنے والوں کا تفصیلی جائزہ لیں تو حیران ہو جائیں آپ ان کے ایثار اور قربانی کو دیکھ کر۔ کسی اور کے سامنے یہ باتیں رکھیں تو وہ مانے گا نہیں۔ وہ کہے گا یونہی گپیں مار رہے ہو تم۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ پچاس ساٹھ ہزار آدمی جلسہ میں شامل ہونے کی غرض سے اس قسم کی تکالیف سارا سال برداشت کرتا رہا ہو۔

پس جماعت جلسہ میں شمولیت کے لئے بڑی قربانیاں دیتی ہے اور اللہ تعالیٰ جو بڑا ہی فضل کرنے والا اور بڑی رحمت کرنے والا ہے جماعت پر ان دنوں میں بھی اور بعد میں بھی ان قربانیوں کو دیکھ کے لیکن خصوصاً ان دنوں میں بڑی برکت نازل کرتا ہے۔ ان کی دعاؤں کو قبول کرتا ہے۔ مغفرت کی چادر میں ان کو چھپا لیتا ہے۔ اپنے نور کی چادر میں انہیں لپیٹ لیتا ہے جب وہ آتے ہیں تب بھی وہ مخلص احمدی ہوتے ہیں لیکن جب وہ واپس لوٹتے ہیں تو اپنے اخلاص میں پہلے سے بھی کہیں بڑھ کے ہوتے ہیں۔

جلسہ کے موقعہ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے نظارے دیکھتے ہیں۔ ایک دوسرے کے لئے دعائیں کرتے ہیں۔ ایک لاکھ آدمی اجتماعی دعا کر رہا ہو اللہ تعالیٰ کا دروازہ کھٹکھٹا رہا ہو اگر خلوص نیت ہو اگر کبر نہ ہو، اگر نخوت نہ ہو، اگر یہ خیال نہ ہو کہ ہمارا کوئی حق ہے جو ہم نے اپنے ربّ سے لینا ہے بلکہ نہایت عاجزی اور تواضع اور انکسار کے ساتھ دعائیں کی جائیں۔ تو اتنا بڑا مجمع جب دعا

کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے زندہ نشان جلسہ کے ایام میں ہزاروں احمدی دیکھتے ہیں چونکہ یورپ کے سفر کو اللہ تعالیٰ نے اپنی بے انتہا رحمت سے بڑا بابرکت کر دیا اور اللہ تعالیٰ کے بے شمار احسانوں کو ہم نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہے۔ اس لئے ہمارا احساس فقر تیز ہو گیا ہے ہماری احتیاج زیادہ ہو گئی ہے۔ پس ہم تبھی خوش ہو سکتے ہیں کہ ہم سے ایسے کام اللہ تعالیٰ کی توفیق سے سرزد ہوں کہ جن کے نتیجہ میں وہ پہلے سے بھی زیادہ ہم پر رحمتیں کرنے لگے اور وہ جیسا کہ قرآن کریم نے ہمیں بتایا ہے صحیح شکر کے نتیجہ میں ہی ہوتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے حضور شکر کے طور پر مزید قربانی دیں جو پہلے نہیں آ سکتے تھے وہ اس سال جلسہ پر آئیں اور زیادہ سے زیادہ دوست جلسہ سالانہ پر جمع ہوں اس کے لئے ابھی سے تیاری کر لیں۔ اگر پہلے تیاری نہیں کی کسی نے رخصتیں لینی ہوتی ہیں گھر کو سنبھالنے کے لئے انتظام کرنا ہوتا ہے پانچ دس دن کے لئے گھر اکیلا چھوڑنا ہوتا ہے۔ خصوصاً جب اس محلہ کی اکثریت احمدیوں کی ہو اور وہ جا رہے ہوں تو کوئی دوست اپنے گھروں کو بظاہر ''عورۃ'' چھوڑ کر جلسہ میں شمولیت کے لئے آ جاتے ہیں اور اپنے گھروں کو ننگا چھوڑ آتے ہیں۔ منافقوں نے تو کہا تھا کہ ہمارے گھر عورۃ ہیں ہم جہاد میں شامل نہیں ہو سکتے احمدی کہتا ہے کہ منافق کو میرا گھر بھی عورۃ نظر آئے گا کیونکہ ان گھروں پر خدا تعالیٰ کی رحمت اور حفاظت کا نزول اسے نظر نہیں آ رہا اللہ تعالیٰ کے فرشتے اس کو نظر نہیں آ رہے تو تم منافق عورۃ اس کو سمجھو میں اس کو تمہاری زبان میں عورۃ ہی چھوڑ جاتا ہوں کیونکہ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے گھر کی حفاظت کرنے والا ہے اور اکثر اللہ تعالیٰ حفاظت بھی کرتا ہے اور بعض دفعہ امتحان بھی لیتا ہے لیکن مومن کہتا ہے کہ اے خدا! میں اپنے گھر کو اکیلا چھوڑ آیا تیری رضا کے حصول کے لئے اگر تیری رضا کا حصول جلسہ میں شمولیت کی عاجزانہ قربانی اور گھر کے لوٹے جانے کے نتیجہ میں حاصل ہوتا ہے تو میں اس پر بھی خوش ہوں میرا گھر ہزار بار لوٹا جائے تیری رضا ایک لحظہ کے لئے مجھ سے جدا نہ ہو وہ مجھے ہمیشہ حاصل رہے۔

پس میں دوستوں کو اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ وہ جلسہ میں زیادہ سے زیادہ شامل ہوں اس نیت سے بھی اس دفعہ شامل ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے ان فضلوں اور رحمتوں کا شکر بجا لانا

چاہتے ہیں جن کا مشاہدہ ساری جماعت نے میرے سفر یورپ کے دوران کیا اور اس امید اور یقین اور وثوق کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے شکر کو پیش کریں کہ جو حقیقی معنی میں خدا تعالیٰ کے حضور شکر کے سجدے بجالاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے لئے زیادتی کے سامان پیدا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتوں کو ہم نے اپنے اوپر نازل ہوتے دیکھا ہے اور اب ہمیں کثرتِ بارانِ رحمت کا چسکہ پڑ چکا ہے جس کے بغیر ہمارے لئے سیر ہونا ممکن نہیں اس غرض سے کہ بارانِ رحمت کثرت سے ہم پر نازل ہوتی رہے ایثار اور قربانی کی ہر راہ کو ہمیں اختیار کرنا چاہیے۔ ایک راہ بطور شکر کے جلسہ سالانہ میں کثرت سے شمولیت ہے۔ پس احباب جماعت کو چاہیے کہ پہلے سالوں کی نسبت زیادہ تعداد میں وہ جلسہ پر آئیں۔ یہ دعائیں کرتے آئیں کہ پہلے سالوں کی نسبت زیادہ دعاؤں کی اللہ تعالیٰ انہیں توفیق عطا کرے اس امید اور توقع سے آئیں کہ پہلے سالوں کی نسبت اللہ تعالیٰ ان کی دعاؤں کو زیادہ قبول کرے گا اور وہ اپنے ربّ کی رحمتوں کے پہلے سے زیادہ نشان دیکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں واقعی ایسا بنا دے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

(روزنامہ الفضل ربوہ ۱۷؍نومبر ۱۹۶۷ء صفحہ ۲ تا ۶)

بشاشتِ قلبی کے ساتھ محض رضائے الٰہی کی خاطر فضل عمر فاؤنڈیشن میں دل کھول کر حصہ لیں

خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۳؍اکتوبر ۱۹۶۷ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

گذشتہ جمعہ سے قبل بدھ یا جمعرات کو مجھے فلو کا حملہ ہوا تھا جس کی وجہ سے سر درد اور طبیعت میں گھبراہٹ پیدا ہوئی اور گذشتہ جمعہ مَیں یہاں حاضر تو ہوا ثواب کی خاطر لیکن جمعہ پڑھا نہیں سکا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے بیماری بہت حد تک دور ہو چکی ہے لیکن ابھی تک میرے گلے پر کچھ اثر نزلہ کا ہے دوست دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ کامل صحت عطا کرے اور بہترین خدمتِ دین کی توفیق عطا کرتا چلا جائے۔

اس کے علاوہ بعض دوستوں نے منذر خوابیں دیکھی ہیں ہماری پھوپھی جان حضرت نواب امۃ الحفیظ صاحبہ نے کراچی میں کوئی خواب دیکھی وہاں سے انہوں نے مجھے ایک خط لکھا جو بعض وجوہات کی بنا پر یہاں دیر سے ملا صبح ہی میں نے وہ خط پڑھا میں وہ خط دوستوں کو سنا دیتا ہوں تا دعا کی تحریک پیدا ہو حضرت پھوپھی جان صاحبہ لکھتی ہیں کہ

”مجھے صبح سے سخت پریشانی ہے آپ دو بکرے ربوہ جاتے ہی اپنا صدقہ کر دیں اور کچھ کھانا بھی غرباء کو کھلوا دیں۔ نیز اپنی جان کی خاص حفاظت بھی کریں اور بزرگان

سلسلہ کو دعا کی تحریک کر دیں اللہ تعالیٰ آپ کا حافظ و ناصر ہو ہمیشہ اور ہمیں کوئی تکلیف نہ دکھائے''۔ (یہ خط پچھلے ماہ کی ۲۹ تاریخ کا لکھا ہوا ہے)

اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَكِیْلًا (بنی اسرآءیل:۳) اللہ تعالیٰ ہی ہمارا کارساز پروردگار ہمارا محافظ اور ہمیں اپنی امان میں رکھنے والا ہے تدبیر تو کی ہی جاتی ہے صدقہ میں نے دے دیا ہے اور آئندہ بھی دیتا رہوں گا۔ جماعت خاص طور پر دعائیں کرے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور جماعت کو بھی ہر شر اور ہر بلا سے محفوظ رکھے۔

حضرت محترمہ پھوپھی جان کا ایک نواسہ بھی جو عزیزم مرزا نسیم احمد صاحب کا چھوٹا بچہ ہے چند دن سے بیمار ہے کوئی انفیکشن ایسا پیدا ہوا ہے کہ ابھی تک آرام نہیں آ رہا کسی دوائی کا اثر نہیں ہو رہا اس عزیز بچہ کو دو چار روز سے ۱۰۵ تک بخار ہو جاتا ہے تمام دوائیوں کے باوجود۔ دوست اس عزیز کے لئے بھی دعا کریں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان کا ایک چھوٹا سا عزیز ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو بھی شفا دے صحت دے اور خادم دین بنائے۔

اب میں دوستوں کو فضل عمر فاؤنڈیشن کے متعلق بھی کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ فضل عمر فاؤنڈیشن کا اعلان ۱۹۶۵ء کے جلسہ سالانہ میں ہوا تھا اس جلسہ کی ایک تقریر میں مَیں نے یہ کہا تھا کہ

''اس لئے میں دوستوں سے یہ اپیل کرتا ہوں کہ وہ اپنی پہلی تمام مالی قربانیوں پر قائم رہتے ہوئے اور ان میں کسی قسم کی کمی کئے بغیر بشاشت قلبی کے ساتھ محض رضائے الٰہی کی خاطر اس فنڈ میں بھی دل کھول کر حصہ لیں اور دعا بھی کریں کہ اللہ تعالیٰ اس فنڈ کو بابرکت کرے''

اس وقت میں نے یہ اعلان کیا تھا کہ ہمارا اندازہ یہ ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ ۲۵ لاکھ روپیہ سے کہیں زیادہ رقم جمع ہو جائے گی۔ شروع میں ابتدائی انتظامات پر کافی وقت خرچ ہوا اس کے نتیجہ میں مَیں نے بعد میں کسی موقعہ پر (غالباً گزشتہ مجلس مشاورت کے موقعہ پر) یہ اعلان کیا تھا کہ فضل عمر فاؤنڈیشن کا سال جون کے آخر میں ختم ہوگا اور یکم جولائی سے نیا سال شروع ہوگا۔ پس اس سال کی یکم جولائی سے فضل عمر فاؤنڈیشن کا دوسرا سال شروع ہو چکا ہے۔ جون کے آخر تک عملاً اور انتظاماً پہلا سال ہی جاری رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا بڑا ہی فضل ہے کہ اس نے جو خواہش

ہمارے دل میں پیدا کی تھی کہ اس فنڈ کی رقم ۲۵ لاکھ روپے سے کہیں زیادہ ہو جائے گی اس خواہش کو اس نے محض اپنی رحمت سے پورا کر دیا اس وقت تک فضل عمر فاؤنڈیشن کے اندرون پاکستان کے وعدے ۲۷ لاکھ ستر ہزار روپیہ تک پہنچ چکے ہیں اس کے علاوہ بیرون پاکستان کے وعدے ۸ لاکھ ۸۰ ہزار روپے کے ہیں۔ اس طرح کل وعدہ جات ۳۶ لاکھ ۵۰ ہزار روپے تک پہنچ چکے ہیں۔ یعنی ۲۵ لاکھ سے گیارہ لاکھ ۵۰ ہزار روپے زائد۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔

بعض دوستوں کے مشورہ سے اور دعا اور فکر کرنے کے بعد میں نے یہ اعلان کیا تھا کہ ان وعدوں کی وصولی تین سال پر پھیلی ہوئی ہوگی دوست ہر سال ایک تہائی اپنے وعدوں کا ادا کریں اس لحاظ سے جون کے آخر تک بارہ لاکھ اور بیس ہزار کچھ سو کی رقم وصول ہونی چاہیے تھی لیکن اس کے مقابلہ میں جو رقم وصول ہوئی ہے وہ تیرہ لاکھ اٹھاسٹھ ہزار کی ہے۔ یعنی ایک تہائی سے زیادہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔

میں نے بعض تقاریر میں یہ بھی کہا تھا کہ بعض دوست جو دنیا کی نگاہ میں غریب ہیں لیکن ان کے دلوں میں بڑا جذبہ ہے۔ وہ غربت کے باوجود کچھ رقمیں فضل عمر فاؤنڈیشن میں لکھوائیں گے اور تین سال کا انتظار نہیں کریں گے بلکہ کسی نے دس روپے کی رقم لکھوائی کسی نے پچاس اور کسی نے سو اور وہ یہ کہے گا کہ میں رقم فوری طور پر ادا کر دوں تا کہ میرے دماغ میں سے یہ بوجھ اتر جائے کہ میں اللہ تعالیٰ کا مقروض ہوں اور مجھے اپنے وعدہ کو پورا کرنا چاہیے۔ اس لئے پہلے سال میں جیسا کہ میرا اندازہ تھا ایک تہائی سے ایک لاکھ چالیس ہزار روپے زائد جمع ہو گئے ہیں ان میں بہت سی ایسی رقوم بھی شامل ہیں کہ بعض مخلص جذبہ رکھنے والے حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت میں سرشار دل وعدہ لکھوانے پر اپنی غربت کے باوجود مجبور ہوئے اور پھر ادائیگی بھی انہوں نے جلدی کر دی۔ اس کے علاوہ کچھ اور دوست بھی ہو سکتے ہیں کہ باوجود نسبتاً زیادہ مالدار ہونے کے ان کے دل میں یہ شوق پیدا ہوا کہ وہ ایک تہائی سے زیادہ رقم ادا کر دیں۔

جہاں تک وعدوں کا تعلق ہے ہمارا کام قریباً ختم ہو گیا ہے قریباً میں اس لئے کہتا ہوں کہ تھوڑے بہت لوگ تو اندرون ملک میں بھی نئے وعدے لکھوائیں گے مثلاً جو احمدی دوست

پچھلے سال برسر روزگار نہیں ہوئے تھے۔ وہ اگر اس سال برسر روزگار ہو گئے ہیں۔تو ان کے دل میں خواہش پیدا ہوگی کہ ہمیں بھی اس فنڈ میں حصہ لینا چاہیے تو اس قسم کی رقمیں تو وعدوں کی شکل میں بھی ادائیگی کی صورت میں بھی آتی رہیں گی لیکن جہاں تک بحیثیت مجموعی جماعت کا تعلق ہے اندرون پاکستان کے وعدوں کی جو کوشش ہے وہ اب ختم ہوگئی ہے اور اب وصولی کی طرف ہمیں زیادہ توجہ دینی پڑے گی۔

بیرون پاکستان میں بھی ہماری مخلص جماعتیں ہیں اور باوجود اس کے کہ وہ پھیلی ہوئی ہیں اور بعض جگہ چندوں کی وصولی کا طریق بھی ہم سے مختلف ہے مثلاً افریقہ کے بعض ممالک میں جلسہ سالانہ کے موقعہ پر مختلف قبائل کے احمدی مختلف گروہوں میں بیٹھتے ہیں اور مالی قربانی میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔مثلاً اگر ایک قبیلہ نے ۵۰۰ پونڈ کی رقم کا وعدہ لکھوایا یا ادائیگی کی اور دوسرے نے ۶۰۰ پونڈ کا وعدہ لکھوایا، ادائیگی کر دی۔تو پہلے قبیلہ کا سردار کھڑا ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ ہم پیچھے نہیں رہنا چاہتے۔ ہماری طرف سے یہ سات سو پاؤنڈ کی رقم وصول کرلیں۔ یہ ان کا طریق ہے۔اسی طرح وہ اپنے اپنے چندوں کی رقوم کو شائد شرح سے بھی زیادہ ادا کر دیتے ہیں لیکن اس وقت تک ایک حد تک (سارے تو نہیں بعض با شرح چندہ دینے والے بھی ہیں) اَن پڑھ قبائل جو نئے نئے اسلام لائے یا اسلام کی تعلیم کو انہوں نے حاصل کیا۔وہ اس طرح بھی ایک قربانی کی روح کا مظاہرہ کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو غیرت دلاتے ہوئے آگے سے آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں ان لوگوں کو وعدہ لکھوانے کی اتنی عادت نہیں جتنی نقد ادائیگیوں کی ہے۔اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ باوجود اس کے کہ بیرون پاکستان میں وعدے اتنے نہیں ہوئے جتنا میرا اندازہ تھا لیکن خدا اگر چاہے (ہمیں دعا کرنی چاہیے) اور ہم اللہ تعالیٰ سے امید بھی رکھتے ہیں تو تین سال گذرنے پر بیرون پاکستان کی آمد پندرہ لاکھ سے زائد ہو جائے گی۔اس وقت تک بیرون پاکستان کے جو وعدے ہیں وہ آٹھ لاکھ اسی ہزار کے ہیں (جیسا کہ میں نے بتایا ہے) اور جو ان کی وصولی ہے وہ دو لاکھ باسٹھ ہزار کی ہے یعنی ایک تہائی سے کچھ کم ان کی وصولی ہے اور اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ بعض ممالک (مثلاً مغربی افریقہ کے بعض ممالک)

میں کچھ سیاسی پریشانیاں پائی جاتی ہیں ممکن ہے اس کا اثر ہو یا ہمارے مبلغوں نے اس کی طرف پوری توجہ نہ دی ہو وَاللّٰہُ اَعْلَمُ لیکن میں امید رکھتا ہوں کہ ذمہ دار کارکن اس طرف توجہ دیں گے اور عملاً دو سال جو باقی رہ گئے ہیں تین سال میں سے ان دو سالوں میں وہ اتنی وصولی کر دیں گے کہ بیرون پاکستان کی وصولی پندرہ لاکھ روپیہ سے کم نہ رہے بلکہ اس سے زیادہ ہو جائے۔ اس طرح پر چالیس لاکھ کے قریب یا چالیس لاکھ سے اوپر یہ فنڈ بن جائے گا۔ جیسا کہ میں نے بتایا ہے وعدوں کے لئے جدوجہد اور کوشش کا زمانہ ختم ہو گیا۔

وصولی کی طرف ہمیں متوجہ ہونا چاہیے اور کوشش یہ کرنی چاہیے کہ دوسرے سال میں ایک تہائی نہیں بلکہ جو بقیہ رقم ہے اس کا ۵ / ۳ جس کو پنجابی زبان میں پنج دوونجی کہتے ہیں وہ رقم وصول ہو جائے اور تیسرے سال صرف ۵ / ۲ کی وصولی کی کوشش کی ضرورت باقی رہے۔

ہمارا تعلق حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عارضی تعلق نہیں کہ زمانہ اس کو بھلا دے یا آپ کی یاد کو دھندلا کر دے۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے جماعت پر بحیثیت جماعت اور لاکھوں افرادِ جماعت پر بحیثیت افراد اپنے زمانۂ خلافت میں احسان کی بڑی توفیق ملتی رہی ہے ان احسانوں کو جماعت کے دلوں سے زمانہ فراموش نہیں کر سکتا تو جس محبت کے تقاضا سے مجبور ہو کر ہم نے اس فنڈ کو کھولا تھا۔ اس کے لئے وعدے لکھوائے تھے اور یہ وعدہ کیا تھا کہ ہم کم از کم ایک تہائی ہر سال ضرور ادا کرتے چلے جائیں گے۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ اس وعدہ میں کوئی کمزوری واقع نہیں ہوگی اس لئے فضل عمر فاؤنڈیشن کے جو کارکن ہیں انہیں گھبرانے کی ضرورت نہیں کیونکہ محبت کے سرچشمہ سے فضل عمر فاؤنڈیشن کی نہر نکلی ہے اور وہ محبت جس وجہ سے پیدا ہوئی وہ عارضی وجہ نہیں تھی بلکہ اس احسان کی وجہ سے جس کی حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے اپنے اللہ سے توفیق پائی ایک احمدی کے دل کو آپؓ کی یاد سے ایک مستقل تعلق پیدا ہو چکا ہے پس وہ گھبرائیں تو نہ لیکن کوشش ضرور جاری رکھیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہی سکھایا ہے ذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (الذّٰریٰت: ۵۶)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ اگر مومنوں کو یاددہانی کرائی جانے کی ضرورت

محسوس ہوتو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ مومن نہیں ہیں بلکہ جو مومن ہوتا ہے اسی کو ذکر فائدہ پہنچاتا ہے جو مومن نہیں ہوتا اس کو ذکر اور یاددہانی فائدہ نہیں پہنچاتی۔ غرض ایک طرف اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ ذَكِّرْ یاددہانی کراتے چلے جایا کرو دوسری طرف ساتھ ہی یہ اعلان کر دیا کہ ہمارا ذَكِّرْ کہنا مومنوں کے ایمان کی کمزوری کا اعلان نہیں ہے بلکہ ان کے ایمان کی پختگی کا اعلان ہے کیونکہ مومن ہی یاددہانی سے فائدہ اُٹھاتے ہیں جو ایمان کے کمزور اور منافق ہیں ان کو جتنی مرضی ہو آپ یاددہانیاں کراتے چلے جائیں ان کو کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ غرض فضل عمر فاؤنڈیشن کے نظام کو، اس کے کارکنوں کو ذَكِّرْ کے حکم کے ماتحت وصولی کی طرف پوری توجہ دینی چاہیے اور میں جماعت سے یہ توقع اور امید رکھتا ہوں کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو پہچانتے ہیں اور وہ دنیا کو یہ کہنے کا موقع نہیں دیں گے کہ دعویٰ محبت کا تھا مگر عمل اس کے مطابق نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ توفیق دی ہے کہ اوّل تو ہمارے زبانی دعوے ہوتے ہی نہیں لیکن اگر ہمیں کوئی دعویٰ کرنا بھی پڑے تو عمل کے مقابلہ میں بڑے چھوٹے دعوے ہوتے ہیں کیونکہ ہم اپنے مقامِ انکسار اور تواضع کو پہچانتے ہیں اور یہ یقین ہر احمدی کے دل میں ہے کہ جو کچھ توفیق اسے ملتی ہے وہ اس کے رب کی طرف سے ہی ملتی ہے اور وہ جب کوئی قربانی دے رہا ہوتو دوہرے شکر کے جذبات اس کے دل میں ہوتے ہیں ایک اس لئے کہ اس نے مالی یا جانی یا وقتی یا جذباتی قربانی یا عزت کی قربانی خدا کی راہ میں دی اور دوسرے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اوپر بڑا ہی احسان کیا ہے کہ قربانی دینے کی اسے توفیق عطا کی۔ پس جس طرح میرے دل میں کوئی گھبراہٹ نہیں ہے کہ دوسرے سال کی معینہ رقوم وصول ہوں گی یا نہ ہوں گی بلکہ مجھے یقین ہے کہ جو معینہ رقم ہے دوسرے سال کی۔ اس سے زیادہ انشاء اللہ ہمیں وصول ہوگا۔ فضل عمر فاؤنڈیشن کے کارکنوں کو بھی کوئی گھبراہٹ تو نہ ہونی چاہیے لیکن میں فضل عمر فاؤنڈیشن کے نظام کو یہ ضرور کہنا چاہتا ہوں کہ وہ اب وعدوں کے حاصل کرنے کی بجائے رقوم کی وصولی کی طرف زیادہ توجہ دیں کیونکہ ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس فنڈ کی رقم یعنی جو سرمایہ ہے اس کو خرچ نہیں کیا جائے گا بلکہ جن مقاصد کے پیش نظر فضل عمر فاؤنڈیشن کا قیام کیا گیا ہے ان کو پورا کرنے کے لئے جس روپیہ کی ہمیں ضرورت

پڑے گی وہ اس فنڈ کی آمد سے حاصل کیا جائے گا۔ پس جتنا جلد ہمارے پاس سرمایہ جمع ہوگا اتنا ہی زیادہ ہم اس سے نفع حاصل کر سکتے ہیں۔ پچھلے چند مہینوں میں جو تھوڑی سی رقوم کمپنیوں کے حصے لینے پر خرچ کی گئی تھیں اس سے چودہ پندرہ ہزار روپیہ کا نفع خدا تعالیٰ کے فضل سے ہو گیا ہے اور امید ہے کہ اگلے دو چار مہینہ میں اور نفع ہوگا۔

فنڈ کے سرمایہ کو آگے کام پر لگانے کے لئے بڑی احتیاط کی ضرورت ہے اور جو محتاط خرچ ہوں ان کا نفع زیادہ نہیں ہوتا۔ یہ خطرہ مول نہیں لیا جا سکتا کہ پندرہ بیس فیصدی نفع کی امید پر سرمایہ کو خطرہ میں ڈال دیا جائے اس لئے نہایت محتاط طریق سے سرمایہ لگایا جاتا ہے لیکن اس طرح جو نفع ہوتا ہے وہ تین چار فیصدی سے زیادہ نہیں ہوتا۔ پس اس طرح کچھ آمد ہو گئی ہے لیکن کام تو بہت سے کرنے والے ہیں اور ان کاموں پر خرچ کرنا ہے نفع سے اور نفع ہونا ہے سرمایہ سے اور سرمایہ کا ۱/۳ حصہ آپ نے پہلے سال میں دیا ہے۔ آئندہ سال ختم ہونے سے کہیں پہلے اگر سرمایہ زیادہ آجائے تو انشاء اللہ اور اس کے فضل سے زیادہ آمد ہوگی اور جن کاموں کے لئے اس فاؤنڈیشن کو جاری کیا گیا ہے ان پر جلد سے جلد توجہ کی جا سکے گی اور ان کے اچھے نتائج نکلنے شروع ہو جائیں گے۔

آخر میں دوستوں کو پھر دعاؤں کی تحریک کرتا ہوں میں تو اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ یہ دعا کرتا رہتا ہوں کہ وہ ساری جماعت کو دشمن اور حاسد کے ہر شر سے محفوظ رکھے اور اپنے فرشتوں کی پناہ میں رکھے کیونکہ انسان بڑا ہی کمزور ہے پل بھر کا پتہ نہیں ہوتا جب تک اللہ تعالیٰ کی حفاظت نہ ہو جب تک وہ اپنی امان میں کسی کو نہ لے لے اس وقت تک دشمن کا ہر وار کامیاب ہو سکتا ہے لیکن اگر اور جب اللہ تعالیٰ کسی کو اپنی پناہ میں لے لیتا ہے تو معجزانہ طور پر اس وجود کی یا اس جماعت کی حفاظت کی جاتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے بشارتیں دی ہیں کہ اس جماعت کو غلبۂ اسلام کے لئے قائم کیا گیا ہے جس کے یہ معنی بھی ہیں کہ جب تک یہ جماعت اپنے مقصد کو حاصل نہ کر لے اور تمام دنیا میں اسلام کو غالب نہ کر لے اور تمام ادیانِ باطلہ کو اسلام کے دلائل

سے شکست نہ دے لے اس وقت تک یہ جماعت اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور پناہ میں ہے دنیا کی کوئی طاقت یا دنیا کی ساری طاقتیں مل کر بھی جماعت احمدیہ کو مٹا نہیں سکتیں۔ اسلام تو غالب ہو کر رہے گا اور ہم دعا کرتے ہیں اور ہماری انتہائی خواہش ہے کہ جب اسلام دنیا میں غالب آ جائے پھر بھی یہ جماعت اللہ تعالیٰ کی پناہ میں رہے اور قیامت تک شیطان کے حملوں سے یہ محفوظ رہے یہاں تک کہ وہ زمانہ آ جائے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انسان پھر اپنے رب کو بھول جائے گا اور یہ زمین اور اس پر بسنے والے مٹا دیئے جائیں گے اور قیامت آ جائے گی۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ قیامت تک ممتد ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت نے ہی دنیا میں اسلام کو غالب کرنا ہے۔ اب اسلام کا کوئی ایسا سپہ سالار دنیا میں پیدا نہیں ہوگا جو یہ کہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ ختم ہو گیا ہے اور اس کا زمانہ اب شروع ہوا ہے یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات اور آپؑ کی تحریرات اس مسئلہ کے متعلق بڑی واضح ہیں۔ پس جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت نے ہی اسلام کی وہ انتہائی خدمت کرنی ہے اور اسلام کے لئے ان انتہائی قربانیوں کو دینا ہے اور اسلام کی خاطر اس انتہائی جاں نثاری کا نمونہ پیش کرنا ہے جس کے نتیجہ میں اسلام نے اللہ تعالیٰ کے فضل سے دنیا میں غالب آنا ہے تو یہ جماعت بحیثیت جماعت یقیناً اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور اس کی امان میں ہے لیکن ہم میں سے ہر ایک کو اپنے لئے بھی اور جماعت کے لئے بھی یہ دعا کرتے رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ہماری کسی کمزوری یا غفلت یا خود پسندی کی وجہ سے یا کسی حصہ جماعت کو ان کی کسی کمزوری یا غفلت کی وجہ سے اپنی حفاظت اور امان سے باہر نہ نکال دے۔ پس مومن کا کام ہے کہ وہ ہر وقت اپنے رب سے ڈرتا بھی رہے اور اس کی رحمت پر پوری امید بھی رکھے اور اس کی ذات پر کامل توکل بھی رکھے۔

پس میں بھی دعا کرتا ہوں آپ بھی دعا کرتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی حفاظت اور اپنی امان میں رکھے اور جو شر اور ابتلا یا بلا مقدر ہو تو جیسا کہ اس نے وعدہ کیا ہے کہ انذار کی باتیں صدقہ وخیرات اور دعا سے ٹل جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس حد تک صدقہ وخیرات اور اس حد تک

دعا کی توفیق عطا کرے کہ اس کے نتیجہ میں وہ شر اور بلاء ٹل جائے اور ہمیشہ ٹلتا رہے اور ہم اس کی امان میں اس کی رحمت کے سایہ تلے اسلام کا جھنڈا ہاتھ میں لئے آگے سے آگے بڑھتے چلے جائیں اور وہ دن نزدیک تر آ جائے جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دنیا کی تمام قومیں درود بھیجنے لگیں۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۱۸؍ اکتوبر ۱۹۶۷ء صفحہ ۱ تا ۴)

انگلستان، یورپ اور دنیا کی دیگر اقوام کے نام امن کا پیغام اور ایک حرف انتباہ

خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۰؍اکتوبر ۱۹۶۷ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

دوست جانتے ہیں کہ سفرِ یورپ پر جب میں گیا تھا تو لنڈن میں وانڈز ورتھ ہال میں مَیں نے انگریزی میں ایک مضمون پڑھا تھا جس میں انگلستان اور یورپ کے رہنے والوں بلکہ ساری دنیا کی اقوام کو مخاطب کر کے انہیں اس طرف دعوت دی تھی کہ اگر وہ اپنے رب، اپنے خالق کی طرف رجوع نہیں کریں گے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ٹھنڈے سایہ تلے جمع نہ ہوں گے تو ایک نہایت ہی عظیم تباہی ان کے لئے مقدر ہو چکی ہے جو قیامت کا نمونہ ہوگی۔

میرا یہ مضمون تبلیغ کے لحاظ سے بڑا ہی مفید ثابت ہو رہا ہے جو محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے جب ہمارے گورنر جنرل گیمبیا نے یہ مضمون ریویو آف ریلیجنز میں پڑھا تو انہوں نے مزید کاپیوں کی خواہش ظاہر کی کہ وہ اپنے دوستوں کو بھی یہ مضمون پڑھانا چاہتے ہیں۔

کل ہی امام کمال یوسف کا ڈنمارک سے خط آیا ہے کہ افسوس ہے کہ ابھی تک اس مضمون کا ترجمہ ڈینش زبان میں نہیں ہو سکا لیکن ہر اس شخص نے جس کو ہم نے یہ مضمون پڑھایا ہے احمدی تھے یا غیر احمدی یا زیر تبلیغ عیسائی ہر ایک نے یہ مضمون پڑھنے کے بعد اس بات پر زور دیا ہے کہ اس مضمون کا جلد ترجمہ ہونا چاہیے ڈینش زبان میں اور وسیع اشاعت ہونی چاہیے۔

میرے اس پیغام کے نتیجہ میں جماعت احمدیہ پر بھی جس کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی ہے اسلام کے خدا کی حقیقی شناخت کی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانوں کی معرفت کی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مقام کو پہچاننے کی اس پر بھی اس دعوت کے نتیجہ میں ذمہ داریاں پہلے سے بڑھ گئی ہیں کیونکہ جب ہم ان اقوام کو جو دنیوی علوم میں بہت بلندیاں حاصل کر چکی ہیں اسلام کی طرف دعوت دیتے ہیں اور انہیں جھنجھوڑتے ہیں اور انہیں یہ بتاتے ہیں کہ اسلام لے آؤ اسلام کے اللہ کی شناخت کرو اس کی طرف رجوع کرو اس کی محبت اپنے دل میں پیدا کرو تو اگر وہ ہماری بات مان لیں اور کہیں کہ اچھا ہم اسلام کو سمجھنے کے لئے تیار ہیں آؤ اور ہمیں اسلام سمجھاؤ تو اس وقت ہمارے پاس اتنے آدمی مرد وعورت جوان بوڑھے ہونے چاہئیں کہ اس مطالبہ کو پورا کر سکیں۔

اب جب ہم نے جھنجھوڑ کے ان اقوام کو اسلام کی طرف بلایا ہے یہ ذمہ داری ہم پر اور بھی بڑھ گئی۔ تو ذمہ داری کا احساس پیدا کرنے کے لئے آج میں وہی مضمون اُردو میں اپنے دوستوں کو یہاں سنانا چاہتا ہوں کیونکہ مجھ پر اثر یہ ہے کہ بہت سے لکھے پڑھے احمدی بھی باقاعدگی کے ساتھ ہماری جماعت کے رسالوں اور اخبارات کو نہیں پڑھتے جب تک جماعت کے ہر فرد کو یہ علم نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے کس قدر احسان اور کس رنگ میں جماعت پر ہو رہے ہیں اللہ تعالیٰ کا شکر دل میں پیدا نہیں ہو سکتا اور جب تک جماعت کے ہر فرد کو یہ پتہ نہ ہو کہ جماعت کو اللہ تعالیٰ کس طرف لے جا رہا ہے اور جماعت سے کیا کام لینا چاہتا ہے اس وقت تک اس کام کی ادائیگی کی ذمہ داری کا احساس ان کے دل میں پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے یہ احساس پیدا کرنے کے لئے اور یہ بتانے کے لئے کہ میں نے کس رنگ میں اور کن الفاظ میں ان اقوام کو مخاطب کیا ہے۔ اس مضمون کو آپ کے سامنے پڑھنا چاہتا ہوں اس کے مخاطب جیسا کہ میں نے کہا ہے وہ اقوام ہیں جو دہریہ ہیں یا عیسائی ہیں یا لامذہب ہیں میں نے ان اقوام کو مندرجہ ذیل الفاظ میں مخاطب کیا تھا:۔

امن کا پیغام اور ایک حرف انتباہ

تشہد، تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

احمدیہ جماعت کے امام کی حیثیت میں مجھے ایک روحانی مقام پر فائز ہونے کی عزت

حاصل ہے۔ اس حیثیت میں مجھ پر بعض ایسی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں جن کو میں آخری سانس تک نظرانداز نہیں کرسکتا میری ان ذمہ داریوں کا دائرہ تمام بنی نوع انسان تک وسیع ہے اور اس عقدِ اخوت کے اعتبار سے مجھے ہر انسان سے پیار ہے۔

احباب کرام! انسانیت اس وقت ایک خطرناک تباہی کے کنارے پر کھڑی ہے اس سلسلہ میں مَیں آپ کے لئے اور اپنے تمام بھائیوں کے لئے ایک اہم پیغام لایا ہوں موقعہ کی مناسبت کے پیش نظر میں اسے مختصراً بیان کرنے کی کوشش کروں گا۔

میرا یہ پیغام امن صلح اور انسانیت کے لئے امید کا پیغام ہے اور میں امید رکھتا ہوں کہ آپ پورے غور کے ساتھ میری ان مختصر باتوں کو سنیں گے اور پھر ایک غیر متعصب دل اور روشن دماغ کے ساتھ ان پر غور کریں گے۔

میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ ۱۸۳۵ء انسانی تاریخ میں ایک نہایت ہی اہم سال تھا کیونکہ اس سال شمالی ہند کے ایک غیر معروف اور گمنام گاؤں قادیان کے ایک ایسے گھرانہ میں جو ایک وقت تک اس علاقہ کا شاہی گھرانہ رہنے کے باوجود شہزادگی کی سب شان وشوکت کھو بیٹھا تھا ایک ایسے بچے کی پیدائش ہوئی جس کے لئے مقدر تھا کہ وہ نہ صرف روحانی دنیا میں بلکہ مادی دنیا میں بھی ایک انقلابِ عظیم پیدا کرے اس بچے کا نام اس کے والدین نے مرزا غلام احمد رکھا اور بعد میں وہ مرزا غلام احمد قادیانی کے نام سے اور **مسیح** اور **مھدی** کے خدائی القاب سے مشہور ہوا عَلَیْہِ السَّلَامُ۔

مگر قبل اس کے کہ میں اس روحانی اور مادی انقلابِ عظیم پر روشنی ڈالوں میں آپ کی سوانح حیات نہایت مختصر الفاظ میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔

تاریخی تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کی پیدائش ۱۳؍فروری ۱۸۳۵ء میں ہوئی اور جس زمانہ میں آپ پیدا ہوئے وہ زمانہ نہایت جہالت کا زمانہ تھا اور لوگوں کی تعلیم کی طرف بہت کم توجہ تھی یہاں تک کہ اگر کسی کے نام کوئی خط آتا تو اسے پڑھوانے کے لئے اسے بہت محنت اور مشقت برداشت کرنی پڑتی اور بعض دفعہ تو ایسا بھی ہوتا کہ ایک لمبا عرصہ خط پڑھنے والا کوئی نہ ملتا۔

جہالت کے اس زمانہ میں آپ کے والد نے بعض معمولی پڑھے لکھے اساتذہ آپ کی تعلیم پر مقرر کئے۔ جنہوں نے آپ کو قرآن کریم پڑھنا سکھایا مگر وہ اس قابل نہ تھے کہ معارفِ قرآنی اور اسرارِ روحانی کی ابتدائی تعلیم بھی آپ کو دے سکتے اس کے علاوہ ان اساتذہ نے عربی اور فارسی کی ابتدائی تعلیم آپ کو دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کو عربی اور فارسی پڑھنی آ گئی اس سے زیادہ آپ نے اساتذہ سے کوئی تعلیم حاصل نہیں کی سوائے طب کی بعض کتب کے جو آپ نے اپنے والد سے پڑھیں جو اس زمانہ میں ایک مشہور طبیب تھے۔

یہ تھی وہ کل تعلیم جو آپ نے درسی طور پر حاصل کی اس میں شک نہیں کہ آپ کو مطالعہ کا بہت شوق تھا اور آپ اپنے والد صاحب کے کتب خانہ کے مطالعہ میں بہت مشغول رہتے تھے لیکن چونکہ اس زمانہ میں علم کی خاص قدر نہ تھی اور آپ کے والد کی خواہش تھی کہ وہ دنیوی کاموں میں اپنے والد کا ہاتھ بٹائیں اور دنیا کمانے اور دنیا میں عزت کے ساتھ رہنے کا ڈھنگ سیکھیں اس لئے آپ کے والد آپ کو کتب کے مطالعہ سے ہمیشہ روکتے رہتے تھے اور فرماتے تھے کہ زیادہ پڑھنے سے تمہاری صحت پر بُرا اثر پڑے گا۔

ظاہر ہے کہ اس قدر معمولی تعلیم کا مالک وہ عظیم کام ہرگز نہیں کر سکتا تھا جو اللہ تعالیٰ آپ سے لینا چاہتا تھا اس لئے خدا خود آپ کا معلم اور استاد بنا اور خود اس نے آپ کو معارفِ قرآنی اور اسرارِ روحانی اور دنیوی علوم کے بنیادی اصول سکھائے اور اس کے ذہن کو اپنے نور سے منور کیا اور اسے قلم کی بادشاہت اور بیان کا حسن اور شیرینی عطا کی اور اس کے ہاتھ سے بیسیوں بے مثل کتب لکھوائیں اور بیسیوں شیریں تقاریر کروائیں جو علم اور معرفت کے خزانوں سے بھری ہوئی ہیں۔

۱۸۳۵ء کا سال اس قدر اہم اور اس سال پیدا ہونے والا بچہ اس قدر عظیم تھا کہ پہلے نوشتوں میں اس کی پیدائش کی خبر دی گئی تھی اس ضمن میں میں صرف ایک پیشگوئی بتانا چاہتا ہوں اور وہ پیشگوئی حضرت خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے جو آپؐ نے اس مولود کے متعلق قریباً تیرہ صد سال قبل دی تھی اور وہ یہ ہے آپؐ نے فرمایا:۔

اِنَّ لِمَهْدِيِّنَا اٰيَتَيْنِ لَمْ تَكُوْنَا مُنْذُ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَنْكَسِفُ الْقَمَرُ

لِاَوَّلِ لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ وَتَنْكَسِفُ الشَّمْسُ فِي النِّصْفِ مِنْهُ وَلَمْ تَكُوْنَا مُنْذُ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ [۶۳]

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیشگوئی فرمائی تھی کہ اُمّتِ مسلمہ میں بہت سے جھوٹے دعویدار کھڑے ہوں گے جو یہ دعویٰ کریں گے کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق مہدی ہیں حالانکہ وہ مہدی نہ ہوں گے مہدویت کا سچا دعویدار وہ ہوگا جس کی صداقت کے ثبوت کے لئے آسمان دو نشان ظاہر کرے گا یعنی چاند اور سورج اس کی سچائی پر گواہ ٹھہریں گے اس طرح کہ رمضان کے مہینے میں چاند گرہن کی راتوں میں سے پہلی رات یعنی ۱۳/ ماہ رمضان کو چاند گرہن ہوگا اور اسی رمضان میں سورج گرہن ہونے کے درمیانے دن یعنی ۲۸/ رمضان کو سورج گرہن ہوگا مہینوں میں سے ماہ رمضان کی تعیین اور چاند کے لئے پہلی رات کی تعیین اور سورج کے لئے درمیانے دن کی تعیین غیر معمولی تعیین ہے جو انسانی طاقت اور علم اور فہم سے بالا ہے۔

چنانچہ جب وقت آیا تو ایک مدعی نے واقعی ظہور کیا اور دعویٰ کیا کہ میں مہدی ہوں اور اس کے دعویٰ کے ثبوت کے طور پر دونوں نشان یعنی چاند اور سورج گرہن جس طرح کہ پیشگوئی میں بتائے گئے تھے ظہور میں آئے۔ پس یہ ایک غیر معمولی اور معجزانہ پیشگوئی تھی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مہدی کے لئے کی تھی اور جیسا کہ واقعات نے ثابت کیا یہ پیشگوئی اپنے وقوعہ سے قریباً تیرہ صد سال قبل کی گئی تھی یہ پیشگوئی انسانی عقل اور قیافہ اور علم سے بالا ہے۔

پھر یہ پیشگوئی اس طرح پوری ہوئی کہ وہ عظیم بچہ جو ۱۸۳۵ء میں پیدا ہوا تھا اس نے خدا تعالیٰ سے علم پا کر ۱۸۹۱ء میں دنیا میں یہ اعلان کیا کہ وہی موعود مہدی ہے اور اپنے دعویٰ کی صداقت کے ثبوت کے لئے ہزاروں عقلی اور نقلی دلائل اور آسمانی تائیدات اور اپنی پیشگوئیاں جن میں سے بہت سی اس کے زمانہ میں پوری ہو چکی تھیں اور بہت تھیں جن کے پورا ہونے کا وقت ابھی بعد میں آنے والا تھا دنیا کے سامنے پیش کیں مگر وقت کے علماء نے اس کے دعویٰ کو جھٹلایا اور انکار کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی کہ مہدی کے لئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کی معینہ تاریخوں میں چاند اور سورج کا گرہن بطور علامت کے بیان کیا تھا چونکہ اس پیشگوئی کے مطابق چاند اور

سورج کو گرہن نہیں لگا اس سے ثابت ہوا کہ آپ اپنے دعویٰ میں سچے نہیں۔ لیکن وہ قادر و توانا خدا جو اپنے وعدہ کا سچا اور اپنے مخلص عباد کے ساتھ وفا اور پیار کا سلوک کرنے والا ہے اس نے عین اپنے وعدہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق ۱۸۹۴ء کے ماہ رمضان میں معینہ تاریخوں میں چاند اور سورج کو گرہن کی حالت میں کر دیا اور دنیا پر یہ ثابت کر دیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خدا اور ہر دو جہاں کا رب بڑی عظمت اور جلال اور قدرت کا مالک ہے نہ صرف ایک دفعہ بلکہ یہی نشان رمضان ہی کے مہینہ میں اور عین معینہ تاریخوں پر ۱۸۹۵ء میں دوسری دنیا کو دکھایا تا مشرق اور مغرب اور پرانی اور نئی دنیا کے بسنے والے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور قدرت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے روحانی فرزند حضرت مرزا غلام احمدؑ صاحب کی صداقت کے گواہ ٹھہریں۔ پس عظیم ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جس نے اپنے خدا سے علم پا کر یہ معجزانہ پیشگوئی فرمائی اور عظیم ہے آپؐ کا وہ روحانی فرزند جس کے حق میں وہ پوری ہوئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سے حضرت مرزا غلام احمدؑ صاحب کے زمانہ تک اگرچہ کئی پیدا ہوئے جنہوں نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا مگر ان میں سے حضرت مرزا غلام احمدؑ صاحب کے علاوہ کوئی بھی ایسا نہیں تھا جس کی مہدویت کی صداقت پر چاند اور سورج گواہ بنے ہوں یہ ایک بات ہی اس امر کے لئے کافی ہے کہ آپ ٹھنڈے دل اور گہرے فکر سے اس مدعی کے دعویٰ پر غور کریں جس کا پیغام میں آج آپ تک پہنچا رہا ہوں اور جس کی عظمت اور صداقت پر چاند اور سورج بطور گواہ کھڑے ہیں۔ سورج اور چاند کی شہادت تو میں بیان کر چکا اب آئیے زمین کی آواز سنیں وہ کیا کہتی ہے۔ حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعود مہدیٔ معہود علیہ السلام کی بعثت کی وجہ سے اور آپؐ کی صداقت کے ثبوت میں زمین پر ایک حیرت انگیز اور محیر العقول مادی اور روحانی انقلاب ہونا مقدر تھا۔

درحقیقت تمام انقلابات اور تمام تاریخی تغیرات اسی ایک انقلاب کے سلسلہ کی مختلف کڑیاں ہیں جو آپ کے دنیا میں مبعوث ہونے کے ساتھ شروع ہوا تھا اور جو آپ کی صداقت کے ثبوت کے طور پر بطور گواہ کے ہے مزید برآں یہ سب انقلابات اور انسانی تاریخ کے سب اہم موڑ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسیح موعودؑ کی پیشگوئیوں کے مطابق ہیں۔ چند مثالیں میں پیش کرتا ہوں۔

آپؑ کے دعویٰ کے وقت مہذب اور فاتح مغربی طاقتوں کے مقابلہ میں کسی مشرقی طاقت کا کوئی وجود نہ تھا لیکن ۱۹۰۴ء میں آپؑ نے دنیا کو یہ بتایا کہ عنقریب مہذب اور فاتح مغربی طاقتوں کے رقیب کی حیثیت میں دنیا کے افق پر ایسی مشرقی طاقتیں اُبھرنے والی ہیں جن کی طاقت کا لوہا مغربی طاقتوں کو بھی ماننا پڑے گا چنانچہ جلد ہی اس کے بعد جنگ روس و جاپان میں جاپان نے فتح پائی اور وہ ایک مشرقی طاقت کے طور پر اُفق دنیا پر نمودار ہوا۔

پھر دوسری جنگ عظیم میں جب جاپان کو شکست کا سامنا کرنا پڑا تو چین ایک مشرقی طاقت کی حیثیت میں اُفق دنیا پر اپنی پوری مشرقیت اور طاقت کے ساتھ نمودار ہوا اور انسانی تاریخ میں ان ہر دو طاقتوں کے عروج کے ساتھ ایک نیا موڑ آیا جن کے اثرات انسانی تاریخ میں اتنے وسیع اور اہم ہیں کہ کوئی شخص ان سے انکار نہیں کر سکتا اور یہ جو کچھ ہوا الٰہی منشا اور حضرت مرزا غلام احمد صاحب علیہ السلام کی پیشگوئیوں کے عین مطابق ہوا۔

ہمارے زمانے کا دوسرا اہم واقعہ جس سے قریباً ساری دنیا کسی نہ کسی رنگ میں متاثر ہوئی ہے زارِ روس اور شاہی نظام کی کامل تباہی اور بربادی اور کمیونزم کا برسرِ اقتدار آنا ہے۔ روسی انقلاب کا عظیم سانحہ جس نے دنیا کی تاریخ کا رخ ایک خاص سمت موڑ دیا ہے بھی آپ کی پیشگوئی کے عین مطابق منصۂ ظہور میں آیا آپؑ نے ۱۹۰۵ء میں زارِ روس اور شاہی خاندان اور شہنشاہیت کی کامل تباہی اور زبوں حالی کی خبر دی تھی اور یہ حیرت انگیز اتفاق ہے کہ اسی سال اس پیشگوئی کے چند ماہ بعد ہی وہ سیاسی پارٹی معرض وجود میں آئی جو قریباً بارہ تیرہ سال بعد شاہی خاندان اور شاہی نظامِ حکومت کی تباہی کا باعث بنی اور اس کے بعد کمیونزم پہلے روس میں اور پھر دنیا کے دیگر مقامات میں برسرِ اقتدار آیا یہ ایک ایسی کھلی ہوئی بات ہے جس کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

زارِ روس کی تباہی اور کمیونزم کا غلبہ اور اقتدار تاریخِ انسانیت کا نہایت دکھ دہ المیہ اور اہم ترین واقعہ ہے جس کے پڑھنے سے گو دل میں درد تو پیدا ہوتا ہے لیکن اسے نظر انداز کرنا ممکن نہیں دنیا کا کوئی ملک بھی بشمول آپ کے ملک کے اس کے اثر سے بچ نہیں سکا لیکن ہمارے لئے ان

تبدیلیوں پر حیران ہونے یا تشویش کرنے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ ان تغیرات کی سمت رفتار اور شدت کے بارے میں ہمیں مسیح موعود علیہ السلام نے پہلے ہی خبریں دے دی تھیں اور آئندہ اپنے وقت پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ کس طرح یہ تغیرات خدائی ارادے کی تکمیل میں مد ہوئے۔ ہمیں بتایا گیا تھا کہ مسیح موعود اور مہدیٔ معہودؑ کے زمانہ میں دو طاقتیں ایسی ابھریں گی کہ دنیا ان میں بٹ جائے گی اور کوئی اور طاقت ان کا مقابلہ نہ کر سکے گی پھر وہ ایک دوسرے کے خلاف جنگ کر کے اپنی تباہی کا سامان پیدا کریں گی لیکن صرف اس ایک جنگ کے بارے میں ہی پیشگوئی نہیں تھی بلکہ بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے پانچ عالمگیر تباہیوں کی خبر دی ہے۔

پہلی جنگ عظیم کے متعلق آپؑ نے فرمایا تھا کہ دنیا سخت گھبرا جائے گی مسافروں کے لئے وہ وقت سخت تکلیف کا ہوگا ندیاں خون سے سرخ ہو جائیں گی یہ آفت یک دم اور اچانک آئے گی اس صدمہ سے جوان بوڑھے ہو جائیں گے پہاڑ اپنی جگہوں سے اُڑا دیئے جائیں گے بہت سے لوگ اس تباہی کی ہولناکیوں سے دیوانے ہو جائیں گے یہی زمانہ زارِ روس کی تباہی کا ہوگا اس زمانے میں کمیونزم کا بیج دنیا میں بویا جائے گا جنگی بیڑے تیار رکھے جائیں گے اور خطرناک سمندری لڑائیاں لڑی جائیں گی حکومتوں کا تختہ اُلٹ دیا جائے گا شہر قبرستان بن جائیں گے۔

اس تباہی کے بعد ایک اور عالمگیر تباہی آئے گی جو اس سے وسیع پیمانے پر ہوگی اور زیادہ خوفناک نتائج کی حامل ہوگی وہ دنیا کا نقشہ ایک دفعہ پھر بدل دے گی اور قوموں کے مقدر کو نئی شکل دے دے گی کمیونزم بہت زیادہ قوت حاصل کر لے گی اور اپنی مرضی منوانے کی طاقت اس میں پیدا ہو جائے گی اور وہ وسیع وعریض رقبہ پر چھا جائیگی۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا مشرقی یورپ کے بہت سے حصے کمیونسٹ ہو گئے اور چین کے ستر کروڑ باشندے بھی اسی راستے پر چل پڑے اور ایشیا اور افریقہ کی ابھرتی ہوئی قوموں میں کمیونزم کا اثر ونفوذ بہت بڑھ گیا ہے دنیا دو متحارب گروہوں میں منقسم ہو گئی ہے جن میں سے ہر ایک جدید ترین جنگی ہتھیاروں سے لیس اور اس بات کے لئے تیار ہے کہ انسانیت کو موت وتباہی کی بھڑکتی ہوئی جہنم میں دھکیل دے۔

پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک تیسری جنگ کی بھی خبر دی ہے جو پہلی دونوں جنگوں سے زیادہ تباہ کن ہوگی دونوں مخالف گروہ ایسے اچانک طور پر ایک دوسرے سے ٹکرائیں گے کہ ہر شخص دم بخود رہ جائے گا آسمان سے موت اور تباہی کی بارش ہوگی اور خوفناک شعلے زمین کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گے نئی تہذیب کا قصرِ عظیم زمین پر آرہے گا دونوں متحارب گروہ یعنی روس اور اس کے ساتھی اور امریکہ اور اس کے دوست ہر دو تباہ ہو جائیں گے ان کی طاقت ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی ان کی تہذیب و ثقافت برباد اور ان کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ بچ رہنے والے حیرت اور استعجاب سے دم بخود اور ششدر رہ جائیں گے۔

روس کے باشندے نسبتاً جلد اس تباہی سے نجات پائیں گے اور بڑی وضاحت سے یہ پیشگوئی کی گئی ہے کہ اس ملک کی آبادی پھر جلد ہی بڑھ جائے گی اور وہ اپنے خالق کی طرف رجوع کریں گے اور ان میں کثرت سے اسلام پھیلے گا اور وہ قوم جو زمین سے خدا کا نام اور آسمان سے اس کا وجود مٹانے کی شیخیاں بھگار رہی ہے وہی قوم اپنی گمراہی کو جان لے گی اور حلقہ بگوشِ اسلام ہو کر اللہ تعالیٰ کی توحید پر پختگی سے قائم ہو جائے گی۔

شاید آپ اسے ایک افسانہ سمجھیں مگر وہ جو اس تیسری عالمگیر تباہی سے بچ نکلیں گے اور زندہ رہیں گے وہ دیکھیں گے کہ یہ خدا کی باتیں ہیں اور اس قادر وتوانا کی باتیں ہمیشہ پوری ہی ہوتی ہیں کوئی طاقت انہیں روک نہیں سکتی۔

پس تیسری عالمگیر تباہی کی انتہاء اسلام کے عالمگیر غلبہ اور اقتدار کی ابتداء ہوگی اور اس کے بعد بڑی سرعت کے ساتھ اسلام ساری دنیا میں پھیلنا شروع ہوگا اور لوگ بڑی تعداد میں اسلام قبول کر لیں گے اور یہ جان لیں گے کہ صرف اسلام ہی ایک سچا مذہب ہے اور یہ کہ انسان کی نجات صرف محمد رسول اللہ کے پیغام کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہے۔

اب ظاہر ہے کہ پہلے جاپان اور چین کا پیشگوئی کے مطابق مشرقی طاقت کے رنگ میں افق پر اُبھرنا روس کے شاہی خاندان اور شاہی نظام کی تباہی اس کی بجائے کمیونزم کا قیام اور سیاسی اقتدار اور پھر دنیا میں اس کا نفوذ بڑھنا۔ پہلی عالمگیر جنگ جس نے دنیا کا نقشہ بدل دیا اور پھر

دوسری عالمگیر جنگ جس نے دوبارہ دنیا کا نقشہ بدل دیا ایسے اہم واقعات ہیں جو تاریخِ انسانیت میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ سب واقعات اسی طرح ظہور میں آئے جس طرح کہ ان کی پہلے سے خبر دی گئی تھی۔

یاد رکھنا چاہیے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے مقصد کو پورا کر کے ۲۶؍ مئی ۱۹۰۸ء کو اپنے خدا کے حضور حاضر ہو گئے ان تمام پیشگوئیوں کی اس سے قبل ہی وسیع پیمانے پر اشاعت ہو چکی تھی اس لئے یہ بات یقینی ہے کہ اسلام کے عالمگیر غلبہ کے متعلق جو پیش خبریاں دی گئیں اور نبوت کی گئی ہے وہ بھی ضرور اپنے وقت پر پوری ہوں گی کیونکہ یہ پیش خبریاں ایک ہی سلسلہ کی مختلف کڑیاں ہیں۔

یہ بھی یاد رہے کہ اسلام کے غلبہ اور اسلامی صبح صادق کے طلوع کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں گو ابھی دھندلے ہیں لیکن اب بھی ان کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ اسلام کا سورج اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ طلوع ہوگا اور دنیا کو منور کرے گا لیکن پہلے اس سے کہ یہ واقع ہو ضروری ہے کہ دنیا ایک اور عالمگیر تباہی میں سے گذرے ایک ایسی خونی تباہی جو بنی نوع انسان کو جھنجھوڑ کر رکھ دے گی لیکن یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ یہ ایک انذاری پیشگوئی ہے اور انذاری پیشگوئیاں توبہ اور استغفار سے التواء میں ڈالی جاسکتی ہیں بلکہ ٹل بھی سکتی ہیں اگر انسان اپنے رب کی طرف رجوع کرے اور توبہ کرے اور اپنے اطوار درست کر لے۔ وہ اب بھی خدائی غضب سے بچ سکتا ہے اگر وہ دولت اور طاقت اور عظمت کے جھوٹے خداؤں کی پرستش چھوڑ دے اور اپنے ربّ سے حقیقی تعلق قائم کرے فسق و فجور سے باز آجائے۔

حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے لگے اور بنی نوع انسان کی سچی خیر خواہی اختیار کر لے مگر اس کا انحصار تو ان قوموں پر ہے جو اس وقت طاقت اور دولت اور قومی عظمت کے نشہ میں مست ہیں کہ آیا وہ اس مستی کو چھوڑ کر روحانی لذت اور سرور کے خواہاں ہیں یا نہیں؟ اگر دنیا نے دنیا کی مستیاں اور خرمستیاں نہ چھوڑیں تو پھر یہ انذاری پیشگوئیاں ضرور پوری ہوں گی اور دنیا کی کوئی طاقت اور کوئی مصنوعی خدا دنیا کو موعودہ ہولناک تباہیوں سے بچا نہ سکے گا۔ پس اپنے پر اور

اپنی نسلوں پر رحم کریں اور خدائے رحیم و کریم کی آواز کو سنیں اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے اور صداقت کو قبول کرنے اور اس سے فائدہ اُٹھانے کی توفیق عطا کرے۔

اب میں مختصراً اس روحانی انقلاب کا ذکر کرتا ہوں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم روحانی فرزند کے ذریعہ دنیا میں رونما ہونا تھا مگر یہ نہ بھولنا چاہیے کہ آپ کی بعثت کے زمانہ میں اسلام انتہائی کسمپرسی اور تنزل کی حالت میں تھا علم مسلمان کے پاس نہ تھا دولت سے وہ محروم تھے صنعت و حرفت میں ان کا کوئی مقام نہ تھا تجارت ان کے ہاتھ سے نکل چکی تھی سیاسی اقتدار وہ کھو چکے تھے اور حقیقی معنی میں تو دنیا کے کسی حصہ میں وہ صاحب اختیار حاکم نہ رہے تھے۔ اخلاقی حالت بھی ابتر تھی اور شکست خوردہ ذہنیت ان میں پیدا ہو چکی تھی اور پھر اُبھرنے اور زندہ قوموں کی صف میں کھڑے ہونے کی کوئی امنگ باقی نہ رہی تھی۔ اسلام کی مخالفت کا یہ حال تھا کہ دنیا کی سب طاقتیں اسلام پر حملہ آور ہو رہی تھیں اور اسلام کو سر چھپانے کے لئے کہیں جگہ نہ مل رہی تھی عیسائیت سب میں پیش پیش تھی اور اسلام کی سب سے بڑی دشمن عیسائی، منادکثرت سے دنیا میں پھیل گئے تھے عیسائی دنیا کی دولت اور سیاسی اقتدار اُن منادکی مدد کو ہر وقت تیار تھا اور ان کا پہلا اور بھر پور وارا اسلام کے خلاف تھا اسے اپنی فتح کا اتنا یقین تھا کہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ دنیا میں اعلان کیا گیا کہ

۱۔ براعظم افریقہ عیسائیت کی جیب میں ہے۔
۲۔ ہندوستان میں دیکھنے کو بھی مسلمان نہ ملے گا اور
۳۔ وقت آ گیا ہے کہ مکہ معظّمہ پر عیسائیت کا جھنڈا لہرائے گا۔

حضرت مرزا غلام احمد صاحب علیہ السلام کی اپنی حالت یہ تھی کہ ابھی گنتی کے چند غریب مسلمان آپ کے گرد جمع ہوئے تھے کوئی جتھہ کوئی دولت کوئی سیاسی اقتدار آپ کے پاس نہ تھا مگر وہ جس کے قبضۂ قدرت میں ہر شے ہے آپ کے ساتھ تھا اور اسی خدا نے آپ سے یہ کہا کہ دنیا میں یہ منادی کر دو کہ اسلام کی تازگی کے دن آ گئے ہیں اور وہ دن دور نہیں جب اسلام تمام ادیانِ عالم پر اپنے دلائل اور اپنی روحانی تاثیروں کی رو سے غالب آئے گا۔

آگے چلنے سے قبل ایک بات کی وضاحت کر دوں کہ اسلام ہمیں یہ سکھاتا ہے اور ہم تمام مسلمان یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ مسیح ناصری علیہ السلام خدا کے ایک برگزیدہ نبی تھے اور ان کی والدہ بھی نیکی میں ایک پاک نمونہ تھیں قرآن کریم نے ان دونوں کا ذکر عزت سے کیا ہے مریم علیہا السلام کو تو قرآن کریم نے پاکیزگی کی مثال کے طور پر پیش کیا ہے اور قرآن کریم میں آپ کا ذکر انجیل کی نسبت زیادہ عزت کے ساتھ کیا گیا ہے لیکن قرآن کریم ان دونوں کو معبود ماننے کے کلیسیائی عقیدے کی سختی سے تردید فرماتا ہے۔ یہ بات اور عیسائی کلیسیا کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت سے انکار دو ایسے امور ہیں جو اسلام اور عیسائیت کے بنیادی اور اصولی اختلاف ہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:۔

''میں ہر دم اس فکر میں ہوں کہ ہمارا اور نصاریٰ کا کسی طرح فیصلہ ہو جائے میرا دل مردہ پرستی کے فتنہ سے خون ہوتا جاتا ہے اور میری جان عجیب تنگی میں ہے اس سے بڑھ کر اور کون سا دلی درد کا مقام ہوگا کہ ایک عاجز انسان کو خدا بنایا گیا ہے اور ایک مشت خاک کو ربّ العالمین سمجھا گیا ہے میں کبھی کا اس غم سے فنا ہو جاتا اگر میرا مولیٰ اور میرا قادر توانا مجھے تسلی نہ دیتا کہ آخر توحید کی فتح ہے غیر معبود ہلاک ہوں گے اور جھوٹے خدا اپنی خدائی کے وجود سے منقطع کئے جائیں گے مریم کی معبودانہ زندگی پر موت آئے گی اور نیز اس کا بیٹا اب ضرور مرے گا خدا قادر فرماتا ہے کہ اگر میں چاہوں تو مریم اور اس کے بیٹے عیسیٰؑ اور تمام زمین کے باشندوں کو ہلاک کروں۔ سو اب اس نے چاہا ہے کہ ان دونو کی جھوٹی معبودانہ زندگی کو موت کا مزہ چکھاوے سو اب دونو مریں گے کوئی ان کو بچا نہیں سکتا اور وہ تمام خراب استعدادیں بھی مریں گی جو جھوٹے خداؤں کو قبول کر لیتی تھیں نئی زمین ہوگی اور نیا آسمان ہوگا اب وہ دن نزدیک آتے ہیں کہ جو سچائی کا آفتاب مغرب کی طرف سے چڑھے گا اور یورپ کو سچے خدا کا پتہ لگے گا اور بعد اس کے توبہ کا دروازہ بند ہوگا۔ کیونکہ داخل ہونے والے بڑے زور سے داخل ہو جائیں گے اور وہی باقی رہ جائیں گے جن کے دل پر فطرت سے دروازے بند ہیں اور نور سے نہیں بلکہ تاریکی سے محبت رکھتے ہیں

قریب ہے کہ سب ملتیں ہلاک ہوں گی مگر اسلام۔ اور سب حربے ٹوٹ جائیں گے مگر اسلام کا آسمانی حربہ کہ وہ نہ ٹوٹے گا نہ کند ہوگا جب تک دجالیت کو پاش پاش نہ کر دے۔ وہ وقت قریب ہے کہ خدا کی سچی توحید جس کو بیابانوں کے رہنے والے اور تمام تعلیموں سے غافل بھی اپنے اندر محسوس کرتے ہیں ملکوں میں پھیلے گی اس دن نہ کوئی مصنوعی کفارہ باقی رہے گا اور نہ کوئی مصنوعی خدا اور خدا کا ایک ہی ہاتھ کفر کی سب تدبیروں کو باطل کر دے گا لیکن نہ کسی تلوار سے اور نہ کسی بندوق سے بلکہ مستعد روحوں کو روشنی عطا کرنے سے اور پاک دلوں پر ایک نور اُتارنے سے تب یہ باتیں جو میں کہتا ہوں سمجھ میں آئیں گی‘‘۔ [۶۴]

ان زبردست پیشگوئیوں کے بعد تو دنیا کا نقشہ ہی بدل گیا افریقہ کا وسیع براعظم عیسائیت کے جھنڈے تلے جمع ہونے کی بجائے اسلام کے خنک اور سرور بخش سایہ تلے جمع ہو رہا ہے ہندوستان میں یہ حالت ہے کہ احمدی نوجوانوں سے بات کرتے ہوئے بھی بڑے بڑے پادری گھبراتے ہیں اور مکہ پر عیسائیت کا جھنڈا لہرانے کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوا اور نہ کبھی ہوگا (انشاءاللہ)۔

غلبۂ اسلام کے متعلق جو بشارتیں دی گئی تھیں ان کے پورا ہونے کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں مگر جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں ایک تیسری عالمگیر تباہی کی بھی خبر دی گئی ہے جس کے بعد اسلام پوری شان کے ساتھ دنیا پر غالب ہوگا مگر یہ بشارت بھی دی گئی ہے کہ توبہ اور اسلام کی بتائی ہوئی راہیں اختیار کرنے سے یہ تباہی ٹل بھی سکتی ہے اب یہ آپ کے اختیار میں ہے کہ اپنے خدا کی معرفت حاصل کر کے اور اس کے ساتھ سچا تعلق پیدا کر کے خود کو اور اپنی نسلوں کو اس تباہی سے بچا لیں یا اس سے دوری کی راہیں اختیار کر کے خود کو اور اپنی نسلوں کو ہلاکت میں ڈالیں۔ ڈرانے والے عظیم انسان نے خدا اور محمدؐ کے نام پر (مندرجہ ذیل الفاظ میں) آپ کو ڈرایا ہے اور اپنا فرض پورا کر دیا ہے۔ میری یہ دعا ہے کہ خدا تعالیٰ آپ کو اپنا فرض پورا کرنے کی توفیق دے میں اپنی تقریر اس عظیم شخصؑ کے اپنے الفاظ پر ختم کرتا ہوں۔

’’یاد رہے کہ خدا نے مجھے عام طور پر زلزلوں کی خبر دی ہے پس یقیناً سمجھو کہ جیسا کہ پیشگوئی کے مطابق امریکہ میں زلزلے آئے ایسا ہی یورپ میں بھی آئے اور نیز ایشیا کے

مختلف مقامات میں آئیں گے اور بعض ان میں قیامت کا نمونہ ہوں گے اور اس قدر موت ہوگی کہ خون کی نہریں چلیں گی اس موت سے پرند چرند بھی باہر نہیں ہوں گے اور زمین پر اس قدر سخت تباہی آئے گی کہ اس روز سے کہ انسان پیدا ہوا ایسی تباہی کبھی نہیں آئی ہوگی اور اکثر مقامات زیر وزبر ہو جائیں گے کہ گویا ان میں کبھی آبادی نہ تھی اور اس کے ساتھ اور بھی آفات زمین وآسمان میں ہولناک صورت میں پیدا ہوں گی یہاں تک کہ ہر ایک عقلمند کی نظر میں وہ باتیں غیر معمولی ہو جائیں گی اور ہیئت اور فلسفہ کی کتابوں کے کسی صفحہ میں ان کا پتہ نہیں ملے گا تب انسانوں میں اضطراب پیدا ہوگا کہ یہ کیا ہونے والا ہے اور بہتیرے نجات پائیں گے اور بہتیرے ہلاک ہو جائیں گے وہ دن نزدیک ہیں بلکہ میں دیکھتا ہوں کہ دروازے پر ہیں کہ دنیا ایک قیامت کا نظارہ دیکھے گی اور نہ صرف زلزلے بلکہ اور بھی ڈرانے والی آفتیں ظاہر ہوں گی کچھ آسمان سے اور کچھ زمین سے۔ یہ اس لئے کہ نوع انسان نے اپنے خدا کی پرستش چھوڑ دی ہے اور تمام دل اور تمام ہمت اور تمام خیالات سے دنیا پر ہی گر گئے ہیں۔ اگر میں نہ آیا ہوتا تو ان بلاؤں میں کچھ تاخیر ہو جاتی پر میرے آنے کے ساتھ خدا کے غضب کے وہ مخفی ارادے جو ایک بڑی مدت سے مخفی تھے ظاہر ہو گئے جیسا کہ خدا نے فرمایا وَ مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔ (بنی اسرآءیل :۱۶) اور توبہ کرنے والے امان پائیں گے اور وہ جو بلا سے پہلے ڈرتے ہیں ان پر رحم کیا جائے گا کیا تم خیال کرتے ہو کہ تم ان زلزلوں سے امن میں رہو گے یا تم اپنی تدبیروں سے اپنے تئیں بچا سکتے ہو؟ ہرگز نہیں۔ انسانی کاموں کا اس دن خاتمہ ہوگا۔ یہ مت خیال کرو کہ امریکہ وغیرہ میں سخت زلزلے آئے اور تمہارا ملک ان سے محفوظ ہے میں تو دیکھتا ہوں کہ شاید ان سے زیادہ مصیبت کا منہ دیکھو گے اے یورپ تو بھی امن میں نہیں اور اے ایشیا تو بھی محفوظ نہیں اور اے جزائر کے رہنے والو! کوئی مصنوعی خدا تمہاری مدد نہیں کرے گا۔ میں شہروں کو گرتے دیکھتا ہوں اور آبادیوں کو ویران پاتا ہوں وہ واحد یگانہ ایک مدت تک خاموش رہا اور اس کی آنکھوں کے سامنے مکروہ کام کئے گئے اور وہ چپ رہا مگر اب وہ

ہیبت کے ساتھ اپنا چہرہ دکھلائے گا جس کے کان سننے کے ہوں سنے کہ وہ وقت دور نہیں ۔ میں نے کوشش کی کہ خدا کی امان کے نیچے سب کو جمع کروں پر ضرور تھا کہ تقدیر کے نوشتے پورے ہوتے میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اس ملک کی نوبت بھی قریب آتی جاتی ہے نوح کا زمانہ تمہاری آنکھوں کے سامنے آ جائے گا اور لوط کی زمین کا واقعہ تم بچشم خود دیکھ لو گے مگر خدا غضب میں دھیما ہے تو بہ کرو تا تم پر رحم کیا جائے جو خدا کو چھوڑتا ہے وہ ایک کیڑا ہے نہ کہ آدمی اور جو اس سے نہیں ڈرتا وہ مردہ ہے نہ کہ زندہ۔'' [۶۵]

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔

یہ پیغام ختم ہونے کے بعد حضور نے فرمایا:۔

پس ان الفاظ میں مَیں نے دنیا کی اقوام کو مخاطب کیا اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر آپ ان الفاظ پر غور کریں اور پیشگوئیوں کو مدِّنظر رکھیں تو آپ کے دل میں احساس پیدا ہو گا کہ اب آپ کی ذمہ داریاں پہلے سے بہت بڑھ کر ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں انہیں سمجھنے اور نباہنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۶؍ اکتوبر ۱۹۶۷ء صفحہ ۲ تا ۸)

اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے بیرونی ممالک میں غلبۂ اسلام کی نئی نئی راہیں کھول رہا ہے

خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۷؍اکتوبر ۱۹۶۷ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

آج میں تحریکِ جدید کے نئے سال کا اعلان کرنا چاہتا ہوں یہ آنے والا سال تحریکِ جدید کا چونتیسواں سال ہوگا۔ دفتر اوّل کے لحاظ سے اور چوبیسواں سال ہوگا دفتر دوم کے لحاظ سے اور تیسرا سال ہوگا دفتر سوم کے لحاظ سے۔ میں نے اپنے سفر کے دوران جہاں یہ مشاہدہ کیا کہ یورپ میں بسنے والی اقوام عیسائیت سے، مذہب سے بے تعلق ہو رہی ہیں وہاں میں نے اس ضرورت کا بھی بڑی شدت کے ساتھ احساس کیا کہ یہ وقت انتہائی قربانیاں دے کر اپنے کام میں وسعت پیدا کرنے اور اپنی کوششوں میں تیزی پیدا کرنے کا ہے۔ عیسائیت سے ان کی بے تعلقی اس بات سے عیاں ہے کہ گلاسگو میں جب ایک صحافی نے مجھ سے پوچھا کہ آپ نے ہمارے ملک میں بسنے والوں کو مذہبی لحاظ سے کیسے پایا تو میں نے اسے جواب دیا کہ یہاں کے باشندے عیسائیت میں اب دلچسپی نہیں لے رہے اس پر اس نے سوال کیا کہ آپ نے کس چیز سے یہ استدلال کیا ہے میں اس کے بہت سے جواب دے سکتا تھا لیکن میں وہاں مختصراً جواب دینا چاہتا تھا میں نے انہیں کہا کہ میں نے جس چیز سے استدلال کیا ہے وہ یہ ہے کہ لنڈن میں بہت سے گرجاؤں کے سامنے

’’برائے فروخت‘‘ کے چوکھٹے لگے ہوئے ہیں اور بہت سے گرجا وہاں بک چکے ہیں جہاں شراب خانے بنا دیئے گئے ہیں بہت سے گرجا وہاں بک چکے ہیں جہاں چھوٹی چھوٹی فیکٹریاں قائم ہوگئی ہیں یا کوئی اور کاروبار شروع ہوگیا ہے۔

گرجاؤں کی فروخت اور گرجاؤں کا قابل فروخت ہونا بتاتا ہے کہ آپ کے ملک میں رہنے والے مذہب کی طرف پہلے کی نسبت بہت کم توجہ دے رہے ہیں اس پر اس نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کا کیا خیال ہے اگر گرجا کو مسجد بنا لیا جائے تو اس میں کوئی ہرج تو نہ ہوگا میں نے اسے جواب دیا کہ جہاں تک مسئلے کا سوال ہے میں اس میں کوئی ہرج نہیں سمجھتا کہ کسی گرجا کو مسجد بنالیا جائے لیکن میں اپنی جماعت کے لئے اسے پسند نہیں کرتا اس لئے کہ ایسا کرنے کے نتیجہ میں بہت سی غلط فہمیاں پیدا ہوسکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں پیسے دے گا اور ہم آپ کے ملک میں مساجد خود تعمیر کریں گے سستے گرجے خرید کے انہیں مسجدوں میں تعمیر نہیں کریں گے اور بھی بہت سی باتیں مشاہدہ میں آئیں جن سے میں نے نتیجہ نکالا کہ یورپ کی عیسائی دنیا عیسائیت سے نہ صرف بے تعلق ہوچکی ہے بلکہ متنفر بھی ہوچکی ہے اور اس حد تک وہ گندگی میں مبتلا ہوچکی ہے کہ خود حضرت مسیح ناصری علیہ السلام پر بڑی جرأت اور دلیری کے ساتھ اس قسم کے ظالمانہ الزام لگا رہی ہے کہ جن کا زبان پر لانا بھی ہمارے لئے مشکل ہے کیونکہ ہم ان کو خدا تعالیٰ کا ایک برگزیدہ نبی مانتے ہیں لیکن اب وہ جس گندگی میں مبتلا ہیں انہوں نے یہاں تک کہ ان کے پادریوں نے بھی علی الاعلان یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام بھی (نعوذ باللہ) اسی گندگی میں مبتلا تھے اور گندے اخلاق ان میں پائے جاتے تھے۔

پس وہ تختی محبت کی جو ان کے دلوں میں صدیوں سے قائم کی گئی اور قائم رکھی گئی تھی اور اس محبت کو اس انتہاء تک پہنچا دیا گیا تھا کہ ان کے ماننے والے انہیں خدا، خدا کا بیٹا ماننے لگ گئے تھے وہ تختی تو اللہ تعالیٰ کے فرشتوں نے صاف کر دی اور یہ قومیں عیسائیت کو عملاً بھی اور عقیدتاً بھی چھوڑ چکی ہیں صرف ایک نام باقی رہ گیا ہے اب تو شاید وہ نام سے بھی انکار کرنا شروع کر دیں۔

ان حالات میں مَیں نے سوچا کہ جماعت احمدیہ پر بڑی بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے

کہ وہ قومیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے فرشتوں نے شیطانی خیالات سے ہمارے لئے آزاد کیا ہے۔کیا ہم ان تک پہنچ کر اسلام کی حسین تعلیم ان کے دلوں میں بٹھانے میں کامیاب ہوتے ہیں کہ نہیں اور اس کوشش اور جدوجہد کے لئے ان ذمہ داریوں کو ہم نبھاتے ہیں یا نہیں جو اللہ تعالیٰ نے ہم پر عائد کی ہیں اور وہ قربانیاں ہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں دینے کے لئے تیار ہیں یا نہیں جو آج کی اسلامی ضرورت کا تقاضا ہے۔تو جیسا کہ میں نے ان قوموں کو ان الفاظ میں انذار کیا تھا کہ پیشگوئیوں کے مطابق اگلے پچیس تیس سال تمہارے لئے بہت نازک ہیں اگر تم اپنے اللہ کی طرف، اپنے ربّ کی طرف رجوع نہیں کرو گے تو جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے تمہاری قومیں تباہ ہو جائیں گی اور اس دنیا سے مٹا دی جائیں گی ویسا ہی ہم پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم آج کی ضرورت کو سمجھنے لگیں یہ پچیس تیس سال ہمارے لئے بھی بڑے اہم ہیں کیونکہ ایک موقع اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا کیا ہے ان ممالک میں اسلام کو پھیلانے اور اسلام کو غالب کرنے کا اگر ہم اپنی سستیوں کے نتیجہ میں اس موقع کو گنوا دیں گے تو ایک تو شاید (خدا نہ کرے) غلبۂ اسلام میں التواء ہو جائے غالب تو ہو گا اسلام کیونکہ خدا کا وعدہ ہے یہ ضرور پورا ہو گا لیکن ہماری غفلتوں اور کوتاہیوں کے نتیجہ میں التواء کا خطرہ ضرور موجود ہے۔تو ہمیں اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنا چاہیے اور اپنے کاموں میں وسعت پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور ہمیں بین الاقوامی بلند سطح پر سوچنا چاہیے اسلام کے لئے اپنے اللہ کے لئے کہ اس کی محبت اور توحید کو ہم کس طرح دنیا میں قائم کر سکتے ہیں۔یہ کام حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تحریکِ جدید کے ذریعہ لینا شروع کیا تھا۔

تحریکِ جدید جب شروع ہوئی تو اس کا ایک ہی دفتر تھا جماعت کو اس وقت اللہ تعالیٰ نے بڑی توفیق دی جتنی مالی قربانی کا مطالبہ تھا اس سے قریباً چار گنا زیادہ مال پہلے سال خدا تعالیٰ کے ان بندوں نے اپنے امام کو پیش کر دیا تھا دنیا میں اسلام کی تبلیغ کے لئے پھر ضرورتیں بڑھتی چلی گئیں نئی نئی جگہوں پر مبلغ بھیجنے کی ضرورت محسوس ہوتی تھی اس کے لئے آدمی تیار کرنے ہوتے تھے خرچ برداشت کرنا پڑتا تھا تب وہاں جا کر تبلیغ کا کام شروع کر سکتے تھے اور جماعت کے مخلصین نے ضرورت کے مطابق مالی قربانیاں دیں اور بہت حد تک شروع میں تو شاید جتنی

ضرورت تھی اس حد تک مالی قربانی دی اور تحریکِ جدید کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے ملکوں میں تبلیغی مشن قائم کر دیئے لیکن جوں جوں اللہ تعالیٰ کی رحمت ہم پر نازل ہوتی رہی ہماری ضرورتیں بڑھتی چلی گئیں۔ نئے سے نئے میدان کامیابیوں کے ہمارے سامنے کھلتے رہے اور ان میدانوں کو فتح کرنا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کا شکر ادا کرنا جو ہمارا فرض تھا وہ ہم نے اس زمانہ میں ادا کیا۔ اس وقت جماعت نے جو قربانیاں دیں اللہ تعالیٰ انہیں قبول کرے بہت سے ہیں جنہوں نے قربانیاں دیں وہ اس جہاں سے رخصت ہو چکے ہیں جیسا کہ میں ابھی آگے بتاؤں گا اللہ تعالیٰ مغفرت کی چادر میں لپیٹ کے رضا کی جنت میں انہیں ہر طرح خوش رکھے اور اپنی ان رحمتوں میں انہیں شریک کرے جو بے شمار رنگ میں ہر آن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر کررہا ہے کیونکہ یہ لوگ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے غلاموں میں سے ہیں۔

لیکن ہماری مالی قربانیوں کی رفتار اتنی نہیں رہی جتنی کہ ہماری ضرورتوں کے بڑھنے کی رفتار تھی اس وقت جو نقشہ میں آپ کے سامنے تحریکِ جدید کی مالی قربانیوں کا رکھوں گا اس سے آپ کو یہ بات عیاں ہو جائے گی میں نے سات سات سال کے بعد کے اعداد و شمار دفتر سے حاصل کئے ہیں یعنی جو سال رواں ہے اس سے سات سال پہلے کیا حالات تھے کیا نقشہ تھا چندوں کا، کیا کیفیت تھی پھر اس سے سات سال پہلے کیا کیفیت تھی یعنی اس نقشہ میں دفتر دوم کے چودہ سال ہیں جو ان کی قربانیوں کے سالوں کا قریباً ۲/۳ ہے اور دفتر اوّل کے چودہ سال ہیں جو ان کے تینتیس سالوں میں سے چودہ سال یعنی ۲/۵ کے قریب ہے۔ بہرحال ۵۴۔۱۹۵۳ء، ۶۱۔۱۹۶۰ء اور ۶۸۔۱۹۶۷ء کے اعداد و شمار سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ کس جہت میں ہماری حرکت ہے اور کیا اگر ہمارا قدم ترقی کی طرف ہے تو اس میں اتنی تیزی پائی جاتی ہے کہ ہماری ضرورتوں کو ہماری رفتار پورا کرنے والی ہو۔ ۱۹۵۳ء میں دفتر اوّل کا چندہ ۲,۴۶,۰۰۰ تھا اور دفتر دوم کا ۱,۱۰,۰۰۰۔ میزان تھی۔ ۳,۵۶,۰۰۰ (میں سینکڑوں کو چھوڑتا ہوں)۔

۱۹۶۰ء میں دفتر اوّل کی آمد ۵۳ء سے گر گئی اور ۲,۴۶,۰۰۰ سے گر کے ۱,۸۳,۰۰۰ پر پہنچ گئی اور پہنچنی چاہیے تھی کیونکہ اس عرصہ میں ہمارے بہت سے بھائی ہم سے جدا ہو گئے۔

دفتر دوم کی آمد ۱۹۶۰ء میں (۱۹۵۳ء کے مقابلہ میں) بڑھی اور اسے بڑھنا چاہیے تھا اور ۱۰،۰۰۰، ا سے بڑھ کے ۲۷،۰۰۰، ا تک پہنچ گئی۔

۶۸۔۱۹۶۷ء میں دفتر اوّل کی آمد (۱۹۵۳ء کی ۲,۴۶,۰۰۰ کی آمد کے مقابلہ میں اور ۱۹۶۰ء کی ۱,۸۳,۰۰۰ کی آمد کے مقابلہ میں) صرف ۱,۲۰,۰۰۰ رہ گئی۔

اور دفتر دوم کی آمد ۱۹۶۷ء میں (۱۹۵۳ء کی آمد سے جو ۱,۱۰,۰۰۰ تھی بڑھ کے) ۲,۳۸,۰۰۰ ہوگئی اور ۱۹۶۰ء کی ۱,۷۳,۰۰۰ کی آمد سے بڑھ کے ۲,۳۸,۰۰۰ ہوگئی۔

۵۴۔۱۹۵۳ء میں دفتر اوّل کی آمد دفتر دوم کے مقابلہ میں ۱,۳۶,۰۰۰ روپیہ زیادہ تھی ۶۱۔۱۹۶۰ء میں دفتر اوّل کی آمد دفتر دوم کی آمد سے صرف ۱۱,۰۰۰ روپیہ زائد تھی اور ۶۸۔۱۹۶۷ء میں دفتر اوّل کی آمد دفتر دوم کی آمد سے ۱,۱۸,۰۰۰ روپیہ کم تھی۔ جبکہ ۱۹۵۳ء کے بجٹ میں اصل آمد دفتر اوّل کی دفتر دوم کے مقابلہ میں ۱,۳۶,۰۰۰ روپیہ زیادہ تھی ان اعداد وشمار سے یہ بات بالکل واضح اور عیاں ہو جاتی ہے کہ جوں جوں ہمارے دوست اس دنیا سے رخصت ہوکر اپنے اللہ کے حضور پہنچتے رہے۔ دوسری نسل اس خلاء کو پُر کرتی رہی اور آمد میں انہوں نے کوئی کمی نہیں آنے دی۔ لیکن ایک اور چیز جو ہمیں نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ ۱۹۵۳ء اور ۱۹۶۰ء کی کل آمد کا جب ہم مقابلہ کرتے ہیں تو اس میں کوئی ترقی نہیں ہوئی کیونکہ ۱۹۵۳ء میں دفتر اوّل اور دفتر دوم کی کل آمد ۳,۵۶,۰۰۰ تھی اور ۱۹۶۰ء میں دفتر اوّل اور دفتر دوم کی کل آمد ۳,۵۵,۰۰۰۔ میں نے سینکڑے چھوڑ دیئے ہیں یعنی ۱۹۶۰ء میں ایک ہزار سات سو روپیہ کم آمد تھی (۱۹۵۳ء کے مقابلہ میں۔) لیکن ایک ہزار کا کوئی ایسا فرق نہیں۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا قدم نہ آگے بڑھا ان سالوں میں نہ پیچھے ہٹا۔

۱۹۶۷ء کے جو اعداد وشمار میں نے بتائے ہیں وہ وعدوں کے نہیں بلکہ اصل آمد کے ہیں یعنی جو آمد اس وقت تک ہو چکی ہے اور ابھی اس سال کی وصولی کا بہت سا حصہ باقی ہے لیکن اس میں بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے ترقی ہے جو اصل آمد اس وقت تک ہو چکی ہے (مارچ، اپریل تک آمد رہتی ہے) اس کے لحاظ سے بھی ۱۹۶۷ء میں ہماری آمد ہر سہ دفاتر کی ۳,۵۶,۰۰۰ کے

مقابلہ پر ۳,۰۷,۰۰۰ ہو چکی ہے اور ابھی قریباً ایک لاکھ ساٹھ یا ستر ہزار کے وعدے ایسے ہیں جو قابل وصول ہیں اگر ان میں سے ایک بڑی رقم وصول ہو جائے ہونی تو سو فیصدی چاہیے لیکن بعض دفعہ کوئی صاحب فوت ہو جاتے ہیں یا نوکری ان کی چھوٹ جاتی ہے یا کوئی ایسی جائز روک پیدا ہو جاتی ہے اور وہ چندہ ادا نہیں کر سکتے تو اگر اس کو مدنظر بھی رکھا جائے تب بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ رقم جو ہے وہ اصل آمد ۳,۵۵,۰۰۰ سے بڑھ کے جو ۱۹۶۰ء کی آمد ہے قریباً ۵,۰۰,۰۰۰ روپے تک چلی جائے گی یا اس سے بھی بڑھ جائے گی (۵,۳۵,۰۰۰ کے وعدے ہیں غالباً) جس کا یہ مطلب ہو گا کہ ڈیڑھ لاکھ روپے زیادتی ہوئی لیکن جو عملاً ہمیں ضرورتیں پیش آئی ہیں وہ ڈیڑھ لاکھ روپے سے زیادہ کی تھیں اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ایسے سامان پیدا نہ کرتا کہ آپ کی غفلت اور سستی پر پردہ ڈال دے تو ہمارے سارے کام رک جاتے اس لئے کہ اس عرصہ میں بیرون پاکستان میں اتنی مضبوط جماعتیں پیدا ہو گئیں کہ ان میں بہت سی اپنے پاؤں پر کھڑی ہو گئیں اور بہت سی ایسی تھیں جنہوں نے بیرون پاکستان مشنز کو امداد دینی شروع کر دی اور اس کے نتیجہ میں ہمارے کام میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے کوئی کمی واقع نہیں ہوئی بلکہ ترقی کی طرف ہمارا قدم بڑھتا چلا گیا لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ آپ خوش ہو جائیں کہ ہمیں اب زیادہ قربانیاں دینے کی ضرورت نہیں۔ اس کے معنی تو یہ ہیں کہ جیسے فکر پیدا ہوئی ہے کہ ہم نے غفلت اور سستی دکھائی اور وہ انعامات جو ہمیں ملنے چاہئیں تھے وہ ہمیں نہیں ملے اور دوسروں نے ہمارے ہاتھ سے چھین لئے۔ اگر ہمیں وہ مل جاتے اور بیرون پاکستان کے بھائی بھی اللہ تعالیٰ کے ان انعامات میں شریک ہوتے تو ہمارے لئے بڑی خوشی کی بات تھی لیکن ہوا یہ کہ ان کو تو اللہ تعالیٰ نے بڑے انعامات سے نوازا لیکن اس کے مقابلہ میں جو انعامات ہمیں ملنے چاہئیں تھے ہمیں نہیں ملے بیرونی ممالک کے اعداد و شمار صحیح تصویر پیش نہیں کرتے کیونکہ اس میں وہ امداد بھی شامل ہے جو حکومتوں کی طرف سے ہمارے سکولوں کو ملتی ہے اور وہ کافی بڑی رقمیں ہیں۔ مغربی افریقہ میں ہمارے بہت سے سکول ہیں جو امداد لے رہے ہیں یہاں بھی ہمارے کالج اور سکول کو ایڈ ملتی ہے اور وہ ہمارے بجٹ میں شامل ہوتی ہے وہاں چونکہ کثرت سے سکول ہیں حکومت کی طرف سے جو

امداد ملتی ہے وہ ہمارے بجٹ میں شامل ہو جاتی ہے کل چونکہ دفاتر میں چھٹی تھی تفصیل میں حاصل نہیں کر سکا اس چیز کو بے شک مدنظر رکھیں لیکن اس کے باوجود میں سمجھتا ہوں کہ بیرونِ پاکستان کی آمد ہمارے دلوں میں تشویش پیدا کرنے والی ہے اس لئے کہ ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارا قدم اس تیزی سے آگے نہیں بڑھا جس تیزی سے ہمارا قدم آگے بڑھنا چاہیے تھا اور اس کے نتیجہ میں ہم اللہ تعالیٰ کے بہت سے ان انعامات سے محروم ہو گئے جو اللہ تعالیٰ ہمیں دینا چاہتا تھا۔

بیرونی ممالک کا نقشہ یہ ہے ۱۹۵۳ء میں تحریک جدید کی آمد ۴,۲۰,۰۰۰ تھی اس میں سکولوں کو جو امداد ملی شامل ہے۔ ۱۹۶۰ء میں بیرونی ممالک کی آمد ۱۳,۶۳,۰۰۰ ہے یعنی چار سال میں ۴,۲۰,۰۰۰ سے بڑھ کر ۱۳,۶۳,۰۰۰ روپیہ ہو گئی اور ۶۸۔۱۹۶۷ء میں جو سال رواں ہے اس میں بیرونی ممالک کی اصل آمد دفتر بند ہونے کی وجہ سے مل نہیں سکی لیکن جو بجٹ ہے وہ تیس لاکھ بہتر ہزار روپے کا (۳۰,۷۲,۰۰۰ روپیہ) یعنی ۱۳,۶۳,۰۰۰ ۱۹۶۰ء کے بجٹ اور آمد کے مقابلہ میں ۱۹۶۷ء میں بیرونی ممالک کا بجٹ ۳۰,۰۰,۰۰۰ (تیس لاکھ) ہو گیا ہے اور ۱۹۵۳ء میں جو بجٹ صرف ۴,۲۰,۰۰۰ کا تھا۔ ۱۹۶۷ء میں وہ بجٹ ۳۰,۰۰,۰۰۰ روپیہ کا ہو گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان چودہ سالوں میں قریباً ساڑھے سات گنا یعنی قریباً ساڑھے سات سو فی صد ترقی انہوں نے کی ہے۔ اس کے مقابلہ میں اگر سال رواں کا بجٹ ہم سامنے رکھیں تو ہماری ترقی صرف چالیس فی صدی ہے۔ ہماری یہ ترقی دگنی بھی نہیں ہے اس کے مقابلہ میں بیرونی ممالک کے بجٹ سے جو اندازہ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ بیرونی ممالک میں اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسا فضل کیا ہے کہ ان کی قربانیوں کا مجموعی طور پر جو نقشہ ہمارے سامنے آتا ہے وہ ۱۹۵۳ء اور ۱۹۶۷ء کے درمیانی چودہ سال میں ساڑھے سات گنا زیادہ، ساڑھے سات سو فیصدی بڑھ گیا ہے تو جس رفتار سے وہ آگے نکل رہے ہیں اور جس سست رفتار سے ہم آگے بڑھ رہے ہیں جب ان کا ہم مقابلہ کرتے ہیں تو میرے دل میں تشویش پیدا ہوتی ہے اور میں یقین رکھتا ہوں کہ ہر مخلص دل میں تشویش پیدا ہو گی۔

ہماری مالی قربانیاں اپنی جگہ پر کھڑی ہیں جو قربانیاں ہم اس وقت تک دے چکے ہیں اگر

اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ دنیا میں ایک تغیر اور ایک تبدیلی پیدا کرے کہ وہ ہمیں کہنے لگیں کہ آؤ ہمیں اسلام سکھاؤ اور ہم کہیں کہ ہمارے پاس تو آدمی نہیں ہمارے پاس تو پیسہ نہیں ہمارے پاس تو ذرائع نہیں کہ ہم تم تک پہنچیں اور تمہیں اسلام سکھائیں اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ساری عمر کام کرتے رہے اور جب پھل لگنے کا وقت آیا تو تھک کے بیٹھ گئے کہ ہم میں اب سکت نہیں کہ اپنی محبت کا پھل جو محض اللہ کے فضل سے ہمیں ملنے والا ہے ہم اسے توڑیں اور اس سے فائدہ اُٹھائیں۔ میں نے ابھی بتایا ہے کہ پچیس تیس سال جہاں ان اقوام کے لئے بڑے نازک ہیں ہمارے لئے بھی یہ سال بڑے نازک ہیں۔

یہ زمانہ ہمارے لئے انتہائی نازک ہے اس لئے کہ اس زمانہ میں ہماری ترقی کے بہت سے دروازے کھل رہے ہیں اور کھلیں گے انشاء اللہ۔ اگر ہم اپنی غفلت اور سستی کے نتیجہ میں ان دروازوں میں داخل نہ ہوں تو بجائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کو ہم حاصل کریں اللہ تعالیٰ کے غضب کے مورد ہم بن سکتے ہیں۔ پس خوف کا مقام ہے ہمیں سوچنا چاہیے ہمیں ڈرنا چاہیے بدنتائج سے اور ہمیں اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنا چاہیے ہمیں ان فضلوں کو دیکھنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ ہم پر کررہا ہے اور اس فضل کے نتیجہ میں ہماری ترقیات کے نئے سے نئے دروازے اور نئی سے نئی راہیں ہم پر کھول رہا ہے اور اگر ہم یہ کہیں کہ اب ہم سے آگے نہیں بڑھا جاتا تو یاد رکھو کہ اسلام کے فدائی آگے تو ضرور بڑھیں گے مگر وہ کوئی اور قوم ہوگی جسے اللہ تعالیٰ کھڑا کرے گا اور وہ ان راہوں پر ان کو چلائے گا مگر میں پوچھتا ہوں آپ کیوں نہیں؟؟؟ آپ نے جن میں سے بعض نے تنتیس سال تک ان میدانوں میں قربانیاں دیں۔ جن میں سے بعض نے تئیس سال تک ان میدانوں میں قربانیاں دی ہیں۔ اب جب اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے آپ کی قربانیوں کو قبول کر کے غیر ممالک میں غلبۂ اسلام کے سامان پیدا کر دیئے ہیں اور اللہ اور محمد صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام آپ کو یہ آواز دیتے ہیں کہ آؤ آگے بڑھو غلبۂ اسلام کے سامان پیدا کر دیئے گئے ہیں مزید قربانیاں دو تا کہ اسلام کی فتح تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لو اور آپ یہ کہیں کہ ہم تھک گئے ہیں اب یہ فتوحات ہماری اگلی نسلیں دیکھ لیں ہم نہیں دیکھنا چاہتے کیا یہ جذبہ

درست اور معقول ہوگا؟ کیا آپ اسے پسند کریں گے؟ میں نہیں سمجھتا کہ آپ کسی صورت میں بھی اس چیز کو پسند کریں۔

پس میں اپنے بھائیوں کی خدمت میں بڑے درد کے ساتھ اور بڑے زور کے ساتھ یہ بات رکھنا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں ہم پہ اس رنگ میں نازل کیں کہ ہماری قربانیوں کو قبول کیا آسمان سے فرشتوں کو نازل کیا دلوں سے عیسائیت کو مٹا دیا اور ایسے سامان پیدا کر دیئے کہ اگر ہم اپنی کوششوں کو اور اپنے عملوں کو اور اپنی محنتوں کو اور اپنی تدابیر کو اور اپنی جدوجہد کو اور مجاہدہ کو تیز سے تیز تر کر دیں تو خدا ایسا کر سکتا ہے اور ہر ایک کے دل میں یہ خواہش ہے کہ خدا ایسا کرے کہ ہم زندگیوں میں اسلام کو ساری دنیا میں غالب ہوتا دیکھ لیں۔

پس قبل اس کے کہ وہ دن آئے جس دن خرید وفروخت بھی فائدہ نہیں دیتی کسی دوست کی دوستی فائدہ نہیں پہنچاتی کوئی شفاعت کرنے والا پاس نہیں آتا۔ ایسے آدمی کے پاس نہیں آتا جس نے اللہ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اس سے یہ وعدہ کیا ہو کہ ہم دین کو دنیا پر مقدم رکھیں گے لیکن جب دین کی آواز اُٹھے تو وہ کہے کہ دنیا کے دھندوں میں پھنسے ہوئے ہیں دین کی ضرورتوں کو کیسے پورا کریں۔ ایسے لوگوں کو اس دن نہ کوئی سودا نفع دے سکتا ہے نہ کوئی دوستی نفع پہنچا سکتی ہے نہ کوئی شفاعت کرنے والا انہیں میسر آ سکتا ہے۔ جیسا کہ بڑی وضاحت سے اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے۔

اس دن سے قبل اپنے ربّ کی رضاء کو ڈھونڈتے ہوئے اور اس کو پانے کے لئے ان قربانیوں کو اس کے قدموں پہ جا کر لا رکھو کہ جن کا وہ آج مطالبہ کر رہا ہے۔ جن کا مطالبہ آج وقت کی ضرورت کر رہی ہے۔ جن کا مطالبہ آج یورپین اور دوسری دنیا کی اقوام کے حالات کر رہے ہیں اگلے پچیس تیس سال کے اندر ہمیں انتہائی کوشش کرنی چاہیے کہ ہم ان دلوں کو جن میں مسیح علیہ السلام کی محبت ختم ہو چکی ہے اپنے ربّ کے لئے جیت لیں اور پھر خدا کرے کہ ہمارے سکھانے سے اور بتانے سے انہیں اللہ تعالیٰ کا عرفان اور معرفت حاصل ہو اور ان دلوں میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہو جائے۔ تب خدا ہمیں بڑے پیار سے یہ کہے کہ یہ میرے پیارے بندے ہیں جنہوں نے دنیا

کی ہر مصیبت اُٹھا کر ہر قربانی دے کر ان اقوام کے دلوں میں میری محبت کو پیدا کیا تھا میں سب سے زیادہ ان سے محبت کروں گا۔ اللہ کرے کہ ایسا ہی ہو۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۳؍نومبر ۱۹۶۷ء صفحہ ۲ تا ۵)

اللہ تعالیٰ نے جماعت احمدیہ سے یہ وعدہ کیا ہے کہ میں اس کے نفوس اور اموال میں برکت ڈالوں گا

خطبہ جمعہ فرمودہ ۳؍نومبر ۱۹۶۷ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت کے وقت اسلام کسمپرسی کی حالت میں تھا اور دنیائے اسلام، اسلام کی ضرورت، اسلام کے نام پر اور غلبہ اسلام کے لئے اپنے اموال قربان کرنے کی طرف کوئی توجہ نہیں دے رہی تھی۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے نشأۃ ثانیہ کے سامان پیدا کئے اور آپ کو مخلصین کی ایک جماعت دی گئی جو اپنے نفوس اور اپنے مال کی قربانی خدا کی راہ میں دینے والی تھی اللہ تعالیٰ جب اپنے بندوں سے قربانیاں لیتا ہے تو اس دنیا میں بھی اپنے فضلوں کا انہیں وارث بناتا ہے چنانچہ جب اس زمانہ میں نشأۃ ثانیہ کی ابتدا میں مخلصین کی ایک جماعت پیدا ہوئی اور انہوں نے اپنے وقتوں اور اپنی زندگیوں اور اپنے اموال کو خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا شروع کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے ایک وعدہ کیا اور وہ یہ تھا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا (جماعت کے متعلق) کہ میں ان کے نفوس اور ان کے اموال میں برکت ڈالوں گا۔ آؤ دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ کس رنگ اور کس شان کے ساتھ پورا ہوا میں اس وقت جماعت احمدیہ کی تاریخ کے پچھتر سالوں پر طائرانہ نگاہ ڈالوں گا۔ یہ ۱۹۶۷ء ہے اس میں سے پچھتر ہم نکال دیں تو

۱۸۹۲ء کا سال بنتا ہے اور جب ہم ۱۸۹۲ء اور ۱۹۶۷ء کے درمیانہ پچھتر سالہ عرصہ پر طائرانہ نظر ڈالتے ہیں اور مجموعی ترقی نفوس میں اور اموال میں مشاہدہ کرتے ہیں تو حیران رہ جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جو قدرت کاملہ کا مالک ہے اپنے بندوں پر کس طرح فضل کرتا ہے۔ ۱۸۹۲ء میں نفوس کے لحاظ سے (۱۸۹۲ء کے صحیح اعداد و شمار تو غالباً ہمارے ریکارڈ میں نہیں کیونکہ ہماری سینسیز (مردم شماری) کبھی نہیں ہوئی لیکن ایک عام اندازہ کیا جا سکتا ہے جلسہ سالانہ ۱۸۹۲ء (میں حاضری جلسہ ۳۲۷ تھی) کی حاضری دیکھ کر وغیرہ وغیرہ) کے لحاظ سے جماعت احمدیہ کی تعداد ایک ہزار کے لگ بھگ یا اگر بہت ہی کھلا اندازہ کیا جائے تو ایک ہزار سے تین ہزار کے درمیان تھی عام اندازے کے مطابق ۱۹۶۷ء کی یہ تعداد اس چھوٹی سی تعداد سے بڑھ کے کم و بیش تیس لاکھ کے قریب ہوگئی ہے۔

میرے اندازے کے مطابق تیس لاکھ سے کچھ اوپر ہے۔ اس زیادتی میں دو چیزیں اثر انداز ہوئیں ایک پیدائش دوسرے تبلیغ ہر دو راہوں سے اللہ تعالیٰ نے جماعت احمدیہ کے نفوس میں برکت ڈالی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دعا تو یہ فرمائی تھی کہ اک سے ہزار ہوویں لیکن جب اس تعداد کا جو ۱۹۶۷ء کی ہے۔ ۱۸۹۲ء کی تعداد سے ہم مقابلہ کرتے ہیں تو ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعا کے نتیجہ میں عملاً یہ کیا کہ تم اک سے ہزار مانگتے ہو میں ایک سے تین ہزار کرتا ہوں۔ چنانچہ جب ہم ان دو اعداد و شمار کا آپس میں مقابلہ کرتے ہیں گو (اگر اس وقت ایک ہزار احمدی سمجھے جائیں) ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو تین ہزار کر دیا ہے اک کو ہزار نہیں اک کو تین ہزار بنا دیا ہے۔ کیونکہ ۳ ہزار کو ہزار کے ساتھ ضرب دیں، تب یہ موجودہ شکل ہمارے سامنے آتی ہے اور اگر ۱۸۹۲ء میں جماعت کی تعداد تین ہزار سمجھی جائے جو میرے نزدیک بہت زیادہ اندازہ ہے تو پھر بھی اس سے اک سے ہزار ہوویں والی دعا اللہ تعالیٰ نے پوری کر دی اور پچھتر سال کے عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے جماعت کے نفوس کو ایک ہزار گنا زیادہ کر دیا یہ معمولی زیادتی نہیں حیرت انگیز زیادتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا جہاں اظہار ہوتا ہے وہاں عقل کی رسائی نہیں اللہ تعالیٰ کی غیر محدود قدرت اپنے بندوں پر جلوہ گر

ہوتی ہے اور تمام اندازوں کو غلط کر کے رکھ دیتی ہے۔ اگر یہ امید رکھیں اور یہ یقین رکھیں کہ اللہ تعالیٰ مستقبل میں بھی اس جماعت کو اسی رنگ میں اور اسی حد تک قربانیاں دینے کی توفیق دے گا جس طرح گذشتہ پچھتر سال وہ دیتا رہا ہے اور اس کے نتیجہ میں ہم پر اللہ تعالیٰ کے فضل بھی اسی رنگ میں ہوتے رہیں گے یہ تعداد اگر اسی نسبت سے بڑھتی رہے تو آج سے پچھتر سال کے بعد تین ارب اور نو ارب کے درمیان ہو جائے گی جس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر ہم اپنی دعاؤں سے اور اپنی تدبیر سے اور اپنی قربانیوں سے اور اپنی فدائیت اور جاں نثاری سے اللہ تعالیٰ کے فضلوں کو اسی طرح جذب کرتے رہیں جس طرح گذشتہ پچھتر سال میں ہم نے جذب کیا تھا تو اگلے پچھتر سال میں اسلام دنیا پر غالب آ جائے گا اور نشأۃ ثانیہ کی جو مہم ہے وہ پوری کامیابی کے ساتھ دنیا میں ظاہر ہو جائے گی خدا کرے کہ جماعت کو اسی طرح قربانیاں دینے کی توفیق ملتی رہے۔

یہ بھی کہا گیا تھا کہ میں ان کے اموال میں برکت ڈالوں گا اب اموال کو ہم دیکھتے ہیں ۱۸۹۲ء کے جلسہ سالانہ میں ۱۸۹۳ء کے لئے چندوں کے وعدے دیئے گئے (وہ انتظام اس وقت قائم نہیں تھا جو آج قائم ہے) اور وہ وعدے ساری جماعت کے سمجھے جانے چاہئیں کیونکہ تمام مخلصین جلسہ سالانہ پر جمع ہو جاتے تھے تو ۱۸۹۳ء کے لئے ۱۸۹۲ء کے جلسہ سالانہ پر جماعت نے جو وعدے دئے ان کی رقم سات سو کچھ روپے تھی اور آج پچھتر سال گذرنے کے بعد عملاً جماعت جو مالی قربانیاں خدا کی راہ میں پیش کر رہی ہے اس کی رقم ایک کروڑ سے اوپر نکل گئی ہے۔ ہم سات سو کی بجائے اگر ایک ہزار لے لیں (کیونکہ ان وعدوں کے علاوہ وہ دوست جو بعض مجبوریوں کی وجہ سے رہ جاتے ہیں انہوں نے بعد میں وعدے کئے ہوں گے اور رقمیں بھجوائی ہوں گی) تو اگر ۱۸۹۲ء کی آمد ایک ہزار روپیہ سمجھیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ اس کے مقابلہ میں ۱۹۶۷ء کی آمد ایک کروڑ سے اوپر نکل گئی۔ تحریک جدید کے چندے، صدر انجمن کے چندے، وقف جدید کے چندے، وقف عارضی کا جو خرچ ہوتا ہے (اگرچہ وہ ہمارے رجسٹروں میں درج نہیں ہوتا لیکن وہ بھی خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ ہے جو ایک احمدی کر رہا ہے اپنے خرچ پر باہر جاتا ہے کرایہ خرچ کرتا ہے۔ وہاں اپنے گھر سے زائد اسے خرچ کرنا پڑتا ہے) ان سب کو اگر اکٹھا کیا

جائے تو یہ رقم ایک کروڑ سے کہیں اوپر نکل جاتی ہے میں ایک کروڑ کی رقم اس وقت لے لیتا ہوں۔ تو ایک ہزار سے بڑھ کر ایک کروڑ تک ہماری مالی قربانیاں پہنچ گئیں۔ یہ بھی دس ہزار گنا رقم بن جاتی ہے گویا ایک روپے کے مقابلہ میں دس ہزار روپے کے چندے بنتے ہیں۔ یعنی ۱۸۹۲ء میں اگر جماعت نے ایک روپیہ خدا کی راہ میں خرچ کرنے کی توفیق اپنے ربّ سے حاصل کی تو اسی برگزیدہ جماعت نے ۱۹۶۷ء میں دس ہزار روپیہ (اس ایک روپیہ کے مقابلہ میں) خرچ کرنے کی اپنے رب سے توفیق پائی یہ تو چندوں کی نسبت ہے۔ مگر وعدہ کیا گیا ہے کہ اموال میں برکت دی جائے گی۔ اب جس نسبت سے جماعت کے اموال بڑھے ہیں وہ دس ہزار گنا سے زیادہ ہے کیونکہ ۱۸۹۲ء میں قریباً سَو فیصدی مخلص تھے اور پوری قربانی دے رہے تھے خدا کی راہ میں لیکن ۱۹۶۷ء میں تعداد چونکہ بڑھ گئی ہے۔ بہت سے ہم میں سے ایسے ہیں جو تربیت کے محتاج ہیں ہم امید رکھتے ہیں کہ وہ آج سے ایک سال یا دو سال یا چار سال یا پانچ سال کے بعد اس اَرفع مقام پر پہنچ جائیں گے جس پر اللہ تعالیٰ انہیں دیکھنا چاہتا ہے اور ان کے چندوں کی شرح اس شرح کے مطابق ہو جائے گی جو ۱۸۹۲ء میں مخلصین دیا کرتے تھے۔ اگر اس لحاظ سے دیکھا جائے تو جو اموال منقولہ اور غیر منقولہ ۱۸۹۲ء کے احمدیوں کے پاس تھے آج اس کے مقابلہ میں جماعت کے مجموعی اموال منقولہ یا غیر منقولہ کی قیمت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل کے ساتھ دس ہزار گنا سے زیادہ برکت ڈال دی ہے۔

پس اللہ تعالیٰ کے بے شمار فضل ہم پر نازل ہو رہے ہیں جس نقطۂ نگاہ سے بھی ہم دیکھتے ہیں عقلیں حیران رہ جاتی ہیں۔ اب پچھتر سالہ عرصہ قوموں اور جماعتوں کی زندگی میں کوئی لمبا عرصہ نہیں ہے اس چھوٹے سے عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے جماعت پر اپنے ایسے فضل کئے کہ ان کی تعداد ’’اک سے ہزار ہوویں‘‘ والی دعا سے بھی بڑھ گئی اور ان کے اموال میں جو برکت اللہ تعالیٰ نے ڈالی وہ اک سے دس ہزار کی نسبت سے بڑھ گئی اس سے ہم اس صداقت تک پہنچتے ہیں کہ جماعت احمدیہ خدا کی راہ میں جو مالی قربانیاں دیتی ہے وہ ضائع نہیں جاتیں۔ اس دنیا میں بھی خدا کی راہ میں دی گئی رقم تمہیں واپس مل جاتی ہے اور صرف اتنی ہی نہیں ملتی، دگنی ہی نہیں ملتی، دس گنے یا سو گنے ہی زیادہ

نہیں ملتی جیسا کہ ابھی میں نے اعداد و شمار سے بتایا ہے بلکہ دس ہزار گنے زیادہ ملتی ہے ایسے خاندان بھی ہیں جماعت کے کہ ان کے والد نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں جتنی قربانی دی، ان کے بچوں میں سے ایک ایک کی ماہوار آمدنی ان کی ساری زندگی کی مالی قربانی سے زیادہ تھی۔

تو اللہ تعالیٰ بڑے فضلوں کا مالک ہے اور بڑے فضل کر رہا ہے اور کرنا چاہتا ہے اور اس لحاظ سے اگر ہم اندازہ لگائیں کہ اگلے پچھتر سال میں ہمارے مالوں میں کس قدر برکت پیدا ہو جائے گی (مجموعی طور پر جماعت کے مالوں میں) تو بے شمار رقم بن جاتی ہے۔ اس لحاظ سے بھی اللہ تعالیٰ جماعت احمدیہ کو دنیا میں ایک فوقیت عطا کرے گا اور یہ ڈیڑھ سو سال کا عرصہ کوئی لمبا عرصہ نہیں ہے۔ ایک آواز جو اکیلی اور تنہا آواز اور ایک غریب انسان کی آواز، ایک ایسے انسان کی آواز تھی جو دنیوی لحاظ سے کوئی وجاہت یا اقتدار نہیں رکھتا تھا لیکن اپنے رب سے انتہائی پیار کرنے والا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق میں اس طرح وہ محو تھا کہ اُمّتِ مسلمہ میں ویسی محبت اور عشق کسی امتی نے اپنے امام، اپنے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی نہیں کی اس کو اللہ تعالیٰ نے کھڑا کیا اور کہا کہ میں دنیا میں تیرے ذریعہ سے اسلام کو پھر غالب کرنا چاہتا ہوں اور ایک ایسی جماعت تمہیں دوں گا (يَنْصُرُكَ رِجَالٌ نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ) کہ آسمان سے فرشتے نازل ہوں گے اور انہیں وحی کریں گے کہ وہ اٹھیں اور تیری خدمت میں لگ جائیں۔ پھر یہ ایک چھوٹی سی جماعت تھی ۱۸۹۲ء میں مگر وہ بڑھتی چلی گئی۔ اپنی تعداد میں جیسا کہ ابھی میں نے بتایا ہے ایک ہزار گنا زیادہ نہیں تین ہزار گنا زیادہ وہ ہوگئی۔

اور کہا گیا تھا کہ ان کے اموال میں برکت دی جائے گی چونکہ انہوں نے خدا کی راہ میں ایسے وقت میں قربانیاں دیں جب مسلمان کہلانے والے اسلام کی خاطر مالی قربانیاں دینے میں بڑی ہچکچاہٹ محسوس کرتے تھے اور عملاً کوئی قربانی نہیں دے رہے تھے اور اللہ تعالیٰ نے اتنا فضل کیا کہ ان کی حقیر قربانیوں کے نتیجہ میں جو ایک روپیہ انہوں نے دیا اس کے بدلہ میں ان کو اور ان کے خاندانوں کو دس ہزار روپیہ سے بھی زائد خدا نے دیا۔ اللہ تعالیٰ نے دس ہزار گنا سے بھی زیادہ

ان کے اموال کر دیئے۔ پس جو کچھ ہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں دیتے ہیں یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ اموال ضائع ہو گئے ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ اتنا ہی ہمیں مل جاتا ہے پھر تمہیں ڈر کس بات کا ہے جتنا تم نے دیا تھا وہ تمہیں واپس مل گیا بلکہ اللہ تعالیٰ کا فعل بڑی وضاحت سے یہ شہادت دے رہا ہے کہ تم ایک روپیہ میری راہ میں خرچ کرو میں دس ہزار روپیہ تمہیں لوٹا دوں گا اس دنیا میں اور جو بدلہ اس کی محبت کا اور اس کی رضا کا اور اس کی جنت کا اُخروی زندگی میں ملنا ہے وہ اس کے علاوہ ہے۔

پس بڑا سستا سودا ہے اور اس پس منظر میں میں آج آپ دوستوں کو یہ تحریک کرنا چاہتا ہوں کہ وقفِ جدید کی طرف آپ توجہ کریں میں نے اس خواہش کا اظہار کیا تھا اور یہ امید ظاہر کی تھی کہ اگر ہمارے اطفال اور ناصرات اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں اور ان کے والدین اپنے بچوں کی ذمہ داریوں کو سمجھیں اور ان کی برکت کا سامان پیدا کرنا چاہیں تو جو چھوٹے بچے ابھی ناسمجھ ہیں ان کی طرف سے بھی وقفِ جدید کے چھ روپے دیں تو اللہ تعالیٰ بڑی برکت ڈالے گا اور جن کو تھوڑا بہت شعور حاصل ہو گیا ہے ان کے سامنے والدین یہ بات رکھیں کہ خدا تعالیٰ ایک فقیر اور بھکاری کے رنگ میں تمہارے سامنے نہیں آتا (نعوذ باللہ) بلکہ ایک دیالو، ایک محسن، فضل کرنے والی ہستی کے طور پر تمہارے سامنے آتا ہے اور تمہیں کہتا ہے کہ میری راہ میں اموال خرچ کرو اگر تم اس دنیا میں بھی دس بیس ہزار گنا زیادہ اموال کو حاصل کرنا چاہتے ہو۔

تو اگر سارے کے سارے اطفال و ناصرات اس طرف توجہ کریں تو میں سمجھتا ہوں کہ سارا بوجھ قریباً ہمارے اطفال اور ناصرات اٹھا سکتی ہیں یا مجھے یوں کہنا چاہیے کہ جماعت کے وہ بچے جن کی عمر ابھی پندرہ سال کی نہیں ہوئی ایک منٹ کی عمر سے لے کر پندرہ سال کی عمر تک جتنے بچے اللہ تعالیٰ نے جماعت کو دیئے ہیں اگر ان کی طرف سے یا وہ خود اگر وہ کچھ شعور رکھتے ہیں وقفِ جدید کے لئے کم از کم چھ روپے سالانہ دیں جو کوئی ایسی بڑی رقم نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ ان کے بچپن سے ہی برکات کے سامان پیدا کرنے شروع کر دے گا۔

بعض خاندان بچوں کی طرف سے بینک میں رقم جمع کرنی شروع کر دیتے ہیں پہلے مہینے سے ہی بعض دوسرے تیسرے سال سے کہ جب یہ بڑے ہوں گے تو ان کے یہ کام آئے گی تو

بینکوں کی رقموں نے کیا بڑھنا ہے ضائع ہونے کا تو اندیشہ ہے لیکن اس قدر بڑھاؤتی کا وہاں کوئی سامان نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے خزانہ میں تو ضائع ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں اور بڑھاؤتی کے اتنے سامان ہیں کہ ایک روپیہ آپ کی طرف سے خدا تعالیٰ کے بینک میں جمع کرائیں گے ریزرو کے طور پر تو جس وقت وہ بڑے ہوں گے اللہ تعالیٰ ان کو ایک کی بجائے دس ہزار یا شاید اس سے بھی زیادہ دے گا۔

بچوں کی طرف سے چونتیس ہزار آٹھ سَو کے وعدے سال رواں کے ہوئے تھے جس کا یہ مطلب ہے کہ تمام احمدی بچوں کو اس طرف توجہ نہیں دلائی گئی اور تمام احمدی ماں باپ نے اپنے بچوں کی بہبود کی طرف توجہ نہیں دی لیکن اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ہزاروں اطفال و ناصرات اور چھوٹے بچے ایسے تھے جنہوں نے اس مد میں حصہ لیا۔ لیکن اس وقت تک کہ دس مہینے سال کے گذر چکے ہیں وعدوں کے مقابل آمد بڑی کم ہے اور یہ بڑی فکر کی بات ہے۔ آپ نے بچپن میں بچے کو یہ عادت نہیں ڈالنی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے وعدہ تو کرے مگر پورا نہ کرے آپ نے تو اس کو یہ عادت ڈالنی ہے کہ جب وہ خدا سے وعدہ کرے تو زمین و آسمان ٹل جائیں اس کا وعدہ پورا ہو اور آپ نے اس کے دل میں یہ احساس بیدار رکھنا ہے کہ خدا کی راہ میں جو مال دیا جاتا ہے وہ ضائع نہیں جاتا بلکہ جیسا کہ ہماری تاریخ اس پر شاہد ہے ایک سے دس ہزار گنا زیادہ ہو کر وہ واپس ملتا ہے (اس دنیا میں)۔

اب سال کے دو مہینے باقی رہ گئے ہیں میں یہ درخواست کرتا ہوں اور میں یہ یقین رکھتا ہوں کہ جماعت اس کی طرف فوری توجہ دے گی اور پندرہ دسمبر سے پہلے پہلے تمام وعدے پورے ہو جائیں گے اطفال کے بھی اور جو بڑوں کے وعدے ہیں وہ بھی۔ اس میں بھی کافی کمی ہے ہمارا بجٹ تھا دو لاکھ سترہ ہزار کے قریب۔ ہمارے وعدے تھے ایک لاکھ پچانوے ہزار نوسَو کے قریب۔ ہماری آمد دس مہینے کی ہے ایک لاکھ سینتیس ہزار۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کم از کم ساٹھ ہزار کے قریب ان دو مہینوں میں آمد ہونی چاہیے اور بچوں کی طرف سے کم از کم بائیس ہزار آٹھ سَو روپیہ آمد ہونی چاہیے۔ یہ بائیس ہزار اس ساٹھ ہزار میں شامل ہیں لیکن اس سے بھی وقفِ جدید کی ضرورت پوری

نہیں ہوتی کیونکہ مشاورت کے موقع پر دوستوں نے اس چیز کو محسوس کیا کہ ہمارے پاس زیادہ سے زیادہ مربی ہونے چاہئیں اور جو دوست وقف عارضی کے سلسلہ میں باہر جماعتوں میں جاتے ہیں ان میں سے بیسیوں نے مجھے خطوط لکھے کہ اس جماعت کو ضرورت ہے آپ کسی معلّم کو یہاں بھجوائیں اور ہر خط کے اوپر میں فکر مند ہو جاتا ہوں کہ ضرورت ہے مگر معلّم نہیں میں آدمی کہاں سے لاؤں؟؟؟ اور میں نے پہلے بھی متعدد بار تحریک کی ہے اور اب بھی تحریک کرتا ہوں کہ وقفِ جدید کو معلّم بھی دیں ایسے معلّم جو واقع میں اپنی زندگی خدا کی راہ میں وقف کرنا چاہیں۔ ایسے معلّم نہیں جو یہ سمجھیں کہ دنیا میں کسی اور جگہ ان کا ٹھکانا نہیں، چلو وقفِ جدید میں جا کے معلّم بن جائیں۔ سمجھدار، دعا کرنے والے، خدا اور اس کے رسول سے محبت کرنے والے، حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو تفسیرِ قرآن بیان کی ہے اس سے دلی لگاؤ رکھنے والے، اسے پڑھنے والے یاد رکھنے والے اور خدمت کا بے انتہا جذبہ رکھنے والے جس کے دل میں خدمت خلق کا جذبہ نہیں وہ معلّم نہیں بن سکتا کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ دنیوی لحاظ سے یا دینی لحاظ سے ہم اپنے بھائی کو جو کچھ بھی دیتے ہیں وہ خدمت کے جذبہ کے نتیجہ میں دیتے ہیں اس کے بغیر ہم دے ہی نہیں سکتے اپنا وقت اس کو دیں، اپنا مال اس کو دیں، اپنی زندگی اس کو دیں۔ دنیا کی کسی بہبود کے لئے یا آخرت کی بہبود کے لئے جب ہم قرآن کریم اس کو سکھا رہے ہوتے ہیں جب ہم نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اس کے سامنے رکھ رہے ہوتے ہیں یا ہم اس کی خاطر اس کا کوئی دنیوی کام کرانے کے لئے اس کے ساتھ باہر نکلتے ہیں ہر دو صورتیں جو ہیں وہ اس لئے پیدا ہوتی ہیں کہ ہمارے دل میں خدمتِ خلق کا جذبہ ہے۔ اگر خدمتِ خلق کا جذبہ نہ ہو۔ نہ دینی لحاظ سے نہ دنیوی لحاظ سے تو ہم اس کی خدمت کے لئے باہر نہیں نکل سکتے۔ پس ہمیں ایسے بے نفس خدمت گذار معلّم چاہئیں۔

منصوبہ یہ ہے کہ آئندہ جنوری میں پہلے سال کی نسبت زیادہ تعداد میں آدمی لئے جائیں جس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے سالوں کی نسبت ان پر زیادہ خرچ کیا جائے اور جو منصوبہ تھا اس کے مطابق ان کو دو لاکھ سترہ ہزار روپیہ چاہیے وعدے اس سے قریباً بائیس ہزار کے کم آئے ہیں۔

پس میں آپ سے یہ کہتا ہوں کہ آگے بڑھیں اور اپنے وعدوں کی حدود کو پھلانگتے ہوئے اس مقام تک پہنچ جائیں جو جماعت کی ضرورت کا مقام ہے اللہ تعالیٰ آپ کو بھی اور مجھے بھی اس کی توفیق عطا فرمائے۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۱۰؍نومبر ۱۹۶۷ء صفحہ ۲ تا ۴)

ہر احمدی کو تکبر اور خود بینی سے بچنا چاہیے اور استغفار کی طرف بہت ہی متوجہ رہنا چاہیے

خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۷ر نومبر ۱۹۶۷ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

کوئی دس دن ہوئے مجھے پیچش کا شدید حملہ ہوا تھا۔ دورانِ سر تکلیف بھی رہی اور ضعف بھی بہت پیدا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فضل کیا۔ میری اور آپ کی دعاؤں کو سنا اور بیماری سے شفا عطا کی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذٰلِكَ ابھی کچھ تھوڑی سی نقاہت باقی ہے انشاء اللہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ بھی دور ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ کام کی توفیق دیتا چلا آ رہا ہے اور آئندہ بھی اسی پر بھروسہ اور توکل ہے۔

اس وقت میں اپنے دوستوں کو اس طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ ہر فرد واحد کو جو احمدیت کی طرف منسوب ہوتا ہے پوری توجہ کے ساتھ اور پوری کوشش کے ساتھ اور پوری ہمت کے ساتھ تکبر اور خود بینی سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے اور استغفار کی طرف بہت ہی متوجہ رہنا چاہیے۔

ایک متکبر اور خود بین انسان وہ ہے جو اپنی ذات میں کچھ کمال سمجھتا ہے اور کسی طاقتِ بالا سے کمال کے حصول کی احتیاج محسوس نہیں کرتا خود کو صاحب علم جانتا ہے اور وہ جو علوم کا منبع اور سرچشمہ ہے اس سے غافل رہتا ہے اس وہم میں مبتلا ہوتا ہے کہ وہ اپنی ذات میں منور ہے اور وہ جو زمین و آسمان کا نور ہے اس سے روشنی کے حصول کا خیال اس کے دل میں پیدا نہیں ہوتا اور خود کو

طاقتور سمجھتا ہے اور وہ جو قادر و توانا ہے اس سے طاقت حاصل کرنے کے لئے اسلام نے جو ذرائع بتائے ہیں ان ذرائع کو استعمال نہیں کرتا یہ متکبر انسان اپنے لئے اپنے خیالات اور اپنے جذبات اور اپنے اعمال کے نتیجہ میں ایک جہنم پیدا کر رہا ہوتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قرآن کریم کی ان آیات کا ترجمہ کرتے ہوئے کہ اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ۔ اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ۔ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْۤ اَصْلِ الْجَحِيْمِ۔ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ۔ (الصّٰفّٰت: ۶۳ تا ۶۶) یہ بیان فرمایا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تم بتلاؤ بہشت کے باغ اچھے ہیں یا زقوم کا درخت جو ظالموں کے لئے ایک بلا ہے وہ ایک درخت ہے جو جہنم کی جڑ میں سے نکلتا ہے یعنی تکبر اور خود بینی سے پیدا ہوتا ہے یہی دوزخ کی جڑ ہے اس کا شگوفہ ایسا ہے جیسا کہ شیطان کا سر، شیطان کے معنی ہیں ہلاک ہونے والا یہ لفظ شیط سے نکلا ہے پس حاصل کلام یہ ہے کہ اس کا کھانا ہلاک کن ہے تو جہنم کی جڑ تکبر اور خود بینی ہے جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تفسیر کے مطابق اللہ نے قرآن کریم کی ان آیات میں اس بات کی وضاحت کی ہے تو کوئی شخص ایک ہی وقت میں متکبر اور جنتی نہیں بن سکتا۔ کیونکہ جس کے دل سے زقوم کا درخت نکلے جس کے دل اور جس کی روح میں دوزخ اور جہنم پرورش پا رہی ہے اس کے لئے جنت کے دروازے کیسے کھولے جا سکتے ہیں۔

اس کے مقابلے میں وہ انسان ہوتے ہیں جو اپنے نفس کو پہچانتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ انسان ایک بشر ہے اور ساری بشری کمزوریاں اس کے ساتھ لگی ہوئی ہیں انسان کی فطرت بدی کی طرف مائل ہوتی ہے اور وہ یہ جانتے ہیں کہ ہم محض اپنی کوشش اور اپنے زور سے اپنے نفس کی اس رنگ میں اصلاح نہیں کر سکتے کہ وہ خدا تعالیٰ سے دور ہونے سے بچ جائے اور اپنے ربّ کی طرف متوجہ ہو۔ فِيْ ذَاتِنَا ہمارے اندر کوئی طاقت نہیں اس لئے ایسا شخص اپنی فطرت کو کمزور پائے ہوئے اس یقین پر قائم ہوتا ہے کہ میرے اندر کوئی کمال نہیں میں نے ہر کمال اللہ تعالیٰ کی کامل ذات سے حاصل کرنا ہے۔

میرے اندر کوئی قدرت اور طاقت نہیں میں نے سب طاقتیں، طاقتوں کے منبع سے حاصل

کرنی ہیں میرے اندر کوئی علم نہیں وہ جس کے علم نے ذرّہ ذرّہ کا احاطہ کیا ہوا ہے اسی سے میں نے علم کو حاصل کرنا ہے اور میرے اندر کوئی نور نہیں جب تک میرا آسمانی باپ میرے لئے نور اور روشنی کے سامان پیدا نہ کرے تب وہ اپنے ربّ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور استغفار کرتا ہے۔

استغفار کے صحیح معنی جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بیان کئے ہیں یہ ہیں کہ انسان اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کرے کہ اس کی بشری اور فطری کمزوریوں کو اللہ تعالیٰ ڈھانک دے اور دبا دے اور وہ اُبھریں نہ!!! اور ظاہر نہ ہوں۔ تو ایسا شخص جو اپنی فطرت کو اور اپنے نفس کو پہچانتا ہے اور اس کی فطری کمزوریوں کی معرفت رکھتا ہے وہ شخص تکبر کو جہنم کی جڑ سمجھتا ہے اور جنت اور خدا کی رضاء کے حصول کے لئے بے نفسی کی زندگی گزارتا ہے وہ ہر وقت اپنے ربّ کے حضور جھکا رہتا ہے اور ہر آن اس سے یہ درخواست کرتا ہے کہ اے میرے ربّ! میرے اندر کوئی کمال نہیں تو میری استعداد کے مطابق مجھے کمال دے۔ میرے اندر کوئی روشنی نہیں لیکن میں روشنی سے محبت رکھتا ہوں تو نور کے سامان میرے لئے پیدا کر دے میں جاہل ہوں علم کا کوئی دعویٰ نہیں رکھتا لیکن اس یقین پر قائم ہوں کہ تو ہر علم کا سرچشمہ ہے اس چشمہ سے مجھے سیراب کر اور جو شخص جتنا جتنا استغفار کو اپنا شعار بناتا چلا جائے اتنا ہی وہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں آجاتا ہے اور شیطانی حملوں سے محفوظ ہو جاتا ہے اسی لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا ہی پیارا فقرہ فرمایا ہے کہ ’’خواہش استغفار فخر انسان ہے‘‘۔ پھر آپؑ فرماتے ہیں کہ ’’جو شخص کسی عورت کے پیٹ سے پیدا ہوا اور پھر ہمیشہ کے لئے استغفار اپنی عادت نہیں پکڑتا وہ کیڑا ہے نہ انسان اور اندھا ہے نہ سوجاکھا اور ناپاک ہے نہ طیب‘‘۔ پھر آپؑ فرماتے ہیں کہ اسلامی عقیدہ کے موافق بہشت و دوزخ انہی اعمال کے انعکاسات ہیں جو دنیا میں انسان کرتا ہے یعنی تکبر اور خود بینی وہاں دوزخ کی آگ کا روپ لے لیتی ہے اور انکسار اور بے نفسی جس کے نتیجہ میں انسان بے اختیار ہو کر بڑی کثرت کے ساتھ ہر وقت اور ہر آن خدا تعالیٰ سے استغفار کرتا رہتا ہے اس کا یہ فعل اور یہ احساس اور اس کے یہ اعمال جنت کے باغات اور جنت کی نہروں اور جنت کے میووں میں تبدیل ہو جاتے ہیں تو جس طرح دوزخ کی جڑ انسان کے نفس میں ہے اسی طرح جنت کا منبع بھی خود انسان کے اندر ہے

اور یہ منبع جو فطرت کے اندر اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے بیج کے طور پر ہوتا ہے اور انسانی فطرت کو صرف یہ طاقت عطا کی گئی ہے کہ وہ بے طاقت ہو کر اور اپنے نفس میں کوئی ذاتی خوبی اور کمال نہ پا کر اپنے ربّ کے حضور جھک جائے اور بالائی طاقت کو اپنی طرف کھینچے اور اس طرح پر اس کی جنت حسین نشوونما کو حاصل کرے۔

استغفار تو ہر وقت ہی کرنی چاہیے اللہ تعالیٰ جن کو توفیق دیتا ہے اور سمجھ عطا کرتا ہے وہ کوئی وقت بھی بغیر استغفار کے نہیں رہتے۔ بہت سی چیزوں کا انحصار عادت پر بھی ہوتا ہے اب ہم میں سے بہت سے گھروں سے نکلتے ہیں سودا لینے کے لئے بازار جاتے ہیں ہم اِدھر اُدھر کے پراگندہ خیالات ذہن میں رکھ کر بھی یہ فاصلہ طے کر سکتے ہیں اور ہم استغفار کرتے ہوئے بھی وہی فاصلہ طے کر سکتے ہیں ایک سیکنڈ بھی زیادہ وقت نہیں لگے گا لیکن ایک صورت میں ہم نے اپنا وقت ضائع کر دیا اور دوسری صورت میں ہم نے اپنے وقت کا صحیح استعمال کیا تو یہ عادت ڈالنی چاہیے ہم میں سے ہر ایک کو کہ استغفار کو اپنا شعار بنائے خالی لفظ نہ ہوں جو اس کے منہ سے نکل رہے ہوں بلکہ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ کے ساتھ اس کا یہ احساس بھی پوری شدت کے ساتھ بیدار ہو کہ میں کچھ نہیں ہر طاقت، ہر علم، ہر روشنی، ہر بھلائی، ہر خیر میں نے اپنے ربّ سے حاصل کرنی ہے میرے اندر اپنا ذاتی کوئی کمال نہیں ہے میرے اندر اگر کوئی خوبی میرے خدا نے رکھی ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ میں اس بات کا اقرار کروں کہ میرے اندر کوئی ذاتی کمال نہیں اور اپنے ربّ کے ساتھ تعلق کو استوار اور پختہ کرنے کی کوشش کروں اور پھر ہمارا ربّ جو بڑا ہی مہربان ہے اور غفور ہے وہ ہماری حالت کو دیکھ کے اور ہماری التجا کو سن کر اپنے فضلوں کو ہم پر نازل کرے اور ہمیں طاقت بھی دے ہمیں علم بھی دے ہمیں روحانی روشنی بھی دے جو اس جہان میں بھی اور اگلے جہان میں بھی یَسْعٰی نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ (الحدید: ۱۳) کے مطابق ہمارے کام آنے والی ہو اور ترقی کی راہیں ہم پر کھلتی رہیں اور ترقی کے ہر مقام اور ہر مرحلہ پر ہمارے اندر یہ احساس رہے کہ یہاں تک بھی ہم خدا کے فضل سے ہی پہنچے اپنی طاقت سے نہیں پہنچے۔ لیکن جو اگلی منزل ہے اس کے مقابلہ میں یہ بھی ایک ناقص مقام ہے۔

اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرنی چاہیے کہ اس ’’نقص‘‘ کو بھی وہ اپنے فضل سے دور کر دے اور اس ناقص مقام سے نکال کے ہمیں نسبتاً بہتر مقام تک پہنچا دے اور جو شخص ایسا نہیں کرتا اسے یاد رکھنا چاہیے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بڑی وضاحت سے یہ بیان فرمایا ہے کہ اگر تم استغفار کی بجائے تکبر اور خود بینی میں مبتلا ہو گے تو اپنے سینہ میں اپنے دل میں اپنی روح میں ایک جہنم کی پیدائش کے سامان پیدا کر رہے ہو گے اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔

اِسْتِغْفَار تو جیسا کہ میں نے کہا ہے کہ ہر وقت ہی کرنی چاہیے ہر آن ہمیں اس طرف متوجہ رہنا چاہیے لیکن بعض اوقات انسان کا ذہن زیادہ صاف ہوتا ہے بعض دوسرے اوقات کی نسبت۔ تو ہم میں سے جو دوست وقفِ عارضی پر گئے ہیں انہوں نے یہ مشاہدہ کیا ہے اور ان کی رپورٹوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ چونکہ ہمارے بھائی اخلاص کے ساتھ وقفِ عارضی کے لئے باہر جاتے ہیں اس وقت وہ دنیوی علائق سے آزاد ہوتے ہیں گھر کا کوئی فکر نہیں ہوتا پوری توجہ کے ساتھ اور پورے انہماک کے ساتھ وہ استغفار کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ کے فضلوں اور رحمتوں کو بڑی کثرت کے ساتھ اپنے پہ نازل ہوتا دیکھتے ہیں تو یہ بھی ایک بہت اچھا موقع ہے استغفار توجہ کے ساتھ کرنے کا تو اس ضمن میں میں اشارۃً جماعت کو اس طرف بھی متوجہ کر دیتا ہوں کہ وقفِ عارضی کے لئے بڑی کثرت کے ساتھ اپنے نام پیش کریں اور بار بار پیش کریں میں تو سمجھتا ہوں کہ جو شخص ایسا کر سکتا ہو اور اس کے رستہ میں کوئی خاص دشواری نہ ہو کہ جس کو دور کرنا اس کے لئے ممکن ہی نہ ہو تو اسے سال میں ایک سے زائد دفعہ بھی اپنے آپ کو وقفِ عارضی کے لئے پیش کرنا چاہیے لیکن ہر سال ایک دفعہ تو ضرور اس وقف میں حصہ لینا چاہیے تا کہ ایک قسم کی ٹرینگ اور استغفار کرنے کی تربیت بھی اسے مل جائے اور پھر اللہ تعالیٰ فضل کرے تو جس طرح اس زمانہ میں بہت سے لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے فضلوں کو نازل ہوتے دیکھا ہے۔ کثرت سے استغفار کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل اور زیادہ کثرت سے ان پر نازل ہوتے رہیں۔ سارا سال ہی نازل ہوتے رہیں۔

تو اِسْتِغْفَار کے معنی یہ ہیں کہ انسان ہر وقت اپنے ربّ سے یہ درخواست کرتا رہے کہ مجھ

میں بشری اور فطرتی کمزوریاں ہیں اور میں اپنی ان بشری اور فطری کمزوریوں سے واقف ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ اپنی ذات میں میرے اندر کوئی خوبی اور کمال نہیں۔ لیکن اے میرے ربّ! تو نے میرے دل میں یہ خواہش پیدا کی ہے کہ میں تیرے قرب کو حاصل کروں اور تیری مدد کے بغیر میں تیرا قرب حاصل نہیں کر سکتا۔ تیرے قرب کے حصول کے لئے جس طاقت کی مجھے ضرورت ہے جس نور کی مجھے ضرورت ہے جس علم کی مجھے ضرورت ہے جس کمال کی مجھے ضرورت ہے وہ تو ہی دے تو مجھے مل سکتا ہے ورنہ نہیں مل سکتا۔ پس اے میرے ربّ! میں تیرے حضور عاجزی اور تضرع سے جھکتا ہوں اور تجھ سے مدد طلب کرتا ہوں اور یہ چاہتا ہوں کہ تو میری بشری اور فطری کمزوریوں کو ڈھانک دے اور آسمانی نور سے مجھے منور کر دے اور قرآن کریم کی برکات سے مجھے حصہ دے اور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ کی پیروی کے نتیجہ میں تیری جو محبت ایک انسان کو حاصل ہو سکتی ہے وہ محبت تو ہمیں عطا کر۔

پس ہر وقت استغفار کی طرف ہر احمدی کو متوجہ رہنا چاہیے اور ہمیشہ اس کوشش میں رہنا چاہیے کہ تکبر اور خود بینی کا کوئی شائبہ بھی ہمارے نفسوں میں باقی نہ رہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۴؍نومبر ۱۹۶۷ء صفحہ ۲ تا ۴)

رمضان المبارک کے ذریعہ انسان غیر متناہی روحانی اور جسمانی دینی ترقیات حاصل کرسکتا ہے

خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۴ رنومبر ۱۹۶۷ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیتِ قرآنیہ کی تلاوت فرمائی:۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ؕ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ٞ وَ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (البقرۃ:۱۸۶)

اس کے بعد فرمایا:۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ یہ بیان فرماتا ہے کہ قرآن کریم ایک عظیم کتاب ہے یہ هُدًى ہے یعنی احکام شریعت پر مشتمل نازل کی گئی ہے۔ ہدایت کے معنی اس آسمانی شریعت کے ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنے کسی محبوب نبی اور رسول کے ذریعہ دنیا میں نازل کرتا ہے تا کہ وہ اپنی استعداد کے مطابق اس کی طرف رجوع کرسکیں اور اس کے انعامات کو حاصل کرسکیں اور اس کا قرب پاسکیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ بیان فرمایا ہے یہ ایک ایسی شریعت آسمانی ہے کہ لِلنَّاسِ جس کا تعلق کسی ایک قوم یا کسی ایک ملک یا کسی ایک زمانہ کے ساتھ نہیں ہر زمان ومکان میں بسنے والے انسانوں سے اس کا تعلق ہے یہ ان کے لئے ایک کامل اور مکمل شریعت ہے اور ہدایت کے دوسرے معانی کی رو سے اللہ تعالیٰ یہاں یہ بھی بیان فرماتا ہے کہ یہ ایک ایسی شریعت ہے کہ جو شخص ابتدا میں بعض باتوں کو سمجھتے ہوئے اس پر ایمان لاتا ہے اور اپنی سمجھ کے مطابق اس پر عمل کرتا ہے یہ کتاب اس کے دل پر مزید روحانی ترقی کا شوق پیدا کرتی ہے اور مزید روحانی ترقی کی تڑپ کو پورا کرنے کے سامان بھی اس میں پائے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر وقت ایسے انسان کے ساتھ رہتا ہے اور اس کی روحانی راہ نمائی کرتے ہوئے بلند سے بلند مقام تک اسے پہنچاتا چلا جاتا ہے اور ایسے انسان کا اللہ تعالیٰ کے فضل سے انجام بخیر ہوجاتا ہے اور وہ اس کی رضا کی جنت میں داخل ہوجاتا ہے۔

پھر فرمایا کہ یہ صرف هُدًى لِّلنَّاسِ ہی نہیں بلکہ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى بھی ہے۔

واضح دلائل اور حکمتیں بتا کر اپنی شریعت (اپنے احکام کو) منوانے والی کتاب ہے دنیا میں بہت سے لوگ تو ایسے ہوتے ہیں جو دین العجائز کو اختیار کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے حصہ وافر پاتے ہیں لیکن بہت سے ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے عقل اور فراست دی ہوتی ہے فکر اور تدبر کے وہ عادی ہوتے ہیں اگر ان لوگوں کی تسلی کا سامان بھی اس کتاب میں نہ ہوتا تو وہ ٹھوکر کھا جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے ایسے ذہنوں کی ترقی کا سامان بھی اس میں کر دیا ہے یہ کتاب حکمت اور دلائل کے ساتھ اپنے احکام کو منواتی ہے اور یہ کتاب ایسی ہے جو فرقان ہے یعنی حق اور باطل میں تمیز کرنے والی ہے (جہاں تک اعتقادات کا سوال ہے) اور عملِ صالح اور ایسے عمل کے مابین جو فساد سے پُر ہو امتیاز کرنے والی ہے۔ اس کی تعلیم ہمیں بتا دیتی ہے کہ یہ اعمال ایسے ہیں جو خدا تعالیٰ کو محبوب ہیں اور یہ ایسے ہیں جن میں فساد پایا جاتا ہے اور فساد کو پسند کرنے والا اور فساد سے پیار کرنے والا شیطان ہی انہیں پسند کر سکتا ہے۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کی محبت کو حاصل کرنا چاہتے ہو تو اس قسم کے فساد والے اعمال سے تمہیں پرہیز کرنا ہوگا یہ کتاب عملِ صالح

اور عمل غیر صالح (جسے عربی زبان میں طالح بھی کہا جاتا ہے) کے درمیان فرق کر کے دکھا دیتی ہے۔

پس یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس قدر عظیم کتاب کو ہم نے رمضان کے مہینے میں نازل کرنا شروع کیا تھا شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ اور اسے (سارے کے سارے کو) اپنے اپنے وقت پر رمضان کے مہینے میں نازل کرتے رہے ہیں جیسا کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر ماہ رمضان میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے جبرائیل علیہ السلام نزول فرماتے اور میرے ساتھ قرآن کریم کا دور کیا کرتے۔ اس رمضان میں جتنا حصہ قرآن کریم کا نازل ہو چکا ہوتا اس کا دور نزول کے ذریعے جبرائیل علیہ السلام حضرت نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کرتے ایک دفعہ پھر دوسری دفعہ پھر تیسری دفعہ نزول ہوتا رہتا تھا اور آخری سال نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبرائیل علیہ السلام نے میرے ساتھ دو دفعہ قرآن کریم کا دور کیا ہے۔ غرض اتنی عظیم کتاب کا اس مہینے میں بار بار نزول ہونا اور پھر اسی مہینہ میں نزول ہونا بتاتا ہے کہ یہ ماہ بھی بہت سی برکتیں اپنے اندر رکھتا ہے پس فرمایا کہ یہ مہینہ وہ ہے جس کے بارہ میں قرآن کریم کے احکام بھی پائے جاتے ہیں اس کے علاوہ اس کا قرآن کریم کے ساتھ بڑا گہرا تعلق ہے اور جو قرآنی برکتیں اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان کی ہیں جن کا اختصار کے ساتھ ابھی میں نے ذکر کیا ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر تم ان برکتوں کو حاصل کرنا چاہتے ہو تو رمضان کی عبادتوں سے پورا پورا فائدہ اٹھاؤ۔

رمضان میں انسان رمضان کی عبادات یعنی روزہ، وہ نوافل جو کثرت سے پڑھے جاتے ہیں اور وہ دینی مشاغل جن میں انسان مصروف رہتا ہے مثلاً سخاوت ہے کمزور بھائیوں کا خیال رکھنا ہے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے مہینہ میں اس طرف خاص توجہ فرماتے تھے۔ غرض وہ تمام عبادات جن کا تعلق رمضان سے ہے اگر تم بجالاؤ گے تو تین باتیں تمہیں حاصل ہو جائیں گی تین برکتوں کے تم وارث ہو گے اور وہ تین برکتیں یہ ہیں کہ تمہیں ہدایت ملے گی۔ ہدایت تمہارے دلوں میں بشاشت پیدا کرے گی اور یہ شوق پیدا کرے گی کہ ہدایت کے اس مقام پر ٹھہرنا تو ٹھیک نہیں جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ استعداد دی ہے کہ ہم ہدایت کی سیڑھیوں پر درجہ بدرجہ بلند سے بلند تر ہوتے چلے جائیں تو پھر ہمیں آگے چلنا چاہیے اور مزید رفعتوں کو حاصل کرنا چاہیے۔

پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قرآن کریم کے احکام اور اس شریعت کی برکت اور اس پر عمل پیرا ہونے کے نتیجہ میں تم اپنی ہدایت میں ترقی کرتے چلے جاؤ گے۔ رمضان میں یہ دروازے زیادہ فراخی کے ساتھ تمہارے اوپر کھولے جائیں گے پھر تم میں سے جو زیادہ سمجھ دار اور فراست رکھتے ہیں اور ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ ہم نے مانا کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ کتاب ہے کامل اور مکمل شریعت ہے اور ہم آنکھیں بند کر کے بھی اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہیں لیکن اے خدا جب تو نے ہمیں عقل اور فراست اور فکر اور تدبر کا مادہ عطا کیا ہے تو ہماری ان قوتوں اور استعدادوں کو بھی تو تسلی دے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں پر بھی رمضان کے مہینہ میں بَیِّنٰتٌ حکمتیں جو قرآن کریم کے احکام کی ہیں۔ وہ بھی کھولتا ہے علم قرآن اس رنگ میں بھی عطا کیا جاتا ہے اور رمضان کے مہینہ میں خاص طور پر عطا کیا جاتا ہے۔

پھر چونکہ یہ فرقان ہے ایسے شخص کو جو خلوص نیت کے ساتھ رمضان کی عبادات بجا لاتا ہے اور اس کی عبادات مقبول ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرقان عطا کرتا ہے فرقان کا لفظ جب ہم انسان کے متعلق استعمال کرتے ہیں تو اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے ایک نور عطا کرتا ہے اور اس نور کے استعمال کی توفیق عطا کرتا ہے اور وہ نور اسے قرب الٰہی کی طرف لے جاتا ہے کیونکہ نور ہی نور کی طرف جا سکتا ہے۔ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ زمینوں اور آسمانوں کا نور اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو رمضان کے مہینہ میں بہتر نور اور کثرت سے نور عطا کرتا ہے اور قرب کی راہیں اس پر کھولتا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ اتنی برکتوں والا مہینہ ہے جو تمہاری روحانی اور جسمانی ترقیات کے سامان اپنے اندر رکھتا ہے اس لئے ہم تمہیں یہ کہتے ہیں کہ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ جسے اللہ تعالیٰ زندگی اور صحت میں رمضان دکھائے اس کا فرض ہے کہ وہ رمضان سے فائدہ اُٹھائے اس لئے جو شخص بھی رمضان میں زندہ ہو اور صحت مند ہو وہ رمضان کے روزے رکھے اور دیگر عبادات بجا لائے کیونکہ رمضان کی عبادت محض یہ نہیں کہ انسان بھوکا رہے بھوکا رہنے سے خدا کو یا خدا کے بندوں کو کیا فائدہ، اگر یہ شخص اس بھوکا رہنے کی حکمت کو نہیں سمجھتا اور

اس کے لوازم کو ادا نہیں کرتا۔

رمضان کے مہینہ میں ہم خاص طور پر قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں اور نوافل کی ادائیگی کی طرف زیادہ توجہ دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص صحت میں رمضان کا مہینہ پائے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ رمضان کی برکتوں سے فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کرے روزے بھی رکھے۔ نوافل بھی ادا کرے غرباء کا خیال بھی رکھے خدا تعالیٰ کی راہ میں سخاوت کا مظاہرہ بھی کرے اپنے بھائیوں کی غم خواری اور ان سے ہمدردی بھی کرے تمام بنی نوع انسان سے محبت کا سلوک کرے اور اپنی زبان کو اور دوسرے جوارح کو ان اعمال سے بچائے رکھے جو خدا تعالیٰ کو ناراض کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کثرتِ تلاوت اور کثرتِ نوافل اور روزے رکھنے کے نتیجہ میں ہدایت کے، بَيِّنٰتٌ کے اور نُوْرٌ مِّنَ اللّٰهِ کے سامان پیدا کرے گا۔

اللہ تعالیٰ یہاں بیان فرماتا ہے کہ جو شخص بیمار ہو یا سفر پر ہو وہ کسی اور وقت رمضان کے روزوں کی گنتی کو پورا کرے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میرا ارادہ ہے کہ اس طرح میں اپنے بندوں کے لئے سہولت کے سامان پیدا کروں مومن وہی ہوتا ہے جو اپنے ارادہ اور خواہش کو چھوڑ دیتا ہے اور خدا کے ارادہ کو قبول کرتا ہے پس یہ مومن کی علامت ہے کہ وہ سفر میں اور بیماری میں اپنی شدید خواہش کے باوجود اپنی اس تڑپ کے باوجود کہ کاش میں بیمار نہ ہوتا یا سفر میں نہ ہوتا روزہ نہیں رکھتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ نیکی اس بات میں نہیں کہ میں بھوکا رہوں بلکہ نیکی یہ ہے کہ میں اپنے ارادہ کو خدا تعالیٰ کے ارادہ کے لئے چھوڑ دوں۔ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ میں ایک تو اس ارادہ کا اظہار کیا گیا ہے دوسرے اس ارادہ کا اظہار کیا گیا ہے کہ میں نے رمضان کی عبادتیں تم پر اس لئے واجب کی ہیں اور قرآن کریم کی شریعت تم پر اس لئے نازل کی ہے کہ تم پر میرے قرب کی وہ راہیں کھلیں جو تمہاری روحانی خوشحالی کا باعث ہوں اور جو مشکلات تمہاری روحانی تشنگی کے نتیجہ میں پیدا ہو سکتی ہیں ان سے تم محفوظ ہو جاؤ۔ پس تمہیں اس سے فائدہ اُٹھانا چاہیے۔

وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ اس کے کئی معانی ہو سکتے ہیں لیکن ایک معنی یہ بھی ہیں کہ تا تمہاری زندگی

کے یہ چند روز جو تم اس دنیا میں گذارتے ہو اپنے کمال کو پہنچ جائیں۔ کمال کے معنی عربی میں یہ ہوتے ہیں کہ جس غرض کے لئے کوئی چیز پیدا کی گئی ہے وہ غرض پوری ہو جائے اور انسان کو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے خدا تعالیٰ کی بندگی اور عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ سارا انتظام میں نے اس لئے کیا ہے کہ تا تم اس غرض کو پورا کر لو اور اپنے اس مقصد کو حاصل کرلو جس غرض کے لئے تمہیں پیدا کیا گیا ہے اور جو مقصد تمہارے سامنے رکھا گیا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ اگر تم واقعہ میں خلوص نیت سے یہ عبادتیں بجالاؤ گے تو میری طرف سے ہدایت اور بینات اور نور کو حاصل کر لو گے لیکن شیطان خاموش نہیں رہے گا وہ کوشش کرے گا کہ تمہیں اس مقام سے گرا دے۔ پس اپنی ہدایت کو قائم رکھنے کے لئے اور ان نعماء کو زوال سے بچانے کے لئے جو اللہ تعالیٰ رمضان کے مہینہ میں تمہیں عطا کرے ایک گُر ہم بتاتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ وَ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ کہ ہدایت اور روشنی اور حکمت سیکھنے کے بعد تمہارے دل میں کبر نہیں پیدا ہونا چاہیے۔ تمہیں یہ خیال نہیں ہونا چاہیے کہ تم نے اپنی کسی خوبی کے نتیجہ میں اس مقام کو حاصل کیا ہے بلکہ جب بھی اللہ تعالیٰ کی کوئی نعمت تم پر نازل ہو تُكَبِّرُوا اللّٰهَ تم اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور اس کی عظمت کو بیان کرو اور اپنے نفس کو بھول جاؤ اس طرح وہ نعمتیں جو تمہیں عطا کی جائیں گی انجام تک تمہارے ساتھ رہیں گی تمہارا انجام بخیر ہوگا اور یہ طریق ہے شکر ادا کرنے کا۔ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ اس کے بغیر تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کر سکتے۔ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے فضل سے کوئی ہدایت یا بینہ یا کوئی نور عطا کرتا ہے اور تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ تمہاری کسی خوبی کے نتیجہ میں تمہیں ملا ہے تو تم شکر کس کا ادا کرو گے تم اپنے نفس کا ہی شکر ادا کرو گے نا، لیکن اگر تم اس یقین پر قائم ہو کہ جو ہدایت بھی ہمیں ملتی ہے صراط مستقیم کی شناخت کے رنگ میں یا حکمتوں کے نزول کے رنگ میں یا اُس نور کے رنگ میں جو آسمان سے نازل ہوتا ہے اور انسان کے دل کو منور کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے قرب کی راہوں کو کھولتا ہے یہ سب کچھ تمہاری کسی خوبی کے نتیجہ میں نہیں بلکہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل کے نتیجہ میں ہے اور اس سے اس کی عظمت اور اس کی کبریائی ثابت ہوتی ہے پس اگر تم ہدایت پانے کے بعد خدا تعالیٰ کی عظمت اور اس کی کبریائی کا اعلان کرو گے اور خدا تعالیٰ کی

عظمت اور اس کی کبریائی کو اپنے دلوں میں محسوس کرو گے اور اپنے نفس کو اس کی راہ میں مٹا دو گے تب تم شکر کرنے کے قابل ہو گے ورنہ تم شکر کے قابل نہیں ہو گے تمہارا شکر زبانوں پر تو ہو گا لیکن تمہارے دل اور تمہارے اعمال اور تمہاری روح اور تمہارے جوارح خدا تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کر رہے ہوں گے۔ پس اگر تم خدا تعالیٰ کا شکر گذار بندہ بننا چاہتے ہو تو جب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں کوئی نعمت ملے تُكَبِّرُوا اللهَ اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور عظمت کا اعلان کرو اور اپنے دل اور سینہ میں اس عظمت کے احساس کو زندہ اور اجاگر اور شدت کے ساتھ قائم کرو اور تم شکر گزار بندے بن جاؤ اور جب تم خدا تعالیٰ کے شکر گزار بندے بن جاؤ گے تو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے وہ تمہیں مزید نعمتیں عطا کرے گا مزید ترقیات کے دروازے تم پر کھولے گا مزید حکمتیں اور علوم قرآنی تمہیں عطا کرے گا اور تمہارے نور میں اور زیادہ نورانیت پیدا کرے گا اور پھر ایک حسین اور مفید چکر اور دائرہ قائم ہو جائے گا۔ تم خدا تعالیٰ سے نعماء حاصل کرتے رہو گے اور اپنی ہدایت اور اپنی فراست اور اپنی روحانیت کے نتیجہ میں ہر موقع پر اپنے نفس کو قربان کر کے اللہ ہی کی عظمت اور کبریائی کا اعلان کرو گے اور اس طرح اس کا شکر ادا کرو گے تو پھر وہ اور نعمتیں تمہیں دے گا پھر تم اور شکر ادا کرو گے تو وہ اور نعمتیں تمہیں عطا کرے گا۔ غرض رمضان کے مہینہ میں ایک ایسا دائرہ شروع ہو جاتا ہے جو غیر متناہی روحانی اور جسمانی، دینی اور دنیوی ترقیات کے دروازے کھولتا چلا جاتا ہے اور انسان کسی مقام پر ٹھہرتا نہیں اور انسان کا دشمن شیطان جو کبھی نفسِ امارہ کی سرنگ سے اور کبھی بیرونی حملوں کے ذریعہ انسان کو خدا سے دور کرنا چاہتا ہے وہ اپنے تمام حملوں میں ناکام ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہمیشہ ہی شیطانی حملوں سے بچائے رکھے اور محفوظ رکھے۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۲؍دسمبر ۱۹۶۷ء صفحہ ۲ تا ۴)

رمضان المبارک میں آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور کثرت سے الٰہی برکات کا نزول ہوتا ہے

خطبہ جمعہ فرمودہ یکم دسمبر ۱۹۶۷ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیت قرآنیہ کی تلاوت فرمائی۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ۔ (البقرۃ:۱۸۶)

پچھلے دنوں میں نے بتایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ہماری توجہ اس طرف پھیری ہے کہ قرآنِ کریم کامل ہدایت ہے اور حکمتوں اور دلائل کے ساتھ اپنی بات منوانے والی کتاب ہے اور اس پر عمل پیرا ہو کر نور اور فرقان انسان کو حاصل ہو سکتا ہے کیونکہ یہ ایک کامل اور مکمل نور ہے۔ جو اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ کے سر چشمہ سے نکلا ہے اور رمضان کا مہینہ اس لئے مقرر کیا گیا ہے کہ قرآنِ کریم کی ہدایت اور اس کی حکمتوں اور اس کے فرقان سے زیادہ سے زیادہ حصہ لیا جا سکے۔

آج میں رمضان کے متعلق نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض ارشادات اپنے دوستوں کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔ امام بخاریؒ لکھتے ہیں کہ ابوہریرہؓ سے یہ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِيْ اَنْ يَّدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ۔

یعنی اگر کوئی شخص بظاہر رمضان کے روزے تو رکھتا ہے۔لیکن قولِ زور اور قولِ زور پر عمل چھوڑتا نہیں تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا کھانا پینا یا بعض اور باتوں کو دن کے وقت چھوڑنا مقبول نہیں ہوگا۔ زُور کے معنی اَلْعَيْلُ عَنِ الْحَقِّ حق اور صداقت سے پرے ہٹ جانے کے ہیں۔ اسی طرح مفردات راغب نے زود کے ایک معنی بُت کے بھی کئے ہیں (وَيُسَمُّ الصَّنَمُ زُوْرًا) تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص غلط اعتقادات کو چھوڑتا نہیں اور ان کا اپنی زبان سے اور اپنے عمل سے اظہار کرتا ہے اور غلط اعتقادات کے نتیجہ میں عمل غیر صالح بجالاتا ہے۔ ایسے شخص کا روزہ رکھنا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ کھانا اور پینا چھوڑ دینا کوئی ایسی نیکی نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کو مقبول ہو اور اس کے نتیجہ میں وہ اس کی طرف متوجہ اور ملتفت ہو۔

اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ رمضان کا مہینہ نفسِ امّارہ کو کچلنے کے لئے قائم کیا گیا ہے۔یعنی رمضان کے روزے اور اس کی دیگر عبادات اس لئے فرض کی گئی ہیں اور اس میں بجالانے والے نوافل اس لئے قائم کئے گئے ہیں کہ انسان نفسِ امّارہ کے حملوں سے نجات پائے اور انسان کا نفسِ امّارہ نفسِ مطمئنہ کی اطاعت کا جُوا اپنی گردن پر رکھ لے لیکن اگر رمضان کا مہینہ نفسِ امّارہ کے مارنے پر منتج نہیں ہوتا اس کے نتیجہ میں نفسِ امّارہ مرتا نہیں ۔ بدی کی رغبت اسی طرح قائم رہتی ہے انسان کی زبان اور اس کا دل اور اس کے جوارح پاک نہیں ہوتے تو اسے بھوکا رہنے اور پیاسا رہنے سے کیا فائدہ۔ اگر اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی قبولیت انسان کو حاصل نہ ہو اور خدا تعالیٰ محبت اور پیار کے ساتھ اس کی طرف ملتفت اور متوجہ نہ ہو۔

یہاں جیسا کہ پہلے بزرگوں نے بھی یہی معنی کئے ہیں حَاجَةٌ کے معنی وہ نہیں جو اس وقت ہوتے ہیں جب یہ لفظ انسان کے لئے استعمال کیا جاتا ہے بلکہ حَاجَةٌ کے معنی یہاں یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کے روزوں کو قبول نہیں کرے گا اور انسان کی طرف ملتفت نہیں ہوگا۔ پس روزے اس معنی میں کہ یہ نفس کے کچلنے کے لئے قائم کئے گئے ہیں اور شیطان کے حملوں سے انسان کو بچاتے ہیں ہمارے لئے بطور ڈھال کے ہیں جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اَلصِّيَامُ جُنَّةٌ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَجْهَلَ - فَاِنِ امْرُؤٌ قَاتَلَهٗ اَوْ شَاتَمَهٗ فَلْيَقُلْ اِنِّيْ

صَائِمٌ مَرَّتَيْنِ۔ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَخَلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ اَطْيَبُ عِنْدَاللّٰهِ تَعَالٰى مِنْ رِّيْحِ الْمِسْكِ يَتْرُكُ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ وَشَهْوَتَهٗ مِنْ اَجْلِيْ وَالصِّيَامُ لِيْ وَاَنَا اَجْزِيْ بِهٖ وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا۔

یہ بھی بخاری کی حدیث ہے۔ اس میں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ماہ رمضان اور اس کے روزے بطور ڈھال کے تمہارے لئے بنائے گئے ہیں اور اگر تم روزے کی روح اور اس کی حقیقت کو سمجھو تو شیطانی حملوں سے تم خود کو محفوظ کر سکتے ہو اس لئے ضروری ہے کہ تمہاری زبان پر کسی قسم کا فحش نہ آئے شہوت کو اُبھارنے والی باتیں نہ آئیں اور لَا يَجْهَلْ یہ بھی ضروری ہے کہ انسان جَهْل سے کام نہ لے۔ جَهْل کے تین معنی ہیں اور تینوں یہاں چسپاں ہوتے ہیں۔ ایک معنی تو اس کے یہ ہیں کہ انسان علم سے خالی ہو یعنی اس کے معنی عدمِ علم کے ہیں۔ پس نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علم کا سمندر قرآن کریم میں ہے رمضان میں کثرت تلاوت کا میں تمہیں حکم دیتا ہوں جیسا کہ دوسری جگہ آتا ہے اور یہی میری سنت اور یہی حضرت جبرئیل علیہ السلام کی سنت ہے کیونکہ ہر رمضان میں وہ پورے قرآن کریم کا دور آپ سے کیا کرتے تھے۔ تو علم کے سمندر کا تمہیں پتہ دیا گیا اور اس سمندر میں غوطہ لگانے کے سامان تمہارے لئے مہیا کئے گئے اس لئے تم چوکس اور ہوشیار رہنا کہ کہیں اس موقع کو کھو نہ دو اس لئے روزہ دار کے لئے ضروری ہے لَا يَجْهَلْ کہ اپنے اندر جہالت باقی نہ رہنے دے کیونکہ علم کے دروازے اس کے لئے کھولے گئے ہیں اور علم کے نور سے منور ہونے کی راہیں اسے بتائی گئی ہیں۔

دوسرے جَهْل کے معنی غلط اعتقاد کے ہیں۔ پس نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن کریم چونکہ کامل اور مکمل کتاب ہے جو شخص اسے سمجھتا اور اس کی حکمتوں کو جاننے کی طرف متوجہ ہوتا ہے وہ تمام اعتقادات صحیحہ پر عبور حاصل کر سکتا ہے۔ تو یہ موقع جب تمہیں دیا جاتا ہے کہ تم ہر قسم کے غلط اعتقاد کو اپنے ذہنوں اور دلوں سے نکال کر باہر پھینک دو تو اس موقع سے فائدہ اُٹھاؤ لَا يَجْهَلْ ایک مومن روزہ دار کو چاہیے کہ صحیح اعتقادات کے حصول کے لئے پوری پوری کوشش کرے اور قرآن کریم سے پورا پورا فائدہ اٹھائے اس سے بے اعتنائی نہ برتے۔

تیسرے جَهْل کے معنی ہیں فِعْلُ الشَّیْءِ بِخِلَافِ مَا حَقُّهٗ اَنْ يُّفْعَلَ جو کام جس طور پر کرنا چاہیے اس طرح نہ کرنا تو لَا يَجْهَلَ کے معنی ہیں کہ رمضان میں حسنِ عمل کی طرف خاص طور پر متوجہ ہونا چاہیے یعنی جو اعمالِ صالحہ کا حق ہے وہ ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اسی لئے رمضان کے ساتھ صرف بھوکا رہنے یا پیاسا رہنے یا بعض دیگر پابندیوں کو بجا لانے کا ہی حکم نہیں بلکہ سارے نیک اعمال کرنے کی طرف انسان کو توجہ دلائی گئی ہے اور یہ اشارہ کیا گیا ہے کہ تمہاری زندگی اور تمہاری بقا کے لئے جو ضرورتیں ہو سکتی تھیں ان کو پورا کرنے کے سامان کر دیئے گئے ہیں اب تمہارا کام ہے کہ تم ان سے فائدہ اُٹھاؤ اور ایک صراطِ مستقیم پر تمہیں چلا دیا گیا ہے۔ یہ صراطِ مستقیم اعمالِ صالحہ کا ہے تم اس صراطِ مستقیم پر چلتے رہو جہالت سے کام نہ لینا۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمہیں مشک وغیرہ کی خوشبو بہت پسند ہے اسی لئے ہم نے یہ حکم دیا ہے کہ جمعہ کے موقع پر یا عید کے موقع پر یا دوسرے اجتماعوں میں مشک اور دوسری خوشبوئیں لگا کر آیا کرو تا کہ تمہارے ساتھی ایک قسم کی لذت محسوس کریں تو جتنی مشک کی خوشبو تمہیں اچھی لگتی ہے اس سے زیادہ ہمیں وہ بو محبوب ہے جو محض ہماری رضا کے لئے کھانا چھوڑنے کے نتیجہ میں بعض دفعہ منہ میں پیدا ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ تو خوشبو اور بدبو ہر دو سے بے نیاز ہے۔ نورِ محض کو جسمانی حواس یا ان حواس سے حاصل ہونے والی لذتوں سے کیا سروکار لیکن جو شخص اس کی خاطر، محض اس کی رضا کے لئے بھوک کو برداشت کرتا ہے اور کھانے پینے کو چھوڑتا ہے اگر اس کے نتیجہ میں بعض ایسی باتیں پیدا ہوتی ہیں جو انسان کو پسند نہیں تو نہ ہوا کریں ہم تو اس کے دل کی کیفیت کو دیکھ کر اس قسم کی بو کو بھی بڑا ہی محبوب سمجھتے ہیں کیونکہ ہمارے لئے اس شخص نے ایسا کام کیا کہ جس کے نتیجہ میں اس کے منہ میں وقتی طور پر بو پیدا ہوگئی اور ہمیں یہ خُلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ (روزہ دار کے منہ کی بو) اس لئے محبوب ہے کہ يَتْرُكُ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ وَشَهْوَتَهٗ مِنْ اَجْلِيْ اس نے محض ہماری خاطر کھانے کو چھوڑا اور پینا چھوڑا اور اپنی شہوت کو چھوڑا اَلصِّيَامُ لِيْ روزہ میرے لئے ہے وَاَنَا اَجْزِيْ بِهٖ اس فقرہ کے معنی بعض بزرگوں نے یہ بھی کئے ہیں کہ دنیا نے غیر اللہ کے لئے کبھی روزے نہیں رکھے۔ دنیا نے غیر اللہ کو سجدہ بھی کیا ان کے لئے مالی قربانیاں بھی دیں

چڑھاوے بھی چڑھائے اور بھی بہت سی بدعتیں کیں لیکن غیر اللہ کے لئے اپنے پر بھوکا رہنے کی پابندی کسی مشرک نے عائد نہیں کی۔ یہ معنی بھی لطیف ہیں اگر تاریخ اس کی گواہی دیتی ہو لیکن بہرحال اللہ تعالیٰ نے روزہ کی عظمت کو بیان کرنے کے لئے اَلصِّیَامُ لِیْ کا فقرہ بولا ہے یعنی روزے دار کا روزہ میرے نزدیک ایسا ہے کہ یہ خالصتاً میرے لئے ہے وَاَنَا اَجْزِیْ بِهٖ اور میں ہی اس کی جزا دوں گا وَالْحَسَنَۃُ بِعَشْرِ اَمْثَالِھَا اور یہ جو کہا گیا ہے کہ ہر نیکی کے بدلہ میں دس گنا یا اس سے زیادہ ثواب ہوگا۔ یعنی حساب سے بتایا گیا ہے کہ دس گنا یا سو گنا یا بعض جگہ اس سے بھی زیادہ ثواب کا ذکر آتا ہے یہ دوسری نیکیوں کے متعلق آتا ہے روزہ اس سے مستثنیٰ ہے روزہ کا ثواب اور اس کی جزا بغیر حساب کے ہے اَلْحَسَنَۃُ بِعَشْرِ اَمْثَالِھَا کے مطابق نہیں۔ اس کی جزا بے حساب ہے اور سچی بات یہ ہے کہ اگر روزہ دار کو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو جائے تو اس قرب کو کسی حساب میں تو محدود نہیں کیا جا سکتا۔ دنیا کے سارے حساب ختم ہو جاتے ہیں اس ثواب کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا جب اللہ تعالیٰ کا قرب انسان حاصل کر لے اور اس کی رؤیت یا اس سے ہم کلامی یا اس کی رحمتوں (زندہ رحمتوں) کو انسان اپنے اوپر نازل ہوتا دیکھ لے یعنی اسے روزہ کی یہ جزا مل جائے تو اسے کسی حساب میں محدود نہیں کیا جا سکتا۔ اس سے ملتے جلتے الفاظ میں ایک دوسری حدیث بھی ہے جس کے آخر پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ یَفْرَحُھُمَا اِذَا اَفْطَرَ فَرِحَ وَاِذَا لَقِیَ رَبَّهٗ فَرِحَ بِصَوْمِهٖ

روزہ دار کو دو خوشیاں حاصل ہوتی ہیں ایک خوشی تو اسے یہ حاصل ہوتی ہے اِذَا اَفْطَرَ فَرِحَ کہ وہ روزہ کھولتا ہے اور کھاتا اور پیتا ہے اس یقین اور ایمان کے ساتھ کہ میں نے خدا تعالیٰ کے لئے اور اس کے حکم سے کھانا پینا چھوڑا تھا اور اب میں خدا تعالیٰ کی اجازت سے اسی کے حکم سے کھانے لگا ہوں کیونکہ افطار محض کھانا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کھانا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی سختی سے اس بات سے منع کیا ہے کہ سورج غروب ہو جانے پر کھانے میں تاخیر کی جائے بلکہ آپؐ اتنی جلدی کیا کرتے تھے کہ بعض دفعہ صحابہؓ عرض کرتے کہ یا رسول اللہ ابھی تو روشنی ہے۔ آپؐ فرماتے نہیں سورج غروب ہو گیا ہے تم روشنی کی طرف نہ دیکھو اور میرے لئے افطاری

تیار کرو تو اَفۡطَرَ میں اس طرف اشارہ کیا گیا کہ انسان روزہ رکھنے کے بعد جب روزہ کھولتا اور کچھ کھاتا ہے تو یہ سمجھتے ہوئے کھاتا ہے کہ میرا یہ کھانا صرف اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کھانے کی اجازت دی ہے۔ جس طرح میرا کھانے سے پرہیز کرنا اس لئے تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس سے منع کر دیا تھا جس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان کو یہ سبق مل جاتا ہے اور وہ اس کو اچھی طرح سمجھنے لگ جاتا ہے کہ کوئی چیز ایسی نہیں کھانی جس کی اللہ تعالیٰ اجازت نہ دے۔ مثلاً چڑھاوے کے کھانے ہیں ان سے اسلام نے منع کیا ہے پھر بہت سارے اور کھانے ہیں جن سے اسلام نے منع کیا ہے۔ پھر مالِ حرام ہے اس سے بھی خدا تعالیٰ نے منع کیا ہے میں اس تفصیل میں اس وقت نہیں جانا چاہتا غرض جس وقت انسان روزہ کھولتا ہے تو وہ صرف کھانا ہی نہیں کھاتا بلکہ وہ اس لئے کھا رہا ہوتا ہے کہ خدا نے اسے کہا کہ کھا تو جو شخص اس حقیقت کو پالے کہ میرا کھانا اور نہ کھانا ہر دو خدا کے لئے ہیں اس کی اجازت اور اس کے حکم سے ہیں اس سے زیادہ خوشی اور کیا اسے پہنچ سکتی ہے اِذَا اَفۡطَرَ فَرِحَ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کھانے پینے میں تمہارے لئے بڑی لذتیں ہیں۔ کیونکہ ایک مسلمان کی لذت کھانے میں نہیں ہے۔ ایک مسلمان کی لذت اس کھانے میں ہے جس کے متعلق خدا تعالیٰ کہتا ہے کہ کھاؤ۔ پس جس وقت روزہ دار افطار کرتا ہے اس کو بڑی خوشی پہنچتی ہے کہ میرے ربّ نے مجھے کہا کہ اے میرے بندے! میرے کہنے پر تو نے کھانا چھوڑا تھا اب میرا حکم ہے کہ تو کھا۔ تو وہ کھاتا ہے اور اپنے ربّ کے اس حکم کی وجہ سے اور اس حقیقت کو پالینے کے نتیجہ میں اس کے لئے بڑی ہی خوشی کا سامان پیدا ہو جاتا ہے اور دوسری خوشی اس کی یہ ہے کہ اِذَا لَقِیَ رَبَّهٗ فَرِحَ بِصَوۡمِهٖ جب اپنے ربّ کی ملاقات اور اس کا قرب اسے حاصل ہو جاتا ہے اور رؤیا یا کشوف یا الہام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا مکالمہ اور مخاطبہ اسے مل جاتا ہے تو اس سے بڑھ کر اس کے لئے اور کیا خوشی ہو سکتی ہے۔ پس اس دنیا میں بھی دو خوشیوں کے سامان ایک مخلص روزہ دار کے لئے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس ماحول میں اور اس رمضان میں جس کا ذکر پہلے کر چکا ہوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی حقیقت ہمیں سمجھ آتی ہے (یہ بھی بخاری کی حدیث ہے اور

ابو ہریرہؓ کی روایت ہے) کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اِذَا دَخَلَ رَمَضَانَ فُتِّحَتْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَغُلِّقَتْ اَبْوَابُ جَهَنَّمَ وَ سُلْسِلَتِ الشَّيَاطِيْنُ ۔

آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جب آسمان کے دروازے کھلتے ہیں تو دو نتیجے پیدا ہوتے ہیں ایک تو یہ کہ آسمانی رحمتوں کا نزول ہونے لگتا ہے دوسرے یہ کہ انسان کے اعمالِ صالحہ جو خلوص نیت سے کئے جائیں وہ آسمانوں میں داخل ہو سکتے ہیں (یہ ایک تمثیلی زبان ہے) یعنی قبولیت کے سامان پیدا ہو جاتے ہیں۔ دروازہ کھلنے کے دو ہی نتیجے ہو سکتے ہیں اور دونوں پیدا ہوتے ہیں۔ پس جو شخص نیک نیتی کے ساتھ خدا تعالیٰ کے لئے روزہ بھی رکھتا ہے اور اس کے لوازمات بھی بجالاتا ہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ آسمانوں کے دروازے کھول دیتا ہے۔ بڑی کثرت سے نزولِ رحمتِ باری شروع ہو جاتا ہے اور ایسا بندہ اللہ تعالیٰ سے اس کے حکم کی بجا آوری کی توفیق بھی پاتا ہے اور جو عاجزانہ طور پر اپنے خدا کے حضور پیش کرتا ہے اس کی قبولیت کے سامان بھی پیدا کئے جاتے ہیں۔ ان دروازوں سے اعمالِ صالحہ داخل ہو جاتے ہیں غُلِّقَتْ اَبْوَابُ جَهَنَّمَ روزے دار کے لئے ایسے سامان پیدا کر دئے جاتے ہیں کہ وہ معاصی سے بچنے لگتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے جن باتوں سے روکا ہے ان سے وہ رک جاتا ہے اور یہی چیزیں ہیں جن کے نتیجہ میں جہنم کے دروازے کھلتے ہیں۔ غرض اللہ تعالیٰ کی توفیق سے وہ معاصی سے بچتا ہے اور نواہی سے پرہیز کرتا ہے اور جس وقت رحمت کے دروازے کھلے ہوں جہنم کے دروازے بند ہوں تو پھر اس میں کیا شک رہ جاتا ہے کہ صُفِّدَتِ الشَّيَاطِيْنُ کہ شیطان زنجیروں میں جکڑ دئے گئے۔ شیطانی حملہ اندرونی ہو (نفسِ امّارہ کے ذریعہ) یا بیرونی ہو وہ کارگر نہیں ہوسکتا۔

غرض یہ رمضان جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے مقرر کیا ہے اور یہ رمضان ہے جس کی طرف ہمیں پورے نفس اور پوری روح کے ساتھ متوجہ ہونا چاہیے تا ہم خدا کے فضل اور اس کی توفیق سے ایسے اعمال بجالائیں کہ ہمارے لئے جنتوں کے دروازے تو ہمیشہ کھلے رہیں لیکن جہنم کے

دروازے مقفل رہیں اور شیاطین (جو وجود بھی ہمارے لئے شیطان بن سکتے ہیں ان) کو پا بہ زنجیر کر دیا جائے اور ہم ان کے حملہ سے محفوظ رہیں اور اس کا نتیجہ یہ نکلے کہ

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَلَهٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ

ہم بھی اللہ تعالیٰ کی اس بشارت کے مستحق ہوں کہ جو شخص رمضان کے روزے رکھتا ہے اِيْمَانًا اس ایمان اور یقین کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر اپنے فضل کے دروازے کو کھولنے کے لئے رمضان کا روزہ فرض اور واجب کیا ہے اور ہمارے لئے رحمت کا موجب ہے تکلیف اور زحمت کا موجب نہیں اور اِحْتِسَابًا اَیْ طَلَبًا لِلْاَجْرِ فِی الْاٰخِرَۃِ اس کے نتیجہ میں اپنے ربّ کے اجر کا طالب ہو اور یہ عزم اور یہ رغبت اس کے اندر پائی جاتی ہو کہ میں نے ہر قربانی دے کر اپنے ربّ سے اس کا ثواب حاصل کرنا ہے اور بشاشتِ قلب کے ساتھ وہ یہ قربانی دے اسے بوجھ نہ سمجھے یہ معنی ہیں احتساب کے۔ غرض جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ ذمہ داریوں کو بوجھ نہیں سمجھتا طیبِ خاطر اور بشاشتِ قلب کے ساتھ وہ انہیں بجالاتا ہے اور اس کے دل میں ایک جوش ہوتا ہے کہ میں ہر قربانی دے کر اپنے ربّ کی خوشنودی کو ضرور حاصل کروں گا اور اس ایمان پر قائم ہوتا ہے کہ اگر میں نے اپنے ربّ کی خوشنودی حاصل کرنی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعہ اور قرآن کریم میں اس رضا کے حصول کی جو راہیں ہم پر کھولی ہیں ان پر میں چلوں گا تو پھر غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ جو اس کی شرعی کمزوریاں ہیں اللہ تعالیٰ انہیں مغفرت کی چادر کے نیچے ڈھانپ لے گا اور اپنے نور سے اسے منور کرے گا اور اپنی رضا کی جنت میں اسے داخل کرے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب سے خوش ہو اور ہم سے راضی رہے اور ہمیں ایسے اعمال بجالانے کی توفیق دے جو اس کی نگاہ میں مقبول ہوں اور شیطان کو انتہائی طور پر ناپسندیدہ ہوں اور وہ ہمیں اپنی رضا کی جنتوں میں داخل کرے اور ہم سے خوش ہو جائے اور ہمیں اپنا محبوب بنالے (اپنا محبوب کہتے ہوئے روح کانپ اُٹھی کہ ایک بندۂ ناچیز خدا کا محبوب کیسے بن سکتا ہے۔ بندہ بڑا ہی عاجز ہے اور کوئی خوبی اس میں نہیں لیکن ہمارا ربّ بڑا ہی پیار کرنے والا ہے وہ کہتا ہے کہ میری طرف آؤ

میں تمہیں اپنا محبوب بنا لوں گا) پس وہ اپنے فضلوں کی بارش کچھ اس طرح ہم پر برسائے کہ ہم واقعہ میں اور حقیقتاً اس کے محبوب بن جائیں اور اس کی رضا کی جنتوں میں رہنے والے ہوں۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۹؍دسمبر ۱۹۶۷ء صفحہ ۲ تا ۵)

رمضان کے روزوں اور عبادات کا بڑا گہرا تعلق دُعا اور قبولیت کے ساتھ ہے

خطبہ جمعہ فرمودہ ۸؍ دسمبر ۱۹۶۷ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور پُر نور نے

وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ۔(البقرۃ:۱۸۷)

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْۤا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ۔(الانفال:۷۵)

کی بھی تلاوت فرمائی پھر فرمایا۔

رمضان کے مہینے کا اور رمضان کے روزوں اور عبادات کا بڑا گہرا تعلق دعا اور قبولیتِ دعا کے ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی لئے یہ فرمایا ہے کہ روزہ میرے لئے رکھا جاتا ہے ’’اور میں خود اس کی جزا ہوں گا‘‘ اور وہ خود ہی اس کی جزا بن جاتا ہے۔ اسے اپنا قرب عطا کرتا ہے اور اپنے پیار اور محبت کا سلوک اس سے کرتا ہے اور پیار اور محبت کے سلوک میں بڑا ہی پیارا سلوک قبولیتِ دعا کا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ سے پہلے یہ فرمایا تھا کہ قرآن میں

ہدایت بھی ہے حکمت بھی ہے نور بھی ہے۔ ہر زمانہ میں ہر مہینہ میں ان قرآنی برکات کے حصول کی کوشش کرتے رہا کرو لیکن رمضان میں آسمان سے رحمتوں کا نزول دوسرے مہینوں کی نسبت کچھ زیادہ ہی ہوتا ہے اور قبولیت جو انسان کو حاصل ہوسکتی ہے وہ بھی اس مہینہ میں زیادہ حاصل ہوسکتی ہے اور اس کے آخر میں فرمایا تھا کہ تم اللہ تعالیٰ کی کبریائی کو کثرت سے بیان کرو اور اس کے شکر کی طرف متوجہ ہو اور ''شکر'' میں اور ''کبریائی'' میں دعا اور قبولیت دعا کی طرف اشارہ تھا جسے اس آیت میں کھول کر بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اگر میرے بندے یہ سوال کریں کہ اللہ کا قرب کیسے حاصل ہوسکتا ہے تو انہیں میری طرف سے کہو کہ میں تو قریب ہوں اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ رمضان کے روزوں اور دوسری عبادتوں کے نتیجہ میں مَیں اور بھی قریب ہوگیا ہوں اور میرے قرب پر یہ بات شاہد ہے کہ دعا کرنے والے کی دعا کو میں قبول کرتا ہوں لیکن دعا کو اپنی شرائط کے ساتھ کرنا چاہیے اور دعا کی جو شرائط اسلام نے بتائی ہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جن پر بڑی وضاحت سے روشنی ڈالی ہے وہ ساری کی ساری ان دو لفظوں میں آجاتی ہیں کہ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ فرمایا ہے کہ میں تمہاری دعا کو قبول کروں گا لیکن بنیادی طور پر دو شرطیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ تم میرا حکم ماننے والے ہو کوئی ایسی دعا نہ ہو جو میرے اوامر اور نواہی کے خلاف ہو۔ مثلاً اللہ تعالیٰ حکم یہ دے کہ ہمسائے سے حسنِ سلوک کرو اور ہمسایہ بغض اور حسد سے یہ دعا کر رہا ہو کہ خدا اس کو تباہ کرے اس کے بچوں کو ماردے اس کے رزق میں بے برکتی ڈال۔ تو ایسی دعا اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف ہوگی اور ردّ کردی جائے گی اور قبول نہیں کی جائے گی۔

تو اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ فرمایا کہ میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا اگر تم دعا کی شرط کو مدّنظر رکھو اور پہلی شرط یہ ہے کہ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ کہ میرے حکم کو وہ مانیں جو بھی احکام اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں دیئے ہیں اور جن کی وضاحت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ میں اور پھر آپؐ کے ارشادات میں پائی جاتی ہے اور جس پر بڑی سیر کن بحث حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی کتب اور اپنی تحریروں اور تقریروں میں کی ہے ان احکام کو مدِّنظر رکھتے ہوئے جو دعا قبول کی

جائے گی وہ دعا کی ایک شرط کو پورا کر رہی ہوگی اور اگر باقی شرائط بھی پوری ہوں تو پھر وہ دعا قبول ہو جائے گی۔

دوسری اصولی شرط یہ ہے کہ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ میری ذات اور میری صفات پر کامل ایمان رکھتے ہوں اگر کسی شخص کے دل میں یہ خیال ہو مثلاً کہ میرا بچہ اس قدر بیمار ہو چکا ہے کہ اللہ بھی اس کو شفا نہیں دے سکتا تو اس کی دعا کیسے قبول ہوگی اس صورت میں اس کی دعا تو سطحی اور محض زبان کے الفاظ ہوں گے جن کے اندر کوئی حقیقت جن کے اندر کوئی روح نہیں پائی جاتی۔

جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کا محبوب اور پیارا ربّ اس کی دعا کو قبول کرے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس حکم کو سامنے رکھے کہ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ کہ میری ذات اور میری صفات پر کامل ایمان رکھنے کے بعد جو دعا تم کرو گے وہ میں قبول کروں گا مثلاً مجھے قادر مطلق سمجھو گے صرف میری طرف جھک رہے ہو گے اگر ایک شخص اللہ تعالیٰ کو رزاق نہیں سمجھتا اور رشوت پر توکل رکھتا ہے تو اس کی یہ دعا کہ اے خدا میرے مال میں برکت ڈال قبول نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ کے خلاف ہے۔ ہر دو اصولی شرائط کے خلاف ہے۔ خدا تعالیٰ کی حکم عدولی بھی کی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ کو حقیقی معنی میں رزاق بھی نہیں سمجھا گیا۔ جس شخص پر اللہ تعالیٰ کی صفت ’’الرَّزَّاق‘‘ کا جلوہ ہو جاتا ہے وہ ہر قسم کے مالِ حرام سے پرہیز کرنے کی انتہائی کوشش کرتا ہے وہ جانتا ہے کہ میری ساری ضرورتوں کو پورا کرنے والا میرا رب ہے۔

تو یہ دو بنیادی شرائط ہیں جو دو حکموں میں یہاں اللہ تعالیٰ نے بڑے لطیف پیرایہ میں بیان کر دی ہیں کہ اگر ان شرائط کے ساتھ دعا کی جائے گی تو قبول کی جائے گی اور اس سے دو باتیں ثابت ہوں گی۔

ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ بندے کے قریب ہے۔ رات کی تنہائی اور خاموشی میں ہم دعا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور مہربانی سے ان دعاؤں کو قبول کر لیتا ہے۔

دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس بندے کو اسلام پر عمل پیرا ہونے کے نتیجہ میں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت کے طفیل اپنا قرب عطا کیا ہے۔ کیونکہ قرب دونوں طرف

کا ہوتا ہے نا؟ تو جس چیز سے جس علامت سے یہ ظاہر ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کے قریب ہے۔ وہی بات یہ بھی بتا رہی ہوگی کہ وہ بندہ بھی خدا کے فضل سے اللہ تعالیٰ کے قریب ہو گیا ہے۔ یہاں جو لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ (تا کہ تم ہدایت کے صحیح مقام پر قائم ہو جاؤ) اور ''فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ'' فرمایا ان کی تشریح اور تفسیر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانفال کی پچھترویں آیت میں کی ہے جو میں نے ابھی دوستوں کو سنائی ہے وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا وہاں یعنی ''فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ'' میں یہ بتایا تھا کہ مجھ پر ایمان لائیں۔ یہاں اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ حقیقی ایمان لانے والے کون ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حقیقی مومن کی علامتوں میں سے ایک علامت تو اٰمَنُوْا عام ایمان کی بیان کی ہے ایمان کے اصل معنی زبان اور دل کے اقرار اور تصدیق کے ہیں نیز جوارح کی تصدیق یعنی عمل بھی اس دعویٰ کے مطابق ہوں۔ تب حقیقی ایمان بنتا ہے۔ ایک منہ کا ایمان ہے لوگ عام طور پر کہہ دیتے ہیں کہ جی ہم ایمان لائے۔ صرف زبانی دعویٰ ہوتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے کہ جو لوگ ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں وَهَاجَرُوْا اور ان تمام باتوں سے رکے رہتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ روکتا ہے وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اور وہ تمام کام کرتے ہیں جن کا اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ کرو۔ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْا اور اپنے بھائیوں کے ساتھ مل کر اسلامی معاشرہ کو وہ قائم کرتے ہیں اور وہ جو خدا تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری میں اپنے گھروں کو چھوڑتے ہیں۔ یہ لوگ ان کو اپنے گھروں میں جگہ دیتے ہیں وَنَصَرُوْا اور ہر طرح ان کی مدد کرتے ہیں تو یہ سچے مومن ہیں۔ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا۔

تو سچے مومن کی پانچ نشانیاں یہاں بیان کی گئی ہیں۔ ایمان کے معنی یہاں یہ ہیں کہ وہ لوگ جو یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ان کا تمام وجود ایک ایسی چیز ہے جو خدا تعالیٰ کی شناخت اور اس کی اطاعت اور اس کے عشق اور محبت اور اس کی رضا مندی حاصل کرنے کے لئے بنائی گئی ہے۔ یہ ایمان ہے جو اللہ تعالیٰ ہم سے چاہتا ہے یعنی ہم اس اعتقاد اور یقین پر قائم ہوں کہ حقیقی وجود اللہ تعالیٰ

کا ہے اور اللہ تعالیٰ نے انسان کو اور مجھے بطور انسان کے اس لئے بنایا ہے کہ میں اپنا وجود اس کی راہ میں کھو دوں اور اپنے ارادوں کو چھوڑ کر اس کے ارادوں اور اس کی رضا کو قبول کر لوں اور اس کی معرفت حاصل کر کے اس کے قرب کی راہوں پر چلنے کی کوشش کروں اور میرے دل میں سوائے اس پاک ذات کی محبت کے کسی اور کی محبت باقی نہ رہے۔ یہ کامل ایمان ہے جس کی طرف وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا میں اٰمَنُوْا کا لفظ اشارہ کر رہا ہے۔

اور دراصل اس کی دو کیفیتوں کو زیادہ وضاحت کے ساتھ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا میں بیان کیا گیا ہے هَاجَرُوْا میں اس طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ انسان کی نفسانیت پر موت وارد ہو جائے اور اس کی اپنی کوئی خواہش یا اپنا کوئی ارادہ باقی نہ رہے اور وہ کلی طور پر ہر اس چیز سے پرہیز کرنے والا ہو جس سے اللہ تعالیٰ روکتا ہے۔ پس نفسِ امارہ کے تمام حکموں کو ٹھکرا دینے والا اور اللہ تعالیٰ کے سب حکموں کی پابندی کرنے والا اور تمام حکموں کو ماننے والا ہی پکا مومن ہوتا ہے اور پکے مومنوں کی علامتوں میں سے ایک یہ ہے کہ جٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اپنے وجود کی تمام عملی طاقتیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں وہ لوگ لگا دیتے ہیں اور اپنی ہر ایک قوت اور خداداد توفیق سے وہ حقیقی نیکیوں کو بجالاتے ہیں اور باطنی اور ظاہری قویٰ سارے کے سارے خدا کے لئے اور اس کی راہ میں وقف کر دیتے ہیں۔ تو غیر اللہ کی ہر بات ماننے سے انکار اور اللہ تعالیٰ کے ہر حکم پر اپنا سب کچھ قربان کر دینا اس طرف هَاجَرُوْا اور جٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ میں اشارہ کیا گیا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حقیقی مومن کی علامت یہ ہے کہ اَلَّذِيْنَ اٰوَوْا وہ ایک دوسرے کی مدد کرنے والے ہیں اور اپنے گھروں کے دروازے اپنے بھائیوں کے لئے کھولنے والے ہیں۔ ایک تو وہ لوگ تھے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے سب کچھ اپنے شہروں میں چھوڑ دیا (زیادہ تر مکہ میں) اور مدینہ کی طرف وہ ہجرت کر گئے ان مومنوں کو مدینہ میں رہنے والے انصار نے پناہ دی اور اپنے گھر میں ان کو ٹھہرایا اور وہ یہاں تک تیار تھے کہ اگر خدا کا یہی منشا ہو کہ ہم اپنا سب کچھ نصف نصف کر کے نصف اپنے مہاجر بھائیوں کو دے دیں تو ہم اس کے لئے بھی

تیار ہیں۔ یہاں تک کہ اگر اللہ تعالیٰ کو یہی پسند ہو کہ اگر ہماری دو بیویاں ہیں تو ہم ایک کو طلاق دے دیں اور اپنے بھائی سے یہ خواہش رکھیں کہ وہ اس بیوی سے عدت گزرنے پر شادی کر لے تو یہ بات بھی ہم کرنے کے لئے تیار ہیں۔

لیکن صرف اس حد تک اس لفظ کے معنی کو محدود نہیں کیا جا سکتا بلکہ جب بھی ایک مسلمان بھائی کو ضرورت پڑے تو ہمارا یہ فرض ہے کہ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا پر عمل کرنے والے ہوں۔ یعنی جب بھی ایک مسلمان خدا تعالیٰ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنے گھر سے نکلے اور کسی دوسرے مقام تک پہنچے تو اس دوسرے مقام پر رہنے والوں کا یہ فرض ہے کہ وہ ان کو اپنے مکانوں میں رہائش کے لئے جگہ دیں۔ جیسا کہ اب جلسہ سالانہ آ رہا ہے جلسہ سالانہ پر باہر سے آنے والے سردی کی شدت برداشت کرتے ہوئے اور اپنے بچوں کو اور بیویوں کو انتہائی جسمانی تکلیف میں ڈالتے ہوئے ربوہ میں پہنچتے ہیں۔ ربوہ میں آنے کی غرض یا مرکزِ سلسلہ میں پہنچنے کا مقصد یہ تو نہیں ہے کہ یہاں وہ دنیا کمانا چاہتے ہیں وہ محض خدا کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اور قرآن کریم کے احکام کو سننے کے لئے اور اپنے بھائیوں سے ملنے کے لئے اور اللہ تعالیٰ کے جو فضل سال کے دوران جماعت پر ہوتے رہے ہیں ان کو دیکھنے اور ان کا حال سننے کے لئے آتے ہیں وہ صرف اس لئے آتے ہیں اور صرف اس لئے یہ تکالیف برداشت کرتے ہیں کہ وہ یقین رکھتے ہیں کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو جلسہ پر بلایا تو وہ آواز آپ کی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی وہ آواز تھی۔ اسی لئے دوست بڑی کثرت سے آتے ہیں۔ ظاہری طور پر بڑا دکھ اٹھا کے اور بڑی قربانی دے کر آتے ہیں اور ہر قسم کی کوفت اور تکلیف یہاں برداشت کرنے کے لئے تیار ہوتے ہیں لیکن ہم انہیں جو سہولت اور آرام پہنچا سکیں وہ تو ہمیں پہنچانا چاہیے (ربوہ کے رہنے والوں کو) اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا کے ماتحت!!!

میں کئی سال افسر جلسہ سالانہ کی خدمت بھی بجالاتا رہا ہوں میں نے دیکھا ہے کہ لکھ پتی جن کی اپنے شہروں میں بڑی بڑی کوٹھیاں خدا کے فضل سے بنی ہوئی ہیں یہاں ان کو سارے خاندان کے لئے میاں بیوی اور بچوں کے لئے ایک چھوٹا سا کمرہ یا ایک غسل خانہ ہی جس میں پرالی پڑی

ہوئی ہو مل جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کا بڑا شکر بجا لاتے ہیں۔ پس ربوہ والوں کا یہ فرض ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے ان مہمانوں کے لئے اپنے گھروں کے کچھ حصے وقف کریں اور جلسہ سالانہ کے انتظام میں انہیں دے دیں۔ یہ بھی ان کا فرض ہے کہ جب وہ اپنے مکان کا ایک کمرہ یا دو کمرے وقف کر چکیں تو پھر وقت پر دینے سے انکار نہ کریں کیونکہ اس سے بہت زیادہ تکلیف اور پریشانی ہوتی ہے ہمارے مہمان کو بھی اور منتظمین جلسہ کو بھی۔ منتظم مطمئن ہوتے ہیں کہ ہم نے فلاں بھائی کے خاندان کے لئے انتظام کر دیا ہے وہ مطمئن ہوتا ہے کہ میرے لئے جگہ کا انتظام ہے لیکن جب وہ ربوہ پہنچتے ہیں تو گھر والے کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے فلاں واقف آ گئے تھے جن کا پہلے پتہ نہیں تھا وہ کمرہ یا کمرے جو آپ کو دیئے ہوئے تھے وہ تو ہم نے اپنے رشتہ دار یا دوست کو دے دئے یا واقف کو دے دیئے۔ بچارے کو انتہائی کوفت اور پریشانی اٹھانی پڑتی ہے اور آپ گنہگار ہوتے ہیں وعدہ کرتے ہیں اور پورا نہیں کرتے اور اپنے بھائیوں کی پریشانی کا باعث بنتے ہیں ایک حقیقی مومن کی جو علامت اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کی ہے کہ وہ اپنے گھروں میں جگہ دیتے ہیں (اپنے ضرورت مند بھائیوں کو) اس کی خلاف ورزی کر رہے ہوتے ہیں اور اپنے اس فعل سے اس بات پر مہر لگا رہے ہوتے ہیں کہ آپ اس حد تک حقیقی مومن نہیں (اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے آپ ہمیشہ محفوظ رہیں۔ ہر دم دعا بھی اور کوشش بھی ہونی چاہیے کہ ہم کوئی ایسا کام نہ کریں جس سے ہم اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کو مول لینے والے ہوں)۔

جلسہ قریب آ رہا ہے اور اس کے انتظام شروع ہو چکے ہیں میں اپنے دوستوں سے یہ امید رکھتا ہوں کہ وہ اپنے ان بھائیوں کے لئے جو خدا کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے محض دین کی خاطر اور خدا تعالیٰ کی باتیں سننے کے لئے یہاں آتے ہیں اپنے مکانوں کا ایک حصہ وقف کریں اور انتظام جلسہ کے سپرد کریں تا کہ وہ انتظام کے ماتحت استعمال کئے جا سکیں اس سے آپ اپنے گھروں کو دراصل مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھر کا ایک حصہ بنا لیں گے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا کہ وَسِّعْ مَكَانَكَ تو اس میں صرف آپؑ ہی مخاطب نہیں بلکہ ہر وہ شخص جو آپؑ کی سنت پر عمل کرنے والا اور اللہ تعالیٰ کے منشا کو سمجھنے والا اور اس منشا

کے مطابق اپنے گھر میں وسعت پیدا کرنے والا ہے وہ بھی اس کا مخاطب ہے۔

تو اگر آپ جلسہ کے موقع پر یا دوسرے موقعوں پر جب جماعت کو مکانوں کی ضرورت پڑتی ہے اپنے مکان وقتی طور پر سلسلہ کے لئے دیں تو مالی لحاظ سے تو آپ کو کوئی نقصان نہیں لیکن بے انتہاء ثواب آپ کما رہے ہوتے ہیں اور ان تمام برکتوں کے وارث بن رہے ہوتے ہیں جن برکتوں کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا نے کہا کہ میں تیرے گھر پر نازل کروں گا کیونکہ اس طرح آپ کا گھر بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھر کا ایک حصہ بن جاتا ہے تو زیادہ سے زیادہ مکان یا ان کے حصے جلسہ سالانہ کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مہمانوں کے لئے پیش کریں۔

خدا تعالیٰ کے فضل سے جماعتی عمارتیں بھی ہر سال کچھ نہ کچھ بڑھتی ہی رہتی ہیں لیکن خدا تعالیٰ کا بڑا فضل ہے کہ ہر سال ہی مکانیت میں زیادتی اور وسعت پیدا ہو جانے کے باوجود ''مکان'' تنگ ہو جاتا ہے اور مہمان زیادہ ہوتے ہیں۔ یہ تو ہوتا ہی رہے گا تا کہ یہاں کے رہنے والے بھی اور آنے والے بھی مکان کی تنگی کے نتیجہ میں ہمیشہ ثواب حاصل کرتے رہیں اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ اپنی پوری شان کے ساتھ پورا ہوتا رہے۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۱۶؍دسمبر ۱۹۶۷ء صفحہ ۲ تا ۴)

قسم ہا قسم کے ابتلاؤں میں کامیاب ہوئے بغیر انسان رضائے الٰہی کی جنتوں میں داخل نہیں ہوسکتا

خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۵؍دسمبر ۱۹۶۷ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیتِ قرآنیہ کی تلاوت فرمائی۔

اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّۃَ وَ لَمَّا یَاۡتِکُمۡ مَّثَلُ الَّذِیۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِکُمۡ ؕ مَسَّتۡہُمُ الۡبَاۡسَآءُ وَ الضَّرَّآءُ وَ زُلۡزِلُوۡا حَتّٰی یَقُوۡلَ الرَّسُوۡلُ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَہٗ مَتٰی نَصۡرُ اللّٰہِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصۡرَ اللّٰہِ قَرِیۡبٌ ۔(البقرۃ:۲۱۵)

اس کے بعد فرمایا:۔

اس آیۂ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ مضمون بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی جنتوں کو تم اس وقت تک حاصل نہیں کر سکتے جب تک ایک مضبوط اور زندہ ایمان پر تم قائم نہ ہو جاؤ ایسا ایمان جو اس وقت پیدا ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی معجزانہ نصرتوں کو اس کا عاجز بندہ مشاہدہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی معجزانہ نصرت اس وقت اور صرف ان لوگوں کو ملا کرتی ہے جو اپنے ربّ کے ساتھ ایک زندہ تعلق پیدا کر لیتے ہیں اور اس کی محبت میں اور اس کے عشق میں اپنے رات دن گزارتے ہیں اس محبت کو پیدا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو راستہ بتایا ہے وہ عاجزانہ دعاؤں اور التجاؤں کا راستہ

ہے ان عاشقانہ التجاؤں کے ساتھ ایک بندہ اپنی محبت کا اظہار کرتا اور اپنے ربّ کی محبت کو جذب کرتا ہے اور دعا کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ انسان یہ سمجھتا ہے کہ اس پر ایک موت وارد ہو رہی ہے پس وہ موت کی سی کیفیت پیدا کر کے اپنے ربّ کے حضور جھکتا ہے اپنا سب کچھ بھول جاتا ہے اور صرف اسی کی یاد اس کے دل اور اس کے دماغ کو معطر کر رہی ہوتی ہے۔

عاجزانہ دعاؤں کے وقت موت کی سی کیفیت صرف اس وقت پیدا ہو سکتی ہے جب اس کے سامان پیدا کئے جائیں اور وہ سامان بَأْسَآءُ اور ضَرَّآءُ اور زُلْزِلَ ہیں۔

غرض اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ مضمون بیان کیا ہے کہ تمہیں تکالیف میں ڈالنا ہمارا مقصد نہیں بلکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ مخالفوں کے ابتلا اور قضا و قدر کے ابتلا اور احکام و اوامر کے امتحان بندہ کے لئے اسی لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کئے گئے ہیں کہ تا اللہ کا ایک بندہ اپنے ربّ کی طرف جھکے اور بار بار جھکے اور ان عاشقانہ التجاؤں اور عاجزانہ دعاؤں کے نتیجہ میں اسے قربِ الٰہی حاصل ہو اور اس کے اندر حقیقی روحانیت پیدا ہو جائے اور ایک زندہ تعلق اس کا اپنے ربّ کے ساتھ قائم ہو جائے جس کے نتیجہ میں مصائب و شدائد اور ضرورت کے وقت اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور رحم سے معجزانہ نصرت اور تائید کے نشانات اسے دکھائے اور اس طرح پر اس کے ایمان کو زندہ اور مضبوط کرے۔ اس آیت کے معنی جو تفسیر کبیر میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے بیان کئے ہیں یہ ہیں کہ

”کیا تم نے سمجھ رکھا ہے کہ باوجود اس کے کہ ابھی تم پر ان لوگوں کی (سی تکلیف کی حالت) نہیں آئی جو تم سے پہلے گزرے ہیں تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے انہیں تنگی (بھی) پہنچی اور تکلیف (بھی) اور انہیں خوف دلایا گیا تا کہ (اس وقت کا) رسول اور اس کے ساتھ (کے) ایمان والے کہہ اٹھیں کہ اللہ کی مدد کب آئے گی یاد رکھو اللہ کی مدد یقیناً قریب ہے۔“

یعنی وہ کہہ اٹھیں کہ ہمارے پیارے ربّ ہم تیری مدد کے، تیری نصرت اور تائید کے اور محبت کے سلوک کے منتظر ہیں تو اس وقت اللہ تعالیٰ اپنے فعل سے یہ شہادت دے گا کہ ایسے لوگوں

کے قریب ہی اس کی مدد ہے یعنی انہیں اس کی مدد فوراً پہنچ جاتی ہے۔

بَاْسَآءُ، ضَرَّآءُ اور زُلْزِلُوْا تین الفاظ یہاں اللہ تعالیٰ نے ان تکالیف اور مصائب کے متعلق استعمال کئے ہیں۔

بَاْسَآءُ کے معنی (مفردات) میں اَلشِّدَّۃُ وَالْمَکْرُوْہُ یعنی مصائب اور شدائد کے آئے ہیں۔ پھر وہ چیز جسے انسان کا نفس پسند نہیں کرتا اور وہ چیز جو اس امر پر گراں ہوتی ہے اس کو بھی بَاْسَآءُ کہتے ہیں اور تنگ دستی کو بھی بَاْسَآءُ کہتے ہیں۔

اَلضَّرَّآءُ کے معنی سُوْءُ الْحَالِ یعنی بُرے حال کے ہیں یہ لفظ عربی زبان میں اس وقت بھی بولا جاتا ہے جب کسی کو کہنا ہو کہ اس کا تو برا حال ہے نہ اس کے پاس علم ہے نہ فضل ہے اور نہ وہ اخلاقِ فاضلہ رکھتا ہے پس دشمن ان کو ایسا سمجھتے اور ایسا مشہور کرتے ہیں۔ دوسری جگہ فرمایا وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ پھر انسان کی ظاہری حالت کو دیکھتے ہوئے بھی ضَرَّآءُ کا لفظ استعمال ہوتا ہے جس کے معنی ہوتے ہیں کہ اس کے پاس مال کی کمی ہے دنیوی عزت اور دنیوی وجاہت کی کمی ہے (مفرادت) منجد میں اَلضَّرَّآءُ کے معنی اَلنَّقْصُ فِي الْاَنْفُسِ وَالْاَمْوَالِ یعنی جانی اور مالی نقصان کے بھی کئے گئے ہیں اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ جو شخص ضراء میں مبتلا ہو وہ بے کسی اور کسمپرسی کی حالت میں ہوتا ہے۔

وَزُلْزِلُوْا۔ زُلْزِلَ کا لفظ اگر زمین کے متعلق استعمال ہو تو اس کے معنی ہیں جھٹکے لگے اور بعض دفعہ زلزلہ میں زمین کو تہ و بالا بھی کر دیا جاتا ہے۔ جب انسان کے متعلق یہ لفظ استعمال ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں خُوِّفَ وَ حُذِّرَ یا زُعْزِعَ مِنَ الرُّعْبِ۔ یعنی بڑا خوف اس کے دل میں پیدا کیا گیا اور اس کو ڈرایا گیا۔

اس آیت میں یہ تین الفاظ صرف مخالفین کی مخالفت طرف اشارہ نہیں کر رہے بلکہ ہر سہ تکالیف کی طرف اشارہ کر رہے ہیں یعنی وہ تکلیف (بَاْسَآءُ، ضَرَّآءُ اور زُلْزِلَ) جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لانے والوں کے مخالف انہیں پہنچاتے ہیں اور دوسرے وہ تکلیف جو اللہ تعالیٰ اپنی قضا و قدر کے نتیجہ میں انہیں پہنچاتا ہے تا کہ ان کا امتحان لے۔ تیسرے وہ تکالیف اور تنگیاں جو

انسان خود اپنے نفس پر ڈالتا ہے یہ تینوں قسم کی تکالیف ان تینوں لفظوں کے اندر پائی جاتی ہیں۔
مثلاً اللہ تعالیٰ نے (جب جہاد کی شرائط پوری ہوں) تلوار کے جہاد کا حکم دیا ہے کہ تم اپنی جانوں کو خدا کی راہ میں قربان کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ اور میدان مقابلہ اور میدان جنگ میں جا اُترو اور وہ ایسا موقعہ ہے کہ جب انسان خدا تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کے لئے نَقْصٌ فِي الْاَنْفُسِ یعنی جانوں کا نقصان کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے اور بہت سے ان میں خدا کی راہ میں شہید بھی ہو جاتے ہیں اور شہید ہوتے رہے ہیں وہ خود بھی فائدہ اٹھاتے رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے وارث ہوتے رہے ہیں اور دنیا کے لئے بھی ان کا وجود ایک نعمت بنتا رہا ہے تو یہ دنیوی لحاظ سے ایک تکلیف ہے جو انسان اپنے نفس پر ڈالتا ہے جسے انسان اپنے ربّ کی رضا کو حاصل کرنے کے لئے اپنے نفس کو پہنچاتا ہے یا مثلاً بھوکا رہنا ہے بھوک تو انسان کے ساتھ لگی ہوئی ہے انسان کا جسم اپنے نفس کو یہ کہتا ہے کہ مجھے کھانے کو کچھ دو تا میری کمزوری دور ہو جائے اور جو اجزاء جسم سے خارج ہو گئے ہیں یا مر گئے ہیں ان کی جگہ زندہ اجزاء لے لیں غرض بھوک ایک ایسی تکلیف ہے جو یہ بتا رہی ہوتی ہے کہ ہمارے جسموں میں ایک کمزوری واقع ہو رہی ہے اور اس کی طرف ہمیں متوجہ ہونا چاہیے کیونکہ اگر انسان اپنی اس کمزوری اور ضرورت کی طرف ایک لمبا عرصہ متوجہ نہ ہو تو اس کی موت واقع ہو جائے گی۔ لوگ دنیا کو ڈرانے کے لئے بھی تو بھوک ہڑتال کرتے ہیں اور بعض دفعہ اپنی پیچ کی وجہ سے اپنی جان بھی دے دیتے ہیں اس میں ان کی جان اسی لئے ضائع ہوتی ہے کہ جسم کی ضرورت کو پورا نہیں کیا جاتا جسم ان کو کہتا ہے میری ضرورت کو پورا کرو مگر وہ کہتے ہیں ہم بڑے ضدی آدمی ہیں ہم تمہاری ضرورت کو پورا نہیں کریں گے اس طرح وہ ہلاکت میں مبتلا ہو جاتے ہیں یا ہلاکت تک پہنچ جاتے ہیں۔ لیکن ایک تکلیف بھوک کی وہ ہے جو انسان خدا کے لئے برداشت کرتا ہے اور اس کے بہت سے مواقع ہیں صرف رمضان ہی اس کا موقعہ نہیں مثلاً ایک دفعہ جہاد کے موقع پر راشن کم ہو گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر شخص کے پاس جو کھانے کی اشیاء تھیں وہ ایک جگہ جمع کر لیں اور پھر وہ تھوڑی تھوڑی کر کے فوج میں تقسیم کرنا شروع کیں تا ہر ایک کو حصہ رسدی کچھ نہ کچھ پہنچ جائے کیونکہ آپ نے یہ پسند نہیں فرمایا کہ مسلمانوں کے معاشرہ

میں دنیا یہ نظارہ دیکھے کہ ایسے ابتلا کے وقت بعض لوگوں نے تو اپنے پیٹ بھر لئے اور بعض کو کچھ بھی نہ ملا اور وہ بھوکے مر گئے گویا ان مواقع پر راشن کو کم کر دیا گیا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل تھا کہ وہ انہیں اتنا بھی دے دیتا تھا اور پھر جو دیتا تھا اس میں اتنی برکت ڈال دیتا تھا اس تھوڑی سی غذا کی وجہ سے ان پر موت وارد نہیں ہوئی یا انہیں کوئی مستقل جسمانی نقصان نہیں پہنچا لیکن خدا کے لئے بھوک کی تکلیف انہوں نے برداشت کی۔

یہ تو اجتماعی رنگ تھا بعض دفعہ انفرادی طور پر بھی انسان اپنے کھانے کا ایک حصہ دوسرے کو دے دیتا ہے۔ مثلاً ایسے وقت میں کوئی مہمان آ جاتا ہے کہ اس کے لئے زائد کھانا پکانا مشکل ہوتا ہے یا ایسا کرنا تکلف میں شامل ہوتا ہے تو گھر والے نصف کھانا کھا لیتے ہیں اور نصف اپنے مہمان کو دے دیتے ہیں پس یہ بھی بھوک کو برداشت کرنے کی ایک شکل ہے یا پھر رمضان ہے جو بھوکے رہنے کی قربانی کے اصول قائم کرنے کی بنیاد ہے۔ رمضان کے مہینہ میں اللہ تعالیٰ ہم سے مطالبہ کرتا ہے کہ پو پھٹنے سے لے کر سورج غروب ہونے تک بھوکے رہو پیاسے رہو اور نفس کی بعض دوسری خواہشات کو بھی چھوڑ دو پس رمضان میں انسان اس تکلیف کو برداشت کرتا ہے۔

بعض دفعہ انسان اپنی مرضی سے اپنے ربّ کی خوشنودی کے حصول کے لئے دوسری تکالیف بھی برداشت کرتا ہے۔ مثلاً وہ سردی کی تکلیف برداشت کرتا ہے وہ دیکھتا ہے کہ مجھ سے بڑی عمر کا ایک شخص ہے اس کے پاس کپڑے کافی نہیں ہیں اور شدت سردی کی وجہ سے اسے تکلیف ہو رہی ہے وہ سوچتا ہے کہ اس بوڑھے کی تکلیف میری تکلیف سے زیادہ ہے اگر میں اپنے کپڑے اس کو دے دوں تو جو تکلیف مجھے پہنچے گی وہ اس کی تکلیف سے کم ہوگی چنانچہ اس کا دل جو اپنے ربّ کا عاشق ہوتا ہے یہ فیصلہ کرتا ہے کہ اللہ کے دو بندوں میں سے جس کو کم تکلیف پہنچے اس کو وہ تکلیف برداشت کر لینی چاہیے اور جس کو زیادہ تکلیف پہنچ رہی ہو اس کی تکلیف دور کر دینی چاہیے پس وہ اپنے کپڑے اپنے اس بھائی کو دے دیتا ہے اور خود سردی کی تکلیف برداشت کرتا ہے۔ اسی طرح اسلام کے سینکڑوں حکم ہیں اور ان میں سے ہر حکم ہم سے ایک قربانی چاہتا ہے تبھی تو اس کا بدلہ اور جزا ملتی ہے۔ پس جب ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے قربانی چاہتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ

ہمیں اس کے نتیجہ میں تکلیف برداشت کرنی پڑتی ہے وہ تکلیف جسمانی ہو جذباتی ہو یا کسی عادت کو چھوڑنے کی وجہ سے ہو وغیرہ وغیرہ۔

تکالیف کی بھی سینکڑوں قسمیں ہیں اور احکام نواہی بھی سینکڑوں ہیں اور ہر حکم اور ہر نہی جو قرآنِ عظیم میں بیان ہوئی ہے جب ہم اس پر عمل کرتے ہیں تو ہم ایک قربانی دے رہے ہوتے ہیں ہم ایک تکلیف اپنے نفس پر ڈال رہے ہوتے ہیں اور یہ سب کچھ خدا کے لئے اور اس کی رضا کے حصول کے لئے ہوتا ہے۔

غرض یہاں اللہ تعالیٰ نے ہر سہ قسم کے مصائب اور شدائد اور تکالیف کا ذکر کیا ہے پھر آگے ہر ایک کی تین تین قسمیں ہیں یعنی وہ باساء جو مخالف کی طرف سے آتی ہے یا قضا و قدر کے نتیجہ میں آتی ہے یا وہ تنگدستی جس میں انسان اپنے آپ کو خود ڈال لیتا ہے اور اس طرح اپنے آپ کو غریب کر لیتا ہے یعنی ایک تو وہ ہے جس کی فصل ماری گئی ہے اور غریب ہو گیا ہے اور ایک وہ تھا جو اپنے گھر کا سارا اثاثہ لے آیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں لا ڈالا۔ ابوبکرؓ بھی تو بظاہر فقیر ہو گئے تھے تنگ دستی ان پر بھی آ گئی تھی لیکن وہ تنگ دستی رضا کارانہ تھی اور اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے اور اس کی رضا کے حصول کے لئے تھی پس ایک تنگ دستی وہ ہے جو مخالف کے فعل کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے جیسا کہ مثلاً مکہ سے ہجرت کرتے ہوئے مسلمانوں نے قریباً اپنے سارے اموال وہاں چھوڑ دئے اس کے نتیجہ میں وہ تنگ دست ہو گئے اور وہ جو بہت مال دار تھے وہ بھی ہجرت کی وجہ سے غریب ہو گئے ان کو اللہ تعالیٰ نے غیرت بھی عطا کی تھی مدینہ میں آئے تو انہوں نے کہا ہم نے خدا کے لئے مال چھوڑا ہے پھر کسی آدمی کے آگے ہاتھ پھیلانے کا کیا مطلب ان میں سے بعض نے کلہاڑا لیا جنگل کی طرف نکل گئے اور لکڑیاں کاٹ لائے اور اس طرح انہوں نے اپنا پیٹ پالنا شروع کیا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے رزق میں بڑی برکت دی بہر حال وہ رضا کارانہ طور پر اپنے تمام اموال خدا تعالیٰ کے لئے چھوڑنے کے لئے تیار تھے اور عملاً انہوں نے چھوڑ بھی دئے۔ یہ ایک تنگ دستی ہے جو دشمن کے عناد کے نتیجہ میں ان پر آئی۔ اگر مکہ والے ان کے لئے ایسے حالات پیدا نہ کر دیتے تو ان کو اپنے اموال نہ چھوڑنے پڑتے پھر قضا و قدر کے

نتیجہ میں اللہ تعالیٰ انسان کا امتحان لینا چاہتا ہے اور تنگ دستی پیدا کرتا ہے وہ دیکھنا چاہتا ہے کہ احتیاج کے وقت تم اپنے ربّ کی طرف جھکتے ہو یا انسان کی طرف جھکتے ہو۔ ناجائز طریق سے مال حاصل کرنا چاہتے ہو یا مانگتے ہو جو ناپسندیدہ ہے یا اپنے ربّ پر توکل رکھتے ہو اور مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ تم یہ امید رکھتے ہو کہ وہ تمہارے رزق میں ان راہوں سے برکت پہنچائے گا کہ جن کا وہم وگمان بھی تم نہیں کر سکتے تمہارے ذہن میں وہ بات آ ہی نہیں سکتی۔

غرض یہاں ہر سہ قسم کی تکالیف اور مصائب اور شدائد کا بیان ہے یعنی ان تکالیف، مصائب اور شدائد کا بھی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کے امتحان کے لئے نازل کی جاتی ہیں اور ان کا بھی جو مخالفوں کی مخالفت کے نتیجہ میں انسان پر آتی ہیں اور ان کا بھی جو انسان اللہ تعالیٰ کا حکم بجا لاتے ہوئے خود اپنے لئے پیدا کر لیتا ہے اور جن کی بعض مثالیں میں نے اس وقت دی ہیں۔

غرض اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا کہ ہر سہ قسم کے شدائد اور مصائب اور تنگ دستیوں میں اور باساء میں تمہیں مبتلا کیا جائے گا اور پھر فرمایا کہ ہم تمہاری ظاہری حالت ایسی کر دیں گے کہ تمہیں غریب پاکر اور تمہیں دنیوی عزتوں سے ننگا پاکر دنیا تمہاری بے عزتی کے لئے تیار ہو جائے گی اور تمہیں ضَرَّاء میں مبتلا کر دیا جائے گا اور ہر سہ قسم کی ضَرَّاء تمہیں پہنچیں گی یعنی تمہارا مخالف تمہیں مالی نقصان پہنچائے گا اور تمہاری بے عزتی کرے گا۔ اللہ تعالیٰ تمہاری آزمائش کے لئے ایسے سامان پیدا کر دے گا کہ تمہاری عزت میں فرق آ جائے اور تم خود اپنے نفس کو پہچانتے ہوئے اسے عاجزی اور کم مائیگی کے مقام پر لا کھڑا کر دو گے۔ تمہیں ضَرَّاء پہنچے گی یعنی تم خود یہ جاننے اور پہچاننے لگو گے کہ تمہاری کوئی عزت نہیں۔

ساری عزتیں خدا کی ہیں جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں عزت نہ ملے تم حقیقی معنی میں معزز کہلانے کے مستحق نہیں ہو تو ہر سہ قسم کے ابتلا ضَرَّاء کے میدان میں بھی تمہیں دیکھنے پڑیں گے اور پھر خوف کی حالت طاری ہو گی کبھی دشمنوں کی دشمنی کے نتیجہ میں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایک جگہ فرمایا ہے۔

هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا۔(الاحزاب : ۱۲)

یہ زلزلہ جس کا اس آیت میں ذکر ہے دشمنوں کا پیدا کردہ تھا یعنی جنگ احزاب کے موقع پر عرب کے سارے قبائل اکٹھے ہو کر مدینہ پر حملہ آور ہوئے تھے اور مسلمانوں کی یہ حالت تھی کہ ظاہری سامانوں کو دیکھتے ہوئے ان کا بچ جانا اور ہلاکت سے محفوظ رہنا بظاہر ناممکن تھا اور ان حالات کو دیکھتے ہوئے ان کی طبیعتوں میں طبعاً خوف کی حالت پیدا ہوئی لیکن ان کی روحانی تربیت کے نتیجہ میں اس خوف کی حالت میں وہ اپنے ربّ کی طرف متوجہ ہوئے اور انہوں نے دعائیں کرنی شروع کر دیں ان کو نظر آ رہا تھا کہ حالات ایسے ہیں کہ دنیا ہمیں بچا نہیں سکتی لیکن ہم اپنے ربّ کو پہچانتے ہیں اور اس یقین پر قائم ہیں کہ ہمارا ربّ صرف ہمارا ربّ ہمیں بچا سکتا ہے اس لئے وہ اس کی طرف جھکے اور انہوں نے دعائیں کیں اور اللہ تعالیٰ نے ان دعاؤں کو قبول کیا اور اس قبولیتِ دعا کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے کچھ پہلے بطور نعمت ذکر کیا یہ آیت هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا۔ سورہ احزاب کی بارہویں آیت ہے اور دسویں آیت اس طرح شروع ہوتی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا۔(الاحزاب:۱۰)

جب مومنوں نے دعائیں کیں تو اللہ تعالیٰ نے ان دعاؤں کو قبول کیا اور اس طرح پر ان کے لئے اپنی نعمت اور فضل کے سامان پیدا کر دیئے اور ان کو محفوظ کر لیا ایسے حالات میں جب دنیا کا کوئی سہارا ان مسلمانوں کے لئے باقی نہیں رہا تھا وہ خوف زدہ کئے گئے تھے پھر انہوں نے اپنے ربّ کے حضور بڑی ہی عاجزی کے ساتھ جھک کر دعائیں کیں اور اس نعمت کو حاصل کیا۔ پس یہ خوف دشمنوں کا پیدا کردہ تھا۔ پھر بعض دفعہ قضا و قدر کا خوف ہوتا ہے ایک شخص کا سب سے پیارا بچہ بیمار ہو جاتا ہے اور ڈاکٹر کہتے ہیں کہ یہ مر جائے گا اس کے بچنے کی امید نہیں یا ایک ماں ولادت کے وقت نو مہینے کی تکالیف برداشت کرنے کے بعد خوش ہو رہی ہوتی ہے کہ آج اللہ تعالیٰ مجھے میری تکالیف کا بدلہ دینے والا ہے اور ایک اچھے خوبصورت اور صحت مند بچے کی شکل میں دینے والا ہے۔ لیکن اس وقت کوئی پیچیدگی پیدا ہو جاتی ہے اور ڈاکٹر کہتا ہے کہ ہر دو کی جان خطرے میں

ہے اس لئے بچہ کو قربان کر کے ماں کی جان بچا لینی چاہیے اس وقت خود ماں بھی خدا کے حضور جھکتی ہے اور وہ جن کا تعلق اس کے ساتھ پیار اور محبت کا ہوتا ہے اور جن کے ساتھ اس کا اخوت کا تعلق ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اسلام میں پیدا کی ہے وہ بھی خدا تعالیٰ کے حضور جھکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی دعا کو قبول کر لیتا ہے اور خوف کی حالت کو بدل دیتا ہے۔ ابھی چند ہفتے ہوئے لاہور سے ایک دوست کا خط آیا کہ میری بیوی کے کیس میں بڑی سخت پیچیدگی پیدا ہوگئی ہے جس کی وجہ سے سخت تکلیف ہے اور ڈاکٹر امید نہیں دلا رہے آپ دعا کریں۔ چنانچہ انہوں نے بھی دعائیں کیں اور میں نے بھی ان کے لئے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے ایسا فضل کیا کہ عین ولادت کے وقت اللہ تعالیٰ نے اس پیچیدگی کو دور کر دیا۔ چنانچہ اس دوست کی بیوی نے اسے بتایا کہ باوجود اس کے کہ پہلے اتنی سخت تکلیف تھی کہ ڈاکٹر ناامید تھے لیکن اللہ تعالیٰ کے خاص فضل سے جو عین وقت پر نازل ہوا مجھے معمولی درد بھی محسوس نہیں ہوئی اور میں ہائے ہائے صرف اس لئے کر رہی تھی کہ کہیں مجھے ان حاملہ عورتوں کی نظر نہ لگ جائے جو میرے اردگرد بچوں کی پیدائش کا انتظار کر رہی ہیں۔ تو دیکھو ایک وقت میں خوف اپنی انتہاء کو پہنچا ہوا تھا اور یہ قضا و قدر کا خوف ہے کہ ماں نے نو مہینے تک تکلیف اُٹھائی باپ نے بھی تکلیف اُٹھائی گھر کے سارے افراد ہی کچھ نہ کچھ تکلیف ایسے حالات میں اُٹھاتے ہی ہیں۔ لیکن جس وقت ولادت کا وقت آیا اور بچہ کی آمد آمد پر سب خوش تھے کہ اچانک قضاءِ الٰہی سے خوف کی حالت پیدا ہوگئی۔ پس اس قسم کے حالات میں اللہ تعالیٰ دعا کو قبول کرتا ہے اور اس خوف کو دور کر دیتا ہے اور اپنی قدرت کاملہ پر محکم یقین پیدا کرتا ہے۔ بعض دفعہ انسان خود خدا تعالیٰ کی خاطر رضا کارانہ طور پر خوف کے سے حالات پیدا کر لیتا ہے۔ ابھی میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مثال دی ہے جب آپ نے اپنے گھر کا سارا اثاثہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں لا ڈالا تو دنیوی لحاظ سے یقیناً آپ نے اپنے لئے خوف کے سے حالات پیدا کر لئے کہ میں نے اپنے مال کا دھیلہ دھیلہ خدا کی راہ میں قربان کر دیا ہے ساتھ ہی آپ نے دعا کی کہ اے خدا تجھ پر ہی توکل رکھتے ہوئے اور تجھ پر کامل یقین رکھتے ہوئے میں نے ایسا کیا ہے میرے حالات تیرے ہاتھ میں ہیں تو انہیں درست کر دے تو اللہ تعالیٰ نے اس خوف کو دور کر

دیا۔ پس بعض دفعہ انسان خوف سے ایسے حالات رضا کارانہ طور پر اپنے لئے پیدا کر لیتا ہے یا مثلاً مسلمان جنگ میں جاتے تھے اور میدان جنگ بہرحال مقامِ خوف و خطر ہے تو اس میں بھی ہر سہ تکالیف شامل ہیں یعنی دشمن کی پیدا کردہ تکالیف۔ قضاو قدر کی پیدا کردہ تکالیف اور رضا کارانہ طور پر اپنے اوپر عائد کی جانے والی تکالیف۔

پس اس آیت میں جو میں نے شروع میں تلاوت کی ہے صرف دشمنوں کی پیدا کردہ تکالیف کا ہی ذکر نہیں بلکہ ہر سہ تکالیف کا ذکر ہے پھر آگے وہ تکالیف تین قسم کی بتائی گئی ہیں۔ ایک وہ تکالیف ہیں جو باساء کی شکل میں آتی ہیں۔ ایک وہ تکالیف ہیں جو ضراء کی شکل میں آتی ہیں اور ایک وہ تکالیف ہیں جو ایک زلزلہ کی شکل میں آتی ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں یہ تکالیف تم پر اس لئے نازل کرتا ہوں تاکہ حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ(البقرۃ:۲۱۵) رسول اور مومن لوگ پکار اُٹھیں کہ اللہ کی مدد کب آئے گی ''حَتّٰى'' کے ایک معنی جیسا کہ تفسیرِ صغیر میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے بیان کئے ہیں ''تاکہ'' کے ہیں یعنی یہ حالات اس لئے پیدا ہوئے ہیں کہ تا تم اپنے ربّ کی طرف متوجہ ہو اور دعائیں کرو اور خدا سے کہو کہ ہمارے سارے سہارے ٹوٹ گئے صرف ایک تیرا سہارا باقی ہے مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ اب تو ہم پر رحم کر اور اپنی مدد اور اپنی نصرت ہمارے لئے آسمان سے نازل کر تب اللہ تعالیٰ اس دعا کو قبول کرتا اور کہتا ہے اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ فکر نہ کرو جس طرح میں تمہارے قریب ہوں اسی طرح میری مدد بھی تمہارے قریب ہے ساری طاقتوں اور ساری قدرتوں کا مالک جب ہمارے قریب ہے اور وہ اپنے قرب کا اپنے فعل کے ساتھ اظہار کرنا چاہتا ہے اور ہمیں مشاہدہ کروانا چاہتا ہے تو پھر یہ یقینی ہے کہ ہماری تکلیف دور ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کی مدد ہمارے لئے پہنچ جائے۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے باساء اور ضراء اور زلزلہ میں تمہیں مبتلا کرنے کا انتظام اس لئے کیا کہ تا تم دعاؤں کے ذریعہ میری طرف جھکو اور جب تم دعاؤں کے ذریعہ میری طرف جھکو گے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان عاشقانہ التجاؤں کے نتیجہ میں تم اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرو گے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت اس کے حسن اور اس کے احسان کی شناخت تمہارے دل میں اس کی محبت پیدا کرے گی پہلے تم عام مومن تھے

اور اب تم خدا کے عاشق بن جاؤ گے اور تمہارا زندہ تعلق اپنے ربّ کے ساتھ قائم ہو جائے گا اور جب تمہارا زندہ تعلق اپنے ربّ کے ساتھ قائم ہو جائے گا تو پھر ہر خوف اور باساء اور ضراء کی حالت میں اللہ تعالیٰ اپنی معجزانہ نصرتوں سے تمہاری مدد کرے گا معجزانہ تائیدات اور نشانات سے تمہاری مدد کرے گا اور جب تم اس طرح اپنے زندہ خدا کی زندہ قدرتوں کو اپنی زندگیوں میں مشاہدہ کرو گے تو تمہارے ایمان میں زندگی پیدا ہو گی اور مضبوطی پیدا ہو گی اور جب تمہارے ایمان اس شکل اور اس رنگ میں مضبوط اور زندہ ہو جائیں گے اس وقت تم اس بات کے مستحق ہو گے کہ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ کہ تم خدا تعالیٰ کی رضا کی جنت میں داخل ہو جاؤ۔ یہ نہ سمجھنا کہ اس زندہ اور مضبوط ایمان کے بغیر جو عشق الٰہی اور دعاؤں کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے بعد انسان کو حاصل ہوتا ہے کوئی شخص جنت میں جا سکتا ہے اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ کیا اس کے بغیر تم جنت میں جا سکتے ہو؟ ہرگز نہیں پس اپنے اندر ایک زندہ، ایک مضبوط ایمان پیدا کرو اور ان راہوں کو اختیار کرو جن پر چل کر انسان اپنے ایمان کو مضبوط کرتا اور اس میں زندگی پیدا کرتا ہے اگر تم اس طرح صراط مستقیم کو اختیار کر کے اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت کو جذب کرنے میں کامیاب ہو گئے تو تم اللہ تعالیٰ کی رضا کی جنتوں میں بھی داخل ہو جاؤ گے۔

رمضان کا مہینہ بھی ظاہری حالات میں سختی کا مہینہ ہے یہ ایک رضا کارانہ سختی ہے جسے ہم برداشت کرنے کے لئے (اپنے ربّ کے لئے) تیار ہو جاتے ہیں ہم دن کو بھوکے رہتے ہیں راتوں کو جاگتے ہیں سردی میں اٹھتے ہیں کوئی دو بجے اٹھتا ہے کوئی تین بجے اور کوئی چار بجے جتنی جتنی توفیق کسی کو خدا تعالیٰ دیتا ہے وہ عبادت کرتا ہے۔ بعض لوگ جو دن کے وقت محنت مزدوری کا کام کرتے ہیں وہ رات کے پہلے وقت میں نوافل ادا کرتے ہیں بہرحال رات کی سختی بھی ہے اور دن کی سختی بھی جو محنت مزدوری کرنے والے ہیں شاید آج کل انہیں کچھ بھوک بھی لگتی ہو اور اس لحاظ سے انہیں جسمانی کمزوری بھی محسوس ہوتی ہو گی اور ان کے دل میں یہ خوف بھی پیدا ہوتا ہو گا کہ کہیں ہم کسی دن مزدوری نہ کر سکیں ہم روز کماتے ہیں اور جو کماتے ہیں وہ روز کھاتے ہیں اس روز ہمارے بچے کیا کریں گے اور جو دماغی محنت کرنے والے ہیں وہ بھی روزہ میں دماغی ضعف

محسوس کرتے ہوں گے کیونکہ دماغ کو پوری غذا نہیں مل رہی ہوتی اور بہت سارے دماغی کام ہیں جن میں روزہ کی وجہ سے بظاہر ہرج واقع ہورہا ہوتا ہے لیکن انسان کہتا ہے کہ میرا دماغ بھی خدا نے مجھے دیا ہے اور جن کاموں میں مَیں لگا ہوا ہوں ان میں کامیابی بھی اس کے فضل کے بغیر نہیں ہوسکتی۔ اس کے فضل کے ساتھ ہی ہوسکتی ہے اس لئے میں اس تنگی کو برداشت کرتا ہوں میں خدا تعالیٰ کے لئے روزے بھی رکھوں گا اس کے لئے راتوں کو بھی جاگوں گا۔ اس کے لئے اپنے مال میں سے خرچ بھی کروں گا۔ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آتا ہے کہ آپ رمضان کے مہینہ میں انتہائی سخاوت کیا کرتے تھے۔ پس جو آپ کے اسوہ پر چلنے والا ہے وہ اس مہینہ میں خاموشی کے ساتھ اپنے بھائی کی عزت اور وقار کا خیال رکھتے ہوئے اپنے مال میں سے حسبِ توفیق اپنے بھائیوں کی جیبوں میں ڈالتا چلا جاتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کے بدلہ میں میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا اور جب میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا تو تمہارے اندر اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کی معرفت اور ایمان کی مضبوطی پیدا ہوگی اور جنت کے دروازے تمہارے لئے کھولے جائیں گے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ رمضان کے مہینے میں آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں عبادت قبول ہوتی اور فضل نازل ہوتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتے رہنا چاہیے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بڑی وضاحت سے ہمیں بتایا ہے کہ دعاؤں کے بغیر کوئی زندگی نہیں کیونکہ دعاؤں کے بغیر انسان اپنے ربّ سے زندہ تعلق قائم نہیں کرسکتا اور جب تک اپنے ربّ سے زندہ تعلق قائم نہ ہو جائے اس وقت تک یہ زندگی کوئی رہنے کے قابل ہے؟ اگر کتوں کی طرح، اگر سؤروں کی طرح، اگر بندروں کی طرح ہم نے زندگی گذارنی ہے تو بہتر یہی ہے کہ ہم یہ زندگی نہ گزاریں اور اگر ہم نے انسان کی طرح زندہ رہنا ہے تو پھر ہمیں اس مقصد کو حاصل کرنا چاہیے جس مقصد کے لئے انسان کو پیدا کیا گیا ہے اور اپنے ربّ سے زندہ تعلق پیدا کرنا چاہیے اور جو تکالیف اور جو مصائب اور شدائد ہم پر ہمارے ربّ کی طرف سے اس لئے آتے ہیں کہ اس کے ساتھ ہمارا تعلق بڑھے ان ابتلاؤں اور امتحانوں کے وقت میں ہمیں ثبات قدم دکھاتے ہوئے کامیاب ہونا چاہیے اور اس بات کے لئے کوشش کرنی چاہیے کہ ہم واقعہ میں

خدا کی نگاہ میں اس کے محبوب بندے بن جائیں اور وہ ہم پر اپنی نعمتوں اور فضلوں کو ہمیشہ نازل کرتا رہے (اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہی اپنے فضل ہم پر نازل کرے)۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۳؍دسمبر ۱۹۶۷ء صفحہ ۱ تا ۵)

اس وقت انسانیت اتنی بڑی تباہی کے کنارے کھڑی ہے جس کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی

خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۲؍دسمبر ۱۹۶۷ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

آج جمعہ ہے اور جمعہ کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اجابتِ دعا کی خاص گھڑیاں بھی ہوتی ہیں جسے وہ گھڑیاں اللہ تعالیٰ کے فضل سے میسر آ جائیں اور اسے خلوصِ نیت اور عاجزی سے دعا کرنے کی توفیق ملے تو اللہ تعالیٰ دوسرے وقتوں کی نسبت دعا زیادہ قبول کرتا ہے۔

اسی طرح رمضان کا آخری عشرہ بھی آ رہا ہے بلکہ سمجھیں کہ آ ہی گیا ہے ان آخری دنوں کے متعلق بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ اس عشرہ میں مسلمان کو اس رات کی تلاش کرنی چاہیے، تقدیر کی، جس رات میں اس کی دعائیں قبول ہوں اور اسلام کے حق میں دنیا کی تقدیریں بدل دی جائیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ تھی جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جب رمضان کا آخری عشرہ آتا۔ شَدَّ مِئْزَرَهٗ وَاَحْيَا لَيْلَهٗ وَاَيْقَظَ اَهْلَهٗ یعنی آپؐ پورے طور پر مستعد ہو جاتے اور دعاؤں اور عبادت کے بجا لانے کے لئے اَحْيَا لَيْلَهٗ۔ اس کے متعلق شرح کرمانی میں ہے۔

فِیْہِ وَجْهَانِ اَحَدُهُمَا اَنَّهٗ رَاجِعٌ اِلَى الْعَابِدِ لِاَنَّهٗ اِذَا تَرَكَ النَّوْمَ الَّذِیْ هُوَ اَخُو الْمَوْتِ لِلْعِبَادَةِ فَكَاَنَّهٗ اَحْیَا نَفْسَهٗ وَثَانِیْهِمَا اَنَّهٗ عَائِدٌ اِلَى اللَّیْلِ فَاِنَّ لَیْلَهٗ لَمَّا قَامَ فِیْهِ فَكَاَنَّمَا اَحْیَاهُ بِالطَّاعَةِ۔

یعنی اَحْیَا لَیْلَهٗ کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی سنت کی اتباع میں وہ جو آپ سے محبت رکھتے ہیں رمضان کے آخری عشرہ میں رات کو زندہ کرتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں رات کے اوقات خرچ کرنے کے نتیجہ میں وہ رات کو زندہ کرتے ہیں اور دوسرے معنی اس کے یہ ہیں کہ رات کی عبادتوں کے نتیجہ میں انسان کا نفس حقیقی زندگی اور حیات کو حاصل کرتا ہے ظاہری طور پر جیسا کہ انہوں نے بیان کیا ہے نیند جو کہ موت کی سی کیفیت اپنے اندر رکھتی ہے جب اسے انسان چھوڑتا ہے اور بیدار رہ کر عبادت میں وقت گزارتا ہے تو گویا اس نے اپنے نفس کو زندہ کیا لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ دعا کے ذریعہ سے اَحْیَا لَیْلَهٗ وہ اپنے نفس کو زندہ کرتا ہے یعنی ایک عبادت کرنے والا عبادت اور دعا کے ذریعہ سے اپنے نفس کو زندہ کرتا اور اس کی حیات اور بقا کے سامان پیدا کرتا ہے یہ نہیں کہ اس نے نیند ترک کی۔ اور اپنی زندگی کے چند لمحات سونے کی بجائے جاگنے میں خرچ کر دیئے اس کے حقیقی معنی یہی ہیں کہ انسان کی زندگی اور اس کی بقا کا انحصار اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی تائید پر ہے جسے انسان دعاؤں کے نتیجہ میں حاصل کرتا ہے غرض یہ دعاؤں کے دن اور دعاؤں کی راتیں ہیں جن میں ہم داخل ہونے والے ہیں۔ اسی طرح آج جمعہ کا دن بھی خصوصاً دعا کا دن ہے میں یہ تو نہیں کہتا کہ آپ اپنے لئے یا اپنوں کے لئے دعا نہ کریں کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی برکت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اور یہ اسوہ ہمیں پہنچا ہے کہ زندگی کا ہر لمحہ خدا تعالیٰ کی رحمت پر منحصر ہے اس کی رحمت کے بغیر ہم ایک سیکنڈ کے لئے بھی زندہ نہیں رہ سکتے اور ہماری کوئی ضرورت بڑی ہو یا چھوٹی اس کے فضل کے بغیر پوری نہیں ہو سکتی۔ بڑی چیزوں کو تو چھوڑو جوتی کا ایک تسمہ بھی ہم اللہ تعالیٰ کے فضل کے بغیر ہم حاصل نہیں کر سکتے۔ پس اپنے لئے بھی ضرور دعائیں کرتے رہنا چاہیے اس کے بغیر دراصل زندگی کوئی زندگی نہیں۔ نیز جماعت کے لئے بھی دعا کرتے رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ

احبابِ جماعت کو خواہ وہ دنیا کے کسی حصہ میں ہی کیوں نہ رہتے ہوں اپنی حفاظت اور اپنی امان میں رکھے اور ان پر اپنا خاص فضل کرے اور پیار کی نگاہ ہمیشہ ان پر رکھے اور وہ ہر احمدی کو (وہ جہاں بھی ہو) یہ توفیق دیتا چلا جائے کہ وہ ایسے اعمال بجالائے جو خدا تعالیٰ کی نگاہ میں محبوب ہوں اور اندرونی اور بیرونی فتنوں سے وہ بچائے جائیں اور دشمن کا ہر وار اسی پر اُلٹا دیا جائے وہ خدا تعالیٰ کے فرشتوں کی حفاظت میں اور اس کی پناہ میں اپنی زندگیاں گزارنے والے ہوں اور ہمیں اللہ تعالیٰ یہ توفیق عطا کرے کہ ہم میں سے ہر ایک اس مقصد کو حاصل کرنے والا ہو جس مقصد کے لئے اسے پیدا کیا گیا ہے یہ دعا تو ضرور کرنی چاہیے اور ہمیشہ کرتے رہنا چاہیے۔

لیکن ایک خاص دعا کی طرف میں اپنے دوستوں کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اس وقت بنی نوع انسان اپنے پیدا کرنے والے مہربان ربّ کو بھول چکے ہیں اور ہر قسم کا فساد انہوں نے دنیا میں پیدا کر دیا ہے۔ وہ اپنے ربّ کو شناخت ہی نہیں کرتے یا دہریہ ہو چکے ہیں اور کسی ربّ کو مانتے ہی نہیں یا گنہگار حوا کے پیٹ سے پیدا ہونے والے کو خدا سمجھنے لگ گئے ہیں یا شرک کی اور راہوں کو وہ اختیار کرنے لگے ہیں خدائے واحد و یگانہ اور قادر و توانا کی طرف وہ متوجہ نہیں ہو رہے اور اس سے سارے رشتے اور تعلق انہوں نے قطع کر لئے ہیں۔غرض اس وقت انسانیت ایک نہایت ہی نازک دور سے گزر رہی ہے۔ اس قدر فساد دنیا میں پیدا ہو چکا ہے کہ انسانی تاریخ میں ایسا فساد اس دنیا میں کبھی پیدا نہیں ہوا اور اتنی بڑی تباہی انسان کے سامنے کھڑی ہے کہ اس سے پہلے اتنی بڑی تباہی کا اس نے کبھی سامنا نہیں کیا۔ یہ بات تو اپنی جگہ صحیح ہے لیکن دوسری طرف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ آج اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ وہ جو نیک فطرت رکھتے ہیں انہیں اس تباہی سے بچائے اور اسلام کی زندگی سے انہیں زندہ کرے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ تلے انہیں لا کر اکٹھا کر دے۔

غرض ایک طرف ایک نہایت خطرناک تباہی انسان کے سامنے کھڑی ہے اور ہم پر یہ فرض عائد کیا گیا ہے کہ ہم ان کے بچانے کی فکر کریں اور دوسری طرف ہمیں یہ وعدہ دیا گیا ہے اگر ہم خلوص نیت کے ساتھ انسان کو اس انتہائی طور پر خطرناک تباہی سے بچانے کی کوشش کریں گے تو

اللہ تعالیٰ ہماری کوشش میں برکت ڈالے گا اور اپنے فضل اور اپنی رحمت سے اسلام کی حیات سے بہتوں کو زندہ کرے گا ہم پر یہ ذمہ داری (جو میں نے ابھی بیان کی ہے) ڈالی تو گئی ہے لیکن ظاہری اور مادی سامان ہمیں نہیں دیئے گئے۔ ساری دنیا کو زندہ کرنے کی کوشش کوئی معمولی بات نہیں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی غرض ہی یہ تھی آپ کو دنیا میں بھیجنے کا مقصد ہی یہ تھا اس زندہ مذہب سے ایک دنیا کو زندہ کیا جائے۔ جیسا کہ فرمایا

اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے چونکہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بروز کی حیثیت سے بھیجا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اطلاعاً بتایا کہ آپ ''مَظْهَرُ الْحَيِّ'' ہیں کہ خدا تعالیٰ کی صفت حیّ کے مظہر اور ہم نے خود کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منسوب کیا۔ پس ہمارے لئے دو باتیں بڑی ضروری ہیں ایک یہ کہ ہم خود حقیقی زندگی کو حاصل کرنے والے ہوں اور دوسرے یہ کہ ہم دنیا کو زندہ کرنے والے ہوں کیونکہ اس وقت خدا تعالیٰ کا منشا یہ ہے کہ وہ اپنی صفت حیّ کے جلوے دنیا کو دکھائے اور ایک نئی زندگی انہیں عطا کرے۔ لیکن جیسا کہ میں نے بتایا ہے ظاہری سامان ہمارے پاس نہیں ایک ہی چیز ہمارے پاس ہے ایک ہی ہتھیار ہے جو ہمیں دیا گیا ہے اور وہ ہتھیار بڑا زبردست ہے۔ دنیا اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی اور وہ دعا کا ہتھیار ہے۔ پس یہ ہتھیار ہے جو ہمیں دیا گیا اور اس کی کیفیت اور ماہیت ہمیں بتائی گئی اور دعا پر ایک یقین ہمیں عطا کیا گیا ہے اور خدا نے کہا ہے کہ کام گو مشکل ہے لیکن ہونا ضرور ہے۔ کیونکہ انسانیت اس وقت ایک نازک دور میں سے گزر رہی ہے اور تمہارے سپرد یہ کام کیا جاتا ہے لیکن سامان تمہیں نہیں دوں گا ہاں دعا کا ہتھیار تمہیں دیتا ہوں۔ پس تم دعا کے ذریعہ سے دنیا کو کھینچ کر زندگی کے چشمہ تک لاؤ۔

دعا کے لئے دو باتوں کا پایا جانا ضروری ہے ایک یہ کہ انسان اس یقین پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تمام قدرتوں کی مالک ہے اور کوئی بات اس کے لئے انہونی نہیں اور دوسرے یہ کہ اس کی توفیق اور تائید کے بغیر ہماری کوئی ہستی نہیں ہم لاشئ محض ہیں ہم کچھ نہیں کر

سکتے۔ اگر ہمارے دل میں بنی نوع انسان کی وہ حقیقی محبت پیدا ہو جائے اور ان سے وہ تعلق مودت واخوت پیدا ہو جائے، جو پیدا ہونا چاہیے اور اگر ہم یہ محسوس کرنے لگیں کہ بنی نوع انسان آج تباہی کے گڑھے پر کھڑے ہیں اور اگر ہمیں اس بات پر کامل یقین ہو کہ ہمارے پاس ایسے سامان نہیں ہیں کہ ہم ان کو اس تباہی سے بچا سکیں اور اگر ہمیں یہ احساس ہو کہ بنی نوع انسان کو اس تباہی سے بچانا آج ہماری اور صرف ہماری ذمہ واری ہے تو ہم ہر دوسری چیز کو بھول کر اس ہتھیار کو ہاتھ میں لیں جو دعا کا ہتھیار ہے اور اپنے ربّ کے حضور انتہائی عاجزی اور تضرع کے ساتھ جھکیں اور اس سے کہیں۔ اے ہمارے پیارے خدا! تو نے اس مخلوق کو جو انسان کہلاتی ہے اس لئے پیدا کیا تھا کہ وہ تیری عبادت میں اپنی زندگی کے دن گزاریں اور تیری صفات کے وہ مظہر بنیں لیکن وہ تجھے بھول گئے انہوں نے تیرے احکام کو اپنی پیٹھوں کے پیچھے ڈال دیا انہوں نے ہر رشتہ جو تجھ سے قائم ہونا چاہیے تھا اس کی طرف توجہ نہیں کی یا قطع کر دیا تیرے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں رہا اس لئے تو اپنے غضب اور قہر کی تجلّی سے انہیں ہلاک کرنا چاہتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ تیری رحمانیت بھی جوش میں ہے اور تو نے ہمارے کندھوں پر یہ ذمہ داری عائد کی ہے کہ ہم انہیں اسلام کی حیات بخش تعلیم سے نئی زندگی دیں اور نئی روح ان کے اندر پیدا کریں ہمارے پاس سامان نہیں صرف تیری ذات پر ہمارا بھروسہ اور ہمارا توکل ہے۔ پس ہماری دعاؤں کو سن اور ہماری عاجزانہ تضرعات کی طرف متوجہ ہو اور بنی نوع انسان کو قہر کی نگاہ کی بجائے رحمت کی نگاہ سے دیکھنا شروع کر اور ان کے دلوں میں ایک تبدیلی پیدا کر کہ وہ تجھے اور تیرے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچاننے لگیں۔

پس ان دنوں میں خاص طور پر بہت دعائیں کریں، بہت دعائیں کریں، جب میں سوچتا ہوں کہ انسان آج کس تباہی کے کنارے کھڑا ہے تو مجھے انتہائی دکھ اور کرب محسوس ہوتا ہے۔ کل بھی جب مجھے یہ خیال آیا کہ میں آپ سے یہ اپیل کروں کہ آپ ان دنوں کو خاص بنی نوع انسان کی بھلائی کے لئے وقف کریں میری طبیعت میں بڑی بے چینی تھی میں سوچتا رہا کہ اتنا پیار کرنے والا ہمارا ربّ ہے اتنا محبت کرنے والا ہمارا خالق ہے اور پھر بھی ہم میں سے وہ بھی ہیں جو اسے بھول

جاتے ہیں ہم میں سے وہ بھی ہیں جو اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے ہم میں سے وہ بھی ہیں جو اس بات کی پرواہ نہیں کرتے کہ وہ اس کو ناراض کر رہے ہیں وہ دنیا کی چھوٹی چھوٹی چیزوں کی خاطر وہ دنیا کی معمولی معمولی عزتوں کے لئے بے حقیقت آراموں کے لئے اس پیارے کے پیار کی طرف سے غفلت برتتے ہیں اور اس وقت اس قسم کا فساد انسان نے اس دنیا میں پیدا کر دیا ہے کہ خدا تعالیٰ کی نگاہ میں وہ مغضوب بن گیا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کی رحمت میں وہ وسعت نہ ہوتی جس کا ذکر قرآن کریم میں بیان ہوا ہے تو آج سے کہیں قبل اللہ تعالیٰ کی قہری تجلی انہیں جلا کر خاک کر دیتی مگر خدا تعالیٰ کی رحمت نے یہ چاہا کہ وہ انہیں زندگی کی طرف بلائے۔ خدا تعالیٰ نے یہ پسند کیا کہ وہ ہلاکت کی بجائے نجات کی راہوں پر چلنے والے ہوں۔ اس لئے اس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک عظیم روحانی فرزند ہیں اس دنیا میں اس غرض کے لئے بھیجا کہ اسلام کو تمام دنیا میں غالب کر دیں اور جب ہم یہ فقرہ کہتے ہیں کہ اسلام کو ساری دنیا میں غالب کرے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ سارے انسانوں کے دلوں میں اسلام کی روحانی نہر کا حیات بخش پانی چلا دے اور وہ ''اسلام'' سے زندہ ہو جائیں۔ جہاں تک تعلیم کا فی نفسہ تعلق ہے وہ تو ہمیشہ زندہ ہے یعنی وہ مستقل طور پر حقانیت پر قائم اور حقِ کامل اور مکمل ہے کوئی اس پر عمل کرے یا نہ کرے اس سے اسلامی تعلیم میں کوئی فرق نہیں پڑتا اسلام کو زندہ کرنا ایک محاورہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کے ذریعہ دنیا کو زندہ کیا جائے آج دنیا مردہ ہو چکی ہے اور دنیا کو زندگی سوائے اسلام کے اور کوئی دے نہیں سکتا اور یہ ذمہ داری سوائے ہمارے اور کسی پر نہیں۔ پس آرام سے نہ بیٹھو خصوصاً ان دنوں میں۔

اپنے دنوں کو بھی اور اپنی راتوں کو بھی اس دعا میں خرچ کرو۔ اے ہمارے ربّ! اے ہمارے پیار کرنے والے ربّ! تو نے جو بوجھ ہمارے کندھوں پر ڈالا ہے ہمیں اپنے فضل سے توفیق دے کہ وہ ہم تیری مرضی کے مطابق نباہنے والے ہوں اور بنی نوع انسان تک تیرا حیات بخش پیغام پہنچانے والے ہوں اور اے خدا! ہمارے بھائیوں کو ہلاک نہ کرنا بلکہ انہیں توفیق دینا کہ وہ تجھے پہچاننے لگیں اور اس تعلیم کی طرف لوٹ آئیں جس کی طرف تو انہیں بلا رہا ہے اور اس نور سے

وہ منور ہوں جس نور سے تو انہیں منور کرنا چاہتا ہے اور اس عطر سے وہ ممسوح ہوں جو عطر اور جو خوشبو تو آج دنیا میں اسلام کے ذریعہ نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی برکت سے پھیلانا چاہتا ہے۔ پس اپنے لئے اور اپنوں کے لئے دعائیں ضرور کریں۔ لیکن خاص طور پر بہت زیادہ دعائیں بنی نوع انسان کے لئے کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کی ہدایت کے سامان پیدا کردے اور اس ہلاکت سے وہ بچائے جائیں جس کے متعلق ہمیں خبر دی گئی ہے کہ وہ قیامت کا نمونہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی پناہ میں رکھے۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۳۰/دسمبر ۱۹۶۷ء صفحہ ۱ تا ۳)

کم و بیش تیس سال کا عرصہ بڑا ہی اہم ہے اور ہم سے انتہائی قربانیوں کا مطالبہ کر رہا ہے

خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۹؍دسمبر ۱۹۶۷ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ

تشہد، تعوذ، سورۃ فاتحہ اور سورۃ القدر کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

اس سورۃ (سورۃ القدر) کی حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے بڑی لطیف تفسیر بڑی تفصیل کے ساتھ تفسیرِ کبیر میں بیان فرمائی ہے میں اس وقت احباب کو دو ایک باتوں کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں جو اس سورۃ کے مضامین سے تعلق رکھتی ہیں۔

لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ کے معنی بہت سے کئے جا سکتے ہیں اور بہت سے کئے گئے ہیں خلاصہ ان سب معانی کا یہ بنتا ہے کہ لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ وہ اندھیری رات یا وہ اندھیرا زمانہ ہے۔ جس میں اللہ کی طرف سے اندھیروں کے دور کرنے اور روشنی کے ظہور کا فیصلہ کیا جاتا ہے اور لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ انفرادی بھی ہوتی ہے اور اجتماعی بھی ہوتی ہے۔ احادیث میں جہاں یہ ذکر ہے کہ سارے سال میں کسی وقت لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ ہو سکتی ہے۔ وہ ذکر انفرادی لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اجتماعی لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ ایک تو (جیسا کہ احادیث اس طرف اشارہ کر رہی ہیں) رمضان کی آخری دس راتوں میں سے ایک رات ہوتی ہے یا اجتماعی لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ انبیاء کا وہ اندھیرا زمانہ ہوتا ہے جن میں وہ نازل ہوتے اور جس کے اندھیروں کو ان کی برکت سے اللہ تعالیٰ دور کرتا ہے۔ انفرادی لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ کا مطلب

یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ہر فردِ بشر پر بہت سی پابندیاں عائد کی ہیں بہت سے احکام ہیں جو اسے دیئے گئے ہیں بہت سے اوامر ہیں جو اسے کرنے ہوتے ہیں اور جنہیں اسے کرنا چاہیے یا بہت سی نواہی ہیں جن سے اسے بچنا چاہیے۔ انسان جس طرح جسمانی لحاظ سے نشوونما حاصل کرتا ہے پہلے ارتقا کے کئی دوروں میں سے وہ رحم مادر میں گزرتا ہے اور پھر بہت سے ارتقائی دوروں میں سے وہ پیدائش کے بعد وہ اس دنیا میں گزرتا ہے پھر وہ اپنی بلوغت کو پہنچتا ہے جسمانی طور پر اگر وہ لمبی عمر پائے تو وہ انحطاط کے زمانہ کو پاتا ہے۔ اس کے مشابہ مگر (ایک فرق کے ساتھ) روحانی ارتقا اور روحانی نشوونما بھی وہ حاصل کرتا ہے پہلے وہ تقویٰ کی موٹی موٹی راہوں پر چلتا ہے پھر وہ اس کتابِ عظیم سے جو هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ہے تقویٰ کی مزید باریک راہوں کا علم حاصل کرتا اور اس کے مطابق اپنی زندگی کے دن گزارتا ہے اسی طرح وہ روحانی ترقی کرتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ اپنی روحانی بلوغت کو پہنچتا ہے جس کے بعد کوئی انحطاط نہیں اور یہ فرق ہے روحانی اور جسمانی بلوغتوں میں کہ جسمانی بلوغت کے بعد اس دنیا میں ایک انحطاط کا زمانہ بھی بہت سے لوگوں پر آتا ہے لیکن روحانی بلوغت کے بعد پھر انحطاط کا کوئی زمانہ روحانی بالغ پر نہیں آتا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے لطیف رنگ میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ فرمایا جسے بشاشت ایمانی حاصل ہو جائے اس کو پھر شیطان کے حملوں کا کوئی خوف باقی نہیں رہتا الفاظ مجھے یاد نہیں اسی قسم کا مفہوم ہے یعنی جس کے اعمالِ صالحہ فطرت کا ایک حصہ بن جائیں اور ان کی بجا آوری میں وہ کوئی تکلیف یا کوفت محسوس نہ کرے اسے کسی قسم کی کوشش اور جدوجہد نہ کرنی پڑے بلکہ جس طرح وہ سانس لیتا ہے اور زندگی کو قائم رکھتا ہے اسی طرح ایسا شخص بشاشت کے ساتھ خدا تعالیٰ کے احکام کو بجا لاتا ہے اور جس شخص کے دل میں اس قدر بشاشت اعمالِ صالحہ کے بجالانے میں پیدا ہوا اور خدا تعالیٰ کے لئے ہر دکھ جو وہ سہے دنیا اسے دکھ سمجھے تو سمجھے وہ اس میں لذت محسوس کرے اس بلوغت کے بعد کسی قسم کے روحانی انحطاط کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہی وہ کیفیت ہے بلوغت کی جس کی طرف قرآن کریم نے اس آیت میں اشارہ کیا ہے۔

يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىِٕنَّةُ - ارْجِعِيْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً - فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ -

وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ (الفجر: ۲۸ تا ۳۱) تو اس دنیا میں دنیا کی اس زندگی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فیصلہ ہر فردِ بشر کے متعلق کیا جاتا ہے ہر اس فردِ بشر کے متعلق جو اپنی قربانیوں کو انتہاء تک پہنچاتا اور اپنے ربّ کی محبت میں اپنے نفس کو کلی طور پر مٹا دیتا اور اس پر ایک موت وارد کر دیتا ہے اس پر ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے یہ بشارت دیتا ہے کہ اب تو ایسے مقام تک پہنچ گیا ہے کہ جنت کا یقینی طور پر ہمیشہ کے لئے تو وارث رہے گا اور شیطان تجھے بہکانے میں کامیاب نہیں ہوگا۔

یہ فیصلہ کی گھڑی اس شخص کے لئے لَيْلَةُ الْقَدْرِ ہے کیونکہ اس میں وہ عظیم فیصلہ اس کی ابدی زندگی کے متعلق کیا جاتا ہے جو اِس دنیا سے شروع ہوتی اور اُس دنیا میں جا کے بھی ختم نہیں ہوتی بلکہ ہمیشہ ہمیش کے لئے وہ اس کے لئے خوشیاں اور سرور پیدا کرتی رہتی ہے۔ اتنا اہم فیصلہ جس گھڑی کیا جائے۔ جب انسان کے تمام انفرادی اندھیرے یک قلم دور کر کے ان کی بجائے اللہ تعالیٰ کا نور اس کی روح اور اس کے جسم پر قبضہ کر لے۔ اتنا عظیم فیصلہ جو ہے وہ اس فرد واحد کے لئے لَيْلَةُ الْقَدْرِ کا حکم رکھتا ہے یہ انفرادی لَيْلَةُ الْقَدْرِ ہے اور یہ لَيْلَةُ الْقَدْرِ جو انفرادی ہے سال کے کسی حصہ میں آ سکتی ہے اس کے لئے رمضان کی کوئی شرط نہیں رمضان کے دس دنوں یا دس راتوں کی کوئی شرط نہیں اور دراصل اسی لَيْلَةُ الْقَدْرِ کا ذکر عبداللہ بن مسعودؓ اور بعض دوسرے صحابہؓ کی روایتوں میں ہے کہ وہ سال کے کسی حصہ میں آ سکتی ہے۔

دوسری وہ لَيْلَةُ الْقَدْرِ ہے جس کا تعلق رمضان سے اور رمضان کی آخری دس راتوں سے ہے اس کی حکمت جیسا کہ تفسیرِ کبیر میں بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء کے ذریعہ ان کی اُمتوں سے ایک عہد لیا کرتا ہے اور اس کے مقابلہ میں ان سے بھی ایک عہد کرتا ہے اور حکم اور بشارت دیتا ہے کہ تم اپنے عہد کو پورا کرو میں اپنے عہد کو پورا کروں گا اور اس کے لئے ایک ظاہری علامت اللہ تعالیٰ کی رضا کے اظہار کی رکھی جاتی ہے۔

پہلے انبیاء نے بھی اپنی اُمتوں سے عہد لیا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام بنی نوع انسان سے یہ کہا کہ اُمتِ مسلمہ میں شامل ہو جاؤ اور میرے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اپنے ربّ سے یہ عہد باندھو کہ ''اسلام'' کے مطابق تم اپنی زندگیوں کو گزارو گے۔ یہ عہد ہے اسلام کا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کے ذریعہ اُمتِ مسلمہ سے لیا گیا ہے۔

اسلام کے (اَسْلَمْتُ کے) معنی یہ ہیں کہ انسان اپنا سب کچھ اپنے ربّ کے حضور پیش کر دے اور اس کی راہ میں قربان کر دے پھر جس چیز کی جس وقت ہمارا ربّ اجازت دے اس چیز سے اس وقت تک ہم فائدہ اٹھائیں اور ہر وقت اس بات کے لئے تیار ہوں کہ اپنی ہر چیز خواہ وہ مادی ہو یا جذباتی ہو یا کسی اور طرح ہم سے تعلق رکھنے والی ہو اسے اپنے ربّ کی رضا کے لئے ہم ہر وقت قربان کرنے کے لئے تیار رہیں گے۔

یہ عہد اللہ تعالیٰ نے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اُمتِ مسلمہ سے لیا اور اس کی ظاہری علامت رمضان کو قرار دیا اس مہینہ میں ہم رات اور دن اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزارتے ہیں۔ رمضان کی عبادت ہر قسم کی عبادتوں کا مجموعہ ہے اس میں نفس کشی بھی شامل ہے اس میں جفاکشی بھی شامل ہے اس میں لذت کی قربانی بھی شامل ہے اس میں مال کی قربانی بھی شامل ہے اس میں وقت کی قربانی بھی شامل ہے اس میں جان کی قربانی بھی شامل ہے ہر قسم کی قربانیوں کا نمونہ، ہر قسم کی قربانیوں کے پھولوں کا گلدستہ ہے یہ ماہِ رمضان!!!

تو ظاہری علامت اس روح کی جو اسلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ پیدا کرنا چاہتا تھا رمضان کی عبادتوں میں رکھی گئی اور اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ اگر تم اسلام کی روح کو اپنے اندر قائم رکھو گے اور ایک حقیقی مسلمان کی زندگی گزارو گے جس کی ظاہری علامت رمضان کی عبادتیں ہیں۔ تو میں تمہاری نیتوں اور خلوص کو دیکھتے ہوئے اور خالص تقویٰ کی بنیادوں پر جو اعمال صالحہ تم بجالاؤ ان کو مدِّنظر رکھتے ہوئے تمہارے ساتھ اس مہینہ میں ایک نمایاں اور خصوصی تکلیف کروں گا اور وہ یہ ہے کہ رمضان کے آخری عشرہ میں ایک وقت ایسا مقرر کروں گا تمہارے لئے اے اُمتِ مسلمہ! کہ جب تمہاری دعاؤں کو میں قبول کروں گا جب میں تمہارے قریب آؤں گا اور اپنے قرب سے تمہیں نوازوں گا۔

تو اسلام کی جو پابندیاں ہیں اور اسلام کی جو اتباع اللہ تعالیٰ ہم سے چاہتا ہے اس کی ظاہری علامت کے طور پر رمضان رکھا گیا ہے جس میں ایک چھوٹے سے وقت میں تمام قربانیوں اور تمام اعمالِ صالحہ کو اکٹھا کر دیا گیا ہے۔ زبان سے کسی کو ضرر نہیں پہنچانا، ہاتھ سے ضرر نہیں

پہنچانا۔ مال سے خیر پہنچانی ہے۔ اپنے وقت قربان کر کے خیر پہنچانی ہے وغیرہ وغیرہ۔

ایک چھوٹا سا نقشہ ہے تمام اسلامی عبادات کا جو رمضان میں ہمیں نظر آتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں کامل فدائیت کی اس ظاہری علامت کے مقابلہ پر اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا کی ایک ظاہری علامت رکھی اور وہ رمضان کی آخری دس راتوں میں لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ ہے یہ اجتماعی لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ ہے یعنی ایک ایسی رات آتی ہے جب اُمّتِ مسلمہ کی دعائیں سنی جاتی ہیں اجتماعی طور پر کیونکہ اُمت کے نمائندے وہ ہوتے ہیں جو خدا کے نزدیک ان کی نمائندگی کر رہے ہوں یعنی جو حقیقی معنی میں اسلام کے مطابق اپنی زندگیوں کو گزارنے والے ہوں۔ جن کے مال اس کی راہ میں خرچ ہو رہے ہوں جن کے جذبات اس کے لئے قربان ہو رہے ہوں اور جن کی عزتیں اس کی راہ میں فدا ہو رہی ہوں ان کی دعاؤں کو ایسے رنگ میں سنتا ہے کہ ان میں سے بہتوں کو بتا بھی دیتا ہے کہ آج اُمت کی اجتماعی لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ ہے لیکن ان کے علاوہ بھی جو اُمتِ مسلمہ کے افراد ہوں اگرچہ ان کو علم نہیں دیا جاتا کہ وہ رات دعاؤں کی قبولیت کی رات ہے پھر بھی ان کی ایسی دعاؤں کو جو خدائے عظیم اور کبیر کے ارادہ اور منشا کے مطابق ہوں قبول کیا جاتا ہے اور اس طرح اُمتِ مسلمہ کی بقا اور اس کی ترقی کے سامان پیدا کئے جاتے ہیں اور جس وقت اُمت بحیثیت اُمت اسلام پر قائم نہ رہے اور لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ کی برکتوں سے محروم ہو جائے اس وقت اُمت پر تنزل کا زمانہ آ جاتا ہے یہ دور ہمیں اسلامی تاریخ میں نظر آتے ہیں اور اگر ہم اس کی چھان بین کریں تو یقیناً اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ تنزل کا زمانہ وہ ہوتا رہا ہے جب اُمّتِ مسلمہ نے اسلامی احکام کو پس پشت ڈال دیا اور قرآن کریم کو کتاب مہجور سمجھ لیا اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربانیاں دینی چھوڑ دیں اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے وارث نہ رہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہو گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ رمضان کی ایک رات ایسی ہے جو ایک ہزار مہینے سے بھی زیادہ اچھی ہے کیونکہ عربی محاورہ میں ہزار کا لفظ ان گنت اور بے شمار کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اس لئے اس کے معنی یہ ہوئے کہ ایک رات ایسی ہے جو بے شمار اور ان گنت مہینوں سے زیادہ برکت والی ہے اور جو شخص اس رات کی برکات سے محروم رہے وہ بڑا ہی محروم آدمی ہے اس سے زیادہ اور کون محروم

ہوسکتا ہے؟ اور جیسا کہ میں نے ابھی بتایا ہے اگر اُمت کے وہ افراد اور جب تک اُمت کے وہ افراد جو روحانی طور پر زیادہ قوتیں اور استعدادیں رکھنے والے ہوتے ہیں اور جو محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کی رحمتوں کے زیادہ وارث ہوتے ہیں وہ اُمت کے لئے اُمت کی دنیوی بہبود اور روحانی ترقیات کے لئے دعائیں کرتے رہیں اور اللہ تعالیٰ کے دین کے سب احکام بجالاتے رہیں اور اسلام کے ہر حکم کے نیچے اپنی گردن کو رکھنے والے ہوں اور انتہائی قربانیاں اس کے لئے دینے والے ہوں ان کی دعاؤں کو اللہ تعالیٰ رمضان کی اس لَيْلَةُ الْقَدْرِ میں قبول کرتا ہے اور اس طرح اُمتِ مسلمہ ترقی کے دنیوی اور روحانی مدارج طے کرتی چلی جاتی ہے لیکن پھر ایک ایسا دور آتا ہے کہ جب اُمت بحیثیت مجموعی ایسی نہیں رہتی تب لَيْلَةُ الْقَدْرِ سے وہ محروم ہوجاتی ہے اور اس کے نتیجہ میں تنزل کا دور اسلام پر آنا شروع ہوجاتا ہے۔

اجتماعی طور پر لَيْلَةُ الْقَدْرِ وہ زمانہ بھی ہے جو ایک نبی کا زمانہ ہوتا ہے جو انتہائی فساد اور اندھیرے اور ظلمت کا زمانہ ہوتا ہے لیکن ظلمت کے اس زمانہ میں اندھیرے کی ان گھڑیوں میں اللہ تعالیٰ یہ فیصلہ کرتا ہے کہ میں اپنے بندوں کے لئے نور کا سامان پیدا کروں گا۔ سب سے زیادہ ظلمت شیطان نے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پھیلائی اس سے زیادہ اندھیرے دنیا کی تاریخ میں ہمیں کہیں نظر نہیں آئیں گے اور سب سے روشن نور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں اور آپؐ کے طفیل ان اندھیروں میں سے ہی طلوع ہوا اور یہ رات (جس میں یہ فیصلہ کیا جاتا ہے کہ اندھیروں کو دور کر دیا جائے گا) جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے تعلق رکھتی ہے بہت ہی اندھیری رات تھی ایسی اندھیری رات کہ اس سے بڑھ کر اندھیرا تصور میں بھی نہیں آسکتا پھر نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ روشنی کے سامان پیدا کئے گئے اس قدر روشنی اور نور کہ انسان کی عقل حیران رہ جاتی ہے قیامت تک کے لئے وہ احکام دے دئے گئے وہ صراطِ مستقیم بتا دیا گیا جن پر چل کر انسان اپنے ربّ جو نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہے کے نور سے نور حاصل کر کے اپنے ظاہر و باطن کو منور کرسکتا ہے۔

تو یہ زمانہ بھی لَيْلَةُ الْقَدْرِ کا زمانہ ہے یعنی فساد کا یعنی شیطانی حکومت کا یعنی اللہ تعالیٰ کے

بُعد کے اندھیروں کا وہ زمانہ جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ روشنی پیدا کی گئی اور ان اندھیروں کو دور کیا گیا اندھیروں کا یہ زمانہ وہ تھا جس میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ پر ایمان لانے والوں نے انتہائی دکھ اٹھائے ان لوگوں کے لئے دنیا اندھیر تھی دنیوی لحاظ سے روشنی کی کونسی کرن تھی جو وہاں تک پہنچ سکتی تھی ہر طرف سے کفر نے ان کو گھیرا ہوا تھا ہر قسم کی قربانیاں تھیں جو ان سے لی جا رہی تھیں مردوں سے بھی اور عورتوں سے بھی وہ کون سی بے عزتی تھی جو ان مسلمان عورتوں کو نہ دیکھنی پڑی ہو ہر قسم کے اندھیروں کی دیواریں شیطان مسلمانوں کے گرد کھڑی کر رہا تھا اور اللہ تعالیٰ ان سے انتہائی قربانیاں لے رہا تھا اس وعدہ کے ساتھ کہ میں تمہارے لئے اپنی تقدیر کی تاریں ہلاؤں گا اور اتنے انعامات دوں گا اتنے فضل تم پر نازل کروں گا آسمان سے تم پر نور کی کچھ اس طرح بارش برسے گی کہ یہ سب اندھیرے کافور ہو جائیں گے اور مٹ جائیں گے اور شیطان اپنے تمام اندھیروں اور ظلمتوں کے ساتھ بھاگ جائے گا اور حق اپنے تمام نوروں کے ساتھ دنیا میں قائم ہو جائے گا۔

پس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ لَيْلَةُ الْقَدْرِ کا زمانہ تھا اس معنی میں کہ اگرچہ شیطان انسانی روح پر پوری طرح غالب آ گیا ہوا تھا اور مسلمانوں کو انتہائی قربانیاں اس وقت دینی پڑی تھیں لیکن لَيْلَةُ الْقَدْرِ کے اس زمانہ میں ہمارے ربّ نے یہ فیصلہ کیا کہ ان تمام اندھیروں کو دنیا سے مٹا دیا جائے گا اور وہ جو اپنے فیصلوں پر قادر اور وہ جو اپنے وعدوں کو وفا کرنے والا ہے اس نے وہ تمام اندھیرے دنیا سے مٹا دئے اور اس طرح اسلام کا نور تمام دنیا پر چھا گیا کہ معلوم دنیا میں سے کوئی علاقہ ایسا نہ رہا جو اسلام کے نور سے محروم ہو اس کے بعد پھر تنزل کا ایک زمانہ آیا کیونکہ اسلام کی روح کو مسلمان بھول چکا تھا لیکن اب پھر اللہ تعالیٰ نے اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا زمانہ پیدا کیا اور اس زمانہ میں ہمیں بھی پیدا کیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا زمانہ بھی لَيْلَةُ الْقَدْرِ ہی کا زمانہ ہے جس زمانہ کے متعلق الٰہی تقدیر ہے کہ اسلام کو تمام ادیانِ باطلہ پر غالب کیا جائے گا اور دنیا کی تمام اقوام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے جمع کی جائیں گی۔ پس ہمارا یہ زمانہ بھی شیطانی ظلمتوں، اسلامی قربانیوں اور بہترین انعامات کے لحاظ سے لَيْلَةُ الْقَدْرِ ہے اور

اس زمانہ میں یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ انتہائی قربانیاں لی جائیں گی اور عظیم انعامات کا وارث کیا جائے گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں جب اللہ تعالیٰ کی وہ پیشگوئیاں اور وہ آیاتِ بینات اور وہ نشانات ابھی ظاہر نہیں ہوئے تھے جو بعد میں ہوئے اس وقت بھی آپ پر کچھ لوگ ایمان لائے ان لوگوں کی زندگیوں کو جب ہم دیکھتے ہیں اور اس زمانہ کے حالات پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ ان لوگوں نے انتہائی قربانیاں دیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نشانات ابھی پوری طرح واضح نہیں تھے۔ وہ غیب پر ایمان لائے ان کے بعد میں آنے والوں نے تو ہزاروں نشان دیکھے بعض نے ان سے فائدہ اٹھایا بعض نے فائدہ نہیں اُٹھایا لیکن نشان ہر ایک نے ہی دیکھے۔ بہرحال ان نشانوں کے دیکھنے کے بعد جو لوگ ایمان لائے وہ انتہائی اندھیروں کے اوقات میں ایمان لانے والوں میں شمار نہیں ہو سکتے اور اس وجہ سے ان کی قربانیوں کی وہ شان نہیں جو سابقون کی قربانیوں کی ہے۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ابتدائی زمانہ میں ایمان لائے تھے اور ان قربانیوں کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک نور دنیا کے لئے پیدا کیا۔ جماعت نے ترقی کی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل اس طرح نازل ہوئے کہ وہ جس کی آواز اپنے گاؤں کی گلیوں میں بھی نہیں گونجی تھی آج اس کی آواز ساری دنیا کی فضا میں گونج رہی ہے اور یہ تو ایک مثال ہے جس زاویہ سے بھی آپ دیکھیں گے آپ کو یہی نظر آئے گا یہ نتیجہ ہے ان قربانیوں کی قبولیت کا جو ابتدائی زمانہ میں ایمان لانے والوں نے ان اندھیری راتوں میں دیں اور انہیں اللہ تعالیٰ نے قبول کیا لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں بڑی وسعت ہے وہ زمانہ کے بدلے ہوئے حالات کے ساتھ ساتھ قربانیوں کو بھی بڑھاتا چلا جاتا ہے۔ اب اس زمانہ میں قربانیاں اور قسم کی ہیں اللہ تعالیٰ نے ایسے سامان پیدا کر دئے آپ کے لئے کہ آپ کو قربانیوں کے اس مقام پر کھڑا نہیں رہنے دیا بلکہ اپنے بندوں کو جنہیں اس نے خلافت کے مقام پر کھڑا کیا بہت سے منصوبے سکھائے اور اس نے آپ کو قربانیوں کے میدان میں آگے سے آگے پہنچا دیا۔ حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کی زندگی کے حالات کو دیکھیں کس طرح آپ نے جماعت کے استحکام اور ترقی کی تدابیر کیں اور جماعت سے قربانیاں لیں پھر ایک لمبا زمانہ خلافت ثانیہ کا ہے۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت

کا۔ اللہ تعالیٰ نے اس زمانۂ خلافت میں بھی آپ کو قربانی کے ایک مقام پر کھڑا نہیں رہنے دیا بلکہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے ذہن میں نئے سے نئے منصوبے اللہ تعالیٰ کے فضل سے اور اسی کے ارادہ سے اور اسی کے سکھانے سے آئے اور حضورؓ نے جماعت کو قربانی کے میدان میں آگے سے آگے دھکیلا تا کہ اس زمانہ کے احمدیوں کی قربانیوں کی مشابہت صحابۂ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ حضرت مسیح موعودؑ کی قربانیوں سے ایک حد تک ہو جائے تا اسی قسم کے انعامات کے یہ بھی وارث ہوں اب یہ خلافت ثالثہ کا زمانہ ہے اور یہ تو اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہے کہ کتنا لمبا عرصہ یہ رہے گا۔ لیکن آج میں ایک بات آپ کو بتا دیتا ہوں اور وہ یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ اسلام کو تمام دنیا میں غالب کرنے کی جو آسمانی مہم شروع کی گئی تھی آج وہ ایک نہایت ہی اہم اور نازک دور میں داخل ہو چکی ہے اور جماعت احمدیہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ آئندہ کم وبیش تیس سال تک اپنی قربانیوں کو انتہاء تک پہنچائے۔ نیز اپنی دعاؤں کو انتہاء تک پہنچائے تا اللہ تعالیٰ ان قربانیوں اور ان دعاؤں کو قبول کرے اور وہ مقاصد حاصل ہوں جن مقاصد کے حصول کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس جماعت کو کھڑا کیا ہے۔ پس کم وبیش تیس سال کا عرصہ بڑا ہی اہم ہے بڑا ہی اہم ہے اور ہم سے انتہائی قربانیوں کا مطالبہ کر رہا ہے اور اس کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ بھی ہے کہ اگر تم میری راہ میں انتہائی قربانیاں دو گے اور اسلام کے ہر حکم کے سامنے اپنے سروں کو جھکا دو گے۔ خالص مسلمان ہو جاؤ گے اپنے نفسوں پر ایک موت وارد کر لو گے تو میں تمہیں انتہائی اور عظیم انعام بھی دوں گا۔

پس ہم میں سے ہر ایک شخص کا (انفرادی حیثیت میں بھی اور جماعت کا بحیثیت جماعت) فرض ہے کہ وہ آگے بڑھے اور اس نازک اور اہم وقت میں انتہائی قربانیوں کو اپنے ربّ کے قدموں میں جا رکھے تا کہ اپنے ربّ کی پیار بھری نگاہ کا وہ مستحق اور وارث قرار دیا جائے اور اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہماری مدد کے لئے آسمانوں سے اتریں اور خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ ہماری زندگیوں میں پورا ہو کہ ’’محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہر دل میں گاڑ دی جائے گی‘‘۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۹؍جنوری ۱۹۶۸ء صفحہ ۲ تا ۵)

حوالہ جات جلد اوّل

نمبر شمار	حوالہ جات	صفحہ نمبر
۱	خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۰ / مارچ ۱۹۱۴ء الفضل مورخہ ۲۵ / مارچ ۱۹۱۴ء صفحہ ۱۶	۵
۲	اقرب الموارد زیر مادہ ’’ر م ض‘‘	۵۱
۳	روح البیان جلد اول زیر سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۲۳	۱۰۹
۴	صحیح البخاری کتاب المرضٰی باب تمنی المریض الموت	۱۱۰
۵	مسند احمد بن حنبل مسند عائشۃ رضی اللّٰہ عنہا	۱۲۸
۶	سنن الترمذی ابواب المناقب باب فی فضل ازواج النّبی صلی اللہ علیہ وسلم	۱۳۱
۷	تذکرہ مطبوعہ ۲۰۰۴ء صفحہ ۴۰۹	۱۳۷
۸	کشتی نوح، روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۲۶، ۲۷	۱۴۱
۹	ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۳۸۱، ۳۸۲	۱۴۱
۱۰	الفضل ربوہ ۲/ دسمبر ۱۹۴۹ء صفحہ ۵	۱۴۸
۱۱	نزول المسیح، روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۴۰۲، ۴۰۳	۲۳۹
۱۲	ملفوظات جلد ششم صفحہ ۱۱۸ کمپیوٹرائزڈ ایڈیشن	۲۴۰
۱۳	براہین احمدیہ، روحانی خزائن جلد ۱ صفحہ ۶۲۲	۲۶۰
۱۴	آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۶۴۸	۲۶۱
۱۵	انجام آتھم، روحانی خزائن جلد ۱۱ صفحہ ۶۲	۲۶۱

نمبر شمار	حوالہ جات	صفحہ نمبر
۱۶	لجۃ النور، روحانی جلد ۱۶ صفحہ ۳۳۹، ۳۴۰	۲۶۱
۱۷	تجلیات الٰہیہ، روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۴۰۹، ۴۱۰	۲۶۳
۱۸	مجموعہ اشتہارات جلد دوم صفحہ ۴۳۰، ۴۳۱	۲۸۸
۱۹	فریادِ درد، روحانی خزائن جلد ۱۳ صفحہ ۳۸۴	۲۸۹
۲۰	فریادِ درد، روحانی خزائن جلد ۱۳ صفحہ ۳۸۵	۲۸۹
۲۱	الوصیت، روحانی خزائن جلد نمبر ۲۰ صفحہ ۳۰۷	۳۵۲
۲۲	الوصیت، روحانی خزائن جلد نمبر ۲۰ صفحہ ۳۱۸	۳۵۳
۲۳	ملفوظات جلد ہشتم صفحہ ۱۵۷ کمپیوٹرائزڈ ایڈیشن	۳۶۰
۲۴	المنجد زیر مادہ ”ع زر“	۳۸۵
۲۵	المفردات فی غریب القرآن زیر مادہ ”ن ص ر“	۳۸۶
۲۶	روزنامہ الفضل قادیان ۱۹؍نومبر ۱۹۴۰ء صفحہ ۴، ۵	۴۳۲
۲۷	روزنامہ الفضل قادیان ۱۷؍اکتوبر ۱۹۴۶ء صفحہ ۱	۴۳۴
۲۸	رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۵۲ء صفحہ ۳۰، ۳۱	۴۳۴
۲۹	روزنامہ الفضل ربوہ ۱۵؍مارچ ۱۹۵۷ء صفحہ ۴	۴۳۵
۳۰	براہین احمدیہ حصہ پنجم، روحانی خزائن جلد ۲۱ صفحہ ۴	۶۶۹
۳۱	سرمہ چشمِ آریہ، روحانی خزائن جلد ۲ صفحہ ۷۲، ۷۳	۶۷۲
۳۲	سرمہ چشمِ آریہ، روحانی خزائن جلد ۲ صفحہ ۷۴	۶۷۳
۳۳	الحکم ۲۸؍فروری ۱۹۰۳ء صفحہ ۷	۶۷۴
۳۴	اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن جلد ۱۰ صفحہ ۴۱۲، ۴۱۳	۶۷۶
۳۵	مجموعہ اشتہارات جلد دوم صفحہ ۱۸۸ کمپیوٹرائزڈ ایڈیشن	۶۸۱

نمبر شمار	حوالہ جات	صفحہ نمبر
۳۶	ایک عیسائی کے تین سوالوں کا جواب، روحانی خزائن جلد ۴ صفحہ ۴۷۳	۶۸۱
۳۷	کتاب البریہ، روحانی خزائن جلد ۱۳ صفحہ ۹۲	۶۸۲
۳۸	براہین احمدیہ، روحانی خزائن جلد ا صفحہ ۵۳۹، ۵۴۰	۶۸۵
۳۹	ایام الصلح ، روحانی خزائن جلد ۱۴ صفحہ ۳۴۱، ۳۴۲	۶۸۸
۴۰	مرأۃ الحقائق مجموعہ فتاویٰ احمدیہ جلد ۳ صفحہ ۲۶ مرتبہ محمد فضل چنگوی	۶۹۱
۴۱	القاموس المحیط باب الباء فصل الجیم	۶۹۳
۴۲	چشمۂ معرفت، روحانی خزائن جلد ۲۳ صفحہ ۴۷ تا ۷۶	۶۹۵
۴۳	چشمۂ معرفت، روحانی خزائن جلد ۲۳ صفحہ ۹۰ تا ۹۴	۶۹۷
۴۴	احمدیت یعنی حقیقی اسلام انوار العلوم جلد ۸ صفحہ ۳۱۶	۷۰۱
۴۵	براہین احمدیہ، روحانی خزائن جلد ا صفحہ ۵۴۲، ۵۴۳	۷۰۳
۴۶	مرأۃ الحقائق مجموعہ فتاویٰ احمدیہ جلد ۳ صفحہ ۱۵ مرتبہ محمد فضل چنگوی	۷۰۴
۴۷	تفسیر ابن کثیر زیر سورۃ التوبۃ آیۃ ۱۲۳	۷۱۲
۴۸	آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۲۲۶ تا ۲۳۱	۷۲۶
۴۹	براہین احمدیہ، روحانی خزائن جلد ا صفحہ ۵۷۲ تا ۵۷۴	۷۲۹
۵۰	برکات الدعاء، روحانی خزائن جلد ۶ صفحہ ۹، ۱۰	۷۳۱
۵۱	برکات الدعاء، روحانی خزائن جلد ۶ صفحہ ۱۳	۷۳۱
۵۲	ایام الصلح ، روحانی خزائن جلد ۱۴ صفحہ ۲۳۸، ۲۳۹	۷۳۲
۵۳	آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۵۸	۷۳۷
۵۴	ملفوظات جلد ا صفحہ ۴۷۵ کمپیوٹرائزڈ ایڈیشن	۷۴۲
۵۵	ریویو آف ریلیجنز اردو جلد ا نمبر ۵ صفحہ ۱۸۹، ۱۹۰	۷۴۳

نمبر شمار	حوالہ جات	صفحہ نمبر
۵۶	لیکچر لاہور، روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۱۷۴	۷۴۴
۵۷	ملفوظات جلد ۴ صفحہ ۸۷ کمپیوٹرائزڈ ایڈیشن	۷۴۶
۵۸	براہین احمدیہ، روحانی خزائن جلد ۱ صفحہ ۸۱، ۸۲	۷۵۳
۵۹	براہین احمدیہ، روحانی خزائن جلد ۱ صفحہ ۵۳۳	۷۵۳
۶۰	الحکم جلد ۶ نمبر ۲۴ مورخہ ۱۰؍ جولائی ۱۹۰۳ صفحہ ۶ تا ۸	۷۶۶
۶۱	استثناء باب ۱۸ آیت ۱۸ تا ۲۰	۸۰۸
۶۲	یوحنا باب ۱۶ آیت ۱۲، ۱۳	۸۰۸
۶۳	سنن الدار القطنی کتاب العیدین بَابُ صِفَةِ صَلَاةِ الْخُسُوفِ وَالْكُسُوفِ وَهَيْئَتِهِمَا	۹۳۹
۶۴	مجموعہ اشتہارات جلد دوم صفحہ ۱۸۲، ۱۸۳ کمپیوٹرائزڈ ایڈیشن	۹۴۷
۶۵	حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۲۶۸، ۲۶۹	۹۴۹

فہرست خطباتِ جمعہ جو حضور انور نے ارشاد نہیں فرمائے۔ یا ارشاد فرمائے لیکن متن دستیاب نہیں ہوا۔ یا یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ حضور انور نے خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا یا نہیں۔

نمبر شمار	وہ خطبات جو جلد میں شامل نہیں اس کی وجہ	تاریخ خطبہ	حوالہ
۱	حضور انور نے بوجہ ناسازیٔ طبع خطبہ ارشاد نہیں فرمایا	۱۹؍نومبر ۱۹۶۵ء	الفضل ربوہ ۸؍دسمبر ۱۹۶۵ء صفحہ ۱
۲	حضور انور نے بوجہ ناسازیٔ طبع خطبہ ارشاد نہیں فرمایا	۴؍مارچ ۱۹۶۶ء	الفضل ربوہ ۶؍مارچ ۱۹۶۶ء صفحہ ۱
۳	حضور انور نے بوجہ ناسازیٔ طبع خطبہ ارشاد نہیں فرمایا	۸؍جولائی ۱۹۶۶ء	الفضل ربوہ ۱۰؍جولائی ۱۹۶۶ء صفحہ ۱
۴	حضور انور نے بوجہ ناسازیٔ طبع خطبہ ارشاد نہیں فرمایا	۱۲؍اگست ۱۹۶۶ء	الفضل ربوہ ۱۴؍اگست ۱۹۶۶ء صفحہ ۱
۵	شعبہ زود نویسی کے ریکارڈ کے مطابق حضور انور نے خطبہ ارشاد نہیں فرمایا	۲؍ستمبر ۱۹۶۶ء	
۶	شعبہ زود نویسی کے ریکارڈ کے مطابق حضور انور نے خطبہ ارشاد نہیں فرمایا	۳۰؍ستمبر ۱۹۶۶ء	
۷	حضور انور نے بوجہ ناسازیٔ طبع خطبہ ارشاد نہیں فرمایا	۲؍دسمبر ۱۹۶۶ء	الفضل ربوہ ۴؍دسمبر ۱۹۶۶ء صفحہ ۱
۸	حضور انور نے بوجہ ناسازیٔ طبع خطبہ ارشاد نہیں فرمایا	۹؍دسمبر ۱۹۶۶ء	الفضل ربوہ ۱۱؍دسمبر ۱۹۶۶ء صفحہ ۱
۹	حضور انور نے بوجہ ناسازیٔ طبع خطبہ ارشاد نہیں فرمایا	۳؍فروری ۱۹۶۷ء	الفضل ربوہ ۵؍فروری ۱۹۶۷ء صفحہ ۱
۱۰	حضور انور نے بوجہ ناسازیٔ طبع خطبہ ارشاد نہیں فرمایا	۱۷؍فروری ۱۹۶۷ء	الفضل ربوہ ۲۱؍فروری ۱۹۶۷ء صفحہ ۱
۱۱	حضور انور نے بوجہ ناسازیٔ طبع خطبہ ارشاد نہیں فرمایا	۱۴؍اپریل ۱۹۶۷ء	الفضل ربوہ ۱۶؍اپریل ۱۹۶۷ء صفحہ ۱
۱۲	شعبہ زود نویسی کے ریکارڈ کے مطابق حضور انور نے خطبہ ارشاد نہیں فرمایا	۲۸؍اپریل ۱۹۶۷ء	
۱۳	حضور انور نے خطبہ ارشاد فرمایا لیکن تا حال متن نہیں مل سکا	۲۱؍جولائی ۱۹۶۷ء	الفضل ربوہ ۲۴؍جولائی ۱۹۶۷ء صفحہ ۱
۱۴	حضور انور لندن مقیم تھے لیکن خطبہ کی تفصیل معلوم نہیں	۱۸؍اگست ۱۹۶۷ء	
۱۵	حضور انور نے بوجہ ناسازیٔ طبع خطبہ ارشاد نہیں فرمایا	۶؍اکتوبر ۱۹۶۷ء	الفضل ربوہ ۸؍اکتوبر ۱۹۶۷ء صفحہ ۱
۱۶	حضور انور نے بوجہ ناسازیٔ طبع خطبہ ارشاد نہیں فرمایا	۱۰؍نومبر ۱۹۶۷ء	الفضل ربوہ ۱۲؍نومبر ۱۹۶۷ء صفحہ ۱